عنبر کا سر
کٹ گیا
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

عنبر کا سر کٹ گیا

اے حمید

قیمت ۷/۵۰ روپے

باراول ـــــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا۔ ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز۔ لاہور

پیارے دوستو!

آپ نے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سفر کی پُراسرار داستان کو پڑھتے ہوئے محسوس کیا ہوگا کہ ان کا سفر اب بے حد دلچسپ، مہماتی، زیادہ پُراسرار اور انوکھے واقعات سے بھرپور ہوگیا ہے اور اب تو ان کے تاریخی سفر میں لاہور کا ایک سٹوڈنٹ امجد بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی آپ دیکھیں گے کہ امجد کس عجیب و غریب اور حیرت انگیز مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ دوسری طرف اپنے پانچ ہزار سال کے سفر میں پہلی بار عنبر پر ایک ایسی آفت آن پڑتی ہے کہ اتنی لمبی زندگی میں اس پر ایسی آفت کبھی نہیں پڑی تھی۔ اس کا سر کٹ جاتا ہے۔ کیسے کٹتا ہے؟ کون کاٹتا ہے؟ یہ تو آپ جب اس قسط کو پڑھنا شروع کریں گے تو پہلے ہی باب میں آپ کو پتہ چل جائے گا۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس قسط کو پڑھنے اور عنبر ناگ ماریا کے انوکھے حیرت انگیز سفر میں ان کے ساتھ ساتھ خود بھی سفر کرنے کو بے تاب ہیں۔

آپ کا دوست

اے حمید

ترتیب

عنبر کا سر کٹ گیا

عنبر سیاہ لبادہ پہنے، گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

مگر سیاہ پوش گروہ کا آدمی سردار کا حکم لے کر اس سے پہلے دوسرے شہر میں پہنچ چکا تھا اور دیوی روشنک کے یاقوت کے جادو اور کشش کی وجہ سے اس چھوٹے سے شہر کے تمام مسلمانوں کو دیوی روشنک کا سیاہ پوش کاہن اپنے ساتھ لے کر دریا کے کنارے ایک پہاڑی پر کھڑا تھا اور دیوی روشنک کے نام کے آخری منتر پڑھ رہا تھا۔ دس سیاہ پوش پہاڑی کے نیچے پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر بجلی کی طرح گھوڑا دوڑاتے شہر میں آیا تو دیکھا کہ اس شہر کے بازار اور گلیاں بھی ویران اور سنسان ہیں۔ اگرچہ رات کی تاریکی چاروں طرف پھیلی تھی مگر چاند نکل آیا تھا جس کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ دکانیں کھلی ہیں مگر کوئی دکاندار نہیں بیٹھا ہے۔ مکانوں کے دروازے کھلے ہیں مگر مکان خالی ہیں۔
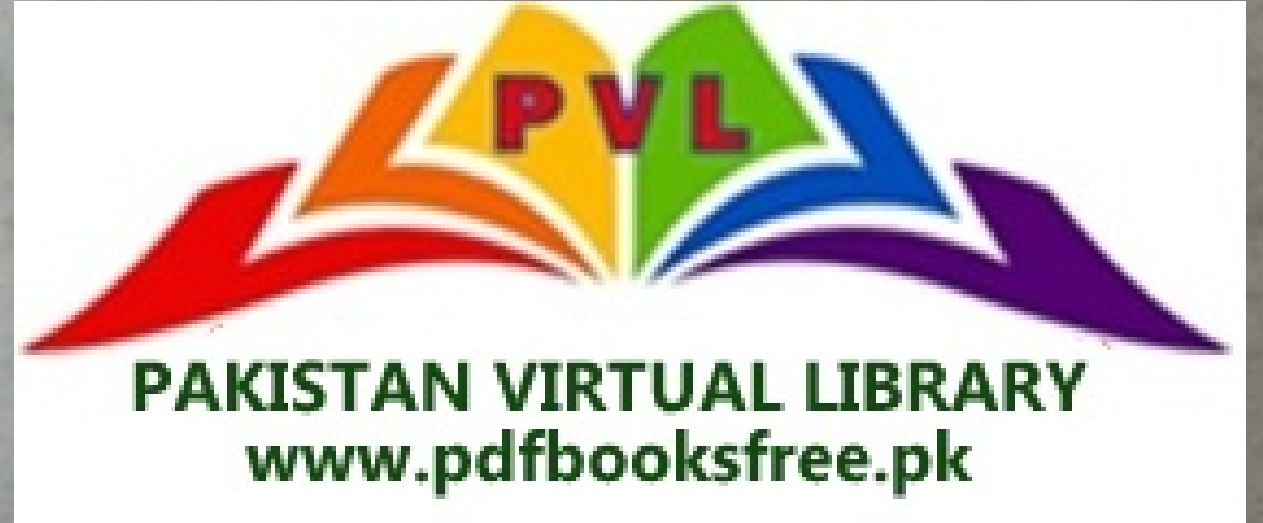
کوئی انسان وہاں پر نہیں تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس شہر کے
مسلمانوں کو بھی ایک ساتھ ہلاک کیا جا رہا ہے۔ اس نے
سیاہ چٹانوں کی طرف گھوڑے کو ڈال دیا۔ اندھیرے میں اس
کی آنکھیں بہت دور تک دیکھ سکتی تھیں۔ اس نے دیکھا
کہ سیاہ چٹانوں کے درمیان ایک پہاڑی پر شہر کے سارے مسلمان بُت
بنے کھڑے نیچے دریا کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی
ہیں اور دیوی روشنک کا بڑا سردار کاہن ایک طرف کھڑا
قربانی کے لیے منتر پڑھ رہا ہے۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتا
اور چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو پھلانگتا پہاڑی کے نیچے اس جگہ
آگیا جہاں دس سیاہ پوش پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر چونکہ خود سیاہ لباس میں تھا اور اس کا چہرہ سیاہ
پوش گروہ کے لوگوں کی طرح سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا
اس لیے اس کو دیکھ کر کوئی حیران نہ ہوا پھر بھی اصول کے
مطابق ایک پہرے دار سیاہ پوش نے پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا:

"الو دودھ پیتا ہے۔"

یہ اس سیاہ پوش گروہ کا خفیہ کوڈ تھا۔ انہوں نے کہا:

"تم ہمارے ہی آدمی ہو۔ مگر تم کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں بڑے کاہن کے لیے سردار کا ایک خاص پیغام
لایا ہوں۔"

پہرے دار نے راستہ چھوڑ دیا۔ عنبر گھوڑا لے کر پہاڑی پر
چڑھنے لگا۔ جب وہ اوپر مسلمانوں کے ہجوم کے پاس آیا
جو دیوی روشنک کے یاقوت کے جادو کے اثر کی وجہ سے
نیچے کودنے ہی والے تھے۔ جادو کا یاقوت ایک انگوٹھی میں
لگا بڑے کاہن کی انگلی میں تھا۔ اس یاقوت میں سے
نکلنے والی شعاعوں نے ان لوگوں پر جادو کر رکھا تھا۔ کاہن
نے جب ایک سیاہ پوش کو گھوڑے پر سوار اپنی طرف
آتے دیکھا تو منتر پڑھنا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھ کر غصے
سے بولا:

"کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

عنبر قریب جا کر گھوڑے سے اُتر گیا اور بولا:

"کاہن اعظم میں یاغول ہوں اور دیوی روشنک
نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو یاقوت کے جادو
سے رہا کر دیا جائے۔"

کاہن کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"تم کون ہوتے ہو عظیم دیوی روشنک کا پیغام لے
کر آنے والے؟ دیوی نے اگر کچھ کہنا ہوتا تو

مجھے کہتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور مجھے ان
مسلمانوں کو دریا میں پھینک کر دیوی کا حکم
پورا کرنے دو۔"
عنبر نے کہا:
"اگر یہ بات ہے تو پہلے تمہیں اس پہاڑی سے
نیچے دریا میں گراؤں گا۔"
کاہن غصے سے کانپنے لگا۔ آج تک کسی کو جرأت نہیں
ہوئی تھی کہ اسے ایسی بات کہتا۔ اس نے چیخ کر کہا:
"کون ہو تم بدتمیز۔"
اور آگے بڑھ کر عنبر کے چہرے پر سے نقاب نوچ لیا۔
اسے ایک اجنبی کا چہرہ نظر آیا تو چلا کر پہرے داروں
کو حکم دیا۔
"اس کی گردن اڑا دو۔ یہ مسلمانوں کا حمایتی ہے۔"
اس کے قریب ہی کھڑے چار سیاہ پوش بجلی کی طرح
تلواریں لہراتے عنبر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے عنبر پر تلواروں
سے حملہ کر دیا۔ مگر عنبر نے ان کا حملہ بچانے کی بالکل
کوشش نہ کی۔ چار تلواریں اس کی گردن اور سر پر پڑیں اور
ٹوٹ کر گر پڑیں لیکن عنبر کی توجہ کاہن کی انگوٹھی کی طرف تھی
جس میں جادو کا وہ یاقوت جڑا تھا جس کے جادو نے

مسلمانوں کو اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ عنبر کے سر اور گردن
پر لگ کر چاروں تلواروں کو ٹوٹتے کاہن نے بھی دیکھ لیا
تھا۔ وہ دل ہی دل میں حیران ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھا کہ یہ
بھی کوئی جادوگر ہے۔ فوراً منتر پڑھ کر پھونک ماری۔ مگر
اتنے عرصے میں عنبر نے کاہن کے ہاتھ میں سے اس کی
انگوٹھی چھین لی تھی۔ عنبر پر کاہن کے جادو کا کوئی اثر نہ ہوا۔
عنبر نے انگوٹھی کے یاقوت کو پاؤں سے مسل کر کرچی کرچی
کر کے اسے دریا میں پھینک دیا۔
یاقوت کا ٹوٹنا تھا کہ پہاڑی پر کھڑے اور دریا میں گرنے
کے قریب تمام مسلمانوں پر سے اس کا جادو ختم ہو گیا۔ وہ
آنکھیں ملتے ہوئے ایک دوسرے کو اور پھر نیچے دریا کو
تکنے لگے کہ ہم یہاں کیسے آ گئے۔
عنبر نے بلند آواز میں کہا:
"یہاں سے فوراً شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے
جاؤ تم پر جو جادو کیا گیا تھا وہ ٹوٹ چکا ہے۔
اب تم آزاد ہو۔"
مسلمان خدا کا شکر بجا لاتے پہاڑی پر سے اتر کر شہر
کی طرف بھاگنے لگے۔ کاہن پریشان ہو گیا۔ اسے اپنی موت
نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ دیوی روشنک کی یہ سب سے بڑی

توہین تھی اور اس نے کاہن کو زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔
اس نے ایک ایسا منتر پڑھا جس سے آدمی کے سارے
جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ وہ عنبر کو جلا کر راکھ کر دینا
چاہتا تھا، لیکن اس جادو کا بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔
اس نے کاہن سے کہا:

"اے کاہن! تیرا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ
میں اس وقت مسلمانوں کی مدد کے لیے یہاں
آیا ہوں۔ اس وقت مجھ پر میرے خدا کی رحمت
کا سایہ ہے۔"

کاہن نے تمام سیاہ پوشوں کو آواز دی۔ ادھر اُدھر
سے کتنے ہی سیاہ پوش نکل کر وہاں آ گئے، اور انہوں نے
عنبر پر تلواریں برسانی شروع کر دیں۔ عنبر کو تو معمولی سا
زخم بھی نہ آیا مگر ان کی تلواریں عنبر کے چٹان سے بھی
زیادہ مضبوط جسم سے ٹکرا کر ٹوٹتی چلی گئیں۔ عنبر نے
کاہن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زمین سے تین فٹ
اوپر اٹھا لیا اور کہا:

"تم جادوگر ہو اور میں اس وقت ایک سچے مسلمان
کے روپ میں تمہارے سامنے ہوں اور سچے مسلمان
پر دنیا کے کسی جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ اب تم مرنے

کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ تم نے مجھ پر بڑے حملے
کیے ہیں اور میں پہلا حملہ کر رہا تھا۔

عنبر نے کاہن کو زور سے ہوا میں اچھالا۔
وہ ہوا میں پچاس فٹ تک گیند کی طرح اُچھلا اور پھر
نیچے ٹھاٹھیں مارتے دریا کی طوفانی موجوں میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے ڈوب گیا۔ دوسرے سیاہ پوش عنبر کی طرف بڑھے
مگر جب عنبر نے دو سیاہ پوشوں کو اٹھا کر کاہن کے پیچھے
پیچھے دریا میں پھینک دیا تو باقی ڈر کر اندھیری رات میں
بھاگ گئے۔

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یاقوت کے ٹوٹ جانے
سے اس کا جادو بھی ٹوٹ چکا تھا اور اب کوئی کاہن کوئی
یاقوت وہاں کے مسلمانوں کو اپنے طلسم میں قید نہیں کر
سکتا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا اور پہاڑی سے نیچے اُترنے
لگا۔ چاند مغرب کی طرف سیاہ چٹانوں کے پیچھے آ گیا
تھا اور پہاڑی اور اس کے نیچے جنگل میں اندھیرا چھا گیا
تھا۔ عنبر گھوڑا دوڑاتے پہاڑی کے نیچے آ گیا۔ وہاں ہر طرف
اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے دور شہر کی طرف
نگاہ ڈالی۔ شہر میں روشنیاں ہو رہی تھیں اور مسلمانوں کی
آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ خوش تھے اور دوبارہ زندگی مل

جانے کے بعد اپنے گھروں میں واپس آ جانے پر خوشیاں منا رہے تھے۔ عنبر بھی بڑا خوش ہوا۔ اس نے اپنا ایک انسانی فرض ادا کر دیا تھا اور بے گناہ لوگوں کو دیوی روشنک کے ظالمانہ جادو سے نجات دلا دی تھی۔

اب اسے ناگ ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کا خیال آنے لگا تھا۔ وہ ان کے پاس جانا چاہتا تھا۔ مگر اپنی سرخ نگینے والی انگوٹھی کو رگڑتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیوں کہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا نظر آ جائے اور وہ اسی جگہ پہنچ جائے۔ وہ اپنے دل میں اس انگوٹھی کے سرخ نگینے کو کوسنے لگا کہ کم بخت ایسی انگوٹھی کیوں نہ ملی کہ وہ اس کو رگڑ کر جہاں چاہتا پہنچ جاتا۔ اب وہ انگوٹھی کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ جہاں چاہے اسے پہنچا دیتی تھی۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ گھوڑا شہر سے دور جنگل کے گھنے درختوں کے ساتھ ساتھ ایک ویران کچے راستے پر چلا جا رہا تھا۔ عنبر کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کی منزل کون سی ہے اور وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ تو ناگ ماریا اور اپنے پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر کی نئی خلائی ساتھی لڑکی کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ خدا جانے اب ان لوگوں سے کہاں اور کس جگہ اور کس وقت ملاقات ہو۔

عنبر اپنے خیالوں میں گم جنگل کے کنارے کنارے چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان سے گذر رہا تھا کہ اچانک بجلی زور سے چمکی۔ عنبر کا گھوڑا ڈر کر زور سے ہنہنایا اور رک گیا۔ عنبر نے حیران ہو کر آسمان کی طرف دیکھا کہ آسمان پر بادل کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر یہ بجلی اتنی زور سے کہاں سے چمکی تھی؟ گھوڑا ڈرا ہوا تھا اور قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے اسے بڑی مشکل سے قابو میں کیا اور اسے قدم قدم چلاتا آگے بڑھا۔ اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا اور اصل میں بجلی نہیں چمکی تھی۔ کیوں کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو اور بجلی چمکے۔ بجلی تو اس وقت چمکتی ہے جب آسمان پر بادلوں کی گھٹا چھائی ہوئی ہو۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ بجلی ایک بار پھر چمکی۔ اس دفعہ بجلی کے چمکنے کے بعد بادلوں کی زبردست گڑگڑاہٹ بھی سنائی دی۔ یہ گڑگڑاہٹ اتنی زبردست تھی کہ عنبر نے ایسی آواز پہلے کبھی نہیں سنی تھی اور پھر ایسی حالت میں کہ جب آسمان پر کہیں بھی بادل نہ ہوں۔ عنبر کے دل نے اسے کہہ دیا کہ کوئی بڑی ہی انوکھی اور پراسرار بات ہونے والی ہے۔ اس نے اندھیری رات میں آسمان کی طرف دیکھا۔

آسمان پر چاند کہیں نہیں تھا۔ چاند چٹانوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا مغرب میں غروب ہو گیا تھا۔ تارے چمک رہے تھے اب وہ ایک بار پھر بادلوں کی گرج کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان پر لگا رکھی تھیں۔ ویسے ہی بجلی ایک بار پھر چمکی۔ سارا جنگل ایک سیکنڈ کے لیے روشن ہو گیا۔ اس کے بعد ایسی بھیانک اور دل ہلا دینے والی گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی کہ عنبر کے نیچے سے گھوڑا نکل گیا۔ وہ ڈر کر اتنی زور سے لرزا کر عنبر کے نیچے سے نکل کر رات کی تاریکی میں بھاگتا ہوا غائب ہو گیا۔

عنبر زمین پر سے اٹھا اور غور سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی عجیب و غریب بات ہونے والی ہے۔ بادلوں کی بھیانک گڑگڑاہٹ کے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک ویران راستہ تھا جو جنگل کے ساتھ ساتھ رات کے خوفناک اندھیروں میں ڈوبے ہوئے پتھریلے ٹیلوں کے قریب سے ہو کر دریا کی طرف چلا گیا تھا۔ عنبر خاموشی سے اس راستے پر چلنے لگا۔ بجلی ایک بار پھر زور سے کڑکی۔ عنبر وہیں رُک گیا۔ بجلی کی زبردست چمک کے بعد گہرا اندھیرا چھا گیا۔ مگر عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہلا۔ عنبر کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہونے

والا تھا اب وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اندھیرے میں اسے چند قدموں پر دریا بہتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس خیال سے کہ ہو سکتا ہے وہاں اسے کوئی کشتی مل جائے اور وہ دریا پار چلا جائے یا اگر کشتی نہ ہو تو وہ تیر کر نکل جائے۔

عنبر دریا کے کنارے پہنچا تو ایک چمک سی آسمان پر لہرا کر بجھ گئی۔ عنبر نے دیکھا کہ سامنے درختوں کے جھنڈ میں سے ایک عجیب و غریب شکل کی عورت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے سر پر انسانی کھوپڑیوں سے بنا ہوا تاج تھا۔ گردن میں زہریلے بچھوؤں کا ہار تھا اور لمبے سیاہ بال سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ اس کی سبز آنکھوں میں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ قدم اٹھائے بغیر اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عنبر خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس عورت کا ہیولا عنبر سے دس قدم پر آ کر رُک گیا۔ عورت کی شکل کسی چڑیل سے ملتی تھی۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا تم اس جنگل کی چڑیل ہو؟"

عورت نے ایسی آواز میں جس میں سانپوں کی سسکار تھی کہا:

"میں وہ عورت ہوں جسے تم ساری زندگی یاد رکھو
گے۔ میرا نام دیوی روشنک ہے۔"
عنبر نے کہا:
"اچھا تو تم وہ ڈائن ہو جو مسلمانوں کے خون
کی پیاسی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے
ہزاروں مسلمانوں کو تمہارے خونی چنگل سے بچا لیا۔"
دیوی روشنک نے اپنے نوکیلے دانت نکال کر کہا:
"میں تمہیں اسی گستاخی کی سزا دینے آئی ہوں۔ تم
نے میری توہین کی ہے۔ میں تم سے ایسا بدلہ لوں
گی کہ تم ساری زندگی یاد رکھو گے۔"
عنبر مسکرایا:
"تم مجھ سے کیا بدلہ لے سکتی ہو؟ زیادہ سے زیادہ
تم مجھے مار ڈالنے کے بارے میں سوچ رہی ہوگی
اور شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں مر نہیں سکتا۔"
دیوی روشنک نے کہا:
"میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں تمہارے
ساتھ آگے جو ہونے والا ہے وہ بھی جانتی ہوں۔"
عنبر بولا:
"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تمہیں جو کرنا ہے کرکے

دیکھ لو۔"
دیوی روشنک نے قہقہہ لگایا اور بولی:
"میں تمہارے ساتھ جو کرنے والی ہوں اسے تم نہ
دیکھ سکو گے۔"
عنبر کو غصہ آگیا۔ اس نے گرج دار آواز میں کہا:
"اے مکار عورت! یہاں سے بھاگ جا نہیں تو
میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔"
دیوی روشنک کے ماتھے میں سے سرخ رنگ کی ایک
شعاع نکل کر عنبر کی گردن پر ہنٹر کی طرح آ کر پڑی۔ وہ ایک
طرف سے آئی اور عنبر کی گردن کے اندر سے ہوتی ہوئی
دوسری طرف سے باہر نکل گئی۔ سرخ شعاع کا دوسری طرف
سے نکلنا تھا کہ عنبر کی گردن کٹ گئی اور دھڑ سے الگ
ہو کر زمین پر گر پڑی۔ عنبر کا دھڑ اور کٹا ہوا سر ایک دم
سن ہو گیا۔ پتھر کا بن گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ اسے دیوی
روشنک کا قہقہہ بلند ہوتا سنائی دیا۔ عنبر کا سر گھاس پر پڑا
تھا۔ اس نے دھندلی دھندلی آنکھوں سے گھاس کے خوشوں
میں سے دیکھا کہ دیوی روشنک کا ہیولا قہقہے لگاتا اور پیچھے
ہٹتا ہوا گنجان درختوں میں جا کر گم ہو گیا۔
اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ دیوی روشنک نے عنبر سے

ایسا بدلہ لیا تھا کہ جس کے بارے میں عنبر کبھی سوچ بھی نہیں سک
تھا۔ وہ پانچ ہزار سال سے سفر کر رہا تھا اور ان پانچ ہزار سا
میں کسی بڑے سے بڑے جادوگر کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی تھی
اس کی انگلی کا ایک ناخن تک کاٹ سکے۔ لیکن اس دیو
روشنک نے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی، لیکن اس ک
حالت مردے سے بھی بڑی تھی۔ اس کا دھڑ الگ اور سر
الگ گھاس پر پڑا تھا۔ اس کا دھڑ اور کٹا ہوا سر۔ دونوں
پتھر کے ہو چکے تھے۔ نہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکتا تھا او
نہ اپنی آنکھوں کو دائیں بائیں یا اوپر نیچے حرکت دے سک
تھا۔ وہ ایک ایسے پتھر کے بت کی طرح گھاس پر گرا پڑا تھ
جس کا سر زمین پر گرنے کی وجہ سے ٹوٹ کر باقی دھڑ سے
الگ ہو گیا ہو۔ سرخ یاقوت کی انگوٹھی اسی طرح عنبر کی انگلی میں
پڑی تھی۔ مگر وہ بھی انگلی کے ساتھ ہی پتھر بن چکی تھی اور اگر
کوئی اسے اتارنا چاہتا تو اتار نہیں سکتا تھا۔

پھر اچانک جنگل میں بڑے زور کی آندھی چلنے لگی۔ بادل
گرجنے لگے اور تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ عنبر خود
نہیں بول سکتا تھا مگر وہ سن سکتا تھا اور دھندلا دھندلا دیکھ
بھی سکتا تھا۔ اسے بارش اور آندھی کے طوفان میں جیسے چڑیلوں
کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں

اور وہ انہیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ آندھی کے زور سے
درخت دہرے ہوئے جا رہے تھے۔ تیز ہوا نے عنبر
کے سر اور دھڑ کو گھاس پر دریا کی طرف لڑھکانا شروع کر
دیا۔ دریا کے کنارے پر جا کر عنبر کا سر اور دھڑ رک گئے۔
پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور عنبر کا سر اور دھڑ غڑاپ کی
آواز کے ساتھ دریا میں گر گئے۔

دریا کی لہریں طوفانی ہو رہی تھیں۔ ان تیز طوفانی موجوں
میں عنبر کا سر اور دھڑ آگے پیچھے بہنے لگے۔ عنبر اپنے
دھڑ کو آنکھیں گھما کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس کا ذہن
کہہ رہا تھا کہ اس کا کٹا ہوا پچھلا دھڑ ضرور اس کے پیچھے
پیچھے آ رہا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا؟ کیا
اس کا سر دوبارہ اس کے جسم سے جڑ سکے گا؟ کیا وہ دوبار
ناگ، ماریا اور خلائی لڑکی کو دیکھ سکے گا؟ اور اگر اس کا
سر کہیں اور چلا گیا اور دھڑ کسی اور طرف نکل گیا تو پھر کیا
ہو گا؟ پھر تو قیامت تک دوبارا زندہ نہ ہو سکے گا۔

عنبر کا کٹا ہوا سر انہی خیالوں میں گم دریا کی طوفانی موجوں
پر بہا جا رہا تھا۔ اس کا کٹا ہوا دھڑ بھی اس کے پیچھے پیچھے
بہتا چلا آ رہا تھا۔ عنبر کی پتھرائی ہوئی آنکھیں کھلی تھیں اور
اسے تاریک آسمان پر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بارش

اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بارش کے قطرے بڑی تیزی
سے عنبر کی کھلی آنکھوں پر گر رہے تھے۔ مگر عنبر آنکھیں بند
نہیں کر سکتا تھا۔ بارش کے قطرے اس کی آنکھوں کے پتھروں
سے ٹکرا کر پھسل جاتے تھے۔

اب عنبر کی آنکھیں اور زیادہ دھندلانے لگیں۔ وہ سمجھا کہ
شاید یہ بارش کی وجہ سے ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد عنبر کی آنکھیں
تو کھلی تھیں مگر اسے دکھائی کچھ نہیں دے رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ
اس پر شاید موت کی تاریکی چھانے لگی ہے اور سچ مچ اب اس
کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس نے اپنے دماغ میں خدا کو
یاد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد عنبر کو بالکل ہوش نہ رہا کہ
وہ کہاں اور کس جگہ پر ہے۔

○

اب ہم آپ کو آج کے یعنی ۱۹۸۳ء کے لاہور میں لاتے
ہیں۔ ستمبر کا مہینہ ہے۔ بارشوں کی وجہ سے دریائے راوی میں
زبردست سیلاب آیا ہوا ہے۔ کھیت اور گاؤں پانی میں ڈوب
گئے ہیں۔ تین دن کے بعد سیلاب کا پانی خشک ہوا تو دریا
کے کنارے ایک جگہ کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے کسان نے
دیکھا کہ ایک انسان کا کٹا ہوا سر اور کٹا ہوا دھڑ مٹی میں دبے

پڑے ہیں۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کوئی انسانی لاش پڑی ہے جب
اس نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ پتھر کا بت تھا۔ اس نے
پتھر کے سر کو اٹھا کر غور سے دیکھا۔ بت کی آنکھیں پتھرائی
ہوئی تھیں اور بالوں میں اور ناک میں مٹی پھنسی ہوئی تھی۔
یہ عنبر کا سر اور کٹا ہوا دھڑ تھا اور عنبر اس کسان کو دیکھ رہا
تھا اور آس پاس درختوں پر چہچہاتے پرندوں کی آوازیں بھی
سن رہا تھا۔

کسان نے عنبر کا کٹا ہوا سر اور دھڑ اٹھا کر کھیت کے
کنارے ایک جگہ گھاس میں رکھ دیا۔ اس نے سوچا کہ یہ
کوئی پرانا بت ہے جو سیلاب کے پانی میں دریا میں بہتا
وہاں پر آ گیا ہے اور وہ آثار قدیمہ کے محکمے والوں کو
دے کر اس کے معاوضے میں انعام حاصل کرے گا۔ عنبر کے
جسم کے ساتھ اس کا لباس بھی پتھر کا ہو گیا تھا جو پرانے زمانے
کا تھا جس سے کسان کو شک پیدا ہوا کہ یہ کوئی پرانا تاریخی بت
ہے۔ اس نے تھانے میں جا کر اطلاع دی۔ تھانے والوں
نے محکمہ آثار قدیمہ کو خبر کر دی وہ لوگ ویگن میں بیٹھ کر
وہاں آئے اور عنبر کے کٹے ہوئے سر اور دھڑ کا غور
سے معائنہ کرنے لگے۔ ان میں ایک بوڑھا پروفیسر بھی تھا۔
اس نے عنبر کے چہرے اور اس کے پرانے زمانے کے

لباس کو دیکھ کر کہا:

"میرے اندازے کے مطابق یہ دو ہزار برس پرانا بُت ہے اور اس کا تعلق قدیم مصر سے ہے۔"

دوسرا پروفیسر بولا:

"سر! میرا خیال ہے کہ یہ انسانی بت موہنجو ڈارو کے زمانے کا ہے اور دریائے سندھ کی تہہ سے سیلاب کی وجہ سے نکل کر دریائے راوی میں آ گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس کا لیبارٹری میں غور سے معائنہ کریں گے۔"

عنبر ان کی باتیں سن رہا تھا اور خاموش تھا۔ کیوں کہ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ یہ جان کر اسے ایک طرح سے تسلی ہوئی تھی کہ وہ ۱۹۸۳ء کے زمانے کے لاہور میں آ گیا ہے جہاں اس کا اور ناگ ماریا کا دوست امجد رہ رہا تھا۔

عنبر کے کٹے ہوئے سر اور دھڑ کو ویگن میں ڈال کر لیبارٹری میں لے جایا گیا۔ وہاں اسے پانی اور دوسرے مصالوں سے خوب دھو کر صاف کیا گیا۔ پھر اس کا معائنہ شروع ہو گیا۔ عنبر کے ہاتھ میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو دیکھ کر پروفیسر بولا:

"یہ انگوٹھی قدیم بابل کے زمانے کی لگتی ہے۔ موہنجو ڈارو کے زمانے کے لوگ ایسی انگوٹھیاں نہیں پہنا کرتے تھے۔"

دوسرا پروفیسر کہنے لگا:

"ہو سکتا ہے یہ دونوں تہذیبیں کسی زمانے میں ایک جیسی رہی ہوں پروفیسر! ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دونوں تہذیبوں کے بارے میں تاریخ ہمیں بہت کم بتاتی ہے۔"

پہلا پروفیسر بولا:

"کچھ بھی ہو۔ یہ بت بہت پرانا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قیمتی دریافت ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" دوسرے پروفیسر نے کہا: "میرا خیال ہے اب ہمیں اس بُت کو لاہور کے عجائب گھر کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس بُت کی وجہ سے ہمارے عجائب گھر کی قدر و منزلت بڑھے گی۔"

دوسرے پروفیسر نے پوچھا:

"مگر پروفیسر! ہم اس کے نیچے کیا لکھیں گے؟"

پہلا پروفیسر کہنے لگا:

"یہی کہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔ موہنجو ڈارو کی قدیم تہذیب کا ایک انسان۔ جس کا بت دریائے راوی کی تہہ سے برآمد ہوا۔"

"بالکل ٹھیک ہے سر!"

دو روز بعد عنبر کے سر کو پیچ دار کیلوں کی مدد سے اس
کے دھڑ کے اوپر لگا کر لاہور کے عجائب گھر والوں کو دے
دیا گیا۔ عنبر کے بت کو شیشے کی ایک اونچی الماری میں کھڑا
کر دیا گیا۔ الماری کے باہر ایک تختی پر یہ لکھ دیا گیا کہ
"موہنجو داڑو کی قدیم تہذیب کا ایک انسان۔ جس کا بت دریائے
راوی کی تہہ سے برآمد ہوا۔"

اسی روز اخباروں میں یہ خبر بھی چھپ گئی اور عنبر کے
بت کی تصویر بھی ساتھ ہی آ گئی۔ امجد کے سالانہ امتحان ختم
ہو گئے تھے اور وہ نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دسویں
کا امتحان دیا تھا۔ دن بھر وہ فارغ ہوتا اور یا اپنے دوستوں
کے ساتھ کرکٹ کھیلتا یا لائبریری میں جا کر کتابیں پڑھتا اور
یا کیرم بورڈ کھیلتا تھا۔ رات کو وہ عنبر ناگ ماریا کی تازہ چھپی
قسط کا مطالعہ کرتا اور یہ دیکھتا کہ عنبر ناگ ماریا اور خلائی لڑکی
کیٹی آج کل کہاں ہیں۔

جس روز اخباری میں عنبر کے کٹے ہوئے سر والے بت
کی خبر اور اس کی تصویر اخبار میں چھپی اس روز امجد صبح ہی
صبح گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلنے گیا ہوا تھا۔ کرکٹ کھیل کر وہ
کوئی نو بجے اپنی گارڈن ٹاؤن والی کوٹھی میں واپس آیا تو
ڈرائینگ روم میں اس کی چھوٹی بہن اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کی امی باورچی خانے میں ناشتہ بنا رہی تھی اور والد
غسل خانے سے نہا کر ابھی ابھی نکلے تھے اور اپنے کمرے
کپڑے بدل رہے تھے انہیں آج ریلوے کے ایک ٹھیکے
کے سلسلے میں ریلوے کے ہیڈ کوارٹر میں جانا تھا۔

امجد نے اپنی بہن کے قریب سے گذرتے ہوئے کہا:

"کیا تم صبح صبح بوڑھی عورتوں کی طرح اخبار لے
کر بیٹھ جاتی ہو۔"

اس کی بہن نے چلا کر کہا:

"امی جان! دیکھیں امجد مجھے پھر تنگ کر رہا ہے۔"

امجد اس کی گت کھینچ کر بھاگ گیا۔ اس کی بہن
امجد کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگی۔

امی نے باورچی خانے سے آواز دی:

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے تم دونوں نے؟"

امجد کی بہن نے کہا:

"امی! امجد نے مجھے بوڑھی مائی کہا ہے۔"

امجد بولا:

"امی جان! یہ جھوٹ بولتی ہے۔ میں نے تو بوڑھی
کہا تھا مائی نہیں کہا تھا۔"

امجد کا والد کپڑے بدل کر باہر آ گیا اور ناشتے کی میز

پر بیٹھتے ہوئے بولا:

"ارے بھئی تم دونوں بہن بھائی بہت شور مچاتے ہو۔"

نوکر نے ناشتہ لا کر رکھ دیا۔ امجد بھی منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا اور دودھ کا گلا اٹھا کر پینے لگا۔ اس کی بہن قریب سے گزری تو امجد نے زبان باہر نکال کر اس کا منہ چڑایا۔ اس کی بہن نے کہا:

"ابو دیکھیں امجد زبان نکال رہا ہے۔"

امجد نے جھٹ کہا:

"ابو جان بھلا میں زبان کیسے نکال سکتا ہوں یہ دیکھئے میری زبان میرے منہ میں ہے۔"

اس کے والد نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا:

"ارے بھئی شور نہ کرو۔ مجھے یہ خبر پڑھنے دو۔"

امجد کی چھوٹی بہن امجد کو ٹھینگا دکھاتے ہوئے باورچی خانے میں چلی گئی۔ امجد ٹوسٹ پر مکھن لگانے لگا۔ اس کے والد اخبار پڑھتے پڑھتے بولے:

"بھئی کمال ہے۔ اتنا پرانا بت کیسے نکل آیا؟"

"کون سا بت ابو جان؟" امجد نے پوچھا:

اس کے والد نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے کہا:

"تو تم بھی پڑھو۔ کوئی پرانا بت زمین میں سے نکلا ہے اور اس کی تصویر بھی چھپی ہے۔"

امجد نے اخبار اٹھا کر پہلے خبر پڑھی اور پھر جب تصویر دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ یہ اس کے دوست عنبر کی تصویر تھی۔ اگرچہ عنبر ان کے گھر آ چکا تھا مگر امجد کے والد نے عنبر کو نہیں پہچانا تھا کیوں کہ چہرے کے پتھر بن جانے کی وجہ سے چہرے کے نقوش میں فرق آ گیا تھا مگر امجد کی نگاہیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ اس نے عنبر کو صاف پہچان لیا تھا۔ ناشتہ وہیں چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے والد نے کہا:

"ارے میاں ناشتہ کیوں نہیں کر رہے؟"

امجد بولا:

"دودھ پی لیا ہے ابو جان۔ ٹوسٹ کھانے کو دل نہیں چاہتا۔"

وہ اپنے گھر میں ابھی کسی کو عنبر کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اپنے والد کے مجبور کرنے پر امجد نے جلدی جلدی دو ٹوسٹ کھائے اور کپڑے پہن کر اپنا سکوٹر نکالا اور سیدھا لاہور کے عجائب گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

دریا کنارے سرکٹا بھوت

لاہور کے عجائب گھر میں کافی رش تھا۔

لوگ موہنجو ڈارو کے بت کی نئی دریافت کو دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ شیشے کی جس الماری میں عنبر کا بُت کھڑا تھا اس کے آگے بہت سے لوگ جمع اسے تک رہے تھے۔ عنبر کی نگاہ بالکل سامنے پڑ رہی تھی۔ اچانک اس نے لوگوں کے پیچھے اپنے لاہور کے پرانے دوست امجد کو کھڑے دیکھا۔ عنبر کے ذہن میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی امجد کو دیکھ کر اسے بڑی تسلی ہوئی تھی۔ حالانکہ عنبر جانتا تھا کہ امجد اس کی کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ کیوں کہ ڈیوی روشنک کی قاتل شعاع نے جس طرح سے اس کی گردن اس کے دھڑ سے الگ کر کے اسے سچ مچ کا پتھر بنا دیا تھا اب خدا جانے وہ کب اور کس طرح واپس زندہ انسان بن سکتا تھا۔ بلکہ عنبر کو تو دوبارا زندہ ہونے کی بہت ہی کم امید تھی۔ پھر بھی امجد کو دیکھ کر اسے بہت

خوشی ہوئی۔

امجد نے بھی عنبر کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا تھا اور اس کی کٹی ہوئی گردن کو دیکھ کر بہت دُکھ ہوا تھا۔ بلکہ امجد کی آنکھوں میں آنسو بھی چھلک پڑے تھے کہ اس کے دوست کا یہ حال کس نے کر دیا ہے۔ جب لوگ بت کے آگے سے ہٹ کر ادھر اُدھر بکھر گئے تو امجد الماری کے پاس آ کر عنبر کو غور سے دیکھنے لگا۔ صاف لگ رہا تھا کہ عنبر پتھر کا بت بن گیا ہے اور اس کی آنکھیں بھی پتھر ہو گئی ہوئی ہیں۔ عنبر امجد کو ان پتھریلی آنکھوں سے بھی دیکھ رہا تھا۔ مگر امجد کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اسے بول کر بتا نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ امجد نے وہ تختی پڑھی جو الماری کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور جس پر لکھا تھا کہ یہ بت موہنجو ڈارو کی قدیم تہذیب کے ایک عام آدمی کا ہے۔ امجد نے عنبر کی گردن میں لگے ہوئے پیچ دار کیل بھی دیکھے جن کی مدد سے کٹی ہوئی گردن کو اس کے دھڑ کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔

امجد جانتا تھا کہ عنبر مر نہیں سکتا۔ لیکن اس کی گردن کٹ چکی تھی اور وہ پتھر کے بُت میں تبدیل ہو گیا ہوا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ عنبر سچ مچ مر چکا ہو کیونکہ

وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی کوئ
نہیں کر رہی تھیں۔ امجد نے عنبر کے ہاتھ کی ایک اُ
میں سرخ نگینے والی انگوٹھی بھی دیکھی جو اس کے جسم
ساتھ ہی پتھر بن کر چپک گئی تھی۔ پھر امجد نے عنبر
چہرے کی طرف غور سے تکتے ہوئے کہا:

"انکل عنبر! کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟"

عنبر نے دل میں آہستہ سے کہا:

"ہاں امجد! میں تمہاری آواز بھی سن رہا ہوں اور
تمہیں دیکھ بھی رہا ہوں۔"

مگر عنبر کے دل کی آواز امجد تک نہیں پہنچ سکتی
وہ اس کی آواز نہیں سن سکتا تھا اور نہ ہی اسے یہ
ہو سکتا تھا کہ عنبر اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بھی ا
دیکھ رہا ہے اور اس کی آواز بھی سن رہا ہے۔ امجد نے
کے شیشے پر آہستہ سے انگلی کو دو تین بار مارا اور کہا۔

"انکل عنبر! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں آپ
کے لیے کیا کر سکتا ہوں انکل؟"

عنبر صاف دیکھ رہا تھا کہ امجد کی آنکھوں میں آنس
رہے ہیں اور اسے عنبر کی حالت دیکھ کر سخت دُکھ
رہا ہے۔ عنبر کا دل بھی امجد کے لیے بھر آیا۔ مگر وہ

ہی ایک دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ دونوں
اپنی اپنی جگہ پر مجبور اور بے بس تھے۔

عنبر نے دل میں امجد کو مخاطب کر کے کہا:

"بیٹا امجد! میں تمہاری محبت کی قدر کرتا ہوں مگر
تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ جا کر اللہ سے
دُعا کرو کہ وہ اپنے کرم سے مجھے اس مشکل سے
نجات دلائے۔"

عنبر کی آواز امجد تک نہیں پہنچ سکی۔ امجد الماری کے
سامنے کھڑا بت بنا عنبر کے بت دیکھتا چلا گیا۔ پھر وہ
شیشے کی الماری پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ عجائب گھر کے
ایک ملازم نے قریب آ کر امجد کو کہا:

"لڑکے الماری کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ چلو آگے بڑھو
تم بہت دیر سے یہاں کھڑے ہو۔"

امجد نے جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ عنبر کو بڑا غصہ
آیا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو عجائب گھر کے ملازم کی خوب خبر
لیتا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکتا تھا۔
امجد الماری سے پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور عنبر کے
بت کو دیکھنے لگا۔ پھر امجد وہاں کھڑے کھڑے تھک گیا
اور عنبر کے بت پر ایک حسرت بھری آخری نگاہ ڈال کر

عجائب گھر کے ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔

عنبر اسے جاتے ہوئے خاموش، پتھرائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا جب امجد اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں آ سکتے تھے مگر اس کا دل بھر آیا۔ وقت گذرتا چلا گیا۔ دوپہر سے شام ہو گئی۔ لاہور کے لوگ عنبر کے بت کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔

عجائب گھر کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا۔ کمروں میں کہیں کہیں دھیمی دھیمی روشنیوں والے بلب جلا دیئے گئے۔ جن کی مدھم روشنی اندھیرے کو بہت کم دور کر رہی تھی اور عجائب گھر کے اندر کا ماحول اور زیادہ پُراسرار ہو گیا تھا۔ یہاں دنیا جہان کی پرانی چیزیں جمع تھیں۔ عنبر کے بت کی الماری کے بالکل سامنے چبوترے پر کسی پرانے زمانے کے دیوتا کا بت رکھا ہوا تھا۔ اس بت کے سر پر پتھر کا تاج تھا اور گردن میں پتھر ہی کا ایک کالا سانپ مالا کی طرح پڑا تھا۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا اور باہر عجائب گھر کی سڑک پر گہری خاموشی چھا گئی عنبر خاموش اپنی الماری میں کھڑا تھا۔ اس کی نظریں بالکل سیدھ میں اپنے سامنے والے بت پر گڑھی ہوئی تھیں کیوں کہ وہ اپنی نظر کو ادھر اُدھر نہیں گھما سکتا تھا۔ اچانک عنبر نے محسوس کیا کہ دیوتا کا مجسمہ اپنی

آنکھیں جھپکنے لگا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور غور سے مجسمے کو تکنے لگا۔ پھر اسے دیوتا کے مجسمے کے ہونٹ ہلتے نظر آئے اور اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"تم دیوی روشنگ کے انتقام کا نشانہ بنے ہو۔ تم پر بھاری مشکل آن پڑی ہے۔"

عنبر کے کان سامنے والے دیوتا کے بت کی آواز بڑی صاف صاف سن رہے تھے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔

"یہ مجسمہ کیوں کر بولنے لگا ہے؟"

اس کے جواب میں دیوتا کے بت نے کہا:

"میں نے تمہارے دل کی آواز سن لی ہے۔ میں کئی صدیوں سے خاموش تھا مگر تمہاری حالت دیکھ کر مجھ سے خاموش نہیں رہا گیا عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"کیا تم میرا نام جانتے ہو؟"

دیوتا کا مجسمہ بولا:

"ہاں! میں تمہارا نام بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم صدیوں کے مسافر ہو اور دیوی روشنگ نے تمہاری گردن کاٹ کر تمہیں پتھر بنا دیا ہے اور زندگی میں پہلی بار تمہاری یہ حالت ہوئی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میں نے کافی غور کر لیا ہے۔ اگر تم مجھے اس الماری سے نکال سکتے ہو تو خدا کے لیے مجھے نکال دو۔"

دیوتا کے بت کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس کے بند ہونٹوں میں سے باریک سیٹی کی آواز نکلی۔ اس آواز کی لہریں جب اس کی گردن کے ساتھ لپٹے ہوئے پتھر کے سانپ کے جسم سے ٹکرائیں تو اس میں جان پڑ گئی۔ ایک سیکنڈ پہلے جو سانپ پتھر کا تھا اور دیوتا کی گردن سے لپٹا تھا اب آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس کی گردن سے نیچے اتر رہا تھا۔ چبوترے پر آ کر سانپ نیچے فرش پر اتر آیا اور چکیلے فرش پر دھیرے دھیرے بل کھا کر رینگتا عنبر کی الماری کے پاس آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی گردن بلند ہوئی اور اس نے اپنا پھن پھیلا لیا۔ عنبر اپنی آنکھیں نیچی کر کے سانپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سانپ نے پھن پھیلا لیا ہے اور وہ اسے لہرا رہا ہے۔ پھر سانپ نے اپنا سر زور سے شیشے پر مارا۔ الماری کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

سانپ نے اپنا سر ٹوٹے ہوئے شیشے کے سوراخ میں سے الماری کے اندر کیا اور عنبر کے پاؤں پر ڈس دیا۔ عنبر کا جسم پتھر کا ہو چکا تھا۔ اس کے جسم کے اندر تو سانپ کا زہر نہ جا سکا۔ لیکن اس کے پاؤں پر سانپ کا منہ لگتے ہی عنبر نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگوں میں جیسے جان سی پڑ گئی ہے۔ لیکن اس کا باقی سارا جسم اسی طرح پتھر کی مانند بے جان تھا۔ سانپ فرش پر رینگتے ہوئے واپس چبوترے پر چڑھ گیا اور دیوتا کے جسم پر رینگتا ہوا اس کی گردن میں جا کر لپٹ گیا اور دوبارہ پتھر کا سانپ بن گیا۔

دیوتا کے بت نے کہا:

"عنبر! اب تم آزاد ہو۔ سانپ نے میرے حکم سے تمہاری ٹانگوں کو پھر سے زندہ کر دیا ہے مگر تمہارا باقی سارا جسم اسی طرح پتھر کا رہے گا اور تم اپنے بازوؤں کو بھی حرکت نہ دے سکو گے تمہاری گردن بھی اسی طرح کٹی ہوئی رہے گی۔ ان کے باوجود اگر تم یہاں سے جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔"

عنبر نے پاؤں کی ہلکی سی ٹھوکر مار کر الماری کے

"دیکھا جائے گا۔ کم از کم اس الماری کی گھٹی ہوئی فضا سے تو نجات مل گی:"

"تمہاری مرضی دوست! میری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

عنبر عجائب گھر کے بڑے ہال کمرے میں الماریوں کے ساتھ ساتھ ہو کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بڑے دروازے تک آ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا طاق لگا ہوا تھا جو بند کر دیا گیا تھا۔ عنبر کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ زندہ تھا اور اوپر کا دھڑ پتھر کا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس نے طاق کے دروازے کو اپنے پاؤں کے زور سے اکھاڑ کر الگ کر دیا اور عجائب گھر میں سے نکل کر سامنے والے باغ میں آ گیا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا اور پولیس کے دو سپاہی گشت لگاتے ابھی ابھی وہاں سے گزر کر یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے تھے۔ رات کے تین بج رہے ہوں گے۔ مال روڈ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس حالت میں مقبرہ جہانگیر تک جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ راستہ کافی لمبا تھا اور راستے میں کہیں بھی پولیس والے اسے پکڑ سکتے تھے۔ ہاں اگر اس کو دیکھ کر ڈر گئے تو اس کی جان

بچ سکتی تھی۔

عنبر مال روڈ کے فٹ پاتھ پر آ گیا اور درختوں کے اندھیرے سایوں میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بھاٹی دروازے کی طرف چل پڑا۔ سڑک دور تک سنسان تھی۔ اتفاق سے راستے میں پولیس کی کوئی گشتی پارٹی بھی اسے نہ ملی اور عنبر سڑک کے کنارے کنارے چھپ کر چلتا ہوا بھاٹی کے چوک کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں ایک ٹرک کھڑا تھا جس پر کسی کا گھریلو سامان لدا ہوا تھا۔ ڈرائیور اور کلینر چائے خانے کے باہر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جہاں ٹرک کھڑا تھا وہاں اندھیرا تھا۔ عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ ٹرک کہاں جا رہا ہے۔ اتنے میں اسے ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ وہ چائے پی کر اٹھا اور کلینر سے بولا:

"ارے بھوتنی کے جلدی جلدی چائے ختم کر۔ جہلم پہنچ کر پھر چائے پلاؤں گا تمہیں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ ٹرک جہلم کے راستے سے راولپنڈی جا رہا ہے۔ لاہور میں رہ کر اسے اتنا علم ہو چکا تھا کہ لاہور سے جو ٹرک پنڈی کی طرف جاتے ہیں وہ دریائے راوی کے پل پر مقبرہ جہانگیر کے قریب سے ہو کر گزرتے ہیں۔ عنبر کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ اگر وہ کسی طرح

والے درختوں کی طرف رُخ کر کے ڈنڈا زور سے
کھینچ مارا۔ ڈنڈا اچھل کر سامنے والے درختوں میں ٹین کے
ایک سائبان سے جا کر ٹکرایا اور بڑے زور کی آواز پیدا ہوئی
پہرے دار لاٹھی زمین پر مار کر للکارا۔
"کون ہے اُدھر؟"
جب کوئی آواز نہ آئی تو پہرے دار لاٹھی اٹھائے آہستہ
آہستہ ان درختوں کی طرف بڑھنے لگا جہاں ٹین کا ایک
سائبان لگا تھا۔ وہ ٹارچ سے اُدھر روشنی بھی پھینک رہا
تھا۔ جب وہ مقبرے کے ڈیوڑھی والے بڑے دروازے سے
ہٹ گیا تو عنبر اندھیرے میں سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ڈیوڑھی
میں داخل ہو گیا اور پھر مقبرے کے وسیع باغ میں سے گنبد
کے [illegible] روش پر آ گیا جو سیدھی مقبرہ جہانگیر کے گنبد کی
سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ درختوں پر رات کے پچھلے پہر کی
گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔
عنبر ان درختوں میں سے گزرتا ہوا مقبرے کی سیڑھیاں
چڑھ کر گنبد کے نیچے اس جگہ آ گیا جہاں بادشاہ جہانگیر کی
قبر بنی ہوئی تھی۔ اصل میں یہ جہانگیر بادشاہ کی قبر کا نشان تھا۔
اصلی قبر نیچے تہہ خانے میں بنی ہوئی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ
اوپر رہنے کی بجائے نیچے تہہ خانے میں چل کر ٹھکانا

بنانا چاہیے۔ کیوں کہ اوپر سارا دن لوگ آتے جاتے رہتے
تھے مگر نیچے تہہ خانے میں بہت کم لوگ جاتے تھے۔
ویسے بھی وہاں دن کے وقت بھی گھپ اندھیرا چھایا رہتا
تھا۔ اس سے پہلے عنبر یہاں اس تہہ خانے میں کچھ وقت
گزار چکا تھا۔ وہ مقبرے کے گنبد سے نکل کر اس کے
پچھواڑے باغ میں آ گیا۔ یہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک جگہ
سے ٹوٹی پھوٹی پرانی اینٹوں کی بنی ہوئی سیڑھیاں نیچے
تہہ خانے میں چلی گئی تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانے میں آ گیا اندھیرے
میں اس کی آنکھیں برابر سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ یہاں
ایک کچی قبر تھی جس پر کہیں کہیں پکی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔
یہ بادشاہ جہانگیر کی اصلی قبر تھی۔ زمین کچی تھی۔ دیواریں بھی
کچی تھیں اور اندھیرے اور تاریکی میں کسی جگہ سے جھینگر کے
بولنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ عنبر قبر سے ہٹ کر دیوار
کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں لیٹ گیا۔ کیوں کہ بازو
پتھر کے ہونے کے بعد اس کو بیٹھتے ہوئے تکلیف کا
احساس ہوتا تھا۔
دن نکلا تو سارے شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی
طرح پھیل گئی کہ عجائب گھر میں سے موہنجو داڑو کا نیا بُت
غائب ہو گیا ہے اور کسی نے الماری کا شیشہ توڑ کر اسے
چوری کر لیا ہے۔ شہر کی پولیس حرکت میں آ گئی۔ خفیہ محکمے

اس کی گردن جسم سے الگ ہو کر لڑھکتی ہوئی دور چلی گئی۔

اب عنبر کا سر تو اپنے دھڑ کو دیکھ سکتا تھا مگر اس کا دھڑ اپنے سر کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ عنبر پاؤں سے بھی اپنے سر کو پکڑ کر کہیں چھپا نہیں سکتا تھا۔ اتنے میں دوسرا چوکیدار بھی پہلے چوکیدار کی للکار کی آواز سن کر لڑکھڑاتا ہوا ادھر آگیا۔ عنبر اندازے سے واپس گھوما اور پاؤں سے زمین کو ٹٹولتا اور سراغ لگاتا ہوا واپس تہہ خانے میں اتر کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کا سر باہر جھاڑیوں کے قریب بے ہوش چوکیدار کے پاس پڑا تھا اور عنبر خود مقبرے کے نیچے تہہ خانے کے اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لیٹا اپنی بدقسمتی پر افسوس کر رہا تھا۔

دوسرے چوکیدار نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا کہ پہلا چوکیدار بے ہوش پڑا ہے۔ اس نے جلدی سے اسے ہلا جلا کر ہوش دلائی اور پوچھا:

"کیا ہوا تھا زمان خان؟"

زمان خان نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا:

"درخت چور آیا تھا۔ میں نے ٹانگ ماری تو میری چھاتی پر حملہ کر دیا۔ میں بے ہوش ہو گیا۔"

دوسرے چوکیدار نے کہا:

"مگر تمہاری تو لاٹھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ آدمی تھا یا کوئی جن تھا؟"

"خدا ہی جانے۔"

دوسرا چوکیدار زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر چور کے پاؤں کے نشان تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اس کی چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" زمان خان نے پوچھا۔

دوسرے چوکیدار کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یہ دیکھو کیا ہے زمان خان ـــ ایک انسان کا کٹا ہوا سر۔"

دونوں چوکیدار خوف بھری نظروں سے عنبر کی کٹی ہوئی گردن والے سر کو دیکھ رہے تھے۔ جو ٹارچ کی روشنی میں زمین پر پڑا صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہ تو اسی چور کی گردن لگتی ہے زمان خان؟ تم نے کہیں اسے قتل تو نہیں کر دیا؟"

زمان خان بولا:

"مگر میں نے اس کی ٹانگوں میں لاٹھی ماری تھی۔"

دوسرا چوکیدار آگے بڑھ کر عنبر کی گردن پر جھک گیا۔

"مگر گردن سے کوئی خون نہیں نکل رہا۔"

پھر اس نے ڈرتے ڈرتے عنبر کی گردن کو چھوڑ تو چونک کر بولا:

"یہ تو پتھر کا سر ہے زمان خان۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" زمان خان نے تعجب سے پوچھا۔

"آؤ۔ تم خود دیکھ لو۔"

دونوں چوکیدار اب عنبر کے سر کو زمین پر ہی ہاتھوں سے ادھر اُدھر ہلا کر دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے وہ کیل دیکھے جو ٹوٹ گئے تھے اور جن کی مدد سے عنبر کا سر اس کے دھڑ سے لگا دیا گیا تھا۔

"یہ تو کسی بت کا سر ہے زمان خان۔ مگر یہاں بت کہاں سے آ گیا؟"

زمان خان بولا:

"ہمیں تھانے میں جا کر پولیس کو خبر کرنا چاہیے۔"

"آؤ تھانے چلتے ہیں۔"

انھوں نے تھانے جا کر رپورٹ کی۔ پولیس موقع پر آ کر عنبر کا سر اٹھا کر لے گئی۔ عنبر اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یہ ساری کارروائی دیکھتا رہا اور خاموش رہا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی

خیال بار بار آ رہا تھا کہ اس کا دھڑ کہاں پڑا ہو گا۔ اتنی لمبی زندگی میں اس کی ایسی حالت کبھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا سر کہیں پڑا ہو اور دھڑ کہیں غائب ہو۔ اسے خود اپنی حالت پر رحم آ گیا۔ پولیس نے رپورٹ میں لکھا کہ مقبرے کے باغ میں کسی بت کا ایک سر پایا گیا ہے جس کا مالک کوئی نہیں ہے اور کٹے ہوئے سر کی گردن میں کیل ٹھکے ہوئے ہیں۔ دن کے وقت اخبار کے ایک رپورٹر نے شاہدرہ تھانے والوں کو فون کر کے پوچھا:

"کیوں بھئی کوئی خبر ہے آپ کے پاس؟"

تھانے دار نے کہا:

"بھائی کوئی خبر نہیں۔ صرف ایک کٹا ہوا سر ملا ہے مقبرے کے قریب سے۔"

"ہائیں؟ کیا کہا؟ کٹا ہوا سر؟" رپورٹر نے حیرانی سے پوچھا:

تھانے دار نے مسکرا کر کہا:

"ہاں بھائی۔ مگر وہ پتھر کا ہے اور اس کی گردن میں کیل جڑے ہوئے ہیں۔"

رپورٹر ایک دم چونک اٹھا۔ کیوں کہ اسی نے اپنے اخبار میں عجائب گھر کے قدیم اور قیمتی بت کی چوری کی خبر چھاپی تھی۔ وہ سکوٹر پر بیٹھ کر بھاگا بھاگا تھانے آ گیا۔

بُت کے سر کو دیکھا تو فوراً پہچان گیا کہ یہ تو اسی عجائب
گھر والے قیمتی بت کا سر ہے۔ اس نے ایک لمبی چوڑی
خبر بنا کر اپنے اخبار میں چھاپ دی خبر کے چھپتے ہی
شہر میں شور مچ گیا۔ عجائب گھر والے تھانے سے عنبر کا سر
لے گئے۔ اب پولیس بھی چوکنی ہو گئی اور عنبر کے دھڑ کی
تلاش شروع ہو گئی۔ پولیس نے مقبرے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر
عنبر کا دھڑ نہ ملا۔

عنبر کا دھڑ سارا دن اور ساری رات تہہ خانے کے اندھیرے
میں پڑا رہا۔ جس روز اخبار میں خبر چھپی عنبر کا دھڑ تہہ خانے
سے باہر نکل آیا اور ایک طرف چلنے لگا۔ چونکہ دھڑ کا سر
نہیں تھا اس لیے اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ رات
کا وقت ہے کہ دن کا وقت ہے۔ عنبر کے دھڑ کی
ٹانگوں نے دھوپ کی گرمی محسوس کی تو اسے احساس ہوا
کہ دن کا وقت ہے اور اس نے تہہ خانے سے باہر نکل
کر سخت غلطی کی ہے۔ وہ واپس گھوما مگر اب وہ راستے
سے بھٹک گیا تھا۔ اسے مقبرے کی سیدھ کی کوئی خبر نہیں
تھی جدھر اس کا رخ ہوا ادھر ہی کو کٹے ہوئے سر کے
دھڑ نے چلنا شروع کر دیا۔ اتفاق ایسا تھا کہ کٹا ہوا دھڑ
درختوں کے ایک ذخیرے میں سے گزر رہا تھا اور کئی

بار وہ درختوں سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔

عنبر کا دھڑ پریشان ہو گیا تھا۔ چونکہ اس کے پاس
دماغ نہیں تھا اس لیے کچھ سوچ نہیں سکتا تھا کہ کیا کرے
اور کیا نہ کرے۔ بس ایک چھٹی حس اسے ایک طرف کو
لیے جا رہی تھی۔ وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ عنبر کے
دھڑ کو اپنے پاؤں کے نیچے گیلی گیلی ریت محسوس ہو رہی تھی۔
ایک جگہ دریا کے کنارے ایک لڑکی اور ایک لڑکا
پک نک منا رہے تھے۔ انہوں نے ٹیپ ریکارڈر پر آلیویا
نیوٹن جان کا امریکی گانا "فزیکل" لگا رکھا تھا۔ لڑکا گانے کی
تیز دھن پر ڈانس کر رہا تھا۔ ڈانس کرتے کرتے اس کا منہ
درختوں کے ذخیرے کی طرف ہوا تو جہاں کھڑا تھا وہیں بُت
بن کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

لڑکی نے کہا:

"کیا ہوا خاور تم نے ڈانس کیوں بند کر دیا؟"

خاور کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ منہ سے آواز نہیں نکل
رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اتنا کہا:

"بھ۔ بھ۔ بھ۔ بھوت!"

اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب
جو اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ ٹاہلی کے درختوں کی طرف

سے ایک ایسا انسان چلا آرہا ہے۔ جس کا سر غائب ہے تو وہ بھوت بھوت کہہ کر چیختی چلاتی ایک طرف بھاگ گئی۔

عنبر کے دھڑ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ وہ کچھ دیکھ رہا تھا اور نہ اسے کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بس جدھر اس کو اس کی زندہ ٹانگیں لیے جا رہی تھیں وہ چلا جا رہا تھا۔ ریت پاؤں کے نیچے زیادہ گیلی ہوتی گئی دریا دس پندرہ قدم کے فاصلے پر تھا۔ دھڑ پانی میں اتر گیا اور پھر دریا میں غائب ہو گیا۔ شام تک شہر کے بچے بچے کی زبان پر یہ بات تھی کہ دریا کے کنارے ایک سر کٹا بھوت پھرتا دیکھا گیا ہے دریا کی رونق ختم ہو گئی اور لوگ ادھر جاتے گھبرانے لگے۔ اخباروں میں پک نک منانے والی لڑکی اور لڑکے کے بیان چھپے۔ پولیس نے دھڑ کی تلاش شروع کر دی عجائب گھر والوں کو یقین تھا کہ یہ اسی بت کا دھڑ ہے جس کا سر انہیں مل گیا ہے مگر وہ اس بات پر حیران تھے کہ پتھر کے دھڑ میں جان کیسے پڑ گئی ہے اور وہ چل کیسے رہا ہے؟

○

پتھر کے سانپ میں جان پڑ گئی

امجد نے بھی یہ خبر پڑھ لی تھی کہ عنبر کا سر مل گیا ہے اور دھڑ کی تلاش جاری ہے۔

عنبر کے سر کو دوبارہ عجائب گھر میں شیشے کی نئی الماری میں لا کر رکھ دیا گیا۔ اب اس کے دھڑ کی تلاش زور شور سے ہو رہی تھی۔ پولیس نے دریائے راوی کے کنارے چپہ چپہ چھان مارا مگر اسے کہیں بھی سر کٹا بھوت دکھائی نہ دیا۔ امجد عجائب گھر میں عنبر کے سر والی الماری کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور سر کو غمگین نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"انکل عنبر! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا کے لیے مجھے بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں کاش کہیں سے انکل ناگ اور ماریا آنٹی آ جاتے شاید وہ آپ کی کوئی مدد کر سکتے۔"

عنبر کے کان میں امجد کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی

عنبر اسے جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ امجد سے کہنا چاہتا
تھا کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو، قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے
کبھی کبھی ہو کر رہتا ہے۔ امجد تھوڑی دیر وہاں کھڑے رہنے
کے بعد آنکھوں میں آنسو لیے واپس چلا گیا۔ عنبر ناگ ماریا
کے ساتھ کچھ عرصہ سفر میں گزارنے کے بعد امجد نے بھی
یہ بات خاص طور پر سیکھ لی تھی کہ اپنے دل کا راز کسی
دوسرے پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے اور راز کو دل میں راز بنا
کر رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ امجد نے عنبر کے کٹے سر کا
ذکر اپنے ماں باپ سے بالکل نہیں کیا تھا۔

ادھر جب رات ہو گئی۔ عجائب گھر بند کر دیا گیا۔ باہر
پہرہ لگ گیا اور مال روڈ گہری تاریکی اور خاموشی میں ڈوب
گئی تو عنبر کے سر نے دیکھا کہ سامنے والا دیوتا کا بُت
اپنے چبوترے پر اسی طرح خاموش کھڑا ہے۔ عنبر نے اس سے
مخاطب ہو کر اپنے دل میں کہا:

"میرے دوست دیوتا! کیا تم میرے کٹے ہوئے سر کو
دیکھ کر حیران نہیں ہوئے ہو؟"

بُت نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"عنبر! میرے دوست! مجھے حیرانی نہیں ہو رہی بلکہ
صدمہ ہوا ہے اور میں صبح سے یہی سوچ رہا ہوں کہ

تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ کیوں کہ اب تو تمہارے
دھڑ کو تلاش کرنے کا بھی سوال بڑا ضروری ہے نہ
جانے تمہارا دھڑ اس وقت کہاں ہو گا۔ تم نے
آخری بار اپنے دھڑ کو کہاں چھوڑا تھا؟"

عنبر کے سر نے جواب دیا:

"میں آخری بار اپنے دھڑ سے مقبرہ جہانگیر کے باغ
میں جدا ہوا تھا۔"

دیوتا کا بت خاموش ہو گیا پھر بولا:

"میں تھوڑی دیر کے لیے مراقبے میں جا رہا ہوں
جب تک میں آنکھیں نہ کھولوں مجھے آواز نہ
دینا۔ مجھے یقین ہے کہ مراقبے میں جا کر میں
تمہارے لیے کوئی ایسی ترکیب ضرور معلوم کر لوں
گا جو تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔"

اتنا کہہ کر دیوتا کا بُت خاموش ہو گیا اور اس نے
اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عنبر کی نظریں عجائب گھر کے ہال
کمرے کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیوتا کے بت کے چہرے
پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اچانک دیکھا کہ بُت کے اندر
سے اسی طرح کا ایک اور بُت سر کے اوپر سے باہر
نکل آیا۔ وہ روشنی کی ایک باریک لکیر کے ساتھ پہلے

والے بت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ یہ اندر سے نکلنے والا
بت حرکت کر رہا تھا اور ادھر اُدھر آسانی سے چل پھر
سکتا تھا۔ یہ بت بلند ہوتے ہوتے چھت کے ساتھ جا
لگا اور پھر اس کے اندر سے باہر نکل گیا۔ عنبر کو اب
حرکت کرنے والا بت نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے
سامنے وہی پرانا بت آنکھیں بند کئے خاموش کھڑا تھا
اور اس کا ہم راز بت چھت میں سے باہر نکل کر باہر کھُلی
فضا میں کہیں کا کہیں پہنچ گیا تھا۔ عنبر کو بُت کے ساتھ بندھی
ہوئی روشنی کی ایک پتلی سی لکیر صاف دکھائی دے رہی
تھی جو اوپر چھت تک چلی گئی تھی اور اب اتنی باریک
اور پتلی ہو گئی تھی کہ عنبر کو بڑی مشکل سے دکھائی دے
رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ بت کا ہم راز وہاں سے
ہزاروں میل دور نکل چکا ہے۔ عنبر دل میں خدا کے حضور
دعا مانگنے لگا کہ اے ربّ العالمین تو میری مدد کر مجھے ان
بتوں پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔
بھروسہ صرف تم پر ہے۔ تو اپنے خاص کرم سے کوئی میرا
سبب بنا دے اور اس بت کے ہم زاد کی مدد فرما کہ
یہ میرے کام آ سکے۔

اس وقت دیوتا بت کا ہم زاد بُت ہمالیہ کے پہاڑوں

کی برف پوش چوٹیوں کے اوپر سے گذر رہا تھا۔ وہ ہوا
میں اڑتا چلا جا رہا تھا۔ پھر وہ ایک بلند ترین چوٹی پر اُتر
گیا۔ یہاں چاروں طرف برف ہی برف تھی اور ایسی خاموشی
چھائی تھی کہ پہاڑوں پر سفید قبروں کا گمان ہو رہا تھا۔ ایک
طرف پہاڑی میں چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔ ہم زاد بت اس
غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر درمیان میں آگ جل
رہی تھی اور ایک سفید ڈاڑھی، سفید پلکوں، سفید بھنوؤں
والا بوڑھا ضعیف آدمی بدن پر راکھ ملے آلتی پالتی مارے
آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور اس کے سر کے بالوں میں
پہاڑی چڑیا نے گھونسلہ بنا کر انڈے دے رکھے تھے خدا
جانے یہ بوڑھا فقیر کب سے خاموش بیٹھا تھا کہ چڑیا نے
گھونسلہ بھی بنا لیا اور انڈے بھی دیئے اور بچے بھی بڑے
ہو گئے۔ یہ بوڑھا فقیر خدا کی یاد میں مگن رہا اور ذرا اپنی
جگہ سے نہیں ہلا۔

ہم زاد بت اس کے سامنے پہنچ کر جھک گیا پھر
آگ کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ
جوڑ کر سینے کے ساتھ لگا لیے۔ دونوں ایک دوسرے کے
آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ دونوں کی
آنکھیں بند تھیں۔ نہ جانے کتنا وقت گذر گیا۔ دونوں میں

سے کوئی ایک نہ بولا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر ایک دا
پر نگاہ نہ ڈالی۔ سفید بالوں والے فقیر کے سر کے گھ
میں چڑیا کے بچے کسی وقت چوں چوں کرنے لگتے
اور چڑیا ان کے لیے خوراک تلاش کرنے باہر نکل جا
باہر سے کوئی دانہ تنکا کہیں سے تلاش کر کے لاتی۔ اب
بچوں کے منہ میں ڈالتی اور وہ خاموش ہو جاتے۔

جب اسی طرح پوری رات گزر گئی اور دن کا اجالا پھو
لگا تو اچانک سفید بالوں والے بزرگ فقیر نے اپنی آنکھ
کھول دیں۔ اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا سرخ تھا اور
ان میں سے مقناطیسی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ہم زاد بت
نے بھی آنکھیں کھول دیں مگر وہ بوڑھے بزرگ سے آنکھ
نہ ملا سکا اور اس نے اپنی آنکھیں جھکا دیں پھر بوڑھے فق
کے دماغ سے آواز کی ایک روشن لکیر نکل کر ہم زاد بت
کے سینے میں داخل ہونے لگی۔ آواز کی اس لکیر کی کوئی
آواز نہیں تھی۔ بس روشنی کی ایک لائن تھی جو ہم زاد بت
کے دل میں اتر کر اسے کچھ سمجھا رہی تھی۔ کچھ بتا رہی تھی
جب یہ لکیر بجھ گئی تو ہم زاد بت بڑے ادب سے اٹھا
ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر بزرگ فقیر کو سلام کیا اور ہوا میں
تیرتا ہوا غار سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ اوپر اٹھتے اٹھتے

پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں سے بھی بلند ہو گیا اور
بجلی کی تیزی کے ساتھ ہوا میں سفر کرتے ہوئے واپس
لاہور کے عجائب گھر کی طرف چل پڑا۔

عنبر کھلی آنکھوں سے دیوتا کے بت کو تکے جا رہا تھا۔
ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی اور عجائب گھر
کے ہال میں پھیکا پھیکا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ عنبر نے
دیکھا کہ دیوتا بت کے سر میں سے نکلتی ہوئی روشنی کی
لکیر موٹی ہو رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ بت کا ہم زاد واپس
آ رہا ہے۔ اتنے میں چھت میں سے ہم زاد نیچے نکل
آیا اور بت کے سر میں جس طرح نکلا تھا اسی طرح دوبارہ
داخل ہو گیا۔

دیوتا بت نے آنکھیں کھول دیں اور عنبر کی طرف دیکھا
عنبر نے پوچھا:
"میرے دوست! کیا تمہیں کوئی ترکیب معلوم ہوئی؟"
دیوتا بت نے کہا:
"عنبر! میرے گورو نے تمہیں پھر سے زندہ کرنے
کا طریقہ بتا دیا ہے۔"
"کون سا طریقہ ہے وہ؟" عنبر نے پوچھا:
دیوتا بت نے جب عنبر کو وہ ساری ترکیب اور

طریقہ بتایا تو عنبر اداس ہو گیا۔ کہنے لگا۔
"میرا سر یہاں عجائب گھر کی الماری میں پڑا ہے
دھڑ خدا جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ میں
یہ سب کچھ کیسے کر سکتا ہوں۔"
دیوتا بت بولا:
"میرے گورو نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا دھڑ
اس وقت دریائے راوی کے پل کے عین نیچے
دریا کی تہہ میں ریت میں لیٹا ہوا ہے۔"
عنبر نے کہا:
"لیکن میں اسے کیسے نکال سکتا ہوں؟"
دیوتا بت بولا:
"جو لڑکا تم سے ملنے آتا ہے یہ سارا کام وہ کر سکتا
ہے۔"
"تمہارا مطلب امجد سے ہے؟" عنبر نے کہا:
"ہاں" دیوتا بت نے جواب دیا:
"وہ اگر چاہے تو اس وقت تمہارے کام آ سکتا ہے۔
میں اپنے گلے کا سانپ اسے دے دوں گا۔
میرا سانپ اس کی مدد کرے گا۔"
عنبر بولا:

"مگر امجد کو جا کر کون کرے گا۔"
دیوتا بت نے کہا:
"یہ کام میں کر لوں گا۔"
"وہ کیسے؟ تم تو یہاں خود پتھر بن کر کھڑے ہو۔"
بت نے کہا:
"جس طرح میں یہاں سے نکل کر کوہ ہمالیہ کی برفانی
چوٹیوں پر گیا تھا اسی طرح میں امجد کے پاس بھی
چلا جاؤں گا۔ میں اس کے خواب میں آ کر اسے
ساری بات سمجھا دوں گا۔"
عنبر نے پوچھا:
"کیا تمہیں اس کے بنگلے کا پتہ ہے؟"
دیوتا بت مسکرایا:
"میرا ہم زاد سب کچھ جانتا ہے۔ میں آج ہی رات
امجد کے خواب میں آؤں گا۔"
اس روز بڑے زور کی بارش ہوئی۔ شہر میں جگہ جگہ پانی کے
تالاب لگ گئے۔ امجد کا ارادہ تھا کہ وہ عجائب گھر میں جا کر
عنبر کے سر سے ملاقات کرے گا مگر بارش کی وجہ سے
باہر نہ نکل سکا۔ شام کو دوبارہ بارش شروع ہو گئی اور امجد
گھر پر ہی رہا۔ رات کو کھانا کھا کر وہ بستر پر لیٹ گیا اور

عنبر ناگ ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا بس نہیں
چل رہا تھا۔ وگرنہ وہ اڑ کر ماریا اور ناگ کے پاس پہنچ جاتا
اور اسے عنبر کی حالت سے آگاہ کرتا یہی سوچتے سوچتے
امجد کی آنکھ لگ گئی۔ پھر اُسے خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے
کہ وہ ایک خوب صورت باغ میں سے گزر رہا ہے جہاں
شفاف پانی کی لہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ایک جھونپڑی کے پاس
آگیا جس کی چھت پر پھولوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی اور باہر
ایک سادھو آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ امجد اس کے قریب
گیا تو سادھو نے آنکھیں کھول دیں اور امجد کو مسکرا کر دیکھا
اور کہا:

"بیٹھ جاؤ بیٹا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی
ہیں۔"

امجد بیٹھ گیا اور بولا:

"بابا! میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

یہ سادھو لاہور کے عجائب گھر والا دیوتا بت تھا۔ اس
نے مسکرا کر کہا:

"تم نے مجھے عنبر کے کٹے ہوئے سر والی الماری
کے سامنے چبوترے پر کھڑے دیکھا ہو گا۔"

امجد نے جھٹ کہا:

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ آپ وہی عجائب گھر
والا بت ہیں نا؟"

"ہاں بیٹا امجد! میں وہی ہوں۔"

"آپ کو میرا نام بھی معلوم ہے؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مگر میں اس وقت ایک
بڑا ضروری کام لے کر تمہارے خواب میں آیا ہوں
میری بات غور سے سنو۔ تم کو تو معلوم ہی ہے کہ
تمہارا انکل عنبر اس وقت اپنی زندگی کی سب سے
انوکھی اور دردناک مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر
تم چاہو تو اسے اس مشکل سے اس مصیبت سے
نکال سکتے ہو۔"

امجد نے کہا:

"بابا! آپ مجھے بتائیں کہ میں انکل عنبر کی مصیبت
کیسے دور کر سکتا ہوں۔ میں ضرور اس پر عمل
کروں گا۔"

دیوتا بت نے کہا:

"بیٹا! یہاں لاہور شہر سے دور شمال کی پہاڑیوں
میں کاغان کی وادی میں ایک جھیل ہے جس کا نام
سیف الملوک ہے۔"

"ہاں بابا! میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس جھیل پر
ایک دفعہ گیا تھا۔"
"میری بات خاموشی سے سنو بیٹا۔"
"جی سن رہا ہوں۔" امجد یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔
دیوتا بت بولا:
"اس جھیل میں جنوب کی طرف ایک اندھیرا غار ہے
اس غار میں آدھی رات کے بعد ایک بد روح نمودار
ہو کر گانا گاتی ہے۔ جس انسان کے کان میں اس
بدروح کے گانے کی آواز پڑتی ہے وہ مر جاتا ہے
لیکن ایسا انسان جس کی جیب میں کوئی سانپ ہو
اس پر بدروح کے گانے کا اثر نہیں ہوتا۔ گانا گانے
کے بعد وہ بدروح اپنے سر کا ایک بال نکال کر
اسے آگ میں جلاتی ہے اور اس کی راکھ ہوا میں
اچھال دیتی ہے۔ راکھ کے اچھلتے ہی غار میں ایک
اژدہا نمودار ہوتا ہے جو پھنکارتا ہوا آتا ہے اور
اس کے منہ سے جھاگ کا ایک چھوٹا سا گولا نیچے
گرتا ہے۔ پھر وہ بدروح اس اژدہا کے سر پر بیٹھ
کر غائب ہو جاتی ہے۔ اژدہا کے منہ سے گرا
ہوا جھاگ کا گولہ زمین پر گرتے ہی چھوٹا ہوتا

شروع ہو جاتا ہے۔ اگر اسے کوئی اٹھا لے تو
وہ سفید پتھر میں بدل جاتا ہے اور ویسے کا ویسا
ہی رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس غار میں
جاؤ اور اژدہے کی جھاگ کا سفید پتھر اٹھا کر
لے آؤ۔ جب تم اس سفید پتھر کو عنبر کے جسم سے
چھوؤ گے تو وہ زندہ ہو جائے گا اور اس کا کٹا ہوا
سر اس کے دھڑ پر لگا کر اس کی گردن کے ساتھ
چھوؤ گے تو اس کی گردن جڑ کر اصلی حالت میں
آ جائے گی اور عنبر دوبارہ انسان بن جائے گا کیا
تم یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو امجد؟"
امجد نے کہا:
"میں انکل عنبر کی زندگی کے لیے یہ خطرہ مول لینے
کو تیار ہوں۔ مگر میرے پاس سانپ کہاں سے
آئے گا؟ اور اگر سانپ مل بھی گیا تو کیا وہ مجھے
ڈس کر ہلاک نہیں کر دے گا؟"
دیوتا بت نے کہا:
"میں اپنی گردن کا سانپ تمہیں دے دوں گا۔ یہ
سانپ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ جب تم اسے
اپنی جیب میں رکھ لو گے تو تم پر بدروح کے

گانے کا بالکل اثر نہیں ہو گا۔ صبح تم عجائب گھر میں
آنا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

اس کے بعد امجد کی آنکھ کھل گئی۔ اسے خواب کی
باتیں بالکل ایسے لگ رہی تھیں جیسے حقیقت ہوں اور
خواب کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ دوسری طرف
دیوتا بت کا ہم زاد امجد کے خواب سے واپس اپنے عجائب
گھر والے جسم میں آ گیا اور اس نے عنبر کو سب کچھ بتا دیا۔

صبح ہوئی تو لوگ عجائب گھر دیکھنے آنا شروع ہو گئے۔
عنبر کی نگاہیں امجد کو تلاش کر رہی تھیں۔ اتنے میں اسے امجد
ہال کمرے میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ دیوتا بت کے
سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت ہال کمرے میں دو
تین آدمی کھڑے چیزیں دیکھ رہے تھے۔ جب وہ دوسرے کمرے
میں چلے گئے تو دیوتا بت نے آنکھیں کھول دیں اور امجد
سے کہا:

"امجد! میں تمہیں اپنے گلے کا سانپ دینے لگا
ہوں۔ اس سے ڈرنا بالکل نہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں
کہے گا۔"

عنبر یہ سب کچھ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا
امجد بھی دیوتا بت کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ اچانک دیوتا

بت کے گلے سے لپٹے ہوئے پتھر کے سانپ میں جان
پڑ گئی اور وہ بت کی گردن سے اتر کر رینگتا ہوا امجد کے
پاس آ گیا۔

دیوتا بت نے کہا:

"بے خوف ہو کر اس سانپ کو اٹھا کر اپنی پتلون
کی جیب میں رکھ لو امجد۔"

پہلے تو امجد ڈرا۔ مگر عنبر ناگ ماریا کے ساتھ سفر کرنے
کی وجہ سے وہ بھی کچھ بے خوف ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ
بڑھا کر سانپ کو پکڑ لیا اور جیب میں رکھ لیا۔ سانپ نے
اسے کچھ نہ کہا:

"شاباش!" دیوتا بت نے کہا:

"اب تم یہاں سے سیدھا اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ
اور جو کچھ میں نے تمہیں خواب میں سمجھایا تھا ویسے
ہی کرنا اب چلے جاؤ۔ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔"

امجد نے عنبر کی طرف دیکھ کر اسے سلام کیا اور ہال
کمرے سے باہر نکل گیا۔ دو چار آدمی ہال میں داخل ہوئے
کوئی عنبر کے کٹے ہوئے سر کو اور کوئی دیوتا بت کو دیکھنے
لگا۔ اچانک پہرے دار کی نگاہ دیوتا بت کی گردن پر پڑی۔
وہ حیران ہو کر بولا:

"اس بت کا سانپ کہاں چلا گیا؟"

اس نے بھاگ کر عجائب گھر کے کیوریٹر کو اطلاع کی۔ کیوریٹر یعنی سپرنٹنڈنٹ نے پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس فوراً وہاں پہنچ گئی۔ بت کی گردن خالی تھی۔ انسپکٹر پولیس بھی حیران تھا کہ پتھر کا سانپ بت کی گردن سے کوئی بھی نہیں اتار سکتا۔ کسی نے اسے توڑا بھی نہیں۔ پھر سانپ کہاں چلا گیا؟ پولیس نے رپورٹ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔

امجد نے اپنے ابو امی سے یہ کہہ کر اجازت لے لی کہ وہ اپنے چند ایک دوستوں کے ساتھ ہفتے کے لیے سیر کرنے کو مری جا رہا ہے۔ اس نے اپنے بچا کر رکھے ہوئے جیب خرچ میں سے دو سو روپے نکالے۔ دو سو روپے اس کے ابو نے دیئے اور وہ ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کو سفر کرتے ہوئے وہ صبح راولپنڈی پہنچ گیا۔ وہاں سے ایبٹ آباد گیا اور ایبٹ آباد سے وادی کاغان کی طرف چل پڑا۔

دیوتا بت کا دیا ہوا سانپ امجد کی پتلون کی جیب میں تھا۔ پہاڑوں میں جا کر بس ایک جگہ رکی تو امجد بس سے اتر کر ایک درخت کے پیچھے چلا گیا اور سانپ کو جیب سے نکال کر اسے گھاس پر تازہ ہوا میں رکھ دیا۔ سانپ کنڈلی

مار کر بیٹھ گیا اور اپنی لال لال آنکھوں سے امجد کو دیکھنے لگا۔ امجد کو ناگ یاد آ گیا۔ ناگ جب سانپ کی شکل اختیار کرتا تھا تو بالکل ایسا ہی نظر آتا تھا۔ اتفاق سے بس کے ایک مسافر نے امجد کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپ کو دیکھ لیا اور شور مچا دیا:

"سانپ سانپ"۔

لوگ پتھر لے کر ادھر آ گئے۔ امجد نے پریشان ہو کر سانپ کو اٹھا لیا اور کہا:

"یہ میرا پالتو سانپ ہے۔ یہ کسی کو کچھ نہیں کہے گا"۔

مسافر سانپ کو امجد کی کلائی کے گرد لپٹا دیکھ کر اور زیادہ حیران ہو گئے۔ اب کوئی مسافر امجد کو دوبارہ بس میں بٹھانے پر تیار نہیں تھا۔ ڈرائیور نے امجد کو اس کے ٹکٹ کے باقی پیسے واپس کر دیئے اور کہا:

"اوئے منڈیا! مجھے اپنے مسافر نہیں مروانے سانپ لے کر اکیلے ہی سفر کرو اب"۔

اور وہ بس لے کر آگے روانہ ہو گیا۔

امجد حیران پریشان وہیں کھڑا رہ گیا۔ اب وہ دوسری بس کا انتظار کرنے لگا۔ شام ہو رہی تھی اور جھیل سیف الملوک ابھی پچاس میل کے فاصلے پر تھی۔ آخر خدا خدا کر کے ایک

بس آئی اور امجد اس میں سوار ہو گیا۔ سورج غروب ہو گیا تھا
جب وہ جھیل سیف الملوک کے قریب سے گذرنے والی
ایک چھوٹی سڑک پر پہنچا۔ یہاں سے جھیل تک راستہ پیدل
جاتا تھا۔ امجد نے ایک تندور پر بیٹھ کر روٹی کھائی اور چھوٹی
سی پہاڑی پگ ڈنڈی پر پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ یہ بڑی خطرناک
پگ ڈنڈی تھی اور اس کی ایک طرف نیچے کافی گہری کھڈ
تھی۔ امجد نے سانپ کو جیب سے نکال کر اپنی گردن میں
لٹکا لیا تھا۔ سانپ نے اپنا پھن اٹھا رکھا تھا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ امجد نے روئی دار گرم جیکٹ اور سر
پر گرم اونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ آسمان پر رات کے اندھیرے
کے سائے پھیلتے جا رہے تھے اور ستارے نکل آئے تھے۔
ان ستاروں کی دھیمی روشنی میں ارد گرد اونچے پہاڑوں کی
چوٹیوں پر سفید سفید برف صاف نظر آ رہی تھی۔ رات کے
دس بج رہے تھے جب امجد جھیل سیف الملوک کے کنارے
پہنچ گیا۔ جھیل کے جنوب میں تلاش کرتے کرتے اسے ایک
اندھیرا غار مل گیا۔

وہ غار میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ سانپ کو اس نے اپنی
جیکٹ کی جیب میں چھپا رکھا تھا۔ امجد نے گھڑی دیکھی۔
رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ بدروح کے آنے

میں ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ غار میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا
اور کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ امجد کو خوف بھی محسوس
ہو رہا تھا۔ مگر یہ انکل عنبر کی زندگی کا سوال تھا۔ اس خیال
سے امجد کو طاقت مل رہی تھی اور اس نے بڑا حوصلہ
کیا ہوا تھا۔

آدھی رات گذرنے کے بعد امجد نے غار میں پھیکی
پھیکی روشنی کا ایک غبار سا نمودار ہوتا دیکھا۔ وہ چوکس ہو کر
بیٹھ گیا اور پتھروں کے پیچھے اپنے آپ کو اور اچھی طرح
سے چھپا لیا اور آنکھیں کھول کر اس روشنی کے غبار کو تکنے
لگا۔ اتنے میں امجد نے ایک عجیب قسم کی شکل کو غار میں
آتے دیکھا۔ یہ کسی عورت کی شکل تھی جس کے بال کھلے تھے
اور سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا۔ وہ ایک انوکھی قسم کا
گانا گا رہی تھی۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی عورت دور
کسی قبرستان میں بیٹھی رو رہی ہو۔ اس آواز میں ایک دہشت
ایک کشش اور ایک جادو تھا۔

امجد نے محسوس کیا کہ اس آواز کا سانپ پر بھی اثر
ہو رہا ہے اور وہ اس کی جیکٹ کی جیب میں بے چین
ہو کر گول گول گھومنے لگا ہے۔ خود امجد کا سر چکرانے
لگا تھا مگر اسے یقین تھا کہ سانپ کی وجہ سے اس پر اس

بدروح کے گانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بدروح گانا گاتی
غار کے درمیان میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے
لمبے بالوں میں سے ایک بال اکھاڑ کر منہ سے اسے پھونک
ماری۔ بال کو آگ لگ گئی جب بال اس کی ہتھیلی میں پڑے
پڑے جل کر راکھ ہو گیا تو بدروح نے اس کی راکھ کو ایک
چیخ مار کر ہوا میں اچھال دیا۔ اس دہشت ناک چیخ سے
امجد بھی کانپ اُٹھا۔ چیخ کی آواز کے ساتھ ہی غار میں ایک
زبردست پھنکار سنائی دی اور پھر امجد نے ایک بہت
بڑے اژدہا کو دیکھا جس نے اپنا پانچ سیر کا بھاری سر
اٹھا رکھا تھا اور کھلے منہ میں سے سُرخ دو شاخوں والی زبان
بار بار باہر نکل رہی تھی۔

اژدہے نے بدروح کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔
بدروح ایک دم سے اژدہے کے سر پر سوار ہو گئی۔ اژدہے
نے بڑی زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے سفید
جھاگ کا چھوٹا سا گولہ زمین پر گر پڑا۔ اسی سفید گولے کے
لیے امجد اس غار میں آیا تھا۔ بدروح نے ایک ہاتھ فضا
میں لہرا کر دوسری بار زور سے چیخ بلند کی اور اژدہا اسے
لے کر غار میں سے باہر نکل گیا۔

بدروح اور اژدہے کے جاتے ہی امجد چھلانگ لگا کر

اس جگہ آ گیا جہاں اژدہا نے جھاگ کا گولہ پھینکا تھا۔ یہ
جھاگ کا گولا چھوٹا ہو رہا تھا اور اس وقت چھوٹا ہوتے
ہوئے بالکل ایک چھوٹی خوبانی جتنا رہ گیا تھا۔ امجد نے فوراً
اسے اٹھا لیا۔ امجد کے ہاتھ میں آ کر جھاگ کا گولہ سفید
پتھر میں تبدیل ہو گیا۔ امجد نے اسے جیکٹ کی اندرونی جیب
میں سنبھال کر رکھ لیا اور غار سے باہر نکل آیا۔

باہر رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اتنی گہری
خاموشی تھی کہ کسی پتے کے ہلنے کی آواز بھی نہیں آ رہی
تھی۔ سردی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ امجد کو یہ بھی ڈر تھا کہ
کہیں بدروح اور اژدہا کا سامنا نہ ہو جائے۔ وہ جھیل
کے کنارے سے ہٹ کر چیڑ کے درختوں کے نیچے سے
گزرنے والی پگ ڈنڈی پر آ گیا۔ یہ پگ ڈنڈی جھیل سے
دور ٹیلے کے دامن میں واقع ایک چھوٹے سے پہاڑی گاؤں
کو جاتی تھی۔ امجد جب اس گاؤں میں پہنچا تو رات کا
ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ایک کتا زور سے بھونکا۔ امجد وہیں رک
گیا۔ کتا بھونکتا ہوا امجد کی طرف لپکا۔ یہ بڑا خونخوار کتا تھا۔
اور چیتے جتنا بڑا تھا۔

امجد ڈر کر درخت کے پیچھے ہو گیا مگر کتا غصے کی
حالت میں بھونکتا ہوا امجد کی طرف آیا اور اس پر حملہ کر

دیا۔ امجد اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ کتا اپنے حملے کے زور
میں کچھ دور آگے تک نکل گیا پھر وہاں سے پلٹ کر
دوبارا حملہ کرنے کی نیت سے دوڑتا اور بھونکتا ہوا امجد
کی طرف آیا۔ اتنے عرصے میں امجد کی جیکٹ سے سانپ
باہر نکل آیا تھا۔ سانپ نے امجد کی جیب سے نکلتے ہی
چھلانگ لگائی اور کتے کے سر کے ساتھ چمٹ گیا۔ کتا
پریشان ہو کر اچھلا۔ اپنے سر پر لپٹے سانپ کو دیکھ کر وہ
گھبرا گیا اور سر کو زور سے جھٹکنے لگا مگر سانپ نے اپنا
کام کر دیا تھا۔ کتا تڑپ کر زمین پر گرا اور ٹانگیں چلانے
لگا۔ لیکن سانپ کے زہر نے اسے زیادہ دیر ٹانگیں چلانے
کی مہلت نہ دی اور وہ مر گیا۔

امجد نے سانپ کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور خدا
کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔ کتے کے زور زور سے
بھونکنے کی آوازیں سن کر گاؤں کا چوکیدار آ گیا۔ اس نے ایک
نوجوان لڑکے کو آتے دیکھا تو پوچھا:

"کیا بات ہوئی تھی؟ تم کون ہو؟"

امجد نے اسے بتایا کہ وہ لاہور کے کالج کا سٹوڈنٹ ہے
اور سیر کرنے وہاں آیا تھا کہ رات ہو گئی اور اب گاؤں رات
گذارنے کے خیال سے آ رہا تھا کہ کتے نے حملہ کر دیا۔

چوکیدار نے کہا:

"کوئی بات نہیں۔ تم میری جھونپڑی میں جا کر آرام
کر سکتے ہو۔"

امجد نے رات چوکیدار کی جھونپڑی میں بسر کی اور صبح
اس سے اجازت لے کر اور اس کا شکریہ ادا کر کے
وہاں سے ایبٹ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اگلے دن
شام کے سات بجے لاہور پہنچا۔ عجائب گھر بند ہو چکا تھا۔
سب سے زیادہ مشکل کام عنبر کے دھڑ کو راوی کے پل
کے نیچے دریا سے باہر نکالنے کا تھا جو اکیلا امجد نہیں کر
سکتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے دیوتا بت
سے ملاقات کرنا چاہتا تھا اور اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ
اژدہا کی سفید جھاگ کا منکا لے آیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ
وہ عجائب گھر کے اندر کیسے داخل ہو۔ عجائب گھر کا ایک
ہی دروازہ تھا اور وہ بند ہو چکا تھا۔ باہر چوکیدار پہرہ دے
رہا تھا۔ امجد نے سوچا کہ اگر وہ اپنے گھر چلا گیا تو پھر
وہاں سے رات کو باہر نہ نکل سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ
وہ اسی جگہ ٹھہر کر رات ہونے کا انتظار کرے اور صبح
اپنے گھر جائے۔

امجد یونیورسٹی کے باغ میں آ کر بیٹھ گیا۔ سانپ کو

تازہ ہوا لگوانے کے لیے اس نے جیب سے نکال کر گھاس پر چھوڑ دیا۔ سانپ گھاس میں اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگا۔ امجد نے عجائب گھر کے روشن دان میں سے اندر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اگرچہ یہ بڑا مشکل کام تھا اور اس کے گر پڑنے اور زخمی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اور مال روڈ پر بہت کم لوگ آ جا رہے تھے۔ امجد نے سانپ کو پکڑ کر جیب میں رکھنا چاہا تو وہ عجائب گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ امجد پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگا۔ سانپ آگے آگے بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ امجد اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ سانپ عجائب گھر کے بڑے دروازے پر آ گیا۔

یہاں چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے سانپ کو دیکھا تو لاٹھی کا وار کیا مگر سانپ نے زور سے پھنکار ماری۔ چوکیدار کے ہاتھ سے لاٹھی گر پڑی اور وہ بے ہوش ہو کر ایک طرف کو لڑھک گیا۔ سانپ بڑے دروازے کے سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ امجد نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں اندھیرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے دروازے کی چٹخنی کھولی اور عجائب گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

عجائب گھر کے ہال کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ امجد تیزی سے چلتا ہوا دیوتا کے بُت کے پاس آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سانپ دیوتا بت کی گردن میں پتھر بن کر لٹکا ہوا ہے۔ عنبر کا سر اسی طرح شیشے کی الماری میں رکھا ہوا تھا۔ عنبر نے بھی امجد کو دیکھ لیا تھا۔ دیوتا بُت نے آنکھیں کھول دیں امجد کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"تم کامیاب ہو کر لوٹے ہو۔ میں جانتا ہوں میرے سانپ نے اس جگہ آنے میں بھی تمہاری مدد کی ہے۔"

امجد نے جیب سے اژدہا کا سفید منکا نکال کر دیوتا بت کو دکھایا۔

"میں سفید منکا لے آیا ہوں۔"

"تم نے عنبر کے لیے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

امجد بولا:

"لیکن میں انکل عنبر کا دھڑ راوی دریا کی تہہ سے کیسے نکالوں گا؟"

دیوتا بت نے مسکراتے ہوئے کہا:

"قدرت تمہارا ساتھ دے رہی ہے تم عنبر کے سر کو زندہ کر کے دریا پر لے جاؤ جب تم وہاں

پہنچو گے تو تمہارا مسئلہ حل ہو چکا ہو گا۔ دیر نہ کرو
چوکیدار کو ہوش آنے ہی والا ہے۔"

امجد نے عنبر کی الماری کا شیشہ توڑ ڈالا اور سفید منکا
اس کے کٹے ہوئے سر کے ہونٹوں سے لگایا۔ منکے کا لگنا
تھا کہ عنبر کے سر میں جان پڑ گئی۔ اس کی آنکھیں حرکت کرنے
لگیں۔ ہونٹ ہلے اور عنبر نے مسکرا کر امجد سے کہا:

"امجد! تم نے خدا کے حکم سے مجھے دوبارا زندگی
دی ہے۔ تمہارا یہ احسان میں ساری زندگی نہ بھلا
سکوں گا۔"

امجد نے خوش ہو کر کہا:

"انکل عنبر! خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایک بار
پھر آپ کی آواز سنی۔"

دیوتا بت نے کہا:

"امجد! عنبر کے سر کو اپنی جیکٹ میں چھپا کر جتنی
جلدی ہو سکتی ہے دریا پر لے جاؤ اگر دن نکل آیا
تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

امجد نے عنبر کے سر کو الماری میں سے نکال کر اپنی
جیکٹ اتار کر اس میں لپیٹا اور بغل میں دبا کر عجائب گھر
سے باہر آ کر دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے گیارہ

بجے تھے اور بازاروں میں ابھی لوگ چل پھر رہے تھے۔
امجد نے ایک رکشا کرایہ اور دریا کے پل پر آ کر اسے چھوڑ
دیا۔ وہ پل کے نیچے آگیا۔

اس نے دیکھا کہ پل کے نیچے دریا کا پانی اتر چکا تھا۔
وہ ریت پر آگے بڑھا تو اسے ایک جگہ پل کی دیوار کے
ساتھ عنبر کا دھڑ دکھائی دیا۔ جو سیدھا ریت پر پڑا تھا۔ امجد نے
عنبر کا سر جیکٹ سے نکالا اور کہا:

"انکل کیا میں آپ کا سر آپ کے دھڑ کے ساتھ
لگا دوں؟"

عنبر کے سر نے کہا:

"ہاں امجد — سر دھڑ کے ساتھ لگا کر میری گردن
کے جوڑ کے نشان پر اس منکے کو رگڑنا۔"

امجد نے عنبر کے سر کو دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔ پھر سفید
منکے کو اللہ کا نام لے کر آہستہ سے رگڑا تو عنبر کے سارے
جسم میں جان پڑ گئی اور اس کی گردن دھڑ کے ساتھ اس
طرح جڑ گئی جیسے کبھی علیحدہ نہیں ہوئی تھی۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"امجد! خدا کا شکر ہے کہ میں پھر زندہ ہو گیا مگر
میرے کپڑے ریت میں بھرے ہوئے ہیں میں

غسل کرنا چاہتا ہوں۔"

اور عنبر نے دریا کے پانی میں اچھی طرح سے غسل کیا۔ کپڑوں کو دھو کر اچھی طرح سے نچوڑ کر دوبارا پہن لیا کہ ہوا میں اپنے آپ خشک ہو جائیں گے۔ پھر وہ دونوں دریا کے پُل کے نیچے بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ عنبر نے امجد کو بتایا کہ دیوی موشنک نے اس سے کیسے بدلہ لیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے امجد کا شکریہ بھی ادا کیا کہ اس نے اپنے انکل کے لیے اتنی مصیبت اٹھائی۔ امجد نے کہا کہ یہ تو اس کا فرض تھا۔ پھر وہ ناگ اور ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کی باتیں کرنے لگے۔ عنبر بولا:

"مجھے دوبارا زندگی مل گئی ہے۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد ناگ اور ماریا سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ چلو۔ تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

"اور آپ کہاں جائیں گے انکل؟ امجد نے پوچھا۔

"میں اسی مقبرہ جہانگیر میں تمہیں ملوں گا۔"

○

اژدہے کا پُراسرار منکہ

دریا کے پل پر ایک رکشا رُک گیا۔

امجد نے رکشا والے سے کہا:

"گارڈن ٹاؤن چلنا ہے کتنے پیسے لو گے؟"

رکشہ والا بولا:

"جتنے پیسے میٹر بنائے گا دے دینا۔"

عنبر نے کہا:

"تمہارا میٹر ٹھیک ہے نا؟"

رکشہ ڈرائیور غصے سے بولا:

"اور کیا ہم کوئی چور ڈاکو ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"چلو امجد بیٹھو، میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

پھر اس نے رکشا ڈرائیور سے کہا:

"بھائی مجھے واپس اسی جگہ چھوڑ دو گے؟"

"چھوڑ دوں گا مگر واپسی کے پچاس روپے لوں گا۔"

عنبر بولا :

"تمہارا جو حق بنے گا لے لینا۔"

رکشا ڈرائیور ہنس کر کہنے لگا :

"ہم جو مانگتے ہیں وہی ہمارا حق ہوتا ہے۔"

عنبر بولا :

"بھائی ناراض کیوں ہوتے ہو۔ تم چلو تو سہی۔"

عنبر نے امجد کو اپنے ساتھ رکشے میں بٹھایا اور رکشا گارڈن ٹاؤن کی طرف روانہ ہوگیا۔ کافی لمبا راستہ تھا۔ گارڈن ٹاؤن امجد کے بنگلے کے قریب عنبر نے رکشا کھڑا کروایا اور امجد سے کہا :

"امجد بیٹا اب تم گھر جاؤ۔ میں مقبرے واپس جاتا ہوں۔ میں تمہیں کل خود آکر ملوں گا تم وہاں نہ آنا۔"

"او کے انکل۔ شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

امجد رکشے سے اتر کر اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا اور عنبر نے رکشے والے سے کہا :

"چلو بھائی مجھے واپس دریا کے پل پر چھوڑ آؤ۔"

رکشا ڈرائیور کہنے لگا :

"جناب میں سو روپے سے کم نہیں لوں گا یہیں

آپ کو اسی جگہ بتائے دیتا ہوں۔"

عنبر بولا :

"اچھا میاں سو روپے ہی لے لینا تم چلو تو سہی۔"

رکشا ڈرائیور نے بڑبڑاتے ہوئے رکشا واپس گھمایا اور اس کا رُخ دریائے راوی کی طرف کر دیا۔ اس وقت کافی رات گذر گئی تھی۔ مگر عنبر کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔

عنبر کا لباس اگرچہ قدیم زمانے کا تھا۔ یعنی لمبا کرتا اور شلوار مگر یہ لباس پاکستان میں بھی عام تھا اس لیے کسی کو عنبر پر شک نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کوئی دوسرے ملک کا اجنبی انسان ہے۔

عنبر نے مقبرہ جہاں گیر کو جانے والی چھوٹی سڑک پر ایک طرف رکشا رکوا لیا۔ اور رکشا ڈرائیور سے کہا :

"میرے کپڑوں کی جیب میں پرانے زمانے کی سونے کی ایک اشرفی پڑی رہ گئی ہے۔ وہی تم لے لو۔ یہ کافی مہنگی بک جائے گی۔"

اور عنبر نے جیب سے سونے کی آخری اشرفی نکال کر رکشا والے کو دے دی۔ یہ سونے کی اشرفی آج کے لاہور میں کم از کم دس ہزار روپے کی تھی اور یہ پرانے زمانے میں ہی عنبر کی جیب میں پڑی تھی جو اس کے پتھر بن جانے

کے بعد پتھر ہو کر اس کے ساتھ چپک گئی تھی۔ رکشا ڈرائیور
اشرفی کو روشنی میں لا کر غور سے دیکھنے لگا پھر بولا:
"صاحب مجھے تو سو روپے ہی دے دیں۔"
عنبر نے کہا:
"کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو۔ یہ دس ہزار روپے سے
کم نہیں بکے گی۔ جاؤ لے جاؤ۔"
اور عنبر مقبرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ رکشا ڈرائیور نے پیچھے
سے آ کر عنبر کی قمیص پکڑ لی اور چاقو نکال لیا۔
"میرا کرایہ سیدھی طرح دو نہیں تو جان سے
مار دوں گا۔"
عنبر کو اس شخص پر بڑا غصہ آ گیا۔ اس نے رکشا والے
کے اس ہاتھ کو پکڑ لیا جس میں چاقو تھا۔ ذرا سا دبایا تو ڈرائیور
کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے اسے پرے دھکیل دیا۔ ڈرائیور چھ
سات لڑھکنیاں کھا کر درخت سے جا ٹکرایا۔
عنبر نے گرج کر کہا:
"دفع ہو جاؤ۔"
رکشا والے نے اشرفی جیب میں ڈالی اور رکشا لے کر
وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی بھوت پریت
ہے انسان نہیں ہے۔ عنبر مقبرے میں آ کر دیوار سے ٹیک

لگا کر لیٹ گیا۔ اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ کی انگوٹھی پر
ڈالی۔ سرخ نگینے والی جادوئی انگوٹھی اس کی انگلی میں ویسے ہی
پڑی تھی۔ مگر چاندنی رات نہیں تھی۔ ویسے بھی عنبر اب کچھ
سوچ سمجھ کر انگوٹھی کو رگڑنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ انگوٹھی اپنی مرضی
کے مطابق جہاں وہ چاہتی اسے لے جاتی تھی اور عنبر یہ
نہیں چاہتا تھا۔ اسے اژدہا کے منکے کا خیال آیا۔ اژدہا کا
سفید منکا امجد کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا کل
وہ اس سے منکا لے کر دریا میں پھینک دے گا۔ کیوں کہ اسے
ڈر تھا کہ کہیں یہ منکا امجد کے لیے پریشانی کا باعث نہ
بن جائے۔
دوسرے روز اخباروں میں شور مچ گیا کہ قدیم زمانے کی
نئی دریافت کا سر بھی عجائب گھر کی الماری سے چوری ہو
گیا ہے۔ پولیس نے بڑے زور شور سے تفتیش شروع
کر دی۔ مگر اب وہ عنبر کا کٹا ہوا سر بھلا کہاں تلاش کر
سکتے تھے۔ وہ سر تو اب عنبر کے دھڑ پر لگ چکا تھا۔
اور اسے وہاں سے کوئی نہیں اتار سکتا تھا۔
امجد دن میں دیر تک سوتا رہا۔ وہ بے حد تھکا ہوا
تھا۔ بارہ بجے اٹھا تو اس کی امی ابو اور بہن نے کاغان کی
سیر کے بارے میں پوچھا کہ کیسی رہی؟ امجد نے یونہی سیر

کے قصے سنائے اور پھر اخبار پڑھنے لگا۔ جب اخبار میں
اس نے عجائب گھر سے عنبر کے سر کے غائب ہونے
کی خبر دیکھی تو دل میں ہنس پڑا۔ اس کے ابو نے کہا:
"خدا جانے اس نئے دریافت ہونے والے بُت میں
کیا جادو ہے کہ پہلے دھڑ غائب ہوا اب سر غائب
ہو گیا ہے۔"
امجد بولا:
"ابو مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ بُت زندہ تھا۔"
اس کی بہن نے امجد کو چھیڑتے ہوئے کہا:
"تم انوکھی بات ہی کرو گے۔"
امجد نے کہا:
"بھلا پتھر کا بت بھی کبھی زندہ ہوا ہے؟"
امجد نے مسکراتے ہوئے کہا:
"امی! کبھی کبھی زندہ ہو جایا کرتا ہے۔"
اس کے ابو نے کہا:
"ارے کیا بے کار باتیں کر رہے ہو۔ چلو اُٹھ کر
نہاؤ اور ناشتہ کرو۔"
امجد اٹھ کر اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگا۔ رات کی
اتاری ہوئی جیکٹ میں ہاتھ ڈالا تو جیب میں اژدہا کا سفید

منکا پڑا تھا۔ سوچا کہ یہ منکا عنبر کو دے دینا چاہیے تھا۔
پھر اسے اپنی الماری میں سنبھال کر ایک ڈبے میں رکھا اور
نہانے کے لیے غسل خانے میں چلا گیا۔
ناشتے کے بعد امجد کے والد اور والدہ نے کہا کہ
وہ شازیہ کی خبر لینے جا رہے ہیں۔ شازیہ امجد کی بھانجی تھی
اور کئی روز سے بہت بیمار تھی اور ہسپتال میں پڑی تھی۔
گھر میں امجد اور اس کی بہن اکیلے رہ گئے۔ امجد کی بہن
کالج کی کتاب لے کر بیٹھ گئی اور امجد اپنے کمرے کی
صفائی کرنے کے بعد وہ بھی عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر پچاس
لے کر پڑھنے بیٹھ گیا۔ دو بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی
بجی اور امجد کے ابو نے بتایا کہ شازیہ کا ہسپتال میں انتقال
ہو گیا ہے۔ امجد اور اس کی بہن پریشان ہو گئے۔ امجد کی
بہن تو رونے لگ پڑی۔ اسے شازیہ سے بڑی محبت تھی
امجد نے گھر نوکر کے حوالے کیا اور بہن کو لے کر سیدھا ہسپتال
پہنچ گیا۔ وہاں کہرام بپا تھا۔ شازیہ کی ماں اور بہن بھائی بُری
طرح رو رہے تھے۔ اس کے باپ کو بیٹی کے غم میں
بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ شازیہ کی لاش ایمبولنس
میں ڈال کر گھر روانہ کر دی گئی۔
اچانک امجد کو اژدہا کے سفید منکے کا خیال آ گیا۔ اس

نے سوچا اگر یہ منکہ پتھر میں جان ڈال سکتا ہے تو شازیہ
کو بھی دوبارا زندہ کر سکتا ہے۔ اس نے دل میں ایک فیصلہ
کیا اور رکشا لے کر سیدھا اپنے گھر آیا۔ الماری میں سے سفید
منکہ نکالا اور اسی رکشے میں سوار ہو کر شازیہ کے گھر آگیا۔
وہاں لاش ایک کمرے میں رکھی تھی اور سب لوگ رو رہے
ماں کا غم کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ بہن اور بھائی
دیواروں سے ٹکراتے پھر رہے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں
جاتی تھی۔

امجد خاموشی سے کھسکتے کھسکتے شازیہ کی لاش کے قریب
آ کر چارپائی کی پائینتی کی طرف بیٹھ گیا۔ لاش چادر میں ڈھکی
ہوئی تھی۔ امجد نے سفید منکہ نکال کر مٹھی میں چھپا رکھا تھا۔
پھر وہ اٹھا اور لاش کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:
"پھوپھی جان! شازیہ کا جسم تو گرم ہے۔"
شازیہ کی ماں اور بہنوں نے چونک کر امجد کی طرف دیکھا
کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔
ماں نے روتے ہوئے کہا:
"بیٹا شازیہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"
امجد نے کہا:
"پھوپھی جان مجھے نبض دیکھ لینے دیجئے۔ میرا دل

کہتا ہے کہ شازیہ بہن زندہ ہے۔"
تمام رشتے دار امجد کا منہ تکنے لگے کہ یہ احمق لڑکا
کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ کیا یہ مذاق اڑانے کی کوشش کر
رہا ہے؟ امجد کی والدہ نے تو امجد کو ڈانٹ بھی دیا
اور کہا:
"چلو اُدھر ہٹ کر بیٹھو امجد — یہ تم کیا کہہ
رہے ہو۔"
امجد نے کہا:
"امی جان میں صرف نبض دیکھنا چاہتا ہوں میرا
شک دور ہو جائے گا۔"
اور امجد نے اپنی والدہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر
چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر شازیہ کی کلائی پکڑ لی۔ اژدہا کا
سفید منکہ اس کی مٹھی میں تھا۔ اس نے سفید منکہ آہستہ سے
شازیہ کی لاش کی کلائی سے رگڑ دیا۔ سفید منکے کا لاش
کے جسم سے لگنا تھا کہ لاش میں حرکت پیدا ہونے لگی۔
امجد نے ہاتھ باہر کھینچ لیا۔ لاش نے آہستہ سے اپنا ہاتھ
ہلایا اور چادر سے باہر نکال لیا۔ مردہ لاش کو زندہ ہوتے
دیکھ کر وہاں افراتفری مچ گئی۔ سوائے شازیہ کی ماں اور
بہنوں کے باقی سب رشتہ دار وہاں سے ڈر کر بھاگ گئے۔

امجد نے سفید منکا دوبارا جیب میں رکھ لیا تھا۔ لاش کے چہرے پر سے چادر ہٹائی گئی تو شازیہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی ماں اور بہنیں چیخ مار کر اس سے لپٹ گئیں۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لاش جس کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا ہو دوبارا ان کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جائے لیکن شازیہ زندہ ہو چکی تھی اور وہ چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے کیا ہو گیا تھا امی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

اس کی امی نے اس کو گلے لگا لیا:

"میری بچی! کچھ نہیں ہوا تھا۔ کچھ نہیں ہوا تھا۔ ارے کھڑکیاں کھول دو کمرے کی، تازہ ہوا لگنے دو میری بچی کو۔"

بہنیں شازیہ سے لپٹ لپٹ جاتی تھیں۔ بھائی بار بار اپنی دوبارا زندہ ہو جانے والی بہن کا ماتھا چوم رہے تھے۔ اس کے بعد امجد کی باری آئی اور سب نے امجد کو سینے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوما۔ شازیہ کی ماں اور باپ نے امجد کو گلے لگایا۔ ماں نے کہا:

"امجد بیٹا تیرا آنا باعث رحمت ثابت ہوا اگر

تجھے شک نہ پڑتا تو میری بچی زندہ دفن کر دی جاتی۔"

شازیہ نے کہا:

"امی! کیا میں مر گئی تھی؟ نہیں۔ میں تو بے ہوش تھی امی جان۔"

"ہاں بیٹا تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

باپ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ اسی وقت شازیہ کو لاش والی چارپائی سے اٹھا کر اس کے اپنے کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ اسے گرم گرم دودھ پلایا گیا۔ وہ پوری طرح ہوش میں آ چکی تھی مگر کمزوری بہت محسوس کر رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے آ کر اسے دوبارا چیک کیا اور حیران ہونے لگے۔

ایک ڈاکٹر نے کہا:

"یہ کوئی کرشمہ ہوا ہے۔ ہماری عقل یہاں کام نہیں کرتی۔"

امجد نے کسی کو نہ بتایا کہ یہ سارا کرشمہ اژدہا کے سفید منکے کا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح تو پھر لاہور کے ہر مردے کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟ امجد نے سوچا۔ اس نے

خود شازیہ کے جسم سے سفید منکہ رگڑ کر اسے زندہ کر
دیا تھا۔ امجد کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ کیوں نہ کسی
مردے کو زندہ کیا جائے۔ وہ اژدہے کا سفید منکہ لے
کر اپنی بھانجی کے گھر سے باہر آ گیا۔ پہلے سوچا کہ
قبرستان میں چل کر کسی مردے کو زندہ کیا جائے پھر خیال
آیا کہ وہاں لاش اکیلی نہیں ہوتی اور کوئی اسے مردے کے
پاس نہیں جانے دے گا اور اگر کسی وجہ سے مردہ زندہ
نہ ہوا تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ
اس کی پٹائی بھی ہو جائے۔ پھر اسے مردہ کہاں جا کر تلاش
کرنا چاہیے۔

اچانک امجد کو ہسپتال کے مردہ خانے کا خیال آیا
لیکن ہسپتال کے مردہ خانے پر تو تالا لگا ہوتا ہے پھر
کیا کیا جائے؟ اس سفید منکے کو کہاں جا کر آزمایا جائے
آخر امجد نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے کسی ویران سے قبرستان
میں جانا چاہیے جہاں غریبوں کے جنازے آتے ہیں اور
زیادہ لوگ ساتھ نہیں آتے۔ اس نے رکشا لیا اور ماڈل ٹاؤن
سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں کے ویران سے قبرستان میں
آ کر بیٹھ گیا اور کسی جنازے کے آنے کا انتظار کرنے لگا
تھوڑی دیر بعد چند ایک لوگ ایک جنازہ لے کر آ گئے۔

جنازہ جنازگاہ میں رکھ کر انہوں نے وضو کیا۔ نماز جنازہ
پڑھی اور قبر کھدوانے لگے۔ جنازہ جنازگاہ کے اندر اکیلا
پڑا تھا۔ مردے کے پاس کوئی آدمی نہیں تھا۔ امجد چپکے
سے جنازگاہ میں داخل ہوا اور مردے کے تابوت کے
پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سفید منکہ نکال
کر مردے کی ایڑی سے رگڑ دیا۔

منکے کا رگڑنا تھا کہ امجد کو ایک دھچکا لگا اور وہ الٹ
کر پیچھے کو گرا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اسے محسوس
ہوا کہ وہ انسان نہیں رہا۔ اس نے اپنے جسم پر نظر ڈالی
تو وہ ایک سیاہ سانپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ امجد دہشت
کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ جانے کب تک بے ہوش
رہا۔ ہوش آیا تو اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ رات ہو گئی
تھی اور وہ جنازگاہ میں دیوار کے ساتھ اینٹوں کے پیچھے
سانپ کی شکل میں پڑا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ اسے خدائی قانون میں دخل دینے کی سزا
ملی ہے اور اژدہا نے اسے سانپ بنا دیا ہے۔ اپنی قسمت
پر آنسو بہانے لگا کہ وہ کیسی منحوس گھڑی تھی جب اس
کے دل میں مردے کو زندہ کرنے کا خیال آیا تھا۔ اب
کیا ہو سکتا تھا۔ وہ انسان سے سانپ بن چکا تھا اور خدا

جانے اب اس کی قسمت میں دوبارا انسان بننا تھا بھی
یا نہیں ۔ اسے اپنی امی، ابو اور بہن کا خیال ستانے
لگا کہ جب وہ رات کو گھر نہیں پہنچے گا تو غم کے
مارے ان کا بہت بُرا حال ہوگا۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا
بیٹا ہے۔ اسے اس قسم کے خطرناک کام نہیں کرنے چاہئیں
تھے۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ چڑیاں کھیت چُگ گئی
تھیں اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

اسے عنبر کا خیال آیا کہ کسی طرح اس کے پاس مقبرہ
جہانگیر چلنا چاہیے تاکہ اپنی مصیبت اسے بیان کی جائے۔
لیکن مشکل یہ تھی کہ امجد سانپ بن چکا تھا اور وہ اپنی
بپتا اسے نہیں سنا سکتا تھا۔ اگرچہ عنبر سانپوں کی زبان سمجھ
لیتا تھا لیکن امجد کو شک تھا کہ ہو سکتا ہے وہ اس کی
زبان نہ سمجھ سکے، کیوں کہ وہ تو انسان سے سانپ بنا
ہے۔ بہرحال اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر کے پاس ضرور
جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے وہ اپنے گھر جا کر اپنی
امی ابو اور بہن کو دیکھنا چاہتا تھا۔

گارڈن ٹاؤن جانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ راستے میں
بے پناہ خطرے تھے۔ ٹرک، رکشے، کاریں اور سکوٹر سڑک
پر چل رہے تھے۔ پھر اگر اسے کسی نے دیکھ لیا تو لوگ

اسے اینٹیں پتھر مار کر کچل ڈالیں گے لوگ تو سانپ کو
اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو کچھ بھی ہو اسے اپنے گھر اور پھر
عنبر کے پاس ضرور جانا تھا۔

امجد رینگتا ہوا قبرستان کی جنازگاہ سے باہر نکلا اور
رات کے اندھیرے میں سنسان قبروں کے قریب سے
ہوتا ہوا باہر کھیتوں میں آ گیا۔ اس کو راستہ کچھ کچھ یاد تھا۔
اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ دور ماڈل ٹاؤن کی کوٹھیوں کی
روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ان کے پیچھے گارڈن ٹاؤن کی آبادی
تھی اور امجد کا اپنا گھر تھا جہاں اسے نہ پا کر اس کے ماں باپ
اور بہن پریشان ہو رہے ہوں گے۔ امجد کی سانپ والی آنکھوں
میں آنسو آ گئے۔ اس نے خدا کا نام لے کر اپنے گھر کی طرف
رینگنا شروع کر دیا۔

کھیتوں سے نکل کر وہ ایک میدان میں آ گیا جہاں
ذرا فاصلے پر خانہ بدوشوں کے پھٹے پرانے خیمے لگے تھے
اور دو ایک خیموں میں لالٹینیں جل رہی تھیں۔ امجد جن خیموں
کو خانہ بدوشوں کے خیمے سمجھا تھا وہ سپیروں کی بستی تھی۔
وہ میدان میں رینگتا ہوا ماڈل ٹاؤن کی طرف چلا جا رہا تھا۔
جب وہ سپیروں کی بستی کے قریب سے گزرا تو ایک بوڑھے
سپیرے نے حقہ پیتے ہوئے اپنے لڑکے سُندر سے کہا:

"بیٹا سندر! یہاں کچھ فاصلے پر قبرستان کی طرف سے ایک سانپ چلا آ رہا ہے۔ اسے پکڑ لو۔"

سندر بین اور پٹاری لے کر اٹھا اور اس طرف آگیا جدھر امجد رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سندر سپیرے نے بین بجانی شروع کر دی۔ امجد اگرچہ انسان تھا مگر وہ سانپ بن چکا تھا اور اس میں سانپ کی ساری خصوصیتیں آ گئی تھیں۔ بین کی آواز نے اسے سست کر دیا۔ وہ رُک گیا اور جھومنے لگا۔ سپیرے کی تیز نگاہوں نے بھی سانپ کو جھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بین بجاتا ہوا اس کے پاس آ کر زمین پر پٹاری کھول کر بیٹھ گیا اور اپنے خاص طریقے سے سانپ کو پٹاری کی طرف بلانے لگا۔

امجد کو بین کی آواز نے مست کر دیا تھا اور وہ جھوم رہا تھا۔ جھومتے جھومتے وہ آہستہ آہستہ پٹاری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سپیرے نے بھی سانپ پر آنکھیں گاڑھ رکھی تھیں۔ جونہی امجد جھومتے ہوئے سپیرے کی پٹاری کے قریب آیا اس نے پٹاری اس کے آگے کھسکا دی اور زور زور سے لہرا لہرا کر بین کی دھن تیز کر دی۔ امجد کو اپنی کچھ ہوش نہ رہی۔ وہ مست سانپ کی طرح جھوم رہا تھا اور جھومتے جھومتے پٹاری کے اندر چلا گیا۔ جونہی وہ پٹاری میں داخل

ہوا سپیرے نے بڑی پھرتی سے پٹاری کا منہ بند کر دیا اور رسی لپیٹ کر اسے جھولے میں ڈال کر واپس اپنے بڈھے باپ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اس نے سانپ پکڑ لیا ہے۔

بوڑھے سپیرے نے حقے کا کش لگاتے ہوئے کہا:

"سندر بیٹا! یہ کوئی انوکھی قسم کا سانپ لگتا ہے مجھے"

"کیا مطلب ہے تمہارا دادا؟"

بوڑھا سپیرا اپنی سفید مونچھوں پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے بولا:

"اس سانپ کی مجھے بُو آ گئی تھی مگر کمال کی بات یہ ہے کہ اس کی بُو میں انسان کی بُو بھی ہے۔"

بیٹے نے کہا:

"دادا ___ تو کیا یہ سانپ انسان ہے؟ یعنی کیا یہ وہ ناگ ہے جو پانچ سو سال گزر جانے پر انسان بن جاتا ہے۔"

بوڑھا بولا:

"کچھ کہہ نہیں سکتا بیٹا۔ بہرحال اس سانپ کی حفاظت کرنا، ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے تمہارے بخت چمک اُٹھیں۔

سپیرے سندر نے کہا:

"دادا! میں اسے سنبھال کر رکھوں گا۔"
بوڑھے سپیرے نے کہا:
"نہیں۔ تم بے شک اس کا تماشہ دکھانا، ہو سکتا
ہے تماشہ دکھاتے ہوئے یہ انوکھا سانپ کوئی
کرشمہ کر بیٹھے۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ کوئی انوکھا
سانپ ہے اور جتنے سانپ آج تک میں
نے دیکھے ہیں ان سب سے الگ تھلگ قسم
کا سانپ ہے۔"
بیٹے نے کہا:
"میں اس سانپ کے بارے میں ہوشیار رہوں گا
دادا، تم فکر نہ کرو۔"
اور سپیرے سندر نے امجد کی پٹاری کو لکڑی کے بڑے
صندوق میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ امجد پٹاری میں بند تھا۔
جب بین کا اثر اترا تو اپنی قسمت کو کوسنے لگا کہ اس
نے یہ کیا حماقت کی۔ مگر بین کی دھن پر رقص کرنا اس کی
فطرت ہو چکی تھی اور وہ بین کی دھن پر ناچنے پر مجبور
تھا۔ پٹاری کے اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے امجد کا دل غم
سے بوجھل ہو گیا۔ اس کی زندگی کا تاریک ترین دور شروع
ہو گیا تھا اور وہ مجبور تھا بے بس تھا۔ چاہنے کے

باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اب ذرا عنبر کی طرف آتے ہیں۔
شام کو عنبر مقبرہ جہانگیر سے نکل کر امجد کے بنگلے
پر آ گیا۔ امجد کے والد صاحب نے عنبر کو پہلے بھی ایک
دو بار اپنے گھر پر امجد کے ساتھ دیکھا تھا۔ انہوں نے عنبر
کو پہچان لیا۔ عنبر نے سلام علیک کہہ کر امجد کے بارے
میں پوچھا۔
اس کے والد نے کہا:
"ہم خود اس کے بارے میں پریشان ہیں۔ دوپہر
کو اپنی بھانجی کے گھر سے نکلا تھا۔ شام ہو گئی ہے
ابھی تک نہیں آیا۔"
اور پھر امجد کے والد نے عنبر کو شازیہ کے دوبارا زندہ
ہونے کا واقعہ سنایا:
"کیا امجد نے شازیہ کی نبض دیکھی تھی؟" عنبر نے پوچھا
اس کے والد نے کہا:
"ہاں — اس نے لاش پر پڑی چادر کے اندر ہاتھ
ڈال کر شازیہ کی نبض دیکھی اور پھر وہ زندہ ہو گئی"

اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔"

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ہو نہ ہو امجد نے ضرور اژدہا کا منکہ لاش کے جسم سے چھُوا ہو گا۔ غلطی کی جو منکہ اس کے پاس رہنے دیا۔ مجھے اس سے منکہ لے لینا چاہیے تھا۔ امجد کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے اور اس میں کبھی کبھی بھیانک حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے امجد کے باپ سے پوچھا:

"امجد نے آپ سے کسی خاص شے کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں۔ اس نے کاغان سے آنے کے بعد مجھ سے کسی خاص چیز کا ذکر نہیں کیا۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اس سے آگے وہ اژدہے کے منکے کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے امجد کے باپ کو تسلی دی کہ فکر نہ کریں۔ امجد یہیں کہیں ہو گا۔ آ جائے گا۔

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔ رات کو امجد کی خیریت معلوم کرنے آؤں گا۔"

اور عنبر سلام کر کے چلا گیا۔ وہ امجد کے بنگلے سے نکل کر کوٹھیوں میں سے ہوتا ہوا ایک پارک میں آ کر بنچ پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ امجد کہاں چلا گیا؟ وہ کہاں جا سکتا ہے؟

اسے اب تک گھر واپس آ جانا چاہیے تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اژدہا کا سفید منکہ اس کے پاس ہے کہیں وہ کوئی بچوں ایسی خطرناک حرکت نہ کر بیٹھا ہو۔ کیوں کہ اگرچہ امجد دسویں کا امتحان دے چکا تھا پھر بھی وہ نادان تھا اور عنبر ناگ ماریا کی دنیا کے پُر اسرار واقعات اور خطرناک باتوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کہیں وہ اژدہا کے منکے کی وجہ سے کسی بھاری مشکل میں تو گرفتار نہیں ہو گیا؟ دوسرے لمحے اس کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ نہیں، امجد اتنا نادان نہیں ہے۔ وہ کوئی اس قسم کی حماقت نہیں کرے گا۔ لیکن شازیہ کی لاش کو اس نے اژدہے کے منکے سے ہی دوبارا زندہ کیا ہے جو اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ کیوں کہ اسے خدا کے قانون میں ہرگز ہرگز دخل نہیں دینا چاہیے۔ کہیں وہ کسی بھاری مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے۔

یہی سوچتے سوچتے عنبر کو پارک میں رات ہو گئی۔

رات کے دس بج رہے ہوں گے کہ عنبر ایک بار پھر امجد کے گھر گیا۔ وہ سب لوگ پریشان بیٹھے تھے۔ امجد ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس کی والدہ اور بہن نے کھانا تک نہیں کھایا تھا۔ امجد کے والد نے پولیس میں اپنے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ کر دی تھی۔ عنبر بھی یہ معاملہ دیکھ کر گھبرا

سا گیا کہ خدا خیر کرے۔ کہیں امجد کسی بھاری مصیبت میں
نہ پھنس گیا ہو۔ اب تو اسے امجد کی زندگی کی فکر پڑ گئی تھی
لیکن اس نے امجد کی والدہ اور والد کو کافی حوصلہ دیا اور
کہا کہ وہ نادان ہے دوستوں کے ساتھ کہیں ادھر اُدھر نکل
گیا ہوگا۔ صبح تک واپس آ جائے گا۔ مگر امجد کے ماں باپ
بہت پریشان تھے۔ وہاں اور بھی رشتے دار آئے ہوئے تھے شہر
میں امجد کی جگہ جگہ تلاش ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عنبر وہاں سے اٹھ آیا۔

رات اس نے مقبرہ جہانگیر پر بے چینی سے امجد کے
بارے میں سوچ بچار کرتے ہوئے گزار دی۔ صبح ہوئی تو وہ
سیدھا عجائب گھر میں آ گیا۔ عجائب گھر کھل چکا تھا اور لوگ
گھوم پھر کر تاریخی چیزیں دیکھ رہے تھے۔ عنبر کے پاس ٹکٹ
کے پیسے نہیں تھے۔ وہ چوکیدار کی آنکھ بچا کر اندر گھس گیا۔
سب سے پہلے اپنی اس الماری کے پاس گیا جہاں کبھی
اس کا کٹا ہوا سر رکھا رہتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا دیوتا
کے بت کے پاس آ کر رک گیا اور اس کی طرف دیکھا۔
دیوتا کا بت کے لب آہستہ سے ہلے اور اس نے سرگوشی
کی آواز میں کہا:

"عنبر! امجد نے بڑی بھیانک غلطی کی تھی۔ اس کی

اسے سزا ملی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عنبر نے بے تابی سے پوچھا:

"فکر نہ کرو۔ وہ زندہ ہے۔ مگر مردے سے بدتر ہے۔"

"کیا؟" عنبر نے گھبرا کر پوچھا۔

دیوتا بت نے کہا:

"اس نے ایک بار اپنی بھانجی کو اژدہا کے منکے
سے زندہ کر دیا۔ اسے معاف کر دیا گیا لیکن اس
کے بعد اس نے ایک اور مردے کو زندہ کرنے
کی کوشش کی۔ اس حرکت کو اژدہا نے معاف نہیں
کیا اور اسے سانپ بنا دیا۔"

"ہائیں! کیا امجد سانپ؟" عنبر جملہ پورا نہ کر سکا۔

دیوتا بت نے کہا:

"ہاں! وہ سانپ بن چکا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"میں اسے کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟"

دیوتا بت بولا:

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس شہر کی ایک
آبادی ماڈل ٹاؤن کے قریب سپیروں کی ایک بستی

ہے۔ تمہیں وہاں سے امجد کا سراغ مل سکتا ہے۔"

عنبر پریشان ہو گیا۔ وہ سر جھکائے ہوئے عجائب گھر سے باہر نکل آیا۔ چوکیدار اس کے پیچھے آیا۔

"ٹکٹ کا باقی آدھا حصہ کہاں ہے؟"

عجائب گھر میں جب داخل ہوں تو گیٹ کیپر آدھا ٹکٹ پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور باقی آدھا ٹکٹ واپسی پر وصول کرتا ہے۔ عنبر خود پریشان تھا اور اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اوپر سے گیٹ کیپر نے اس سے آدھا ٹکٹ مانگا تو اس نے کہا:

"بھائی میرے پاس آدھا ٹکٹ نہیں ہے۔"

گیٹ کیپر نے اسے پکڑ لیا۔

"تو تم نے ٹکٹ خریدا ہی نہیں تھا۔ پیسے نکالو ٹکٹ کے۔ نہیں تو میں تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کیے دیتا ہوں۔"

عنبر نے گیٹ کیپر کا ہاتھ چھڑا کر اسے آہستہ سے پرے دھکا دیا تو وہ چھ بار لڑھک کر گیٹ کے اندر جا گرا اور وہیں فرش پر پڑے پڑے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگا کہ اس انسان میں اتنی زبردست طاقت کہاں سے آ گئی ہے؟ عنبر نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور عجائب گھر کی ڈیوڑھی

سے نکل کر مال روڈ کے فٹ پاتھ پر آ گیا۔ وہ امجد کے بارے میں بے حد پریشان تھا۔ یہ بڑی خطرناک بات ہوئی تھی کہ امجد سانپ بن گیا تھا۔ اسے ہر حالت میں اس مصیبت سے چھٹکارا دلانا تھا اور پھر سے انسان کی جون میں واپس لانا تھا۔

عنبر مال روڈ پر سر جھکائے ماڈل ٹاؤن کی طرف پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے پاس بس کا ٹکٹ خریدنے کے لیے بھی کوئی پیسہ نہیں تھا۔

عنبر ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں

عنبر ماڈل ٹاؤن پہنچا تو دن کافی چڑھ آیا تھا۔
سپیروں کی خیمہ بستی تلاش کرتے کرتے دوپہر ہو گئی آخر عنبر نے ایک جگہ میدان میں کچھ پھٹے پرانے خیمے لگے دیکھے قریب آیا تو ایک خیمے کے اندر ایک بوڑھا سپیرا جھلنگا چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ عنبر نے اسے جا کر سلام کیا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔ یہ وہی بوڑھا سپیرا تھا جس کے بیٹے سندر نے رات کو امجد کو سانپ کے روپ میں پکڑ کر پٹاری میں بند کیا تھا۔

بوڑھے نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"کہو میاں! کیسے آنا ہوا؟"

عنبر سوچ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کرے اور کہاں سے شروع کرے۔ آخر ذرا سا کھانس کر بولا:

"بابا! میں تمہارے پاس ایک بڑے ضروری کام سے آیا ہوں۔"

بوڑھا سپیرا بولا:

"بیٹا ہم تو غریب سپیرے ہیں۔ ہم سے بھلا کسی کو کیا ضروری کام ہو سکتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بابا! مجھے تم سے ہی وہ ضروری کام ہے۔"

سپیرے نے پوچھا:

"آخر بتاؤ تو سہی۔ کام کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"رات کو کیا تم میں سے کسی نے کوئی سانپ پکڑا ہے؟"

بوڑھے سپیرے کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے پہلے ہی خیال تھا کہ وہ کوئی انوکھا سانپ تھا۔ اب یہ شخص اس کے پاس اسی سانپ کے بارے میں دریافت کرنے آیا ہے۔ ضرور وہ کوئی انتہائی قیمتی سانپ تھا۔ یا اس میں کوئی گہری راز کی بات چھپی ہوئی ہے۔ بوڑھے نے دل میں سوچا کہ وہ کم از کم دس ہزار روپے لے کر سانپ کے بارے میں کچھ بتائے گا۔ وہ خاموشی سے حقہ پینے لگا۔

عنبر نے پھر کہا:

"بابا! تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

سپیرا بولا:

"میاں! ہمارا تو کام ہی سانپ پکڑنا ہے مگر رات ہم نے کوئی سانپ نہیں پکڑا۔ تمھیں معلوم ہے اب برسات کا موسم نہیں ہے۔ اس لیے سانپ سنپولیے بلوں سے بہت کم باہر نکلتے ہیں۔"

مگر عنبر نے بوڑھے سپیرے کی شکل سے صاف اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

اس نے کہا:

"بابا! میں اس سانپ کی تلاش میں ہوں۔ مجھے اس کی بہت سخت ضرورت ہے۔"

بوڑھے نے کہا:

"کیا تم بھی کوئی سپیرے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں سپیرا تو نہیں بابا مگر اس سانپ کی مجھے تلاش ہے۔ اگر تم بتا دو کہ وہ سانپ کہاں ہے تو تمھاری مہربانی ہوگی۔"

بوڑھے سپیرے نے حقے کا کش لگا کر کہا:

"میاں! مجھے تو اس سانپ کے بارے میں کچھ

معلوم نہیں۔ ہم نے رات کوئی بھی سانپ نہیں پکڑا۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ ناامید ہو گیا تھا۔ لیکن سپیروں کی بستی میں عنبر کی موجودگی کی وجہ سے پٹاریوں میں سارے سانپ بے چین ہو گئے تھے۔ کیوں کہ عنبر کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ اتنے میں ایک سپیرا گھبرایا ہوا خیمے میں داخل ہوا اور بولا:

"بابا! سانپ گھبرائے ہوئے ہیں۔ پٹاریوں سے باہر نکل رہے ہیں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ اس کی وجہ سے ہو رہا ہے اور سانپوں نے اس کے جسم میں سے نکلتی ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بو کو محسوس کر لیا ہے۔ بوڑھا سپیرا گھبرا کر اٹھا اور ساتھ والے خیمے میں جا کر سانپوں کی پٹاریوں کو جھک کر غور سے تکنے لگا۔ سانپ پٹاریوں کے اندر اچھل رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ وہ پٹاریوں سے باہر نکل آئیں گے۔

بوڑھے سپیرے نے کہا:

"ارے یہ موسم کی تبدیلی کا اثر ہے۔ ان پٹاریوں پر ایک ایک اینٹ رکھ دو۔"

سپیروں نے بوڑھے سپیرے کے کہنے کے مطابق پٹاریوں

ایک ایک اینٹ لا کر رکھ دی۔ اب سانپ پٹاریوں سے
باہر تو نہیں نکل سکتے تھے مگر وہ پٹاریوں کے اندر اسی
طرح گھبرا کر اچھل رہے تھے۔ کیوں کہ انہیں ناگ دیوتا
کی بو صاف آ رہی تھی۔ بوڑھا سپیرا ابھی تک نہیں سمجھ سکا
تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اور
اس کے پاس جو شخص آ کر بیٹھا ہوا ہے وہ کون ہے۔ سپیرا
اپنی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر دوبارہ چارپائی پر آ کر بیٹھ
گیا مزے لے کر حقہ پینے لگا۔

عنبر نے کہا:

"بابا! اگر تم مجھے اس سانپ کے بارے میں بتا دو
جو رات کو یہاں تمہارے سپیروں میں سے کسی نے
پکڑا تھا تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا۔"

اب بوڑھے سپیرے نے صاف صاف کھل کر بات کر دی۔

"میاں! خالی خولی شکریہ کیا ہوتا ہے؟ اگر میں تمہیں
بتا دوں کہ وہ سانپ کہاں ہے تو تم مجھے کتنی
رقم دو گے؟"

عنبر ایک دم خوشی سے اچھل پڑا:

"کہاں ہے وہ سانپ بابا؟"

بوڑھا سپیرا بولا:

"واہ واہ! ایسے ہی بتا دوں کہ کہاں ہے وہ
سانپ؟ پہلے یہ بتاؤ کہ مجھے کتنی رقم دو گے؟"

عنبر نے کہا:

"بابا! قسم لے لو اس وقت میرے پاس ایک پیسہ
بھی نہیں ہے۔ ہاں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں
کہ وقت آنے پر تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

بوڑھے نے نفرت سے تھوک کر کہا:

"ارے جا جا! اگر جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہیں
تھی کہ یہاں کیا لینے آ گیا تھا۔"

بوڑھے سپیرے نے ایک موٹے تازے غنڈے سپیرے کو
بلا کر کہا:

"ارے چھندو! اس کو یہاں سے نکال کر باہر
پھینک دے۔"

عنبر نے جلدی سے کہا:

"اس کی ضرورت نہیں بابا! مجھے بتاؤ تمہیں کتنی
رقم چاہیے۔"

بوڑھا سپیرا مسکرایا اور ہاتھ لہرا کر بولا:

"ارے چھندو! وہیں بیٹھا رہ۔ بابو سیدھی راہ پر
آ گیا ہے۔"

پھر عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا :
"مگر بابو ! تمہارے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے
تم مجھے کہاں سے لا کر دو گے میری رقم ؟"
عنبر نے کہا :
"بابا ! اگر میں تمہیں تمہاری مرضی کی رقم یہیں پیدا
کر دوں تو کیا تم مجھے بتا دو گے کہ رات کو
جو سانپ یہاں پکڑا گیا تھا وہ کہاں ہے ؟"
بوڑھے سپیرے نے کہا :
"میں وعدہ کرتا ہوں ۔ مگر اس کے عوض تمہیں مجھے
بیس ہزار روپے دینے ہوں گے ۔ مگر سوال یہ
ہے کہ تو مجھے کوئی بھکاری نظر آتا ہے ۔ اتنی رقم
کہاں سے لائے گا ؟"
عنبر نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا :
"ابھی یہاں آ جائے گی تمہاری بیس ہزار تیس ہزار
چالیس ہزار کی رقم بابا ۔"
سپیرے نے جھنجھلا کر کہا :
"ارے تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے ؟ کہاں سے لائے
گا اتنی بھاری رقم ؟"
عنبر نے کہا :

"تم صرف ایک کام کرو ۔"
"وہ کیا ؟" بوڑھے سپیرے نے پوچھا :
عنبر بولا :
"ساتھ والے خیمے میں جو سانپوں کی پٹاریوں پر تم
نے اینٹیں رکھوائی ہیں ان میں سے کسی پٹاری
کے اوپر سے اینٹ اٹھا دو اور کسی ایک سانپ
کو خیمے میں کھلا چھوڑ دو ۔"
بوڑھا سپیرا تعجب سے عنبر کا منہ دیکھنے لگا کہ یہ کیا
کہہ رہا ہے ۔ وہاں دوسرے سپیرے بھی آ کر کھڑے ہو
گئے تھے اور عنبر کی طرف حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ
رہے تھے ۔
بوڑھا سپیرا بولا :
"اس سے کیا ہو گا ؟"
عنبر نے کہا :
"تم سانپ کو کھول دو ۔ پھر دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے
اور جو کچھ ہو گا تمہارے سامنے یہیں ہو گا ۔"
ایک سپیرے نے کہا :
"یہ سانپ بڑے زہریلے ہیں ۔ تمہیں ڈس لیا تو
مارے جاؤ گے ۔"

عنبر نے اس سپیرے کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم اپنی فکر کرنا کہیں تمہیں نہ ڈس لے۔"

بڑھے سپیرے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ساتھ والے خیمے میں ایک پٹاری میں سے کسی ایک سانپ کو آزاد کر دیا جائے۔ اسی وقت ایک آدمی ساتھ والے خیمے میں گیا۔ اس نے ایک پٹاری کے اوپر سے اینٹ اٹھا کر پٹاری کا منہ کھول دیا۔ ایک سیاہ کالا سانپ پھنکارتا ہوا باہر اچھل پڑا۔ سب لوگ ادھر اُدھر ہٹ گئے۔ دوسرے سپیرے نے جلدی سے پٹاری کا منہ بند کر دیا تا کہ دوسرے سانپ نہ باہر نکل آئیں جو سانپ باہر نکلا تھا۔ اس نے اپنا پھن اٹھا دیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

عنبر چارپائی پر بڈھے سپیرے کے پاس بیٹھا تھا۔ بڈھا سپیرا بڑی حقارت سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"تم ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ ہم جدی پُشتی سپیرے ہیں۔ سانپوں سے کام لینا ہم جانتے ہیں یہ سانپ تمہیں صرف ڈس کر ہلاک کر دے گا۔ اور کچھ نہیں کرے گا۔ کیوں کہ تم ہی یہاں پر اجنبی آدمی ہو۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہا۔ کالا سانپ پھن اُٹھائے خیمے سے نکل کر عنبر کی چارپائی کے سامنے آکر رُک گیا۔ اپنا پھن جھکا دیا۔ پھر زمین کے ساتھ لگا کر اپنی زبان میں بولا:

"اے عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! تمہارا آنا مبارک ہو۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

عام طور پر عنبر خاموش زبان میں سانپوں سے بات کیا کرتا تھا مگر اس وقت اس نے سانپ ہی کی زبان میں بلند آواز میں کہا:

"یہاں اگر کسی جگہ کوئی خزانہ دفن ہے تو جا کر اس میں سے سب سے قیمتی موتی ہیرا یا لعل لے کر واپس آ جاؤ۔"

سانپ نے ایک بار پھر سر جھکا کر سلام کیا اور بڑے ادب سے واپس چلا گیا۔ اب تو تمام سپیرے حیران ہو کر عنبر کو تکنے لگے۔ بوڑھا سپیرا بھی اندر ہی اندر کچھ پریشان ہو گیا تھا مگر اوپر سے خاموش تھا۔ کہنے لگا:

"بھلا اس سے کیا ہو گا۔ تم ہم سپیروں کو دھوکہ نہیں دے سکو گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"ذرا انتظار کرو بوڑھے سپیرے!"
تھوڑی ہی دیر میں وہی کالا سانپ واپس آ گیا۔ اس
نے منہ میں ایک بڑا ہی قیمتی یاقوت پکڑا ہوا تھا۔ یاقوت
میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔
اس یاقوت کو دیکھ کر بوڑھے سپیرے کی عقل دنگ رہ
گئی۔ سانپ نے یاقوت عنبر کے قدموں میں لا کر ڈال دیا
عنبر نے یاقوت اٹھا کر بوڑھے سپیرے کی جھولی میں پھینکتے
ہوئے کہا:
"اگر تم میرے بزرگ نہ ہوتے تو میں تمہیں کہتا
کہ تم دولت کے کتے ہو، مگر میں تمہیں ایسا نہیں
کہوں گا۔ اب بتاؤ رات کو تم لوگوں نے جو سانپ
پکڑا تھا وہ کہاں ملے گا؟"
عنبر کو یاقوت دے کر کالا سانپ واپس خیمے میں چلا
گیا تھا۔ تمام سپیرے عنبر کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔
بوڑھے سپیرے نے بھی عنبر کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا:
"بیٹا! مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہاری طاقت سے
بے خبر تھا۔"
پھر اس نے عنبر کو بتایا کہ رات کو اس کے بیٹے
سندر سپیرے نے ایک انوکھا سانپ پکڑا تھا جس میں

سے انسان کی بو بھی آتی تھی۔
"وہ کہاں ہے؟" عنبر نے پوچھا۔
بوڑھے سپیرے نے کہا:
"افسوس کہ میرا بیٹا آج صبح کی گاڑی سے اپنے
ساتھی سپیروں کے ساتھ سندھ کی طرف چلا گیا ہے۔
وہاں وہ زہریلے سانپ پکڑنے گئے ہیں۔"
عنبر نے اپنا سر تھام لیا پھر پوچھا:
"تمہارے خیال کے مطابق وہ مجھے کہاں مل سکے گا؟"
بوڑھے سپیرے نے کچھ سوچ کر کہا:
"پرسوں وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ لاڑکانہ کے
پاس موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں جانا چاہتا ہے
جہاں بڑے زہریلے اور قیمتی سانپ پائے جاتے
ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لاڑکانہ گئے ہیں تم اگر
موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں جاؤ تو تمہیں وہاں
میرا بیٹا سندر مل جائے گا۔"
پھر بوڑھے سپیرے نے عنبر کو اپنے بیٹے سندر سپیرے
کا حلیہ بتایا اور ایک سبز رنگ کا پتھر اپنی نشانی کے
طور پر بھی دیا۔ عنبر نے بوڑھے سپیرے سے کہا:
"میں تمہیں بڑا قیمتی یاقوت دیئے جا رہا ہوں اسے

پہنچ کر غریبوں کو چھ روز تک کھانا کھلاتے رہنا۔"
"ایسا ہی کروں گا بیٹا۔" بوڑھے سپیرے نے ہاتھ
جوڑ کر کہا:

عنبر چپکے سے اٹھا اور سپیروں کی خیمہ بستی سے نکل
کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب امجد کے گھر جانا بیکار
تھا۔ وہ امجد کو ساتھ لے کر ہی اس کے ماں باپ کے
گھر جانا چاہتا تھا۔ عنبر کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔
اور موہنجو داڑو تک سفر کے لیے اسے کچھ روپوں کی
ضرورت تھی۔ عنبر ماڈل ٹاؤن سے نکل کر سیدھا مقبرے گیا۔
وہ جانتا تھا کہ مقبرے جہانگیر کے ارد گرد مغلیہ خاندان کے
بے شمار خزانے دفن ہیں۔ اس نے ایک خزانے کے
سانپ کے ذریعے وہاں سے کچھ سونے کی اشرفیاں حاصل
کیں اور ٹرین میں سوار ہو کر حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ وہاں
سے وہ سکھر گیا اور ایک بس میں بیٹھ کر لاڑکانے آ گیا
جہاں سے موہنجو داڑو کے کھنڈر نزدیک ہی تھے۔ ایک
رات اس نے سکھر میں سیر کی۔ دوسری رات لاڑکانے کے
ایک ہوٹل میں گزاری اور صبح کو سندر نامی سپیرے کی تلاش
میں موہنجو داڑو کے ارد گرد کے علاقوں میں نکل گیا۔

اب امجد کی بھی سنو کہ اس کے ساتھ کیا بیتی۔

سندر نام کا سپیرا اپنے ساتھی سپیرے کے ہمراہ سانپ
پکڑنے موہنجو داڑو آیا تو دن کو وہ آس پاس کے جنگلوں
میں سانپوں کی تلاش میں پھرتے رہے۔ شام ہوئی تو باقی
سپیرے تو بستی کی طرف چلے گئے مگر سندر سپیرا جس کی پٹاری
میں امجد سانپ کی شکل میں قید تھا یہ کہہ کر موہنجو داڑو کے
کھنڈروں میں آ گیا کہ وہاں بعض سانپ شام کو نکلتے ہیں
میں انہیں پکڑوں گا۔

موہنجو داڑو کے کھنڈرات کوئی کہتا ہے پانچ ہزار سال
اور کوئی کہتا ہے کہ آٹھ ہزار سال اور کوئی کہتا ہے کہ نو
ہزار سال پرانے ہیں اور یہاں کسی زمانے میں ایک ایسی
قوم آباد تھی جو بیل کی پوجا کرتی تھی اور جادو ٹونے میں
بڑی ماہر تھی۔ سندر سپیرا کھنڈر کی پرانی گلیوں اور ٹیلوں میں
بین بجاتا پھرا۔ اسے کہیں کوئی سانپ نظر نہ آیا۔ جب
اندھیرا زیادہ گہرا ہونے لگا تو اس نے ایک ٹیلے کے
پاس ایک چار دیواری دیکھی جس کے کونے میں ایک کنواں
بنا ہوا تھا۔ اس کنوئیں پر تختی لگی تھی کہ یہ کنواں پانچ ہزار
سال پرانا ہے۔ سپیرے نے اس کنوئیں کے قریب بین
بجانی شروع کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ کنواں اندر
ٹھنڈا ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں کوئی سانپ رہ رہا ہو اور بین

کی آواز سن کر باہر آ جائے۔

وہ دیر تک بین بجاتا رہا۔ جب بین بجانی بند کرنے لگا تو اچانک کنوئیں کے اندر سے پھنکار اور شوں شوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سپیرا بڑا خوش ہوا کہ اندر سے کوئی سانپ آ رہا ہے۔ سپیروں کو جب کوئی سانپ پکڑنا ہوتا ہے تو وہاں اپنا کوئی پکڑا ہوا سانپ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ سپیرے نے پٹاری کھولی اور امجد کو جو سانپ بنا ہوا تھا۔ کنوئیں کے پاس چھوڑ دیا۔ امجد بین کی آواز پر رقص کرنے لگا۔ اگر بین کی آواز نہ آتی تو شاید وہ کسی طرف کو بھاگ جاتا۔ مگر بین کی آواز نے اسے وہیں رقص کرنے پر مجبور کر دیا۔ امجد پھن اٹھائے رقص کر رہا تھا۔ کنوئیں کے اندر سے پھنکاروں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔

سپیرے کو بین بجاتے بجاتے پسینہ آ گیا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ مگر کسی قیمتی سانپ کو پکڑنے کی امید میں وہ برابر بین بجائے چلا جا رہا تھا۔ ادھر سورج غروب ہو گیا تھا اور شام کی سیاہی کھنڈروں میں پھیلنے لگی تھی۔ چاروں طرف بڑا پُراسرار اندھیرا اپنے پنجے پھیلا رہا تھا۔ کنوئیں میں سے پھنکاریں اب اتنی بلند ہو گئی تھیں کہ بین کی آواز اس میں دبنے لگی تھی۔ اب سپیرا بھی گھبرا گیا۔ اس

نے اپنی زندگی میں کسی سانپ کی ایسی دہشت ناک پھنکاریں نہیں سنی تھیں۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ کنوئیں کی پھنکاروں نے اس پر بھی کوئی جادو کر دیا ہے۔ وہ برابر بین بجائے چلا جا رہا تھا۔ کنوئیں میں سے اب روشنی باہر نکلنے لگی۔ یہ روشنی نیلے رنگ کی تھی۔ سپیرا ڈر گیا اور بین وہیں پھینک کر بھاگ اٹھا۔ وہ امجد کو بھی وہیں چھوڑ گیا تھا۔

سپیرا بھاگ گیا مگر امجد سانپ کی شکل میں ابھی تک جھوم رہا تھا۔ اب اسے کنوئیں سے آتی پھنکاروں نے اپنے جادو کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سپیرا دور ایک پرانی دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو کر کنوئیں کی طرف تکنے لگا کہ دیکھیں کنوئیں کے اندر سے کیا نکلتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کنوئیں کے اندر سے ایک خوب صورت عورت رقص کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کے نتھنوں سے پھنکاریں نکل رہی تھیں اور ہر پھنکار کے ساتھ نیلے رنگ کی روشنی کا غبار باہر کو لپکتا تھا۔

سپیرا ڈر گیا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے ایسا بھاگا کہ پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

یہ رقص کرتی عورت جس کا سارا جسم کالا سیاہ تھا اور سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں کنوئیں میں

سے نکل کر سیدھی امجد کے پاس آئی جو ابھی تک جھوم
رہا تھا۔ اس عورت نے ہاتھ بڑھا کر امجد کو گردن سے
پکڑ کر اُٹھا لیا اور پھر اسے منہ میں ڈال کر پورے کا پورا
نگل لیا۔ اس کے بعد اس نے قدیم پُر اسرار کنوئیں کے
ارد گرد ڈانس کرتے ہوئے تھرک تھرک کر سات چکر کاٹے
اور پھنکاریں مارتی، ہاتھوں کو لہراتی، جسم کو تھرکاتی کنوئیں میں
کود گئی۔ اس کے ساتھ ہی نیلے رنگ کی روشنی بھی کنوئیں کے
اندر غائب ہو گئی اور وہاں گہری ڈراؤنی قبرستان ایسی خاموشی
چھا گئی۔

اب امجد کو ہوش آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک بند جگہ
پر قید ہے۔ اور اس کے ارد گرد گوشت کی دیواریں ہیں جن
میں سے نیلی روشنی نکل رہی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگتا اگر
وہ سانپ نہ ہوتا۔ سانپ تھوڑی سی آکسیجن کے ساتھ کئی
کئی دن گزار سکتا ہے، لیکن اسے زیادہ دیر گوشت کی چاردیواری
میں نہ رہنا پڑا۔ سیاہ فام رقاصہ نے کنوئیں کے اندر اپنے
غار کے تہہ خانے والے چھوٹے سے مندر میں جا کر سانپ
کو اپنے پیٹ سے باہر نکال لیا اور ایک چھوٹی سی مورتی
کے گلے میں ڈال کر اس پر ایک ایسا منتر پھونکا کہ وہ مورتی
کے گلے میں پڑے پڑے پتھر بن گیا۔

یہ اس منحوس رات کا دوسرا دن تھا جب عنبر موہنجو داڑو
کے کھنڈروں میں پیسرے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے
ارد گرد کا سارا علاقہ چھان مارا مگر اسے کوئی پیسرا وہاں نہ
ا۔ ندر پیسرا اسی رات وہاں سے بس میں بیٹھ کر واپس سکھر
روانہ ہو گیا تھا۔

عنبر تھک ہار کر شام کو واپس اپنے چھوٹے سے ہوٹل
میں آ گیا۔ یہ ہوٹل سیاحوں کے لیے خاص طور پر بنایا گیا تھا۔
یہاں عنبر نے ایک چھوٹا کمرہ کرائے پر لے لیا تھا۔ رات کو
ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو بہت سے سیاح جن میں غیر ملکی سیاح
بھی شامل تھے ہوٹل کے سامنے والے باغ میں آ کر بیٹھ گئے
اور چائے وغیرہ پینے لگے۔ عنبر بھی ایک خالی میز کے
پاس کرسی پر بیٹھ گیا اور امجد کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ
بہت پریشان تھا کہ یہ لاہور کا معصوم لڑکا خواہ مخواہ مصیبت
میں پھنس گیا۔ عنبر اپنے خیالوں میں گم بیٹھا تھا کہ ایک ادھیڑ
عمر کا غیر ملکی گورا سیاح جس کے سفید بال ہیٹ سے باہر
نکلے ہوئے تھے عنبر کے پاس آ کر بولا:

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں اور کوئی کرسی خالی
نہیں ہے ہو سو!"

عنبر سمجھ گیا کہ اس سیاح کا تعلق فرانس سے ہے۔ اس

نے انگریزی میں عنبر سے بات کی تھی۔ عنبر چونکہ دنیا کے ہر
ملک، ہر قبیلے کی زبان جانتا تھا اس لیے اس نے فرانسیسی
میں پوچھا:

"کیا آپ فرانس کے ہیں؟"

ادھیڑ عمر سیاح خوش ہو کر بولا:

"موسیو! تم فرانسیسی جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں میں فرانس میں کچھ سال رہ چکا ہوں۔ آئیے
بیٹھیے۔"

فرانسیسی سیاح عنبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی کمر سے پستول
لٹک رہا تھا اور کندھے کے ساتھ کیمرہ لٹک رہا تھا۔ اس
نے چائے منگوالی اور عنبر کو ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بتایا۔

"میں کئی بار موہنجو داڑو کی سیاحت کر چکا ہوں یہ
دنیا کی سب سے قدیم تہذیب کے کھنڈر ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"میں بھی یہاں سیاحت کرنے آیا ہوں اور میرا تعلق
ملک مصر سے ہے۔"

فرانسیسی سیاح نے کہا:

"تم حیران ہو گے کہ میں نے اپنا کیمرہ اور پستول کیوں

ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اصل میں اس علاقے میں رات
کو ڈاکے بڑے پڑتے ہیں۔"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد فرنچ سیاح نے عنبر کو رازداری
سے کہا:-

"موسیو! میں ایک انتہائی اہم مہم پر یہاں آیا ہوں۔
اور مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ کیا تم میرے
ساتھی بنو گے۔"

عنبر نے کہا:

"میں آپ کا ساتھی ہی ہوں مگر آخر آپ ایسی کون سی
اہم مہم پر آئے ہیں؟"

فرنچ سیاح کہنے لگا:

"میرے ساتھ آؤ۔ یہاں کوئی ہماری باتیں سن لے گا۔
ذرا دور ٹہل کر باتیں کرتے ہیں۔"

عنبر کو بھی سوائے امجد کے بارے میں سوچنے کے اور کوئی
کام نہیں تھا اس لیے اٹھ کر سیاح کے ساتھ ہو لیا اور وہ
دونوں ہوٹل سے چند قدموں کے فاصلے پر ریت پر ٹہلنے لگے۔

فرنچ سیاح نے کہا:

"میں تمہیں اس لیے اپنا راز بتانا چاہتا ہوں کہ تم اس
ملک کے آدمی نہیں ہو۔ تمہارا تعلق مصر سے ہے

اور مصر کے لوگ اس قسم کی پُراسرار مہموں میں
بڑے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا اپنا
ملک ہزاروں سال پُرانا ہے۔"
عنبر نے پوچھا:
"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں موسیو؟"
فرانسیسی سیاح بولا:
"میں نے موہنجو داڑو کی قدیم تہذیب پر بے شمار
کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ چند روز ہوئے میں نے ایک
کتاب میں یہاں کے قدیم باشندوں کے بارے
میں ایک عجیب بات پڑھی۔ کتاب میں لکھا تھا
کہ آج سے سات ہزار سال پہلے اس شہر کے
پجاری پرانے کنوئیں کے اندر نیچے جا کر غار
بناتے تھے جہاں مندروں کا سونا زمین کے اندر
دفن کر کے اس پر ایک مورتی بنا دیتے تھے۔
یہ خزانے کی مورتی کہلاتی تھی۔ وہ اس کی پوجا کرتے
تھے۔ جب مندر کے بڑے پجاری کے مرنے کا
وقت قریب آ جاتا تھا تو وہ شہر کی سب
سے زیادہ سیاہ فام عورت کو جو خوب صورت
بھی ہوتی تھی اغوا کر کے منگوا لیتا تھا اور اس

پر جادو کے منتر پڑھ کر اسے غار میں خزانے کی
مورتی کے ساتھ بند کر کے غار کا منہ بھی بند کر
دیتا تھا۔ میں اس بار کسی ایسے ہی خزانے کی
تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو
ہم خزانہ آدھا آدھا کر لیں گے۔ یہاں سے خزانے
کو فرانس تک پہنچانے کا انتظام میں نے کر لیا
ہے۔ میرے آدمی کشتیوں کے ذریعے اس خزانے
کو بحرین اور پھر وہاں سے فرانس پہنچا دیں گے
میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یہ مہم بہت مشکل ہے۔
مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ کیا تم میرا
ساتھ دو گے موسیو؟"
عنبر کو خود امجد کی تلاش تھی اور اس کا دل اسے کہہ رہا
تھا کہ امجد سانپ کی شکل میں انہی کھنڈروں میں کسی جگہ قید
ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید اس مہم کے دوران کہیں امجد
بھی مل جائے۔ چنانچہ عنبر نے حامی بھر لی۔ ادھیڑ عمر سیاح بہت
خوش ہوا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:
"موسیو! میرے پاس ایک خنجر بھی ہے۔ چاہے تم
پستول رکھ لینا میں خنجر رکھ لوں گا۔"
عنبر نے کہا:

"مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں موسیو۔"

سیاح بولا:

"نہیں نہیں موسیو! یہاں کے لوگ بڑے خون خوار ہوتے ہیں۔ وہ دن دہاڑے آدمی کو قتل کر کے لوٹ لیتے ہیں۔"

عنبر بولا:

"اچھا پھر آپ مجھے خنجر دے دیں۔"

"او کے موسیو! ہم کل رات کو خاموشی سے اپنی مہم پر روانہ ہو جائیں گے۔ خبردار یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے موسیو۔"

"فکر نہ کرو۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا اور اجازت لے کر اپنے کمرے میں آگیا۔ ساری رات اس نے بے چینی سے گذاری۔ اسے بار بار امجد اور اس کے پریشان ماں باپ کا خیال ستاتا رہا۔

دوسرے دن اس نے ایک بار پھر موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں امجد کی تلاش شروع کر دی۔ کھنڈروں میں پھرتے پھرتے عنبر کو شام ہو گئی۔ مگر امجد کا کوئی سراغ نہ ملا:

عنبر واپس ہوٹل آگیا۔ فرنچ سیاح اس کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ عنبر کو اپنے کمرے میں لے گیا اور اس

نے عنبر کو موہنجو داڑو کے کنوؤں کا نقشہ دکھایا۔ ایک کنوئیں پر لال پنسل سے نشان لگا کر کہنے لگا:

"یہ کنواں اس کھنڈر کا سب سے پرانا کنواں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں اسی کنوئیں میں خزانہ ملے گا۔"

عنبر بے دلی سے نقشے کو دیکھ رہا تھا۔ بھلا اسے خزانے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اسے تو امجد کے سوا اور کسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر دل میں یہ خیال کر کے اس لالچی ادھیڑ عمر سیاح کے ساتھ ہو لیا کہ وہ اکیلے ہوٹل میں پڑے پڑے کیا کرے گا۔ اسی سیاح کے ساتھ چلا چلے۔ شاید امجد کا کوئی سراغ مل جائے۔

عنبر اور فرنچ سیاح رات کے دس بجے کھانا کھانے کے بعد ہوٹل سے نکل کر کھنڈروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیاح نے پستول میں گولیاں بھر لی تھیں۔ خنجر عنبر کو دے دیا تھا۔ جیب میں ٹارچ اور نقشہ رکھ لیا تھا۔ کنوئیں میں اترنے کے لیے نائیلون کی بنی ہوئی بڑی مضبوط سیڑھی بھی تھیلے میں رکھی ہوئی تھی۔ لالچی سیاح پورا پورا انتظام کر کے گھر سے نکلا تھا۔ وہ دونوں موہنجو داڑو کے کھنڈروں کو جانے والی کچی سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اجاڑ بیابان علاقہ تھا یہاں کہیں کوئی روشنی کا کھمبا

بھی نہیں تھا۔ آس پاس اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے
جن میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

وہ ایک ٹیلے پر سے نیچے اترے تو سامنے ایک
میدان میں موہنجو داڑو کے سات ہزار سال پرانے کھنڈر پھیلے
ہوئے تھے اور ستاروں کی مدھم روشنی میں ان کے پھیکے پھیکے
خاکے بڑے پُراسرار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں موہنجو
داڑو کی ہزاروں سالہ قدیم گلیوں کے کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔
چوڑی دیواریں بہت اونچی چلی گئی تھیں۔ اینٹوں کے فرش
کئی جگہوں سے اکھڑے ہوئے تھے۔ یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔
ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی قبرستان میں آ گئے ہیں۔ ایسا قبرستان جو
ویران ہو چکا ہو۔ اور جہاں چڑیلیں بھی آتے ہوئے ڈرتی ہوں۔
فرشخ سیاح ایک جگہ دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا اور جیب سے
لپٹا ہوا نقشہ نکال کر بولا:

"موسیو! مجھے ایک نظر نقشے پر ڈال لینے دو۔ وہ قدیم
کنواں یہیں کہیں ہونا چاہیے۔"

فرشخ سیاح نے چھوٹی ٹارچ کی روشنی نقشے پر ڈالی اور
سرخ پنسل کا نشان تلاش کر کے اس پر انگلی رکھ کر بولا:

"یہاں سے دس ڈگری مغرب کی طرف موسیو!"

اور اس نے نقشہ لپیٹ کر جیب میں رکھا۔ ٹارچ بھی

کر تھیلے میں ڈالی اور عنبر کو لے کر جونہی بائیں جانب گھوما
پیچھے سے کسی نے اس کی گردن میں رسی ڈال کر پیچھے کھینچ
لیا۔ عنبر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کیونکہ فرشخ
سیاح کے گلے سے غراہٹ کی آواز نکلی تھی۔ اتنے میں دوسرے
آدمی نے بندوق کی نالی عنبر کی گردن پر رکھ دی اور کہا:

"سائیں! جو کچھ ہے نکال کر رکھ دو۔"

اگر فرشخ سیاح کی گردن پھندے میں نہ پھنسی ہوتی تو وہ
اسی وقت اپنے والے ڈاکو کا کچومر نکال کے رکھ دیتا۔ مگر اسے
یہی ڈر تھا کہ دوسرا ڈاکو ادھیڑ عمر سیاح کو زندہ نہیں چھوڑے
گا۔ عنبر نے کہا:

"میرے پاس کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے میرے ساتھی
کے پاس ہے۔"

عنبر کا خیال تھا کہ اس طرح سے یہ ڈاکو ادھیڑ عمر سیاح
کی گردن سے رسی کا پھندا نکال کر اس کی تلاشی لیں گے یا
اس سے پوچھ گچھ کریں گے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے۔ یہ
دونوں ڈاکو تھے اور انہیں لوٹنے آئے تھے۔ بندوق والے
ڈاکو نے نالی عنبر کی گردن سے ہی لگائے رکھی اور اپنے
ساتھی سے کہا کہ اس بوڑھے کی تلاشی لو۔
دوسرے ڈاکو نے رسی کا پھندا سیاح کی گردن سے نکال لیا اور

اس کے تھیلے کو ٹٹولنے لگا۔ عنبر اسی موقع کے انتظار میں تھا
اس نے بڑے آرام سے ہاتھ اوپر اٹھا کر بندوق کی نالی تھام لی
اور کہا:

"بندوق نیچے رکھ دو اور جو کچھ تم نے دوسرے سیاحوں کا
مال لوٹا ہوا ہے وہ بھی نیچے رکھ دو۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے جھٹکا دے کر ڈاکو پرے
گرا دیا اور دوسرے ڈاکو کو ایسی لات ماری کہ اس کی ایک طرف
کی ساری پسلیاں ٹوٹ گئیں اور زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگا۔ دوسرا
ڈاکو بھاگنے لگا تو عنبر نے اسے گردن سے دبوچ کر کہا:

"اس اپنے زخمی ساتھی کو بھی ساتھ لیتے جاؤ جا کر
اس کا علاج کرو اور پھر ڈاکے چھوڑ کر محنت مزدوری سے
رزقِ حلال کما کر کھاؤ اسی خیال سے میں تم دونوں کی
جان بخشی کر رہا ہوں۔ ورنہ تمہاری لاش یہاں تڑپ
رہی ہوتی۔"

ڈاکو عنبر کی طاقت سے ڈر گیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے
ساتھی کو کاندھے پر ڈالا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ فرنچ سیاح
گردن کو ملتے ہوئے بولا:

"موسیو! تم نے کمال کر دیا۔ میں تمہاری پھرتی کی داد دیتا
ہوں۔ چلو اچھا ہوا تم کو بھی ایک بندوق مل گئی۔ مگر

ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بڑے خطرناک لوگ ہوتے ہیں چھپ
کر حملہ نہ کر دیں۔"

عنبر نے کہا:

"اس بار حملہ کیا تو زندہ بچ کر نہیں جائیں گے۔"

فرنچ سیاح مسکرانے لگا۔ وہ بار بار اپنی گردن کو مل رہا تھا۔

"کم بختو نے میرا گلا ہی گھونٹ ڈالا تھا۔ آؤ اب اس کنوئیں
کی طرف چلتے ہیں جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

گلیوں کے کھنڈر سے باہر نکلے تو ایک چھوٹی دیوار کی چاردیواری
کے اندر کونے میں ایک کنواں دکھائی دیا۔

○

کنوئیں میں پھنکاروں کی آواز

فرشخ سیاح نے ٹارچ روشن کی اور کنوئیں کی منڈیر پر اس کی روشنی ڈالی:

وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا اور عنبر کو بھی اس نے پیچھے کھینچ لیا۔ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا:

"رُک جاؤ مویو! یہاں ریت پر سانپ کے چلنے کا نشان ہے"

سانپ کا لفظ سن کر عنبر چونک اٹھا۔ اس نے کہا:

"کہاں ہے سانپ کا نشان؟ ٹارچ مجھے دو مویو!"

فرشخ سیاح نے عنبر کو یہ کہہ کر آگے جانے سے منع کرنے لگا کہ یہاں کے سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں مگر عنبر نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اس کی روشنی ریت پر ڈال کر دیکھنے لگا۔ سانپ کے نشان جگہ جگہ گول دائروں میں بنے ہوئے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ سانپ یہاں سے صرف گذرا نہیں بلکہ رقص کرتا رہا ہے اور جھومتا

رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عنبر کو وہاں کسی انسان کے پاؤں کے نشان بھی دکھائی دیئے۔ اس نے فرشخ سیاح سے کہا:

"یہاں انسان کے پاؤں کے نشان بھی ہیں مویو۔"

سیاح بولا:

"کوئی آدمی یا سپیرا سانپ پکڑنے آیا ہوگا یہ اسی کے پیروں کے نشان ہوں گے۔"

سپیرے کے لفظ پر عنبر ایک بار پھر چونک اٹھا۔ اجد کی سراغرسانی کی کڑیاں مل رہی تھیں۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں غور سے آگے پیچھے گھوم کر دیکھا اسے دو اور انسانی پاؤں کے نشان دکھائی دیئے۔

اس نے کہا:

"مویو! یہاں ایک اور انسان کے پاؤں کے نشان بھی ہیں۔ یہ دیکھو۔ ایک انسان پیچھے کو بھاگ رہا ہے۔ اس کے پاؤں کے نشان بتا رہے ہیں کہ وہ تیزی سے بھاگا ہے اور یہ دیکھو۔ یہ دو پاؤں کے نشان کنوئیں کی طرف جا رہے ہیں۔ بھاگنے والے انسان کے پاؤں میں جوتا تھا اور کنوئیں کی طرف جانے والے انسان کے پاؤں ننگے ہیں۔"

فرشخ سیاح نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"ایسا لگتا ہے کہ یہاں ہم سے پہلے بھی کچھ لوگ خزانے کی تلاش میں آئے تھے۔ یہ اچھی خبر نہیں ہے۔ ایک بات طے ہے کہ خزانہ اسی کنوئیں میں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کہیں وہ لوگ جو ہم سے پہلے آئے تھے خزانہ لے کر چمپت تو نہیں ہو گئے۔ ہمیں سانپ سے ہوشیار رہنا ہو گا۔"

عنبر نے کہا:

"مگر یہاں سانپ کہاں سے آ گیا موسیو؟"

سیاح بولا:

"دوست! کیا تم نہیں جانتے کہ خزانوں پر اکثر سانپ ہوا کرتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اسی سانپ کے نشان ہوں۔ آؤ کنوئیں میں جھانک کر دیکھتے ہیں۔"

کنوئیں کے پاس جا کر فرشخ سیاح نے ٹارچ کی روشنی کنوئیں کے اندر ڈالی۔ کنوئیں میں نیچے گہرائی تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ یہ اندھیرا اس قدر گہرا تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں بھی انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ سیاح نے ایک بار پھر نقشہ کھول کر دیکھا۔ اس کے لال پنسل کے نشان کو غور سے دیکھا اور

ے لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا:

"موسیو! یہی وہ کنواں ہے جس میں ہزاروں سال پرانا خزانہ ہے۔ ہمیں کنوئیں میں اتر کر نیچے جانا ہوگا۔"

اس نے تھیلے میں سے نائیلون کی سیڑھی نکال کر کنوئیں کی گول دیوار کی ابھری ہوئی پرانی سیاہ اینٹوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کافی گہرائی میں پہنچ کر وہ کنوئیں کی تہہ کے پتھروں پر اُتر گئے۔ فرشخ سیاح نے دیوار پر روشنی ڈالی تو اسے ایک جگہ گہرا شگاف نظر آیا۔

وہ خوش ہو کر بولا:

"موسیو خزانے کا دروازہ مل گیا۔ یہ دیکھو!"

عنبر نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ شگاف کے اندر ایک تنگ راستہ چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ عنبر اسے منع کرتا فرشخ سیاح خزانے کے لالچ میں شگاف کے اندر گھس گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ جھک کر غار میں چل رہے تھے۔ آگے جا کر ایک دالان سا آ گیا۔ جہاں ایک چبوترے پر مورتی بنی ہوئی تھی جس کے گلے میں پتھر کا سانپ تھا۔ یہی سانپ اجد تھا۔

لالچی سیاح نے تھیلے سے لوہے کا اوزار نکالا اور کہا:

"موسیو! اس مورتی کے نیچے خزانہ دفن ہے۔"

اور چبوترے کی اینٹیں اکھیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوہے
کے اوزار سے وہ اینٹوں پر زور زور سے ضرب لگا رہا
تھا کہ غار میں ایک جانب سے پھنکاروں کی آوازیں آنے
لگیں۔

"سانپ! موسیو سانپ!"

سیاح نے اوزار وہیں رکھ دیا اور جیب سے بھرا ہوا
ریوالور نکال لیا۔ عنبر اس کے قریب ہی خاموش کھڑا تھا۔
غار میں آہستہ آہستہ نیلی روشنی کا غبار سا پھیلنے لگا۔ پھنکار
کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ سیاح کچھ گھبرا گیا اور بولا:

"یہ کوئی بہت بڑا سانپ لگتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"موسیو! ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں خزانے کے پاس آ کر
خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتا۔"

اب وہ سیاہ فام عورت اپنی سرخ انگارہ ایسی آنکھیں لیے
نتھنوں سے پھنکارتی اور نیلی روشنی کا غبار خارج کرتی اچانک
ان کے سامنے آ گئی۔ فرشخ سیاح نے گھبراہٹ میں اوپر تلے
ریوالور کے تین چار فائر کر دیئے۔ دھماکوں سے غار کی چھت
کی مٹی گرنے لگی۔ گولیاں سیاہ فام عورت کے منہ اور سینے

میں جا کر لگیں۔ اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ اس
نے اپنے لمبے لمبے ناخنوں والے ہاتھ کو جھٹک کر پتھر
کی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی گردن سے لپٹے ہوئے
سانپ میں جو اصل میں امجد تھا مگر جس پر جادو کا اثر
تھا، جان پڑ گئی اور وہ پھنکارتا ہوا اچھلا اور فرشخ سیاح کی
گردن سے لپٹتے ہی اسے ڈس دیا۔ سیاح ریت کی دیوار
کی طرح نیچے گر پڑا۔ سانپ اب عنبر کی طرف آیا۔ سیاہ فام
مورتی کے جسم سے نیلے رنگ کا خون بہہ رہا تھا۔ سانپ
نے عنبر کو دیکھا تو وہیں ٹھٹھک گیا۔ سانپ امجد تھا اور
اس نے انکل عنبر کو پہچان لیا تھا۔ مگر جادو کے زور سے
امجد کی زبان بند کر دی گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

آگے کیا ہوا جاننے کے لیے

عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر ۲ پڑھیے

مصنف: اے۔حمید

عنبر ناگ ماریا

کے ۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائناسورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بلی ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادو کی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-
۲۴۔ [illegible] کی رات ۵/-
۲۵۔ [illegible]یوں کا راز (سلور جوبلی نمبر) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدروحیں ۵/-
۳۰۔ قبر کی دلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۶/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہونٹ اور ماریا ۱۰/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدروحیں ۶/-
۴۴۔ ممباطوش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہو گیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی نمبر) ۱۵
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہو گئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور سپرمین ۷/۵۰
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس ۷/۵۰
۵۵۔ ناگ اور ناگن زنگا متی ۷/-
۵۶۔ چار پُراسرار سپیرے ۷/-
۵۷۔ امبا دیوی کی مورتی ۶/-
۵۸۔ خفیہ منتر کی تلاش ۷/-
۵۹۔ موت کا وعدہ ۷/۵۰
۶۰۔ اور قبر کھل گئی ۷/۵۰
۶۱۔ لاش کا دوسرا جنم ۶/-
۶۲۔ ماریا قتل ہو گئی ۷/-
۶۳۔ خالی تابوت یاقوتی سانپ ۶/-
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش ۷/۵۰
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ ۷/۵۰
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا ۶/-
۶۷۔ عنبر اور ڈسکو مُردے ۷/۵۰
۶۸۔ کیٹی پھانسی کے تختے پر ۷/۵۰
۶۹۔ عنبر انگوٹھی میں اُتر گیا ۶/-
۷۰۔ دیوی روشنک کے اژدہا
۷۱۔ عنبر کا سر کٹ گیا
۷۲۔ چنگیز خان لاہور میں
۷۳۔ دیوتا قتلام پر قربان کردو
۷۴۔ ماریا سانپ بن گئی
۷۵۔ روح اور سانپوں والے بہن بھائی (خاص نمبر)
۷۶۔ ماریا انارکلی میں
۷۷۔ قبر، مرتبان اور ہڈیاں
۷۸۔ سیاہ کفن پوش بلا
۷۹۔ پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
۸۰۔ طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
۸۱۔ قفل والا پُراسرار چہرہ
۸۲۔ ڈاکو سپاٹا اور عابدہ کا پتلا
۸۳۔ روتی آنکھوں والا چراغ
۸۴۔ کھوپڑی پر جلتی موم بتی

نیا مکتبہ اِقراء: ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸

ناگ لاہور میں
PDFBOOKSFREE.PK
اے حمید
72
ماریا
عنبر

مکتبہ اقرا
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان
چنگیز خان لاہور میں

اے حمید

فہرست

عنبر نے سانپ کو اپنی طرف غور سے تکتے پایا تو سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ اس نے فرنگی سیاح کو اٹھانے کی کوشش کی مگر جادو کے اثر سے امجد میں ایسا خطرناک زہر پیدا ہو گیا تھا کہ سیاح کا جسم نیلا پڑ گیا اور پھر بند بند الگ ہو کر پانی بن کر بہنے لگا۔ سیاہ فام عورت بھی زمین پر گر پڑی تھی اور اس کے نتھنوں سے نکلنے والی پھنکاریں مدھم ہو رہی تھیں۔ عنبر نے جھک کر اسے دیکھا۔ اس کی سرخ انگارہ آنکھوں سے نکلتی سُرخ شعاعیں آہستہ آہستہ بجھ رہی تھیں۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ مر گئی۔ عنبر نے سانپ کی طرف دیکھا۔ سانپ یعنی امجد ابھی تک پھن اٹھائے عنبر کو تکے جا رہا تھا۔

عنبر کو اس پر شک سا ہونے لگا کہ ہو نہ ہو یہی امجد

ہے۔ عنبر نے سانپ کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور
کنوئیں میں سے باہر نکل آیا۔ رات اسی طرح تاریک اور
خاموش تھی۔ اس نے بدنصیب سیاح کی سیڑھی کو وہیں رہنے
دیا تاکہ جب لوگ وہاں آئیں تو انہیں معلوم ہو جائے
کہ لالچی سیاح خزانے کی تلاش میں نیچے گیا تھا اور سانپ
کے ڈسنے سے مر گیا۔ کیوں کہ خزانے کی تلاش میں نکلے ہوئے
لالچی انسانوں کا اکثر یہی انجام ہوا کرتا ہے۔

عنبر سانپ کو لے کر موہنجو داڑو کے کھنڈروں سے نکل
کر اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ کمرے میں آ کر اس نے سانپ کو
ایک تھیلے میں بند کر دیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔
دن نکلا تو وہ واپس لاہور کی طرف چل پڑا۔ لاہور پہنچا تو
رات کے دس بج رہے تھے۔ عنبر سٹیشن سے نکل کر سیدھا
عجائب گھر آ گیا۔ وہ سانپ کے سلسلے میں دیوتا بت کی
مدد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ عجائب گھر بند تھا۔ عنبر عجائب گھر
کی دیوار سے ہو کر اس کی چھت پر آ گیا اور روشن دان
میں سے الماریوں پر پاؤں رکھ کر اندر ہال کمرے میں
اتر گیا۔

ہال کمرے میں خاموشی اور ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ سیدھا دیوتا بت کے پاس آ گیا اور جیب سے سانپ
نکال کر کہنے لگا۔

"دوست! کیا اس سانپ کو تم پہچانتے ہو؟"

دیوتا بت نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔
عنبر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سانپ کو غور سے دیکھا
اور پھر مسکرا کر کہا:

"عنبر! تمہارے ہاتھ میں اجگر ہے۔"

یہ سنتے ہی عنبر کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی کہنے لگا
"مجھے پہلے ہی شک تھا۔ مگر یہ دوبارہ انسانی شکل
میں کیسے آ سکتا ہے؟"

دیوتا بت نے کہا:

"اسے زمین پر چھوڑ دو اور پھر ایک طرف کھڑے
ہو کر تماشہ دیکھو۔"

عنبر نے سانپ کو فرش پر چھوڑ دیا۔ سانپ کنڈلی مار
کر بیٹھ گیا۔ اس نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ دیوتا بت نے آنکھیں
بند کر لیں پھر اچانک اس کی گردن سے لپٹے ہوئے پتھر
کے سانپ میں جان پڑ گئی۔ وہ بت کے سینے پر سے رینگتا
ہوا زمین پر اتر آیا اور کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپ کے

ارد گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پورے بارہ چکر لگانے
کے بعد اس نے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپ کے سر
پر ڈس دیا۔ سانپ کا ڈسنا تھا کہ کنڈلی والا سانپ تڑپ
کر اچھلا اور زمین پر سیدھا لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس
کا جسم انسانی جسم میں تبدیل ہونے لگا اور پھر عنبر کی آنکھوں
کے سامنے امجد پتلون اور بش شرٹ میں فرش پر آنکھیں
بند کیے لیٹا تھا۔

عنبر نے اسے آہستہ سے ہلا کر کہا:

"امجد! امجد بیٹا!"

امجد نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کر کہا:

"انکل! میں کہاں ہوں؟ میں خواب دیکھ رہا تھا۔
کیسا عجیب خواب تھا۔ جیسے میں سانپ بن گیا
ہوں اور سیر کرتا پھر رہا ہوں۔"

دوسرا سانپ واپس دیوتا بت کی گردن میں لٹک کر پتھر
بن چکا تھا۔ عنبر نے امجد کو اٹھا کر اس کے شانوں کو
دبایا اور کہا:

"امجد! تم نے خواب نہیں دیکھا بلکہ تم سچ مچ
سانپ بن گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ دوبارہ

انسانی شکل میں واپس آ گئے۔"

دیوتا کا بت خاموش تھا مگر عنبر نے محسوس کیا کہ اس
کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

امجد نے پوچھا:

"میں یہاں عجائب گھر میں کیسے آ گیا؟"

عنبر نے اسے سارے واقعات مختصر کر کے سنائے
تو امجد نے سر تھام لیا۔

"ہاں اب مجھے یاد آ گیا۔ میں نے قبرستان میں
ایک مردے کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی اور
خدائی قانون میں دخل دیا تھا جس کی مجھے سزا
ملی۔ خدا مجھے معاف کرے۔ آئندہ میں ایسی حرکت
کبھی نہیں کروں گا۔"

"آؤ اب چلیں۔ تمہارے امی ابو تمہارے بغیر
بے حد پریشان ہیں۔"

"جلدی گھر چلیں انکل! میں خود انہیں ملنے کو
بے تاب ہوں۔"

عنبر روشن دان میں سے ہی امجد کو لے کر عجائب گھر
سے باہر آ گیا۔ چوک، ٹولنٹن مارکیٹ میں انہوں نے ایک

رکشا لیا اور سیدھا گارڈن ٹاؤن امجد کی کوٹھی پر آ گئے۔ امجد کو دیکھتے ہی اس کی امی، بہن اور ابو خوشی سے اس کے ساتھ لپٹ گئے۔ ان سب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔

تم کہاں چلے گئے تھے بیٹا۔ امی نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

امجد نے کہا،

امی جان مجھے معاف کر دیں۔ میرا ایک دوست مجھے سیر کرانے موہنجو داڑو لے گیا تھا۔ اب میں آپ کی اجازت کے بغیر کبھی کہیں نہیں جاؤں گا۔

اس کی بہن نے امجد کے لیے اسی وقت پر اٹھے بنائے پھر چائے تیار کی گئی اور سب نے مل کر پی۔ امجد کے ابو نے تمام رشتہ داروں اور پولیس والوں کو اطلاع کر دی کہ اللہ کے فضل سے امجد واپس گھر آ گیا ہے وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ موہنجو دارو کی سیر کو چلا گیا تھا اور جلدی میں گھر اطلاع نہ کر سکا۔ اس گھر کی خوشیاں ایک بار پھر واپس لایا ہے جہاں وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ کھنڈروں کی سیر کرنے گیا ہوا تھا۔

عنبر کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ امجد پھر سے

انسانی شکل میں واپس آ گیا ہے اور اپنے ماں باپ کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگا ہے۔ اب عنبر ناگ اور ماریا کی تلاش کے لیے واپس جانا چاہتا تھا لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ یہ بات اس کے اپنے اختیار میں نہیں تھی۔ اس کے پاس سرخ نگینے کی جو جادوئی انگوٹھی تھی وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہتی پہنچاتی تھی۔ اس لیے عنبر انگوٹھی سے کوئی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ عنبر کو اب اس وقت کا انتظار تھا جب کسی اتفاق سے وہ ۱۹۸۳ء کے زمانے سے نکل کر ہزار دو ہزار سال پرانے زمانے میں ناگ اور ماریا کے پاس پہنچ جائے عنبر کا خیال تھا کہ وہ یہ وقت مقبرہ جہانگیر میں جا کر گزارے گا مگر امجد اور اس کے والد نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ انہی کے پاس گارڈن ٹاؤن والے مکان میں رہے۔ چنانچہ عنبر نے وہیں ایک کمرے میں ڈیرا لگا لیا۔

اب ذرا ناگ ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ جیسا کہ آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ناگ اور خلائی لڑکی کیٹی نے مل کر ماریا کو ڈھائی ہزار سال پہلے کے بابل شہر کے جادوگر پروہت کالام کی نیند سے رہائی دلائی تھی اور راتوں رات گھوڑوں پر سوار ہو کر وہ بابل شہر سے نکل کر کسی دوسرے ملک کی طرف نکل گئے تھے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے ساتھ کیا گذری؟
ناگ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ ماریا چونکہ نظر نہیں آتی تھی اس لیے وہ خلائی لڑکی کیٹی کے ساتھ اس کے گھوڑے پر سوار تھی۔ دونوں ساری رات گھوڑے دوڑاتے ٹیلوں اور میدانوں سے گذرتے چلے گئے۔ وہ کالام جادوگر کی پہنچ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔ صبح ہوئی تو وہ ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ دریا پر ایک پل بنا ہوا تھا دوسرے کنارے پر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے اوپر انہیں ایک محل بنا ہوا دکھائی دیا۔

ناگ نے کہا:

"اس ویرانے میں یہ اکیلا محل کس کا ہو سکتا ہے؟"

ماریا بولی:

"پرانے زمانے کے بادشاہ ویرانوں میں محل بنوا لیا کرتے تھے کہ اگر کبھی شکار کھیلتے ہوئے ادھر سے گذر ہو تو وہاں آرام کر لیا جائے۔"

کیٹی نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں بھی اس محل میں چل کر کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔ کیا خیال ہے تمہارا ناگ بھیا؟"

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے ہم بابل سے کافی دور نکل آئے ہیں ہم کچھ وقت اس محل میں آرام کر سکتے ہیں۔"

کیٹی نے مسکرا کر کہا:

"ماریا تمہاری کیا رائے ہے؟"

ماریا نے کہا:

"جو تم لوگوں کی رائے وہی میری رائے۔"

"تو پھر چلو محل کی طرف۔"

یہ کہہ کر ناگ نے گھوڑا پل پر ڈال دیا۔ دونوں گھوڑے دریا کا پل عبور کرنے کے بعد اس پہاڑی کی طرف دوڑنے لگے جس کی چوٹی پر درختوں میں گھرا ہوا پرانا محل دکھائی دے رہا تھا۔ یہ سارا علاقہ سنسان تھا۔ کہیں کوئی کھیت یا آبادی نہیں تھی۔ وہ پہاڑی کی طرف بڑھے تو اچانک ایک درخت کے پیچھے سے ایک دیہاتی نکل کر سامنے آگیا۔

"مسافر معلوم ہوتے ہو تم دونوں؟" اس نے پوچھا۔

وہ عبرانی زبان بول رہا تھا۔ اس نے گھوڑوں پر ناگ اور خلائی لڑکی کیٹی کو ہی دیکھا تھا۔ ماریا کو اس نے نہیں دیکھا تھا۔ ناگ نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور کہا:

"ہاں بابا ہم مسافر ہیں۔"

"اوپر کیا لینے جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا

کیٹی بولی:

"سفر کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ ذرا آرام کرنے جا رہے ہیں۔"

دیہاتی نے محل کی طرف اوپر اشارہ کر کے کہا:

"بے شک آرام کرو مگر اس محل میں نہ جانا۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیوں بابا اس محل میں کیا بھوت رہتے ہیں؟"

دیہاتی بولا:

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس محل میں نہ جاؤ آگے تمہاری مرضی۔"

یہ کہہ کر دیہاتی چلا گیا۔

ماریا نے کہا:

"مجھے یہ خود کوئی پُراسرار آدمی لگتا ہے ناگ۔"

کیٹی بولی:

"محل میں کچھ نہیں ہوگا جو محل زیادہ دیر خالی رہے لوگ یونہی اس کے بارے میں اس قسم کے افسانے مشہور کر دیتے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"میں تو کہوں گا کہ ہمیں اس دیہاتی کی بات مان

لینی چاہیے اور اس محل میں نہیں جانا چاہیے۔"

ماریا نے ہنس کر کہا:

"بھئی واہ تم مرد ہو کر ڈر گئے ناگ؟"

کیٹی بھی ہنس پڑی اور بولی:

"چلو ماریا میں اور تم ہم دونوں محل میں جا کر سیر کرتی ہیں ناگ کو یہیں آرام کرنے دو۔"

ناگ بولا:

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔ بس ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ ہمیں محل سے دور ہی رہنا چاہیے۔ ویسے اگر تم لوگ وہاں ضرور جانا چاہتے ہو تو میں تم سب سے پہلے وہاں جاؤں گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہاں ہمیں عنبر کا کوئی سراغ مل جائے۔"

اور انہوں نے اپنے گھوڑے اس پہاڑی راستے پر ڈال دیئے جو بل کھاتا ہوا اوپر پُراسرار پرانے محل تک چلا گیا تھا جب وہ محل کی پچھلی دیوار کے قریب سے گذرے تو انہیں دیوار کی برجیوں پر چار بڑے بڑے گدھ بیٹھے نظر آئے۔

ماریا نے کہا:

"یہ گدھ یہاں کیوں بیٹھے ہیں یہ تو عام طور پر وہاں ہوتے ہیں جہاں انہیں مردہ لاشوں کے ملنے

کی امید ہو۔"

کیپٹی بولی:

"ہو سکتا ہے یہاں کبھی کبھی انہیں کسی جانور کی
لاش مل جاتی ہو۔"

ناگ نے کہا:

"ارے لڑکیو یہ گدھ ویسے بھی کسی ویران حویلی پر
بسیرا کر لیا کرتے ہیں۔ آخر انہیں رہنے کے لیے
بھی تو کوئی جگہ چاہیے۔"

اسی طرح باتیں کرتے وہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر
محل کے بڑے دروازے کے سامنے آ گئے۔ محل کے
سامنے آتے ہی دونوں گھوڑے زور سے ہنہنائے اور
اور انہوں نے آگے قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

ناگ نے کہا:

"اس محل میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جس کی
وجہ سے گھوڑے آگے نہیں جا رہے۔"

کیپٹی ہنس پڑی:

"ناگ بھیا! لگتا ہے تم کچھ کچھ بزدل ہو گئے ہو
کیوں ماریا؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

ماریا نے کہا:

"نہیں ناگ بزدل نہیں ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے
جانوروں کو خطرے کا احساس بہت پہلے ہو جاتا
ہے۔ مگر ہم اس محل میں ہی چل کر آرام کریں گے۔"

کیپٹی نے شرارت سے کہا:

"ناگ سے پوچھ لو۔"

ناگ بولا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ ہم محل میں ہی چل کر آرام
کریں گے۔ مجھے تو بس ایک ہی خیال اس
محل میں لیے جا رہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہاں
عنبر کا کوئی سراغ مل جائے۔ کیوں کہ اسی قسم
کے پُر اسرار حالات میں ہی ہم ایک دوسرے
سے ملا کرتے ہیں۔"

گھوڑے وہاں سے ایک قدم آگے نہیں اٹھا رہے تھے۔
ناگ ماریا اور کیپٹی گھوڑوں سے اتر پڑے۔ انہوں نے گھوڑوں
کو محل کی دیوار کے سامنے درختوں کے نیچے کھلا چھوڑ دیا
اور خود محل کے دروازے کے پاس آ گئے۔ محل کے دروازے
تک جانے والی سنگِ مرمر کی بڑی بڑی سیڑھیوں کے پتھر
اکھڑے ہوئے تھے اور کہیں کہیں گھاس اُگی ہوئی تھی۔ محل
کے دروازے کی محراب پر بھی جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

محل کا بڑا دروازہ بند تھا۔ نیچے ایک چھوٹا دروازہ بھی تھا۔
یہ دروازہ بھی بند تھا اور باہر لوہے کا تالا لگا ہوا تھا۔
کیپٹی نے کہا:
"معلوم ہوتا ہے کہ اس محل میں کافی عرصے سے
کبھی کوئی رہنے کے لیے نہیں آیا۔"
"لگتا تو ایسا ہی ہے۔" ماریا بولی:
"بڑا ویران ویران آسیبی محل ہے۔ اندر چل کر
دیکھتے ہیں کہ اس میں راز کی کیا بات ہے؟"
ناگ بولا:
"اس وقت تم ہم سب سے زیادہ طاقت ور ہو۔
تم ہی اس چھوٹے دروازے کا تالا توڑ دو۔"
ماریا نے ہنس کر کہا:
"کیپٹی سے کہو کہ چٹکی بجا کر تالا توڑ ڈالے۔"
کیپٹی بولی:
"میں چٹکی بجا کر لاہور کا تھانیدار بن سکتی ہوں۔
بلی بن سکتی ہوں۔ گھوڑا بن سکتی ہوں۔ رانی آف
جھانسی کی نانی بن سکتی ہوں مگر تالا نہیں توڑ سکتی۔"
ناگ نے کہا:
"خدا کے لیے تم چٹکی نہ بجانا۔ تمہاری چٹکی نے

پہلے ہی لاہور میں مجھے بے حد پریشان کیا تھا۔ ماریا!
تم تالا توڑ دو۔"
ماریا نے آگے بڑھ کر تالے پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔
لوہے کا تالا دو ٹکڑے ہو کر پتھر کے فرش پر گر پڑا۔
ناگ نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔ محل کی ڈیوڑھی
سے ٹھنڈی مٹی کی بو والی نم دار ہوا کا جھونکا آیا۔ وہ تینوں
محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ یہاں ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا
پھیلا ہوا تھا۔ آگے ایک بہت بڑا ستونوں والا دالان
آ گیا۔ ایک طرف سنگ مرمر کی چوڑی سیڑھیاں محل کی
دوسری منزل کو جاتی تھیں۔ فرش پر پرانے قالین بچھے تھے
جو گرد میں اٹے ہوئے تھے۔
"لگتا ہے یہاں صدیوں سے کوئی نہیں آیا۔" ماریا نے کہا۔
کیپٹی اور ناگ آگے آگے چل رہے تھے۔
کیپٹی نے کہا:
"محل کی دوسری منزل پر چلا جائے۔"
محل کی دوسری منزل پر آنے کے بعد انہیں احساس
ہوا کہ یہاں نچلی منزل سے زیادہ ویرانی چھائی ہوئی تھی۔
لمبی لمبی راہ داریاں سنسان پڑی تھیں۔ گرد و غبار کی وجہ سے
قالینوں کا رنگ خراب ہو چکا تھا۔ دیواروں اور کھڑکیوں

پر جو بھاری پردے پڑے تھے وہ جگہ جگہ سے پھٹ گئے
تھے اور ایک طرف کو جھکے ہوئے تھے۔ چھت کے ساتھ
لٹکتے ہوئے فانوسوں میں جو بڑی بڑی موم بتیاں لگی تھیں
ان پر جالے لگے تھے۔ مگر ان کے اوپر سے مکڑی کے
جالوں میں سوراخ بنے ہوئے تھے۔
ناگ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا:
"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موم بتیاں کبھی کبھی
روشن ہوا کرتی ہیں۔ دیکھو ان کے اوپر کوئی جالا
نہیں ہے۔"
کیٹی نے کہا:
"جب کوئی انسان یہاں نہیں آتا۔ فرش کے
گرد و غبار پر کسی انسانی پاؤں کے نشان تک
نہیں تو پھر ان فانوسوں کی موم بتیاں کون آ کر
جلاتا ہو گا بھلا؟"
ماریا بولی:
"کیٹی! تم ایک دوسری دنیا سے آئی ہو۔ آہستہ
آہستہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہماری دو ہزار
سالہ قدیم دنیا میں بہت کچھ ان ہونی باتیں
ہوا کرتی تھیں۔"

کیٹی نے کہا:
"ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ جتنی دیر سے میں تم لوگوں
کے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ میں نے عجیب و غریب
قسم کی ان ہونی باتیں ہوتی دیکھی ہیں۔"
ناگ نے ایک جگہ شاہی خواب گاہ کے دروازے
کے باہر قالین پر جمی ہوئی گرد پر کسی انسان کے پاؤں
کے نشان دیکھتے ہوئے کہا:
"یہ دیکھو کیا ہے؟"
"یہ تو کسی انسان کے پیروں کے نشان ہیں۔"
کیٹی نے کہا:
وہ تینوں جھک کر ان نشانوں کو دیکھنے لگے۔
ماریا بولی:
"یہ کسی عورت کے پاؤں کے نشان ہیں اور
اس خواب گاہ کے اندر جا رہے ہیں۔"
خواب گاہ کے دروازے پر سرخ رنگ کے کمخواب کا
پردہ لٹک رہا تھا جو بے حد پرانا ہو رہا تھا اور اس پر
بھی گرد جمی ہوئی تھی۔
ناگ بولا:
"یہاں سب کچھ اتنا پرانا ہے کہ لگتا ہے۔ یہاں

صدیوں سے کوئی داخل نہیں ہوا لیکن قالین کی
گرد پر عورت کے پاؤں کے نشان بالکل تازہ
ہیں معلوم ہوتا ہے ابھی ابھی کوئی عورت اس
کمرے میں داخل ہوئی ہے۔"
کیٹی نے کہا:
"اس کمرے سے عورت کے باہر نکلنے کے کوئی
نشان نہیں ہیں۔"
انہوں نے غور سے دیکھا تو خواب گاہ کے کمرے میں
داخل ہونے کے پاؤں کے اور بھی نشان وہاں موجود تھے۔
ناگ بولا:
"ان سب پاؤں کے نشانوں کا رُخ اندر کی طرف
ہے۔ باہر نکلنے کا ایک بھی نشان نہیں ہے۔"
ماریا کہنے لگی:
"اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی عورت کئی
بار اس کمرے میں داخل ہوئی ہے لیکن واپس
باہر نہیں نکلی۔"
"سوال یہ ہے کہ وہ باہر کیوں نہیں نکلی؟ کیا وہ
اندر ہی اندر کہیں غائب ہو گئی ہے؟"
ناگ نے کہا۔

کیٹی کہنے لگی:
"کہیں ایسا تو نہیں کہ بہت سی عورتیں اس کمرے
میں داخل ہوتی رہی ہیں۔"
ماریا نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:
"نہیں۔ ایسا نہیں ہے یہ نشان ایک ہی عورت
کے پاؤں کے ہیں۔"
"مگر یہ عورت ہے کون؟" کیٹی نے پوچھا۔
ناگ بولا:
"یہاں رات بسر کرنے کے بعد ہی پتہ چل سکے گا
کہ یہاں کون عورت آتی ہے۔"
ماریا نے کہا:
"مگر تمہیں کیسے یقین ہے کہ یہ پُراسرار عورت
رات کو ہی آتی ہے ناگ؟"
ناگ نے کہا:
"عام طور پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ بہرحال ہمیں
اس عورت سے کیا لینا دینا۔ ہم ایک دن
یہاں آرام کرنے کے بعد آگے روانہ ہو جائیں گے
بلکہ آرام سے بھی زیادہ مجھے اس بات کا خیال
ہے کہ شاید عنبر کا کوئی اتا پتہ معلوم ہو جائے۔"

انہوں نے قدیم محل کی دوسری منزل پر ایک شہ نشین
میں ڈیرہ جما لیا اور پرانے قالین پر لیٹ گئے۔ ماریا پہاڑی
کی دوسری جانب پھیلے ہوئے جنگل میں جا کر کیپٹی کے لیے
کچھ پھل توڑ لائی جو اس نے بڑے شوق سے کھائے۔ باتیں
کرتے کرتے رات ہو گئی۔ نیند تو سوائے کیپٹی کے اور کسی
کو بھی نہیں آتی تھی اور خاص خاص موقعوں پر کیپٹی کو بھی
خلائی لڑکی ہونے کی وجہ سے نیند کی ضرورت محسوس نہیں
ہوتی تھی اور اب تو کیپٹی نے اپنی آنکھوں پر سے نقاب
بھی اتار رکھا تھا جو اس نے اس لیے پہنا ہوا تھا کہ لوگ
اس کی چوکور خلائی آنکھیں دیکھ کر حیران نہ ہوں اور اسے
کوئی عجیب و غریب مخلوق نہ سمجھیں۔ اس نقاب سے بھی
اس کو بڑی الجھن ہوتی تھی۔

اس روز خدا جانے کیا بات ہوئی۔ تھکاوٹ تھی یا کسی
اور شے کا اثر تھا کہ محل میں رات کے گیارہ بجے کے
بعد ماریا ناگ اور کیپٹی تینوں کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری
نیند سو گئے۔ کیپٹی کو چونکہ کبھی کبھی پیاس محسوس ہوا کرتی تھی
اسے آدھی رات کو پیاس لگی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے
معلوم تھا کہ محل کے پیچھے ایک پانی کا نالہ بہتا ہے۔ وہ
رات کے اندھیرے میں محل سے نکل کر نالے پر گئی۔

بڑی گہری خاموشی چھائی تھی۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس
نے نالے میں پانی پیا اور واپس محل کی طرف آ گئی۔ دوسری
منزل کے قالین پر ناگ سو رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ماریا
بھی سو رہی تھی۔ اس لیے کہ کیپٹی کو ناگ کے قریب سے
ماریا کی گہری خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے ناگ کے قریب کی
خالی زمین پر کان لگائے تو اسے ماریا کے ہلکے ہلکے خراٹوں
کی آواز آ رہی تھی اور وہ گہری نیند میں خراٹے لے رہی تھی۔
کیپٹی اس بات پر حیران سی تھی کہ انہیں یہاں نیند
کیسے آ گئی۔ پہلے وہ لوگ کبھی اس طرح نہیں سوئے تھے۔
کیا یہ اس پُر اسرار محل کی فضاؤں کا اثر تھا؟ کیپٹی یہی سوچتی
ہوئی قریب ہی قالین پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بھی نیند
سے بھاری ہو رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند ہی کی تھیں
کہ اسے چھن چھن کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ یہ آواز پازیب
کی تھی جو عورتیں پاؤں میں پہنا کرتی ہیں۔ کیپٹی نے آنکھیں
کھول دیں۔ محل کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ شہ نشین کی بڑی
کھڑکی میں سے تاروں کی دھیمی روشنی اندر آ رہی تھی۔ چھن
چھن کی آواز قریب آئی اور پھر اس نے ایک سائے کو
خواب گاہ کا ریشمی سرخ پردہ اٹھا کر اندر جاتے دیکھا۔
پہلے کیپٹی نے سوچا کہ ناگ ماریا کو جگا دیا جائے۔ پھر

اس نے ارادہ بدل لیا کہ ان کی نیند کیوں خراب کرے۔ وہ خود چل کر دیکھتی ہے کہ خواب گاہ کے اندر کون گیا ہے یہ بڑی پراسرار اور آسیبی بات تھی۔ کیٹی چپکے سے اٹھی اور دبے پاؤں چلتی ہوئی خواب گاہ کے دروازے کے پاس آ گئی۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک عورت فرش پر دو زانو ہو کر بیٹھی ہے۔ اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ سر ذرا سا آگے کو جھکا ہوا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلی ہوئی ہیں اور ان پر ایک ایک چراغ جل رہا ہے۔ اس کے سامنے ایک اونچا لمبا بھوت ایسا کالا آدمی ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا ہے۔

عورت نے آہستہ سے کہا:

"معاف کر دو سوامی۔"

"کبھی نہیں۔"

کیٹی کو مرد کی پھنکار ایسی آواز سنائی دی۔ بھوت ایسے آدمی نے تلوار اوپر اٹھائی کہ عورت کی گردن قلم کر دے کہ کیٹی بھاگ کر آگے آ گئی اور عورت کو پیچھے دھکیل کر کہا:

"خبردار جو اسے قتل کیا تم نے۔"

عورت اور مرد دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کیٹی کو تکنے لگے۔ عورت نے ہتھیلی کے چراغوں کو پھونک مار دی۔ دونوں چراغ بجھ گئے اور ساتھ ہی وہ عورت بھی غائب ہو گئی۔ بھوت ایسے مرد نے ایک چیخ ماری اور تلوار کا ایک بھرپور وار کیٹی کی گردن پر کیا۔ ابھی تلوار کیٹی کی گردن سے ایک انچ پیچھے ہی تھی کہ کیٹی نے چٹکی بجا دی۔ چونکہ اس عورت نے بھارت کی عورتوں ایسی ساڑھی پہن رکھی تھی اس لیے اتنی جلدی میں چٹکی بجاتے ہوئے کیٹی کے دماغ میں سوائے بھارت یعنی ہندوستان کے اور کوئی خیال نہیں تھا۔ چٹکی بجاتے ہی وہ غائب ہو گئی۔

بھوت نما آدمی نے کیٹی کو غائب ہوتے دیکھا تو پریشان ہو کر اسے کمرے میں ادھر اُدھر تلاش کیا اور پھر خواب گاہ کی کھڑکی میں سے باہر اندھیرے میں چھلانگ لگا کر گم ہو گیا۔

چیخ کی آواز سن کر ناگ اور ماریا کی آنکھ کھل گئی۔

"یہ چیخ کی آواز کیسی تھی ناگ؟" ماریا نے پوچھا۔

"خدا جانے۔ سنی تو میں نے بھی تھی۔" ناگ نے کہا۔

"یہ آج ہم اتنی گہری نیند کیسے سو گئے۔" ماریا نے کہا۔

پھر وہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی:

"کیٹی کہاں چلی گئی ہے؟"
ناگ اور ماریا نے کیٹی کو آوازیں دیں۔ پھر سارے محل میں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملی۔ اچانک ماریا کی نگاہ خوابگاہ کے دروازے کو جاتے قدموں کے نشانوں پر پڑی۔ وہ چونک کر بولی:

"اس پر کیٹی کے جوتوں کے نشان ہیں۔ یہ دیکھو ان کے خلائی جوتوں کے نشان اس کا مطلب ہے وہ اندر گئی ہے۔"

ماریا اور ناگ خواب گاہ کا پرانا پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہو گئے۔ خواب گاہ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکی میں سے ستاروں کی روشنی آ رہی تھی جس سے کمرے کی فضا اور زیادہ پُراسرار ہو گئی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ قدموں کے نشان خواب گاہ کے دروازے تک آئے تھے اس کے بعد غائب ہو گئے تھے اندر فرش پر غور سے دیکھنے پر بھی انہیں گرد آلود فرش پر کسی کے پاؤں کے نشان دکھائی نہ دیئے ناگ اور ماریا پریشان ہو گئے کہ کیٹی اچانک کہاں غائب ہو گئی۔
اتنے میں صبح ہو گئی۔ دن کی روشنی میں بھی انہوں نے ویران پر اسرار محل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر وہاں انہیں کیٹی کہیں نظر نہ آئی۔ محل سے باہر نکل کر وہ پہاڑی ٹیلے کے

آس پاس والے جنگل میں بھی گئے۔ کیٹی کو آوازیں دیں مگر کیٹی کہیں نہ ملی۔ ان کے گھوڑے درختوں میں خاموش کھڑے گھاس کھا رہے تھے۔

ماریا نے اداس آواز میں کہا:
"ناگ! اب کیٹی کو ہم کہاں تلاش کریں؟"
"وہ کہاں چلی گئی ہو گی؟"
ناگ نے گہرا سانس بھرا اور بولا:
"آدھی رات کو جو چیخ کی آواز آئی تھی ضرور یہ کوئی آسیبی آواز تھی اور کیٹی اسی آسیب کا شکار ہو گئی ہے۔"
ماریا بولی:
"پہلے عنبر گم ہو گیا۔ اب کیٹی غائب ہو گئی ہے۔"
ناگ نے کہا:
"اب ہمارا اس محل میں رُکنا بے فائدہ ہے۔ کیوں کہ کیٹی اگر کسی آسیب کا شکار ہوئی ہے تو وہ یقیناً یہاں نہیں ہے۔ ہمیں اس کی تلاش میں خدا پر بھروسہ کر کے آگے نکل جانا ہو گا۔"
ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے غور سے پُراسرار محل کو تک رہی تھی جس کی پچھلی دیوار پر مُردار خور گدھ

سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔

ناگ نے کہا:

"ماریا! تم سن رہی ہو نا؟"

"ہاں" ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے"

ناگ اور ماریا درختوں کے جھنڈ میں گھوڑوں کے پاس آئے وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو گھوڑے ڈر کر بدک گئے۔

ماریا بولی:

"ان جانوروں پر ابھی تک کسی آسیب کا خوف چھایا ہوا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ماریا — آہستہ آہستہ یہاں سے نکل کر ٹھیک ہو جائیں گے۔"

وہ گھوڑوں کو لے کر پہاڑی کے نیچے آ گئے، جب محل دور اوپر رہ گیا تو گھوڑوں پر سوار ہو کر کیٹی اور عنبر کے مزار میں کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

پُورباڈاکو کی خونخوار شکل

ناگ اور ماریا گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔

پہاڑی والے پراسرار محل میں خلائی لڑکی کیٹی کے اچانک گم ہو جانے کے بعد انہوں نے وہاں اسے بہت تلاش کیا مگر جب وہ انہیں کہیں نہ ملی تو وہ محل سے نکل کر پہاڑی سے اترے اور کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیٹی کے گم ہو جانے سے وہ دونوں بڑے اداس اور پریشان تھے، لیکن ایسا ان کے ساتھ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ مگر خلائی لڑکی کیٹی کے لیے وہ زیادہ اس لیے پریشان تھے کہ وہ ان کے ساتھ پانچ ہزار سال کے سفر میں نئی لڑکی تھی اور کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی تھی جس سے وہ نہ نکل سکے۔

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ خلائی لڑکی کیٹی جب ماریا اور ناگ کو سوتا چھوڑ کر پراسرار قدیم محل کی خوابگاہ میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ بھارتی عورتوں ایسے لباس میں ملبوس ایک خوب صورت لڑکی سر جھکائے بیٹھی ہے اور

ایک کالا بھجنگ آدمی کلہاڑے سے اس کا سر کاٹنے والا ہے۔
کیٹی نے اس کی جان بچانے کے لیے لپک کر اسے پرے
ہٹایا ہی تھا کہ اس دیو پیکر کالے بھجنگ آدمی نے کیٹی پر حملہ
کر دیا۔ کلہاڑا کیٹی کی گردن کے قریب تھا کہ اس نے چٹکی بجا
دی اور وہ غائب ہو گئی۔ ہوتا یہ تھا کہ چٹکی بجانے سے پہلے
کیٹی کسی جگہ کا خیال اپنے دماغ میں لاتی تھی اور پھر چٹکی
بجا کر وہاں پہنچ جاتی تھی یا جس شخص کی تصویر دل میں لاتی تھی
اس شخص کا روپ دھار لیتی تھی۔ مگر یہاں اس نے اتنی جلدی
چٹکی بجائی کہ کسی شخص کا ذہن میں خیال نہ لا سکی۔ چٹکی بجاتے وقت
اس کے دماغ میں صرف اس لڑکی کا خیال تھا جس نے بھارت کے
ملک کی عورتوں ایسی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔

چنانچہ کیٹی اس لڑکی کی شکل میں ۱۹۸۳ء کے ملک ہندوستان
کے ایک شہر احمد نگر کے ایک بچوں کے پارک میں ظاہر ہو گئی
اس نے جس ہندو لڑکی کی شکل اختیار کر لی تھی وہ اصل میں
دو ہزار سال پرانی لڑکی تھی اور ہندوؤں کی مقدس دیوی گاوتری
دیوی تھی جو گائیوں اور بھینسوں کو پالنے والی دیوی کے نام سے
مشہور تھی اور ہندو لوگ مندروں میں اس کی مورتی بنا کر اس
کی پوجا کرتے تھے۔

کیٹی نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ بچوں کے ایک خوبص

پارک میں ایک درخت کے نیچے کھڑی ہے۔ اس نے وہی دو
ہزار سال پرانی ململ والی لڑکی کی ساڑھی باندھ رکھی تھی اور اس
کے گلے میں پھولوں کا ہار ہے اور ماتھے پر تلک لگا ہے۔ اس
کی شکل گاوتری دیوی کی بن گئی تھی۔ کیٹی کو ابھی تک یہ معلوم نہیں
تھا کہ وہ ہندوؤں کی ایک دیوی بن گئی ہے۔ وہ ابھی تک یہی
سمجھ رہی تھی کہ چونکہ چٹکی بجاتے وقت اس کے دل میں اس
انڈین لڑکی کا تصور تھا اس لیے اس کی شکل میں نمودار ہو گئی
ہے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ ماڈرن ۱۹۸۳ء کے
ہندوستان میں پہنچ گئی تھی اور جس شہر میں نمودار ہوئی
تھی وہ ایک خوب صورت اور ماڈرن شہر تھا۔ پارک میں جھولے
لگے تھے اور بچے کھیل رہے تھے۔

کیٹی کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا۔ کیونکہ وہاں کی ہر عورت
نے اسی طرح کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور ماتھے پر تلک لگا رکھا
تھا۔ ہاں اس کے گلے میں جو پھولوں کا ہار پڑا تھا اس کو دو
ایک عورتوں نے تعجب سے دیکھا تھا پھر آگے گزر گئیں۔

کیٹی باغ کے دروازے پر آ گئی۔ یہاں بچوں کی مائیں
بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ان عورتوں نے گھور کر کیٹی کو دیکھا۔
پھر ایک عورت نے چیخ کر کہا۔

"دیوی گاوتری!"

دوسری عورتیں اٹھ کر کیٹی کے قریب آگئیں۔ کیٹی کی شکل دیوی گاوڑی کی ہوبہو کاپی تھی۔ وہ ہی ناک نقشہ اور گلے میں سفید پھولوں کی مالا تھی۔ ماتھے پر تلک لگا تھا۔ ان عورتوں نے ہاتھ باندھ کر نعرہ لگایا۔

"جے دیوی گاوڑی کی جے!"

وہاں تو ایک ہنگامہ مچ گیا کہ ہندوؤں کی مقدس دیوی دیوی گاوڑی زندہ ہو کر پارک میں آگئی ہے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ لوگ اسے سجدے کرنے اور اس کے ہاتھوں کو بڑھ کر چومنے لگے۔ کیٹی پریشان ہو گئی کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ اچانک ایک موٹا بھاری بھرکم آدمی جو کسی مندر کا پجاری لگتا تھا آگے بڑھا اور کیٹی کے آگے ہاتھ باندھ کر بولا:

"دیوی جی! میرے مندر کو ویران نہ کریں۔ بھگوان کیلئے واپس چلے چلیں۔ وہاں لوگ آپ کے درشنوں کو ترس رہے ہیں مجھ پر ترس کھائیں اور میرے ساتھ واپس مندر میں چلے چلیں۔"

کیٹی سمجھ گئی کہ یہ اس مندر کا پجاری ہے جس میں سے گاوڑی دیوی غائب ہو کر دو ہزار سال پرانے زمانے میں پہنچ گئی تھی۔ اور اب چونکہ وہ اسی دیوی کی شکل میں ظاہر

ہوئی ہے اس لیے وہ اسے واپس اپنے مندر میں لے جانے آیا ہے۔ وہ خود بھی بھی لوگوں کے ہجوم سے تنگ آگئی تھی۔ اس نے پجاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو میں تمہارے ساتھ اپنے مندر چلوں گی۔"

پجاری اور دوسرے لوگوں نے نعرہ لگایا۔

"جے ہو — دیوی گاوڑی کی جے ہو۔"

پجاری نے کیٹی کا ہاتھ تھاما اور اسے لوگوں کے ہجوم میں سے نکال کر سڑک پر کھڑی ہوئی ایک موٹر کار میں لے آیا۔ ڈرائیور نے کار سٹارٹ کر دی اور گاڑی شہر کی رونق والی سڑکوں پر بڑی تیزی سے چلنے لگی۔ کیٹی نے دیکھا کہ سڑک کی دونوں جانب اونچی اونچی بلڈنگیں کھڑی ہیں اور کافی رش ہے۔ اس نے پجاری سے پوچھا۔

"یہ کون سا شہر ہے؟"

پجاری نے ایک نظر کار کے ڈرائیور پر ڈالی اور پھر ادب سے جھک کر کہا۔

"دیوی جی! یہ ہندوستان کا شہر احمد آباد ہے آپ کو تو معلوم ہی ہو گا۔ اس شہر کے مندروں میں آپ کی پوجا ہوتی ہے۔"

کیٹی نے پجاری کو غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں

عجیب سی چالاکی کی چمک تھی۔ کار ایک بہت بڑی عمارت
کے پیچھے گیراج کے اندر جا کر رک گئی۔ اب پجاری اپنی
اصلی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ اس نے کیٹی کا بازو تھام کر کہا
"میں جانتا ہوں کہ تم دیوی گاؤری نہیں ہو بلکہ
کوئی فراڈ شعبدہ باز لڑکی ہو جس نے جادو کے
زور سے دیوی گاؤری کی شکل اختیار کر رکھی ہے
مگر اگر تم مجھے شہر کے سب سے بڑے گاؤری
مندر کے تہہ خانے میں رکھا ہوا سونا دلا دو تو میں
تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"
کیٹی مسکرا دی۔ کہنے لگی تم کون ہو۔
"تم کون ہو؟"
دھوکے باز آدمی بولا۔
"میرا نام راج گوردو ہے اور میرا کام سمگلنگ اور
اور بلیک میل کرنا ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں
بولا۔ اسی لیے تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب
بتاؤ۔ تم میرے اشارے پر مجھے مندر کا سونا
لا کر دینے پر تیار ہو یا نہیں؟"
کیٹی نے کہا۔
"وہ سونا مندر کی امانت ہے۔ میں تمہیں لا کر نہیں

دے سکتی۔"
راج گوردو نے چاقو نکال لیا اور کیٹی کو گھسیٹتا ہوا دیوار کے
پاس لے گیا۔ چاقو اس نے کیٹی کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔
"اب بتاؤ۔ میرا کہا مانو گی یا نہیں؟"
کیٹی نے سوچا کہ پہلے شہر کے اس بڑے مندر میں چل
کر دیکھا جائے کہ وہ کیسا ہے اور لوگ وہاں اس کی کس طرح
پوجا کرتے ہیں۔ کیونکہ راج گوردو نے اسے بتایا تھا کہ بڑے
مندر میں اس کا ایک بہت بڑا بت لگا ہے جس کی پوجا
ہوتی ہے۔ اس نے راج گوردو سے کہا۔
"میں تیار ہوں۔ مجھے اس مندر میں لے چلو۔"
راج گوردو مسکرایا۔
"شاباش! بس اسی طرح سے میرے کام کرتی
جاؤ۔ میں تمہیں بھی دولت سے مالا مال کر دوں گا۔"
راج گوردو نے کیٹی کو کار میں بٹھایا اور شہر کے سب سے
بڑے مندر میں لے کر آ گیا۔ وہاں کے پجاریوں اور عورتوں
نے جب اس دیوی جی کو خود زندہ حالت میں آتے دیکھا
جس کی وہ پوجا کر رہے تھے تو دنگ رہ گئے۔ ہاتھ
جوڑ کر دیوی گاؤری کی جے کے نعرے لگانے لگے۔ وہاں
پہلے ہی سے یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ شہر میں دیوی گاؤری

زندہ حالت میں آگئی ہے۔ مکار راج گورو بھی ہاتھ باندھے
کیٹی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کیٹی کو اس کمرے میں پہنچا
دیا گیا جہاں اس کی ہم شکل دیوی گاؤری کا بت لگا ہوا تھا۔
کیٹی نے دیکھا کہ دیوار والے بت کی شکل اور اس کی اپنی
شکل میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ وہ بت کے پاس جا کر
کھڑی ہو گئی اور ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"میں اس شہر کے لوگوں کو خوشیوں کا پیغام دینے
آسمانوں سے آئی ہوں۔"

لوگوں نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔

"جے ہو دیوی گاؤری کی جے ہو۔"

وہ چبوترے پر بیٹھ گئی۔ لوگ باری باری اس کے
آگے آکر جھک کر سجدہ کرتے اس کے پاؤں کے پاس چاندی کا
کا روپیہ رکھتے۔ وہ ان کے سر پر ہاتھ لگاتی اور وہ آگے
چلے جاتے۔ اسی طرح راج گورو بھی اس کے پاس آگیا۔
اس نے چاندی کا روپیہ کیٹی کے پاس رکھا اور آہستہ سے
کہا۔

"میں آج رات ایک بجے مندر کے پیچھے آؤں گا
تم سونا لے کر وہاں کھڑی ہونا۔ جے ہو۔ دیوی گاؤری
کی جے ہو۔"

کیٹی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دل میں کہا کہ تجھے
تو میں آج رات ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ یاد رکھے گا۔ مندر
میں لوگوں کا بے حد ہجوم ہو گیا تھا۔ لوگ یہ سن کر دور دور
سے چلے آرہے تھے کہ دیوی گاؤری زندہ ہو کر مندر میں
آگئی ہے۔ کیٹی لوگوں کے سروں پر ہاتھ رکھتے ہوئے تنگ
آگئی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے مندر کے پروہت
کو بلا کر کہا۔

"مجھے اس تہہ خانے میں لے چلو جہاں تم نے سونا
چاندی رکھا ہوا ہے۔"

"دیوی جی میرے پیچھے پیچھے آئیے۔"

پروہت آگے آگے چلا اور کیٹی اس کے پیچھے پیچھے چل
پڑی۔ وہ اسے مندر کی سیڑھیوں سے اتار کر ایک
تہہ خانے میں لے گیا جہاں سونے کے بھرے ہوئے صندوق
پڑے تھے۔ کیٹی نے سارے صندوق کھلوا کر دیکھے۔ ان سب
لوگوں کی طرف سے مندر کو خیرات میں دیئے ہوئے سونے
کے زیورات ہی زیورات تھے۔ کیٹی نے پروہت سے کہا

"سنو! میں دیوی گاؤری تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس
دولت سے اس شہر میں بچوں اور عورتوں کا ایک
بہت بڑا ہسپتال بنانا شروع کر دو۔ اگر تم نے میرے

کہنے پر عمل نہ کیا تو ایک روز پھر آؤں گی اور تمہیں
قتل کر دوں گی"
پروہت نے گڑگڑا کر کہا۔
"دیوی جی ایسا غضب نہ کرنا۔ میں آپ کے حکم کی
تعمیل کر دوں گا۔ اور صبح ہی یہ سونا نکال کر بینک میں
جمع کروا دوں گا اور آپ کے نام کا ایک ہسپتال بنانا
شروع کر دوں گا"
کیٹی نے کہا۔
"خبردار! حرامی پنا نہ کرنا۔ میں بیچ بیچ میں آکر ہسپتال
کی نگرانی کرتی رہوں گی۔ اب میں جا رہی ہوں"
اور کیٹی تہہ خانے سے نکل کر مندر کی چھت پر آگئی
اور بولی۔
"میں یہاں بیٹھ کر آدھی رات تک بھگوان کی پوجا کروں
گی۔ میرے پاس کوئی نہ آئے"
"بہت بہتر ہے دیوی جی! آپ پوجا کریں۔ آپ کے
پاس کوئی نہیں آئے گا"
کیٹی چھت پر ایک جگہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی پروہت
چلا گیا۔ اس نے جا کر لوگوں کو بتایا کہ دیوی جی چھت پر بھگوان
کی پوجا کر رہی ہیں اس لیے تم لوگ واپس اپنے اپنے

گھروں کو چلے جاؤ۔ لوگ جانا نہیں چاہتے تھے مگر جب پروہت
نے انہیں بتایا کہ یہ دیوی جی کا حکم ہے تو وہ ایک ایک کر کے
وہاں سے چلے گئے۔ آدھی رات تک سارا مندر خالی ہو گیا۔
کیٹی چھت پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ ناگ عنبر اور
ماریا سے دوبارہ کہاں اور کیسے ملاقات کرے گی۔ پراسرار
محل میں غائب ہونے کے بعد جب ناگ اور ماریا نے صبح
اٹھ کر دیکھا ہو گا کہ وہ غائب ہے تو ان پر کیا گزری ہو گی
اور وہ اس کی تلاش میں کہاں گئے ہوں گے۔ اسے یہ بھی
احساس تھا کہ اس کے اور ناگ ماریا کے درمیان ہزاروں
سال کا فرق پڑ گیا ہے۔ عنبر کے بارے میں تو اسے خود معلوم
نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ حالانکہ اس وقت عنبر احمد آباد سے
دور ملک پاکستان کے شہر لاہور میں گارڈن ٹاؤن والی
کوٹھی میں امجد کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور واپس دو ہزار سال
پرانے زمانے میں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔
جب رات کا ایک بج گیا تو کیٹی چھت پر سے اٹھی اور
سیڑھیاں اتر کر مندر کے صحن میں سے گزرتی مندر کے پچھواڑے
آگئی جہاں مکار راج گورو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیٹی نے
کپڑے میں روڑے ڈال کر اسے لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑ رکھا
تھا۔ راج گورو نے دیوی کی گٹھڑی کے ہاتھ میں تو سمجھا کہ وہ سونا
لے کر آگئی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"سونا لے آئی ہو؟"

کیٹی نے کہا۔

"یہاں سے باہر چل کر دوں گی"

راج گورو بولا۔

"میری موٹر کار سامنے سڑک پر کھڑی ہے۔ وہاں آجاؤ"

اور وہ کیٹی کو لے کر کار کی طرف آگیا۔ کار میں بیٹھتے ہی راج گورو نے کہا۔

"لاؤ میرا سونا"

کیٹی نے کہا۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم مجھے دیوی گاوڑی نہیں سمجھتے؟"

راج گورو ہنس پڑا۔

"تم ایک شعبدہ باز عورت ہو۔ تم نے دیوی گاوڑی کا بھیس بدل رکھا ہے۔ تم سب کو الو بنا سکتی ہو۔ مگر مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں"

کیٹی نے کہا۔

"اگر میں تم پر ثابت کر دوں کہ میں اصلی دیوی گاوڑی ہوں تو پھر؟"

راج گورو نے قہقہہ لگایا۔

"تم کیا تمہارا باپ بھی ثابت نہیں کر سکتا"

کیٹی کو سخت غصہ آگیا۔ اس نے لال لال آنکھوں سے راج گورو کو گھور کر دیکھا۔ دل میں ایک جانور کا تصور کیا اور بولی۔

"الو کے پٹھے اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ"

اس کے ساتھ ہی کیٹی نے چٹکی بجا دی۔ چٹکی کے بجتے ہی کیٹی ایک دیو پیکر ہاتھی بن گئی اور اس کے بہت بڑے جسم کی وجہ سے کار پھٹ گئی۔ اس کی چھت ٹوٹ گئی اور دروازے ٹوٹ کر دور جا پڑے۔ راج گورو تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ بھی سڑک پر گرا ہوا تھا۔ کیٹی نے اسے اپنی سونڈھ میں اٹھا کر ہوا میں دو بار لہرایا اور پھر زور سے ایک جھولا دیا۔ ایک چیخ کے ساتھ راج گورو ہوا میں اڑتا ہوا ایک گھنے درخت کی شاخوں سے جا کر ٹکرایا اور بے ہوش ہو کر وہاں لٹکتا ہوا جھولنے لگا۔

کیٹی نے سونڈھ اٹھا کر زور سے ایک چیخ ماری اور جنگل کو جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئی۔ باقی رات اس نے جنگل میں ہاتھی کی شکل میں گھوم پھر کر گزار دی۔ دن نکلا تو اسے گولیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ درختوں میں ایک طرف بھاگی۔ کوئی شکاری اس پر گولیاں برسا رہا تھا۔ کیٹی پریشان ہو گئی۔ وہ اپنی شکل میں کسی بھی ماڈرن شہر میں کچھ روز بسر نہیں کر سکتی

تھی۔ کیونکہ اس کی پرکور آنکھوں کی وجہ سے ہنگامہ کھڑا ہو جاتا
تھا اور لوگ اسے جینے نہیں دیتے تھے اور پریشان کرتے تھے۔ جانور
بن کر بھی وہ زیادہ دیر جنگل میں نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ یہاں شکاری
اس کی جان کے دشمن تھے۔ وہ اس شہر میں رہ کر ناگ ماریا اور
عنبر کا انتظار کرنا اور ان کا سراغ لگانا چاہتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ
وہ کس شکل میں اس شہر میں زندگی کے کچھ روز بسر کرے۔ وہ
بھاگتی بھی جا رہی تھی اور سوچتی بھی جا رہی تھی۔

شکاری کی گولیاں اس کے قریب سے ہو کر گزر رہی تھیں۔ اس
نے ایک مزدور عورت کو دیکھا جو جنگل میں ایک جگہ لکڑیاں کاٹ
رہی تھی۔ ہاتھی کو آتا دیکھ کر اس عورت نے پلٹ کر کیٹی کی طرف
دیکھا۔ کیٹی نے اس کی شکل دماغ میں بٹھالی اور دوڑتی چلی گئی۔
کچھ دور جا کر کیٹی نے ذہن میں لکڑیاں کاٹنے والی عورت کی
شکل جمائی اور خیال ہی خیال میں چٹکی بجا دی۔ وہ ہاتھی سے ایک
دم وہی لکڑیاں کاٹنے والی عورت بن گئی۔

وہ جھاڑیوں کے قریب کھڑی ہو گئی۔ شکاری بندوق لیے
اس کے پاس سے ہو کر گزرا اور اس سے پوچھا۔

"بہن یہاں سے ہاتھی کدھر گیا ہے؟"

کیٹی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نے اسے اسی طرف جاتے دیکھا ہے۔"

اور شکاری اسی جانب چلا گیا۔

کیٹی کو شکاری کی حماقت پر ہنسی آگئی۔ اس نے اپنے لباس
کو دیکھا۔ اس نے ایک مزدور عورت ایسی عام ساڑھی باندھ رکھی
تھی۔ ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ اس نے کلہاڑی وہیں جھاڑیوں میں
میں پھینک دی۔ کیونکہ اسے لکڑیاں کاٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔
وہ جنگل سے نکل کر ایک سڑک پر آگئی اور یونہی ایک طرف چلنے
لگی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی ساڑھی کے پلو سے کچھ پیسے بندھے
ہوئے تھے۔ پیچھے سے ایک بس آئی جو شہر جا رہی تھی۔ کیٹی
اس میں سوار ہو گئی۔ چونکہ وہ ایک مزدور عورت تھی اس لیے
کسی نے اسے سیٹ پر نہ بیٹھنے دیا۔ وہ بس کے فرش پر ہی
بیٹھ گئی۔ ویسے اسے یہ بات سخت ناگوار لگی کہ یہاں لوگ غریب
لوگوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔

بس شہر احمد آباد کے بڑے چوک کی طرف جا رہی تھی۔ کیٹی
سوچ رہی تھی کہ ایک غریب مزدور عورت کے روپ میں وہ
کب تک ایک ایسے شہر میں زندگی بسر کر سکے گی جہاں لوگ
غریب اور مزدور عورتوں کو پسند نہیں کرتے اور ان سے نفرت
کرتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا بن جائے! کس کا روپ دھارے؟
شہر کا بڑا چوک آگیا۔ کیٹی بس سے اتر گئی۔ وہ یونہی بے مقصد
ایک طرف چلنے لگی۔ چوک میں بڑی رونق تھی۔ دن نکل آیا

تھا اور لوگ اپنے اپنے کاروبار پر چلے جا رہے تھے۔ وہ ایک
مارکیٹ کے پاس جا کر رک گئی۔ یہاں لوگ سبزی اور مچھلی خرید رہے
تھے۔

ایک پکی عمر کی عورت جس نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے
تھے سبزی اور مچھلی خریدنے کے بعد وہاں کھڑی اِدھر اُدھر تک
رہی تھی۔ اس نے کیٹی کو دیکھ کر پوچھا۔

"ویکیوں ری مزدوری کرے گی؟"

کیٹی نے کہا۔

"ہاں بی بی۔ جی!"

اس نے دل میں سوچا کہ چلو یہاں سے تو نکلو۔ دیکھتے ہیں آگے
کیا ہوتا ہے۔

عورت نے کہا۔

"یہ ٹوکری اٹھا کر سامنے سڑک پار والی کار تک لے
چلو"

کیٹی نے ٹوکری اٹھالی اور عورت کے پیچھے پیچھے چلتی سڑک
کے پار کھڑی موٹر کار کے پاس آگئی۔ اس نے ٹوکری کار کے اندر
رکھی تو عورت نے اسے پچاس پیسے پرس سے نکال کر دیئے
اور پوچھا۔

"تو کیا کرتی ہے ری؟ تمہارا نام کیا ہے؟"

کیٹی نے کہا۔

"بی بی جی بیکار ہوں، یتیم ہوں۔ گاؤں سے مزدوری
کرنے آج ہی شہر آئی ہوں۔ میرا نام کملا ہے۔"

"میرے ہاں نوکری کرے گی؟ پچاس روپے تنخواہ
دوں گی گھر کا کام کاج کرنا ہوگا۔ کسی وقت میرے ساتھ
چل کر بازار سے سودا سلف لانا ہوگا"

کیٹی نے دل میں سوچا کہ چلو یہ بھی کرکے دیکھ لیتے ہیں۔ اس
نے جھٹ کہا۔

"میں نوکری کروں گی بی بی جی۔"

"کار میں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

کیٹی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور وہ عورت کار کو سٹارٹ
کرکے شہر کی سڑکوں پر چل دی۔ کار شہر کے مختلف علاقوں
سے گزرتی ہوئی شہر سے باہر نکل گئی۔ کچھ فاصلے پر کھیتوں میں
بنا ہوا ایک مکان کیٹی نے دیکھا جس کی چھت ڈھلوانی تھی اور
سامنے پلاٹ میں پھول کھلے تھے اور درخت کے نیچے ایک گائے
بندھی ہوئی تھی۔ کار مکان کے سامنے جا کر رک گئی۔ ایک خوبصورت
نوجوان لڑکی مکان سے مسکراتی ہوئی باہر نکلی۔

عورت نے کہا۔

"یہ میری بیٹی شیلا ہے۔ اگلے ماہ اس کی شادی

ہونے والی ہے"

شیلا نے کہا۔

"ماتا جی! یہ عورت کون ہے؟"

ماتا جی نے کہا۔

"بیٹی میں تمہارے لیے نئی نوکرانی رکھی ہے۔ تم گھر میں اکیلی ہوتی ہو نا۔ تمہارا کوئی بھائی اور بہن جو نہیں ہے"

کیٹی نے ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر شیلا کو سلام کیا۔ شیلا نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور کہا۔

"ٹوکری اٹھا کر ادھر رسوئی میں رکھ دو"

شیلا نے رسوئی کا راستہ بتا دیا اور خود اپنی ماں کے ساتھ مکان کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کیٹی رسوئی یعنی باورچی خانے میں آ گئی۔ یہاں کھانے پینے کی ہر شے موجود تھی۔ فریج میں بھی کھانے کی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ کیٹی نے ٹوکری سے مچھلی اور سبزی نکال کر تھال میں رکھ دی۔ اتنے میں شیلا آ گئی اور بولی۔

"تمہیں سبزی مچھلی بنانی آتی ہے؟ کیا نام ہے تمہارا؟"

کیٹی نے کہا۔

"جی کملا بی بی جی! سبزی بنا لیتی ہوں پر مچھلی بنانی

نہیں آتی"

شیلا نے تنک مزاجی سے کہا۔

"مچھلی بنانی نہیں آتی تو یہاں کیا کرنے آ گئی ہے؟ چل چولہے پر کیتلی رکھ"

کیٹی کو جلدی معلوم گیا کہ شیلا بڑی بدمزاج لڑکی ہے اور وہ بھی کیٹی کو غریب عورت سمجھ کر اس سے برا سلوک کرتی ہے۔ کبھی کبھی تو وہ اسے گالی بھی دے دیتی تھی مگر کیٹی خاموش رہتی۔ وہ کسی گھر کی چار دیواری میں کچھ عرصہ بسر کرنا چاہتی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید یہاں کسی جگہ، کسی وقت عنبر، ناگ یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ اسے یہ بھی پتہ چلا کہ شیلا کا باپ گاؤں میں زمینداری کرتا ہے اور ہفتے میں ایک دو بار گھر آ جاتا ہے۔ گھر میں شیلا کا بوڑھا نانا برآمدے میں پلنگ پہ بیٹھا حقہ پیتا اور کھانستا رہتا تھا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک روز وہی عورت وہاں لکڑیوں کا گٹھا بیچنے کے لیے آ گئی جس کی شکل کیٹی نے اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے دروازے پر آ کر آواز دی۔

"بی بی جی لکڑیاں لے لو، لکڑیاں کاٹ کر لائی ہوں"

کیٹی نے جب اپنی ہم شکل کو دیکھا تو درخت کے پیچھے چھپ گئی اور اوٹ میں سے تکنے لگی۔ وقت اتنا کم تھا کہ وہ

اسے واپس بھی نہیں بھیج سکتی تھی۔ اتنے میں بدمزاج شیلا
باہر نکلی اور لکڑیاں کاٹنے والی عورت کو دیکھ کر غصّے سے
بولی۔

"کملا! تجھے کس نے کہا تھا کہ جنگل میں جاکر لکڑیاں
کاٹنی شروع کر دے؟ تجھے تو میں نے مصالحہ پیسنے
کے لیے کہا تھا"

لکڑیاں کاٹنے والی عورت نے حیران ہو کر شیلا کی طرف
دیکھا اور کہا۔

"بی بی جی آپ کو غلطی ہو رہی ہے۔ میرا نام کملا نہیں
کوشیلا ہے اور میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچتی ہوں
اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہوں"

شیلا کو اور زیادہ غصّہ آگیا۔ کہنے لگی۔

"اری بدتمیز مجھے جھٹلا رہی ہے۔ تو کملا ہے۔ تجھے
میری ماں نے چند روز پہلے نوکر رکھا تھا اور ابھی ابھی
میں نے تمہیں مصالحہ دے کر کچن میں بھجوایا تھا"

لکڑیاں کاٹنے والی بولی۔

"بی بی لکڑیاں خریدنی ہیں تو خریدو۔ مذاق نہ کرو
ہم سے"

اتنے میں شیلا کی ماتا بھی آگئی۔ شیلا بولی۔

"دیکھو ماتا جی یہ کملا کہہ رہی ہے کہ میرا نام کوشیلا ہے
اور میں جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر بیچتی ہوں"

ماتا جی نے بھی تعجب سے کوشیلا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیوں ری چار دن کھانے کو ملا تو دماغ خراب ہوگیا
یہ لکڑیاں کاٹنے کیوں چلی گئی تھی جنگل - ؟ چل اندر
چل کر کام کر گھر کا"

لکڑیاں کاٹنے والی نے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھایا اور یہ کہہ
کر وہاں سے چلی گئی۔

"بی بی اب میں یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔ لگتا ہے تم
لوگ پاگل ہو گئے ہو"

شیلا اور ماتا ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ پھر ماتا نے
کہا۔

"چلو دفع کرو اسے۔ جانے دو۔ میں تمہارے لیے
کوئی اور نوکرانی ڈھونڈ کر لے آؤں گی۔"

کیٹی درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ
رہی تھی جب لکڑیاں کاٹنے والی چلی گئی تو وہ اوپرے ہو
کر مکان کے پچھلے دروازے سے اندر آکر کچن میں مصالحہ
پیسنے لگی۔ اچانک شیلا اندر آگئی۔ اس نے کیٹی کو مصالحہ
پیستے دیکھا تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

"وہ ہے بھگوان۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ اری! تو
ابھی نوکری چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ پھر یہاں کیسے آگئی؟"
کیٹی نے مسکرا کر کہا۔
"بی بی جی معاف کر دو۔ میں لکڑیاں جنگل میں پھینک
کر واپس آگئی ہوں۔ اصل میں کبھی کبھی مجھ پر پاگل پن
کا دورہ پڑتا ہے اور میں سب کچھ بھول جاتی ہوں"
شیلا نے اپنا سر تھام لیا۔
"کس پاگل نوکرانی سے پالا پڑ گیا۔ اری! اب تو تجھے
سب کچھ یاد ہے؟"
"ہاں بی بی جی! دورہ ختم ہو گیا ہے۔ اب تو سب
کچھ یاد آگیا ہے"
کیٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شیلا سر جھٹک کر منہ
ہی منہ میں بڑبڑاتی کچن سے باہر نکل گئی۔
اس رات ایسا ہوا کہ آدھی رات کو جب گھر کے سارے
لوگ سو گئے۔ کیٹی بھی باورچی خانے کے آگے زمین پر لیٹ
کر جبرتاگ اور ماریا کو یاد کرتی ہوئی گہری نیند میں کھو
گئی تو چار ڈاکو چہروں پر کپڑا باندھے گھوڑوں پر سوار ہو کر
مکان سے ذرا دور آ کر درختوں میں رک گئے۔ گھوڑوں سے
اتر کر وہ دبے پاؤں چلتے مکان کے پچھواڑے اندھیرے میں

آئے اور چھپ گئے۔ ایک ڈاکو نے جو ان کا سردار لگتا تھا
اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ ڈاکو جیب سے ایک
اور شیشی نکال کر مکان کی کھڑکی سے اندر داخل ہو گیا۔ اس
کمرے میں شیلا اور اس کی ماں سو رہی تھیں ڈاکو نے
شیشی میں سے بے ہوش کرنے والی دوا کے چند قطرے
رومال میں ڈالے اور باری باری دونوں عورتوں کے ناک کے
پاس لے جا کر انہیں بے ہوش کر دیا۔ اسی طرح اس نے
باورچی خانے کے باہر سوئی ہوئی کیٹی کو بھی بے ہوش کر دیا۔
برآمدے میں شیلا کا نانا سو رہا تھا۔ ڈاکو اسے بھی بے ہوش
کرنے کے بعد بھاگ کر سردار کے پاس گیا اور بتایا کہ راستہ
صاف ہو گیا ہے۔
اب چاروں ڈاکو مکان میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے
صندوق کھول کر ان میں سے نقدی اور زیورات نکال لیے۔ پھر
سردار کے حکم سے باقی ڈاکوؤں نے شیلا کے منہ میں کپڑا
ٹھونسا۔ اس کے ہاتھ باندھے اور اٹھا کر کندھے پر ڈالا
اور مکان سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کے
اندھیرے میں غائب ہو گئے۔
صبح ہوئی تو شیلا کی ماں کو ہوش آیا۔ اس نے دیکھا
کہ اس کی بیٹی شیلا غائب ہے۔ اس نے اسے آوازیں دیں۔

دیکھا کہ سارے صندوق کھلے پڑے ہیں اور فرش پر اس علاقے کے مشہور ڈاکو پورباڈاکو کا خاص نشان گول دائرہ بنا ہوا ہے جو وہ ہر ڈاکے کے بعد بنا دیا کرتا تھا۔

شیلا کی ماں سر پیٹ کر رہ گئی۔ کیٹی کو بھی جوش آیا تو دیکھا کہ گھر میں ڈاکہ پڑ چکا ہے اور ڈاکو شیلا کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ اس کی ماں کو غشی پر غشی پڑ رہے تھے۔ گاؤں سے شیلا کا باپ اور دوسرے رشتے دار بھی آ گئے۔ پولیس بھی پہنچ گئی۔ ڈاکوؤں کے پاؤں کے نشان لیے گئے۔ انسپکٹر نے کہا۔

"پٹیل جی آپ فکر نہ کریں۔ ہم پورباڈاکو سے آپ کی بیٹی کو برآمد کر کے رہیں گے۔"

شیلا کے باپ نے سر پکڑ لیا اور کہا۔

"پورباڈاکو نے مجھ سے میری زمینوں کے جھگڑے کا بدلہ لیا ہے۔ وہ میری بیٹی کو مار ڈالے گا۔"

اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ کیٹی سے ایک دکھی باپ کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ پولیس چلی گئی۔ رشتے دار بھی شام ہوتے ہی افسوس کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ گھر میں شیلا کا نانا، اس کا غم زدہ باپ اور دکھی ماں ہی رہ گئی۔ کیٹی نے کچھ سوچ کر شیلا کی ماں سے کہا۔

"بی بی جی! یہ جو پورباڈاکو ہے اس کی شکل کیسی ہے؟"

اس کی ماں بولی۔

"اری رام جانے کیسی شکل ہے۔ بڑا خونخوار ڈاکو ہے۔ کئی لوگوں کو قتل کر چکا ہے۔"

شیلا کے باپ نے کہا۔

"تو اس کی شکل دیکھ کر کیا کرے گی؟"

کیٹی نے کہا۔

"اگر مجھے یہ پتہ چل جائے کہ اس کی شکل کیسی ہے تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ پورباڈاکو کو پہچان کر اس سے میں آپ کی بیٹی شیلا کو واپس لے آؤں گی۔"

شیلا کی ماں اور اس کا باپ تعجب سے کیٹی کا منہ تکنے لگے۔ بھلا ایک کمزور سی عورت اتنے بڑے ڈاکو کو کیسے پکڑ سکتی ہے اور اس کے قبضے سے شیلا کو کیسے چھڑا کر لا سکتی ہے۔ باپ نے کہا۔

"ہمارا دل بہلانے کی کوشش نہ کرو کملا۔ جاؤ باورچی خانے میں جا کر برتن صاف کرو۔"

کیٹی نے کہا۔

"پٹیل جی! میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ میری بات پر یقین کریں۔ میں آپ کی بیٹی کو واپس لا سکتی ہوں۔ لیکن آپ مجھے یہ بتا دیں کہ اس کی شکل صورت

کیسی ہے؟"

شیلا کا باپ بولا۔

"اچھا، اگر تو ضد کر رہی ہے تو میں تمہیں پورٹا ڈاکو کی ایک تصویر دکھا دیتا ہوں جو ایک بار اخبار میں چھپی تھی۔"

شیلا کا باپ اٹھ کر اندر گیا اور الماری کے خانے میں سے اخبار کا ایک تہہ کیا ہوا ٹکڑا نکال کر لے آیا جس پر پورٹا ڈاکو کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ کیٹی نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ نے میری مشکل آسان کر دی ہے"

کیٹی نے غور سے پورٹا ڈاکو کی شکل دیکھی۔ بڑی بڑی مونچھیں، خونخوار آنکھیں اور گال پر زخم کا لمبا نشان۔ کانوں میں مندرماں —— سر پر بندھا ہوا ڈاٹھا اور کندھے کے ساتھ لگی ہوئی بندوق۔ کیٹی نے پورٹا ڈاکو کی شکل اچھی طرح ذہن میں بٹھالی اور تصویر واپس کرتے ہوئے بولی۔

"تصویر رکھ لیں، چاہے پھاڑ ڈالیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جا رہی ہوں اور بہت جلد شیلا آپ کے گھر میں ہو گی اور پورٹا ڈاکو گرفتار ہو چکا ہو گا۔"

یہ کہہ کر کیٹی گھر سے باہر نکل گئی۔ شیلا کا باپ اور اس کی دکھی ماں اسے جاتے دیکھتے ہی رہ گئے۔

خلائی لڑکی اندھے کنوئیں میں

خلائی لڑکی کیٹی کھیتوں میں چلی جا رہی تھی۔

شام تک وہ کھیتوں کھیت کافی دور نکل گئی۔ دور اسے درختوں کی قطار دکھائی دی۔ وہاں سے کیبر کے علاقے کا خوفناک جنگل شروع ہوتا تھا۔ یہ جنگل اس قدر گھنا اور خطرناک تھا کہ دن کے وقت بھی کوئی آدمی ادھر نہیں جاتا تھا۔ سب میں مشہور تھا کہ اس جنگل میں پورٹا ڈاکو اپنے آدمیوں کے ساتھ رہتا ہے اور جو کوئی اس کی تلاش میں ادھر جاتا ہے اس کی لاش کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

مگر کیٹی کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ دور کھیتوں میں کہیں کہیں پکے مکانوں اور جھونپڑیوں چراغ ٹمٹمانے لگے تھے۔ کیٹی جنگل میں داخل ہو گئی۔ ایک تو شام کا اندھیرا، اوپر سے کیبر کا گھنا تاریک جنگل —— ایک بار تو اندھیرا سناٹا اور چڑیلوں کی طرح کھڑے سیاہ گھنے درختوں کو دیکھ کر کیٹی بھی ڈر ہی گئی، مگر جلد ہی اس نے اپنے خوف پر

قابو پالیا اور جنگل میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اگرچہ خلائی لڑکی
کیٹی اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی لیکن جنگل اس قدر گھنا
تھا اور اتنی گنجان جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں کہ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔
کیٹی نے ذہن میں شیرنی کا تصور کر کے چٹکی بجائی اور وہ شیرنی
بن کر بڑی تیزی سے جنگل میں گزرنے لگی۔

شیرنی کیٹی جنگل میں کافی دور نکل گئی تو اسے انسانوں کے
ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے ایک جگہ
جھاڑیوں میں سے سر نکال کر دیکھا تو اسے کچھ فاصلے پر درختوں
کے درمیان لالٹین جلتی دکھائی دیں۔ ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ آگ
جل رہی تھی اور کچھ لوگ آگ کے گرد بیٹھے تھے۔ کیٹی کی تیز
آنکھوں نے دور پوڑیا ڈاکو کو پہچان لیا جو کندھے سے بندوق
لگائے گھوڑے کے پاس کھڑا تھا اور باتیں کر رہا تھا۔ یوں لگ
رہا تھا جیسے وہ جانے کیلئے تیار ہے۔ شیرنی کیٹی سمجھ گئی کہ
یہ پوڑیا ڈاکو کی ٹولی ہے اور شیلا ضرور اسی جھونپڑے میں قید
ہو گی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ڈاکوؤں کے اور قریب آگئی۔ اب
اسے پوڑیا ڈاکو کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں کل کیسریا ڈاکو سے مل کر یہاں واپس آجاؤں
گا۔ شیلا کی حفاظت کرنا۔ میں اسے ساری زندگی

اب اپنے پاس جنگل میں ہی رکھوں گا۔ میں نے اس
کے باپ سے اپنی زمینوں کا بدلہ چکا دیا ہے"۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"سردار تم فکر نہ کرو۔ یہ لڑکی اب تیری غلام بن کر
رہے گی اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ
سکے گا"۔

پوڑیا ڈاکو گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بولا۔

"اچھا پھر میں جاتا ہوں"۔

اس نے گھوڑے کی باگ جنگل کی طرف موڑی اور اندھیرے
میں غائب ہو گیا۔ شیرنی کیٹی نے اپنی شکل کا تصور کر کے دل میں
چٹکی بجائی اور دوسرے لمحے وہ شیرنی سے پھر کیٹی بن گئی۔ اب
اس نے پوڑیا ڈاکو کی شکل اختیار کرنی تھی۔ پوڑیا ڈاکو کی شکل اس
کے ذہن میں تھی۔ وہ اس انتظار میں تھی کہ پوڑیا ڈاکو جنگل سے
کافی دور آگے نکل جائے۔ وہ جھاڑیوں میں بیٹھ گئی۔ ڈاکو
آگ کے گرد بیٹھے تھے اور چائے پکا رہے تھے۔ یہ سات
آٹھ ڈاکو تھے۔ کوئی بندوق کی نالی صاف کر رہا تھا تو کوئی گھاس
پر لیٹا آرام کر رہا تھا۔ جھونپڑی کے باہر بھی ایک لالٹین لٹک
رہی تھی۔ دو ڈاکو ان کے ارد گرد چل پھر کر پہرہ دے رہے
تھے۔ انہوں نے بھی بندوقیں اٹھا رکھی تھیں۔ کیٹی نے جب

محسوس کیا کہ چوربا ڈاکو اب کافی دور نکل گیا ہو گا تو اس نے ذہن میں پوربا ڈاکو کی شکل جمائی اور چٹکی بجا دی۔

اس کو یقین تھا کہ وہ چٹکی بجانے کے ساتھ ہی پوربا ڈاکو کی شکل اختیار کرے گی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر رہ گئی کہ چٹکی بجانے کے بعد اس کا سر تو پوربا ڈاکو کا بن گیا تھا مگر باقی جسم اس کا اپنا یعنی عورت کا ہی تھا۔ وہ اپنے آپ کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی مردانہ مونچھیں تھیں اور باقی سارا جسم عورت کا تھا۔ اس نے گھبرا کر ایک بار پھر پوربا ڈاکو کی شکل دماغ میں جمائی اور چٹکی بجا دی۔ اب جو آنکھیں کھول کر دیکھا تو معاملہ الٹ ہو گیا تھا۔ یعنی اس بار اس کا جسم تو پوربا ڈاکو کا بن گیا تھا مگر سر اس کا اپنا تھا۔ یعنی سر زنانہ تھا اور باقی سارا جسم ایک خونخوار ڈاکو کا تھا۔ اس نے اندھیرے میں اپنے بازو دیکھے۔ اس کے بازوؤں پر کالے کالے سیاہ مردانہ بال تھے۔

کیمی اب تو جلت ہی گھبرا گئی۔ چٹکی کا جادو کہیں ختم تو نہیں ہو رہا؟ پھر یہ معاملہ الٹ پلٹ کیوں ہو رہا ہے۔ اس نے تیسری بار آنکھیں بند کیں۔ پوربا ڈاکو کی شکل کو خوب اچھی طرح سے ذہن میں جمایا اور زور سے چٹکی بجا دی۔ آنکھیں کھولیں تو پھر پوربا ڈاکو کا مردانہ جسم غائب ہو گیا تھا اور وہ ایک

بار پھر اس کی شکل کملا میں آگئی تھی۔ وہ جھاڑیوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

جھاڑیوں میں بیٹھنے سے آواز پیدا ہوئی۔ اس کے قریب سے پہرہ دینے والا ڈاکو گزر رہا تھا۔ اس نے آواز سنی تو چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں آگیا اور بندوق تان کر گرجا۔

"نکل آؤ باہر جو کوئی بھی ہے۔ نہیں گولی چلا دوں گا۔"

کیمی نے جانور کی شکل ذہن میں رکھ کر چٹکی بجائی مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ کملا رہی۔ سمجھ گئی کہ چٹکی بجانے کا جادو ختم ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ڈاکو نے اسے بازو سے پکڑ کر جھاڑیوں سے باہر کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ ایک عورت ہے ڈاکو قہقہہ لگا کر بولا۔

"ارے تو کہاں سے آگئی؟ جاسوسی کرتی ہے ہماری؟"

پہرے دار ڈاکو نے کیمی کو گھسیٹ کر جھاڑیوں میں سے نکالا اور اسے دوسرے ڈاکوؤں کے پاس لے جا کر بولا۔

"یہ عورت جھاڑی میں چھپی ہوئی تھی۔"

باقی ڈاکو کیمی کو تکنے لگے۔ وہ لالٹین کی روشنی میں کھڑی تھی۔ ایک ڈاکو نے اس کو قریب سے دیکھ کر کہا۔

"ارے شامو! یہ تو پٹیل کے گھر کی عورت ہے اس کو میں نے ڈاکے کی رات خود بے ہوش کیا تھا۔"

یہ جملہ جھونپڑی کے اندر بیٹھی ہوئی شیلا نے سنا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے جھونپڑی کے بند دروازے کی درز میں سے جھانک کر کیٹی کو دیکھا تو دل میں کہا۔

"ہے بھگوان! یہ کملا یہاں کہاں سے آ گئی؟"

دوسرا ڈاکو بولا۔

"ارے سردار پڑیا کے آنے تک اس کو بھی اندر بند کر دو۔ وہی آ کر اس کی جندگی (زندگی) کا فیصلہ کرے گا۔"

پہلے ڈاکو نے کیٹی کو بازو سے پکڑ کر جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور کیٹی کو اندر دھکیل دیا۔ کیٹی شیلا کے سامنے فرش پر جا گری۔ اندر جھونپڑی میں ایک ننھا سا چراغ جل رہا تھا۔ شیلا پہلے سے کمزور ہو گئی ہوئی تھی۔ کیٹی کو دیکھ کر کہا۔

"کملا تو نے اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالی؟ پتا جی کیسے ہیں۔ ماتا جی کا کیا حال ہے؟"

کیٹی اٹھ کر شیلا کے پاس بوریئے پر بیٹھ گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ دل میں کیا سوچ کر آئی تھی اور آگے اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔ بس اسے یہی کہا کہ تمہارے بغیر تمہارے ماتا پتا کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں گئی اور میں تمہاری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ شیلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میرا بس چلے تو ابھی اڑ کر ماتا پتا کے پاس پہنچ جاؤں مگر مجھے ان ظالموں نے قید میں ڈال رکھا ہے۔"

کیٹی خود پریشان، بے بس اور مجبور تھی۔ اس کی چھڑی کا جادو اور طاقت ختم ہو گئی تھی۔ وہ شیلا کو کیا تسلی دیتی۔ کہنے لگی۔

"حوصلہ کرو بی بی جی! بھگوان ہماری مدد کرے گا۔"

شیلا آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

"بھگوان نے مدد کرنی ہوتی تو میں اس حالت کو کیوں پہنچتی۔"

کیٹی نے کہا۔

"ایسا نہ کہیں بی بی جی!"

اور شیلا چپکے چپکے اپنے ماں باپ کو یاد کر کے آنسو بہانے لگی۔ کیٹی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اس کی چھڑی کا جادو کیوں ختم ہو گیا؟ کیسے ختم ہو گیا؟ کیا اب وہ کبھی چھڑی گھما کر دوسری شکل اختیار نہ کر سکے گی؟ اسے اپنی چھڑی کے بے اثر ہو جانے کا بے حد دکھ ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ شیلا آنسو بہاتے بہاتے وہیں بوریئے پر لیٹ کر سو گئی۔ کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ شاید یہی بات تھی کہ شیلا کو بھی نیند آ گئی تھی۔ مگر کیٹی جاگ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب وہ بھی ایک

عام کمزور عورت بن چکی ہے۔ خدا جانے اس کا کیا انجام ہوگا۔
اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دنیا والوں کے ہاتھوں مر نہیں
سکتی تھی۔ اسے صرف کوئی خلائی مخلوق ہی اپنی خونی شعاعوں
سے یا زہریلی گیس سے ہلاک کر سکتی تھی۔ پھر بھی اس کی گردن
پر تلوار کا وار کیا جا سکتا تھا۔ انہی خیالوں میں گم کیٹی بھی سو گئی۔
دوسرے روز شام کو بوڑھا ڈاکو آیا تو کیٹی کو دیکھ کر
پھنکارنے لگا۔

"اس کی یہ جرأت کہ میرے خفیہ ٹھکانے تک پہنچ
پہنچ جائے؟"

اس نے حکم دیا کہ کیٹی کو لے جا کر جنگل کے اندھے کنوئیں میں
پھینک دیا جائے۔ ڈاکوؤں نے کیٹی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور
اسے اٹھا کر قریب ہی ایک اندھا کنواں تھا اس میں پھینک
دیا۔ کیٹی اندھیرے کنوئیں میں گرا دیئے جانے کے بعد اپنی قسمت
کو کوسنے لگی کہ اس نے کیوں اس جنگل کا رخ کیا۔ اسے کیا ضرورت
تھی کہ شیلا ایسی بد مزاج لڑکی کے لیے اپنی جان عذاب میں
ڈالتی اور اپنی چٹکی کو بھی بے اثر کرتی۔ پھر دل میں کہنے لگی۔

"نہیں ــــ اگر انسان کسی کے کام آ سکے تو اسے ضرور
دکھی انسان کی مدد کرنی چاہیئے۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ میری
چٹکی کا اثر ضائع ہو جائے گا۔"

کنوئیں میں صبح و شام کیٹی کے لیے ڈاکو اوپر سے
روٹی اور پانی لٹکا کر رکھ دیتے تھے۔ کیٹی کو کھانے پینے کی اتنی
حاجت نہیں تھی۔ اسے ایک ہی بات کا غم تھا کہ ڈاکو شیلا
کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر رہے تھے اور وہ اس کے ماں باپ
سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ شیلا کو ضرور واپس لے کر آئے گی
اور ڈاکو بوڑھا کو قانون کے حوالے کروا دے گی۔ ان میں سے
کچھ بھی نہ ہو سکا تھا۔

کیٹی کو کنوئیں میں پڑے چوتھا روز گزر رہا تھا۔

پانچویں رات کو کیٹی کی حالت بہت خراب ہو گئی اور اسے یوں
لگا کہ کنوئیں کے اندر سے کوئی گیس آہستہ آہستہ نکل رہی ہے
جو اس کو ہلاک کر رہی ہے۔ آدھی رات کو اس نے اسی
پر اسرار ہستی کو یاد کیا جس نے انٹر کونٹی نینٹل ہوٹل کے پچھواڑے
والے کنوئیں میں سے نکل کر چٹکی بجانے کو کہا تھا۔
کیٹی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"اے میرے بزرگ دوست! تم کہاں ہو؟ تم کہاں
ہو۔ تم کہاں ہو؟"

اچانک کنوئیں میں سفید رنگ کا ایک ہیولا نمودار ہوا۔ یہ
اسی بزرگ کا ہیولا تھا۔ وہ لمبا ہوتا چلا گیا اور پھر کنوئیں کے

اوپر اپنی گردن جھٹکا کر بولا۔

"کیا تم کہاں ہو؟ تم کہاں ہو؟ کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے۔"

کیٹی نے بزرگ کی آواز اور اس کا لہجہ پہچان لیا۔ وہ اسی طرح بات کیا کرتا تھا۔

کیٹی نے کہا۔

"خدا کے لیے میری مدد کرو اے بزرگ! میری چٹکی میں سے جادو کا اثر ختم ہو گیا ہے۔"

بزرگ کے ہیولے نے کہا۔

"چٹکی کا اثر ختم ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ جاؤ سیٹی بجاؤ۔ سیٹی۔"

کیٹی نے کہا۔

"میرے پاس تو کوئی سیٹی نہیں ہے۔"

ہیولے نے جھنجھلا کر کہا۔

"اری کیا شور مچا رہی ہو؟ سیٹی نہیں ہے تو کیا ہوا؟ منہ سے سیٹی بجاؤ منہ سے۔"

یہ کہہ کر ہیولا غائب ہو گیا۔ کیٹی سمجھ گئی کہ منہ سے سیٹی بجانے سے بھی وہی کچھ ہو گا جو چٹکی بجانے کے لیے ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا خیال کیا کہ وہ کنوئیں کے باہر کھڑی ہے اور منہ سے سیٹی بجائی۔ ایک سیکنڈ کے بعد کیٹی کنوئیں

کے باہر کھڑی تھی اور بالکل اپنی ہی شکل میں تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور ڈاکوؤں کے ٹھکانے کی طرف بڑھی۔

ڈاکو رات کے اندھیرے میں سو رہے تھے۔ جھونپڑی کے باہر لالٹین جل رہی تھی۔ اندر شیلا قید تھی۔ کیٹی نے قریب جا کر دیکھا۔ بوڑھا ڈاکو وہاں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ جھونپڑی کے اندر ہو۔ وہ یہ تسلی کر کے بوڑھا ڈاکو کا روپ دھارنا چاہتی تھی کہ وہ وہاں نہیں ہے۔ کیٹی نے ذہن میں ایک تصور کر کے سیٹی بجائی۔ وہ ایک دم سے شیر بن گئی۔ اس نے منہ زمین کے ساتھ لگا کر زور سے دھاڑ ماری۔ شیر کی گرج سن کر سارے ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ جھونپڑی سے شیلا بھی باہر نکل آئی۔ کیٹی نے دیکھا کہ اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ ایک ڈاکو نے اسے دوبارہ جھونپڑے کے اندر دھکا دے دیا اور بندوق سے اندھا دھند اس طرف فائرنگ شروع کر دی جدھر سے شیر کی گرج کی آواز آئی تھی۔

مگر کیٹی اب وہاں نہیں تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر جھونپڑی کی دوسری طرف پہنچ گئی تھی۔ یہاں جاتے ہی اس نے سیٹی بجائی اور بوڑھا ڈاکو بن گئی۔ وہی لمبی لمبی مونچھیں اور خونخوار آنکھیں اور چہرے پر زخم کا نشان ـــــ وہ مونچھوں کو تاؤ دیتی کاندھے سے بندوق لٹکائے ڈاکوؤں کے پاس آ کر بولی۔

"کیوں گولیاں ضائع کر رہے ہو حرام زادو"

ڈاکو حیرانی سے اپنے سردار پوڑبا ڈاکو کو تکنے لگے۔

"سردار تم کیسے آ گئے؟"

کیٹی نے کہا۔

"کیوں! میں یہاں نہیں آ سکتا حرام زادو!"

اب کیٹی یہ پتہ کرنا چاہتی تھی کہ وہ آگے سے کیا کہتے ہیں کہ وہ کہاں گیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ کیٹی نے پوڑبا ڈاکو کا روپ بدل لیا مگر اس کی یادداشت پوڑبا ڈاکو کی یادداشت نہیں تھی اور اسے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ وہ ابھی ابھی کہاں گیا ہوا تھا۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

"سردار! تم تو ٹھاکر سے ملنے شہر گئے تھے"

کیٹی نے بندوق زمین پہ رکھ کر پتھروں پر بیٹھتے ہوئے کہا

"گیا ضرور تھا۔ مگر راستے میں فیصلہ بدل لیا۔ یہ بتاؤ اوئے حرام زادو۔ تم گولیاں کیوں چلا رہے تھے؟"

ڈاکو شاموٹے کہا۔

"سردار ابھی ابھی شیر گرجا تھا"

کیٹی نے جھڑک کر کہا۔

"بک بک بند کر اوئے۔ وہ تو میں بولا تھا۔ میں نے آواز نکالی تھی شیر کی ——"

ڈاکو ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ یہ آج سردار کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"سردار! تم نے پہلے کبھی ہمیں حرام زادو نہیں کہا تھا یہ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ بات بات پر ہمیں حرام زادو کہہ رہے ہو؟"

کیٹی نے بھڑک مار کر کہا۔

"چپ کر اوئے! نہیں تو میں تمہیں مچھلی کی طرح تل کر کھا جاؤں گا۔"

دوسرا ڈاکو بولا۔

"سردار تم تو مچھلی بالکل پسند نہیں کرتے"

کیٹی نے اسے بھی ڈانٹ کر کہا۔

"بکواس بند کر اوئے! نہیں تو میں تمہارے ابھی چپلی کباب بنا ڈالوں گا۔ یہ بتاؤ میرا شکار کہاں ہے؟"

ڈاکو شامو نے کہا۔

"سردار! جھونپڑی میں قید ہے۔ وہیں تم نے اسے قید کر رکھا تھا۔ تمہارے کہنے پر ہم نے اس کے پاؤں میں زنجیر بھی ڈال دی ہے"

کیٹی بولی۔

"اوئے حرام زادے! فوراً اس کی زنجیر جا کر اتار نہیں تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اور کیٹی نے ان پر اپنی دہشت طاری کرنے کے لیے بندوق سے ہوا میں فائر کر دیا۔ ڈاکو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"سردار معاف کر دو۔ ابھی زنجیر اتارتا ہوں۔"

کیٹی نے زور سے کھنکارا اور کہا۔

"فوراً اتار جا کر سالے۔"

ڈاکو نے جھونپڑی میں جا کر شیلا کے پاؤں میں ڈالی ہوئی لوہے کی زنجیر اتار کر پھینک دی اور کہا۔

"سردار کو بھگوان جانے کیا ہو گیا ہے۔ اس سے آج بچ کر رہنا۔"

اور وہ جھونپڑی سے باہر آگیا۔ کیٹی نے اسے جھڑک کر پوچھا۔

"اوئے سؤر کی اولاد! تم نے اندر اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

ڈاکو نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

"سردار میں تمہارے شکار کے پاؤں سے زنجیر اتار رہا تھا۔"

"اچھا چلو ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ہم اندر جا رہے ہیں۔ خبردار سب جاگتے رہنا۔ نہیں تو میں باہر نکل کر

تم سب کو موت کی نیند سلا دوں گا۔"

"ہم سب جاگتے رہیں گے سردار! فکر نہ کرو۔"

سارے ڈاکو ہاتھ باندھ کر بولے۔ کیٹی جھونپڑی میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر لیا۔ جھونپڑی میں دیا روشن تھا۔ اس کی روشنی میں شیلا سمٹ کر کونے میں بیٹھی تھی۔ پورا باڈاکو کو اپنے سامنے دیکھ کر اس نے نفرت سے کہا۔

"اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔"

کیٹی نے آہستہ سے کہا۔

"شیلا بی بی! میں پورا با ڈاکو نہیں ہوں۔ میں کملا ہوں، کملا۔"

اس پر شیلا اور زیادہ ڈر گئی۔

"تم۔۔۔ تم کملا کیسے ہو سکتی ہو؟ تم۔۔۔ تم تو پورا با ڈاکو ہو۔ تمہاری مونچھیں ہیں۔ تم پورا با ڈاکو ہو۔ کملا تو اندھے کنوئیں میں بند ہے۔"

کیٹی نے کہا۔

"میری بات غور سے سنو۔۔۔ میرے پاس ایک جادو ہے جس کے زور سے میں کنوئیں سے باہر نکل آئی ہوں اور اسی جادو کے زور سے میں کملا سے پورا با ڈاکو بن گئی ہوں۔ تم آنکھیں بند کرو۔ میں تمہیں پھر

سے کملا بن کر دکھاتی ہوں"
شیلا نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں بند کر لیں۔ کیٹی نے آہستہ
سے سیٹی بجائی اور وہ پورا با ڈاکو سے پھر سے کملا بن گئی۔
"وہ آنکھیں کھول کر دیکھو"
شیلا نے آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے پورا با ڈاکو کی
بجائے کملا کھڑی تھی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کملا؟"
کملا اس کے پاس بیٹھ گئی اور آہستہ سے اسے سمجھانے لگی۔
"شیلا بہن! میرے ایک گورو نے مجھے یہ جادو بتایا
تھا میں اس جادو کو بھول گئی تھی۔ اندھے کنوئیں میں گرے
مجھے چار روز گزر گئے تو اچانک مجھے وہ جادو یاد آ گیا
چنانچہ میں باہر نکل آئی اور پورا با ڈاکو بن کر یہاں آ گئی"
شیلا نے کہا۔
"لیکن اگر اصلی پورا با ڈاکو آ گیا تو کیا ہو گا؟ تم کہاں جاؤ
گی؟"
کیٹی بولی۔
"وہ ابھی نہیں آئے گا اور جب آئے گا تو میں تمہیں ساتھ
لے کر یہاں سے دور جا چکی ہوں گی"
شیلا خوش ہو کر کہنے لگی۔

"بھگوان کے لیے تم جو کوئی بھی ہو مجھے اپنے جادو ٹونے
کے زور سے یہاں سے نکال کر میرے ماتا پتا کے پاس
لے جاؤ"
کیٹی نے کہا۔
"اسی لیے تو میں یہاں آئی ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ آنکھیں
بند کرو۔ میں پھر پورا با ڈاکو بننا چاہتی ہوں۔ کیونکہ ان
کا سردار ڈاکو بن کر ہی میں تمہیں یہاں سے نکال کر
لے جا سکتی ہوں"
شیلا نے آنکھیں بند کر لیں۔ کیٹی نے آہستہ سے سیٹی بجائی۔
شیلا نے آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے ایک بار پھر وہی
خونخوار چہرے والا پورا با ڈاکو بیٹھا تھا۔ کیٹی نے اپنی مونچھوں
کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔
"اب میں باہر جا کر کہوں گی۔ بلکہ کہوں گا۔ کہ میں شیلا
کو اپنے ساتھ دوسرے گاؤں لے جا رہا ہوں۔ اور
دیکھ لینا کسی کی جرأت نہیں ہو گی کہ میرا راستہ روکے"
یہ بات ابھی اس کے منہ میں ہی تھی کہ اسے باہر سے آواز
سنائی دی۔
"تم لوگ جاگ رہے ہو کیا؟"
یہ اصلی پورا با ڈاکو کی آواز تھی۔ ڈاکو غصے سے پورا با ڈاکو

کو جنگل کی طرف سے آتے دیکھا تو پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر بولے۔

"سردار! تم؟"

"ہاں ساتھیو! مجھے راستے میں ایک دوست ڈاکو مل گیا۔ اس نے بتایا کہ ٹھاکر مدراس گیا ہوا ہے۔ بس میں واپس آگیا۔ مگر تم مجھے اس طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

شامو ڈاکو کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"سردار اگر تم یہاں بیٹھے ہو تو جھونپڑے کے اندر کون ہے؟"

اصلی پوڑیا ڈاکو نے بجھی ہوئی آگ کریدتے ہوئے کہا۔

"ارے اندر میرا شکار شیلا ہے اور کون ہے"

ڈاکو بولا۔

"نہیں سردار — اندر بھی تم ہو۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" پوڑیا ڈاکو نے کہا۔

شامو بولا۔

"سردار ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔ تم ابھی ابھی پہلے بھی آئے تھے اور یہ کہہ کر جھونپڑے میں ہماری آنکھوں کے سامنے چلے گئے کہ تم آرام کرنا چاہتے ہو۔"

پوڑیا ڈاکو ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بندوق کا رخ جھونپڑی کی طرف کر لیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی جعل ساز بہروپیے نے میرا روپ بدل لیا ہوگا۔"

پھر پوڑیا ڈاکو نے گرج کر کہا۔

"باہر نکلو۔ کون ہو تم اندر؟"

شیلا بے چاری تھر تھر کانپنے لگی۔ اس نے کملا سے کہا۔

"کملا اب کیا ہوگا؟"

کیٹی اب تک پوڑیا ڈاکو کے بھیس میں تھی۔ کہنے لگی۔

"گھبراتی کیوں ہو۔ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم آنکھیں بند کرو۔"

شیلا نے آنکھیں بند کر لیں۔ کیٹی نے ایک چھوٹے سیاہ سانپ کا تصور کیا اور سیٹی بجا دی۔ سیٹی کے بجاتے ہی وہ سانپ بن کر جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔ شیلا نے آنکھیں کھولیں تو جھونپڑی میں سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔

باہر پوڑیا ڈاکو کی ایک اور گرج سنائی دی۔

"باہر نکلو۔ کون ہو تم؟"

شیلا نے جھونپڑی کا دروازہ کھول کر کہا۔

"کس کو آوازیں دے رہے ہو۔ اندر کوئی نہیں۔ میں

ہی ہوں۔ مجھے گولی مار دو۔"

پورا با ڈاکو بندوق تانے جھونپڑی کے اندر آگیا۔ دئیے کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ جھونپڑی بالکل خالی تھی۔ وہ جھٹ باہر نکلا اور ڈاکو ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کہاں ہے وہ بہروپیا۔ تم جھوٹ بول رہے تھے کیا؟"

سارے ڈاکو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھگوان کی قسم کھا کر ایک زبان ہو کر کہا کہ سردار! ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے خود اس شخص کو جس کی شکل ہو بہو تمہاری تھی اس جھونپڑی میں جاتے دیکھا ہے۔

سردار بولا۔

"تو پھر وہ کہاں چلا گیا؟"

شامو بولا۔

"سردار! وہ بہروپیا ضرور کوئی جادوگر تھا۔ غائب ہو گیا ہے۔"

سردار نے قہقہہ لگایا۔

"مجھ سے بڑا کوئی جادوگر نہیں ہے۔ تمہاری آنکھوں کو دھوکہ ہوا ہے۔"

شامو ڈاکو نے کہا۔

"ہو سکتا ہے سردار ہماری آنکھوں کو دھوکہ ہوا ہو۔"

اس نے سوچا کہ چلو اسی طرح سے جان چھوٹ جائے۔ پورا با ڈاکو آگ کے پاس گھاس پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"چلو سب سو جاؤ۔ مگر جھونپڑی پر پہرہ لگا رہے مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

پورا با ڈاکو کے لیٹ جانے سے دوسرے ڈاکو بھی وہیں لیٹ گئے۔ دو جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے لگے۔ ایک نے دوسرے کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"بھائی کیا پتہ یہ بھی کوئی نقلی سردار ہو۔"

دوسرے ڈاکو نے آنکھ مار کر کہا۔

"نہیں کیا۔ ہمیں تو پہرہ دینا ہے۔ خاموش رہو۔"

ادھر کیٹی سانپ کے روپ میں جھونپڑی سے تھوڑی ہی دور جھاڑی میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اگر اصلی پورا با ڈاکو وہاں نہ آجاتا تو وہ شیلا کو وہاں سے نکال کر لیجا چکی ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ عین موقع پر آگیا۔ اب وہ اسے کس طرح سے وہاں سے نکالے؟

کیٹی سانپ کے روپ میں یہی سوچ رہی تھی۔ وہ سانپ بن چکی تھی مگر لوگوں کو یونہی ہلاک کرنے کی اسے اجازت نہیں تھی۔ وہ صرف اسی صورت میں کسی کو مار سکتی تھی جب اس کی اپنی جان کو خطرہ ہو۔ اور یہاں اس کی اپنی جان کو خطرہ نہیں

تھا۔ بلکہ وہ شیلا کو وہاں سے نکال کر لے جانا چاہتی تھی۔
کیٹی ساری رات جھاڑیوں میں بیٹھی رہی۔ دوسرے دن
وہ وہاں سے رینگتی ہوئی ڈاکوؤں کے ٹھکانے کے بالکل قریب
جاکر چھپ گئی تاکہ ان کی آپس کی باتوں کو سن سکے۔ ڈاکو
سو کر اٹھ چکے تھے۔ اچانک ایک ڈاکو نے سردار کو آکر بتایا
کہ کنوئیں میں جس عورت کو ہم نے قید کر رکھا تھا وہ غائب
ہو گئی ہے۔ چوریا ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھا اور کنوئیں کی طرف گیا۔
کنواں وہیں پاس ہی تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ کنواں بالکل
خالی تھا۔ اس نے بھڑک کر کہا۔

"کون لے گیا میرے قیدی کو؟"

ڈاکو نے کہا۔

"سردار! اس اندھے کنوئیں سے کون باہر نکل سکتا
ہے۔ ضرور یہ اسی بہروپیئے جادوگر کا کام ہے جو
تمہارا روپ بدل کر یہاں آیا تھا"

ڈاکو چوریا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا
"لگتا ہے یہاں کسی آسیب نے قبضہ کر لیا ہے۔
یہاں سے بوریا بستر اٹھا کر کسی دوسری جگہ ٹھکانہ
بناؤ ابھی۔ اسی وقت ——— !"

"جو حکم سردار!"

ڈاکوؤں نے چیزیں اٹھا کر گھوڑے پر لاد دیں۔ جھونپڑی
سے شیلا کو نکال کر اس کے ہاتھ باندھ کر گھوڑے پر بٹھایا
اور وہاں سے کوچ کر دیا۔ ڈاکوؤں کا قافلہ جنگل میں آگے
آگے جا رہا تھا اور ان کے پیچھے پیچھے سانپ کی شکل میں کیٹی
بھی جا رہی تھی۔ وہ اس انتظار میں تھی کہ اسے کوئی موقع
ملے اور وہ اپنی دوسری کسی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے
شیلا کو وہاں سے لے جائے۔

انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں

اب ہم عنبر کی خبر لیتے ہیں۔

عنبر لاہور میں امجد کے گارڈن ٹاؤن والے بنگلے میں رہ رہا تھا اور اب ناگ اور ماریا کی تلاش کے سلسلہ میں وہاں سے جانے ہی والا تھا۔ آپ یہ تو پڑھ ہی چکے ہیں کہ ناگ اور ماریا دو ہزار سال بعد کے ملک بابل کے صحراؤں اور میدانوں میں کیپٹن کو پر اسرار محل میں گم کرنے کے بعد اس کی تلاش میں گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے ہیں۔

عنبر بھی لاہور کو چھوڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اب اسے ناگ یا ماریا یا کیپٹن کے لاہور میں ملنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ وہ صبح اٹھ کر غسل کرتا۔ نماز پڑھتا اور پھر ناشتہ کرنے کے بعد سیر کرنے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ ایک روز رات کو اس نے امجد سے کہا۔

"امجد میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کل یہاں سے

روانہ ہو جاؤں گا۔"

امجد نے کہا۔

"انکل! کچھ روز اور میرے ہاں رہ جایئے۔ خدا جانے پھر کب ملاقات ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"مجھے ناگ اور ماریا کی یاد بہت ستا رہی ہے۔"

امجد بولا۔

"لیکن انکل! آپ سید ھا تو ان کے پاس بھی نہیں جا سکتے۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن میں یہاں سے نکل کر کسی جنگل یا صحرا کی طرف جاؤں گا تو شاید ناگ ماریا سے ملنے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ یہاں پڑے رہنے سے تو میں کبھی بھی ان سے نہیں مل سکتا۔"

امجد خاموش ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انکل عنبر نے اب جانے کا ارادہ کر لیا ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

وہ چاندنی رات تھی۔ عنبر سونے کے لیے اپنے کمرے میں گیا۔ تو اتفاق سے اپنی جادو کی سرخ نگینے والی انگوٹھی امجد کی میز پر ہی بھول گیا۔ اسے خیال بھی نہ آیا۔ نہیں تو جلدی سے واپس

جاکر دوبارہ پہن لیتا۔ باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ امجد عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی میز پر انکل عنبر کی سرخ نگینے والی انگوٹھی پڑی ہے۔ امجد مسکرایا۔

"انکل آج انگوٹھی پہننا بھول گئے ہیں"

امجد نے میز پر سے انگوٹھی اٹھا لی۔ اس خیال سے کہ وہ اسے دراز میں سنبھال کر رکھ دے گا۔ دراز میں رکھنے سے پہلے امجد نے انگوٹھی کو جیب سے رومال نکال کر چمکانے کے لیے رگڑنا شروع کر دیا۔ جونہی اس نے رگڑنے کے بعد رومال ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ انگوٹھی کے نگینے میں ایک شہر کی سڑک دکھائی دے رہی ہے۔ کاریں بسیں لوگ آجا رہے ہیں۔ سڑک کی دونوں جانب بڑی بڑی خوب صورت اور بلند بلڈنگیں کھڑی ہیں۔ امجد حیرانی سے اس خوب صورت بازار کو تکنے لگا۔

"اس نے کہا کاش میں اس بازار کی سیر کر سکتا"

اتنا کہنا تھا کہ اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی بہت کوشش کی مگر نہ کھول سکا۔ پھر اسے یوں لگا جیسے وہ زمین سے اچھل کر ہوا میں اڑ رہا ہے۔ اب ایک بار پھر اس نے

آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں اڑا جا رہا ہے مگر کوشش کے باوجود وہ نہ کھول سکا۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں زمین پر جا کر لگ گئے ہیں اور اس کی آنکھوں کے پپوٹے اپنے آپ اوپر اٹھ گئے ہیں کیا دیکھتا ہے کہ وہ اسی سڑک کنارے فٹ پاتھ پر کھڑا ہے۔ اس نے پتلون قمیض اور چپل پہن رکھی ہے۔

امجد حیرت بھری نظروں سے آتے جاتے لوگوں اور اونچی اونچی عمارتوں کو دیکھنے لگا یا اللہ! یہ کیا جادو ہو گیا ہے۔ میں کہاں سے کہاں آ گیا ہوں۔ اس نے اپنا ہاتھ دیکھا سرخ نگینے والی جادو کی انگوٹھی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے جلدی سے انگوٹھی پتلون کی جیب میں ڈال لی اور فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ وہ اس بازار سے نکل کر ایک پل پر آ گیا۔ بازاروں کی دکانوں پر بورڈ انگریزی اور ہندی زبانوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ایک جگہ انگریزی میں شہر کا نام بمبئی لکھا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ایک سیکنڈ میں وہ بغیر پاسپورٹ اور ویزے کے لاہور سے بمبئی کیسے پہنچ گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ پل کے نیچے ایک دریا بہہ رہا تھا۔

امجد کے پاس بھارتی کرنسی میں کوئی پیسہ نہیں تھا۔ اچانک

پیچھے پیچھے دو لڑکے بھاگتے ہوئے آئے ان کے پیچھے پولیس
لگی ہوئی تھی۔ اور لوگ پکڑو پکڑو چور چور کا شور مچا رہے تھے۔
جانے امجد کے دل میں کیا آئی اس نے بھی آگے آگے دوڑنا
شروع کر دیا۔ دونوں لڑکے تو آگے نکل گئے۔ پولیس نے
امجد کو پکڑ لیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ ایک آدمی نے چلا کر کہا۔

"اسی نے میری جیب کاٹی تھی۔ اسی کے پاس میرا
بٹوہ ہے"

سپاہی نے امجد کی تلاشی لینی شروع کی تو اسے سب سے
پہلے جادوئی سرخ نگینے والی انگوٹھی کا خیال آگیا۔ اسے معلوم
تھا کہ سپاہی اس کی انگوٹھی ہڑپ کر لے گا۔ اس نے
جلدی سے جیب سے انگوٹھی نکال کر دریا میں پھینک دی۔
یہ سوچ کر سپاہی کو انگوٹھی مل گئی تو جانے کیا انقلاب
آجائے اور کہیں انکل عنبر کو اس کی وجہ سے کوئی نقصان
نہ پہنچ جائے۔ دریا میں پھینکنے سے کم از کم انکل عنبر کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔
امجد کی تلاشی لی گئی تو اس کی جیب سے کچھ بھی نہ نکلا۔
پولیس کا سپاہی بولا۔

"یہ چوروں کا ساتھی ہے۔ اسے تھانے لے چلو"

پولیس امجد کو پکڑ اپنی ویگن میں بٹھا کر تھانے لے آئی۔
وہاں ایک موٹا تھانیدار ڈنڈا میز پر رکھے بیٹھا تھا۔ سپاہی

نے اسے بتایا کہ یہ لڑکا ایک سیٹھ کی جیب کاٹ
کر بھاگا تھا اور اس نے بٹوہ اپنے کسی ساتھی کو پکڑا دیا ہے
تو تھانیدار نے ڈنڈا میز پر زور سے مارا اور ریچھ کی طرح
غرایا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

امجد نے کہا۔

"امجد"

"کہاں رہتے ہو تم؟"

اب امجد اسے کیسے بتاتا کہ وہ لاہور پاکستان کا رہنے
والا ہے۔ پھر اس سے پاسپورٹ پوچھا جاتا۔ اس نے
یونہی کہہ دیا۔

"سٹیشن پر آیا ہوں"

تھانیدار نے مسکرا کر کہا۔

"ہوں، سمجھ گیا۔ پورے چور ہو۔ کوئی بات نہیں"

سپاہیوں سے کہنے لگا۔

"اسے حوالات میں بند کر دو"

امجد کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ تین دن وہ حوالات
میں بند رہا اور سخت بری حالت ہو گئی۔ آخر اس نے
تھانیدار کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ پاکستان سے آیا ہے۔

تھانیدار نے یہ کیس فوج کو دے دیا۔ فوج کی ملٹری پولیس امجد کو پکڑ کر لے گئی۔ اسے ملٹری کی حوالات میں بند کر دیا گیا اور اس سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی کہ وہ کون ہے اور کب سے پاکستان کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ بھارتی فوج نے اسے پاکستانی جاسوس سمجھ لیا تھا۔

امجد کو سخت تکلیفیں دی گئیں۔ وہ بیمار پڑ گیا۔ بھارتی فوج نے اسے جیل میں بند کر دیا اور جاسوسی کے الزام میں اس پر مقدمہ چلنا شروع ہو گیا۔ بھارتی فوجی عدالت نے دو ہی دن میں امجد کے مقدمے کا فیصلہ کر دیا اور اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ امجد کا رنگ اڑ گیا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اسے خواب میں بھی کبھی خیال نہیں آسکتا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں جبکہ ابھی اس نے کالج میں داخلہ لینا ہے۔ اسے بھارت کے ایک شہر میں جاسوسی کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ اسے اپنے ماں باپ اور محبت کرنے والی بہن کا خیال آنے لگا۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ ان کا پیارا بیٹا پھانسی پر چڑھا دیا گیا ہے تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ اور کیا معلوم کہ انہیں پتہ ہی نہ چلے اور وہ ساری زندگی اس کے انتظار میں رو رو کر اپنی آنکھیں پھوڑ لیں۔ اس نے

بہت شور مچایا اور عدالت سے کہا کہ وہ جاسوس نہیں ہے۔ مگر اس کی ایک نہ سنی گئی اور اسی وقت اس کی پھانسی کی تاریخ اور وقت مقرر کر دیا گیا۔

امجد کو جیل کے اندر پھانسی کی کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ باہر سخت پہرہ لگا تھا۔ اندر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ امجد کو ماریا، ناگ اور عنبر کا خیال آیا کہ اگر اس وقت وہ ہوتے تو اس کی ضرور مدد کرتے۔ لیکن ان میں سے کسی کو اس کے انجام کی خبر نہیں تھی۔ عنبر نے لاہور میں جب صبح اٹھ کر دیکھا کہ امجد رات بھر سے غائب ہے تو پریشان ہوا۔ گھر والے بھی گھبرا گئے کہ امجد ایک بار پھر غائب ہو گیا تھا۔ اچانک عنبر نے دیکھا کہ اس کی سرخ نگینے والی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اس نے رات امجد کی میز پر رکھی تھی۔ بہت تلاش کیا مگر انگوٹھی نہ ملی۔ عنبر سمجھ گیا کہ امجد نے بے خیالی میں انگوٹھی کو صاف کرنے کے لیے رگڑا ہو گا۔ سرخ نگینے میں کوئی منظر ابھرا ہو گا اور امجد اس منظر میں چلا گیا ہو گا۔ یہ بڑی تشویشناک بات تھی۔ امجد بے سمجھ تھا۔ خدا جانے انگوٹھی اسے کہاں، کس شہر میں، کس ملک میں اور کس زمانے میں لے گئی ہو گی۔ عنبر نے

امجد کے ماں باپ کو انگوٹھی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ یہی کہا کہ امجد کہیں کسی دوست کے ہاں رات ٹھہر گیا ہوگا۔ آ جائے گا۔

ادھر امجد کی پھانسی کا وقت قریب آ گیا۔ اس دنیا میں اس کی آخری رات آ گئی۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ رات کے پچھلے پہر پورے دو بجے اسے پھانسی ملنے والی تھی۔ پھانسی گھر کو صاف کر دیا گیا تھا۔ تختہ لا کر لٹکا دیا گیا تھا۔ فوجی افسر، مجسٹریٹ اور ڈاکٹر کے بیٹھنے کے لیے کرسیاں لا کر رکھ دی گئی تھیں۔ پھانسی دینے والا جلاد بھی دوسرے شہر سے بلوا لیا گیا تھا۔

امجد پھانسی کی کوٹھری میں اکڑوں بیٹھا اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا تھا۔ اسے انگوٹھی کا خیال آ رہا تھا کہ اس نے کیوں اسے دریا میں پھینک دیا۔ پھر خیال آیا کہ اگر اسے دریا میں نہ پھینکتا تو بھارتی پولیس والے اسے چھین لیتے۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا اس کا دل بیٹھتا جا رہا تھا۔ رنگ پیلا پڑ رہا تھا۔ چہرہ اتر گیا تھا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔

جب رات کا ایک بجا تو امجد کو گرم پانی سے نہلا کر پھانسی کے کالے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ امجد کی آنکھوں میں ماں

باپ اور بہن کو یاد کر کے آنسو آ گئے۔ جیل کے وارڈن نے اگر امجد سے پوچھا۔

"اگر کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دو۔ وہ پوری کر دی جائے گی"

امجد کو مچھلی بہت پسند تھی اور بمبئی شہر میں ثابت مچھلی کو تلنے کا بہت رواج تھا۔ امجد کے دل میں خیال آیا کہ مرنا تو ہے ہی، آخری بار مچھلی ہی کھا لیں۔ اس نے کہا۔

"میرا دل تلی ہوئی مچھلی کھانے کو چاہتا ہے"

وارڈن مسکرایا۔

"فکر نہ کرو۔ رات جیل کے باورچی خانے میں دریا کی بہت سی مچھلی آئی تھی اور تلی گئی تھی۔ میں ابھی تمہارے لیے لے کر آتا ہوں"

وارڈن چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں تھالی پکڑی ہوئی تھی جس میں چار تلی ہوئی ثابت مچھلیاں رکھی تھیں۔

"یہ لو جی بھر کر کھاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کا آخری کھانا ہے"

مچھلی کا تھال امجد کے آگے رکھ کر وارڈن چلا گیا۔ امجد روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مچھلی کھانے لگا۔ یہ سوچ کر

اس کا دل بھر آرہا تھا۔ کہ یہ اس کی زندگی کا آخری کھانا ہے
اور اس کے بعد وہ قبر کی تاریکی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا
جائے گا۔ اس کا دل بالکل کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن یونہی
اس نے ایک مچھلی کھا کر دوسری مچھلی کھائی تو اس کے پیٹ کے
اندر سے انکل عنبر کی سُرخ نگینے والی جادوئی انگوٹھی تھالی میں
آن گری۔

پہلے تو امجد کو یقین نہ آیا کہ یہ وہی جادوئی انگوٹھی ہے
جو اسے لاہور سے اٹھا کر یہاں پھانسی کی کوٹھڑی تک لے آئی
تھی۔ جب اس نے اسے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا تو
وہ وہی انگوٹھی تھی۔ امجد نے جلدی سے اسے تھالی کے
نیچے چھپا دیا کہ کہیں وارڈن نہ آجائے۔ اتنے میں وارڈن
اور جیل کا ڈاکٹر امجد کا آخری معائنہ کرنے کے لیے آگئے۔
وارڈن نے کہا۔

"تمہاری زندگی کا صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ گیا ہے
ڈاکٹر تمہارا معائنہ کریں گے۔ اب مچھلی کو چھوڑ دو۔"

امجد نے ہاتھ اٹھا لیا۔ ڈاکٹر نے امجد کے دل پر ٹوٹی لگا
کر دیکھا اور پھر بلڈ پریشر چیک کیا اور کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ پھانسی کے لیے بالکل فٹ ہے۔"

وارڈن نے کہا۔

"ہمارے ملک کے خلاف جاسوسی کرنے والوں کی یہی
سزا ہوتی ہے۔ اٹھو اب ہمارے ساتھ پھانسی
کے تختے تک جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

امجد نے سوچا کہ اگر وہ اٹھا تو انگوٹھی وہیں رہ جائے گی۔
بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں۔ میں نماز پڑھ کر خدا سے آخری
بار دعا مانگنا چاہتا ہوں۔"

وارڈن نے کہا۔

"پڑھ لو۔ نماز بھی پڑھ لو۔ میں تمہیں اجازت دیتا
ہوں۔"

امجد نے کہا۔

"میں اکیلا نماز پڑھنا چاہتا ہوں تم لوگ تھوڑی
دیر کے لیے کوٹھڑی سے باہر چلے جاؤ۔"

وارڈن باہر جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ اتنی
چھوٹی سی کوٹھڑی سے یہ کہاں فرار ہو جائے گا۔ بھلا جس
کے باہر سنتری پہرہ لگا ہوا ہے۔ اس نے کہا۔

"میں تمہیں صرف پانچ منٹ دوں گا۔ اس عرصے
میں جو مذہبی کام کرنا ہے کر لو۔ پانچ منٹ بعد تمہیں
ہمارے ساتھ پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالنے کے

لیے چلنا ہوگا۔"

امجد نے کمزور سی آواز میں کہا

"اچھا۔"

وارڈن نے ڈاکٹر کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

ان کے باہر جاتے ہی امجد نے جلدی سے تھالی کے نیچے سے بادو کی انگوٹھی نکالی۔ ابھی راتیں چاندنی تھیں۔ جیل کی کوٹھڑیوں کے اوپر آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ امجد نے انگوٹھی کو ہاتھ سے زور زور سے رگڑا اور اللہ کا نام لے کر سرخ نگینے میں دیکھا۔

اس نگینے میں ایک منظر نظر آیا۔ یہ منظر اس کا جانا پہچانا تھا۔ یہ ان کی گارڈن ٹاؤن لاہور والی کوٹھی کا لان تھا۔ لان میں چاندنی کھلی ہوئی تھی اور کونے میں بنگلے کے پاس پانی دینے والا ربڑ کا پائپ پڑا ہوا تھا۔ امجد کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اسے وارڈن کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ کوٹھڑی کی طرف آ رہا تھا۔ امجد نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا سے دعا کی۔

"یا اللہ! مجھے میرے گھر پہنچا دے۔"

امجد کو ایک جھٹکا لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہوا

میں اڑتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور کوشش کے باوجود نہیں کھل رہی تھیں۔ مگر امجد آنکھیں کھولنی بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے پاؤں ٹھنڈی گھاس پر لگے اور اس کی آنکھیں اپنے آپ کھل گئیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے بنگلے کے لان میں کھڑا ہے۔ وہ انہی کپڑوں میں ہے جن کپڑوں میں وہاں سے گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے والد نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

"ابو! میں ہوں امجد!"

اس کے والد نے دروازہ کھول دیا۔

"یہ بہت بری بات ہے امجد! تم کہاں چلے جاتے ہو چکے سے؟" میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا" چلو اندر آؤ۔ بدتمیز کہیں کا!"

امجد اپنے باپ کے پاؤں پر گر پڑا۔

"ابو مجھے معاف کر دیں۔ اللہ نے مجھے پھر سے زندگی دی ہے۔"

گھر میں شور مچ گیا کہ امجد آگیا ہے۔ سب جاگ پڑے۔ ماں اور بہن نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ عنبر بھی جاگ اٹھا۔

بلکہ وہ تو پہلے ہی جاگ رہا تھا۔ امجد نے انگوٹھی اس کو دے کر کہا۔

"خدا نے مجھے اس انگوٹھی کے ذریعے بچا لیا ہے انکل!"

"خدا کے لیے آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم واپس آ گئے۔"

جب امجد نے عنبر کو سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی سن کر حیران ہو گیا۔ اس نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن کر اسے چوم لیا اور امجد سے کہا۔

"تم خوش قسمت ہو امجد جو اپنی مرضی کے مطابق اس گھر میں واپس آ گئے۔ انگوٹھی نے تم پر بڑی مہربانی کی ہے۔"

امجد نے کہا۔

"انکل! میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

لیکن اس نے گھر میں کسی کو انگوٹھی اور اپنے غائب ہو کر پھانسی کی کوٹھڑی تک پہنچنے کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ ادھر جب وارڈن پھانسی کی کوٹھڑی میں داخل ہوا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ پھانسی کی کوٹھڑی سے مجرم فرار ہو چکا تھا۔ اپنے جی

"وہ بھاگ گیا۔"

وہ اپنے بال نوچنے لگا۔

"میں مارا گیا۔ ارے میں مارا گیا۔ میری نوکری چلی گئی۔ مجرم بھاگ گیا ———"

جیل میں چاروں طرف سپاہی پھیل گئے اور امجد کو تلاش کرنے لگے مگر اس وقت امجد اپنے لاہور والے گھر کے کمرے میں گہری نیند سو چکا تھا۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ جب امجد نے دریا کے پل کے اوپر سے گزرتے ہوئے اپنی سرخ نگینے والی انگوٹھی دریا میں پھینکی تھی تو دریا میں ایک مچھلی نے اسے ہڑپ کر لیا تھا۔ اور انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں چلی گئی تھی۔ کچھ روز بعد دریا کے کنارے ایک مچھیرے نے جال ڈالا تو دوسری مچھلیوں کے ساتھ وہ مچھلی بھی جال میں آ گئی۔ اتفاق سے جیل کے لیے جو مچھلیاں خریدی گئیں ان میں وہ مچھلی بھی موجود تھی اور پھر جب رات کو امجد نے زندگی کے آخری کھانے کے طور پر مچھلی مانگی تو خوش قسمتی سے وہی تلی ہوئی مچھلی امجد کی تھالی میں آ گئی جس کے پیٹ میں اس کی انگوٹھی تھی۔ سچ ہے۔ جسے اللہ رکھے۔ اسے کون چکھے!

عنبر اب انگوٹھی کو ایک پل کے لیے بھی نہیں اتارتا تھا۔ وہ اب لاہور سے واپس کسی طرح ناگ اور ماریا کے

پاس جانے کو بے تاب تھا۔ مگر اپنی مرضی سے ان کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔ آخر سونگ آگر اس نے ایک چاندنی رات کو انگوٹھی کو قمیض کے ساتھ زور سے رگڑ دیا۔ پھر ڈرتے ڈرتے سرخ نگینے کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نگینے میں ایک غار کا سین نظر آ رہا ہے۔ غار کی دیوار کے ساتھ ساتھ دونوں جانب خزانے کے ڈھیر لگے ہیں۔ سونے چاندی کے سکے، زیور، ہیرے موتیوں کے ہار بوریوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ زمین پر بھی جگہ جگہ اشرفیاں بکھری ہوئی ہیں۔

عنبر سوچنے لگا کہ یہ کیسا غار ہے جس میں اتنا خزانہ کھلا پڑا ہے۔ وہ یہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے وہاں ناگ ماریا اور گیتی دکھائی نہیں دے رہے تھے، مگر اب معاملہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگیں۔ عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

”نہیں۔ میں غار میں نہیں جاؤں گا۔ اے انگوٹھی! کم بخت مجھے ناگ ماریا کے پاس لے چلو۔“

لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس کے چھوٹے بھاری ہو کر اس کی آنکھوں پر گرتے جا رہے تھے۔ پھر اسے جھٹکا لگا اور وہ ہوا میں اچھل گیا۔ کچھ دیر ہوا میں تیرنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اسی غار میں پایا جو اس نے

انگوٹھی کے نگینے میں دیکھی تھی۔

غار میں خاموشی تھی اور اس کا دروازہ بند تھا۔ یہ غار کافی کھلا اور چوڑا تھا۔ جگہ جگہ خزانے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اچانک اسے آواز سنائی دی۔ یہ آواز غار کے باہر سے آ رہی تھی۔

”کھل جا سم سم!“

عنبر کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ علی بابا چالیس چور کے غار میں آ گیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ باہر سے ڈاکو لوٹ مار کر کے واپس غار میں آ رہے ہوں۔ وہ پتھر کے ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ غار کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ ایک لمبا دبلا پتلا آدمی اندر داخل ہوا اور اس نے بند ہو جا سم سم کہہ کر غار کا دروازہ پھر سے بند کر دیا۔ یہ آدمی خزانے کو للچائی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اتنی زیادہ دولت دیکھ کر پاگل ہو گیا ہے۔ وہ خزانے کے پاس جا کر کبھی ناچنے لگتا۔ کبھی اشرفیاں اٹھا کر جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔ اس نے سونے اور ہیرے موتیوں کے ہار اپنے گلے میں ڈال لیے۔ جب اس کی ساری جیبیں سونے اور جواہرات سے بھر گئیں تو وہ غار کے بند دروازے کے پاس گیا ہی تھا کہ باہر سے گھوڑے کے قدموں کی آواز آئی۔ وہ آدمی سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ باہر سے ڈاکوؤں کے سردار نے بلند آواز

میں کہا۔

"کھل جا سم سم!"

غار کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ اور ڈاکو اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ان کا خزانہ چرا کر لیے جا رہا تھا تو اسے پکڑ لیا۔ سردار نے چلا کر کہا۔

"اس کی گردن اڑا دو"

اب عنبر ایک دم سے باہر نکل آیا۔

"ٹھہرو"

ڈاکو اور ان کا سردار تعجب سے عنبر کو تکنے لگے۔ سردار نے کہا۔

"اسے بھی قتل کر دو۔ یہ بھی اسی کا ساتھی ہے"

عنبر نے کہا۔

"پہلے مجھے قتل کرو"

سردار نے آگے بڑھ کر تلوار کا بھرپور وار عنبر کی گردن پر کیا۔ سردار کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ وہ کبھی اپنے ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی تلوار اور کبھی عنبر کی گردن کو دیکھنے لگے۔ عنبر نے کہا۔

"سنو! تم اگر اپنے سارے ڈاکوؤں کی تلواریں باری باری میری گردن پر مارو گے تو وہ ساری کی ساری

ٹوٹ جائیں گی"

سردار نے خنجر نکال کر عنبر کے پیٹ میں گھونپنا چاہا۔ خنجر بھی ٹوٹ گیا اور سردار منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ دوسرے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ مگر وہ سب ایک ایک کرکے زمین پر الٹ الٹ کر گرتے گئے۔ سردار نے ہاتھ بلند کرکے کہا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ"

سارے ڈاکو پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سردار نے عنبر سے پوچھا۔

"تم کون ہو"

عنبر نے کہا۔

"میں اس ملک کا سب سے بڑا جادوگر ہوں اور یہ جادو کا اثر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے ہلاک نہیں کر سکتی۔ اور یہ میرا شاگرد ہے"

ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"مگر یہ ہمارا خزانہ چرا کر لے جا رہا تھا"

عنبر نے کہا۔

یہ میرے حکم سے تمہارا خزانہ لے کر جا رہا تھا۔ میں اگر چاہوں تو اب بھی تمہارے سارے خزانے تمہارے ڈاکوؤں سمیت غائب کر سکتا ہوں۔ تم میری طاقت دیکھ چکے ہو"

سردار خوف زدہ ہو چکا ہے۔ اس نے عنبر کی طاقت دیکھ لی تھی، کہنے لگا۔

"میں اس آدمی کو معاف کرتا ہوں۔ لیکن تم میرے غار میں کیا کرنے آئے تھے؟"

عنبر نے جھٹ کہا۔

"میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ اس خزانے میں جہاں بادشاہوں اور امیر سوداگروں کا مال ہے وہاں تم نے غریبوں کی چیزیں بھی لوٹ کر جمع کر رکھی ہیں۔ بتاؤ وہ کہاں کہاں ہیں؟"

عنبر کو یہی ایک خیال سوجھا تھا کہ یہ ڈاکو لوگ ہیں جہاں امیروں کو لوٹتے ہیں وہاں ضرور غریبوں کے گھروں کا صفایا کرتے ہوں گے۔ اس کا اندازہ درست نکلا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"ہم نے کبھی کسی غریب کے گھر کو نہیں لوٹا۔ مگر ہاں پچھلے دنوں میرا ایک ساتھی ایک بیوہ عورت کے گھر سے اس کا خاندانی سونے کا ہار لوٹ کر لے آیا تھا۔ تم وہ ہار لے جا کر اس عورت کو دے سکتے ہو۔ اس کے سوا میرے پاس یہ ساری دولت بادشاہوں اور امیر لوگوں کے خزانوں سے لوٹی ہوئی ہیں۔"

عنبر نے پوچھا۔

"اس بیوہ عورت کا گھر کہاں ہے؟"

ایک ڈاکو بولا۔

"شہر بغداد کی کھجوروں والی گلی کے آخری کوٹھے پر ہے۔"

عنبر نے بیوہ عورت کا سونے کا ہار لے کر اپنی جیب میں رکھا اور کہا۔

"اب ہمیں دو گھوڑے دو، تاکہ ہم یہاں سے شہر جا سکیں۔"

ڈاکو کے سردار کا اگر بس چلتا تو وہ عنبر کے ٹکڑے اڑا دیتا۔ مگر اس کی طاقت کے آگے وہ مجبور اور بے بس تھا اس نے کہا۔

"باہر ہمارے گھوڑے کھڑے ہیں۔ ان میں سے دو گھوڑے تم لے جا سکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا تمہیں بھی وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کون سی بات کا وعدہ؟" عنبر نے پوچھا۔

سردار نے کہا۔

"کہ تم اس غار کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

سردار بولا۔

"مجھے تم پر اعتماد ہے۔ میں تم پر یقین کرتا ہوں۔"

تم جا سکتے ہو۔"

عنبر نے اس لالچی آدمی کو ساتھ لیا اور غار سے باہر نکل آیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بند ہو جا سم سم کہہ کر غار کا دروازہ دوبارہ بند کر لیا۔

باہر آکر عنبر نے اس آدمی سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

وہ آدمی بولا۔

"کاش میں سونے کی ایک اشرفی ہی اپنے ساتھ لے آتا۔ لیکن ڈاکوؤں نے میرا سارا جمع کیا ہوا مال واپس لے لیا۔"

پھر عنبر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

"میرا نام واثق ہے۔ میں بغداد کا موچی ہوں مجھے علی بابا کی نوکرانی مرجینا نے اس غار کا پتہ بتایا تھا اور میں خزانے کے لالچ میں یہاں آگیا میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے اپنے جادو کے زور سے میری جان بچالی۔ ورنہ ڈاکو میری بوٹی بوٹی کر دیتے۔"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ واثق موچی بھی دوسرے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے کہا۔

"میں بغداد شہر سے واقف نہیں ہوں، تم مجھے

شہر کا راستہ بتانا اور مجھے بیوہ کے گھر تک پہنچا دو۔ میں اسے اس کی امانت واپس کرنا چاہتا ہوں۔"

واثق موچی نے کہا۔

"میں آپ کو پہنچا دوں گا۔"

پھر گھوڑے کو آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

"جناب! اس بیوہ کو اتنا قیمتی ہار آپ کہاں تکلیف کر کے دیں گے۔ مجھے دے دیں میں خود اسے پہنچا دوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"تم ایک لالچی انسان ہو واثق! میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔"

"جیسے آپ کی مرضی جناب!"

اور وہ شہر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

تیسرے پہر کا وقت تھا۔ دھوپ ڈھلنے لگی تھی۔ وہ صحرا میں سے گزرتے ہوئے شہر بغداد کے بڑے دروازے میں سے گزر کر شہر کے اندر آگئے۔ انہوں نے گھوڑے ایک جگہ باندھ دیئے۔ کیونکہ آگے شہر کی گلیاں بہت تنگ تھیں اور گھوڑے اندر نہیں جا سکتے تھے۔ واثق موچی عنبر کو لے کر بیوہ کے گھر میں آگیا۔ وہ اسے بیوہ کے گھر میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ عنبر نے بیوہ عورت کو اس کا ہار واپس کرتے ہوئے کہا۔

نے ریشمی سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ عورت نے کہا۔

"بیٹی رخسانہ! یہ میرے بھائی ہیں۔ ہمارا سونے کا جو ہار چوری ہو گیا تھا، وہ واپس لائے ہیں"

رخسانہ نے کہا۔

"کہیں یہ بھی ڈاکوؤں کے ساتھی تو نہیں ہیں اماں؟"

عنبر کو رخسانہ کی یہ بات بڑی لگی۔ اس کی ماں نے کہا۔

"ارے نہیں بیٹی! یہ تو ہمارے ہمدرد ہیں"

رخسانہ نے عنبر سے پوچھا۔

"آپ کو یہ ہار کہاں ملا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ڈاکوؤں کے غار میں گیا تھا۔ اور وہاں سے اسے آپ کے لیے واپس لایا ہوں"

رخسانہ ہنس پڑی۔

"پھر آپ ضرور ڈاکوؤں کے ساتھی ہیں۔ ان کی غار میں کوئی دوسرا آدمی نہیں جا سکتا"

عنبر نے کہا۔

"اور وہ کسی کو یہ ہار دے بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے اگر مجھے دیا ہے تو اس کی کوئی اچھی اور نیک وجہ ہی ہو گی"

بیوہ عورت نے کہا۔

"بہن! یہ تمہاری امانت ہی ہے نا؟"

بیوہ عورت نے اپنا ہار دیکھا تو خوش ہو کر بولی۔

"خدا تیرا بھلا کرے بھائی۔ تو نے اسے کہاں سے لیا۔ یہ تو ڈاکو چرا کر لے گئے تھے"

عنبر نے کہا۔

"بس میں تمہارے لیے لے آیا ہوں بہن! اسے سنبھال کر اپنے پاس رکھنا"

بیوہ عورت بولی۔

"بھائی! یہ ہمارا خاندانی ہار ہے۔ اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رکھا ہوا تھا کہ ڈاکو اڑا کر لے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم اسے واپس لے آئے"

عنبر نے کہا۔

"مجھے یہاں تمہاری بیٹی نظر نہیں آ رہی بہن؟"

عورت بولی۔

"بھائی وہ شاہ بہرام کی حویلی میں کام کرنے گئی ہوئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گی"

عنبر کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں بہن! میں نے ویسے ہی پوچھا تھا"

عنبر جانے لگا تو دروازے کا پردہ ہٹا اور بیوہ عورت کی بیٹی اندر داخل ہوئی۔ وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی جس

"بیٹی تم مہمان سے کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔"
اس نے عنبر سے کہا بیٹھو بھائی! میں تمہارے لیے دودھ
گرم کرکے لاتی ہوں۔
عنبر نے کہا۔
"نہیں بہن! تمہارا شکریہ۔ میں جا رہا ہوں مجھے جلدی
ہے۔"
اور عنبر رضانہ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے گھر سے باہر نکل
آیا۔ اسے اس لڑکی کی بد مزاجی اور غرور اچھا نہیں لگا تھا۔
بجائے عنبر کا شکریہ ادا کرنے کے وہ اس پر ڈاکوؤں کے
ساتھی ہونے کا الزام لگانے لگی تھی۔ کچھ دیر وہ شہر کی پرانی
گلیوں میں گھومتا پھرا۔ پھر ایک باغ میں آکر درخت کے
نیچے بیٹھ گیا۔ اتنے میں کچھ سپاہی گھوڑے دوڑاتے گزر گئے۔
پھر کچھ لوگ پریشانی کے عالم میں بھاگتے ہوئے آئے۔ وہ شور
مچا رہے تھے۔
"لوگو! گھروں میں گھس جاؤ۔ چنگیز خاں کی فوج آگئی
ہے۔ چنگیز خاں کی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔"
لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا گھبراہٹ
میں بھاگنے لگا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ بغداد کا وہ دور ہے جب
چنگیز خاں نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔
اس شہر کی تباہی کا وقت آگیا تھا۔

خطرناک منصوبہ

عنبر وہاں سے اٹھ کر ایک ٹیلے کے پاس چبوترے پر جا کر بیٹھ
گیا۔
اس کے سر پر ایک گھنے درخت کا سایہ تھا۔ لوگ
پاگلوں کی طرح جان بچاتے بھاگ رہے تھے مگر عنبر بڑے
سکون کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ چنگیز خان کی فوج شہر میں داخل
ہو گئی۔ اور اس نے قتل عام اور لوٹ مار شروع کر دی۔ وہ جگہ
جگہ آگ لگا رہی تھی۔ بغداد کے تخت پر عیاش بادشاہ بیٹھا
تھا۔ جس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ اپنی رعایا اور ملک کی
حفاظت کر سکتا۔ چنگیز خان نے اسے قتل کر کے اس کا
سر قلعے کے اوپر لٹکا دیا اور محل پہ قبضہ کر لیا۔ شہر میں جگہ
جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ عنبر کو بیوہ عورت کا خیال
آگیا، کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہو گی۔ چنانچہ وہ اس
کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔
رات گہری ہو گئی تھی۔ گلیوں میں اندھیرا تھا۔ گھروں

سے لوگوں کے رونے کی دبی دبی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی گھر ایسا
نہیں تھا کہ جس کے ایک دو آدمی قتل نہ ہوئے ہوں۔ عنبر گلی کا
موڑ گھوما تو سامنے چنگیزی فوج کے دو سپاہی گشت کر رہے تھے۔
ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ عنبر کو دیکھ کر انہوں نے
اس سے کوئی پوچھے بغیر ہی حملہ کر دیا۔ اور وہ دونوں عنبر کے
ہاتھوں قتل ہو گئے۔ عنبر بیوہ کے مکان پر گیا تو معلوم ہوا کہ
بیوہ زندہ ہے مگر اس کی لڑکی رخسانہ کو فوجی اٹھا کر لے گئے
ہیں۔ عنبر کو بے حد رنج ہوا۔ اس نے عورت سے کہا۔

"بہن! تم فکر نہ کرو۔ میں تمہاری بیٹی رخسانہ کو واپس
لانے کی کوشش کروں گا۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ
وہ فوجی کون تھے؟"

بیوہ عورت نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے کہا۔

"بھائی! میں انہیں کیا جانوں۔ وہ کسی سپہ سالار
قولی کا ذکر کر رہے تھے۔"

عنبر نے عورت کو ایک بار پھر تسلی دی اور وہاں سے نکل آیا۔
اس نے بغداد کی تباہی اور چنگیز خاں کے بیٹے
سپہ سالار قولی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ چنگیز خاں کی فوج
کا بے حد دبدبہ اور خوف طاری تھا۔ اس فوج کے سپہ سالار کو
ملنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لیکن عنبر کو بھی چونکہ اپنی طاقت پر
بڑا بھروسہ تھا اس لیے وہ بے دھڑک ہو کر شہر کے ایک

باغ میں لگے ہوئے فوجی کیمپ میں پہنچ گیا۔ پہرے دار نے اس
کے سینے پر نیزہ رکھ دیا اور کڑک کر بولا

"کون ہو تم؟"

چنگیز خاں نے اس وقت قتل عام بند کرنے کا حکم دے رکھا
تھا۔ ورنہ اس کیمپ تک آنے کے جرم میں پہرے دار عنبر
پر حملہ کر دیتا۔ عنبر نے کہا۔

"میں قولی خان سے ملنے آیا ہوں۔"

دو تین اور سپاہی وہاں آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو سر سے پاؤں
تک دیکھا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پہرے دار
نے کہا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں افریقہ سے آیا ہوں۔ تاجر ہوں اور قولی خان سے
سے نادر جواہرات کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم جا کر میرا
نام لے دو۔ کہو کہ افریقہ کا سوداگر عنبر آیا ہے۔"

یہ شور سن کر خود قولی خان خیمے سے باہر آ گیا۔ اس نے
زرہ بکتر لگایا ہوا تھا اور کمر کے گرد تلوار لٹک رہی تھی۔ عنبر
نے اس کا چہرہ دیکھا جو ایک خونخوار جلاد کا چہرہ لگتا تھا۔

"کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟" وہ گرجا۔

عنبر نے کہا۔

"خان! میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ میں تنہا ہوں۔"

قولی خان ایک بہادر آدمی تھا۔ مسکرایا۔

"اندر آجاؤ۔"

عنبر کو لے کر وہ خیمے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک بہت کشادہ خیمہ تھا جس کے اندر ایک دوسرے خیمے کو راستہ جاتا تھا۔ وہاں ریشمی پردہ گرا ہوا تھا۔ فرش پر قالین اور تکئے بکھرے پڑے تھے۔ قولی خان شیر کی کھال کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کو اپنے سامنے فرش پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"خان! تمہارے خیمے میں اس وقت بغداد کی ایک بیوہ عورت کی بیٹی رخسانہ موجود ہے۔ تمہارے فوجی اسے اغواء کر کے لائے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ قولی خان غصے میں سرخ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بغل سے تلوار نکال کر لہرائی اور بولا۔

"تم کون ہوتے ہو اس لڑکی کے بارے میں پوچھنے والے۔ تمہیں اس گستاخی کی سزا میں خود دوں گا۔"

عنبر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے سوچا کہ اس نادان وحشی سردار کو سبق سکھانا چاہیئے۔ اس نے کہا۔

"قولی خان! میری بات غور سے سنو! تمہاری ساری فوج میں اس وقت کوئی نیزہ، کوئی خنجر، کوئی تلوار ایسی نہیں ہے جو مجھے قتل کر سکے۔ اگر یقین نہ آئے تو میری گردن پر وار کر کے دیکھ لو۔"

سپہ سالار قولی خان کو زندگی میں ایسا پہلا آدمی ملا تھا جس نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ بات کہی ہو۔ وہ کچھ ٹھٹھک سا گیا۔ لیکن آخر ایک خونخوار اور وحشی آدمی تھا۔ آگے بڑھا اور عنبر کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ عنبر کے سر سے ٹکرا کر تلوار ٹوٹ گئی۔ قولی خان حیرت کے عالم میں اپنی تلوار اور عنبر کے سر کو تکنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"خان! میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کوئی تلوار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیا اب بھی تم میرے سوال کا جواب نہ دو گے" اور میری بات نہ سنو گے؟"

قولی خان نے تخت پر سے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"کیا تم کوئی جادوگر ہو افریقہ کے؟"

عنبر بولا۔

"ہاں تم یہی سمجھ لو۔ یاد رکھو۔ تم اور تمہاری ساری فوج میرا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ لیکن میں جب اور جس وقت چاہوں تمہیں اور تمہاری فوج کو ہلاک کر

سکتا ہوں"

قولی خان عنبر کا منہ تکنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"اس بیوہ عورت کی لڑکی رخسانہ کو آزاد کر دو اور اسے اس کے گھر حفاظت سے پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

قولی خان نے تالی بجائی۔ دو حبشی غلام خیمے میں آ گئے۔ سپہ سالار نے کہا۔ "ہماری سب سے اعلیٰ کنیز رخسانہ کو حفاظت کے ساتھ اس کے گھر پہنچا دیا جائے۔"

حبشی غلام سلام کر کے خیمے سے نکل گئے۔ قولی خان نے کہا۔

"بیوہ کی بیٹی اس کے گھر پہنچ جائے گی۔ اب تم مجھے میرے ایک سوال کا جواب دو۔"

"پوچھیں" عنبر نے کہا۔

قولی خان بولا۔

"کیا تم مجھے وہ جادو سکھا سکتے ہو جس کی وجہ سے تم پر تلوار اثر نہیں کرتی؟"

عنبر مسکرایا۔ کہنے لگا۔

"خان صرف یہی ایک بات ایسی ہے جو میں نہیں کر سکتا۔ یہ جادو میرے اندر قدرت نے خود بخود پیدا کر دیا ہے۔ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔"

قولی خان خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

"آج شام میں تمہیں اپنے باپ چنگیز خان سے ملاؤں گا۔"

پھر طنز کے انداز میں ہنس کر بولا۔

"کیا تم چنگیز خان کو جانتے ہو؟"

عنبر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں چنگیز خان کے بارے میں جتنا جانتا ہوں اتنا تم بھی نہیں جانتے۔"

وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں تمہارے انجام سے بھی واقف ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تم جلد جنگ میں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ مگر تاریخ کے آنے والے واقعات کے بارے میں تاریخ کے کسی بھی کردار سے بات کرنا اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہ خاموش رہا۔ قولی خان نے عنبر کی خوب خاطر مدارت کی اور اسے وہیں اپنے خیمے میں ہی رات کو رکھا۔

دوسرے روز وہ خود اپنے باپ چنگیز خان کے پاس گیا۔ اور جا کر عنبر کے بارے میں پوری تفصیل سے بات کی۔ چنگیز خان تلوار زانو پر رکھے تخت پر بیٹھا ایک ہاتھ سے مونچھیں مروڑتے ہوئے اپنی عقابی آنکھوں سے بڑے غور سے بیٹے کو دیکھ بھی رہا تھا اور غور سے اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ جب قولی خان سپہ سالار اپنی بات ختم کر چکا تو چنگیز خان بولا۔

"اسے ہمارے دربار میں پیش کرو۔"
پھر کچھ سوچ کر چٹکی بجا کر کہنے لگا۔
"نہیں یہاں نہیں — اسے — ہمارے خاص خیمے میں بھیج دو۔ ہم وہاں جا کر اس کا انتظار کرتے ہیں"
قولی خان واپس چلا گیا اور پھر عنبر کو ساتھ لے کر چنگیز خان کے خیمہ خاص میں آگیا۔ عنبر نے اس سے پہلے بھی چنگیز خان کو دیکھا تھا مگر ایران میں دیکھا۔ اب وہ اسے بغداد میں دیکھ رہا تھا جہاں اس کی وحشت اور بربریت اپنے عروج پر تھی۔ چنگیز خان کو دیکھ کر عنبر کے دل پہ ایک بار پھر ہیبت سی چھا گئی۔ لیکن بہت جلد وہ اس ہیبت سے باہر نکل آیا۔ چنگیز خان نے عنبر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خیمے میں بالکل اکیلا تھا۔ عنبر قالین پر بیٹھ گیا۔ چنگیز خان نے تلوار نکال کر ہاتھ میں پکڑی۔ اسے تولا۔ پھر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر وار کر دیا۔ شاید وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ عنبر کے بارے میں جو کچھ اس کے بیٹے قولی خان نے کہا ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ عنبر بھی اس کے وار کو سمجھ گیا اور اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلا۔
چنگیز خان کا تلوار کا وار چونکہ بھرپور اور بے حد طاقتور تھا اس لیے عنبر کی چٹان سے بھی زیادہ سخت گردن سے ٹکرا کر اس کے چار ٹکڑے ہو گئے اور چنگیز خان کے ہاتھ میں صرف اس

دستہ رہ گیا۔ چنگیز خان جیسے سکتے میں آگیا۔ یہ وار اگر وہ پتھر پر کرتا تو اس کے بھی دو ٹکڑے ہو جاتے مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔
چنگیز عنبر کے قریب آگیا۔ اس نے دستہ پھینک دیا۔ وہ عنبر کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا۔ اور عقاب ایسی تیز چمکیلی نظروں سے عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔
"یہ جادو تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟"
عنبر مسکرایا۔
"خان اعظم! یہ وہ راز ہے جو میں کسی کو بھی نہیں بتا سکتا اور نہ ہی بتا سکتا ہوں"
چنگیز خان خاموش ہو گیا۔ پھر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ عنبر کے قریب آیا اور اس کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو دیکھ کر کہنے لگا۔
"کیا تمہارے جادو کا راز اس انگوٹھی میں ہے؟"
عنبر نے انگوٹھی اتار کر سامنے قالین پر رکھ دی اور کہا۔
"خان اعظم! اب میری گردن پر دوسرا وار کرو"
چنگیز خان بھی ایک وحشی سپاہی تھا۔ اس نے خیمے میں لٹکی ہوئی دوسری تلوار کھینچ کر عنبر کی گردن پر دوسرا وار کیا۔ یہ تلوار بھی عنبر کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ عنبر نے انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی۔ اور کہا۔

"اب تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ میرا جادو کسی انگوٹھی میں نہیں بلکہ میرے جسم کے اندر ہے"

چنگیز خان عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اگر تم مجھے یہ جادو سکھا دو تو میں ایک علاقے کا بادشاہ بنا دوں گا"

عنبر نے کہا۔

"خان اعظم! مجھے بادشاہ بننے کی کوئی خواہش نہیں۔ میں کئی بادشاہوں کا عبرتناک انجام دیکھ چکا ہوں۔ میں تمہارا بھی انجام دیکھ رہا ہوں"

چنگیز خان نے غصیلی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

عنبر کو محسوس ہوا کہ اسے ایک ایسی بات، جو تاریخ کا راز ہو، نہیں کہنی چاہیئے تھی۔ فوراً بات بدل کر بولا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ سب بادشاہوں کا انجام آخر کار یہی ہوتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں۔ پھر ایسی دولت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کا کیا فائدہ جسے ایک نہ ایک دن خاک میں مل جانا ہو گا"

چنگیز خان نے کہا۔

"کیا دنیا کی کوئی ایسی خواہش ہے جو تمہارے دل میں ہو اور جسے میں پورا کردوں اور پھر اس کے عوض

تم مجھے اپنے جادو کا راز بتا دو"

عنبر نے کہا

"میں ایک شرط پر ایسا کر سکتا ہوں"

"وہ کیا شرط ہے؟ جلدی بتاؤ۔ میں اسے ضرور پورا کردوں گا" چنگیز خان نے بے تابی سے کہا۔

عنبر بولا۔

"تمہاری فوج نے بغداد شہر کی جتنی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو گرفتار کیا ہے ان سب کو رہا کر دیا جائے"

چنگیز خان مسکرایا۔

"بس یہی خواہش ہے تمہاری؟ اسے میں ابھی ایک حکم دے کر پورا کر دیتا ہوں"

اس نے تالی بجائی۔ سپہ سالار اندر داخل ہوا۔ چنگیز خان نے اسے حکم دے دیا کہ شہر کے تمام بچوں، بوڑھوں عورتوں کو رہا کر دیا جائے۔ سپہ سالار قوبی خان نے سر جھکا کر کہا۔

"جو حکم خان اعظم!"

اور وہ تعجب سے اپنے باپ کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ کیونکہ کسی میں اتنی ہمت اور کسی کو اتنی اجازت نہیں تھی کہ وہ چنگیز خان کے کسی بھی حکم کے بارے میں کوئی سوال کر سکے۔

چنگیز خان نے عنبر سے کہا۔

"میں ایک بہادر سپاہی ہوں اور دنیا کا فاتح ہوں۔

میری بات کا یقین کرو۔ تھوڑی ہی دیر بعد بغداد شہر کی ساری قیدی عورتیں، بوڑھے اور بچے رہا کر دیئے جائیں گے۔ اب تم مجھے اپنے جادو کا راز بتاؤ"

عنبر نے اپنی انگوٹھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میرے جادو کا راز اس انگوٹھی میں ہے"

چنگیز خان بولا۔

"مگر تمہارے اندر تو اس انگوٹھی کے بغیر بھی جادو موجود تھا"

عنبر نے کہا۔

"یہ انگوٹھی تمہیں میرے ساتھ اس پہاڑی غار میں پہنچا دے گی جہاں جادو کا ایک چشمہ بہتا ہے۔ تمہیں اس چشمے میں نہانا ہو گا۔ نہانے کے بعد تمہارا جسم بھی میری طرح ہو جائے گا۔ اور تم پر کسی تیر تلوار خنجر اور نیزے کے وار کا اثر نہیں ہو گا"

چنگیز خان خوش ہو کر انگوٹھی کو غور سے دیکھنے لگا۔

"تو پھر مجھے اس انگوٹھی کے ذریعے اس پہاڑی غار کے چشمے پر لے چلو"

عنبر نے کہا۔

"ایسا صرف چاندنی رات میں ہی ہو سکتا ہے"

چنگیز خان بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں رات کا انتظار کرنا ہو گا۔ کیونکہ ابھی راتیں چاندنی ہوتی ہیں"

عنبر نے کہا۔

"ہاں خان اعظم! ابھی رات کا انتظار کرنا ہو گا"

پھر عنبر نے چنگیز خان سے کہا۔

"ایک بات سے میں تمہیں پہلے ہی خبردار کر دینا چاہتا ہوں"

"وہ کیا ہے؟" چنگیز خان نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"وہ یہ ہے کہ یہ انگوٹھی میرا حکم ضرور مانتی ہے مگر کبھی کبھی یہ اپنی مرضی سے بھی کسی دوسری جگہ پہنچا دیتی ہے۔ پھر وہیں چل کر جادو والے چشمے کے غار تک جانا ہو گا"

چنگیز خان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اس انگوٹھی کو میرا حکم ماننا پڑے گا۔ میں چنگیز خان ہوں۔ جہاں میں حکم دوں گا یہ وہیں پہنچائے گی"

عنبر نے کہا۔

"خان اعظم! میں نے تمہیں اس انگوٹھی کے خطرناک پہلو سے آگاہ کر دیا ہے۔ بعد میں مجھے کچھ نہ کہنا"

چنگیز خان نے کہا۔

"میں یہ خطرہ قبول کرتا ہوں۔ اگر ہم کسی دوسری جگہ پر بھی پہنچ گئے تو وہاں سے چل کر جادوئی چشمے کے غار تک پہنچ جائیں گے"

عنبر بولا۔

"ایک بات اور کرنا چاہتا ہوں"

"کرو۔ تمہیں اجازت ہے" چنگیز خان نے کہا۔

عنبر بولا۔

"ہم آج رات جادوئی سفر پر جا رہے ہیں۔ اس کا ذکر آپ ہرگز ہرگز کسی سے نہیں کریں گے، کیونکہ اگر آپ نے اس کا ذکر کسی دوسرے آدمی سے کر دیا تو یہ انگوٹھی ہمیں نہیں لے جائے گی"

"کوئی بات نہیں۔ ہم کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔ اب تم میرے دوسرے خیمے میں جاؤ۔ جب رات کو چاند نکل آئے گا تو میں تمہیں بلا لوں گا"

عنبر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ سپہ سالار قولی خان نے چنگیز خان کے حکم سے عنبر کو ساتھ والے خوب صورت خیمے میں بٹھا دیا اور کھانے پینے کی ہر چیز آگے رکھ دی اور اس سے پوچھا کہ چنگیز خان سے کیا باتیں ہوئیں۔ عنبر نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں"

قولی خان نے آگے سوال نہ کیا۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس

کے اور اس کے باپ کے درمیان جو باتیں بھی ہوئی ہیں چنگیز خان نے عنبر کو منع کر دیا ہو گا، کہ اس کا کسی سے ذکر نہ ہو۔ وہ خیمے سے نکل گیا۔ عنبر اکیلا رہ گیا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔ اصل میں چنگیز خان کے ساتھ اس نے ایک دلچسپ مذاق کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کی جادوئی انگوٹھی ان دونوں کو لے کر اپنے منظر میں پہنچا دے گی۔ وہ چنگیز خان کو ایک حیرت انگیز تجربہ کروانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ انگوٹھی میں جس ملک کا بھی نقشہ آ گیا وہ خان اعظم کو ساتھ لے کر اس میں داخل ہو جائے گا اور پھر اس کا تماشہ دیکھے گا۔ اس لیے اس نے اسے کسی دوسری جگہ پہنچ جانے کے خطرے سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ اب انگوٹھی انہیں لے کر چاہے جس ملک میں، جس دور میں، جس زمانے میں بھی پہنچ گئی چنگیز خان کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا۔

ادھر عنبر اور ادھر چنگیز خان بے چینی سے چاندنی رات کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر دن ڈوب گیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ بغداد شہر پر رات کا اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا اور اس کی چاندنی شہر کے گنبدوں اور میناروں کو منور کرنے لگی۔ جب چاند خوب چمکنے لگا تو چنگیز خان نے عنبر کو اپنے خیمے میں بلوایا۔ وہ عنبر کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے زرہ بکتر پہنا ہوا

تھا۔ سر پر گینڈے کے سینگوں والا خود پہن رکھا تھا۔ کمر کے
ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے عنبر سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"عنبر! کیا تم تیار ہو مجھے جادوئی چشمے پر اپنے ساتھ
لے جانے کے لیے؟"
عنبر نے کہا۔
"میں تیار ہوں۔ لیکن میں اس خطرے سے ایک بار پھر
آپ کو خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے انگوٹھی
کا جادو ہمیں ہماری منزل سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں
میل دور پہنچا دے۔"
چنگیز خان نے دانت چباتے ہوئے کہا۔
"اس کی تم فکر نہ کرو۔ اور بار بار تم مجھ سے خطرے کا
ذکر نہ کرو۔ خطروں سے کھیلنا ہی میرا کام ہے۔
میرے ساتھ شاہی محل کی چھت پر چلو۔ ہم وہاں
سے اپنا سفر شروع کریں گے۔"
چنگیز خان نے عنبر کو ساتھ لیا۔ خیمے سے نکل کر وہ الگ
الگ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شاہی محل کی طرف گھوڑے
ڈال دیئے۔ شاہی محل وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بہت جلد
وہ شاہی محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ چنگیز خان
کو دیکھ کر پہرے دار سجدے میں گر گئے۔ دروازے کھلتے چلے
گئے اور وہ دونوں شاہی محل کی چھت پر آگئے۔

چنگیز خان لاہور میں

محل کی چھت پر چاندنی کھلی ہوئی تھی۔
چنگیز خان نے عنبر سے کہا۔
"عنبر جادوگر! اپنی کاروائی شروع کرو۔"
عنبر نے کہا۔
"خانِ اعظم! کیا تم نے اپنی جیب میں کچھ سونے کی
اشرفیاں رکھ لی ہیں جو ہمیں آگے سفر میں کام آئیں
گی؟"
چنگیز خان بولا۔
"ہاں۔ فکر نہ کرو۔ میری جیب میں اشرفیوں سے
بھری ہوئی ایک تھیلی ہے۔"
عنبر نے چنگیز خان کو اپنے بالکل ساتھ کھڑا کر لیا اور پھر انگوٹھی
رگڑنے سے پہلے بولا۔
"میرا ہاتھ پکڑ لو خانِ اعظم۔"
عنبر نے انگوٹھی کو زور سے رگڑا اور دعا کی کہ اے خدا ہم

دونوں کو کسی ایسی جگہ پہنچا دے جہاں ہماری بھلائی ہو۔ چنگیز خان نے عنبر کے ہاتھ میں ہاتھ دے رکھا تھا۔ عنبر نے انگوٹھی کے نگینے میں دیکھا تو کسی ماڈرن شہر کی سڑک تھی جس کی بائیں طرف ایک پارک بنا ہوا تھا۔ پارک میں کچھ نوجوان والی بال کھیل رہے تھے۔ عنبر سمجھ گیا یہ لاہور ہے۔ ۱۹۸۳ کا لاہور ہے۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کو اب اسی شہر میں جانا تھا۔ چنگیز خان نے کہا۔

"میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں عنبر! میں انہیں نہیں کھول سکتا۔"

عنبر نے کہا۔

"میری بھی آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

پھر ان دونوں کو جھٹکا لگا اور وہ ہوا میں اُچھل کر تیرنے لگے۔ اس کے بعد ان کے پاؤں زمین پر آ کر لگ گئے۔ چنگیز خان نے آنکھیں کھول کر ارد گرد حیرانی سے دیکھا۔ وہ ایک عجیب و غریب دنیا میں آ گیا تھا۔ جہاں لوگ کوٹ پتلون پہنے پھر رہے تھے۔ دو منزلہ بس چل رہی تھی۔ سڑک پر کاریں دوڑ رہی تھیں۔ عنبر نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ وہ لاہور کے باغ جناح کو پہچان گیا۔ وہ باغِ جناح کے لارنس روڈ والے پارک میں تھے۔ چنگیز خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"عنبر! یہ ہم کس دنیا میں آ گئے ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"خان اعظم! میں نے آپ سے کہا تھا کہ انگوٹھی کبھی کبھی اپنی مرضی سے کسی دنیا میں پہنچا دیتی ہے۔ اس نے ہمیں تمہارے زمانے سے آٹھ سو سال آگے کے زمانے میں پہنچا دیا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عنبر؟" چنگیز خان نے حیرانی سے کہا۔

عنبر نے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں خان اعظم! تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ یہ ۱۹۸۳ عیسوی سن کا زمانہ ہے اور یہ پاکستان کا مشہور شہر لاہور ہے۔"

اب کچھ لوگ ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور چنگیز خان کے لباس کو دلچسپی سے تکنے لگے۔ ایک لڑکے نے عنبر سے پوچھا۔

"کیا آج یہاں کسی فلم کی شوٹنگ ہونے والی ہے؟"

چنگیز خان نے عنبر سے پوچھا۔

"یہ کس زبان میں بات کر رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ اردو زبان میں بات کر رہا ہے۔"

چنگیز خان نے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ خان اعظم کا ہمارے ملک میں آنا مبارک ہو۔"

چنگیز خان مسکرایا اور بولا۔

"انہیں کہو کہ ہم تمہارے بادشاہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسے بتاؤ کہ خان اعظم تمہارے ملک میں آیا ہے۔ دس گھوڑوں کی سواری بھیجے"

عنبر نے لڑکے سے کہا۔

"ہاں بھائی! آج ایک فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے جس کا نام 'چنگیز خان کا پھوپھا' ہے"

دوسرا لڑکا ہنسنے لگا۔

"جناب یہ جو آدمی کاسٹیوم پہنے بیٹھا ہے یہ چنگیز خان ہے کہ اس کا پھوپھا ہے؟"

چنگیز خان نے لڑکے کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔

"ضرور یہ ہماری تعریف کر رہا ہو گا"

عنبر نے کہا۔

"ہاں خان اعظم! یہ کہہ رہا ہے کہ چنگیز خان بہت بہادر

بادشاہ تھا اور ہم اس کی دعوت کرنا چاہتے ہیں"

چنگیز خان ہنس کر کہنے لگا۔

"اسے کہو کہ بادولت ضرور دعوت پر آئیں گے۔ کب ہو گی یہ دعوت؟"

اتنے میں اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے اور عنبر نے ان سب کو یہی کہا کہ فلم کی شوٹنگ ہونے والی ہے۔ ایک بڑے نے کہا۔

"سر! یہ جو چنگیز خان کی وردی پہنے بیٹھا ہے یہ اردو یا پنجابی میں بات کیوں نہیں کرتا؟"

چنگیز خان نے عنبر سے پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ ہم چنگیز خان کا بہت بڑا جلوس نکالیں گے"

چنگیز خان مسکرایا اور مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔

"اسے کہو کہ اپنے ملک کے بادشاہ سے کہو کہ ہمارے جلوس کے لیے ایک سو اونٹ دو سو ہاتھی ایک سو شیر لائے"

عنبر نے لوگوں سے کہا۔

"بھائیو! یہاں جھگڑا نہ بناؤ۔ اس چنگیز خان کے

پھوپھا کو دیکھتے جاؤ اور چلتے جاؤ"

اتنے میں ایک سپاہی وہاں آگیا۔

"اوئے یہاں کیا شور مچا رکھا ہے تم نے؟ یہ کون ہے اوئے۔ مجھے تو کوئی بینڈ ماسٹر لگتا ہے"

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"سنتری بادشاہ! یہ ایکٹر ہے۔ ہماری ایک فلم کی یہاں شوٹنگ ہونے والی ہے۔ ہم کیمرہ مین کا انتظار کر رہے ہیں"

سپاہی بولا۔

"اوئے تم نے شوٹنگ کی اجازت لی تھی؟ کہاں ہے اجازت نامہ؟"

چنگیز خان نے کہا۔

"یہ کون ہے عنبر اور کیا کہہ رہا ہے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"خانِ اعظم! یہ یہاں کا سرکاری شاعر ہے اور آپ کی شان میں قصیدہ یعنی شعر پڑھ رہا ہے"

"اس نے ہمیں نذر کیوں نہیں دی"

چنگیز خان نے غصے سے کہا اور تلوار نکال لی۔ سنتری نے شور مچا دیا۔

"یہ مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ میں اسے گرفتار کروں گا"

چنگیز خان نے گرج کر کہا۔

"عنبر! کیا یہ شاعر معافی مانگ رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں خانِ اعظم یہ معافی مانگتا ہے"

چنگیز خان نے تلوار نیام میں ڈال کر کہا۔

"ہم اسے معاف کرتے ہیں۔ نہیں تو ابھی اس کا سر قلم کر دیتے"

عنبر نے سپاہی کو ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بھائی! معاف کر دیں۔ یہ ایکٹر پاگل ہے"

"اوئے پاگل ہے تو اسے یہاں کیوں لائے ہو؟"

عنبر نے چنگیز خان کو ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

خانِ اعظم! جلدی کریں چلیں اس ملک کا بادشاہ شاہی محل میں آپ کا انتظار کر رہا ہے"

اور وہ اسے لے کر لارنس باغ سے باہر جانے والی سڑک پر آگیا۔ لڑکے ان کے پیچھے لگ گئے۔ اور مذاق اڑانے لگے۔

"چنگیز خان کا پھوپھا۔ ہائے ہائے۔ چنگیز خان کا ماما ہائے ہائے"

چنگیز خان نے پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

عنبر نے جلدی سے کہا۔

جناب یہ کہہ رہے ہیں کہ چنگیز خاں ہزار سال جیئے۔ چنگیز خان دس ہزار سال جیئے"

چنگیز خان بولا۔

"اچھی بات ہے ہم خوش ہوئے"

عنبر نے جلدی سے ایک ٹیکسی رکوائی۔ اس میں چنگیز خان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ حیران ہو کر بولا۔

"یہ کیا چیز ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"خان اعظم! بیٹھو۔ دیر ہو رہی ہے۔ یہ سواری ہے تمہارے لیے آئی ہے"

چنگیز خان بڑی مشکل سے سمٹ سمٹا کر ٹیکسی کے اندر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"جناب! اس ایکٹر صاحب نے جو لبادہ پہن رکھا ہے اس سے میری سیٹ کی گدی پھٹ گئی تو پیسے چارج کر لوں گا"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں پیسے دے دیں گے بھائی چلو"

ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"شاہ نور سٹوڈیو چلو گے؟"

وہ بھی یہی سمجھا کہ یہ کوئی ایکٹر ہے جو شوٹنگ کرنے جا رہا ہے عنبر نے کہا۔

"ہاں۔ وہیں چلو"

وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو وہاں سے نکل جائے۔ ٹیکسی روانہ ہوئی تو چنگیز خان کو جلے ہوئے پیٹرول کی بو آئی۔ کہنے لگا۔

"عنبر! یہ کیسی بدبو پھیل رہی ہے یہاں؟"

عنبر نے کہا۔

"خان اعظم! ہوا چلے گی تو ٹھیک ہو جائے گا"

ٹیکسی چوک میں آئی تو عنبر نے اسے کہا۔

"گارڈن ٹاؤن کی طرف چلو"

اس نے سوچا کہ وہ خواہ مخواہ مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اب یہی بہتر ہے کہ چنگیز خان کو امجد کی کوٹھی پر لے جایا جائے۔ ٹیکسی گارڈن ٹاؤن کی طرف مڑ گئی۔ چنگیز خان راستے میں بسوں، سکوٹروں اور رکشوں کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"یہ کیا چیزیں ہیں بغیر گھوڑوں کے بھاگ رہی ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

خان اعظم! ۱۹۸۴ کا ماڈرن زمانہ ہے دنیا بڑی ترقی

کرگئی ہے۔ یہ تمام سواریاں مشین کی مدد سے چل رہی
ہیں۔"
"مشین؟ کیا ہوتی ہے؟" چنگیز خان نے پوچھا۔
عنبر اسے کیا بتاتا کہ مشین کیا ہوتی ہے۔ چنگیز خان بہت
چوکنا ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا لوہے کا زرہ بکتر نہیں سنبھالا
جا رہا ہے۔ ٹیکسی میں دھچکے لگتے تو چیخ اٹھتا۔
"میں اس بادشاہ کا سر قلم کر دوں گا جس نے ہمارے
لیے ایسی سواری بھیجی ہے۔"
عنبر نے کہا۔
"خان اعظم! یہاں ایسی ہی سواری پر بادشاہ بیٹھتے
ہیں۔"
چنگیز نے چلا کر کہا۔
"میں اس ملک کے بادشاہ کا سر قلم کر دوں گا۔"
یہ ٹیکسی ڈرائیور نے گردن گھما کر کہا۔
"بھاجی! یہ ایکٹر کون سی زبان بول رہا ہے؟"
عنبر نے بڑی مشکل سے چنگیز خان کو خاموش کرایا۔ ٹیکسی
امجد کی کوٹھی کے باہر کھڑی ہو گئی۔ چنگیز خان بڑی مشکل سے
باہر نکلا اور کوٹھی کو دیکھ کر بولا۔
"کیا یہ ہے بادشاہ کا محل؟ ایسے ہوتے ہیں یہاں

کے بادشاہ کے محل؟ اس سے اچھے مکان میں تو میرے جانور
رہتے ہیں۔"
ٹیکسی والے کو کرایہ دینے کے لیے عنبر نے چنگیز خان سے کہا۔
"خان اعظم! ایک اشرفی ادھار ہی دے دو۔ اس ٹیکسی
والے کو دینی ہے۔"
"کیا کہا؟ بادشاہ نے سواری بھیجی ہے اور یہ آدمی
کرایہ مانگ رہا ہے۔ میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔"
چنگیز خان نے تلوار نکال لی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہاتھ باندھ کر دیے۔
"معاف کر دو جناب! میں کچھ نہیں مانگتا۔"
اور وہ ٹیکسی سٹارٹ کر کے وہاں سے تیزی کے ساتھ بھاگ
گیا۔ کوٹھی میں سے امجد اور اس کا والد باہر آ گئے۔ انھوں نے عنبر
سے ہاتھ ملایا۔ امجد نے پوچھا۔
"انکل! یہ کون سا ایکٹر ہے۔ کیا آج یہاں کسی کاسٹیوم فلم
کی شوٹنگ ہے؟"
چنگیز خان نے پوچھا۔
"یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"یہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کر رہا ہے۔"
"اور اس کے ساتھ جو آدمی کھڑا ہے یہ خاموش کیوں ہے؟"

"خانِ اعظم! یہ بھی سلام عرض کر چکا ہے۔"

"مگر انہوں نے جھک کر سلام کیوں نہیں کیا؟"

"خانِ اعظم! یہاں کا یہی رواج ہے۔"

چنگیز خان دھاڑا۔

"میں اس ملک کے ہر آدمی کا سر قلم کر دوں گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ چلو، جادو کے چشمے کی طرف سفر شروع کرو۔"

عنبر نے چنگیز خان کے ساتھ شرارت کرنے کا سوچا تھا اور اب اس کی اپنی درگت بن رہی تھی۔ امجد کے والد نے کہا۔

"عنبر یہ کون آدمی ہے؟ یہ کون سی زبان بول رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"جناب میں کیا عرض کروں آپ یقین نہیں کریں گے مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ شخص جس کو آپ ایکٹر سمجھ رہے ہیں۔ اصلی چنگیز خان ہے اور ابھی ابھی بغداد میں قتل عام کرنے کے بعد میرے ساتھ یہاں لاہور میں آیا ہے۔"

امجد کو تو یقین آگیا کہ وہ سچ مچ چنگیز خان تھا مگر اس کا والد ہنسنے لگا۔

"عنبر! کم از کم مجھ سے تو مذاق مت کرو۔ اپنے اس ایکٹر دوست کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں تمہارے

لیے چائے بھجواتا ہوں۔"

عنبر بڑی مشکل سے راضی کر کے چنگیز خان کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ چنگیز خان نے صوفوں کو دیکھ کر کہا۔

"کیا یہ جانوروں کے بیٹھنے کے لیے بنے ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"نہیں خانِ اعظم! اس پر آدمی بیٹھتے ہیں۔"

چنگیز بولا۔

"میں ان پر نہیں بیٹھ سکتا۔ میں قالین پر بیٹھوں گا۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ فرش پر ایک قیمتی ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ امجد نے آہستہ سے کہا۔

"انکل عنبر! یہ آپ کے ساتھ کیسے آگیا؟"

عنبر نے کہا۔

"بس کچھ نہ پوچھو۔ انگوٹھی کی مدد سے آیا ہے۔ میں نے کچھ اور سوچا تھا مگر یہاں معاملہ الٹ گیا ہے۔ میں خود مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ مجھے تو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ اس شخص کو گردنیں اڑانے کی عادت پڑ گئی ہے یہاں بھی کسی کی گردن نہ اڑا دے۔"

چنگیز خان دیوار پر لگی تصویروں کو تک رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"یہ لڑکا تمہارا غلام ہے کیا؟"

عنبر نے کہا۔

" ہاں خان اعظم ! "

" تو پھر یہ تمہارے ساتھ کیوں بیٹھا ہے ؟ "

اور چنگیز خان نے تلوار نکال لی۔ عنبر جلدی سے اٹھ کر خان اعظم کے سامنے آگیا۔

" خان اعظم ! تلوار نیام میں رکھو۔ اگر تم بار بار تلوار نکالو تو پھر جادو کے چشمے کا اثر ضائع ہو جائے گا "

چنگیز خان نے تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے کہا۔

" یہ تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا "

چھت کے ساتھ پنکھا لگا تھا۔ چنگیز خان نے پوچھا۔

" یہ چھت کے ساتھ کیا لگا ہے۔ یہ نیچے گر پڑے گا "

عنبر نے امجد سے کہا۔

" امجد! دیکھا میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں "

اتنے میں نوکر چائے اور کیک لے کر آگیا۔ اس نے بڑے میز پر رکھا تو چنگیز خان نے اپنے گلے کا قیمتی ہار اتار کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

" اے غلام! یہ تمہارا انعام ہے "

امجد کے حساب سے وہ موتیوں کا ہار آج کے زمانے میں کم از کم بیس لاکھ روپے کا تھا۔ امجد ہار اسے واپس کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ عنبر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

" خدا کے لیے ہار واپس نہ کرنا۔ چنگیز خان تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ اس کی توہین ہو گی "

چنگیز خان نے پوچھا۔

" عنبر! تم نے ہمارا نام کیوں لیا ہے ؟ "

عنبر نے کہا

" خان اعظم میں اسے کہہ رہا تھا کہ چنگیز خان کا اس شہر میں آنا اس ملک اور شہر کی خوش قسمتی ہے "

چنگیز نے دھاڑ مار کر کہا۔

" مگر یہاں کا بادشاہ کہاں ہے ؟ "

اب اسے کیا بتاتا کہ ۱۹۸۳ کے زمانے کے لاہور میں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ اور بادشاہوں کا زمانہ گزر گیا ... اس نے کہا۔

" خان اعظم ! بادشاہ سلامت محل میں ہیں "

" تو پھر یہاں کیا کر رہے ہیں ہم۔ اٹھو۔ بادشاہ ہمیں لینے نہیں آیا۔ ہم ابھی جا کر اس کی گردن اڑائیں گے "

عنبر پریشان ہو گیا۔ چنگیز خان تلوار لہراتا باہر نکل گیا۔ امجد اور اس کا والد ڈرے کہ یہ شخص پاگل تو نہیں ہو گیا۔ امجد کے والد نے کہا۔

" عنبر! تمہارے ایکٹر دوست کو کیا ہو گیا ہے ؟ "

عنبر بولا۔

" جناب یہ شوٹنگ کے سین کی ریہرسل کر رہا ہے "

اس نے آہستہ سے امجد سے کہا۔

"میں اسے یہاں سے لے جا رہا ہوں"

اور وہ چنگیز خان کو ایک طرف لے کر چل پڑا۔ چنگیز خان بولا۔

"سواری کہاں ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"جل تو جلال تو ۔۔۔ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں میں"

"کیا کہا تم نے؟" چنگیز خان نے گرج کر کہا۔

عنبر جلدی سے بولا۔

"کچھ نہیں خان اعظم! کچھ نہیں"

"مگر تم ابھی ابھی کچھ کہہ رہے تھے۔ یہ کون سی زبان تھی؟"

عنبر بولا۔

"خان اعظم! وہ سواری آ رہی ہے"

عنبر نے ایک رکشا والے کو ہاتھ دیا۔ رکشا کھڑا ہو گیا۔

چنگیز خان بولا۔

"یہ کیا ڈبہ سا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"اس سواری کا بچہ ہے جس میں آپ پہلے بیٹھے تھے۔ اب اس میں بیٹھ جائیے تاکہ ہم بادشاہ کے محل پر پہنچ جائیں"

چنگیز خان رکشا کو، رکشا ڈرائیور کو اور رکشا ڈرائیور چنگیز خان

کو حیرانی سے تکنے لگا۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"جناب عالی! شوٹنگ کہاں ہو رہی ہے آج؟"

عنبر نے کہا۔

"بھائی جس طرح سے بھی ہو سکے ہمیں مقبرہ جہانگیر پر لے چلو"

"اس ایکٹر کو بٹھائیں تو سہی" ڈرائیور نے مسکرا کر کہا۔

چنگیز خان بڑی مشکل سے دوہرا تہرا ہو کر رکشے میں فٹ ہو گیا۔ اب وہاں عنبر کے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ڈرائیور نے کہا

"جناب عالی! آپ میرے ساتھ بیٹھ جائیں۔ مگر پولیس کو دیکھ کر فوراً اتر جائیں"

"اچھا بابا"

عنبر رکشا ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور رکشا ایک خوفناک چیخ مار کر اٹھ دوڑا۔ وہ اس قدر اچھل رہا تھا اور اس قدر شور مچاتا ہوا دوڑا جا رہا تھا کہ چنگیز خان کا پیچھے بیٹھے بیٹھے برا حال ہو رہا تھا۔ اس کا لوہے کا زرہ بکتر آپس میں ٹکرا ٹکرا کر الگ شور پیدا کر رہا تھا۔ کبھی اس کا خود رکشے کی چھت سے ٹکرا جاتا کبھی اس کے گھٹنے آگے جا کر زور سے لگتے۔ چنگیز خان چیخ رہا تھا چلا رہا تھا۔ مگر رکشے کا شور اس قدر زیادہ تھا کہ چنگیز خان کی آواز بالکل سنائی نہیں دے رہی تھی۔ رکشا راوی روڈ پر آیا تو وہ ایک جگہ سڑک پر اتنی زور سے اچھلا کہ چنگیز خان کا لوہے کے

خود کا گینڈے کے سینگوں والا سر رکشے کی چھت پھاڑ کر باہر نکل آیا۔

چنگیز خان نے ایک دھاڑ ماری اور رکشے کی باقی بچی ہوئی چھت کو پھاڑ ڈالا۔ ڈرائیور نے فوراً رکشا روک لیا۔ چنگیز خان جھٹک مار کر "تلوار چلاتا رکشے سے باہر نکل آیا اور "تلوار کے ایک ہی وار سے رکشے کی پچھلی سیٹ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ رکشا ڈرائیور سمجھا کہ سواری پاگل ہو گئی ہے۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ عنبر چنگیز خان کو سنبھالنے لگا مگر وہ اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہاں کہرام مچ گیا۔ لوگ بھاگ کر دکانوں اور مکانوں میں گھس گئے۔ چنگیز خان اصلی "تلوار چلا رہا تھا۔

فوراً وہاں پولیس آ گئی۔ چنگیز خان ایک سپاہی کی گردن اڑانے ہی والا تھا کہ دوسرے سپاہی نے پستول سے فائر کر دیا گولی چنگیز خان کے ہاتھ پر لگی اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر چنگیز خان کو دبوچ لیا۔

پولیس چنگیز خان کو ہتھکڑیاں ڈال کر تھانے لے گئی۔ دس آدمیوں نے چنگیز خان کو قابو کر رکھا تھا۔ چنگیز خان نے تھانے میں شور مچا دیا۔ عنبر تھانے کے دروازے میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ چنگیز خان چلا رہا تھا۔

"میں خاقان اعظم! منگول اعظم! خونخوار چنگیز خان ہوں میں تم سب کی گردنیں قلم کر دوں گا۔ میں نے بغداد میں اپنے ہاتھوں

سے ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مجھے پکڑنے والے۔ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت بغداد کا خلیفہ نہیں کر سکا۔ میری دہشت سے دنیا کا بچہ بچہ کانپتا ہے۔"

تھانیدار نے کہا۔

"اس پاگل کو حوالات میں بند کر دو۔ خدا جانے کس زبان میں بک بک کر رہا ہے۔ اور تم اس کو کہاں سے پکڑ لائے ہو؟"

سپاہی نے کہا۔

"سر! یہ لوگوں کا قتل عام کرنے لگا تھا۔"

"تو اسے پاگل خانے کیوں نہیں لے گئے؟ اچھا اسے حوالات میں بند کر دو۔ صبح اسے پاگل خانے پہنچا دیں گے وہاں ساری چلت پھرت بھول جائے گا یہ۔۔۔۔"

سات آدمیوں نے پکڑ کر چنگیز خان کو حوالات میں بند کر کے تالا لگا دیا۔ چنگیز خان حوالات کی سلاخوں کو ہلا ہلا کر گرجنے لگا۔

"کہاں ہے عنبر! میں اس کی بھی گردن اڑا دوں گا۔"

عنبر تھانے کے باہر دیوار کے ساتھ لگا یہ سب کچھ سن رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ چنگیز خان کو اس دور میں لا کر اس نے بہت حماقت کی ہے۔ سوال یہ تھا کہ وہ اب اسے کیسے واپس لے جائے؟ واپس لے جانے کے لیے چاندنی رات اور ان دونوں کا اکٹھا ہونا بہت ضروری تھا۔ عنبر نے سن لیا تھا کہ تھانیدار چنگیز [illegible]

کو کل لاہور کے پاگل خانے پہنچانے والا ہے۔ اس نے سوچا کر وہ
چاندنی رات میں پاگل خانے میں چنگیز خان سے جا کر ملاقات کرے
گا۔ اور پھر وہاں سے اسے لے اڑے گا۔ اس نے خدا کا شکر ادا
کیا کہ چنگیز خان کے گلے میں جو موتیوں کا قیمتی ہار تھا اور اس کے
پاس اشرفیوں کی جو تھیلی تھی وہ امجد کے گھر میں ہی رہ گئی تھی
نہیں تو پولیس والے اسے ایک سیکنڈ میں ہڑپ کر لیتے۔ ہار چنگیز
خان نے نوکر کو دے دیا تھا جو امجد کے والد نے عنبر کے
دوست کی امانت سمجھ کر رکھ لیا تھا اور اشرفیوں کی تھیلی جاتے
ہوئے عنبر نے خود امجد کے حوالے کر دی تھی۔

عنبر واپس امجد کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

دوسرے روز چنگیز خان کو رسیوں میں جکڑ کر پولیس کی ویگن
میں گھسیٹ کر پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ چنگیز خان کا بُرا حال ہو
رہا تھا۔

"میں چنگیز خان ہوں۔ خاقان اعظم ہوں۔ تم کون ہو؟
میں تمہاری گردنیں قلم کر دوں گا۔ میں چنگیز خان ہوں"

پاگل خانے کے ڈاکٹر نے کہا۔

"فکر نہ کرو یہاں پاگل خانے میں تمہیں کئی چنگیز خان
ملیں گے"

دوسرا ڈاکٹر ہنس کر بولا۔

"یہاں دو سکندر اعظم بھی ہیں۔ ان سے گپ شپ کرنا۔
تمہارا جی لگا رہے گا۔"

پاگل خانے کے سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"او نے چنگیز خان کی اولاد نے یہ جو لوہے کی وردی
پہن رکھی ہے اس کو تو توڑو کلہاڑے مار کر۔ اسے ٹیکہ
لگے گا۔"

بڑی مشکل سے ان سب نے مل کر چنگیز خان کا زرہ بکتر
ازو پر سے کاٹا اور ڈاکٹر ٹیکہ لے کر آگے بڑھا۔ چنگیز خان نے
ہزاروں کی گردنیں اڑائی تھیں مگر جب اس نے ایک ڈاکٹر کو
ھا کہ اس کے بازو میں سوئی چبھونے والا ہے تو چیخ مار کر
لا۔

"مجھے سوئی نہ چبھونا۔ مجھے ٹیکہ نہ لگانا۔"

مگر اتنی دیر میں ڈاکٹر چنگیز خان کو سلانے والی دوائی
ٹیکہ لگا چکا تھا۔ چنگیز خان کو نیند آنے لگی۔ اس کے پپوٹے
اری ہوتے لگے اور جب پاگل خانے کے ملازموں نے اس کا
رہ بکتر اتار کر اسے سلاخوں والے دروازے کے تنگ سے
رے میں بند کیا تو وہ سو چکا تھا اور زور زور سے خراٹے لے
تھا۔

عنبر نے وہ رات امجد کے بنگلے پر گزاری۔ امجد کے والد
عنبر سے پوچھا۔

"کیا یہ سچ مچ چنگیز خان تھا عنبر؟ کیونکہ اس کی سونے کی اشرفیاں اور موتیوں کا ہار بالکل اصلی ہے اور اس کا تعلق چنگیز خان کے زمانے سے ہی ہے"

عنبر نے کہا۔

"میں کچھ نہیں سکتا۔ بہرحال چنگیز خان اصلی ہو یا نہ ہو۔ مگر اس کا ہار اور سونے کی اشرفیاں ضرور اصلی ہیں"

امجد کے والد نے کہا۔

"تو پھر یہ اشرفیاں اور موتیوں کا ہار ہمیں حکومتِ پاکستان کو دے دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ محکمہ آثار قدیمہ پاکستان کی ملکیت ہے"

عنبر کہنے لگا۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے یہ چیزیں آپ حکومتِ پاکستان کے حوالے کر دیں اور کہیں کہ ہمیں ایک کھیت میں پڑی ہوئی ملی ہیں"

امجد کے باپ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا"

والد کے جانے کے بعد امجد نے عنبر سے کہا۔

"انکل چنگیز خان کو کہاں پر چھوڑ آئے ہیں؟"

عنبر نے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔

"بس کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت چنگیز خان لاہور کے پاگل

خانے میں بیٹھا ہوا ہے"

"ہائیں! پاگل خانے میں؟" امجد نے حیرت سے کہا۔

عنبر نے کہا۔

"غور کرو۔ اگر اصلی سکندر اعظم بھی تمہارے آج کے ماڈرن لاہور میں آ جائے تو اس کی جگہ سوائے پاگل خانے کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ کہے گا کہ میں سکندر اعظم ہوں اور لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل ہے اور پولیس اسے پاگل خانے پہنچا دے گی۔ یہی کچھ اصلی چنگیز خان کے ساتھ ہوا۔"

امجد نے پوچھا۔

"انکل کیا اب وہ پاگل خانے میں ہی رہے گا؟"

عنبر بولا۔

"نہیں میں اسے وہاں نہیں رہنے دوں گا۔ کیونکہ وہ پاگل نہیں ہے اصلی چنگیز خان ہے۔ میں نے آج رات جب چاند نکلے گا وہاں سے اڑا لے جانے کا پروگرام بنایا ہے"

امجد کہنے لگا۔

"رات کو تو پاگل خانے میں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہوتی"

عنبر نے کہا۔

"لیکن ایک پاگل آدمی رات کو بھی پاگل خانے میں جا سکتا ہے"

امجد نے چونک کر پوچھا

"کیا مطلب ہے آپ کا انکل؟"

عنبر نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا

"میں خود آج رات کو پاگل بن کر پاگل خانے میں جاؤں گا"

امجد نے کہا۔

"لیکن انکل — کیا آپ پاگل بن جائیں گے؟"

"ہاں" عنبر بولا۔

"چنگیز خان کو پاگل خانے سے نکالنے کے لیے میرا پاگل بننا بہت ضروری ہے — اب تم جا کر آرام کرو۔ چاند تھوڑی دیر میں نکلنے والا ہے۔ چاند کے نکلتے ہی میں چلا جاؤں گا۔ اور ہاں فکر نہ کرو میں تمہارے گھر سے پاگل بن کر نہیں نکلوں گا۔ بلکہ پاگل خانے کے قریب جا کر پاگل بن جاؤں گا"

امجد نے اداس سا ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے میری ملاقات نہیں ہو گی"

عنبر مسکرایا۔

"فکر نہ کرو امجد! ہمارا سفر بڑا طویل ہے۔ کبھی نہ کبھی

کسی نہ کسی جگہ تم سے ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔ اب تم جا کر سو جاؤ۔ شب بخیر"

امجد نے آہستہ سے کہا۔

"خدا حافظ انکل"

اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ عنبر کو بھی امجد سے بڑا پیار ہو گیا تھا۔ وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے اداس ہو گیا۔ لیکن چنگیز خان کے خیال نے اسے دوبارہ چوکس کر دیا۔ وہ چاند نکلنے کا انتظار کرنے لگا

رات گیارہ بجے چاند نکل آیا اور اس کی چاندنی چاروں طرف پھیلنے لگی۔ عنبر چپکے سے امجد کے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ امجد سو رہا ہو گا۔ لیکن امجد جاگ رہا تھا اور اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگا انکل عنبر کو رخصت ہوتے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے جاتے ہوئے دروازے کی گھنٹی بجا دی تھی تاکہ کوئی وہاں آ کر دروازہ بند کر دے۔ امجد عنبر کو جاتے دیکھ کر سوچنے لگا کہ اس کا انکل تو صدیوں کا مسافر ہے۔ جانے پھر کب اس سے کن حالات میں ملاقات ہو گی۔ جب انکل عنبر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا تو امجد نے بوجھل دل کے ساتھ آ کر دروازہ بند کر لیا۔

ویران مندر، پُراسرار سایہ

عنبر کو لاہور کے پاگل خانے کا راستہ آتا تھا۔

وہ پیدل ہی چل پڑا۔ کیونکہ اتنی رات گئے اس علاقے میں ٹیکسی کا ملنا بہت مشکل تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد عنبر پاگل خانے کے قریب پہنچ گیا۔ پاگل خانے کی دو منزلہ پرانی عمارت میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ اب عنبر پاگل بننے کے لیے تیار ہو گیا۔ عمارت کے سامنے پہنچتے ہی عنبر نے ایک بلند قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولا۔

" ہاہاہا ۔۔۔ میں ہٹلر کا ماماں ہوں۔ ہاہاہا۔ میں نپولین عرف ننگی کا چاچا ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ نہیں تو میرا ہوائی جہاز تمہارے سروں سے ٹکرا کر اڑ جائے گا۔ ہاہاہا ۔۔۔ ڈوں ۔۔۔ ڈوں ۔۔۔"

اور اس نے پتھر اٹھا اٹھا کر پاگل خانے کی عمارت کو مارنے شروع کر دیئے۔

" ہاہاہا۔ میں دستی بم مار کر مولا جٹ کی چاچی کے

پھوپھا ہے نانا کی مامی کے مکان کو اڑا دوں گا ہاہاہا۔ خبردار کوئی آگے نہ آئے۔ کوئی پیچھے نہ جائے۔ سو جاؤ۔ اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ میں گلاب جامن ہوں کالا بتاشہ ہوں۔ کدو کا حلوہ ہوں۔ وہ لے گیا میری جیب کاٹ کر ۔۔۔ ارے! تم میرے محل میں کون لوگ آ گئے ہو؟ وزیر اعظم! ان لوگوں کو پکڑ کر ان کا قیمہ بنا کر نپولین کے دربار میں شہنشاہ اکبر کے چاچے کو دے دو ۔۔۔ ہاہاہا ۔۔۔ دستی بم ۔۔۔ ٹھاہ ٹھاہ ۔ ٹھاہ ۔۔۔"

پاگل خانے کے دفتر میں پتھر لگے تو نرسوں نے آ کر عنبر کو پکڑ لیا۔

" ارے یہ پاگل کہاں سے آ گیا۔ سالا پتھر مار رہا ہے۔

عنبر نے قہقہہ لگایا:

" ہاہاہا ۔۔۔ گیت گایا پتھروں نے ۔۔۔ میں پاگل میرا چاچا پاگل۔ ہاہاہا۔ پاگل تم ہو میں تو نپولین بوناپارٹ اول ہوں ۔۔۔ میں مولا جٹ ہوں۔ ہا ۔۔۔ میں چکریاں بھنواں داں گا۔ اوئے ۔۔۔"

پاگل خانے کے آدمیوں نے عنبر کو پکڑ رکھا تھا۔ ڈاکٹر نے آ کر کہا۔

"ارے اسے اوپر لے جا کر بند کر دو دوسرے پاگلوں کے ساتھ۔"

عنبر نے سر مار مار کر حال کھیلنا اور قوالی کرنی شروع کر دی۔

"میری لیلیٰ کہاں ۔ میری لیلیٰ کہاں
میرا مجنوں کہاں ۔ میرا مجنوں کہاں
اجی مجنوں کہاں ۔ اجی لیلیٰ کہاں
میرا ماماں کہاں ۔ اجی میرا سالا کہاں۔"

اور پھر وہ کان پر ہاتھ رکھ کر قوالوں کی طرح گلا پیٹنے لگا۔ پاگل خانے کے رات کے ملازم عنبر کو کھینچتے ہوئے دوسری منزل میں لے گئے جہاں اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں کوئی پاگل سو رہا تھا کوئی چکر لگا رہا تھا۔ کوئی دیوار کے سامنے بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے پاگل پنے کی حرکتیں کرتے ہوئے بھی بڑی ہوشیاری سے آنکھیں گھما کر دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں سلاخوں کے پیچھے چنگیز خان فرش پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کی زرہ بکتر اتر چکی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ برا حال تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چنگیز خان فقیر ہو گیا ہوا ہے۔ عنبر کو اس کی حالت پر بہت رحم آیا۔ اس نے جان بوجھ کر چنگیز خان کو یہ بتانے کے لیے کہ "میں آ گیا ہوں" اونچی آواز میں پھڑک ماری اور کہا۔

"ارے! میں قتل کر کے کھا جاؤں گا چنگیز خان کو۔"

چنگیز خان نے اپنا نام سنا تو چونک کر دیکھا۔ اسے عنبر دکھائی دیا جو پاگلوں کی طرح حرکتیں کر رہا تھا اور اسے کوٹھڑی میں بند کیا جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ گیا اور بولا۔

"ارے او عنبر جادوگر کے بچے! تو نے میرا کیا حال کر دیا ہے۔ فوراً مجھے یہاں سے واپس میرے محل میں لے چل۔ نہیں تو میں تمہارے سارے خاندان کی گردنیں قلم کر ڈالوں گا۔"

عنبر نے وہیں سے آواز لگائی۔

"خان اعظم! گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں آج ہی تمہارے شاہی محل میں واپس لے جاؤں گا۔"

پاگل خانے کے نوکر ہنسنے لگے ایک ملازم نے عنبر کے سلاخوں والے دروازے کے باہر تالا لگاتے ہوئے کہا

"بھائی یہ دونوں بادشاہ لگتے ہیں۔"

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر ہنسا اور بولا۔

"ہٹلر صاحب! اس چنگیز خان کی اولاد کو اس کے شاہی محل میں پہنچا دو۔"

عنبر نے کہا۔

"اوئے میں آج ہی اسے شاہی محل میں لے جاؤں گا

تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے او ٹے۔"

نوکر تالا لگا کر چیختے ہوئے چلے گئے۔ وہاں خاموشی چھا گئی۔ کسی پاگل نے سوائے چنگیز خان کے عنبر کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ جب سب چلے گئے تو عنبر نے چنگیز خان سے کہا۔

"خانِ اعظم میں تمہیں یہاں سے لینے کے لیے آیا ہوں۔"

چنگیز خان نے کہا۔

"مگر تم تو خود پاگل ہو چکے ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"نہیں پاگل نہیں ہوں۔ میں تو یہاں تم تک پہنچنے کے لیے جان کر پاگل ہوا تھا۔ کیا تم میرے ساتھ واپس چلنے کے لیے تیار ہو؟ یا ابھی جادو کے چشمے پر غسل کرنے کی حسرت باقی ہے؟"

چنگیز خان نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"نہیں میرے بھائی! میں باز آیا۔ خدا کے لیے مجھے کسی طرح یہاں سے واپس میرے محل میں میری فوجوں اور سپہ سالار کے درمیان پہنچا دو۔ یہاں کے لوگوں نے تو میری ایسی درگت بنائی ہے کہ ساری زندگی یاد رکھوں گا۔ مجھے چنگیز خان سے فقیرا خان ـــــ بلکہ پاگل خان بنا دیا ہے۔"

عنبر بولا۔

"میں ابھی تمہارے پاس آ رہا ہوں خانِ اعظم!"

چنگیز خان نے کہا۔

"یہ سب لوگ سن رہے ہیں۔ کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ سب پاگل ہیں۔ انہیں ہماری باتوں کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ میں آ رہا ہوں۔"

عنبر نے لوہے کی موٹی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں توڑ کر پرے پھینک دیا۔ وہ کوٹھڑی سے باہر نکل کر چنگیز خان کی کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ گیا۔ چنگیز خان نے تعجب سے کہا۔

"تم جادوگر ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب مجھے بھی اس قید سے آزاد کر دو۔"

عنبر نے چنگیز خان کی کوٹھڑی کی سلاخوں والے دروازے کو تالے سمیت اکھاڑ کر پرے پھینک دیا اور چنگیز خان کو لے کر چھت پر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھا۔ شور سن کر پاگل خانے کے نوکر اوپر آ گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ دو پاگل یعنی عنبر اور چنگیز خان دروازہ توڑ کر نکل آئے ہیں تو ڈنڈے لہراتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ عنبر نے کہا۔

"اگر مرنا نہیں چاہتے تو آگے مت بڑھنا۔"

نوکروں نے ایک پل کے لیے دونوں کو دیکھا پھر انہیں پاگل سمجھ کر ڈنڈے لہرائے۔ چنگیز خان نے ایک نوکر کو پکڑ کر اٹھایا اور سیڑھیوں سے نیچے پھینک دیا۔ دوسرا نوکر پیچھے ہٹ گیا جبکہ تیسرے نے عنبر کو زور سے ڈنڈا مارا۔ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو ہمارا راستہ چھوڑ دو اور کی دم!"

نوکر کچھ ڈر گیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا مگر اس نے خطرے کا الارم بجا دیا۔ پاگل خانے کے سارے نوکر اور پولیس اوپر دوسری منزل کی طرف بھاگی۔ اس دوران عنبر چنگیز خان کو لے کر پاگل خانے کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ اور اس نے انگوٹھی کو رگڑ کر چنگیز خان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"اب یہ جہاں بھی لے جائے ہمیں جانا ہوگا۔"

چنگیز خان نے چلا کر کہا

"میں جہنم میں جانے کو تیار ہوں مگر یہاں سے کسی طرح نکال لو۔"

نوکر اور پولیس ان کے پاس آ گئی تھی اور انہوں نے گھیرا ڈال لیا تھا کہ کہیں یہ دونوں پاگل چھت پر سے چھلانگ نہ

لگا دیں۔ عنبر نے یہ بھی نہ دیکھا کہ جادو کی انگوٹھی میں کون سا منظر کس ملک کا سین نظر آ رہا ہے۔ اس نے چنگیز خان سے کہا۔

"آنکھیں بند کر لو خان اعظم!"

چنگیز خان نے آنکھیں بند کر لیں۔

پاگل خانے کے نوکر کھڑے ان کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ دونوں پاگل ہاتھ میں ہاتھ دئے کر آنکھیں بند کئے بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔ ایک بولا۔

"ارے یہ سادھو بن گئے ہیں!"

دوسرا بولا۔

یار انہیں پکڑ کر اندر کر دو۔"

"مگر انہوں نے لوہے کی سلاخیں کیسے توڑ دیں!"

"مجھے تو یہ جن لگتے ہیں۔"

اتنے میں ان سب پاگل خانے کے ملازموں کی آنکھوں کے سامنے چنگیز خان اور عنبر غائب ہو گئے۔

"ہائیں! یہ کہاں چلے گئے؟"

"بھوت — بھوت — !"

اور وہ سب ڈر کر گرتے پڑتے نیچے کی طرف بھاگے۔

عنبر نے آنکھیں کھولیں تو دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی

اور وہ ایک پہاڑی پر کھڑا تھا۔ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ چنگیز خان اس کے پاس نہیں تھا۔ اسے تشویش ہوئی کہ یا اللہ! چنگیز خان کہاں چلا گیا؟ کہیں وہیں لاہور کے پاگل خانے میں ہی نہ رہ گیا ہو۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پہاڑی کی طرف آنے والی سڑک پر اسے گھوڑ سواروں کا ایک دستہ آتا نظر آیا۔ جب یہ دستہ قریب آیا تو اس کے آگے آگے جو سردار آرہا تھا عنبر نے اسے پہچان لیا۔ یہ چنگیز خان تھا۔ وہی رعب و داب۔ وہی جاہ و جلال۔ وہی دبدبہ۔ وہی خونخوار چہرہ۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔ دوسرے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنی دنیا میں واپس آگیا تھا۔

چنگیز خان نے عنبر کے قریب آکر گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور اس کی طرف گھور کر دیکھا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ چنگیز خان نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ اس نے کہا۔

"خان اعظم! تم نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں عنبر ہوں۔ جس کے ساتھ تم جادو کی انگوٹھی کے ذریعے لاہور گئے تھے اور پاگل خانے میں رہتے تھے"

چنگیز خان کو پاگل کہنے والا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ

زندہ رہ جائے۔ اس نے تلوار اٹھا کر دھاڑ ماری۔

"اس کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں"

سپاہی تلواریں لہراتے عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے ایک سیکنڈ میں سوچا کہ اب یہاں ان کی تلواریں توڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ سپاہی اس تک پہنچتے اس نے پہاڑی پر سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ دھڑام سے دریا میں گرا اور پانی کے اندر اترتا چلا گیا۔ پھر ہاتھ ہلاتا پانی کے اوپر آگیا۔ پانی کی سطح پر آکر کیا دیکھتا ہے کہ نہ وہ پہاڑی ہے نہ چنگیز خان اور اس کے فوجی سپاہی ہیں۔ دنیا ہی بدل گئی ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے دریا میں ہے اور کنارے کی دونوں جانب پہاڑی کی بجائے صحرا پھیلا ہوا ہے کہیں کہیں کھجور کے درخت اگے ہوئے ہیں۔ دور ایک آدمی اونٹ پر سوار چلا جا رہا ہے۔ عنبر دریا سے باہر نکل آیا۔ دھوپ خوب تیز تھی۔ عنبر کو گرمی سردی تو لگتی نہیں تھی۔ دھوپ کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کے کپڑے جلدی سوکھ گئے۔ وہ صحرا میں ایک پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ یہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دریا میں ڈبکی لگانے کے بعد کسی اور ہی زمانے میں نکل آیا ہے۔ اسے چنگیز خان کا خیال آیا تو یہ جان کر اسے خوشی ہوئی کہ وہ واپس اپنے محل پر پہنچ گیا تھا اور اسے عنبر کے ساتھ لاہور کے پاگل خانے میں گزارے ہوئے بدحالی

کے دن یاد نہیں رہے تھے۔ تاریخ کے اتنے بڑے جرنیل کے ساتھ لاہور میں جو سلوک کیا گیا تھا اسے بھول جانا ہی بہتر تھا۔ عنبر کو اپنا پاگل بننا یاد آگیا اور وہ ہنس پڑا۔

چلتے چلتے صحرا میں جب اسے کافی دیر ہو گئی تو وہ دریا کے ساتھ ساتھ ایک گاؤں کے پاس آگیا۔ وہ یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ زمانہ کون سا ہے؟ کس کی بادشاہت ہے؟ اور کون سا ملک ہے؟

گاؤں میں کچے پکے مکانوں کو دیکھ کر اسے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ یہ بائیبل کے زمانے کا کوئی گاؤں ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔ یعنی ان سے کوئی پچاس سال بعد کا —— گاؤں کے باہر زیتون اور کھجور کے درختوں کے باغ تھے جہاں مزدور کام کر رہے تھے۔ ان کے لباس قدیم عربی لباس تھے لمبے لمبے چغے اور سروں پر باندھے ہوئے سفید صافے —— وہ باغ میں آگیا۔ اس نے ایک مزدور سے عبرانی زبان میں پوچھا۔

"اس گاؤں کا نام کیا ہے؟"

مزدور نے بھی عبرانی زبان میں جواب دیا۔

"قبچہ اس گاؤں کا نام ہے۔ تم کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"دریا پار سے آیا ہوں۔ کیا یہ کوئی عیسائیوں کا گاؤں ہے؟"

مزدور نے چونک کر کہا۔

"آہستہ بولو۔ کسی نے سن لیا تو تمہاری خیر نہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"کیوں؟"

مزدور بولا۔

"یہاں کا بادشاہ عیسائیوں کا جانی دشمن ہے۔ اس نے حکم دے رکھا ہے کہ اگر کہیں کوئی عیسائی مل جائے تو اس کا سر کاٹ کر لایا جائے۔ اسے انعام ملے گا۔"

عنبر نے سوچا اس کا اندازہ درست تھا۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس پچاس سال بعد کا زمانہ ہے جب دریائے اردن کی وادی میں یروشلم اور اردن کے ارد گرد کے علاقوں اور روم میں عیسائیوں پر بے پناہ ظلم توڑے جاتے تھے۔ عیسائی چھپ کر اپنے مذہب کی عبادت کرتے تھے۔ رومن بادشاہ عیسائیوں کا جانی دشمن تھا۔ وہ انہیں ڈھونڈ کر بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیتا تھا۔

مزدور نے کہا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟ کیا تم عیسائی ہو؟"

عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

"ہاں — میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بھی مانتا ہوں"

اس مزدور نے عنبر کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خدا کے لیے آہستہ بولو۔ میں بھی عیسائی ہوں۔ اس گاؤں میں دس بارہ ہی عیسائی ہیں جو چھپ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ باقی سب کافر بت پرست ہیں جو رومن دیوتا قلاوم کی پوجا کرتے ہیں۔ یہاں کسی کو ہرگز ہرگز یہ نہ بتانا کہ تم عیسائی ہو۔ تم کھانا کھاؤ گے؟"

عنبر نے کہا۔

"نہیں، شکریہ۔ میں نے کھانا کھایا ہے"

مزدور بولا۔

"تم میرے گھر پر رہ سکتے ہو۔ میں تمہیں باقی عیسائیوں سے بھی ملاؤں گا"

عنبر نے کہا۔

"تمہارا شکریہ! میں دوسرے عیسائی بھائیوں سے مل کر خوش ہوں گا"

مزدور نے کھجوروں سے بھرا ہوا بورا اٹھانا چاہا تو وہ بہت

بھاری تھا۔

عنبر نے کہا۔

"لاؤ اسے میں اٹھا لیتا ہوں"

اور عنبر نے بڑے آرام سے کھجوروں کا بورا اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کہا۔

"چلو بھائی تم آگے آگے چلو"

مزدور بڑا حیران ہوا کہ اس شخص نے اتنا بھاری بورا اتنی آسانی سے کیسے اٹھا لیا۔ وہ عنبر کے ساتھ ساتھ ذرا آگے ہو کر چلنے لگا۔ اس نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے، اور میں — میں روم سے آیا ہوں۔ شہنشاہ روم کے سپاہیوں نے میرے خاندان والوں پر بڑا ظلم کیا۔ انہیں چن چن کر مار ڈالا میں بھاگ کر یہاں آگیا ہوں"

مزدور نے کہا۔

"میرا نام دانیال ہے۔ تمہارے خاندان کے ساتھ جو ظلم ہوا اس کا سن کر مجھے دکھ ہوا ہے۔ فکر نہ کرو۔ یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر خبردار! کسی کو یہ نہ بتانا کہ

"تم عیسائی ہو"

مزدور دانیال عنبر کو اپنے گھر لے گیا۔ یہ ایک کچا گھر تھا جس کے صحن میں انگور کی بیل کی چھاؤں پھیلی ہوئی تھی۔ رات کو دانیال نے عنبر کو گاؤں کے دوسرے عیسائیوں سے ملایا۔ وہ سب بچارے ڈرے ڈرے سے وہاں زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر اپنے اپنے گھروں میں روز رات کو بتوں کی پوجا کے بجائے خدا عبادت کرتے تھے۔ عنبر ان سے مل کر خوش ہوا۔ انہیں تسلی دی اور دل میں یہ سوچا کہ شاید اسی جگہ کبھی ناگ اور ماریا اور کیٹی سے ملاقات ہو جائے وہاں رہنا شروع کر دیا۔ جادو کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پڑی ہوئی تھی۔

○

پیارے ساتھیو! یہ تو آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ کیٹی سانپ کے روپ میں پرُبا ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے لگی ہوئی تھی جو ہندوستان کے شہر احمد آباد کے زمیندار پٹیل کی بیٹی شیلا کو اغواء کر کے لیے جا رہا ہے اور کیٹی اسے چھڑا کر اس کے ماں باپ کے گھر واپس پہنچانا چاہتی ہے۔

دوسری طرف آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ناگ اور ماریا سہند بابل کے میدان میں گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے ہیں۔ کیٹی ان کے ساتھ تھی مگر پراسرار محل میں رات کو غائب ہو

گئی اور ہندوستان کے شہر احمد آباد میں نکل آئی تھی۔ ناگ اور ماریا کو عنبر کے علاوہ اب کیٹی کی بھی تلاش تھی۔

اب ایسا ہوا کہ چلتے چلتے ناگ اور ماریا ایک جگہ درختوں کی چھاؤں دیکھ کر رک گئے۔ ان کے گھوڑوں کو بھی دانہ پانی کی ضرورت تھی۔ ناگ نے کہا۔

"یہاں کچھ دیر آرام کرتے ہیں"

ماریا نے کہا۔

"تمہیں آرام کی بھلا کیا ضرورت ہے ناگ؟"

ناگ کہنے لگا۔

"ماریا! مجھے نہیں ہے مگر ان بے چاروں گھوڑوں کو تو آرام اور کچھ گھاس اور پانی کی ضرورت ہے"

"ہاں یہ تو ہے" ماریا بولی۔

انہوں نے گھوڑوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود درخت کے نیچے اس کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"کیٹی کے ساتھ پراسرار محل میں جو حادثہ ہوا اس کی ابھی تک مجھے حیرانی ہے۔ جانے بے چاری کہاں پہنچ گئی ہو گی"

ناگ نے کہا۔

"لیکن عنبر کی بھی تو کچھ خبر نہیں ہے"

ماریا بولی۔

"ہو سکتا ہے وہ دونوں کہیں ایک دوسرے سے مل گئے ہوں"

ناگ بولا۔

"خدا کرے کہ ہم بھی ان سے جا ملیں"

"کوشش تو ہماری یہی ہے"

ماریا یہ کہہ کر دریا کی طرف دیکھنے لگی جس کے کنارے کنارے ایک گڈریا بھیڑوں کو ساتھ لیے بانسری بجاتا چلا آرہا تھا۔ ماریا نے کہا

"ناگ! دیکھو تو کتنی سریلی آواز ہے اس بانسری کی"

اس نے بھی بانسری کی آواز سنی اور اسے اچھی لگی۔ کہنے لگا

"بہت خوب بجا رہا ہے بانسری یہ چرواہا"

ماریا نے کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں ناگ کہ تم لوگوں سے ملنے سے پہلے اور غائب حالت میں آنے سے پہلے مجھے بانسری بجانے کا بڑا شوق تھا اور میں گھر کی چھت پر جا کر اکثر بانسری بجایا کرتی تھی"

ناگ مسکرا کر بولا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم بھی بانسری بجا سکتی ہو"

"کیوں - میں کیوں نہیں بجا سکتی بانسری" ماریا نے ٹھنک کر کہا۔

ناگ اسے چھیڑنے لگا۔

"بھئی بانسری بجانا بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک اسے سیکھا نہ جائے کوئی شخص بانسری نہیں بجا سکتا اور عورتیں تو بالکل ہی بانسری نہیں بجا سکتیں"

ماریا کو غصہ آگیا۔ کہنے لگی۔

"میں ابھی تمہیں بانسری بجا کر دکھا دیتی ہوں اس چرواہے سے ایک منٹ کے لیے بانسری لے کر مجھے دو"

چرواہا اتنے میں قریب آگیا تھا۔ ناگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو ابھی تمہارا امتحان ہو جاتا ہے"

اس نے چرواہے کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"بھائی تم بڑی اچھی بانسری بجاتے ہو۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی بانسری دکھاؤ گے؟"

چرواہا بولا۔

"کیوں نہیں جناب۔ یہ لیجیے کیا آپ کو بانسری

بجانا آتی ہے؟"

ناگ نے بانسری ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا۔

"وہ بھائی مجھے تو بجانی نہیں آتی۔ لیکن میری ایک بہن ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں بجا لیتی ہوں۔"

چرواہا کچھ نہ بولا۔ بس ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ ناگ نے کہا۔

"اگر میں تمہاری بانسری اپنی بہن کو تھوڑی دیر کے لیے دے دوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

چرواہے نے کہا۔

"مگر مجھے تو آپ کی بہن کوئی یہاں نظر نہیں آتی جناب۔" عنبر نے کہا۔

"یار وہ یہیں ہے۔ بس ذرا دیر کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ اب تم دیکھو گے کہ ذرا سی دیر کے لیے تمہاری بانسری بھی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گی اور پھر تمہیں بانسری کی آواز سنائی دے گی۔ بانسری بجانے والی دکھائی نہیں دے گی۔"

چرواہا مسکرانے لگا۔ وہ صرف مسکرا رہا تھا اور ناگ کو اس کی مسکراہٹ میں کوئی پراسرار سی بات محسوس ہوئی

مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ اس وقت وہ مذاق کے موڈ میں تھا اور ماریا کو تنگ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بانسری ماریا کو دے دی۔ بانسری ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی۔ ناگ کا خیال تھا کہ چرواہا بڑا حیران ہو گا مگر وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔ ناگ نے کہا۔

"تم بانسری کو غائب ہوتے دیکھ کر حیران کیوں نہیں ہوتے ہو؟"

چرواہے نے کوئی جواب نہ دیا اور ناگ کی طرف دیکھتے ہوئے اسی طرح مسکراتا رہا۔ ناگ نے پھر بھی کوئی خیال نہ کیا اور ماریا سے کہا۔

"ماریا! یہ چرواہا کسی بات پر حیران نہیں ہو رہا معلوم ہوتا ہے کہ جب اسے بانسری کی آواز آئے گی اور بجانے والی نظر نہیں آئے گی پھر بھی حیران نہیں ہو گا۔"

چرواہا مسکراتا رہا۔ ناگ بولا۔

"ماریا! کیا بانسری نہیں بجاؤ گی؟"

"بجانے لگی ہوں۔" ماریا نے آہستہ سے کہا۔

پھر بانسری کی آواز بلند ہوئی۔ یہ بڑی پراسرار اور سوگ والی آواز تھی۔ آواز بلند ہوتی گئی۔ ناگ نے کہا۔

"بھئی واہ! ماریا تم تو بہت اچھی بانسری بجا لیتی ہو۔"

ماریا بانسری بجاتی رہی اور چرواہا مسکراتا رہا۔ ناگ چرواہے
کو دیکھ رہا تھا کہ بانسری کی آواز کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ
بدل رہا ہے اور رنگ جو پہلے زرد تھا اب سرخ ہونے لگا ہے
اور اس کی بھیڑیں سمٹ کر اس کے بالکل ساتھ آکر لگ گئی ہیں۔
پھر ایک دم بانسری کی آواز رک گئی۔ ناگ نے کہا۔

"بانسری بجانا کیوں بند کر دی ماریا؟ تم تو بڑا اچھا بجا
رہی تھیں۔"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ نے دو بارہ ماریا کو آواز دی۔

"ماریا! تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

ماریا خاموش رہی۔ ناگ نے چرواہے کی طرف دیکھا اس کا
رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے
عجیب سی روشنی نکلنے لگی تھی۔ ناگ کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اس
نے الجھتے ہوئے کہا۔

"ماریا! ماریا!"

ماریا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ ناگ نے پریشان ہو
کر چرواہے سے کہا۔

"میری بہن کہاں چلی گئی؟"

چرواہے نے آہستہ سے کہا۔

"غائب ہو گئی ہو گی۔"

ناگ بولا۔

"وہ کیسے غائب ہو سکتی ہے؟"

چرواہا بولا۔

"جیسے میں غائب ہو رہا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی چرواہا ناگ کی آنکھوں کے سامنے
اپنی بھیڑوں سمیت غائب ہو گیا۔ ناگ نے جادوگروں اور
جن بھوتوں کو غائب ہوتے دیکھا تھا لیکن ایک عام چرواہے
کو یوں خود غائب ہوتے اور ماریا کو بھی ساتھ ہی غائب کرتے
وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماریا کو آوازیں دیں۔ جگہ
جگہ جا کر لمبے لمبے سانس لے کر اسے سونگھنے اور تلاش
کرنے کی کوشش کی مگر وہ اسے کہیں نہ ملی۔

ناگ تو حیران پریشان ہو گیا کہ یہ بیٹھے بٹھائے کیا حادثہ
گزر گیا۔ اس نے کیوں اس بدبخت چرواہے کو بلا کر اس
سے بانسری لے کر ماریا کو دی کہ جس کے بجانے سے وہ غائب
ہو گئی۔ اب وہ غور کرنے لگا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا۔ کیا
وہ چرواہا کوئی جادوگر تھا اور ماریا کے پیچھے لگا ہوا تھا اور
جان بوجھ کر ادھر سے بانسری بجاتا ہوا گزرا تھا؛ لیکن ناگ
نے سوچا کہ اس نے تو خود چرواہے کو بلایا تھا اور اس سے
بانسری لے کر ماریا کو دی تھی۔ تو کیا یہ محض اتفاق تھا؟ اور

کیا یہ صرف اس جادو کی بانسری کا اثر تھا؟ اگر ایسی بات تھی تو چرواہا اس کی طرف گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ سرخ کیوں ہونے لگا تھا اور اس کی آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں کیوں نکلنے لگی تھیں؟

ناگ اس معاملے پر جتنا غور کرتا وہ الجھتا جا رہا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ماریا اس سے بچھڑ گئی تھی، غائب تو وہ پہلے ہی تھی اب جدا ہو گئی تھی اور خدا جانے کہاں اور کس مقام پر چلی گئی تھی؟ وہ چپکے سے اداس چہرہ لیے اٹھا۔ ماریا کے خالی گھوڑے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور درختوں میں سے نکل کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا دل پہلے ہی عنبر کے لیے غمگین تھا۔ اور اب اس میں ماریا کی اداسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

چرواہے کو وہ بانسری ایک بزرگ نے دی تھی اور کہا تھا کہ اگر کبھی اس کی بانسری کسی ایسے انسان نے بجائی جو دکھائی نہ دے رہا ہو تو وہ غائب ہو کر اس جنگل میں پہنچ جائے گا جس جنگل کے درخت سے کاٹ کر وہ بانسری بنائی گئی تھی۔ بزرگ نے یہ بھی کہا تھا۔

"جب تم سے کوئی غیبی ہستی بانسری مانگے گی تو تم انکار

نہ کر سکو گے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ غائب ہو کر وہاں سے ہزاروں میل دور کسی صحرا میں پہنچ جاؤ گے جہاں سے تمہیں تکلیفیں اٹھا کر واپس اپنے گاؤں آنا پڑے گا۔"

چنانچہ جب ناگ نے اپنی ایک غیبی ہستی ماریا کے لیے اس سے بانسری مانگی تو وہ انکار نہ کر سکا۔ اس کا چہرہ اسی لیے سرخ ہو رہا تھا کہ وہ سخت طیش اور غصے کی حالت میں تھا اور جانتا تھا کہ اب وہ بھی ہزاروں میل دور جا پڑے گا۔ مسکرایا اس لیے تھا کہ اسے بزرگ کی بات سچی ہوتی نظر آ رہی تھی۔

ناگ تو گھوڑے پر بیٹھا ماریا کی تلاش میں چلا جا رہا تھا۔

اور ادھر ماریا کو جب ہوش آیا تو اس نے ملک ہندوستان کے شہر بمبئی کے ایک جنگل میں اپنے آپ کو پایا جہاں بانس کے بے شمار درخت لگے ہوئے تھے۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ اس سے تین چار سو میل دور احمد آباد کے جنگلوں میں کیٹی سانپ کے روپ میں پوربا ڈاکو کا تعاقب کر رہی ہے تاکہ اس کے قبضے شیلا نام کی لڑکی کو چھڑا کر اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا سکے۔ ماریا یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ قدیم زمانے کی تاریخ کے کسی جنگل میں ہے۔ اب اسے ناگ کا خیال آیا اور اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ اس نے وہ ناہنجار بانسری کیوں بجائی جس کے بجانے سے وہ غائب ہو کر ناگ سے جدا ہو گئی اور اس جنگل

میں آ پہنچی۔ مگر قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ وہ ایک بار پھر ناگ سے جدا ہو گئی تھی اور اب خدا جانے اس کی ملاقات پھر کب ہو۔

وہ جنگل میں ایک طرف چلنے لگی۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ ایک پتلی سی پکی سڑک پر آ گئی جو جنگل میں درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی گئی تھی اس کا ماتھا ٹھنکا۔ پرانے زمانے کے جنگلوں میں اس قسم کی پکی تک پھری سڑکیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ماریا کو شک ہوا کہ وہ بیسوی صدی کے زمانے میں آ گئی ہے۔ بیسویں صدی میں وہ پہلے بھی عنبر اور ناگ کے ساتھ ، ایک چکر لگا چکی تھی۔ ذرا آگے گئی تو ایک چھوٹا سا بورڈ لگا تھا جس پر لکھا تھا۔

"جنگل میں آگ نہ جلائیں۔ سگریٹ اچھی طرح بجھا کر پھینکیں۔ جنگل قومی دولت ہیں ان کی حفاظت کریں۔

محکمہ جنگلات بمبئی"

۱۹۸۴ء

اب ماریا کو ثبوت مل گیا تھا کہ وہ بیسویں صدی کے سن ۱۹۸۴ء کے ہندوستان کے شہر بمبئی کے جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ گویا وہ بانسری بجانے کی وجہ سے ناگ سے بچھڑ کر اٹھارہ

ہزار برس آگے نکل آئی تھی۔ ماریا سر پکڑ کر رہ گئی کہ یہ ایک بار پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو گیا تھا۔ کاش وہ بانسری نہ بجاتی۔ لیکن پھر اس نے وہی سوچا جو صدیوں کی تاریخ کے مسافر سوچا کرتے تھے کہ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔ یہ بھی اگلے سفر کا ایک ضروری جزو ہو اور شاید اسی طرح اس کی ملاقات عنبر یا کیپٹی سے ہو جائے۔ یہ جنگل جس میں سے ماریا گزر رہی تھی بہت گھنا تھا اور سینکڑوں میل پر پھیلا ہوا تھا۔ ماریا خاموشی سے چلتی رہی۔ راستے میں اس نے کئی جنگلی جانور دیکھے۔ سانپ، بچھو، سؤر اور دریائی گھڑیال اس کی بو سونگھ کر بھاگ جاتے تھے۔ ایک جگہ شیر اس کی بو پا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے اتنی زور سے دھاڑ ماری کہ سارا جنگل گونج اٹھا۔ ماریا آگے گزر گئی۔ رات ہو گئی۔ ماریا نے سوچا کہ وہ آگے جا کر اتنی جلدی کیا کرے گی۔ کیوں نہ کسی جگہ رات گزارے۔ جنگل میں ایک درخت کے نیچے وہ گھاس پر لیٹ گئی اور عنبر ناگ اور کیپٹی کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ کہاں ہوں گے؟ اس کے غائب ہو جانے پر ناگ کیا سوچ رہا ہو گا؟

ادھر ذرا کیپٹی کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

کیپٹی سانپ کی شکل میں بوڑھے ڈاکو کا برابر پیچھا کر رہی تھی۔ یہ احمد آباد کے جنگل تھے جو بمبئی کے ماریا والے جنگلوں سے تین چار سو میل کے فاصلے پر تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر بوڑھا ڈاکو

نے حکم دیا کہ اسی جگہ پڑاؤ ڈالا جائے۔ ڈاکو گھوڑوں سے اتر پڑے۔ فوراً جھاڑیاں کاٹ کر وہاں خیمے گاڑ دیئے گئے اور ایک جھونپڑا بنا کر اس میں شیلا کو قید کر دیا گیا۔ شام کا وقت تھا، رات ہونے والی تھی۔ فوراً آگ جلا کر روٹیاں پکائی جانے لگیں۔ پوربا اپنی بندوق پاس رکھ کر گھاس پر بیٹھ گیا اور دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ کسی جگہ ڈاکہ مارنے کے پروگرام پر باتیں کرنے لگا۔

کیٹی سانپ کی شکل میں اس کے زیادہ دور نہیں تھی، اتفاق کی بات تھی کہ وہ اس بار بھی شہر احمد آباد کے باہر فیروز گنج نامی ایک بستی کے زمیندار کے گھر کو اگلی رات لوٹنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ رات کو روٹیاں کھا کر تین ڈاکو وہیں جنگل میں شیلا کے پاس پہرہ دینے لگے۔ اور باقی ڈاکو پوربا ڈاکو کے ساتھ احمد آباد شہر کی بستی فیروز گنج میں ڈاکہ ڈالنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

کیٹی کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ جب پوربا ڈاکو کو گئے کافی وقت گزر گیا۔ تو کیٹی جھاڑیوں میں رینگتی ہوئی چند قدم دور چلی گئی پھر اپنے دل میں خونخوار ببر شیر کا تصور کیا اور خیال ہی خیال میں سیٹی بجا دی۔ پلک جھپکنے میں وہ شیر بن چکی تھی۔

دوسری طرف تینوں ڈاکو اس جھونپڑی کے دروازے

پر موٹا سا تالا ڈال کر پہرہ دے رہے تھے جس میں شیلا قید تھی۔ وہ جھونپڑی کے آگے بندوقیں زمین پر رکھے گھاس پر بیٹھے لالٹین کی روشنی میں سگریٹ پی رہے تھے کہ ایک ڈاکو نے ہوا میں کچھ سونگھ کر کہا۔

"مجھے شیر کی بو آ رہی ہے"

دوسرے نے کہا۔

"ارے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اس جنگل میں چیتا ہوتا ہے۔ شیر نہیں ہوتا"

اب انہیں شیر کی گرج دار دھاڑ سنائی دی۔ تینوں کانپ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن شیر چھلانگ لگا کر ان کے اوپر آن گرا تھا۔ شیر نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اپنی اپنی بندوق اٹھا سکتے۔ شیر نے دو ڈاکوؤں کو تو وہیں پنجے مار کر گرا دیا۔ اور وہ دہشت کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ تیسرا ڈاکو موقع پا کر فرار ہو گیا۔ شیر بار بار گرجنے لگا۔ تاکہ ڈاکو زیادہ سے زیادہ دور نکل جائے۔

جھونپڑی کے اندر خوف کے مارے شیلا بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اتنے میں شیر نے جھونپڑی کے دروازے پر زور سے پنجہ مارا۔ دروازے کا تالا ٹوٹ گیا اور شیلا کی چیخ نکل گئی۔ مگر شیر اندر نہ آیا۔ شیر نے دوبارہ خلائی لڑکی کیٹی یعنی کملا کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ شیلا نے جب کملا کو

اندر آتے دیکھا تو بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔ اور رونے لگی۔ کیٹی نے کہا۔

"اب جلدی یہاں سے نکل چلو۔ شیر نے ہمارا کام کر دیا ہے۔ پہرے دار ڈاکو بھاگ گئے ہیں اور جھونپڑی کا تالا ٹوٹ چکا ہے۔ جلدی چلو۔"

شیلا ساڑھی سنبھالتی جھونپڑی سے باہر آگئی۔ درختوں میں تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ جو شیر کی گرج کی وجہ سے زور زور سے پاؤں مار رہے تھے۔ شیلا کو قریب پاکر وہ خاموش ہو گئے۔ کیونکہ شیلا کو ان کے ساتھ سفر کرتے کتنے ہی دن ہو گئے تھے۔ اور گھوڑے اس کی بو پہچاننے لگے تھے۔

وہ دونوں ایک گھوڑے پر سوار ہوئیں اور جنگل میں جتنا تیز گھوڑوں کو چلا سکتی تھیں۔ چلاتی ہوئی آگے بڑھنے لگیں۔ کیٹی اس جنگل کے راستے سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔ وہ راتوں رات شیلا کو لے کر جنگل میں کافی دور نکل گئی۔ جب صبح کی روشنی پھیلنے لگی تو وہ جنگل سے باہر نکل آئیں۔ سامنے دریا بہہ رہا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں سے اتر کر منہ ہاتھ دھویا۔ گھوڑوں کو بھی تازہ دم کیا اور دریا کے ساتھ ساتھ اپنا سفر دوبارہ جاری کر دیا۔

دوپہر کے وقت وہ دریا کے گھاٹ پر پہنچ گئیں۔ اس

دریا کے پار جو گاؤں تھا وہاں سے شہر پچاس کوس کے فاصلے پر تھا۔ یہاں انہوں نے گھوڑے چھوڑ دیئے۔ کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کیا اور گاؤں میں آکر لاریوں کے اڈے پر آگئیں۔ ایک لاری یعنی بس پر بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

دن کے چار بج رہے تھے جب کیٹی شیلا کو لے کر اس کے گھر میں داخل ہوگئی۔ بیٹی کو دیکھ کر ماں باپ خوشی سے نہال ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ وہ کیٹی کو بھی پیار کرنے لگے۔ ہر کوئی کیٹی کی ہمت پر حیران تھا کہ کس طرح ایک تن تنہا لڑکی شیلا کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑا کر لے آئی تھی۔ کیٹی اسی وقت شہر کے اس علاقے کے تھانے میں گئی اور تھانیدار کو جا کر بتایا کہ پوربا ڈاکو آج رات فیروز گنج نامی بستی میں ایک زمیندار کے گھر ڈاکہ ڈالنے والا ہے۔

پولیس حرکت میں آگئی۔ تاریں کھڑک گئیں۔ سارے شہر کی پولیس جمع ہو گئی۔ ڈی ایس پی نے اپنے ساتھ پولیس کے بھاری دستے کو لیا اور شام کا اندھیرا ہوتا ہی فیروز گنج بستی کو گھیرے میں لے لیا۔ چھپ کر مورچے بنا لیے گئے۔

رات کے دو بجے پوربا ڈاکو اپنے ساتھیوں سمیت ڈاکہ مارنے آگیا۔ جونہی وہ زمیندار کے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا پولیس نے فائرنگ شروع کر دی۔ پوربا ڈاکو بھی جواب میں فائرنگ کرنے لگا۔ لیکن بہت جلد اسے محسوس

ہو گیا کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے میں آچکا ہے۔ ان
کی گولیاں ختم ہو گئیں اور پولیس نے تمام ڈاکوؤں کو گرفتار
کر لیا۔ کیٹی کو حکومت کی طرف سے پچاس ہزار روپے انعام
دیا گیا جو اس نے ایک یتیم خانے والوں کو خیرات کر دیا۔
کیونکہ اسے روپوں کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ کیٹی کو اب اس
گھر میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اس سے کوئی
نوکروں ایسا سلوک نہیں کرتا تھا۔ شیلا بھی اس سے بہنوں
ایسا سلوک کرتی تھی۔ کیٹی اب وہاں سے چلے جانے
کے بارے میں پروگرام بنانے لگی۔ کیونکہ وہاں رہنا اس
کا مقصد نہیں تھا۔ اس کا مقصد عنبر ناگ ماریا کی تلاش تھی۔
لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہاں سے کدھر
جائے۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک مہینہ اس گھر
میں اور رہے گی۔ اس کے بعد چلی جائے گی۔

ادھر ماریا صبح کے وقت گھنے جنگلوں سے باہر نکل آئی۔
دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں ناریل اور پام
کے درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔ ماریا کھیتوں میں چلنے لگی۔
دور ایک سڑک جا رہی تھی۔ ماریا اس سڑک پر آگئی۔ یہاں
سے شہر بمبئی دس میل کے فاصلے پر شروع ہوتا تھا۔
اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد بس گزر جاتی تھی۔ ماریا ایک بس
کی چھت پر بیٹھ کر شہر آگئی۔ اس شہر میں وہ پہلی بار

آرہی تھی۔ کافی دیر وہ بمبئی کے خوب صورت شہر کی سڑکوں
پر گھومتی رہی۔ جب رات ہوئی تو وہ سمندر کے کنارے پر
آگئی۔ یہاں سمندر کا کنارہ رات کے ہلکے ہلکے اندھیرے میں
دور تک ویران ویران تھا۔ سمندر کی لہریں دور دور سے
آکر ساحل سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں اور ان لہروں
کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا تھا۔

کنارے کی ریت پر کتنے ہی بڑے بڑے پتھر بکھرے
ہوئے تھے۔ ماریا ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ اس کی بائیں جانب
زمین سے تھوڑی سی بلندی پر چھوٹا سا مندر بنا ہوا تھا جس
پر ناریل کے درخت جھکے ہوئے تھے۔ عجیب بات تھی کہ
یہ مندر بے آباد لگتا تھا۔ حالانکہ بمبئی ایسے بڑے شہر
میں جہاں بہت زیادہ ہندو لوگ رہتے ہیں کوئی مندر
بے آباد نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا
اور مندر میں کہیں بھی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی چھوٹا
سا دیا بھی نہیں جل رہا تھا۔ ماریا اپنے دھیان میں اندھیر سمندر
کی لہروں کو دیکھ رہی تھی کہ اسے یوں لگا جیسے کوئی اس
کے قریب سے ہو کر گزر گیا ہے۔ ماریا نے گردن گھما کر دیکھا۔
ایک انسانی سایہ کالے کپڑوں میں اپنے آپ کو لپیٹے مندر کی
طرف جا رہا تھا۔

ماریا نے سوچا ہو سکتا ہے کوئی جوگی سادھو ہو اور مندر

میں عبادت کرنے جا رہا ہو، کیونکہ ہندو جوگی سادھو اور سنیاسی عام طور پر اسی قسم کے ویران مندروں اور اجاڑ جگہوں پر ریاضت کیا کرتے ہیں۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا اور پھر لہروں کو دیکھنے اور ناگ عنبر اور کیٹی کے بارے میں سوچنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ماریا کو پھر احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے سے گزر گیا ہے۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ ویسا ہی ایک انسانی سایہ کالے کپڑوں میں لپٹا مندر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ماریا مندر کی طرف دیکھنے لگی۔

اچانک مندر کے ایک روشن دان میں دھیمی سی روشنی ہوئی۔ یہ روشنی ایک بار چمک کر بجھ گئی۔ دوسرا انسانی سایہ مندر میں داخل ہو چکا تھا۔

روشنی پھر چمکی اور چمک کر بجھ گئی۔ ماریا کو احساس ہوا کہ مندر کے اندر کوئی پر اسرار بات ہو رہی ہے۔ وہ پتھروں پر سے اٹھی اور مندر کی طرف بڑھی۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ اس کی سیڑھیاں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ماریا کو دروازہ کھلوانے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ بند دروازے کے اندر سے ہو کر نکل گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ سامنے ایک راستہ نیچے جاتا ہے بڑی اندھیری سیڑھیاں ہیں اور دیواروں کا چونا پلستر اکھڑ اکھڑ کر خستہ ہو رہا ہے۔ وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ آگے

پھر ایک دروازہ آ گیا۔ یہ دروازہ چھوٹا تھا۔ اسے دو انسانوں کے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ ان میں سے ایک آواز مرد کی تھی اور دوسری آواز عورت کی تھی۔ عورت کی آواز روہانسی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ اس سے پہلے رو رہی تھی۔ ماریا نے سنا۔ عورت کہہ رہی تھی۔

”مجھے معاف کر دو۔ اب میں تمہارے لیے آدھی رات کو روپے چرا کر نہیں لا سکتی۔ میں اس کام سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں بُرائی سے توبہ کر کے نیک زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔“

مرد کی آواز نے غصے سے کہا۔

”یاد رکھو! تمہارا اکلوتا بیٹا میں نے قیدی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر تم نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو میں تمہارے بیٹے کو قتل کر دوں گا۔“

”نہیں نہیں۔ بھگوان کے لیے میرے بچے کو کچھ نہ کہنا میں تمہارا ہر حکم مانوں گی۔ میں لوگوں کے گھروں سے روپیہ زیور پیسہ جو کچھ ملا چوری کر کے لا کر تمہیں دے دیا کروں گی۔“

مرد نے کہا۔

”پھر کبھی ایسا تو نہیں کہو گی کہ تم یہ کام نہیں کر سکتی ہو؟“

"نہیں کبھی نہیں کہوں گی" عورت نے سسکی بھر کر کہا۔
"تو جاؤ۔ جس گھر میں نوکری کرتی ہو اب وہاں
مت جانا۔ کل کسی دوسرے علاقے میں کسی دوسرے
گھر میں کام تلاش کرنا اور منگل کی رات کو مجھے خبر
کرنا کہ اس گھر میں کتنا سونا ہے۔ جاؤ۔"
عورت نے گڑگڑا کر کہا۔
"کیا میں اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی؟"
"نہیں۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ رکھا ہے کہ جب
تم چار گھروں میں چوری کر کے ان کی دولت لا کر
دو گی تو تمہیں تمہارے بچے سے ایک بار ملایا جائے گا۔"
ماریا تیزی سے بند دروازے میں اندر گزر گئی۔ ویران مندر
کے تنگ سے کمرے میں فرش پر ایک مرد اور ایک عورت کھڑے
تھے۔ فرش پہ ایک چھوٹا سا دیا جل رہا تھا۔ مرد کا سر منڈا ہوا تھا
اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ اس کی آنکھیں سکڑی ہوئی تھیں۔ عورت
کی عمر تیس برس کے قریب تھی اور چہرہ کمزور اور زرد ہو رہا تھا۔
"جاؤ۔ اگلے منگل کی رات یہاں آ کر بتانا کہ نئے گھر
میں کتنی دولت ہے۔"
عورت بے چاری خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
وہ بار بار آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد مرد نے
جیب میں سے کوئی چھ سات ہزار کے کرنسی نوٹ نکال کر

دیکھے۔ ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ انہیں واپس جیب میں رکھا۔
دیئے کو پاؤں مار کر بجھایا اور دروازہ کھول کر سیڑھیاں چڑھتا
مندر کے بڑے دروازے میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ ماریا
بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ ماریا نے اس بدمعاش کا پیچھا
کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

یہ بدمعاش کون تھا اور وہ عورت کون تھی؟
عنبر عیسائی بن کر جس گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں اس کے ساتھ
کیسے واقعات پیش آئے؟
کیٹی جو شیلا کے ہاں کملا بن کر ٹھہری ہوئی تھی وہاں سے
کیسے نکلی اور اس کی ماریا سے کن حالات میں ملاقات ہوئی؟
ناگ اکیلا عنبر ماریا اور کیٹی کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ
کیا گزری اور اپنے دوستوں سے کہاں اور کیوں کر ملاقات
ہوئی؟ اور ماریا نے بمبئی کے قریب ایلورا کے پر اسرار ڈراونے
غاروں میں کیا دیکھا؟
یہ معلوم کرنے کے لیے ناگ عنبر ماریا اگلی قسط نمبر آج ہی خرید کر
پڑھیئے۔ اس کا نام "دیوتا قتلام پر قربان کر دو" ہے۔

عنبر ناگ ماریا کیپٹن اور خلا میں

اے حمید

نیا مکتبہ اقرا
۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور-۸

دیوتا قتلام پر قربان کردو
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

فہرست

خلائی لڑکی چٹکی بجا کر ہیما مالینی بن گئی

ماریا اس بد معاش کا تعاقب کر رہی تھی۔

غیر آباد ویران مندر سے نکل کر وہ بد معاش مرد سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

پیارے بچو! آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ماریا آج سے تین ہزار سال پرانے ملک بابل کے ریور دریا کے کنارے ناگ کے ساتھ بیٹھی تھی کہ ایک بچے کو کی بانسری بجانے سے وہ غائب ہو کر ۱۹۸۳ء کے بھارت یعنی ہندوستان کے شہر بمبئی میں نمودار ہو گئی۔ ماریا کے اچانک بچھڑ جانے کی وجہ سے ناگ پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ماریا کو کئی آوازیں دیں مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ ماریا غائب ہو کر اس سے جدا ہو چکی ہے تو وہ بوجھل دل کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔ دل میں یہ امید لئے کہ شاید کسی دور میں، کسی بھی وقت اس

کی ماریا عنبر اور کیٹی سے دوبارہ ملاقات ہو جائے۔
ادھر عنبر کے بارے میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ
چنگیز خان کے آنے پر دریا میں کود گیا اور دریا میں ڈبکی
لگا کر باہر نکلا تو دنیا بدل چکی تھی اور وہ حضرت عیسیٰ
کے دنیا سے چلے جانے کے پچاس سال بعد کے یروشلم کے
علاقے میں نکل آیا تھا۔ وہ ایک گاؤں میں ایک عیسائی
مزدور دانیال کے پاس رہنے لگا تھا۔ اس زمانے میں عیسائیوں
پر روم کا بادشاہ بے پناہ ظلم کرتا تھا۔ اس لئے جو چند
ایک عیسائی تھے وہ بے چارے چھپ کر عبادت کرتے تھے۔
عنبر نے بھی اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا تھا۔ اور [illegible]
[illegible]ے ساتھ رہنے لگا تھا۔ اس زمانے کے رومن لوگ
[illegible] نامی ایک دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔
ناگ اس وقت ماریا، عنبر اور کیٹی کی تلاش میں اکیلا
گھوڑے پر سوار چلا جا رہا ہے۔ خلائی لڑکی کیٹی بمبئی سے
دور احمد آباد نامی شہر میں ایک روسی شہلا کے گھر میں نوکرانی
بن کر رہ رہی ہے اور وہ بھی ناگ، ماریا اور عنبر کی
تلاش میں وہاں سے نکلنے ہی والی ہے۔
ماریا بمبئی کے ایک جنگل میں نمودار ہو گئی تھی اور رات
کے اندھیرے میں سمندر کے کنارے آکر بیٹھ گئی تھی کہ اس

نے دو انسانی سایوں کو آگے پیچھے سمندر کے کنارے ایک
ویران مندر میں داخل ہوتے دیکھا۔ ماریا ان کے پیچھے گئی۔ مندر
میں اس نے دیکھا کہ ایک سر منڈا بڑی بڑی مونچھوں والا بدمعاش
آدمی ہے اور دوسری بے چاری ایک غریب نوکرانی قسم کی عورت
ہے۔ یہ مرد اس عورت کو بلیک میل کر رہا ہے۔ اس
بدمعاش نے اس غریب عورت کا پانچ چھ سال کا بچہ اغوا کر
کے اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور اب اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ
جگہ جگہ شہر کے گھروں میں جا کر نوکری کرے اور پھر ایکدن وہاں
سے زیور روپیہ جو کچھ ملے چرا کر لائے اور اُسے دے دے۔
عورت ایسا نہیں کرنا چاہتی مگر وہ کہتا ہے کہ اگر روپے زیور
گھروں سے چرا کر مجھے نہیں دو گی تو میں تمہارے بچے کو
قتل کر دوں گا۔ بے چاری عورت مجبور ہو گئی ہے کہ اس
بدمعاش مرد کی خواہش کو پورا کرے۔
جس وقت ماریا مندر میں گئی تھی تو وہ مرد اس مجبور و
بے بس عورت کو کہہ رہا تھا کہ اب فوراً نئے گھر میں نوکری
کرو اور وہاں سے جو کچھ ہاتھ لگے لا کر مجھے دے دو۔ اس
نے منگل کا دن دیا ہوا تھا۔ عورت بے چاری آنسو بہاتی واپس
چلی گئی تھی اور مرد اس کے بعد مندر سے نکل کر ایک طرف
روانہ ہوا تھا۔ ماریا نے اس مرد کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

کیونکہ عورت منگل کو پھر اس مندر میں آنے والی تھی اور وہ
اسے منگل کے دن بھی مل سکتی تھی۔ ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی
تھی کہ یہ بدمعاش آدمی اصل میں کون ہے اور اس کا تعلق
کس گروہ سے ہے۔ چنانچہ وہ اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔

اب آپ کو صحیح پوزیشن کا پتہ چل گیا ہو گا کہ ناگ تین ہزار
سال پہلے کے ملک بابل کے میدانوں میں گھوڑے پر سوار ماریا
عنبر اور کیٹی کی تلاش میں اکیلا چلا جا رہا ہے۔ عنبر دو ہزار
سال پہلے کے شہر یروشلم کے قریب ایک دریا کنارے والے گاؤں
میں انگور کے باغ میں کام کرنے والے عیسائی مزدور دانیال کے
گھر میں رہ رہا ہے۔ کیٹی بھی پُراسرار محل میں غائب ہونے کے
بعد ۱۹۸۳ء کے ہندوستان کے شہر احمد آباد میں نکل آئی تھی۔
اس نے ایک گھر میں ملازمت کر لی تھی۔ مشہور ڈاکو پوربا اس گھر کی
لڑکی شیلا کو اغوا کر کے لے گیا تھا۔ کیٹی نے پوربا ڈاکو کو گرفتار کروا
کر شیلا کو برآمد کروا لیا۔ پوربا ڈاکو جیل میں ہے اور کیٹی سے
بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اور ادھر ماریا بھی چرواہے کی بانسری بجانے
سے غائب ہونے کے بعد بمبئی شہر کے قریب جنگل میں نمودار ہو
گئی تھی اور اب اس بدمعاش آدمی کا پیچھا کر رہی ہے جو ایک
شریف نوکرانی کے بچے کو اغوا کرنے کے بعد اسے بلیک میل کر رہا ہے
اور اسے مجبور کر رہا ہے کہ وہ گھروں میں نوکر ہو کر وہاں چوری

کرے اور روپیہ پیسہ سونا لا کر اس کے حوالے کر دے۔

اب ہم ماریا کی طرف آتے ہیں۔ وہ اس بدمعاش آدمی کے
پیچھے پیچھے چلی جا رہی ہے۔ وہ آدمی جس نے اپنے جسم کو سیاہ
لبادے میں لپیٹ رکھا ہے مندر کی ریت پر شہر کو جاتی سڑک کی طرف
روانہ ہو گیا۔ سڑک رات کے وقت خاموش تھی۔ ویسے بھی مندر
کا ویران علاقہ تھا۔ وہ سڑک پر چلنے لگا۔ ایک چھوٹی کار چپکے
سے درختوں میں سے نکل کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ کار
کا دروازہ کھلا۔ وہ آدمی اس کے اندر داخل ہو گیا اور کار بڑی
تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

ماریا پہلے ہی کار کی چھت پر بیٹھ چکی تھی۔

کار شہر کی سنسان سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی ایک چوک
سے گزر کر بازار میں داخل ہوئی اور ایک مندر کے پچھلے دروازے
پر آ کر رک گئی۔ اس مندر کو بھوانی مندر کہا جاتا تھا اور یہ
بدمعاش آدمی اس مندر کا پجاری تھا۔ اوپر سے وہ پجاری تھا مگر
اندر سے وہ ایک چھٹا ہوا بدمعاش اور سمگلر بھی تھا۔ بدمعاش
لوگ اس کے پاس سمگلنگ کا مال آ کر جمع کروا دیتے تھے اور وہ
ان سے پیسے وصول کرتا تھا۔ کبھی کبھی مال بھی ہضم کر جاتا تھا۔
کسی سمگلر میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس بدمعاش پجاری کے
آگے منہ کھول سکے۔ یہ بدمعاش پجاری کئی آدمیوں کو خفیہ طور

پر قتل کروا کر ان کی لاشیں سمندر میں پھنکوا چکا تھا۔

مندر میں آکر بدمعاش پجاری نے کالا لباس اتار کر پوجا کا زرد لباس پہنا۔ ماتھے پہ تلک لگایا۔ رتن جو کے پھولوں کا ہار پہنا اور دیوی بھوانی کے بت کے آگے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اب تھوڑی ہی دیر میں پو پھٹنے والی تھی اور وہاں کے ہندو مرد اور عورتیں منہ اندھیرے دیوی بھوانی کے بت کی پوجا کرنے آنا شروع ہو جاتے تھے۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی مندر میں آگئی تھی اور بدمعاش پجاری کے قریب کھڑی مندر کے چھوٹے اور بڑے بتوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ مندر کے چھوٹے پجاری جھاڑ پونچھ اور صفائی میں لگے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس بدمعاش پجاری کا ایک خاص ساتھی مہنت پجاری اس کے پاس آگیا اور بولا۔

"گورو! رات پیلا ہاؤس والے سمگلر آئے تھے۔ اپنا مال لے گئے تھے اور پانچ ہزار روپے دے گئے تھے۔"

بدمعاش پجاری مسکرایا اور بولا۔

"شاباش!"

پھر اپنی جیب میں سے زیورات کی پوٹلی نکال کر مہنت پجاری کو دی اور کہا۔

"ان روپوں کے ساتھ یہ زیور بھی رکھ دو۔ وہ عورت مجھے

ویران مندر میں ملی تھی اور یہ زیور چرا کر لائی تھی۔"

مہنت پجاری مسکرا کر بولا۔

"گورو! اسے کہو کہ کوئی بڑا ہاتھ مارے۔"

بدمعاش پجاری بولا۔ "فکر نہ کرو۔ اس بار وہ کسی امیر گھر میں نوکری کرے گی اور زیوروں کے ساتھ جواہرات بھی لائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اس کا بچہ جسے ہم نے اغوا کر رکھا ہے وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"

مہنت پجاری نے کہا۔ "اسے ہم نے تمہارے کہنے کے مطابق ایلورا غار میں ایک پرانی گپھا میں قید کر کے رکھا ہوا ہے۔ وہاں ہمارے چار آدمی ایلورا غار کے گائیڈ کی حیثیت سے اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

بدمعاش پجاری کہنے لگا۔ "خبردار! وہ لڑکا وہاں سے جانے نہ پائے۔ اسی کی وجہ سے اس کی ماں ہمیں لوگوں کے گھروں سے مال چرا کر دیتی ہے۔"

مہنت پجاری بولا۔ "گورو! جہاں وہ بچہ قید ہے وہاں تو چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ تم بے فکر رہو۔"

بدمعاش پجاری نے آنکھ مار کر کہا "شاباش! اب اپنا کام کرو۔ لوگ پوجا کرنے آ رہے ہیں۔"

ماریا یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ عورتیں اور مرد مندر میں بھجن

گاتے پوجا کرنے آنے لگے تھے۔ وہ بُت کے آگے ماتھا ٹیکتے، بدمعاش پجاری کے پاس پڑی صندوقچی میں روپے ڈالتے اور اس سے پھول لے کر الٹے پاؤں واپس چلے جاتے۔ ماریا خاموش کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ ان لوگوں نے اس بدمعاش نوکرانی کا بچہ اغوا کر کے ایلورا غار میں بند کر رکھا ہے۔ ماریا اس سے پہلے ایک بار ایلورا کے غار دیکھ چکی تھی۔ یہ غار بمبئی کے گیٹ وے آف انڈیا سے کوئی بیس بائیس میل دور سمندر میں بنے ہوئے تھے۔ یہاں تک گیٹ وے آف انڈیا سے کشتی میں سوار ہو کر جانا پڑتا تھا۔ لیکن ماریا کو اس بچے کی ماں یعنی نوکرانی کے گھر کا علم نہیں تھا۔ اسے منگل کے دن تک انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ وہ عورت منگل کی رات کو اس بدمعاش پجاری سے دوبارہ ملاقات کرنے والی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ منگل میں ابھی دو دن باقی ہیں۔ اگر بدمعاشوں کے اس گروہ کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس عورت کا بچہ آزاد ہو جائے گا اور وہ عورت بھی ان لوگوں کے چنگل سے نکل جائے گی۔ ماریا نے فیصلہ کیا کہ پہلے ایلورا کے غاروں میں جا کر اس عورت کے بچے کو دیکھا جائے کہ وہ وہاں موجود بھی ہے کہ نہیں۔ چنانچہ وہ مندر سے نکل کر گیٹ وے آف انڈیا کی طرف روانہ ہو گئی۔ بمبئی شہر میں صبح ہو چکی تھی اور ٹریفک شروع ہو گئی تھی۔ ماریا

اس شہر کی سڑکوں سے واقف تھی۔ وہ ایک بس میں بیٹھ کر گیٹ وے آف انڈیا پر آ گئی۔ یہاں کشتیاں آٹھ آنے سواری لے کر لوگوں کو ایلورا کے غاروں تک پہنچا دیتی تھیں۔ ماریا ایک کشتی میں سوار ہو کر دوسرے سیاحوں کے ساتھ اس جزیرے پر آ کر اتر گئی جہاں ایک پہاڑ کے اندر ایلورا کے غار بنے ہوئے تھے۔ یہ غار تین ہزار سال پرانے تھے اور اس کے اندر پرانے زمانے کے لوگوں نے پتھروں میں سے مورتیاں تراش کر بنائی ہوئی تھیں۔ لوگ ان مورتیوں کو دیکھنے آتے تھے۔

غار میں بلب لگے ہوئے تھے اور روشنی تھی۔ سیاح مورتیوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کی تصویریں اتار رہے تھے۔ ایک گائیڈ سیاحوں کو مورتیوں اور دیواروں میں کھدے ہوئے دوسرے بتوں کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ ماریا نے سن لیا تھا کہ بچے کی حفاظت غار کے گائیڈ کرتے ہیں۔ ماریا نے خود بھی سارے غاروں میں گھوم پھر کر دیکھا۔ اسے کوئی ایسی خفیہ گپھا نہ ملی، جس کے اندر نوکرانی کا بچہ قید کر کے رکھا گیا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ کسی گائیڈ سے مدد لی جائے۔

ماریا کے لئے کسی گائیڈ سے مدد لینا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ غائب تھی اور نظر نہیں آتی تھی۔ اتنے میں ایک دوسرا گائیڈ پہلے گائیڈ کے پاس آیا۔ اسے ایک طرف لے گیا اور کہا۔ "لڑکے کو ٹ

نے ڈبل روٹی چائے پلا دی ہے۔ مگر وہ رو رہا ہے اور ماں
کے پاس جانے کی ضد کر رہا ہے۔"

پہلے گائیڈ نے کہا۔ "اسے چپ کراؤ اُلو کے پٹھے! اگر کسی
سیاح نے اس کی آواز سن لی تو ہمارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

"اچھا جاتا ہوں۔"

اور دوسرا گائیڈ ایک غار کی طرف مڑ گیا۔ ماریا بھی اس کے
ساتھ ہی غار میں مڑ گئی۔ اس غار کے کونے میں ایک جگہ نیچے
کو راستہ جاتا تھا۔ گائیڈ اس راستے سے نیچے اتر گیا۔ ماریا اس
کے پیچھے تھی۔ نیچے ایک گپھا سی بنی ہوئی تھی جس کا منہ لکڑی
کے دروازے سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس گپھا کے اندر سے کسی
لڑکے کے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آ رہی تھی۔ گائیڈ دروازہ
کھول کر اندر آ گیا۔ ماریا نے دیکھا کہ پانچ چھ سال کا ایک لڑکا
زمین پر بیٹھا آہستہ آہستہ روتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ "مجھے ماتا جی
کے پاس لے چلو۔ مجھے ماتا جی کے پاس لے چلو۔"

گائیڈ نے اس کو ڈانٹا۔ "کم بخت چپ کرے گا کہ ماروں
ایک گھونسہ؟"

لڑکا بولے جا رہا تھا۔ "ماتا جی کے پاس جانا ہے۔ ماتا جی
کے پاس لے چلو۔"

گائیڈ نے اس کو ایک طمانچہ مار دیا۔ "بکواس بند کر نہیں تو

گلا گھونٹ دوں گا۔"

لڑکا سہم کر خاموش ہو گیا۔ ماریا کو بہت غصہ آیا۔ اس
نے کچھ سوچے سمجھے بغیر گائیڈ کے منہ پر ایک طمانچہ لگا دیا۔
گائیڈ پیٹھ کے بل پیچھے جا گرا اور گال پر ہاتھ رکھے ہکا بکا ہو
کر ادھر ادھر تکنے لگا کہ مجھے طمانچہ کس نے مارا ہے؟ وہاں
لڑکے کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اور لڑکے نے اسے طمانچہ
نہیں مارا تھا۔ گائیڈ ڈر گیا کہ ضرور اس گپھا میں کوئی آسیب بستا
ہے۔ وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

اس نے پہلے والے گائیڈ کو جا کر بتایا کہ گپھا میں کسی آسیب
نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ پہلے گائیڈ نے غراتے ہوئے
کہا۔ "بکواس بند کر نہیں تو میں گھونسہ ماروں گا۔ مجھے
کام کرنے دے۔"

پہلا گائیڈ سیاحوں کو لے کر آگے نکل گیا اور دوسرا گائیڈ حیران
پریشان کھڑا اپنا گال سہلاتا رہ گیا۔ کیونکہ ماریا کا ہاتھ ذرا زیادہ
ہی پڑ گیا تھا۔

ماریا نے بچے کو دیکھ لیا تھا کہ وہ کس جگہ پر قید ہے چنانچہ
وہ ایلورا کے غاروں سے نکل کر واپس شہر میں آ گئی۔ اسے منگل
کے دن کا انتظار تھا۔ وہ شہر میں گھومنے پھرنے لگی۔

ادھر ماریا کے شہر بمبئی سے دور شہر احمد آباد میں خلائی لڑکی کیپٹن

شیلا کے گھر میں رہ رہی تھی ۔ اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے وہاں سے نکل جانا چاہیئے ۔ کیونکہ وہاں رہتے ہوئے وہ ناگ عنبر ماریا سے نہیں مل سکتی تھی ۔ چنانچہ ایک روز وہ شیلا کے گھر سے نکل کھڑی ہوئی ۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ اس گھر میں کبھی واپس نہیں آئے گی ۔

کیٹی نوکرانی کملا کے لباس میں تھی ۔ اس کے پاؤں میں ربڑ کی چپل تھی اور اس نے معمولی سی ساڑھی پہن رکھی تھی ۔ اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جائے ؟ کدھر کو جائے ؟ وہ یونہی ایک سڑک پر چلنے لگی ۔ اس وقت دن غروب ہو رہا تھا ۔ شام ہونے والی تھی ۔ موسم بڑا خوشگوار تھا ۔ سڑکوں پر ٹریفک کا شور تھا ۔ بسیں کاریں رکشا آجا رہے تھے ۔ کیٹی کی جیب میں چند ایک روپے تھے ۔ چلتے چلتے وہ احمد آباد کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئی ۔ وہاں پلیٹ فارم پر ایک ریل گاڑی دیکھی جو بمبئی جانے کے لئے تیار کھڑی تھی ۔ اس نے دل میں کہا کہ چلو بمبئی شہر کی سیر کرتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے قسمت اسی شہر میں ناگ ، عنبر ماریا میں سے کسی سے ملوا دے ۔

اتنے میں ریل گاڑی نے سیٹی بجائی ۔ کیٹی کے پاس اب اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ باہر جا کر ٹکٹ خریدے ۔ چنانچہ وہ جلدی سے ریل کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئی ۔ ریل گاڑی چلنے لگی ۔

کیٹی جس ڈبے میں سوار تھی وہ زنانہ ڈبہ نہیں تھا بلکہ مردوں کا ڈبہ تھا اور یہاں عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ۔ کیٹی بھی ساڑھی کا پلّو سنبھالتی ایک جگہ فرش پر بیٹھ گئی ، کوئی بھی سیٹ خالی نہیں تھی ۔ ریلوے سٹیشن سے نکل کر ریل گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی ۔ راستے میں زبردست بارشوں کی وجہ سے ریلوے لائن خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے گاڑی جگہ جگہ رک رک کر سفر کرنے لگی ۔ اسی طرح ساری رات گزر گئی ۔ صبح کی روشنی پھیلی تو گاڑی بمبئی شہر کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی ۔ ریلوے لائن کی دونوں جانب بڑی بڑی بلڈنگیں نظر آنے لگیں ۔ اب جیسا کہ اس علاقے میں رواج ہے ایک ٹکٹ چیک کرنے والا ٹی ٹی ڈبے میں آگیا اور مسافروں سے ٹکٹ چیک کرنے لگا ۔

کیٹی کے پاس ٹکٹ نہیں تھا ۔ وہ خواہ مخواہ چٹکی بجا کر سب کے سامنے کوئی دوسری شکل اختیار نہیں کرنا چاہتی تھی ۔ لیکن ٹکٹ چیکر کو دکھانے کے لئے اس کے پاس ٹکٹ بھی نہیں تھا ۔ وہ خاموش بیٹھی رہی ۔ ٹکٹ چیکر یعنی ٹی ٹی نے آکر اس سے ٹکٹ مانگا ۔

کیٹی نے کہا ۔ " بابو جی ! میں جلدی میں ٹکٹ لینا بھول گئی تھی ۔ آپ مجھ سے جرمانہ اور ٹکٹ کے پیسے لے لیں "

اور اس نے جیب سے سارے روپے نکال کر سامنے کر دیئے ۔

ٹی ٹی نے گنے تو بولا۔" یہ پورے نہیں ہیں۔"
کیٹی نے کہا۔" تو پھر میرے پاس تو اور پیسے نہیں ہیں۔"
ٹی ٹی نے غصّے میں کہا۔" تو پھر بمبئی پہنچ کر تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ جب تمہاری جیب میں پورے پیسے نہیں تھے تو ریل گاڑی میں کیوں سوار ہوئی تھیں تم؟"
کیٹی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ریل گاڑی بمبئی کے سنٹرل سٹیشن پر پہنچ کر رک گئی۔ ٹی ٹی نے کیٹی کو ریلوے پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے اسے پلیٹ فارم پر ہی بنی ہوئی حوالات میں بند کر دیا۔
ایس پی نے کہا۔" اری تمہارا کوئی واقف اس شہر میں نہیں ہے کیا جو تمہارا کرایہ ادا کر دے؟"
کیٹی نے کہا۔" نہیں بابو جی! میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔"
" تو پھر تو یہاں اتنے بڑے شہر میں کیا کرنے آئی ہے؟"
کیٹی بولی بابو جی" نوکری لینے آئی ہوں۔"
تھانیدار نے کہا۔" تو اب تو تمہیں جیل میں ہی ایک مہینہ گزارنا پڑے گا۔ کیونکہ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی سزا ایک مہینہ قید ہے۔"
کیٹی بڑی پریشان ہو گئی۔ ایک مہینہ بھلا کیسے جیل میں رہ سکتی تھی۔ اب مجبوراً اس کے چٹکی بجانے کا وقت آ گیا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ چٹکی بجا کر کیا بنے؟ اور کس انسان کی شکل اپنے تصور میں لائے؟ اس کے ذہن میں کسی کی بھی شکل نہیں آ رہی تھی۔ اچانک کیٹی نے تھانیدار کو غور سے دیکھا یہ ایک سکھ تھانیدار تھا۔ کیٹی نے سوچا کہ کیوں نہ وہ تھانیدار کی شکل اختیار کرے۔ اب وہ تھانیدار کے جانے کا انتظار کرنے لگی۔
گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد سکھ تھانیدار نے سپاہی سے کہا۔
" میں جا رہا ہوں ذرا عدالت تک۔ گھنٹے بعد واپس آ جاؤں گا۔"
سپاہی نے کہا۔" بہت اچھا سر!"
تھانیدار چلا گیا۔ سپاہی دفتر میں کچھ دیر بیٹھا رہا۔ کیٹی جس حوالات میں بند تھی اس کے سلاخوں والے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ سپاہی اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ اب میدان صاف تھا۔
کیٹی نے سکھ تھانیدار کی شکل آنکھوں میں جمائی اور آنکھیں بند کر کے چٹکی بجا دی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کملا نوکرانی کی بجائے سکھ تھانیدار بن چکی تھی جس نے پوری تھانیداروں والی وردی پہن رکھی تھی۔ سپاہی غسل خانے سے باہر نکلا تو کیٹی نے اسے گالی دے کر کہا۔

"ابے سُوّر کی اولاد! اس اپنے باپو کو کیوں حوالات میں بند کر رکھا ہے تم نے؟"

سپاہی نے جو تھانیدار صاحب کو حوالات میں بند دیکھا تو وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

کیٹی نے غصّے میں کہا۔

"ابے تالا کھول حرامی!"

"اچھا جناب!"

سپاہی نے آگے بڑھ کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تالا کھول دیا۔ کیٹی حوالات سے باہر آگئی۔

سپاہی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "جناب عالی! آپ تو عدالت گئے تھے۔ آپ میرا مطلب ہے آپ کیسے حوالات میں آگئے؟ اور وہ — وہ عورت کہاں چلی گئی ہے؟"

کیٹی تھانیدار نے کہا۔ "وہ عورت ڈھیٹ کھوہ میں گئی ہے اور تم بھی اس کے ساتھ ہی جاؤ۔"

کیٹی تھانیدار کی وردی میں باہر پلیٹ فارم پر آگئی۔ وہ گیٹ میں سے بڑے مزے سے گزر گئی۔ کسی نے اس سے ٹکٹ کا نہ پوچھا۔ ایک سپاہی نے اس کو سیلوٹ بھی کیا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔

"یار تھانیدار صاحب تو ابھی باہر گئے تھے۔ یہ پھر اندر

سے کہاں سے نکل رہے ہیں۔"

اس کا ساتھی حیران ہو کر بولا۔

"بھائی بھگوان کی باتیں بھگوان ہی جانے۔ آج کل کے زمانے میں کسی کا کچھ پتہ نہیں ہے۔"

کیٹی جب ریلوے سٹیشن سے باہر آگئی تو اسے تھانیدار کی وردی اور خاص طور پر اپنے چہرے پر اُگی ہوئی سکھوں ایسی داڑھی بڑی بُری لگنے لگی۔ وہ اب اس حلیے سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ اب وہ کس کی شکل بدلے؟ کس کی شکل اپنے ذہن میں لائے؟

وہ ایک بکسٹال پر آکر کھڑی ہو گئی اور اخباروں کو دیکھنے لگی۔ ایک فلمی اخبار پر ہندوستان کی مشہور فلمی اداکارہ ہیما مالینی کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اس کے نیچے لکھا تھا۔

"مشہور فلمی ہیروئن ہیما مالینی آج شام پونا سے بذریعہ ریل بمبئی پہنچ رہی ہیں۔"

کیٹی تھانیدار کی وردی میں مسکرائی۔ اس کو ہیما مالینی کی شکل بڑی پیاری لگی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ہیما مالینی بن جائے۔ اس نے ہیما مالینی کی تصویر کو خوب غور سے دیکھا۔ جب اس کی شکل کیٹی کے ذہن میں پوری طرح بیٹھ گئی تو وہ بک سٹال سے پرے ہٹ گئی۔ سامنے ایک جگہ لکڑی کے کیٹے ہی

ٹھوکھے پڑے تھے۔ وہ ان کھوکھوں کے پیچھے آ گئی اور
ہیما مالینی کی شکل تصور میں لا کر چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے
وہ ہیما مالینی بن گئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ
بڑی خوبصورت ساڑھی میں تھی اور کندھے پر بڑا ہی خوبصورت
پرس لٹک رہا تھا۔

اچانک اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ساری کی ساری
بڑی ہی خوبصورت ہیما مالینی بن چکی تھی مگر اس کا بایاں ہاتھ
ہیما مالینی کا ہاتھ نہیں بن سکا تھا۔ بلکہ وہ اسی سکھ تھانیدار
کا مردانہ ہاتھ ہی تھا۔ جس پر کالے کالے بال اُگے ہوئے تھے۔
تھانیدار سے ہیما مالینی بننے میں کہیں کوئی غلطی ہو گئی تھی۔ کیٹی
گھبرا گئی۔ اب وہ کیا کرے؟ کیا دوبارہ چٹکی بجا کر تھانیدار
بن جائے۔ وہ تھانیدار کی شکل کو ذہن میں لائی اور چٹکی بجا دی۔
چٹکی بجانے کے ساتھ ہی وہ پھر سے تھانیدار بن گئی۔ مگر یہ
دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی کہ وہ سارے کا سارا سکھ تھانیدار
بن چکی تھی مگر اس کا دایاں ہاتھ ہیما مالینی کے ہاتھ میں بدل
گیا تھا۔

کیٹی نے سر پیٹ لیا۔ اس نے فوراً اپنی اصل شکل کا تصور
کیا اور چٹکی بجا دی۔ لیکن وہ بھوری آنکھوں والی کیٹی بننے کی
بجائے ایک بار پھر وہی ہیما مالینی بن گئی جس کا بایاں ہاتھ سکھ

"پھیلے۔" یہ کالے بالوں والا ہاتھ تھا۔ کیٹی گھبرا گئی۔
کیٹی فلم ڈرامے میں پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اب وہ
دوسری بار چٹکی بجاتے ہوئے بہت زیادہ گھبرا رہی تھی کہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ تیسری بار چٹکی بجانے سے اس کی گردن تھانیدار
کی اور باقی جسم ہیما مالینی کا بن جائے یا گردن ہیما مالینی کی رہے
اور باقی دھڑ مردانہ ہو جائے۔

اس نے پرس میں سے رومال نکال کر اپنے کالے بالوں والے
مردانہ ہاتھ کے گرد لپیٹا اور مسکراتی ہوئی کھوکھوں کے پیچھے سے
باہر نکل آئی۔ لوگوں نے ریلوے سٹیشن پر مشہور فلمی ہیروئن
ہیما مالینی کو دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

"ہیما مالینی زندہ باد۔ ہیما مالینی زندہ باد"

وہاں زبردست ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ ہیما مالینی کے پرستار اس
کے گرد جمع ہو گئے۔ کیٹی پریشان ہو گئی۔ فوراً پولیس نے آگے
لوگوں کو پرے ہٹایا اور ہیما مالینی کو باہر نکالا۔ سامنے
ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ کیٹی فوراً ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور بولی۔

"ہوٹل ہلٹن چلو۔"

ٹیکسی والا بہت ہی خوش ہوا کہ اس کی ٹیکسی میں انڈیا کی
مشہور ہیروئن ہیما مالینی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے بڑی شان
سے گاڑی نکال کر سڑک پر ڈال دی۔ کیٹی نے ہیما مالینی کا پرس

کھول کر دیکھا۔ اس میں کچھ سات سو روپے [illegible] ریزگاری تھے۔ بھلا اتنی مشہور ہیروئن کا پرس خالی ہو سکتا تھا۔ وہ خوش ہوئی۔ کیونکہ اب اسے دوسری بار چٹکی بجانے کا خطرہ مول لینے تک ہیما مالینی کے روپ میں ہی رہنا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر وہ ٹیکسی سے اتری تو وہاں بھی لوگ اس کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ اس نے جلدی سے ایک کمرہ بک کروایا اور پھر ہوٹل کے شاپنگ سنٹر میں آ کر چیزیں دیکھنے لگی۔ اصل میں وہ کوئی خوبصورت سا ریشمی سفید دستانہ خریدنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کا بایاں ہاتھ مرد کا تھا جس پر کالے بال اُگے ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک بڑی مشکل سے ہاتھ کو رومال میں لوگوں کی نظروں سے چھپائے ہوئے تھی۔ ایک دکان سے اس نے سفید ریشمی دستانے خریدے اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے دستانے پہن لیے۔ اب اس کا سکھ تھانیدار والا بایاں ہاتھ دستانے میں اچھی طرح سے چھپ گیا تھا۔ کیٹی نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک بار اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ایک بار پھر چٹکی بجا کر اپنی اصلی شکل میں آ جائے۔ مگر اس کی ہمت نہ ہوئی کہ خدا جانے وہ پھر آدھے دھڑ کی عورت اور آدھے دھڑ کا مرد نہ بن جائے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ابھی کچھ دیر اس کو ہیما مالینی ہی بنا رہنا چاہیے۔

"چلیے۔"

کیٹی فلم ڈائریکٹر گھوش کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ہیما مالینی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اسے کوئی فکر نہیں تھا کیونکہ اس کی شکل اور جسم ہو بہو ہیما مالینی کا تھا۔ فکر اسے تھا تو اپنے بائیں ہاتھ کا تھا جو سکھ کا سیاہ بالوں والا مردانہ ہاتھ تھا۔ کہیں کوئی اسے دستانے میں بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس نے کمرے میں پیغام بھجوایا کہ میں فلم ڈائریکٹر گھوش ہوں۔

کیٹی سمجھ گئی کہ یہ کوئی فلم ڈائریکٹر ہے جس کی فلم میں ہیما مالینی کام کر رہی ہو گی۔ اس نے مسٹر گھوش کو اندر بلا لیا۔ مسٹر گھوش نے اندر آتے ہی ہیما مالینی کو پرنام کیا اور کہا۔

"ہیما جی! بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ جلدی آ گئیں مگر ہم تو شام کو آپ کا انتظار کر رہے تھے؟"

ہیما مالینی یعنی کیٹی نے مسکرا کر کہا۔

"بس گھوش جی! میں جلدی فارغ ہو گئی۔"

مسٹر گھوش نے کہا۔ "ہیما مالینی جی! آپ ہوٹل میں کیوں آ گئیں؟ گھر کیوں نہیں گئیں اپنی ماتا جی کے پاس؟"

اب کیٹی اسے کیسے بتاتی کہ اسے ہیما مالینی کے گھر کا ایڈریس معلوم نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ "ریلوے سٹیشن پر لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ میں گھبرا کر یہاں آ گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔ چلیے میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔ آپ

پیچھے آ گئی اور
کھول کر دیکھا۔ اس میں چھ سات سو روپے
دی۔ دوسرے لمحے
تھے۔ بھلا اتنی مشہور ہیروئن کا پرس خالی ہو سکتا
خوش ہوئی۔ کیونکہ اب اسے دوسری بار چٹکی بجانے کا خطرہ
مول لینے تک ہیما مالینی کے روپ میں ہی رہنا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر وہ ٹیکسی سے اتری تو وہاں بھی لوگ اس کو

فلم ڈائریکٹر نے کیٹی کے ہاتھوں کو دیکھ کر کہا۔

”یہ آپ نے دستانے کیوں پہن رکھے ہیں ہیما جی! اتنی سردی تو نہیں ہے؟“

کیٹی نے جلدی سے بایاں ہاتھ پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں۔ بس ذرا ہاتھوں کو پسینہ آنے لگ جاتا ہے۔“

مسٹر گھوش نے کہا: ”مگر ہیما جی! شوٹنگ کے وقت تو آپ یہ دستانے اتار دیں گی نا؟ کیونکہ اس فلم کے پچھلے سین میں آپ نے کہیں دستانے نہیں پہنے ہوئے۔“

کیٹی بولی: ”اس وقت دیکھا جائے گا۔“

فلم ڈائریکٹر کچھ پریشان سا ہو گیا کہ کہیں یہ اس وقت بھی دستانے پہنے رکھنے کی ضد نہ کر بیٹھے۔ مشہور ہیروئنوں کے نخروں سے سارے ڈائریکٹر پروڈیوسر گھبراتے تھے۔

پھر وہ بولا: ”آئیے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔“

”چلیے۔“

کیٹی فلم ڈائریکٹر گھوش کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ہیما مالینی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اسے کوئی فکر نہیں تھا کیونکہ اس کی شکل اور جسم ہو بہو ہیما مالینی کا تھا۔ فکر اسے تھا تو اپنے بائیں ہاتھ کا تھا جو سکھ کا سیاہ بالوں والا مردانہ ہاتھ تھا کہیں کوئی اسے دستانے میں بھی نہ دیکھ لے۔ مگر ریشمی دستانے میں اس کا مردانہ ہاتھ بالکل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مسٹر گھوش ہیما مالینی کو لے کر اس کی شاندار کوٹھی پر آ گیا۔ اندر سے اس کی ماں باہر نکلی اور ہیما مالینی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہنے لگی:

”ہیما بیٹی! ابھی صبح صبح تمہارا پونا سے فون آیا تھا کہ تم ابھی دو روز اور وہاں آرام کرو گی۔ پھر تم نے کیسے ارادہ بدل لیا؟“

کیٹی نے کہا: ”ماتا جی! بہت آرام کر لیا تھا۔ سوچا اب چل کر کام کرنا چاہیے۔“

فلم ڈائریکٹر بڑا خوش ہوا کہ اس کی فلم کی ہیروئن کو کام کا اتنا خیال ہے۔ وہ سلام کر کے چلا گیا۔ کیٹی نے دیکھا کہ بنگلہ انتہائی شاندار ہے۔ اس کا کمرہ تو بہت ہی زیادہ سجا ہوا تھا۔ ہیما مالینی کی ماں نے کہا۔

”بیٹی ہیما! یہ تم نے دستانے کس لیے پہنے ہیں؟ پہلے تو تم کبھی نہیں پہنا کرتی تھیں؟“

کیٹی نے مسکرا کر کہا۔ "ماتا جی میرے ہاتھوں میں تھوڑا
درد رہتا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ دستانے پہنا کرو۔ ہاتھ گرم
رہیں گے تو درد جاتا رہے گا۔"

ماں نے کہا۔ "بھگوان تمہیں خیریت سے رکھے بیٹی! کیوں
ہاتھ درد کرنے لگے؟"

"یونہی ماتا جی! ٹھنڈا اتنا سو گیا تھا۔ اچھا اب میں
آرام کروں گی۔"

"اچھا بیٹی۔"

ماں چلی گئی تو دروازہ بند کر کے غور کرنا شروع کیا کہ کیا ہو
سکتا ہے اصلی ہیما مالینی کا پونا سے فون آجائے۔ پھر کیا ہوگا؟
اگرچہ ہیما مالینی نے گھر پر فون کر دیا تھا کہ وہ دو دن کے
بعد بمبئی پہنچے گی۔ پھر بھی کیٹی پریشان تھی کہ کہیں
اصلی ہیما مالینی کا فون نہ آجائے۔ لیکن اب وہ کیا کر سکتی تھی بھلا؟

شام تک آرام کرتی رہی۔ شام کو فلم ڈائریکٹر کی گاڑی
آگئی۔ کیٹی نے خوب میک اپ کر لیا تھا۔ وہ گاڑی
میں بیٹھ کر سٹوڈیوز کی طرف روانہ ہو گئی ——— سٹوڈیوز
میں بڑی رونق تھی۔ شاندار سیٹ لگا ہوا تھا۔ اور ہیروئن
ہیما مالینی کا انتظار ہو رہا تھا۔ جب کیٹی ہیما مالینی کے روپ
میں سیٹ پر آئی تو سب نے اٹھ کر سلام کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی

اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں ششی کپور بھی آ گیا۔
اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ ہیما مالینی نے بھی مسکرا کر
جواب دیا۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"ہیما جی! آپ نے اچھا کیا جو جلدی آگئیں۔ میں نے آپ
کے آنے کا سن کر اپنی دوسری جگہ پر شوٹنگ کینسل کر دی تھی۔
یہ آپ نے دستانے کیوں پہن رکھے ہیں؟"

کیٹی نے کہا۔ "ہاتھ درد کرتے تھے ڈاکٹر نے کہا ہے
دو دن تک پہنے رکھنا۔"

ششی کپور مسکرانے لگا۔ بولا۔ "مگر ہیما جی! فلم کے اس سین
میں تو آپ کے ہاتھوں میں دستانے نہیں ہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

ششی کپور نے حیرانی سے کہا۔ "ارے۔ آپ کو تو معلوم
ہونا چاہیے کہ فلم کے پچھلے سین میں آپ نے دستانے نہیں
پہنے ہوئے تھے۔ اب آج وہی سین لیا جائے گا۔ پھر یکایک
دستانے کہاں سے آجائیں گے؟"

فلم ڈائریکٹر گھوش نے بھی آ کر کہا کہ ہیما جی! دستانے اتار دیجئے
تاکہ شوٹنگ شروع کی جائے۔ کیٹی بھلا کیسے دستانے اتار کر
انہیں دکھاتی کہ اس کا ایک ہاتھ مرد کا ہے۔ اس نے غصے سے کہا۔
"میں دستانے نہیں اتاروں گی۔ شوٹنگ کرنی ہے تو کریں نہیں

تو میں گھر جا رہی ہوں۔"

فلم ڈائریکٹر پریشان ہو گیا۔ بھلا وہ کیسے اپنے لاکھوں روپے کا نقصان برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہیما جی! دستانے پہنے رکھیں بے شک۔"

وہ ششی کپور کو دوسری طرف لے گیا اور اسے کہا کہ اب کیا ہو گا۔ دستانے سمیت سین لے لیا تو لوگ کیا کہیں گے کہ کمرے میں کھڑے کھڑے ہیما مالینی کے ہاتھوں میں اچانک دستانے کہاں سے آ گئے؟

ششی کپور نے کہا۔ "گھوش جی! آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہیما مالینی کو آپ ناراض نہیں کر سکتے۔ اب یا تو لاکھوں روپے کا نقصان برداشت کریں یا دستانے رہنے دیں۔"

مسٹر گھوش نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"دستانے رہنے دیں۔"

○

سفید دستانے کا راز

کیٹی ہیما مالینی بن کر رات کے تین بجے تک فلم کی شوٹنگ کرتی رہی۔

کبھی وہ مکالمے بولتی اور کبھی ہیما مالینی کی طرح ڈانس کرتی رہی۔ چونکہ وہ ہیما مالینی کے روپ میں تھی اس لئے اس کو وہ سب کچھ آ گیا تھا جو ہیما مالینی کیا کرتی تھی۔ رات کو تھکی ہاری بنگلے پر جا کر وہ گہری نیند سو گئی۔ سونے سے پہلے اس نے کمرے کی اندر سے چٹخنی لگا دی تھی اور ایک بار بائیں ہاتھ کا دستانہ اتار کر دیکھا کہ شاید اس کا ہاتھ زنانہ بن گیا ہو۔ مگر وہ اپنا ہاتھ دیکھ کر خود ہی ڈر گئی۔ وہ ابھی تک سکھ تھانیدار کا کالا کالا ہاتھ ہی تھا۔ کیٹی دستانہ چڑھا کر بستر پہ لیٹ گئی۔ بڑا نرم نرم بستر تھا ہیما مالینی کا۔ دیواروں پر بھی ہیما مالینی کی تصویریں لگی تھیں۔ کیٹی نے سوچا کہ وہ چٹکی بجا کر کوئی دوسری شکل اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ مگر یہ سوچ کر ڈر گئی کہ کہیں پھر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اسے

چٹکی کے چہرے ٹھیک ہونے کے لئے کم از کم دو روز تک انتظار
کرنا چاہیئے تھا۔ پھر اسے ناگ عنبر اور ماریا کا خیال آنے لگا کہ
جانے وہ کہاں ہوں گے۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ ماریا اسی شہر
میں اس سے تھوڑے فاصلے پر بمبئی سنٹرل ریلوے سٹیشن کے
ایک فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی ہے اور منگل کی
رات کا انتظار کر رہی ہے جب وہ ویران مندر میں اس لڑکی
سے ملنے والی تھی جس کا بیٹا مندر کے بدمعاش پجاری نے اغوا
کر رکھا تھا۔

کیٹی کو نیند آنے لگی۔

دوسرے دن وہ شام کو اٹھی اور شوٹنگ کے لئے بھیجی
گاڑی آ گئی۔ اتفاق سے اس دوران پونا شہر سے اصلی ہیما مالینی
کا کوئی ٹیلیفون نہ آیا۔ کیٹی کو معلوم تھا کہ اصلی ہیما مالینی
دوسرے روز بمبئی پہنچنے والی ہے۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ جونہی
وہ پہنچے گی یہ وہاں سے چلی جائے گی۔ سیٹ پر ششی کپور کے
علاوہ دھرمیندر، دلیپ کمار اور سنجیو کمار بھی موجود تھے۔ دھرمیندر
کیٹی سے گھل مل کر باتیں کرنے لگا۔ وہ تو اسے اصلی ہیما مالینی
ہی سمجھ رہا تھا۔ اس نے ہیما مالینی کے دستانے دیکھ کر کہا۔

"یہ تم نے دستانے کس لئے پہن رکھے ہیں؟ انہیں اتارتی
کیوں نہیں ہو؟"

کیٹی نے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے۔"

دھرمیندر خاموش ہو گیا۔ پھر دلیپ کمار اور سنجیو کمار
آگئے۔ وہ بھی کیٹی کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی ہنسی مذاق کی
باتیں کرنے لگے۔ سب یہی کہہ رہے تھے کہ ہیما جی! یہ آپ کے
دستانوں کا کیا راز ہے؟ کیٹی نے تنگ کر کہا۔

"آپ لوگ میرے دستانوں کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔
کہہ جو دیا کہ ڈاکٹر کے کہنے پر پہنے ہیں۔"

دلیپ کمار اور سنجیو کمار نے ایک دوسرے کو آنکھ ماری اور
خاموش ہو گئے۔

فلم کی شوٹنگ شروع ہو گئی۔ اس سین میں کیٹی نے ماڈرن
لڑکی کا لباس یعنی قمیض اور سرخ پتلون پہن رکھی تھی۔ دستانے
اب بھی اس کے ہاتھوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک سین ختم
ہوا تو کیٹی کچھ دیر کے لئے غسل خانے گئی۔ یہ عورتوں کا غسلخانہ
تھا جو بالکل خالی تھا۔ کیٹی نے آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔
رومال سے منہ صاف کیا اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی عورت
نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کے دستانے اتار کر سامنے رکھے
اور اپنے بائیں ہاتھ کو دیکھا۔ کالے کالے بالوں والا مردانہ ہاتھ
دیکھ کر وہ کانپ اٹھی۔

"یا خدا! مجھے اس منحوس سکھ کے کالے بالوں والے ہاتھ سے کب نجات ملے گی؟"

اس نے صابن سے ہاتھ دھوئے۔ اسے عجیب لگا۔ ایک ہاتھ بڑا گورا، نرم و نازک تھا اور دوسرا کالا اور بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ دھو کر تولیے سے خشک کرنے کے بعد ایک بار پھر اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک لڑکی نے چیخ ماری۔ کیٹی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک لڑکی اس کے پیچھے کھڑی اس کے سیاہ بالوں والے مردانہ ہاتھ کو غور سے دیکھ کر سکتے میں آگئی تھی۔

کیٹی نے جلدی سے کہا۔ "میرا سین ہی ایسا ہے۔ یہ ہاتھ کو میک اپ کیا ہوا ہے۔"

لڑکی باہر بھاگ گئی۔ کیٹی نے فوراً دستانے پہنے اور باہر نکل کر سیٹ پر آگئی۔ وہ لڑکی بھی اسی فلم میں کام کر رہی تھی اور اسے معلوم تھا کہ اس فلم میں کوئی بھی ایسا سین نہیں ہے جس میں ہیما مالینی کے ہاتھ کو مردانہ میک اپ کیا گیا ہو۔ اس نے آتے ہی تمام لڑکیوں کو بتا دیا کہ ہیما مالینی کا ایک ہاتھ مردانہ ہاتھ بن گیا ہے "اس پر کالے کالے بال اگ آئے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔"

سارے سیٹ پر یہ بات پھیل گئی۔ ایکٹر دھرمیندر چونکہ

ہیما مالینی سے بے حد بے تکلف تھا اس لئے وہ اسے ایک طرف لے جا کر بولا۔

"ہیما جی! یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ پہ کالے بال اُگ آئے ہیں؟"

کیٹی نے اسے گھور کر دیکھا اور جھڑکتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے ایسی بات کرنے والے؟ خبردار جو آئندہ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔"

دھرمیندر بے چارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ ہیما مالینی نے آج تک کبھی اس کو اس طرح نہیں ڈانٹا تھا۔ کیٹی اٹھ کر ایک بار پھر غسل خانے میں چلی گئی۔ اس نے اپنے مردانہ ہاتھ کے گرد پہلے رومال باندھا اور اس کے اوپر دستانہ چڑھا لیا تاکہ ریشمی دستانے میں سے کالے بال بالکل دکھائی نہ دیں۔

پھر وہ غسل خانے سے نکل کر سٹوڈیو کے باغ میں آ کر ٹہلنے لگی۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ اصلی ہیما مالینی سٹوڈیو میں اپنی شاندار گاڑی میں بیٹھ کر داخل ہو گئی۔ وہ سیدھی سیٹ پر آ گئی۔ اسے ساڑھی میں دیکھ کر ڈائرکٹر گھوش اور دوسرے لوگ ایک دم حیران ہو گئے۔ اس نے دستانے بھی پہنے ہوئے تھے۔

گھوش نے کہا۔ "ہیما جی! یہ آپ نے اتنی جلدی قمیض پتلون

اتار کر ساڑھی کیسے باندھ لی؟"

"کیا مطلب؟" اصلی ہیما مالینی نے تعجب سے پوچھا۔

مسٹر گھوش نے کہا۔" اس فلم میں آپ کا یہ لباس نہیں ہے اور پھر آپ ابھی ابھی پتلون میں تھیں۔"

اصلی ہیما مالینی نے بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں سے ان سب کو گھورتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"یہ آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں تو ابھی ابھی سیدھی پونا سے اپنی گاڑی میں سٹوڈیو آ رہی ہوں۔ میں تو ابھی اپنے گھر بھی نہیں گئی۔"

دھرمیندر نے اٹھ کر اصلی ہیما مالینی کے ہاتھ دیکھے۔

"ہیما جی! تمہارے دستانے کہاں ہیں؟"

ہیما مالینی نے ہنس کر کہا۔

"دھرمیندر جی! میں نے تو کبھی دستانے نہیں پہنے۔"

اب سب لوگ ایک دوسرے کو خوف بھری نظروں سے تکنے لگے۔ سب کے دل میں یہی ایک خیال تھا کہ یہ ہیما مالینی ہے تو پھر وہ ہیما مالینی کون ہے جس نے دستانے پہن رکھے تھے؟ مسٹر گھوش نے کہا۔

"ہیما جی! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اگر آپ ابھی ابھی پونا سے آ رہی ہیں تو وہ کون ہیما مالینی تھی جس نے لال پتلون پہن کر

ابھی ابھی شوٹنگ کی ہے اور جس نے دستانے پہن رکھے تھے۔

اب ان سے زیادہ اصلی ہیما مالینی حیران ہو رہی تھی کہ یہ سب لوگ اسے کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا۔

"میں نے تو کوئی شوٹنگ نہیں کی۔ میں نے سرخ پتلون بھی نہیں پہنی۔ میں تو ابھی ابھی سیدھی پونا سے آ رہی ہوں۔"

اتنے میں کیمرہ مین نے آ کر کہا۔

"مسٹر گھوش! ہیما جی کو کہیں کہ آ کر شوٹنگ کریں۔ وہ باہر باغ میں کھڑی ٹہل رہی ہیں۔"

اس نے ابھی اصلی ہیما مالینی کو نہیں دیکھا تھا۔

مسٹر گھوش نے کہا۔" ہیما مالینی تو یہ کھڑی ہیں۔"

کیمرہ مین کے منہ سے چیخ نکلتی نکلتی رہ گئی۔

"مگر — مگر — ہیما مالینی جی تو سرخ پتلون پہنے باغ میں کھڑی ہیں —"

مسٹر گھوش نے جھنجھلا کر کہا۔" اگر ہیما مالینی باہر باغ میں ہیں تو پھر یہ ہیما مالینی کون ہیں؟ اگر یہ ہیما مالینی ہیں تو باغ والی ہیما مالینی کون ہے۔ اف میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

اور فلم ڈائریکٹر سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

دھرمیندر، دیپ کمار اور سنجو کمار باہر باغ کی طرف دوڑے۔ ششی کپور نے اصلی ہیما مالینی سے آہستہ سے کہا۔

"اگر اس عورت نے آپ کا حلیہ بنا رکھا ہے تو پھر اس نے کمال کر دیا ہے۔ آپ کی اور اس کی شکل میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہے۔"

ہیما مالینی مسکرائی اور کہا۔ "میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ بھی باہر باغ میں آگئی۔ یہ سب لوگ بڑی خاموشی سے دبے پاؤں باغ میں آئے تھے تاکہ جس عورت نے اصلی ہیما مالینی کا حلیہ بدل رکھا ہے اس کو خبر نہ ہو اور کہیں بھاگ نہ جائے۔

کیٹی اپنے دھیان میں باغ کے نیم اندھیرے میں ایک بنچ کے پاس خاموش کھڑی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ اب وہ کس کی شکل اختیار کرے۔ بس چٹکی بجاتے ہوئے اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں کچھ عجیب سی شکل نہ بن جائے اس کی۔ اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے سامنے دھرمیندر، ششی کپور، دلیپ کمار اور سنجیو کمار کے علاوہ اصلی ہیما مالینی بھی سفید رنگ کی خوبصورت ساڑھی میں کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھوں میں دستانے نہیں پہن رکھے تھے اور وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ان سب کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ کیونکہ اصلی اور نقلی ہیما مالینی میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں تھا۔ اصلی ہیما مالینی پر اب خوف سا طاری ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے ہوبہو

اپنی شکل کی ایک عورت کو پتلون میں دیکھ رہی تھی۔

دلیپ کمار نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم ــــ تم کون ہو؟"

کیٹی نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے ہیرو صاحب؟"

دلیپ کمار خاموش ہو گیا۔ دھرمیندر نے آگے بڑھ کر کیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم نے کیسے اصلی ہیما مالینی کی شکل بنا لی؟"

کیٹی مسکرائی کہنے لگی۔

"میں نے ہیما مالینی کی شکل نہیں بنائی بلکہ اصلی ہیما مالینی ہی بن گئی ہوں۔"

سنجیو کمار نے کہا۔ "تم اصل میں کون ہو؟"

ششی کپور بولا۔ "کیا ــــ کیا تم کوئی چڑیل ہو؟"

کیٹی نے ششی کپور کو گھور کر دیکھا اور کہا۔

"تمہارا قد چھوٹا ہے، مگر اس کے ساتھ عقل بھی چھوٹی ہی رہ گئی ہے۔ سنو ــــ میں اصل میں ہیما مالینی نہیں ہوں، بلکہ میں ششی کپور ہوں۔"

اگرچہ کیٹی چٹکی بجانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اس نے ششی کپور کی شکل کو تکتے ہوئے چٹکی بجا دی۔ دوسرے ہی لمحے لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہاں دو ششی کپور

آمنے سامنے کھڑے تھے ۔ اصلی ششی کپور کا رنگ خوف کے
مارے زرد پڑ گیا ۔ کیٹی نے ششی کپور کی مردانہ آواز میں کہا ۔
"اب بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کیونکہ ششی کپور تو میں ہوں۔"
اور کیٹی ششی کپور ہی کی طرح قہقہہ مار کر ہنس پڑی ۔
دلیپ کمار اور ہیما مالینی سہم کر پیچھے پیچھے ہٹ گئے ۔
سنجے کمار وہاں سے بھاگ گیا کہ کہیں وہ اس کی شکل نہ
بن جائے ۔ کیٹی دل میں بڑی خوش ہوئی کہ اس تجربے
سے اس کی چٹکی میں جو گڑبڑ ہو گئی تھی۔ وہ ختم ہو
گئی تھی ۔

کیٹی نے ہنستے ہوئے ششی کپور سے کہا ۔
"میں تمہارے گھر جا رہا ہوں اور تمہاری بیوی کو ذرا
بھی شک نہیں ہو گا کہ میں اصلی ششی کپور نہیں ہوں ۔ بولو کیا
ارادہ ہے تمہارا؟"

ششی کپور نے ہاتھ باندھ دیئے اور کہا ۔
"دیوی! مجھے معاف کر دو ۔ میں تمہیں آئندہ کبھی چڑیل
نہیں کہوں گا۔"

کیٹی نے کہا ۔ "جاؤ چلو جاؤ ۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔"
دلیپ کمار نے آگے بڑھ کر کیٹی سے کہا ۔
"کیا تم مجھے اپنا اصلی روپ دکھا سکتی ہو؟"

کیٹی نے دلیپ کمار کی طرف دیکھ کر کہا ۔
"دلیپ کمار صاحب! آپ فلم انڈسٹری کے بہت بڑے
ہیرو ہیں ۔ سنا ہے آپ بڑے اچھے آدمی ہیں ۔ میں آپ کو
اپنا اصلی روپ ضرور دکھاؤں گی مگر یہاں نہیں۔"

دلیپ کمار نے کہا ۔ "تو پھر میرے ساتھ میرے گھر تشریف
لے چلیں ۔ میں آپ کو اپنی بیگم سائرہ بانو سے بھی ملاؤں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

دلیپ نے کیٹی کو باغ کے سامنے کھڑی اپنی گاڑی میں
بٹھایا اور اسے ساتھ لے کر اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا ۔
کیٹی بولی ۔
"میں دراصل ایک عورت ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ
آپ کے گھر ششی کپور بن کر جاؤں۔"

دلیپ کمار بولا ۔ "اسی لئے تو میں نے عرض کیا تھا کہ
آپ اپنے اصلی روپ میں آ جائیں۔"

کیٹی نے کہا ۔ "شاید آپ میرا اصلی روپ نہ دیکھ سکیں
ایسا کریں کہ مجھے اپنا سیاہ شیشوں والا چشمہ دے دیں ۔ وہ میں
آنکھوں پر لگا لوں گی ۔ کیونکہ میری آنکھیں آپ نہ دیکھ
سکیں گے ۔

دلیپ کمار نے اپنا کالا ٹھنڈا چشمہ کیٹی کو دے دیا ۔

کیٹی نے کہا۔ "آنکھیں بند کریں آپ۔"

"گاڑی اگر کسی کھڈ میں گر گئی تو؟"

"تو پھر گاڑی روک دیں۔"

دلیپ کمار نے گاڑی روک دی۔ کیٹی چشمہ آنکھوں پر لگائے گاڑی کے پیچھے گئی۔ اس نے اپنی اصلی شکل آنکھوں میں جمائی اور آہستہ سے چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے وہ اصلی صورت میں خلائی لڑکی کیٹی بن چکی تھی۔ دلیپ کمار نے جب ایک سرخ و سپید خوبصورت سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھا جو سیاہ چشمہ لگائے اس کے پاس کھڑی مسکرا رہی ہے تو وہ بھی حیران رہ گیا۔

"دلیپ کمار صاحب! یہ ہے میرا اصلی روپ۔ میری اصلی شکل۔"

دلیپ کمار نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"تم بے حد خوبصورت ہو۔"

کیٹی نے کہا۔ "میری آنکھیں مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور حیران کر دینے والی ہیں۔ کہو تو چشمہ اتار دوں؟"

دلیپ کمار بولا۔ "ہاں ضرور اتار دیں۔"

اور کیٹی نے اپنی آنکھوں پر سے چشمہ اتار دیا۔ دلیپ نے جو اس کی نیلی اور چوکور آنکھیں دیکھیں تو خوف سے

اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

"پسند آئیں میری آنکھیں آپ کو؟" کیٹی نے پوچھا۔

دلیپ کمار اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر کہنے لگا۔

"ایسی آنکھیں میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ کیا — کیا تمہاری یہ آنکھیں پیدائشی طور پر اسی طرح ہیں؟"

کیٹی نے مسکرا کر کہا۔ "آپ ایسا ہی سمجھ لیں۔"

"میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"کیٹی — میرا نام کیٹی ہے۔" کیٹی نے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گئی اور دلیپ کمار گاڑی سٹارٹ کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بنگلے میں اس وقت اس کی بیوی سائرہ بانو رات کا کھانا کھانے کے بعد سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ دلیپ کمار نے کیٹی سے اس کا تعارف کروایا۔ سائرہ بانو نے گھور کر کیٹی کو دیکھا کہ یہ اتنی خوبصورت لڑکی کو اس کا خاوند کہاں سے لے آیا ہے؟

دلیپ کمار نے سائرہ بانو کو ایک طرف لے جا کر ساری کہانی سنا ڈالی۔ سائرہ بانو پریشان ہو کر بولی۔

"آپ اس چڑیل کو یہاں کیوں لے آئے ہیں؟"
دلیپ نے کہا۔ "میں اخلاقی طور پر مجبور ہو گیا تھا
فکر نہ کرو دو ایک روز میں چلی جائے گی۔ اسے اوپر
والا کمرہ دے دیں گے۔"
سائرہ بانو نے پوچھا۔ "یہ رات کو بھی ٹھنڈا چشمہ
لگاتی ہے؟"
دلیپ کمار نے کہا "خدا کے لئے اس کی آنکھیں دیکھنے
کی کوشش نہ کرنا۔ تم ڈر جاؤ گی۔"
"کیوں؟ ایسی کونسی بات ہے۔" سائرہ بانو نے پوچھا۔
دلیپ کمار بولا۔ "تم یقین نہیں کرو گی۔ مگر اس کی
آنکھیں چوکور ہیں۔"
"کیا کہا؟" سائرہ بانو نے چونک کر کہا۔
"ہاں۔" دلیپ نے کہا۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے
اس کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ وہ بالکل چوکور ہیں اور گہری
نیلی ہیں۔"
سائرہ بانو نے کہا "پھر تو اس کے چڑیل ہونے میں کوئی
شبہ نہیں ہو سکتا۔"
دلیپ کمار بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ چڑیل نہ ہو بلکہ
کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔"

"لیکن ہمیں اس پر تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے
تو اس سے ڈر لگنے لگا ہے۔"
دلیپ کمار نے سائرہ بانو کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔
"گھبراؤ نہیں۔ یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گی اور پھر مجھے
یقین ہے کہ یہ دو ایک روز میں واپس چلی جائے گی۔"
"واپس کہاں جائے گی؟"
"جہاں سے آئی ہے؟" دلیپ کمار نے مسکرا کر کہا۔
اتنے میں کیٹی نے آواز دی۔
"دلیپ کمار صاحب! یہ بھابی سے چپکے چپکے کیا
باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں میرے خلاف کوئی پروگرام تو
نہیں بنا رہے؟"
دلیپ کمار اور سائرہ بانو مسکراتے ہوئے آ گئے۔
سائرہ بولی۔
"نہیں کیٹی بہن! بھلا تمہارے خلاف ہمیں کیا ضرورت ہے
کوئی سازش کرنے کی۔ تم تو ہماری مہمان ہو۔"
"کیوں نہیں۔ اب بتاؤ کیٹی کہ تم کھاؤ گی کیا؟"
کیٹی کو اگرچہ کھانے پینے کی حاجت نہیں تھی مگر پھر بھی
اس نے کہا۔
"صرف کافی پیوں گی۔"

دلیپ کمار نے نوکر کو کافی لانے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر میں وہاں کافی آگئی۔ اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

دلیپ کمار نے کیٹی سے کہا۔

"کیٹی بہن! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے سائرہ کو بتایا تھا کہ تم جس کا چاہے روپ بدل سکتی ہو مگر سائرہ بانو کو یقین نہیں آرہا۔"

کیٹی نے سائرہ بانو سے پوچھا۔

"کیوں بھابی دلیپ جی ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

سائرہ بانو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیٹی بہن! میرا دل نہیں مانتا کہ تم ہیما مالینی یا ششی کپور بن سکتی ہو۔"

کیٹی ہنسنے لگی۔" اچھا تو میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک روپ بدلتی ہوں۔"

کیٹی نے چٹکی بجائی اور سائرہ بانو نے دیکھا کہ اس کے سامنے صوفے پہ ایک کی جگہ دو دلیپ کمار بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیٹی نے دلیپ کمار کی آواز میں کہا۔

"کہو بھابی! اب تو تمہیں یقین آگیا؟ اب تو تمہیں ایک کی بجائے دو دلیپ کمار مل گئے ہیں۔"

سائرہ بانو کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

اس نے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے اصلی دلیپ کمار واپس کر دو۔"

کیٹی نے کہا۔" تم دلیپ کمار سے محبت کرتی ہو۔ تمہیں ایک کی جگہ دو دلیپ کمار مل گئے ہیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔"

سائرہ بانو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میرے لئے ایک ہی دلیپ کمار کافی ہے۔ مجھے اصلی دلیپ کمار واپس کر دو۔"

کیٹی نے چٹکی بجائی اور وہ پھر دلیپ کمار سے کیٹی بن گئی۔ سائرہ بانو نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا۔

"یہ تو اصلی دلیپ کمار ہے نا؟"

کیٹی نے کہا۔" ٹٹول کر دیکھ لو۔ یہ تمہارا ہی دلیپ کمار ہے۔"

دلیپ کمار مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"کیوں بیگم۔ میں نے ٹھیک کہا تھا نا؟ خدا کی قسم ہماری بہن کیٹی نے تو آر کے سٹوڈیو میں افراتفری مچا دی تھی۔"

سائرہ بانو نے کیٹی سے کہا۔

"کیٹی بہن! کیا تم ہمیں نہیں بتاؤ گی کہ اصل میں تم کون ہو؟"

کیٹی نے کہا۔ "سائرہ بہن! یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے
میں ایک نامعلوم مشن پر اس شہر میں آئی ہوں۔ میری
ایک بہن اور دو بھائی ہیں۔ وہ مجھ سے بچھڑ گئے ہیں
میں ان کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔"

سائرہ بولی۔ "کیا وہ بھی تمہاری طرح جادو کے کرتب
کر لیتے ہیں؟"

کیٹی نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جادو
کے کرتب نہیں ہیں۔ یہ جادو سے بہت بلند چیزیں ہیں
دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم میری بہن ماریا سے ملو تو
حیران رہ جاؤ۔ مگر تم اسے ملو گی کیسے وہ تو تمہیں
نظر ہی نہیں آئے گی۔"

"کیا کہا؟" سائرہ نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ
نظر نہیں آتی؟"

"نہیں۔"

دلیپ کمار نے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی غیبی عورت ہے
کیٹی؟"

"ہاں ـــ مگر اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا
سکتی۔ اب تم لوگ آرام کرو۔ میں بھی آرام کرنا چاہتی
ہوں۔"

دلیپ کمار کی بیگم نے کیٹی کو اوپر لے جا کر اس کا
کمرہ دکھایا اور کہا۔

"یہ تمہارا کمرہ ہے کیٹی بہن! اسے اپنا گھر سمجھنا۔"

اور وہ خدا حافظ کہہ کر واپس چلی گئی۔ کیٹی کو اس
بات کی بڑی خوشی تھی کہ اس کی چٹکی میں جو خرابی
آ گئی تھی وہ ٹھیک ہو گئی ہے۔ پھر بھی اسے کچھ فکر
ضرور تھی کہ کہیں یہ پھر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ لیکن وہ
بار بار چٹکی بجا کر شکل بدلنے کا خطرہ نہیں مول لینا
چاہتی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی سمندر کی
طرف سے آنے والی ہوا کا لطف اٹھاتی رہی اور پھر پلنگ
پر آ کر لیٹ گئی اور عنبر، ناگ اور ماریا کے بارے میں
غور کرنے لگی۔

○○○

منگل کے روز ماریا رات کو اندھیرا ہوتے ہی سمندر
کے کنارے والے ویران مندر میں پہنچ گئی۔ اسی وقت پر پہلے
بدمعاش پجاری کالے کپڑوں میں لپٹا ہوا مندر میں داخل ہوا
اور اس کے بعد مظلوم عورت داخل ہوئی۔ وہ دونوں مندر
کے تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہاں آتے ہی بدمعاش پجاری

نے کہا۔

"لاؤ۔ کیا لائی ہو میرے گھر سے چرا کر؟"

بے چاری نوکرانی رو پڑی۔

"میں چوری نہیں کر سکتی۔"

بدمعاش پجاری کا تو ایکدم پارہ چڑھ گیا۔

"کیا کہا؟ چوری نہیں کرے گی؟ تو جاؤ پھر تمہیں کل تمہارے بچے کی لاش ملے گی۔"

عورت بدمعاش پجاری کے قدموں پر گر پڑی۔

"بھگوان کے لئے میرے بچے کو کچھ نہ کہنا۔ مجھے جان سے مار ڈالو۔ مگر میرے بچے کو کچھ نہ کہنا۔"

بدمعاش پجاری نے زور سے لات مار کر عورت کو پرے گرا دیا۔ اب ماریا سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ عورت کے ساتھ ہوتا ظلم اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے بدمعاش پجاری کو زور سے ایک تھپڑ مار دیا۔ پجاری تین لڑھکنیاں کھا کر دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا اور وہیں کراہنے لگا۔ وہ یہ سمجھا کہ مندر کی دیوی نے اس سے عورت پر ظلم کرنے کا بدلہ لیا ہے۔ نوکرانی عورت بھی ڈر گئی۔

بدمعاش پجاری نے جب دیکھا کہ وہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اسے تھپڑ مارا ہو تو وہ اٹھا۔ اب اس کے دل سے یہ

خیال نکل گیا تھا کہ اس ویران مندر میں کوئی دیوی رہتی ہے جس نے اسے تھپڑ مار تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ ایسا اس عورت نے کیا ہے۔

اس نے دوسری بار عورت پر ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ماریا نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا۔

"تم اس عورت اور دوسری عورتوں کے ساتھ جو ظلم کرتے رہے ہو آج اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔"

ماریا کی آواز سن کر بدمعاش پجاری اور وہ مظلوم عورت چونک پڑے۔ بدمعاش پجاری تو خوف سے کانپنے لگا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکلتی تھی۔ ماریا نے اسے گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور زور سے اچھال دیا۔ بدمعاش پجاری کا سر اوپر چھت کے ساتھ بڑی زور سے ٹکرایا اور جب وہ گرا تو ختم ہو چکا تھا۔ ماریا نے اس عورت سے کہا

"تم مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ میں جانتی ہوں تمہارا بیٹا کہاں ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

مظلوم عورت کے خوف زدہ چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے خشک سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم — تم دیوی ہو ماتا؟"

ماریا نے کہا۔ "نہ میں دیوی ہوں نہ ماتا ہوں۔ تمہیں

یہ سوال کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میرے ساتھ ایلورا کے غاروں میں چلو۔ تمہارا بیٹا وہاں پر اغوا کر کے رکھا ہوا ہے۔ ہم گیٹ وے آف انڈیا جائیں گے۔ فکر نہ کرنا میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گی۔"

مظلوم عورت کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے تھے۔ وہ مندر سے نکل آئی اور سمندر کے کنارے کنارے اس نے گیٹ وے آف انڈیا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔

○

غار کا پُراسرار تہ خانہ

رات کے دو بجے تھے۔

گیٹ وے آف انڈیا کی گھاٹ پر کوئی ملاح نہیں تھا۔ مظلوم عورت سیڑھیاں اُتر کر کھڑی ہو گئی۔ آگے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس نے ایک کشتی کی رسی کھولی اور اس میں بیٹھ گئی۔ ایک ملاح جاگ پڑا۔ اس نے کہا۔

"ارے یہ کشتی کون لے جا رہی ہے؟ پکڑو۔"

ماریا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں سمندری گھاٹ کی دیوی ہوں۔ خاموش رہو۔ اگر آواز نکالی تو قتل کر دوں گی۔ میں کشتی لے کر سیر کرنے جا رہی ہوں۔"

ماریا نے ملاح کے منہ سے ہاتھ اٹھائے تو وہ بے ہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑا۔ عورت کشتی کو لیے ایلورا کے غاروں کی طرف چلی جا رہی تھی۔ ماریا اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی اور مظلوم عورت کے ساتھ کشتی کھے رہی تھی۔ اس عورت

نے ڈرتے ڈرتے کہا۔" دیوی! تم نے میری مدد کی ہے۔ میں
ساری زندگی تمہارے گن گاؤں گی۔"

ماریا نے کہا۔" اس کی ضرورت نہیں ہے بہن۔ یہ میرا
فرض تھا۔ اور اگر اس رات جب تم نے بدمعاش پجاری کو
زیور دیئے۔ اتفاق سے میں مندر میں نہ ہوتی تو شاید میں
تمہاری مدد کے لئے نہ آسکتی۔"

عورت نے پوچھا۔" کیا میرا بیٹا ٹھیک ہے نا؟"

ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے ایک روز پہلے اسے
دیکھا تھا۔"

کشتی ایلورا گھاٹ پر جاکر رک گئی۔ ماریا نے کہا۔

" تم مجھے دیکھ نہیں سکتی ہو۔ مگر میری آواز سن سکتی ہو۔
اس لئے جو میں کہوں اسے غور سے سننا اور اس پر عمل کرنا۔
میرے ساتھ سامنے والے پہاڑ کے غار میں چلو۔"

مظلوم عورت نے کہا۔" یہی ایلورا غار ہے کیا دیوی؟"

" ہاں۔"

وہ عورت غار کی طرف چل دی۔ یہاں رات تاریک تھی اور
سبزے اور درختوں کی وجہ سے بہت اندھیرا تھا۔ ماریا اس
عورت کی رہنمائی کر رہی تھی۔ غار کے دروازے پر ایک
چوکیدار سویا ہوا تھا۔ ماریا نے عورت سے کہا۔

" اس کا کام جاگ کر پہرہ دینا ہے۔ مگر یہ سو رہا ہے۔
اس موقع کو غنیمت جانو اور اس کے قریب سے نکل کر
غار میں داخل ہو جاؤ۔"

مظلوم عورت چوکیدار کے بالکل پاس سے گذر کر ایلورا غار
میں داخل ہو گئی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ غار میں آگے جا کر ایک
جگہ موم بتی جل رہی تھی۔ جس کی ہلکی روشنی میں دیواروں پر
بنی ہوئی مورتیاں اور بت بڑے بھیانک لگ رہے تھے۔ ماریا
نے کہا۔

" بائیں طرف غار میں گھوم جاؤ۔ فکر نہ کرنا۔ میں تمہارے
ساتھ ساتھ ہوں۔ اگر کسی نے تم پر حملہ کیا تو اسے میں سنبھال
لوں گی۔"

مظلوم عورت دوسرے غار میں گھوم گئی۔ ماریا اسے غار
میں ساتھ لے کر اترنے لگی تو دیکھا کہ وہاں دو ہٹے کٹے
مشٹنڈے پہرہ دے رہے ہیں۔ عورت ایکدم پیچھے ہٹ کر
اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

" تم اسی جگہ چھپی رہو۔"

یہ کہہ کر ماریا آگے بڑھی اور غار کے تہہ خانے میں داخل
ہو گئی۔ آگے اس تہہ خانے کا دروازہ آگیا۔ جس کے اندر
اس عورت کا بچہ قید تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ یہاں کوئی

پہرے دار پہرہ نہیں دے رہا تھا۔ مگر دروازے پر تالا پڑا تھا۔ ماریا نے تالے پر زور سے ہاتھ مارا۔ جھنکار کی آواز پیدا ہوئی اور تالا ٹوٹ کر گر پڑا۔ آواز سن کر دونوں پہرے دار اندر کو بھاگے۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں۔ مگر تالا ٹوٹا پڑا ہے۔ بڑے حیران ہوئے۔

"یہ تالا کس نے توڑا ہے؟"

ماریا نے کہا: "میں نے توڑا ہے۔"

دونوں چونک کر پیچھے ہٹے۔ "یہ کس — کس کی آواز تھی؟"

ماریا نے کہا: "میری آواز ہے۔ مگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ کوئی آدمی اپنی موت کو نہیں دیکھ سکتا۔"

پہرے دار باہر کو بھاگنے ہی لگے تھے کہ ماریا نے دونوں کو پکڑ کر ان کے سر آپس میں اتنی زور سے ٹکرائے کہ دونوں کی کھوپڑیاں تڑخ گئیں۔ ماریا نے انہیں زمین پر اندھیرے میں پھینک دیا اور تہہ خانے میں جا کر دیکھا کہ بچہ سو رہا تھا۔ ماریا نے باہر آ کر بچے کی ماں کو آواز دی۔ وہ بھاگی بھاگی آئی اور اس نے اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔

ماریا نے کہا: "اب تم بے فکر ہو کر جہاں چاہو رہو اور

کام کر کے اپنے بچے کی پرورش کرو۔"

عورت نے کہا: "ان لوگوں کا پورا گروہ ہے۔ سردار مر گیا ہے تو باقی میری جان نہیں چھوڑیں گے۔"

ماریا نے کہا: "فکر نہ کرو۔ میں انہیں بھی جا کر ختم کر دوں گی۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے قاتل ہیں اور کئی عورتوں مردوں کو قتل کر چکے ہیں۔ تم اب جاؤ۔"

ماریا نے عورت کو کشتی میں سوار کروایا اور اسے بمبئی شہر کی گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ ماریا خود مندر کے اوپر کوئی دس فٹ کے فاصلے پر رہ کر اڑتی ہوئی شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ شہر کے اندر بھوانی مندر میں آ پہنچ گئی۔

صبح ہو رہی تھی۔ مگر لوگ ابھی مندر میں آنا شروع نہیں ہوئے تھے۔ بدمعاش پجاری کے دونوں بدمعاش ساتھی پریشان تھے کہ استاد ابھی تک مندر سے واپس کیوں نہیں آیا۔ وہ مندر کی ایک کوٹھڑی میں پریشان بیٹھے تھے کہ ماریا نے دروازے پر دستک دی۔

"استاد آ گیا۔"

ایک پجاری نے کہا اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ مگر باہر کوئی نہیں تھا۔ وہ حیران ہو کر بولا

"باہر تو کوئی نہیں ہے ۔ یہ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا؟"

ماریا نے کہا۔ "میں نے ——"

پجاری اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"تم — تم کون ہو؟"

اس نے چاروں طرف اندھیرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری موت ہوں" ماریا نے جواب دیا۔

وہ پجاری کوٹھڑی کی طرف بھاگا اور جاتے ہی دروازہ اندر سے بند کرکے اندر سے کنڈی لگا دی۔

دوسرے نے پوچھا۔ "اگر باہر کوئی نہیں تھا تو تو کس سے باتیں کر رہا تھا۔"

پجاری نے کانپتے ہوئے کہا۔

"باہر کوئی نہیں ہے مگر کوئی ضرور ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ پاگل ہو گئے ہو کیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باہر کوئی نہ ہو اور پھر ہو بھی۔"

پہلا پجاری بولا۔ "خاموش ہو جاؤ۔ ایسا لگتا ہے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"ارے کیا ہونے والا ہے؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

ماریا نے دروازے میں سے نکل کر ان کے قریب جا کر کہا۔

"میں بتاتی ہوں کہ کیا ہونے والا ہے۔"

دونوں ڈر کے مارے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

ماریا نے کہا:

"تم اسی طرح جہنم میں جاؤ گے۔ کیونکہ تم نے نہ جانے کتنے گھروں کو اجاڑا ہے اور کتنے انسانوں کو قتل کیا ہے۔"

دونوں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ انہیں ایک عورت کی آواز آ رہی تھی مگر وہ عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ماریا نے ان دونوں کو اسی طرح اٹھا لیا اور تہہ خانے کی دیوار کا ایک پتھر باہر نکال کر انہیں اندر پھینک کر اوپر سے پتھر جڑ دیا۔ اسے ان دونوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ دیر بعد آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ پھر ماریا مندر سے باہر آئی۔ اس نے ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔ اب وہ کسی کے گھر کو نہیں اجاڑ سکتے تھے اور کسی بے گناہ عورت پر ظلم نہیں کر سکتے تھے۔

صبح ہو گئی تھی۔ شہر کے بازاروں میں رونق ہونے لگی تھی۔ بسیں بچوں کو لے کر سکول جا رہی تھیں۔ لوگ دفتروں کو

جا رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ ماریا ایک اخبار بیچنے والے کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظر اخبار کے پہلے صفحے پر پڑی۔ وہاں دو ہیما مالینی کی تصویریں ساتھ ساتھ لگی تھیں نیچے موٹے لفظوں میں لکھا تھا۔

"بمبئی سٹوڈیو میں دو ہیما مالینی آ گئیں۔ دونوں کی شکل ایک جیسی تھی۔"

"دوسری ہیما مالینی کون تھی؟"

ماریا چونک پڑی۔ یہ کام سوائے کیٹی کے اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اخبار اٹھا لیا۔ اخبار فروش نے دیکھا کہ ایک اخبار اس کے سامنے پڑے پڑے اوپر کو اٹھا اور غائب ہو گیا۔ وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے آنکھیں زور زور سے جھپکیں۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ نہیں۔ نہیں۔ اخبار اوپر نہیں اٹھا۔ یہ میرا وہم ہے۔ اس نے اخبار گنے تو ایک اخبار کم تھا۔ وہ چونک پڑا۔ اس دوران ماریا نے ساری خبر پڑھ لی تھی کہ کس طرح ایک ہیما مالینی سٹوڈیو میں آئی اور اس کے بعد اصلی ہیما مالینی بھی آ گئی۔ اخبار میں یہ بھی لکھا تھا کہ ایک ہیما مالینی چڑیل تھی جس نے پھر ششی کپور کی شکل بنا لی اور دلیپ کمار کے ساتھ چلی گئی۔ بعد میں دلیپ کمار کا بھی بیان تھا کہ وہ عورت ششی کپور

کی شکل میں میرے ساتھ گئی مگر راستے میں غائب ہو گئی۔ اصل میں دلیپ کمار نے لوگوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ایسا کہا تھا۔

ماریا نے اخبار واپس رکھ دیا۔

اخبار بیچنے والے نے جب ایک بار پھر غائب سے اخبار واپس آتے دیکھا تو چیخ مار کر بولا۔

"بھوت! بھوت!"

لوگ جمع ہو گئے۔ مگر ماریا وہاں سے جا چکی تھی۔ اب اس کی منزل دلیپ کمار کا بنگلہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ کیٹی ضرور دلیپ کمار کے پاس ہی ہو گی۔ کیونکہ یہ کام سوائے کیٹی کے اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ دلیپ کمار کے بنگلے کا پتہ اسے معلوم نہیں تھا۔ وہاں لوگوں کے لئے ٹیلیفون کے بوتھ بھی نہیں بنے ہوئے تھے کہ وہاں سے وہ ٹیلیفون ڈائریکٹری دیکھ کر دلیپ کمار کے گھر کا پتہ معلوم کر لیتی۔ ماریا نے ایک ٹیکسی دیکھی جو سڑک کے کنارے خالی کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور چائے پی رہا تھا۔

ماریا انتظار کرنے لگی کہ وہ چائے پی لے۔ جب ڈرائیور نے چائے ختم کر کے پیالی ہوٹل والے لڑکے کو دی اور اسے پیسے بھی دے دیئے تو ماریا اس کی ٹیکسی میں جا کر بیٹھ

گئی۔ ماریا کے بیٹھنے کا ڈرائیور کو بالکل پتہ نہ چل سکا اس نے ٹیکسی سٹارٹ کی اور سڑک پر روانہ ہو گیا —— تھوڑی دور جانے کے بعد ماریا نے پیچھے سے ڈرائیور کی گردن پر انگلی رکھ کر دبائی اور کہا۔

"دلیپ کمار کے بنگلے پر چلو اور خبردار اگر شور مچایا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی"

ڈرائیور خوف سے اچھل پڑا۔ اس نے سامنے لگے ہوئے شیشے میں سے پیچھے دیکھا۔ اسے پچھلی سیٹ بالکل خالی نظر آئی۔ بڑا حیران ہوا کہ جب پیچھے کوئی سواری نہیں ہے تو پھر پستول کس نے اس کی گردن سے لگا دیا ہے۔ پھر سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ عورت نیچے بیٹھی ہوئی ہو۔ اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"بہن! میں تمہیں دلیپ کمار صاحب کے گھر پر چھوڑ دوں گا۔ مگر بھگوان کے لئے مجھے کچھ نہ کہنا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں کچھ نہ کہوں گی۔ بس خاموشی سے دلیپ کمار کے گھر پہنچا دو"

ٹیکسی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی شہر سے باہر سمندر کے

کنارے ایک خوبصورت بنگلے کے باہر پہنچ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے پیچھے دیکھے بغیر کہا۔

"یہ ہے بی بی دلیپ جی کا بنگلہ!"

ماریا ٹیکسی سے اتر گئی۔ اس نے کہا۔

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تمہیں کرایہ بھجواتی ہوں"

مگر ٹیکسی والا کہاں رکنے والا تھا۔ ادھر ماریا بنگلے کے دروازے کی طرف بڑھی، ادھر وہ ٹیکسی بھگا کر لے گیا۔ ماریا ہنس پڑی۔ پھر وہ بنگلے کے گیٹ میں سے اندر داخل ہو گئی۔ ایک طرف بندھا ہوا کتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ نوکر نے نکل کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی مگر وہ زور زور سے بھونکتا رہا۔

اوپر سے سائرہ بانو نے جھانک کر کہا۔

"عبدل! یہ کیوں شور مچا رہا ہے؟"

نوکر بولا۔ "بی بی جی ڈر گیا ہے"

"کس سے ڈر گیا ہے۔ یہاں تو کوئی نہیں ہے جو اسے ڈرائے؟"

ماریا ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ ڈرائنگ روم بے حد سجا ہوا تھا مگر خالی تھا۔ سیڑھیاں اوپر والی منزل کو جا رہی تھیں۔ ماریا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔ ایک بیڈ روم

بند تھا۔ ماریا نے دروازے میں سے گزر کر دیکھا کہ اندر پلنگ
پر دلیپ کمار رات بھر کی شوٹنگ کے بعد گہری نیند سو رہا تھا۔
وہ باہر آ گئی۔ باورچی خانے میں سائرہ بانو ایک نوکرانی کی
مدد سے ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ نوکرانی باہر گئی تو ماریا نے
کاؤنٹر پر رکھا ہوا کپ اٹھا لیا۔ سائرہ بانو نے دیکھا کہ کپ
غائب ہو گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید اس نے کپ ٹرے میں
رکھا ہی نہیں تھا۔ الماری میں سے اس نے دوسرا کپ نکال
کر ٹرے میں رکھا۔ ماریا نے اس بار پورا ٹرے ہی اٹھا
لیا۔ پورے ٹرے کو غائب ہوتے دیکھ کر سائرہ کی چیخ نکل
گئی۔ نوکرانی بھاگتی ہوئی آئی۔ دلیپ کمار بھی جاگ اٹھا۔

"کیا ہوا سائرہ؟"

اس نے سلیپنگ گاؤن سنبھالتے ہوئے باورچی خانے میں
آکر پوچھا۔

سائرہ بانو کا رنگ زرد ہو گیا ہوا تھا۔

"خدا کے لئے اس چڑیل کو گھر سے نکال دیں"

"کیوں کیا کیا اس بے چاری نے؟" دلیپ نے
پوچھا۔

"میرا چائے سے بھرا ہوا ٹرے غائب کر دیا ہے"

ماریا سمجھ گئی کہ کیٹی اسی گھر میں ہے اور سائرہ بانو نے

اسی کو چڑیل کہا ہے۔ اس نے ٹرے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔
ٹرے کو غائب ہو کر اچانک دوبارہ ظاہر ہوتے دلیپ کمار
نے بھی دیکھا تو کچھ سوچ کر بولا۔

"کیٹی بہن! کیا یہ تم نے ٹرے گم کیا تھا؟"

ماریا مسکرائی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسے ناگ
عنبر نہ سہی کیٹی مل گئی تھی۔ اب اسے ناگ عنبر بھی مل جائیں
گے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ اس نے دلیپ کمار اور سائرہ
بانو کو کچھ نہ کہا اور باورچی خانے سے نکل کر اب کمروں
میں کیٹی کی تلاش شروع کر دی۔ باقی سارے کمرے خالی
تھے۔ کیٹی کہیں بھی نہیں تھی۔ ماریا نیچے باغ میں آ گئی۔
اچانک اس کی نظر کیٹی پر پڑ گئی۔ وہ ایک درخت کے
پاس سنگِ مرمر کی سفید کرسی پر بیٹھی تھی۔ سیاہ چشمہ
آنکھوں پر چڑھا رکھا تھا۔ اور وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی
ماریا قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ کیٹی اپنے خیالوں میں
کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک اسے ماریا کی خوشبو محسوس ہوئی۔
اس نے چونک کر کہا۔

"ماریا بہن! کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں کیٹی! میں ہوں ماریا!"

"میرے خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ماریا! میں

تمہاری ہی تلاش میں تھی۔ اچھا ہوا تم مل گئیں۔
ناگ عنبر کہاں ہیں؟"

ماریا اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پہلے ماریا نے اسے اپنے واقعات سنائے۔ اس کے بعد کیتھی نے پُر اسرار محل میں گم ہو جانے کے بعد سے لے کر دلیپ کمار کے بنگلے پر آنے تک ساری کہانی سنائی۔

ماریا نے کہا۔

"اگر میری نظر صبح کے اخبار پر نہ پڑتی تو شاید تم سے ملاقات نہ ہوتی اور میں کسی اور زمانے میں نکل جاتی۔"

کیتھی نے کہا۔

"میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اس شہر میں ہو گی — کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے کہ تم مل گئی ہو۔ اب ہم دونوں مل کر ناگ عنبر کو تلاش کریں گی۔"

ماریا کہنے لگی۔ "لیکن ہمیں ناگ عنبر کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے کہ ہم سے جدا ہونے کے بعد ان پر کیا گذری اور وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے بھی کسی زمانے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ بس کوئی اتفاق یا کوئی اچانک حادثہ ہی ہمیں

ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک عہد سے دوسرے عہد میں لے جاتا ہے۔"

کیتھی نے کہا۔ "یہی ہماری مجبوری ہے ماریا بہن — لیکن بہر حال ہم کچھ روز اسی شہر میں ناگ عنبر کی راہ دیکھیں گے۔ اس کے بعد یہاں سے کسی جہاز میں سوار ہو کر ملک روم کی طرف نکل جائیں گی۔ ہو سکتا ہے روم کے نیلے پانیوں والے سمندر کے کنارے کسی محل میں ان دونوں سے ملاقات ہو جائے۔"

نوکرانی کیتھی کے آگے ناشتے کی ٹرے رکھ کر چلی گئی۔ اس نے اوپر سائرہ بانو کو جا کر بتایا کہ نیچے مہمان بی بی کسی ... باتیں کر رہی ہے۔ سائرہ نے پوچھا۔

"ساتھ والی ہمسائی سے باتیں کر رہی ہے؟"

"نہیں بی بی جی!"

"تو پھر کس سے باتیں کر رہی ہے؟"

"بی بی جی! وہ جس سے باتیں کر رہی ہے، وہ نظر نہیں آ رہی۔"

سائرہ نے نوکرانی کو جھڑک کر کہا۔

"چل جا کر کام کر۔ تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا کوئی ہوا سے بھی باتیں کرتا ہے۔"

دلیپ کمار چائے پی رہا تھا۔ اس نے پیالی میز پر
رکھتے ہوئے کہا۔
"سائرہ! دال میں کچھ کالا ہے۔"
"کیا کالا کالا ہے؟"
دلیپ بولا۔ "کیٹی نے کہا تھا کہ اسے اپنی ایک بہن
کی تلاش ہے جو نظر نہیں آتی۔ میرا خیال ہے اس کی
وہ غیبی بہن آ گئی ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔"
دلیپ نے سائرہ کو ساتھ لیا اور نیچے باغ کے لان میں
آ گیا۔
"کیٹی بہن! اکیلی اکیلی چائے پی رہی ہو؟"
ماریا نے دلیپ کمار اور سائرہ کی طرف دیکھا۔ اور کیٹی
سے کہا۔
"نہیں میرا مت بتانا۔"
کیٹی نے آہستہ سے کہا۔
"معافی چاہتی ہوں ماریا بہن! میں دلیپ بھیا کو
تمہارے بارے میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ اب مجھے اجازت
دو کہ میں تمہارا اس سے تعارف کرواؤں۔"
ماریا خاموش ہو گئی۔ سائرہ نے کیٹی کو ہوا سے باتیں
کرتے سُن لیا تھا۔ دلیپ کمار نے بھی کیٹی کی آواز سُن

لی تھی کہ وہ کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ جب وہ قریب
آیا تو بولا۔
"کیٹی بہن! مجھے لگتا ہے کہ یہاں کوئی ہے۔"
کیٹی نے ہنس کر کہا۔ "تم ہو۔ میں ہوں۔ سائرہ
بھابی ہے۔"
سائرہ بٹر بٹر تک رہی تھی۔ دونوں پتھر کی کرسیوں پر
بیٹھ گئے۔ دلیپ کمار بولا۔
"نہیں۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے علاوہ بھی
یہاں کوئی ہے۔"
"کہاں ہے؟ تم خود دیکھ لو۔" کیٹی نے مسکرا کر کہا۔
دلیپ کمار نے کہا۔ "وہ کوئی ایسی ہستی ہے کہ ہم اسے
دیکھ نہیں سکتے۔"
کیٹی خاموش ہو گئی۔ سائرہ بھی چپ تھی۔ اسے یوں لگ
رہا تھا جیسے کوئی اس کے بالکل قریب کھڑا آہستہ آہستہ سانس
لے رہا ہے۔ اس نے دلیپ کمار کے کان میں کہا۔
"کوئی میرے پاس ہی کھڑا ہے۔"
"شی! کوئی بات نہیں۔" دلیپ نے کہا۔
کیٹی بولی۔ "سائرہ بھابی کیا کہہ رہی ہیں؟"
دلیپ نے کہا۔ "یہ کہہ رہی ہیں کہ کوئی غیبی ہستی اس

کے بالکل پاس کھڑی ہے۔"

اب ماریا سے نہ رہا گیا۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ کیٹی نے وہاں بڑی دوستانہ فضا بنا رکھی ہے اور دلیپ کمار کو ماریا کے بارے میں پہلے ہی پتہ لگ چکا ہے۔ ماریا نے کہا۔

"سائرہ بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں دلیپ بھائی! میں ان کے بالکل پاس کھڑی ہوں۔"

سائرہ کی تو چیخ نکل گئی۔ کیٹی نے کہا۔

گھبراؤ نہیں سائرہ بھابی۔ یہ ماریا ہے۔ میری بہن۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ وہ یہاں آگئی ہے۔

پھر اس نے اندازے سے اس طرف دیکھ کر جدھر اس کا خیال تھا کہ ماریا کھڑی ہو گی، کہا۔

"ماریا بہن! کیا ان مشہور ہستیوں کے تعارف کروانے کی ضرورت ہے؟"

ماریا نے کہا۔ "نہیں کیٹی۔ انہیں سب جانتے ہیں اور اب میں بھی جاننے لگی ہوں۔"

دلیپ کمار اور سائرہ بانو بڑے غور سے ماریا کی آواز سن رہے تھے۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ وہ ایک ایسی عورت کی آواز سن رہے تھے کہ جس کی شکل انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ دلیپ کمار نے

ان سے یہ پوچھنے کی بہت کوشش کی کہ وہ اصل میں کون ہیں اور کس سفر پہ ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کہاں جا رہی ہیں؟

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"ہم ماضی کے اندھیروں سے آئی ہیں اور ماضی کے اندھیروں میں ہی سفر کرتی واپس چلی جا رہی ہیں۔"

کیٹی نے کہا۔ "دلیپ بھائی! تم ہمارے صدیوں کے سفر کے راز کو نہیں سمجھ سکو گے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ ابھی ہمارے دو بھائی ایسے ہیں کہ اگر تم انہیں ملو تو دنگ رہ جاؤ؟"

دلیپ کمار نے پوچھا۔ "وہ کہاں ہیں؟"

کیٹی نے کہا۔ "ہم ان ہی کی تلاش میں ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو ایک ہزار سال بعد یا ایک ہزار سال پیچھے ماضی میں ہمیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائیں گے۔"

سائرہ بولی۔ "تمہاری باتیں سن کر میری تو عقل چکرا گئی ہے۔"

دلیپ کمار نے کہا۔ "تم الف لیلیٰ کے جادو گروں کی سی باتیں کرتی ہو۔"

ماریا نے کہا۔ "ہمارے صدیوں کے سفر کے سامنے

الف لیلیٰ کے جادوگروں کا جادو بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"
کیٹی نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"تم چائے پیو دلیپ بھائی۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ تمہاری کیا، کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔"

سائرہ بانو نے کیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیٹی بہن! تم ہر وقت آنکھوں پر کالا چشمہ کیوں چڑھائے رکھتی ہو؟"

کیٹی نے مسکرا کر دلیپ کمار کی طرف دیکھا اور کہا۔

"دلیپ بھائی! میں بھابی کو اپنی آنکھیں دکھا دوں؟"

دلیپ کمار نے سائرہ بانو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سائرہ! تم کیٹی کی آنکھیں دیکھ سکو گی؟"

سائرہ بانو نے کہا۔ "کیا کیٹی بہن کی آنکھیں خوفناک ہیں؟"

دلیپ نے کہا۔ "کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟"

"تم نے دیکھی ہیں کیٹی بہن کی آنکھیں؟"

دلیپ کمار نے کہا۔ "ہاں میں نے دیکھی ہیں۔"

سائرہ بانو بولی۔ "تو پھر میں بھی دیکھوں گی۔"

کیٹی نے کہا۔ "ڈرو گی تو نہیں بھابی؟"

سائرہ بانو نے کہا۔ "اگر یوسف نہیں ڈرا تو میں کیوں ڈرنے لگی؟"

ماریا نے کہا۔ "کیٹی! سوچ سمجھ کر چشمہ اتارنا۔"

سائرہ بانو ہنس پڑی۔ "بھئی آپ لوگ مجھے اتنا بزدل تو نہ سمجھیں۔"

دلیپ کمار نے کہا۔ "کیٹی بہن! چشمہ اتار دو۔"

کیٹی نے چشمہ اتار دیا۔ سائرہ بانو نے کیٹی کی نیلی چوکور آنکھوں کو دیکھا تو ایک بار تو کرسی پر سے اچھل پڑی۔ پھر کرسی کے بازوؤں کو زور سے پکڑ کر بولی۔

"میرے خدا! میں نے ایسی آنکھیں آج تک نہیں دیکھیں یہ — یہ تو چوکور ہیں۔"

کیٹی نے ہنس کر کہا۔ "ہاں — بالکل چوکور ہیں اور اصلی ہیں۔"

سائرہ بانو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تو نہانے جا رہی ہوں۔"

اور وہ جلدی سے اٹھ کر چلی گئی۔ دلیپ کمار اور کیٹی ہنسنے لگے۔

ماریا نے کہا۔ "سائرہ ڈر گئی ہیں۔"

دلیپ بولا۔ "ارے نہیں۔ وہ بڑی بہادر ہے۔"

پھر کیٹی سے کہنے لگا۔ "تم نے اپنی بہن کا نام نہیں بتایا

کیتھی ۔"

ماریا نے کہا: "میرا نام ماریا ہے اور اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی ۔"

دلیپ بولا: "میں تم سے اس سے زیادہ کچھ نہیں پوچھوں گا ۔ مگر کیتھی ! کیا مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کس دنیا کی مخلوق ہو ؟ کیا اس دنیا میں سب کی آنکھیں چوکور ہوتی ہیں؟"

"ہاں ۔ وہاں سب کی آنکھیں چوکور ہوتی ہیں ۔"

دلیپ کمار بولا: "اگر تم میری فلم میں ہیروئن کا رول ادا کرنے پہ راضی ہو جاؤ تو خدا کی قسم فلمی دنیا میں ایک انقلاب آ جائے ۔ لوگوں نے آج تک چوکور آنکھوں والی ہیروئن نہیں دیکھی ہو گی ۔"

کیتھی بولی: "نہیں دلیپ بھائی ۔ میں یہ کام نہیں کر سکتی ۔"

ماریا نے کہا : "ہمارے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے اور پھر ہم اپنی کسی صلاحیت کو کاروبار نہیں بنانا چاہتیں ۔"

کیتھی نے کہا : "اور پھر ہم بہت جلد یہاں سے چلی جائیں گی ۔ کیونکہ ابھی ہمیں اپنے بھائیوں کو ڈھونڈھنا ہے ۔"

دلیپ کمار خاموش ہو گیا ۔ پھر بولا ۔

"یہاں ایک ایسی جگہ ہے جہاں وہ لوگ جن کے بھائی بہن یا بچے گم ہو جاتے ہیں دعا کرتے ہیں اور

اپنی مراد پا لیتے ہیں ۔ تم بھی وہاں جا کر دعا کرو ۔ ہو سکتا ہے تمہارے بھائی بھی تمہیں مل جائیں ۔"

کیتھی نے پوچھا ۔ "کون سی جگہ ہے وہ ؟"

دلیپ کمار نے کہا ۔ "یہاں سمندر کے درمیان ایک درگاہ شریف ہے ۔ وہ بہت بڑے بزرگ کی درگاہ ہے ۔"

ماریا نے کہا ۔ "ہم کبھی ایسی جگہوں پہ گئے نہیں ۔ لیکن اگر تم کہتے ہو تو ہم چلے جاتے ہیں ۔"

کیتھی کہنے لگی ۔ "وہ درگاہ شریف یہاں سے کتنی دور ہے"

دلیپ کمار بولا ۔ "میرا ڈرائیور تمہیں وہاں چھوڑ آئے گا مگر میں ایک شرط پر تمہیں وہاں جانے دوں گا کہ تم دونوں کو دعا مانگنے کے بعد اسی جگہ واپس آنا ہو گا ۔"

کیتھی نے کہا ۔ "وعدہ نہیں کر سکتیں ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہاں جا کر حالات بدل جائیں ۔ لیکن بہرحال اگر حالات نہ بدلے اور ایسے ہی رہے تو ہم دونوں تمہارے بنگلے پر واپس آ جائیں گی ۔"

ماریا نے کہا ۔ "کیا وہ درگا شریف سمندر میں ہے ؟"

دلیپ کمار نے کہا ۔ "ہاں ۔ رات کو سمندر کا پانی درگاہ شریف تک جانے کا راستہ بند کر دیتا ہے ۔ اس لئے زیادہ تر لوگ شام ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے واپس آ جاتے ہیں ۔"

کیٹی نے کہا۔ "ہم شام ہونے تک واپس آجائیں گے"
ماریا بولی: "میرا خیال ہے۔ ہمیں ابھی چلنا چاہیے"
دلیپ نے کہا "میں گاڑی باہر نکلوا دیتا ہوں"
اس نے گاڑی باہر نکلوادی اور اس میں ماریا اور کیٹی سوار ہو کر درگاہ شریف کی طرف روانہ ہوگئیں۔

○

عنبر صلیب پر لٹک گیا

پیارے دوستو!

ہم کیٹی اور ماریا کو ۱۹۸۲ء کے بمبئی شہر کی درگاہ شریف کی طرف جاتے ہمیں چھوڑتے ہیں اور ذرا عنبر ناگ کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ ناگ تو گھوڑے پر سوار اپنے ساتھیوں کی تلاش میں بابل کے علاقے سے نکل کر دمشق کے علاقے میں نکل گیا ہے اور عنبر — جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں حضرت عیسیٰ کے زمین سے اٹھائے جانے کے پچاس برس بعد کے یروشلم کے قریب دریائے اُردن کے کنارے والے ایک چھوٹے سے گاؤں میں دانیال نام کے ایک مزدور کے گھر رہ رہا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ روم کا بادشاہ عیسائیوں کا جانی دشمن بنا ہوا ہے۔ ابھی عیسائی مذہب دنیا میں نہیں پھیلا۔ بس تھوڑے سے عیسائی ہیں، جو بے چارے چھپ کر زندگی بسر کرتے اور عبادت کرتے ہیں۔

جس گاؤں میں عنبر اپنے ساتھی عیسائی مزدور دانیال کے ساتھ رہ رہا ہے اس گاؤں میں بھی بڑی مشکل سے دس گیارہ عیسائی ہیں جو لوگوں سے چھپ کر عبادت کرتے ہیں۔ گاؤں میں زیادہ لوگ یہودی اور بت پرست ہیں۔ عیسائیوں نے اپنا مذہب ان سے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ وہاں کوئی عیسائی رہتا ہے تو یروشلم کے گورنر اڈیپس کے حکم سے اسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

عیسائی دانیال دن کو انگور کے کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ اس نے عنبر کو بھی وہاں کام پر لگا دیا۔ عنبر کو وہاں رہتے دس بارہ دن ہو گئے تھے۔ ایک روز دانیال نے عنبر سے کہا۔

"عنبر! مجھے ایسا لگتا ہے کہ یروشلم کے گورنر کو کسی نے خفیہ اطلاع دے دی ہے کہ اس گاؤں میں کچھ عیسائی رہتے ہیں۔ اس لئے میرا تو ارادہ ہے کہ ہم دس بارہ عیسائی یہاں سے کوچ کر کے کسی اور ملک میں نکل جائیں۔

عنبر نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں دانیال! ہم اسی گاؤں میں رہیں گے۔ خدا ہماری حفاظت کرے گا"

دانیال نے کہا۔ "عنبر بھائی! تم، میں، ہم سب کمزور انسان ہیں۔ ہم گورنر کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے"

عنبر بولا۔ "ہم کمزور ہو سکتے ہیں مگر ہمارا خدا بڑا طاقت والا ہے"

دانیال کہنے لگا۔ "لیکن عنبر! گورنر کے سپاہی کسی وقت بھی اس گاؤں میں پہنچ کر ہمارے گھروں کو آگ لگا دیں گے۔ اور ہمیں صلیب پہ لٹکانے کے لئے پکڑ کر لے جائیں گے"

عنبر نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ انہیں آنے دو"

دانیال خاموشی سے واپس چلا گیا۔ مگر دل میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس گاؤں میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل جائے گا۔ اسی شام گورنر اڈیپس کے سپاہیوں نے گاؤں پہ چھاپہ مار دیا۔ انہوں نے سارے گاؤں والوں کو باہر نکال لیا اور پوچھا کہ تم میں عیسائی کون ہے؟

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اس گاؤں میں صرف میں ہی ایک عیسائی ہوں۔ مجھے گرفتار کر لو۔ باقی کوئی عیسائی نہیں ہے"

سپاہیوں نے عنبر کو گرفتار کر لیا۔ کپتان نے باقی

گاؤں والوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

" یاد رکھو! اگر آئندہ تم لوگوں نے کسی عیسائی کو پناہ دی تو گورنر کے حکم سے تمہارے گاؤں کو آگ لگا دی جائے گی۔"

دانیال اور دوسرے عیسائی آنسو بھری آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس کا انجام بڑا بھیانک ہو گا اور اسے رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے صلیب پر ٹکا دیا جائے گا۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اسے ظالم رومنوں سے بچا نہیں سکتے تھے۔ عنبر نے ان کے لئے اپنی جان قربان کر کے بہت بڑی قربانی دی تھی۔ سپاہی عنبر کو پکڑ کر لے گئے۔ لوگ خاموشی سے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ جو عیسائی تھے وہ اداس تھے۔ ان کے دل عنبر کی یاد میں آنسو بہا رہے تھے۔ جو یہودی اور بت پرست تھے وہ بڑے خوش تھے کہ ان کے گاؤں میں جو ایک عیسائی آ گیا تھا، اسے پھانسی ملنے والی ہے۔

عنبر کو یروشلم شہر کے باہر زیتون کے ایک باغ

میں بنے ہوئے ایک ٹیلے پر لے جایا گیا۔ دس سپاہی تلوار لئے گھوڑوں پر سوار اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ بت پرست لوگ عنبر پر پتھر پھینک رہے تھے۔ عیسائی اندر ہی اندر غم زدہ تھے اور چھپ چھپ کر آنسو بہا رہے تھے۔ ٹیلے کے اوپر درختوں کے درمیان لکڑی کی ایک صلیب زمین پر پڑی تھی۔

عنبر نے سوچا کہ اگر اس نے اپنے جسم کو اصلی حالت میں رکھا تو کیل اس کے پتھر ایسے جسم کے اندر نہیں ٹھک سکیں گے اور سپاہیوں میں شور سا مچ جائے گا اور اس کی خفیہ طاقت کی بات کھل جائے گی۔ وہ ابھی ایسا نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کسی کو اس کی خفیہ طاقت کا پتہ چلے۔ وہ گمنام رہ کر اپنی خفیہ طاقت عیسائیوں کی
طرح نہیں تھا۔
مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ا
جھاڑیوں کے ارد گرد پھیلا ہوا
اب اس کے جسم میں کیل
اس نے دانیال کو اپنے قریب
بھی نکل سکتا تھا۔ مگر
کسی قسم کی کمزوری یا
یہ کوئی معجزہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں
سپاہیوں نے عنبر
ہے۔ میں ٹھونکنے سے مجھے کوئی درد نہیں
ہاتھوں، گھٹنوں
جان بھی نہیں نکلی۔ دیکھ لو میرے زخم بھی
کی صلیب کے

اگرچہ خون ضرور نکلنے لگا تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ نیا خون بھی
بنتا جا رہا تھا۔ کیونکہ عنبر کو ابھی مرنا نہیں تھا۔

سپاہیوں نے عنبر کو صلیب پر لٹکا کر صلیب کو اٹھا کر
زمین میں گاڑ دیا۔ کچھ لوگ پرے کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے
تھے۔ ان میں جو چند ایک چھپے ہوئے عیسائی تھے وہ
غم سے آہیں بھر رہے تھے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے
ایک عیسائی بھائی کو صلیب پر لٹکایا جا رہا تھا
اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ سوائے ایک سپاہی کے سوا باقی سب
سپاہی واپس چلے گئے۔ یہ سپاہی نیزہ ہاتھ میں لئے
وہاں پہرہ دینے لگا۔

عنبر صلیب پہ لٹکا ہوا تھا اور غور کر رہا تھا کہ
اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے وہ نیچے اترنا چاہتا
مت گئے۔ لوگ خاموجاہتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ صلیب پر
چلے گئے۔ جو عیسائی تھے یہی شک کریں گے کہ گاؤں
عنبر کی یاد میں آنسو بہائے میں اور سپاہی گاؤں کو
بت پرست تھے وہ بڑے ساری رات صلیب پہ لٹکا
میں جو ایک عیسائی آ گیا تھا عنبر کی "لاش" کو صلیب
والی ہے۔ ا۔ عنبر نے آنکھیں
عنبر کو یروشلم شہر کے باہر زیتون بن گیا تھا۔

سپاہی چلے گئے تو اچانک دانیال جھاڑیوں میں سے
نکل کر عنبر کی "لاش" کے پاس آیا اور آنسو بھری آواز
میں بولا۔

"او میرے دوست! تم نے اپنے [illegible] بھائیوں کے لئے
جو قربانی دی ہے [illegible] ہم کبھی فراموش نہیں کریں گے۔
ہم تمہاری لاش کو دریائے اردن کے مقدس پانی میں
غسل دے [illegible] دفن کریں گے تاکہ اس میں ہماری جان
ہی [illegible] بس جائے۔"

دانیال نے عنبر کی "لاش" کو بازو سے پکڑا کہ اسے
اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالے کہ عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"دانیال۔ میں زندہ ہوں۔"

دانیال چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔ ابھی دن کا اجالا زیادہ
نہیں پھیلا تھا اور سورج پوری طرح نہیں نکلا تھا جس کی
وجہ سے مدھم سا اندھیرا جھاڑیوں کے ارد گرد پھیلا ہوا
تھا۔ عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دانیال کو اپنے قریب
بلا کر کہا۔

"دانیال! سنو! یہ کوئی معجزہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں
جانتا کہ کیا ہو [illegible] ہے۔ کیل ٹھونکنے سے مجھے کوئی درد نہیں
ہوا اور میری جان بھی نہیں نکلی۔ دیکھو میرے زخم بھی

اچھے ہو گئے ہیں۔ اور میں زندہ ہوں۔"

دانیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو تک رہا تھا۔ پھر اس نے عنبر کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا۔

"عنبر! تم خدا کے نیک بندے ہو۔ میں تمہیں سجدہ کرتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "دانیال! سجدہ صرف خدا کے آگے کیا جاتا ہے۔ میں تو محض ایک گناہ گار انسان ہوں۔ بس خدا نے مجھ پر مہربانی کی ہے اور میرے کسی نیک عمل کی وجہ سے مجھے مرنے نہیں دیا۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ نہ میں کوئی جادوگر ہوں اور نہ خدا کا خاص بندہ ہوں۔"

دانیال نے عنبر کا ماتھا چوم لیا اور کہا۔

"چلو۔ گھر چلتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "نہیں میرا گاؤں میں واپس جانا تم لوگوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"پھر تم کہاں جاؤ گے؟" دانیال نے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "کہیں نہ کہیں چلا جاؤں گا۔"

دانیال نے کہا۔ "نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ہمیں چھوڑ کر کہیں جاؤ۔ تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے

لیکن کسی دوسری جگہ پر۔"

پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"یہاں سے تھوڑی دور دریا کنارے ایک پرانی کھنڈر عمارت ہے۔ ہم تمہیں وہاں چھپا دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر تم مجھے اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے اس ملک میں بہت جلد عیسائی حکومت قائم ہو جائے۔"

دانیال بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"تم دن بھر اس گڑھے میں پڑے رہو۔ میں رات کو آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔ کیونکہ اگر تم دن کے وقت غائب ہو گئے تو یہاں کے بت پرست لوگوں کو شک ہو جائے گا کہ عیسائی تمہیں اٹھا کر لے گئے ہیں۔ رات گزرنے پر یہی شبہ ہو گا کہ کوئی جنگلی درندہ لاش کو اٹھا کر لے گیا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں اسی جگہ رہوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

دانیال خاموشی سے جھاڑیوں میں سے گزر کر نکل گیا اور عنبر دوبارہ گڑھے میں اس طرح لیٹ گیا جیسے لاش پڑی ہوئی ہو۔

جب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو عنبر گڑھے میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور دانیال کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جھاڑیوں میں سے کسی کے گذرنے کی آواز آئی اور پھر دانیال آ گیا۔

"عنبر! میرے ساتھ چلو۔ میں گھوڑا بھی ساتھ لایا ہوں۔ ہم دریا کنارے والے کھنڈر میں جائیں گے۔

عنبر گڑھے سے باہر نکل آیا۔ دانیال عنبر کے لیے کپڑے بھی لایا تھا۔ جنہیں عنبر نے اسی وقت پہن لیا۔ وہ دانیال کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں رات کے اندھیرے میں دریا کی طرف روانہ ہوئے۔ دریا وہاں سے دو کوس کے فاصلے پر تھا۔ دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا اور آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔ جن کا عکس دریا میں بھی پڑ رہا تھا۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

دانیال نے کہا۔" میں نے گاؤں میں اپنے تمام

عیسائی بھائیوں کو تمہارے معجزے کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔" دانیال! یہ معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی مہربانی ہے جو مجھ پر ہوئی ہے۔"

دانیال بولا۔" میں نے اپنے عیسائی بھائیوں کو یہی بتایا ہے عنبر! تم فکر نہ کرو۔ وہ سب تمہاری زندگی واپس مل جانے پر بہت خوش ہیں۔ ہو سکتا ہے باری باری وہ تمہیں کھنڈر میں ملنے آیا کریں۔

عنبر نے کہا۔" نہیں نہیں دانیال! کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا۔ یہ بات ان کے حق میں بڑی خطرناک ہو گی۔"

وہ گھوڑوں پر سوار دریا کنارے چلتے گئے۔ ایک جگہ اندھیرے میں عنبر نے کسی ایک منزلہ عمارت کے کھنڈر کا سایہ سا دیکھا۔ دانیال نے اس طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ ہے کھنڈر۔ یہ بہت پرانا کھنڈر ہے۔ یہاں کبھی کوئی نہیں آیا۔ تمہیں کچھ دیر یہاں رہنا ہو گا۔ پھر حالات کو دیکھ کر سوچیں گے کہ ہمیں عیسائی مذہب کو عام کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا چاہیے۔"

عنبر نے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات کا
خاص طور پر خیال رکھنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو
کہ میں یہاں پر ہوں۔"

دانیال بولا۔ "سوائے ہمارے عیسائی بھائیوں کے اور
کسی کو خبر نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "تم نے انہیں بتا کر غلطی کی ہے۔
لیکن خیر — کوئی بات نہیں۔ اب گاؤں سے باہر یروشلم
میں جو چند عیسائی رہتے ہیں انہیں نہ بتانا۔"

"بہتر ہے۔ نہیں بتاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

انہوں نے کھنڈر کے باہر گھوڑے روک دیئے۔ اس
کھنڈر کے اندر جانے والا راستہ بالکل ایک غار کی طرح تھا۔
آگے کھلی جگہ تھی۔ یہاں دانیال نے بستر لگا دیا جو وہ ساتھ
لایا تھا۔ خشک پھل اور پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ رکھا۔ اگرچہ
عنبر کو ان چیزوں کی حاجت نہیں تھی لیکن وہ دانیال کو
اپنی خفیہ طاقت کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

دانیال نے کہا۔ "میں ہر روز رات کے اندھیرے میں
تمہارے لئے کھانا اور پانی لے کر آجایا کروں گا۔"

عنبر نے کہا۔ "اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟"

دانیال بولا۔ "تو کیا تم بھوکے پیاسے رہو گے؟"

عنبر بولا۔ "اچھا ہے آیا کرنا۔ اس طرح تم سے ملاقات
ہی ہو جایا کرے گی۔"

دانیال کچھ دیر عنبر کے پاس بیٹھا اور پھر واپس چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد عنبر ہنس دیا۔ سوچنے لگا کہ
اسے یہ ڈرامہ کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ وہ تو ناگ
ماریا کی تلاش میں ہے۔ اسے یہاں سے آگے نکل جانا چاہئے
پھر اسے خیال آیا کہ اس کی وجہ سے گاؤں کے چند ایک
عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں۔ اس وقت ان کے حوصلے
بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ رومن گورنر اور بادشاہ کی
طرف سے ان پر بے پناہ ظلم توڑے گئے ہیں۔ چنانچہ عنبر
نے سوچا کہ اسے کچھ دیر ان گاؤں والے عیسائی بھائیوں کے
ساتھ رہنا ہو گا۔

دوسرے روز عنبر کھنڈر کے اندر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے
لئے وہ باہر نکلا۔ دریا کنارے ٹہلا۔ ناگ اور ماریا کے بارے
میں سوچتا رہا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ کس حال میں ہوں گے
اور پھر کھنڈر میں جا کر لیٹ گیا۔ وہ زیادہ دیر اس کھنڈر
میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں وہاں کے عیسائیوں
کو مذہبی طور پر آزاد کرانے کے لئے ایک پروگرام تھا اور وہ
بہت جلد اس پروگرام پر عمل کرنا چاہتا تھا کہ ایک عجیب

حادثہ ہو گیا۔

رات کو دانیال آیا تو وہ گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ عنبر کی لاش لے جانے کے شک میں گورنر کے سپاہیوں نے ہمارے ایک عیسائی بھائی شمعون کی والدہ اور بہن کو گرفتار کر لیا ہے۔

"شمعون کہاں ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

دانیال نے کہا۔ "وہ شہر گیا ہوا ہے۔ اسے کوئی خبر نہیں۔ وہ کل صبح گاؤں پہنچ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ گاؤں نہ آئے کیونکہ سپاہی اسے بھی پکڑ کر لے جائیں گے اور مار ڈالیں گے۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اسے بڑا دکھ ہوا کہ محض اس کی وجہ سے ایک پورا خاندان موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ اس نے دانیال سے پوچھا۔

"سپاہیوں نے شمعون کی ماں اور بہن کو کہاں لے جا کر رکھا ہے؟"

دانیال بولا۔ "یروشلم کے قید خانے میں رکھا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کل رات کو انہیں بھی صلیب پر لٹکا دیں گے۔"

عنبر پریشان ہو گیا۔ "ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

"لیکن کیا کر سکتے ہیں ہم لوگ؟ ہم تو بے بس ہیں۔ مجبور ہیں۔ دشمن سپاہی ان ماں بیٹی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے دانیال سے پوچھا۔

"کیا تم مجھے قید خانے کا بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں پر ہے؟"

دانیال بولا۔

"کیا تم وہاں جاؤ گے؟ خدا کے لئے ایسا نہ کرنا اس میں تمہاری جان کا بھی خطرہ ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "دانیال! تم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا میری حفاظت کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس دفعہ بھی کوئی معجزہ ہو جائے۔ خدا میری حفاظت کرے۔ اس لئے میں ان بے گناہ ماں بیٹی کو ضرور بچاؤں گا۔ وہ محض میری وجہ سے موت کے منہ میں جا رہی ہیں۔"

دانیال بولا۔ "تم سوچ لو عنبر! مجھے تو تمہارا جانا ٹھیک نہیں لگتا۔"

عنبر نے کہا۔ "دانیال! تم مجھے قید خانے کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور اس کی طرف کونسا رستہ جاتا ہے۔"

دانیال چپ ہو گیا۔ پھر اس نے عنبر کو یروشلم کے قید خانے کے بارے میں بتایا کہ وہ شاہی محل کے پیچھے ایک پرانے باغ کے کونے والی پہاڑی پر بنایا گیا ہے۔ جس کی دیواریں قلعے کی طرح ہیں اور جس کے باہر ہر وقت فوج کا پہرہ رہتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"میں آج ہی رات وہاں جاؤں گا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے شمعون کی ماں اور بہن کو وہاں سے نکال لانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر میں دوبارہ لاش بن کر گڑھے میں پڑ بھی گیا تو سپاہی شمعون کی ماں اور بہن کو نہیں چھوڑیں گے۔"

اس نے دانیال کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دانیال! تم اپنے گھوڑے پر بٹھا کر مجھے یروشلم کے پرانے باغ کے پاس پہنچا دو۔ باقی میں خود سنبھال لوں گا۔"

دانیال بولا۔ "عنبر! ایک بار پھر سوچ لو۔ اس میں مجھے سخت خطرہ لگتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "خطرہ ضرور ہے مگر اس کے سوا کوئی

چارہ بھی نہیں ہے۔ مجھے ان بے گناہوں کی مدد کے لئے جانا ہی ہو گا۔ چلو میرے ساتھ۔"

دونوں کھنڈر سے باہر نکل آئے۔ آسمان چمکیلے تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ رات کی پر سکون تاریکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر دانیال کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا اور گھوڑا یروشلم کے پرانے باغ والی پہاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔

دانیال نے پرانے باغ کے عقب میں کھجوروں کے جھنڈ کے نیچے گھوڑا روک لیا اور کہا۔

"وہ سامنے والی پہاڑی پر جو قلعے کی دیوار نظر آ رہی ہے، وہی قید خانہ ہے اور وہیں شمعون کی ماں اور بہن قید ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "اگر تم یہ گھوڑا مجھے دے سکتے ہو تو دے دو اور خود یہاں سے فوراً واپس چلے جاؤ۔"

دانیال نے گھوڑا عنبر کے حوالے کیا۔ اس کے ماتھے کو عقیدت کے ساتھ چوما اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی عنبر نے پہلا کام یہ کیا کہ گھوڑے کو کھجور کے جھنڈوں کے درمیان میں لے جا کر ایک درخت کے ساتھ باندھا اور اس کے آگے گھاس ڈال دیا۔ پھر وہ پرانے باغ سے نکل کر جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا پہاڑی پر چڑھنے لگا۔

وہ قید خانے کی دیوار کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ یہ پچھلی دیوار تھی اور قید خانے کا دروازہ دوسری طرف تھا۔ جدھر رومن سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ایک سپاہی ترنگ میں آ کر گانا گا رہا تھا۔ جس کی ہلکی ہلکی آواز عنبر کو برابر آ رہی تھی۔

عنبر نے دیوار کو دیکھا۔ وہ بڑی اونچی دیوار تھی۔ عنبر سوچنے لگا کہ اس دیوار پر کیسے چڑھا جائے۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اسے صبح ہونے سے پہلے پہلے شمعون کی ماں اور بہن کو اس قید خانے سے نکال کر لے جانا تھا۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ عنبر کو اپنی بے پناہ طاقت کا علم تھا اور اس نے اپنی اسی طاقت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے چند قدم چل کر قید خانے کی پتھریلی دیوار کو ٹٹول کر غور سے دیکھا۔ یہ پتھروں کے بڑے بڑے بلاکوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک جگہ سے پتھروں میں سوراخ سا پڑ گیا تھا۔ یہ سوراخ اتنا تھا کہ عنبر کا ایک ہاتھ اس کے اندر جا سکتا تھا۔ عنبر یہی چاہتا تھا۔ اس نے سوراخ میں ایک ہاتھ ڈال کر پتھر کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ باہر کو دھکیل دیا۔

عنبر کا اپنی ساری طاقت خرچ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ چنانچہ جھٹکے کے ساتھ ہی پورے کا پورا پتھر کا بلاک دیوار میں سے اکھڑ کر باہر گر پڑا۔ عنبر نے سر ڈال کر دیکھا کہ وہاں کوئی آدمی تو نہیں؟ اندر اندھیرا تھا اور نمدار بو سی آ رہی تھی۔ عنبر نے دوسرا پتھر بھی اکھاڑ دیا۔ وہاں اتنی جگہ بن گئی کہ عنبر آسانی سے جھک کر اندر جا سکتا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔

اس نے اندھیرے میں گھور کر دیکھا۔ وہ ایک کوٹھڑی میں آ گیا تھا جس کی دیواروں کے ساتھ آٹے اور چاول کی بوریاں، زیتون کے تیل کے کپّے اور دوسرا سامان بھرا ہوا تھا۔ یہ سٹور روم تھا۔ عنبر آگے بڑھا۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ اس نے ذرا زور لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اسے ایک آدمی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

یہ ایک سپاہی تھا جو رات کو جلنے والی مشالوں کے لئے زیتون کا تیل لینے آیا تھا۔ وہ اسی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوا اسے سامنے دیوار میں

سوراخ دکھائی دیا۔ وہ شور مچانے ہی لگا تھا کہ عنبر نے اسے پیچھے سے دبوچ لیا۔ اور اس کی گردن کو اس طریقے سے دبایا کہ وہ آواز نکالے بغیر اگلی دنیا کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

عنبر کو یہ اچھا موقع مل گیا تھا۔ اس نے فوراً سپاہی کی وردی اتار کر خود پہن لی۔ خنجر والی چمڑے کی پیٹی اپنی کمر سے باندھی۔ نیزہ ہاتھ میں لیا۔ سپاہی کی لاش کو دیوار کے سوراخ میں سے باہر پھینکا اور دروازہ کھول کر راہ داری میں آ گیا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا مگر عنبر کو اندھیرے میں بھی سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا اور یوں بے تکلفی سے بھی چل رہا تھا جیسے قید خانے کا ایک عام سپاہی ہو جس کی ڈیوٹی رات کو پہرے پر لگی ہوئی تھی۔

راہ داری کے آخر میں ایک محرابی راستہ نیچے جا رہا تھا۔ عنبر چوڑی سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے قدموں کی آواز سن کر نیچے ایک سپاہی نے آواز دی۔

"کون ہے؟"

اس کے جواب میں عنبر کو اس رات کا خفیہ کوڈ لفظ بولنا چاہیے تھا۔ مگر عنبر کو خفیہ کوڈ لفظ معلوم نہیں تھا

اس نے کہا۔

"میں ہوں پہرے دار ۔۔۔"

اتنا سننا تھا کہ نیچے سے سپاہی نے ایک تیر چلایا۔ جو عنبر کے پیٹ پر آ کر [illegible] لگا۔ تیر دوہرا ہو کر نیچے گر پڑا۔ اندھیرے میں عنبر نے ایک لمبے تڑنگے دشمن سپاہی کو دیکھا جو دوسرا تیر جوڑ کر اس کے سر کا نشانہ بنا رہا تھا۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس سپاہی نے شور مچانے کی بجائے تیر چلانے شروع کر دیئے تھے۔ دوسرا تیر عنبر کی گردن پر لگا اور دوہرا ہو کر سیڑھیوں پر گر پڑا۔

اب عنبر اسے زیادہ وقت نہیں دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس وقت اس سپاہی کا زیادہ دیر زندہ رہنا بے حد خطرناک ہو سکتا تھا۔ عنبر نے سیڑھیاں اترتے ہوئے ایکدم اچھل کر اس سپاہی پر چھلانگ لگا دی۔ عنبر سپاہی کے عین اوپر آ کر گرا۔ سپاہی اس کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا۔ اس نے نیچے سے خنجر نکال کر عنبر کے پیٹ میں مارا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں ہی ٹوٹ گیا۔ لیکن عنبر نے اسے اس کے بعد حملہ کرنے کی مہلت نہ دی۔ سپاہی مر چکا تھا۔ عنبر نے اس کی لاش گھسیٹ کر سیڑھیوں کے پیچھے

اندھیرے میں دیوار کے ساتھ ڈال دی اور بھاگ کر آگے نکل گیا۔ سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ چھوٹا تھا۔ عنبر نے دروازے کے تالے کو توڑ ڈالا۔

جھک کر اندر داخل ہوا، تو دو عورتیں اسے لوہے کی زنجیروں سے بندھی ہوئی زمین پر لیٹی دکھائی دیں۔ اس نے جاتے ہی کہا۔

"کیا تم شمعون کی ماں اور بہن ہو؟"

دونوں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک سپاہی کو دیکھا تو شمعون کی ماں نے کہا۔

"ہاں۔ کیا ہمارا آخری وقت آ گیا ہے؟"

وہ یہ سمجھی کہ سپاہی اسے اور اس کی بیٹی کو صلیب پر لٹکانے کے لئے لے جانے آیا ہے۔

عنبر نے کہا۔ "جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔ میں بھی عیسائی ہوں۔ فکر نہ کرو۔"

"مگر تم رومن سپاہی کی وردی میں ہو!" شمعون کی ماں نے کہا۔

عنبر نے کہا۔ "وقت ضائع نہ کرو۔ جلدی سے اٹھو۔"

شمعون کی بہن بولی۔ "ہم زنجیروں سے بندھی ہیں۔"

عنبر نے جلدی جلدی ان کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور انہیں ساتھ لے کر پتھریلی سیڑھیاں چڑھ کر راہ داری میں آ گیا۔ راہ داری میں کوئی نہیں تھا۔ عنبر نے دونوں ماں بیٹی کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں سے گذرتا سٹور روم میں داخل ہو گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ اور کہا۔

"اس سوراخ میں سے باہر نکل چلو۔ جلدی کرو!"

شمعون کی ماں اور بیٹی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا اور ہو رہا ہے؟ لیکن انہیں موت کی کوٹھڑی سے فرار ہونے کی بے حد خوشی تھی۔ اور ان کے اندر زندگی کی نئی طاقت آ گئی تھی۔

○

طاقت کا راز ـــ لمبے بال

ماں بیٹی دیوار کے سوراخ میں سے باہر نکل آئیں۔
عنبر انہیں رات کے دم توڑتے اندھیرے میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ کی طرف لے آیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ خود عنبر کو حیرانی ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ماں بیٹی کو گھوڑے پر بٹھا کر کہا۔

"شمال مغرب میں یہاں سے تھوڑی دور دریا کے کنارے ایک پرانا کھنڈر ہے۔ کیا تم میں سے کسی نے وہ کھنڈر دیکھا ہے؟"

شمعون کی بہن نے کہا۔ "ہاں میں نے اس کھنڈر کو دیکھا ہے۔ میں وہاں کھیلتی رہی ہوں۔"

"تم اس کھنڈر میں جا کر چھپ جاؤ اور گھوڑے کو دریا کی طرف بھگا دینا۔ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر عنبر نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ وہ دونوں کو لے کر رات کے اندھیرے میں بھاگ اٹھا۔ عنبر

کھجوروں کے جھنڈ میں سے نکل کر واپس اسی جگہ دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں اس سپاہی کی لاش ویسے ہی لڑھکی پڑی تھی جس کی وردی عنبر نے پہن لی تھی۔ عنبر نے جلدی جلدی سپاہی کی وردی اتار کر پرے پھینکی اور سپاہی کی لاش پر سے اپنے کپڑے اتار کر پہن لئے۔

جب وہ واپس کھجور کے جھنڈ کے پاس آیا تو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ٹھہرو۔"

عنبر وہیں رک گیا۔ ایک رومن سپاہی نیزہ ہاتھ میں لئے اس کی طرف بڑھا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

ایسا سوال کسی رومن سپاہی سے کبھی کسی اجنبی نے نہیں کیا تھا۔ اس علاقے میں رومن سپاہیوں کا ایسا رعب اور دبدبہ تھا کہ لوگ ان کی شکل دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ عنبر نے شمعون کی ماں اور بہن کو قید سے آزاد کرا لیا تھا۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سپاہی نے نیزہ اٹھا کر زور سے عنبر پر پھینکا۔ عنبر نے نیزہ پکڑ کر اسے گھمایا اور واپس پوری طاقت سے سپاہی پر پھینکا۔ سپاہی نیزے میں پرو دیا

گیا۔ نیزے کی طاقت اور تیزی اتنی زیادہ تھی کہ وہ سپاہی کو لے کر ایک راکٹ کی طرح اڑتا ہوا سو قدموں کے فاصلے پر ایک درخت میں جا کر ٹھُب گیا اور سپاہی اس کے ساتھ لٹکنے لگا۔ عنبر نے اس کے قریب جا کر کہا۔

"اب کبھی مجھ سے نہ پوچھنا کہ کون ہو تم؟"

عنبر کو واپس کھنڈر میں جانے کی بھی جلدی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں دونوں عورتوں کو راستے میں ہی کسی گشتی دستے کے سپاہیوں نے نہ پکڑ لیا ہو۔ جس سپاہی کو عنبر نے درخت کے ساتھ لٹکا دیا تھا اس کا گھوڑا تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہنہنایا۔ عنبر اس پر سوار ہو گیا اور اسے لے کر کھنڈر کی طرف دوڑ پڑا۔

کھنڈر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی عنبر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے گھوڑے کو زور سے لات ماری اور وہ واپس روانہ ہو گیا۔ عنبر کھنڈر کے اندر آ گیا۔ دونوں ماں بیٹی وہاں کونے میں دبکی بیٹھی تھیں۔ عنبر نے انہیں تھیلے میں سے خشک میوے کھلائے اور مشکیزے میں سے پانی نکال کر پلایا۔ شمعون کی ماں نے کہا:

"تم نے ہماری جان بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھلا سکیں گی۔"

عنبر نے کہا۔ "اب تم رگوں کا اس گاؤں میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

شمعون کی ماں نے کہا۔ "میرا بیٹا شمعون آج صبح آ رہا ہے۔ میں اسے اور اپنی بیٹی کو لے کر ملک شام کی طرف نکل جاؤں گی۔ کیا میرے بچے کو معلوم ہے کہ میں یہاں ہوں؟"

عنبر نے کہا۔ "میں نے دانیال کو رات کہا تھا کہ صبح شمعون آئے تو اسے چپکے سے ساتھ لے کر یہاں پر آ جائے۔"

شمعون کی بہن بولی۔ "عنبر بھائی! تم کو میں اپنے گاؤں میں دانیال کے ساتھ کھیتوں میں جاتے آتے دیکھا کرتی تھی۔ میرے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تم ہمارے عیسائی بھائی ہو اور تم اتنے بہادر بھی ہو کہ ہمیں ظالم دشمنوں کی قید سے چھڑا کر لے آئے۔"

عنبر نے کہا۔ "بہن! یہ سب خدا کی مہربانی سے ہوا ہے۔"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ عنبر کو باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے باہر آ گیا۔ دانیال کھنڈر کے پاس آ کر گھوڑے سے اترا۔

"کیا تم شمعون کی والدہ اور بیٹی کو لے آئے؟"

عنبر مسکرایا۔ "ہاں دانیال! وہ اندر بیٹھی ہیں۔ شمعون تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ اس کا کیا ہوا؟ کیا وہ گاؤں

نہیں پہنچا ؟"

دانیال نے کہا ۔" وہ گاؤں میں آیا تھا ۔ مگر رومن سپاہی اسے پکڑ کر لے گئے ۔ اس کی ماں اور بہن کے فرار کا ہر طرف شور مچ گیا ہے ۔ میں تمہیں یہ کہنے کے لئے آیا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے ان دونوں ماں بیٹی کو یہاں سے نکال کر لے چلو ۔"

"اندر آجاؤ ۔" عنبر نے کہا ۔

کھنڈر کے اندر جاکر دانیال نے شمعون کی والدہ اور بہن سے ملاقات کی اور انہیں بتا دیا کہ شمعون گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان کے فرار کی خبر سب کو ہو گئی ہے اور رومن سپاہی ان کو پکڑنے کے لئے جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں ۔ ماں بیٹی دل کو تھام کر بیٹھ گئیں ۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔

"میرا بیٹا شمعون ! اب کیا ہوگا ۔ وہ لوگ تو اسے قتل کر ڈالیں گے ۔"

دانیال نے کہا ۔" خدا پر بھروسہ رکھو اماں ! تمہارا بیٹا ایک نیک اور پرہیزگار نوجوان ہے ۔ خدا اس کی ضرور حفاظت کرے گا ۔"

عنبر نے کہا ۔" سوال یہ ہے کہ اب انہیں کہاں لے

جاکر چھپایا جائے ۔ کیا یہاں کوئی اور محفوظ جگہ ہے ؟"

دانیال بولا ۔" میں چاہتا ہوں کہ تم انہیں لے کر دریا پار کر جاؤ ۔ ابھی پوری طرح دن کی روشنی نہیں ہوئی ۔ دریا پار زیتون کی پہاڑی ہے ۔ اس پہاڑی میں ایک غار ہے جس کے اندر سرخ پتھر لگا ہے ۔ کہتے ہیں آج سے پانچ سو سال پہلے یہاں خدارسیدہ بزرگ عبادت کیا کرتے تھے ۔ تم وہاں چلے جاؤ ۔ میں کسی وقت تم سے وہاں آکر ملاقات کروں گا اور شمعون کے بارے میں بتاؤں گا ۔ جلدی کرو ۔ ممکن ہے رومن سپاہی اس کھنڈر پر بھی چھاپہ ماریں ۔"

عنبر نے اسی وقت دونوں عورتوں کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود ساتھ پیدل چلتا ہوا دریا کی طرف روانہ ہوا ۔ دانیال واپس گاؤں کی طرف چلا گیا ۔ دریا وہاں سے سو قدم کے فاصلے پر تھا ۔ دریائے اردن زیادہ گہرا اور چوڑا دریا نہیں تھا ۔ اس نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور خود تیرنے لگا ۔ دریا پار کرکے وہ وہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر واقع زیتون کی پہاڑی کے غار کے پاس آ گئے ۔ یہ غار جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی اور عنبر نے کافی وقت کے بعد اسے تلاش کیا ۔

وہ دونوں عورتوں کو لے کر غار میں داخل ہو گیا ۔

دانیال اسے موم بتیاں اور کھانے پینے کا اور سامان تھیلے میں

بھر کر دے گیا تھا۔ اس غار کی دیواریں سرخ پتھر کی تھیں اور جگہ جگہ چبوترے بنے ہوئے تھے۔ جس پر بیٹھ کر پرانے زمانے میں عبادت گذار لوگ عبادت کیا کرتے تھے۔ عنبر نے انہیں غار میں آگے جا کر ایک جگہ زمین صاف کرکے بٹھا دیا اور خود خالی مشکیزہ لے کر دریا پر پانی بھرنے چلا گیا۔

دوسری طرف دانیال گاؤں پہنچ گیا تھا۔ صبح ہوتے ہی رومن سپاہیوں نے کھنڈر پر بھی ہلّہ بول دیا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ رومن سپاہی جگہ جگہ شمعون کی ماں اور بہن کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مگر انہیں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ عنبر زیتون کی پہاڑی کے غار میں شمعون کی ماں اور بہن کا پورا پورا خیال رکھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر رومن سپاہی وہاں آگئے تو غار میں کوئی بھی سپاہی زندہ داخل نہ ہو سکے گا۔ اور ساری فوج کو وہ غار کے باہر ہی ہلاک کرکے رکھ دے گا۔ مگر ادھر سپاہیوں نے رخ نہ کیا۔

○○○

شمعون قید خانے میں زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا تھا۔

وہ ایک خوبصورت اور اونچا لمبا تیکدل چہرے والا نوجوان تھا اور دیکھنے پر کوئی شہزادہ لگتا تھا۔ صبح اس کو صلیب پر لٹکائے جانے کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ وہ قید خانے میں بیٹھا آنکھیں بند کیے خدا کی عبادت کر رہا تھا کہ اچانک قید خانے میں روشنی ہو گئی۔ شمعون نے آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے حضرت مریمؑ کی شبیہہ مبارک تھی۔ شمعون نے سر جھکا دیا۔ بی بی مریم نے بڑے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"شمعون! خداوند نے تمہارے لمبے بالوں میں ایسی طاقت بھر دی ہے کہ تم سارے قلعے کو ہاتھوں سے ڈھا سکتے ہو اور ایک تلوار کی مدد سے ساری رومن فوج کو شکست دے سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو، تمہاری طاقت کا راز تمہارے سر کے لمبے بالوں میں ہے۔ اگر تمہارے بال کاٹ دیئے گئے تو تمہاری طاقت ختم ہو جائے گی۔"

اور شبیہہ غائب ہو گئی۔ شمعون بڑا حیران ہوا۔ اس نے اپنے سر کے لمبے لمبے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور سوچا کہ اپنی طاقت آزمائی چاہیئے۔ وہ اٹھا۔ اس کے سامنے فرش پر ایک بہت وزنی چکی پڑی تھی۔ یہ چکی پتھر کی تھی۔ شمعون نے اس چکی پر آہستہ سے ہاتھ مارا۔ پتھروالی

مضبوط چکی کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ شمعون بڑا حیران ہوا۔ اس کے اندر واقعی بے پناہ طاقت آگئی تھی۔ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے زنجیر سے اپنے پاؤں کو زخمی کرنا چاہا تو زنجیر ٹوٹ گئی۔ شمعون نے خدا کا شکر ادا کیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صبح ہوئی تو رومن سپاہی اسے صلیب پر لٹکانے کے لئے آگئے۔ انہوں نے جو اس کی زنجیر ٹوٹی ہوئی دیکھی تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ شمعون نے وہی ٹوٹی ہوئی زنجیر اٹھائی اور سپاہیوں پر برسانی شروع کر دی۔ شمعون کے بازوؤں کی طاقت سے زنجیر میں بے پناہ قوت آگئی تھی۔ وہ جس سپاہی کو لگتی اس کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔ سپاہیوں نے شمعون پر تیر برسائے، نیزے مارے، تلواریں چلائیں مگر وہ سب ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔

شمعون نے قید خانے کے بہت بڑے لوہے کی سلاخوں والے دروازے کو زور سے لات ماری۔ دروازہ ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔

شمعون قید خانے سے باہر نکل آیا۔ سپاہی وہاں سے بھاگ اٹھے۔ کتنے ہی سپاہی مارے جا چکے تھے۔ شمعون وہاں سے نکل کر قید خانے کے دروازے کے باہر آکر کھڑا

ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا۔

"اے رومن قوم کے جرنیلو! میری بات غور سے سنو! آج سے اس شہر میں خدا کی بادشاہت ہوگی۔ عیسائی لوگ آزادی سے عبادت کریں گے اور یہاں ہم عیسائی ایک گرجا بنائیں گے۔ جس رومن سپاہی نے کسی ایک عیسائی کو بھی نقصان پہنچایا۔ اس کے سارے خاندان کو تباہ کر دیا جائے گا۔"

عیسائیوں نے جو شمعون کو یہ اعلان کرتے سنا تو اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ وہ زور زور سے نعرے لگانے لگے۔ عیسائی ہر طرف خوشیاں منانے لگے۔ گاؤں میں بھی دانیال نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ شمعون کی بہادری کے قصے گلی گلی گونجنے لگے کہ اس نے ایک معمولی زنجیر سے سینکڑوں رومن سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس میں اتنی طاقت خداوند نے دے دی ہے کہ وہ سارے قلعے کو دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر ڈھا سکتا ہے۔

شمعون فاتح کی حیثیت سے اپنے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ رومن سپاہی سب بھاگ چکے تھے۔ اس نے دانیال کو اپنے گلے سے لگا لیا اور کہا۔

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

دانیال نے اسے بتایا کہ عنبر نام کا ایک عیسائی نوجوان ان دونوں کو ساتھ لے کر کوہ زیتون کے غار میں چھپا ہوا ہے اور وہی انہیں قید سے چھڑا کر لایا تھا تو شمعون نے کہا۔

"میں اس بہادر نوجوان کا احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا جس نے میری ماں اور بہن کی زندگی بچائی۔ جاؤ انہیں غار سے واپس لے آؤ۔ آج کے بعد کسی عیسائی کو غاروں میں چھپنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خداوندی بادشاہت قائم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

دانیال نے تین گھوڑے ساتھ لیے۔ ایک گھوڑے پر وہ خود بیٹھا اور بڑی تیزی سے زیتون کی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

لوگ اپنے اپنے مکانوں سے صلیب کے مقدس نشان نکال کر باہر آ گئے۔ انہوں نے شمعون کو گھیرے میں لے لیا۔ شمعون انہیں لے کر دریا کے کنارے آ گیا اور وہاں بیٹھ کر وہ عیسائی طریقے کے مطابق خدا کی عبادت کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دانیال عنبر اور شمعون کی والدہ اور بہن کو لے کر آ گیا۔ شمعون اپنی ماں سے لپٹ گیا۔ اس نے بہن کو پیار کیا۔ انہیں زندہ دیکھ کر شمعون کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے عنبر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"پیارے بھائی! تم نے میری والدہ اور بہن کی زندگیاں اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچائی ہیں۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھول سکوں گا۔"

عنبر نے کہا۔ "یہ سب خدا کی مہربانی سے ہوا ہے دوست!"

گاؤں کے جو غیر عیسائی لوگ تھے وہ ڈرتے پھر رہے تھے۔ شمعون نے اعلان کر دیا۔

"تم لوگ ہمارے بھائی ہو اور ہم تمہارے ساتھ بھائیوں ایسا سلوک کریں گے۔"

ہر طرف خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔

یروشلم کے گورنر کے محل میں خاص اور ہنگامی اجلاس ہو رہا تھا۔ گورنر کے سارے جرنیل، وزیر، امیر، کاہن اور افسر وہاں موجود تھے۔ گورنر کو شمعون کی آسمانی طاقت کے بارے میں ایک ایک خبر مل چکی تھی۔ وہ پریشانی سے ٹہل رہا تھا۔ اس نے سب سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا تمہارا جادو یہاں کوئی کام نہیں کر سکتا؟"

کاہن نے اٹھ کر ہاتھ باندھ لیے اور کہا۔ "عظیم اڈیپس!

یہ کوئی آسمانی طاقت ہے جو شمعون کے جسم میں داخل ہو گئی ہے۔ میں نے جتنے جادو کے نقش بنائے ہیں۔ وہ سب بیکار ہو گئے ہیں۔ میرا جادو یہاں ناکام ہو گیا ہے۔ میرا جادو آسمانی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

گورنر ایڈیپس نے گرج کر کہا۔ "تو پھر دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔"

وہ پریشانی کے عالم میں ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹہلنے لگا۔

"شہنشاہ روم کو جب اس کی خبر ملے گی تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ وہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اف! اب کیا ہو گا۔"

گورنر نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"خدا کے لئے اس شمعون کو کسی طرح ختم کرو۔"

جرنیل نے کہا۔ "حضور! اس پر نہ کوئی تیر اثر کرتا ہے۔ نہ تلوار اور نہ کوئی نیزہ اثر کرتا ہے۔ ہم انسانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر آسمانی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

گورنر نے کہا۔ "تو پھر تم سب لوگ میرے ساتھ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شہنشاہ روم کا قہر ہم سب پر ایک ساتھ نازل ہو گا۔ تم سب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

سب لوگ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلے گئے۔ جب گورنر

اکیلا رہ گیا تو بوڑھے وزیر نے کہا۔

"حضور! اس طرح ہم شمعون کی آسمانی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

گورنر نے جھلا کر کہا۔ "تو پھر کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بتاؤ۔ میرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے سوائے اپنی تباہی کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

"حضور! دنیا میں کوئی ایسا جادو نہیں ہے جس کا توڑ نہ ہو۔ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جس کی کوئی کمزوری نہ ہو۔"

گورنر نے وزیر کی طرف گھور کر دیکھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ کھل کر بتاؤ۔"

وزیر بولا۔ "حضور! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر سانپ کے زہر کا توڑ ہو سکتا ہے تو پھر شمعون کی طاقت کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ ضرور ہو گا۔ اس کی طاقت کا بھی کوئی نہ کوئی راز ضرور ہو گا۔"

گورنر نے کہا۔ "اس کی طاقت کا راز اس کی آسمانی طاقت ہے اور ہم آسمانی طاقت کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟"

وزیر مسکرایا۔ "حضور! ہم آسمانی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ آسمانی طاقت ایک انسان کے جسم میں داخل ہو

گئی ہے۔ اور انسان میں کئی کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس
آسمانی طاقت کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوگی۔"

گورنر نے کہا۔ "یہ کمزوری کیا ہو سکتی ہے؟"

وزیر بولا۔ "شمعون کو آسمان کی طرف سے ایک
زبردست طاقت مل گئی ہے۔ لیکن اس طاقت کا کوئی نہ کوئی
راز ضرور ہوگا۔ آسمان کی طرف سے جب بھی کسی انسان
کو کوئی حیرت انگیز چیز ملتی ہے تو اسے بتا دیا جاتا ہے
کہ اگر تم نے یہ کیا تو تمہاری طاقت ختم ہو جائے گی۔
ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہوگا کہ شمعون پہ اس آسمانی طاقت
نے کیا شرط لگائی ہے؟"

گورنر نے کہا۔ "یہ کون معلوم کر سکتا ہے؟"

وزیر بولا۔ "کوئی ایسا شخص جو شمعون کی عیسائی
جماعت میں عیسائی بن کر داخل ہو جائے اور پھر اس کا اعتماد
حاصل کرکے یہ راز معلوم کرے۔"

"ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

وزیر نے کہا۔ "یہ کام کسی آدمی کا نہیں۔ یہ کام کوئی
چالاک اور خوبصورت عورت ہی کر سکتی ہے۔"

گورنر نے کہا۔ "شمعون کے بارے میں سب کو معلوم
ہے کہ وہ ایک پاک باز، پرہیزگار اور عبادت گزار نیک

نوجوان ہے۔ عورتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔
ہو سکتا ہے وہ ہماری بھیجی ہوئی عورت کو اپنے قریب
ہی نہ آنے دے۔"

وزیر بولا۔ "ایسی صورت میں اس عورت کو شمعون کی
والدہ یا بہن سے دوستی بڑھانی ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے شمعون
نے اپنی ماں یا بہن کو اپنی آسمانی طاقت کا راز بتا دیا ہو۔"

گورنر نے سٹ پٹا کر کہا۔ "تمہارا منصوبہ بہت اچھا ہے
مگر خدا کے لئے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ میں نے شاہی
خبریں پہنچانے والے ہرکارے کو شہنشاہ کے پاس یہ منحوس خبر
لے جانے سے روک دیا ہے۔ میں نے اسے بھاری رشوت
دی ہے۔ مگر میں اسے ایک ماہ سے زیادہ نہیں
روک سکتا۔ اس کے بعد اسے شہنشاہ کے پاس اس
شہر کی خبریں لے کر جانا ہی ہوگا۔"

وزیر نے کہا۔ "حضور! آپ فکر نہ کریں اور یہ کام
مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں ایک ماہ سے پہلے پہلے شمعون
کا سر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔"

گورنر نے خوش ہو کر کہا۔

"اے وزیر! اگر تم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے
تو میں تمہیں اردن اور گلیلی کا گورنر بنا دوں گا اور

تمہارے لئے سونے کا محل بنوا دوں گا۔"

وزیر نے کہا۔ "حضور! آدمی اگر دوسرے آدمی کی کمزوری کو جان لے تو پھر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ خدا حافظ!"

اور وزیر مسکراتا ہوا اپنے شاہی کمرے کی طرف چل دیا۔ گورنر کو وزیر کی باتوں سے کافی حوصلہ ہوا تھا۔ اس کے دل کو ڈھارس بندھی تھی کہ وزیر اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔"

وزیر بڑا چالاک اور تجربہ کار سیاست دان تھا۔ اس کے پاس ایک عورت تھی جس کا نام سنوگراں تھا۔ اس کی عمر تیس تینتیس سال کی تھی۔ وہ بلا کی ذہین، چالاک اور ہوشیار عورت تھی۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اتنی چالاک ہے کہ آسمان کی ٹاکی اتار بھی لاتی ہے اور پھر جا کر لگا بھی دیتی ہے۔ وزیر نے اسے بلا کر ساری بات اچھی طرح سمجھائی اور کہا۔

"سنوگراں! تمہیں ہر حالت میں یہ پتہ کر کے واپس محل میں آنا ہے کہ شمعون کی آسمانی طاقت کی کمزوری کیا ہے۔"

سنوگراں نے کہا۔ "حضور! یہ کنیز اپنے مقصد میں

کامیاب ہو کر بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گی۔"

سنوگراں نے ایک غریب عورت کا بھیس بدلا اور ایک خچر پر سوار ہو کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گئی۔

گاؤں میں شمعون نے ایک گرجا کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔ عیسائی بڑے خوش خوش گرجا گھر بنا رہے تھے۔ شمعون اپنے گھر کے صحن میں تخت پوش پر بیٹھا تھا۔ عنبر اس کے ساتھ تھا۔ عیسائی عورتیں اس کے سامنے زمین پر بڑے ادب سے بیٹھی شمعون کی باتیں سن رہی تھیں۔ اتنے میں ایک عورت خچر سے اتر کر وہاں آئی اور اس نے آتے ہی اپنا سر شمعون کے قدموں میں جھکا دیا اور بولی۔

"اے شمعون! میں نے خواب میں تمہاری بشارت پائی تھی۔ میں دریا پار کے ایک گاؤں میں رہتی ہوں۔ میں عیسائی ہوں اور چھپ چھپ کر عبادت کرتی تھی۔ میرا باپ اور بھائی بت پرست ہیں۔ میں نے اپنا مذہب ان سے چھپا رکھا تھا۔ رات مجھے بشارت ہوئی کہ تم کو خداوند نے نئی طاقت دی ہے اور میں تمہاری خدمت کرنے آئی ہوں۔"

شمعون نے کہا۔ "بی بی! سجدہ خدا کو کیا کرتے ہیں۔ اٹھو آج سے تم بھی ان عورتوں کے ساتھ مل کر یہاں رہو اور خدا کی عبادت کرو اور لوگوں کی خدمت کرو۔"

یہ عورت وزیر کی بھیجی ہوئی مکار عورت شوگراں تھی۔
رات کو کھانے پر عنبر نے شمعون سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں کسی دوسرے ملک میں جا کر کام کاج کروں۔"

شمعون نے کہا۔ عنبر بھائی! یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ یہاں خدا کی بادشاہت قائم ہونے والی ہے۔ تم کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ ابھی کچھ دیر ہمارے پاس رہو۔ دیکھو خدا کس کام میں راضی ہے۔"

عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے شمعون کی زبان سے کوئی خاص بات نکل گئی ہو۔ اسے لگا جیسے ناگ اور ماریا کی ملاقات وہیں اسی گاؤں میں ہی ہو گی۔

اس نے کہا۔ "بہت اچھا شمعون بھائی! اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں کچھ دیر اور یہاں رک جاتا ہوں۔"

عنبر وہاں رہنے لگا۔ شوگراں نے بڑھ چڑھ کر لوگوں کی خدمت شروع کر دی۔ اور وہاں سب اسے بہت پسند کرنے لگے۔ شوگراں ایک ہوشیار عورت تھی۔ اس نے دو ایک دن میں ہی محسوس کر لیا کہ شمعون ایک نیک اور پاکیزہ خیال رکھنے والا انسان ہے۔ اس پر اس کا جادو نہیں چلے گا۔

چنانچہ اس نے شمعون کی بہن کے ساتھ دوستی گانٹھنی شروع کر دی۔ چھ سات دنوں کے اندر ہی اندر وہ شمعون کی بہن سے گھل مل گئی اور اسے اپنے ہاتھوں پہ ڈال لیا۔

ایک دن شوگراں شمعون کی بہن کے ساتھ دریا پہ پانی بھرنے گئی تو راستے میں شمعون کی بے حد تعریف کرنے لگی۔

"تمہارا بھائی ایک ہیرا ہے جو خداوند نے ہمیں روشنی کے لئے عطا کیا ہے۔ اس کے آنے سے ہمارے سب دکھ درد دور ہو گئے ہیں۔ خداوند نے اس کے جسم میں اپنی خاص طاقت داخل کر دی ہے۔ مگر مجھے ہمیشہ ایک بات کی فکر کھائے جاتی ہے۔

شمعون کی بہن نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کس بات کی فکر نومی؟"

شوگراں نے اپنا نام یہاں نومی بتایا تھا۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔

"خدا جب اپنے کسی خاص بندے کو اتنی زبردست طاقت دیتا ہے تو اس طاقت کی ایک کمزوری بھی ہوتی ہے جس سے وہ ساری طاقت ختم ہو سکتی ہے۔ تمہارے بھائی کی طاقت کی بھی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہو گی۔ تمہارا بھائی ایک

نیک اور بھولا آدمی ہے۔ اس کو اپنی کمزوری کی حفاظت کرنی
چاہیئے۔ مگر ہو سکتا ہے وہ اس کی حفاظت نہ کر سکے اور
ایک دن اس کی طاقت جاتی رہے۔ پھر ہمارا کیا حشر ہوگا؟
آہ! ہم سب صلیبوں پر لٹکا دیئے جائیں گے۔ میں۔ تم۔
تمہاری امی اور تمہارا بھائی سب کے سب مارے جائیں گے۔"
شمعون کی بہن بہت پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا۔
"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میرا بھائی بڑا بھولا بھالا ہے۔ ہو سکتا
ہے وہ اس کمزوری کی حفاظت نہ کر سکے یا کسی کو بتا دے
جس میں اس کی آسمانی طاقت کا راز چھپا ہوا ہے۔ لیکن میں
کیا کر سکتی ہوں۔ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"
شوگراں نے جب تیر نشانے پر بیٹھتا دیکھا تو بولی۔
"ہم یہ تو کر سکتی ہیں کہ شمعون بھائی کے طاقت کے
راز کی خود حفاظت کریں اور کسی کو اس پر حملہ کرنے کی
اجازت نہ دیں۔ اس طرح سے تمہارے بھائی کی آسمانی
طاقت بھی محفوظ رہے گی اور ہم سب بہن بھائی عیسائیت
کی آغوش میں بڑے سکون سے ساری زندگی خدا کی عبادت کریں
گے اور ہمارا مذہب پھلے پھولے گا۔"
شمعون کی بہن نے کہا۔ "جب ہمیں پتہ ہی نہیں کہ بھائی
شمعون کی آسمانی طاقت کا راز کیا ہے تو ہم اس کی حفاظت

کیسے کر سکتی ہیں۔"
شوگراں نے گرم گرم سُرخ لوہے پر آخری چوٹ ماری۔
"یہ راز تم اپنے بھائی سے معلوم کر سکتی ہو۔"
شمعون کی بہن سوچ میں پڑ گئی۔ شوگراں نے جھٹ کہا۔
"دیکھو نا اس میں تمہارے بھائی کی جان کا سوال ہے اور
ہم سب کی زندگیوں کا بھی سوال ہے۔"
شوگراں اصل میں شمعون کی بہن کو سوچنے کا موقع نہیں
دینا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی لچھے دار باتوں سے شمعون کی
بہن کو قائل کر لیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ آج
رات ہی اپنے بھائی سے اس کی طاقت کا راز معلوم کرے گی۔
شوگراں نے کہا۔ "خبردار! اسے ہرگز یہ معلوم نہ ہو
کہ تمہیں کسی نے اس کام پر لگایا ہے۔ اگر اسے ذرا بھی
شک پڑ گیا تو وہ تمہیں وہ راز نہیں بتائے گا اور اس
کی زندگی ہر وقت خطرے میں رہے گی کہ نہ جانے کب کسی
کو اس کی طاقت کا راز معلوم ہو جائے اور وہ اسے
ہلاک کر دے۔ تم تو جانتی ہو۔ یہاں سوائے چند ایک عیسائیوں
کے سبھی اس کی جان کے دشمن ہیں۔"
شمعون کی بہن نے کہا۔
"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی طرف سے پوچھوں گی۔

اسے ہرگز ہرگز ذرا سا بھی شک نہیں ہونے دوں گی۔"
شوگراں نے شمعون کی بہن کے دل میں یہ خیال ڈال کر
کہ اس کے بھائی کی جان کو خطرہ ہے، اس کے اندر
بہن کے جذبات بیدار کر دیئے تھے اور اسے مکمل رازداری
سے کام کرنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا
کہ وہ اپنی چال میں ضرور کامیاب ہو گی۔ اور پھر ایسا
ہی ہوا۔ وہ کامیاب ہو گئی۔

○

دیوتا قتلام پر قربان کردو

شمعون نے اپنی بہن کو بتایا۔
"میری پیاری بہن! تو میرے بارے میں ناحق
پریشان ہوتی ہے۔ خداوند نے مجھے زبردست طاقت
دے کر اس کا راز بھی میرے جسم میں ہی رکھ دیا
ہے اور یہ راز سوائے میرے اور کسی کو
معلوم نہیں ہے۔"
شمعون کی بہن نے کہا۔
"پیارے بھائی! اسی لئے میں پریشان ہوں کہ
اگر کسی کو وہ راز معلوم ہو گیا اور تم اس کی
حفاظت نہ کر سکے تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔"
شمعون مسکرایا اور بولا۔
"میری بہن سنو! میری طاقت کا راز میرے سر
کے لمبے بالوں میں ہے۔ جب تک میرے سر پر لمبے بال
ہیں، میرے اندر زبردست طاقت موجود ہے۔ اگر کسی

نے میرے بال مونڈ دیئے تو میری طاقت اس وقت تک
جاتی رہے گی، جب تک کہ بال دوبارہ لمبے نہیں
ہو جاتے۔"

اس کی بہن نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ طاقت کا راز تمہارے اپنے
پاس ہی ہے۔ لیکن بھیا ہرگز ہرگز کسی کو اپنے بالوں
تک پہنچنے نہ دینا۔"

شمعون ہنس دیا۔

"کیا میں پاگل ہو گیا ہوں جو کسی کو اپنے بال
کاٹنے کی اجازت دوں گا۔"

شمعون کی بہن مطمئن ہو کر واپس آ گئی اور اس
نے شوگراں پھپھے کٹنی کو سب کچھ بتا دیا۔ شوگراں
کو اس کے دل کی مراد مل گئی تھی۔ اور وہ اپنے مقصد
میں، اپنی چال میں کامیاب ہو گئی تھی۔ دو ایک روز
شمعون کی منڈلی میں بیٹھنے کے بعد ایک روز اس نے
اپنے بھائی کو ملنے کا بہانہ بنایا اور رات کو گاؤں سے
نکل کر شاہی محل کی طرف چل پڑی۔

وزیر اس وقت سو رہا تھا۔ شوگراں نے رات
اپنے گھر میں بسر کی اور صبح وزیر کے پاس پہنچ کر

اسے بتایا کہ شمعون کی طاقت کا راز کیا ہے۔
وزیر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اسی وقت
یروشلم کے رومن گورنر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گورنر
نے وزیر کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا وہ کوئی خوشخبری
لایا ہے؟ کیونکہ شاہی ہرکارے کے روم جانے میں
دو دن باقی رہ گئے تھے۔

گورنر نے کہا۔

"اب میں اسے زیادہ دیر تک نہیں روک سکتا۔"

وزیر نے کہا۔ "حضور! میں نے شمعون کی طاقت
کا راز معلوم کر لیا ہے۔"

گورنر نے بے تابی سے وزیر کا ہاتھ تھام لیا
اور پوچھا۔

"وہ کیا راز ہے وزیر اعظم! جلد بتاؤ۔"

وزیر نے کہا۔ "اگر شمعون کے سر کے بال کاٹ
ڈالے جائیں تو وہ پھر سے ایک کمزور انسان بن جائے گا۔"

گورنر کے مکار چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

وزیر نے کہا۔ "جس عورت کو میں نے یہ راز
معلوم کرنے بھیجا تھا اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

یہ راز خود شمعون نے اپنی بہن کو بتایا ہے۔"

گورنر نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! تم نے میری عزت اور زندگی کو بچا لیا وزیر اعظم۔ اب یہ بتاؤ کہ شمعون کے سر کے بال کیسے تراشے جائیں؟"

وزیر نے کہا۔"جو عورت شمعون کی طاقت کا راز معلوم کر سکتی ہے، وہ اس کے بال بھی تراش سکتی ہے۔"

گورنر نے کہا۔"دیوتاؤں کے لئے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ شاہی ہرکارہ خبریں لے کر جانے ہی والا ہے۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے روکا ہوا ہے۔"

وزیر اعظم نے کہا۔

"اسے کچھ اور رشوت دے کر دو دن کے لئے روک لیجئے۔ دو دنوں کے بعد شمعون زنجیروں میں جکڑا آپ کے قدموں میں ہوگا۔"

گورنر بولا۔"میں اس روز تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

اور وزیر اعظم مکارانہ ہنسی ہنستا سلام کر کے واپس چلا گیا۔

وزیر نے اسی روز شاہی حکیم کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس کوئی ایسی دوا ہے جس سے جسم کے بال اتر جاتے ہوں؟"

حکیم نے کہا۔

"کیوں نہیں حضور! میرے پاس ایک بوٹی کا سفوف موجود ہے کہ اگر اسے پانی میں گھول کر آدمی کے سر پر ڈالا جائے تو اس کے سر کے اور جہاں جہاں وہ پانی گرے گا وہاں کے بال اتر جائیں گے۔"

وزیر نے کہا۔"فوراً یہ بال اتارنے والا سفوف پیش کرو۔"

تھوڑی دیر بعد حکیم ایک ڈبی میں سفوف ڈال کر لے آیا۔ وزیر نے کہا۔

"پانی میں اس سفوف کو ڈالنے سے پانی کا رنگ تو نہیں بدل جاتا؟"

"جی نہیں۔ یہی اس سفوف کی خوبی ہے۔ پانی کا رنگ بالکل اسی طرح رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" وزیر نے کہا۔
حکیم آداب بجا لا کر واپس چلا گیا۔
وزیر نے اسی وقت چپکے چپکے شوگراں کو بلا کر مشورہ دیا اور ساری بات سمجھا دی۔
شوگراں ہنسنے لگی۔
"حضور! آپ دیکھیں گے میں اس کے سارے طاقت پل میں بہا دوں گی۔"
وزیر نے کہا۔ "جس وقت تم شمعون کے سر سے بال اتارنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ فوراً محل میں پہنچ کر اطلاع کرنا۔ شاہی دستہ شمعون کے گھر پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گا۔"
"جو حکم حضور!"
ایک دن اور ایک رات محل میں رہنے کے بعد شوگراں اگلی صبح کو منہ اندھیرے محل سے خچر پر بیٹھ کر پرانے کپڑے پہنے شمعون کے گھر کی طرف نکل کھڑی ہوئی۔
اس وقت شمعون سو رہا تھا۔ عنبر اور شمعون کی والدہ آنگن میں انگوروں کو صاف کر رہے تھے۔ شمعون کی بہن تنور میں روٹیاں لگا رہی تھی۔ شوگراں کو دیکھ کر اس نے کہا۔ "تم واپس آ گئیں شوگراں؟"

شوگراں خچر سے اتر پڑی۔ "ہاں بہن! میں بھائی سے مل آئی ہوں۔ اصل میں میرا تم لوگوں کے بغیر وہاں دل نہیں لگتا تھا۔ اس لئے جلدی واپس آ گئی ہوں۔"
عنبر نے کہا۔ "آؤ شوگراں یہاں بیٹھ کر انگور صاف کرو۔"
مکار شوگراں اس کے پاس بیٹھ کر انگوروں کو صاف کرنے لگی۔ عنبر نے شمعون کی ماں سے کہا۔
"گرجا گھر آدھے سے زیادہ بن گیا ہے۔ سوچتا ہوں جلد مکمل ہو جائے تو میں بھی اپنے بھائیوں سے مل آؤں۔"
"تم اپنے بہن بھائیوں کو یہاں کیوں نہیں بلوا لیتے؟" شمعون کی ماں نے کہا۔
عنبر مسکرایا اور کہنے لگا۔
"مجھے تو خود نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔ میں انہیں کیسے بلا سکتا ہوں؟"
"کیا وہ گم ہو گئے ہیں؟" شمعون کی بہن نے پوچھا۔
عنبر بولا۔ "ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔"
اور اپنے کام میں لگ گیا۔ اتنے میں والدہ نے کہا۔
"نومی! تمہارا بھائی اٹھ کر نہائے گا۔ آج اتوار

ہے۔ اس کے لئے پانی گرم کر دو ناں۔"
شوگراں نے جلدی سے کہا۔
"نومی بہن کوئی بات نہیں۔ تم روٹیاں پکاؤ۔
شمعون بھیّا کے لئے پانی میں گرم کر دیتی ہوں۔"
اور اس نے جلدی سے مٹکے میں سے پانی نکال کر
مٹی کے بڑے تسلے میں ڈالا اور اسے آگ پر رکھ دیا۔
وہ عنبر، نومی اور اس کی ماں کا جائزہ لینے لگی۔
جونہی ان کی توجہ دوسری طرف ہوئی، مکار شوگراں
نے جیب سے بال اتارنے والا سفوف نکال کر پانی کے
تسلے میں ڈال دیا۔
اس کی سازش کا آخری مرحلہ کامیاب ہو گیا تھا۔
جب پانی تھوڑا گرم ہوا تو اس نے نیم گرم پانی کا تسلا
خود اٹھا کر صحن کے کونے میں بنے ہوئے غسلخانے میں
رکھ دیا اور عنبر کے پاس آ کر انگوروں کے خوشے پانی
سے دھونے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد شمعون سو کر اٹھ بیٹھا
اور باہر آ کر انگڑائی لے کر بولا۔
"اماں! میں نہاؤں گا۔ کیا پانی گرم ہے؟"
ماں نے کہا۔ "ہاں بیٹا! شوگراں نے تمہارے لئے
پانی گرم کر کے غسل خانے میں رکھ دیا ہے۔"

شمعون نے شوگراں کی طرف دیکھ کر کہا۔
"خداوند تمہارا بھلا کرے شوگراں! تم بڑی اچھی
عورت ہو۔"
اور وہ غسل خانے میں نہانے کے لئے چلا گیا۔ شوگراں
نے دیکھا کہ شمعون کے لمبے لمبے سیاہ بال اس کے
شانوں پر لٹک رہے تھے۔ اس نے دل میں کہا۔
"ابھی تھوڑی دیر میں یہ بال زمین پر گرے ہوئے
ہوں گے۔"
شوگراں کو شمعون کے اپنے سر پر اور جسم پر پانی
ڈالنے کی آواز آئی۔ شوگراں خاموشی سے اٹھی اور کسی
کام کا بہانہ کر کے صحن سے باہر نکل گئی۔ باہر درخت
کے نیچے ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اسے شمعون کی بلند پریشان
کر دینے والی آواز سنائی دی۔
"ماں! میرے بال اتر گئے۔"
مکار شوگراں اسی آواز کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ
گھوڑے پر بیٹھی، اسے ایڑ لگائی اور شاہی محل کی طرف
گھوڑے کو ڈال دیا۔ گھوڑا بڑی تیزی سے اڑا جا رہا تھا۔
وزیر اپنے محل کے جھروکے میں گورنر کے ساتھ کھڑا
شوگراں کی راہ تک رہا تھا۔ انہوں نے ایک گھوڑے

کو محل کی طرف آتے دیکھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا آ رہا تھا۔

وزیر نے گورنر سے کہا۔ "میری بھیجی ہوئی پھپھے کٹنی اپنا کام کر آئی ہے۔"

گورنر بے چینی سے گھوڑ سوار کو قریب آتے دیکھ رہا تھا۔ وہ شوگراں ہی تھی۔ گھوڑے سے اتر کر وہ سیدھی اُوپر محل کے جھروکے میں آئی اور کہا۔

"حضور! حملہ کر دیں۔ شمعون کے سر کے بال اتر چکے ہیں۔"

وزیر اعظم نے خوش ہو کر شوگراں کو اپنا ہار انعام میں دے دیا۔ گورنر نے اپنی قیمتی انگوٹھی اتار کر انعام کے طور پر دی اور اپنے پیچھے کھڑے شاہی سپہ سالار کو کہا۔

"گاؤں پر حملے کر کے شمعون کو زنجیروں میں جکڑ کر ہمارے دربار میں پیش کرو۔"

سپہ سالار نے سر جھکایا اور چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گاؤں میں عیسائیوں کے مکانوں کو رومن سپاہی تہس نہس کر رہے تھے۔ انہوں نے شمعون اور اس کی ماں اور بہن کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ عنبر نے دس بارہ رومن سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔

سپہ سالار نے شمعون کی بہن کو دبوچ کر اس کی گردن پر خنجر رکھ دیا اور عنبر سے کہا۔

"اگر تم نے حملہ کیا تو میں اس لڑکی کو ہلاک کر ڈالوں گا۔"

عنبر بے بس ہو گیا۔

رومن سپاہی اس کی آنکھوں کے سامنے شمعون اور اس کی ماں اور بہن کو گرفتار کر کے شاہی محل کی طرف لے گئے۔ شمعون کے سر کے بال اترے ہوئے تھے۔ اس کی پلکوں اور بھنوؤں کے بال بھی غائب تھے۔ حکیم کے سفوف نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ شمعون کی ساری طاقت اس کے سر کے بالوں کے اتر جانے سے ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک کمزور اور بے بس انسان میں بدل گیا تھا۔ گاؤں کے دوسرے عیسائیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ گرجا گھر کو ڈھا دیا گیا تھا۔ عنبر گاؤں میں دشمنوں کے درمیان اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت تک واپس بھی نہیں جا سکتا تھا جب تک کہ شمعون اور اس کی ماں اور بہن کو رومن سپاہیوں کی قید سے رہا نہ کرا لیتا۔ مشکل یہ تھی کہ اگر وہ حملہ کر کے شمعون کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے تو سپہ سالار شمعون کی ماں اور بہن کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

آخر عنبر نے یہی فیصلہ کیا کہ اگر رومن گورنر شمعون کو قید میں ڈال دیتا ہے اور اسے فوراً صلیب پر لٹکانے کا حکم صادر نہیں کرتا تو وہ پہلے شمعون کی ماں اور بہن کو قید سے نکالے گا اور پھر شمعون کو بچانے کی کوشش کرے گا۔

رومن گورنر کے دربار میں شمعون کو زنجیروں سے جکڑ کر پیش کیا گیا۔ گورنر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اب اسے زنجیروں میں جکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ شیر تو بلی بن چکا ہے۔ لے جاؤ۔ اسے قید خانے کی سب سے اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دو۔ ہم بہت جلد اسے صلیب پر لٹکائے جانے کا اعلان کریں گے۔"

عنبر کو جب معلوم ہوا کہ گورنر ابھی شمعون کو صلیب پر نہیں لٹکا رہا تو اس نے شمعون کی ماں اور بہن کو قید خانے سے نکالنے کی ترکیب پر غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ اگر چاہتا تو فوراً محل پر حملہ کرکے اسے برباد کر سکتا تھا۔ اس کے پاس شمعون سے بھی زیادہ طاقت تھی۔ مگر اس میں شمعون اور اس کی ماں بہن کی جان کا خطرہ تھا۔ اس لئے وہ بہت سوچ سمجھ کر اور خاموشی سے اپنی سکیم پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی تک اس کے ذہن میں کوئی سکیم نہیں آئی تھی۔ وہ پریشان

تھا اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یروشلم کا رومن گورنر بہت جلد شمعون کو صلیب پر لٹکا دے گا۔ کیونکہ اگر اس کے سر پر دوبارہ بال اگ آئے تو وہ سارے محل کو تباہ کر سکتا تھا۔ مگر گورنر نے وزیر اعظم کو حکم دے دیا تھا کہ شمعون کے سر کے بال ہر روز استرے سے مونڈ دیئے جائیں تاکہ اس کی طاقت کے واپس آنے کا ذرا سا بھی امکان نہ رہے۔

آخر جب عنبر کے دماغ میں کوئی ترکیب نہ آئی تو اس نے یہی فیصلہ کیا کہ ایک بار پھر رات کے اندھیرے میں پہاڑی والے شاہی قید خانے کی دیوار پھاڑ کر اندر جایا جائے اور شمعون کی ماں اور بہن کو تلاش کرکے وہاں سے نکالا جائے۔ کیونکہ عنبر کو معلوم تھا کہ یروشلم میں وہی ایک قید خانہ ہے اور شاہی قیدی وہیں ڈالے جاتے ہیں۔

عنبر کو اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا کئی بار خیال آیا مگر وہ اس سے کوئی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ اسے چاندنی رات میں رگڑنے سے وہ کسی دوسری جگہ پہنچ سکتا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ شمعون اور اس کی ماں بہن کو مصیبت میں چھوڑ کر چلا جائے۔

جب رات کا گہرا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ ہر شے رات کی سیاہی میں ڈوب گئی تو عنبر خاموشی سے گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی قید خانے والے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ

رات کچھ زیادہ ہی تاریک تھی ۔ لیکن عنبر کو اندھیرے میں
بھی ہر شے دکھائی دے رہی تھی ۔ وہ پہاڑی کا چکر کاٹ کر
پیچھے کی طرف آگیا ۔ یہاں اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے
سائے میں باندھا اور خود رسی لے کر تہہ خانے کی عقبی دیوار
کے پاس آگیا ۔ رسی وہ گاؤں سے لے کر چلا تھا ۔ اس نے
رسی کے آگے پھندا سا بنا رکھا تھا ۔

دیوار کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے رسی کو پوری طاقت
سے اُوپر برجی کی طرف اچھالا ۔ رسی کا پھندا برجی میں پڑ گیا ۔
عنبر رسی کی مدد سے دیوار پر چڑھ گیا ۔ برجی کے پاس بیٹھ کر
اس نے دیکھا کہ چھت پر کوئی نہیں تھا ۔ وہ اٹھنے ہی والا
تھا کہ دو سپاہی باتیں کرتے بارہ دری کے پیچھے سے نکل کر
اس کی طرف آنے لگے ۔ عنبر برجی کے پیچھے چھپ گیا ۔ سپاہی
باتیں کرتے آگے نکل گئے ۔

عنبر اندھیرے میں رینگتا ہوا بارہ دری کے اندر چلا گیا ۔
یہاں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں ۔ عنبر سیڑھیاں اُترنے لگا ۔ آخری
سیڑھی پر کسی نے اسے للکارا ۔

"کون ہو ؟"

عنبر کو اس بار بھی خفیہ کوڈ لفظ معلوم نہیں تھا جو اس
رات کے لئے مقرر کیا گیا تھا ۔ اس نے رومن زبان میں آہستہ

سے کہا ۔

"خاموش بدتمیز ۔ سپہ سالار آرہا ہے ۔"

سپاہی خاموش ہوگیا ۔ عنبر جب اس کے قریب آیا تو سپاہی
کی گردن دبوچ لی ۔ سپاہی کے حلق سے خرخراہٹ کی آواز ہی
نکل سکی اور وہ دم گھٹنے سے مرگیا ۔ عنبر نے جلدی سے اس کا
لباس اتار کر خود پہن لیا ۔ وہ اس کی لاش اندھیرے میں ڈال
کر آگے بڑھا تو اسے دو سپاہی پہرہ دیتے ملے ۔ عنبر نے بجائے
اسکے کہ وہ اسے للکاریں ۔ اس نے آواز دے کر پوچھا ۔

"کون ہے ادھر ؟"

ان میں سے ایک سپاہی نے کہا ۔

"کالا ہرن"

عنبر سمجھ گیا کہ اس رات کا خفیہ کوڈ لفظ کالا ہرن ہے ۔
سپاہی یہ سمجھے کہ عنبر بھی سپاہی ہے اور رات کو پہرہ دے رہا
ہے ۔ وہ تہہ خانے میں آگیا ۔ یہاں اندھیرے میں پھر کسی سپاہی
نے اسے للکارا ۔ "کون ہے ؟"

عنبر نے کہا ۔ "کالا ہرن"

سپاہی نے کہا ۔ "کالا ہرن تو اوپر والی منزل کا کوڈ
ہے ۔ تہہ خانے کا کوڈ بتاؤ ۔"

عنبر کو پسینہ آگیا ۔ کیونکہ تہہ خانے کے خفیہ کوڈ کا لفظ اسے

نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ عنبر نے ان دونوں کو پکڑ کر ایک کو تو وہیں ہلاک کر دیا اور دوسرے کی پسلی میں خنجر کی نوک رکھ کر کہا۔

"شمعون کی ماں اور بہن کہاں قید ہیں؟ جلدی بتاؤ نہیں تو تمہیں بھی ہلاک کر دوں گا۔"

سپاہی نے گڑگڑا کر کہا۔ "کسی سے میرا نام نہ لینا۔ وہ کوٹھڑی نمبر ۴ میں قید ہیں۔"

"کہاں ہے وہ کوٹھڑی؟"

"اسی تہہ خانے میں آگے جا کر ہے۔"

عنبر نے سپاہی کے سر کے پیچھے ایک ہلکا سا مکا مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عنبر کوٹھڑی نمبر ۴ کے پاس آیا تو وہاں بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ وہ سمجھے کہ عنبر بھی کوئی رومن سپاہی ہے مگر جب عنبر قریب گیا تو انہوں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تم کون ہو؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

عنبر نے اس کے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔ اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی۔ دوسرے سپاہی نے تلوار کا وار کیا۔ عنبر کے جسم سے لگ کر تلوار ٹوٹ گئی۔ عنبر نے سپاہی کو پکڑ کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ سپاہی کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ سانس

لئے بغیر مر گیا۔

عنبر نے کوٹھڑی نمبر ۴ کا تالا توڑا۔ وہ اندر گیا تو شمعون کی ماں اور بہن نومی گھاس پر بری حالت میں پڑی تھیں۔ عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔"

انہوں نے عنبر کو دیکھا تو جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے کوٹھڑی سے باہر نکل آئیں۔ عنبر انہیں اندھیری راہ داری میں سے لے کر اوپر چھت پر آ گیا اور پھر کمند کی مدد سے نیچے اتار کر گھوڑے پر بٹھا کر کہا۔

"تم دونوں کو راتوں رات اس ملک کی سرحد سے نکل جانا ہے۔"

شمعون کی ماں نے کہا۔ "میں دمشق میں اپنی چھوٹی بہن کے پاس چلی جاؤں گی مگر میرے بیٹے شمعون کا کیا بنے گا؟"

عنبر نے کہا۔ "اسے بھی میں سنبھال لوں گا۔ تم لوگ اب یہاں سے نکل جاؤ۔"

اور شمعون کی ماں اور بہن گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی وہاں سے نکل کر رات کے اندھیرے میں گم ہو گئیں۔

عنبر گاؤں میں آ کر چھپ گیا۔

دن نکلا تو شور مچ گیا کہ شمعون کی ماں اور بہن شاہی

قید خانے سے ایک بار پھر فرار ہو گئے ہیں ۔ سپاہی کاؤں میں
آکر انہیں تلاش کرنے لگے ۔ عنبر دریا کے کھنڈر میں آ گیا ۔ اسی
روز یروشلم کے رومن گورنر نے اعلان کر دیا کہ شمعون کو یروشلم
کے سب سے بڑے مندر میں قتلام کے بت کے آگے ذبح
کر کے قربان کر دیا جائے گا ۔

یہودی اور بت پرست لوگ بڑے خوش تھے کہ ایک عیسائی
لیڈر کو ان کے دیوتا کے بت کے آگے ذبح کر کے قربان کیا
جائے گا ۔ وہ بڑے مندر کی طرف یہ تماشہ دیکھنے کے لئے چل
پڑے ۔ شمعون کی قربانی کا وقت رات کے بارہ بجے مقرر کیا گیا
تھا ۔ شام ہوتے ہوتے مندر میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا ۔
یہ مندر بہت بڑا تھا اور اس کے پچاس ستون تھے ۔ جن کے اوپر
مندر کی اوپر والی منزلیں کھڑی تھیں ۔ گیلری میں گورنر اور
وزیر اور درباریوں کے لئے مخمل کے گدیلوں والی کرسیاں بچھی
تھیں ۔ قتلام کا بہت بڑا بت درمیان میں ایک چبوترے پر رکھا
تھا ۔ بت کے قدموں میں سنگ مرمر کی ایک لمبی سل لا کر رکھی
گئی ۔ پجاری اپدھت اور کاہن آنا شروع ہو گئے ۔ اس سل پر
شمعون کو لٹا کر اسے ذبح کیا جانا تھا ۔

عنبر بھی بھیس بدل کر اس مندر میں پہنچ گیا ۔ وہ لوگوں کے
درمیان میں سے گزرتا ہوا ان بڑے بڑے پتھر کے ستونوں کو دیکھ

رہا تھا جن پر وہ گیلریاں کھڑی تھیں جن میں شاہی خاندان
کے لوگ ، درباری ، وزیر اعظم اور گورنر یروشلم بیٹھے شمعون کی قربانی
کے منظر کا انتظار کر رہے تھے ۔

جب رات کے بارہ بج گئے ۔ سارا مندر لوگوں سے کھچا کھچ
بھر گیا اور شاہی گیلریوں میں شاہی خاندان کے لوگ جم کر
بیٹھ گئے تو عنبر کھسکتا ہوا ان گیلریوں کے نیچے والے بڑے
بڑے ستونوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ۔

گورنر نے گیلری میں بیٹھے بیٹھے حکم دیا ۔

"قربانی شروع کی جائے ۔"

کاہن نے چھرا نکالا اور اسے تیز کرنے لگا ۔ دوسرے کاہن نے
اشارہ کیا ۔ چار آدمی شمعون کو رسیوں میں جکڑے ہوئے
لے کر مندر کے صحن میں داخل ہوئے ۔ اس کے سارے جسم کو
رسیوں سے باندھ رکھا تھا اور کاہن اسے گھسیٹ گھسیٹ کر
لا رہے تھے ۔ عنبر خاموشی سے ایک بے گناہ مظلوم انسان
کے ساتھ ہوتا ہوا یہ ظلم دیکھتا رہا ۔ اب وہ ستونوں کے
بالکل درمیان آ کر ٹھہر گیا اور اس نے دونوں بازو پھیلا کر
ستونوں کو تھوڑا سا زور لگایا ۔ عنبر کا تھوڑا سا زور لگانا
بھی بہت تھا ۔ ستون پتھر کے تھے اور بہت بڑے
تھے اور بے حد مضبوط تھے ۔ مگر عنبر کے زور لگانے سے

وہ ذرا سے چرچرائے۔

عنبر نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ جب اس نے دیکھا کر شمعون کو کاہن نے چبوترے پر لٹا دیا ہے اور وہ ستونوں اور گیلریوں کی زد سے بالکل محفوظ ہے تو عنبر نے منہ اوپر اٹھا کر ایک زبردست چیخ ماری۔ یہ چیخ ایسی بھیانک اور دل ہلا دینے والی تھی کہ مندر میں سناٹا چھا گیا۔ سب کے رنگ اڑ گئے کہ چیخ کی یہ بھیانک آواز کہاں سے آئی ہے۔

اب عنبر نے پتھر کے ستونوں کو دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر پرے دھکیلنا شروع کر دیا۔ عنبر اپنی ساری طاقت خرچ کر رہا تھا۔ پتھر کے ستون چرچرائے۔ ان کی مٹی گری۔ جوڑ اپنی جگہ سے ہلے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ستون زبردست دھماکے کے ساتھ صحن میں گر پڑا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ عنبر نے جھٹکے سے دوسرا ستون بھی گرا دیا دوسرے ستون کے گرتے ہی ساری گیلریاں گورنر، وزیر، درباریوں اور سپہ سالار اور شاہی خاندان کے لوگوں کو لے کر دھڑام سے نیچے آن گریں۔ ایک کہرام بپا ہو گیا۔ لوگ پتھروں کے نیچے پھنس گئے۔ یروشلم کا گورنر، اس کا وزیر، شوگران، سپہ سالار اور سارے شاہی خاندان کے لوگ اور

درباری پتھروں میں کچلے گئے تھے۔ کاہن اور پجاری اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ ان دونوں ستونوں کے گر جانے سے مندر کی دوسری منزل بھی گرنا شروع ہو گئی تھی۔ عنبر کے اوپر بھی کئی پتھر گر پڑے۔ مگر اسے تو پتھر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ پتھروں میں سے ہو کر تیزی سے شمعون کے پاس پہنچا۔ شمعون زندہ تھا۔ اس پر کوئی پتھر نہیں گرا تھا۔ اس لیے کہ وہ مندر کے وسط میں تھا اور اس کے اوپر کوئی چھت نہیں تھی۔

قتلام کا بت ایک بڑے پتھر کے لگنے سے دوسری جانب گر کر پاش پاش ہو چکا تھا۔

عنبر نے جلدی جلدی شمعون کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کیا۔ اس نے اپنی ماں اور بہن کے بارے میں پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ "میں نے انہیں پہلے ہی دمشق کی جانب روانہ کر دیا ہے۔"

عنبر اور شمعون تباہ و برباد مندر میں پڑی ہوئی بت پرستوں کی لاشوں کے درمیان سے گزر کر باہر آ گئے۔ اندھیری رات میں ہر طرف چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ زلزلہ آ گیا ہے۔ عنبر اور شمعون

گھوڑوں پر بیٹھے اور ان کے گھوڑے رات کے اندھیرے میں ملک دمشق کی طرف دوڑنے لگے۔

○

عنبر دمشق پہنچنے کے بعد کہاں روانہ ہوا؟
ناگ کو عنبر ماریا کی تلاش میں کن رونگٹے کھڑے کر دینے والے حالات سے گذرنا پڑا؟
اور ماریا اور کیٹی بمبئی شہر سے باہر سمندر میں درگاہ شریف پر پہنچیں تو انہیں جو کچھ اسرا سادھو ملا وہ کون تھا؟
عنبر ناگ ماریا پھر کہاں اور کس طرح ملے؟
یہ آپ اگلی قسط نمبر ۴۷ " ماریا سانپ بن گئی "
میں پڑھیں گے۔ آج ہی لطف اٹھانے کے لئے اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں۔
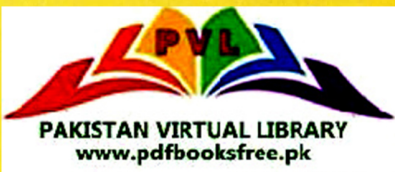
عنبر ناگ ماریا کی ٹیم اور خلا میں

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ
۱۴ - بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور - ۸

ماریا سانپ بن گئی
PDFBOOKSFREE.PK
اے حمید

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان
ماریا سانپ بن گئی
اے۔ حمید
قوس پبلی کیشنز
۱۴/ بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

یہ آپ پڑھیں گے تو سب راز کھل جائیں گے۔ ہاں یاد آیا۔ اس کے بعد ہم خاص نمبر آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

یہ خاص نمبر ضخیم ہوگا۔ اور دو چھوٹے بہن بھائی کو چونکا دینے والی زندگی کی کہانی کے بارے میں ہوگا۔ ایک خوفناک اتفاق سے ان دونوں بہن بھائی کی گردنوں میں سیاہ پھن والے زہریلے سانپ لپٹ جاتے ہیں جو کسی طرح سے بھی ان کی گردنوں سے نہیں اترتے اور رات کو ان بہن بھائی کی گردنوں سے آہستہ آہستہ خون چوستے رہتے ہیں۔ اس خاص نمبر کا نام "روح اور سانپوں والے بہن بھائی" ہوگا اور پہلے صفحے سے آخری صفحے تک قدم قدم پر حیران کر دینے والے واقعات جنم لیتے جائیں گے۔ آپ ایک بار پڑھنے کے بعد اسے بار بار پڑھیں گے۔ بھولیے گا نہیں۔ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا اگلا ناول خاص نمبر ہوگا۔

اب آپ جلدی سے ورق الٹ کر پڑھنا شروع کریں۔ عنبر ناگ ماریا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اے حمید

عنبر اور شمعون گھوڑوں پر سوار ملک دمشق کی طرف جا رہے تھے۔ یروشلم کے عیسائی دشمن گورنر نے شمعون کے سر کے بال منڈوا دیئے تھے۔ شمعون کی بے پناہ طاقت سر کے بالوں میں تھی۔ اسے قید میں ڈال دیا گیا تھا اور پھر دیوتا قتام پر قربان کیا جانے والا تھا کہ عنبر اس کی مدد کو آگیا اور اس نے سارے مندر کو تہس نہس کر دیا اور شمعون کو لے کر وہاں سے فرار ہو گیا اب شمعون ملک دمشق کی طرف جا رہا تھا جہاں اس کی ماں اور بہن پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

عنبر نے کہا۔

"شمعون بہت جلد تمہارے سر کے بال اگ آئیں گے۔ اور تمہاری طاقت واپس آ جائے گی۔"

شمعون نے کہا۔

"ہاں عنبر! میں اسی وقت کا انتظار کر رہا ہوں جب میری طاقت واپس آ جائے گی تو میں اس طاقت کو غریبوں کی حمایت اور ظالموں کے خلاف جنگ کرنے میں خرچ کر دوں گا۔"

پھر اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا: "تم میرے ساتھ رہو گے نا عنبر؟"
عنبر مسکرایا اور کہنے لگا۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے شمعون۔ مگر میری بھی ایک بہن اور بھائی ہے مجھے بھی ان کی تلاش میں جانا ہے۔"

شمعون نے پوچھا۔

"وہ کس ملک میں ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"یہی تو مجھے پتہ کرنا ہے۔"

شمعون نے کہا۔

"یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔ کیا تم اپنی بہن اور بھائی کی تلاش میں ملک ملک پھرو گے؟"

عنبر بولا۔

"اب بھی ملک ملک پھر رہا ہوں۔"

دونوں اس طرح باتیں کرتے گھوڑے بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں راستے میں رات ہو گئی شمعون نے کہا۔

"ابھی یہاں سے ملک دمشق ایک رات اور ایک دن کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں یہاں آدھی رات تک آرام کر لینا چاہیے اس کے بعد آگے روانہ ہوں گے کیا خیال ہے۔"

عنبر بولا۔

"اچھا خیال ہے۔"

اور وہ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ شمعون نے ایک جگہ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی وہ دونوں کچھ دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ صحرا میں رات کو ٹھنڈ ہو گئی تھی شمعون کو نیند آنے لگی اور وہ سو گیا۔ عنبر بھی اسے دکھانے کے لیے لیٹ گیا۔ مگر اسے سونے کی حاجت نہیں تھی وہ اٹھ کر صحرا میں ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا۔

چاند کو دیکھ کر عنبر کو اچانک اپنی انگوٹھی کا خیال آ گیا اس نے سوچا کتنا اچھا ہوتا اگر انگوٹھی اس کا حکم مانتی اور وہ اس کی مدد سے ناگ ماریا کیتھی کے پاس پہنچ جاتا مگر انگوٹھی اپنی مرضی کی مالک تھی وہ خود جہاں چاہتی اسے پہنچاتی تھی۔ عنبر اپنی مرضی کے مطابق کسی جگہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پھر بھی عنبر کے دل میں خیال آیا کہ وہ یوں کب تک دربدر مارا پھرتا رہے گا کیوں نہ انگوٹھی کو ایک بار پھر آزما کر دیکھے۔ شاید اس میں ناگ ماریا کا منظر آ جائے اور وہ ان کے پاس پہنچ جائے۔

شمعون کی اب [illegible] فکر نہیں تھی۔ کیونکہ وہ ملک دمشق پہنچنے والا تھا۔ جہاں اس کی ماں اور بہن پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ وہ خطرے سے نکل چکا تھا۔ عنبر نے چاندنی رات میں کھڑے ہو کر انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو غور سے دیکھا اس کا دل دھڑکنے لگا کم بخت اس انگوٹھی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا چاندنی میں اس کا سرخ نگینہ سانپ کی آنکھ کی طرح چمک رہا تھا عنبر نے انگوٹھی کو دیکھ کر کہا۔

"اے انگوٹھی! کتنا اچھا ہو کہ تم مجھے ناگ اور ماریا کے پاس پہنچا دو۔ کیا تو مجھے ان کے پاس پہنچا دے گی۔ کیا میں تمہیں رگڑوں۔"

انگوٹھی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش تھی۔ بھلا انگوٹھی اسے کیا جواب دیتی۔ وہ تو بول نہیں سکتی تھی۔ ہاں اسے اپنی مرضی کے مطابق جہاں پسند کرے، پہنچا سکتی تھی اور عنبر کچھ نہیں کر سکتا تھا عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ کم بخت یہ انگوٹھی کیسے بولتی ہی نہیں۔

وہ تنگ آچکا تھا۔ ماریا اور ناگ کی تلاش میں پھرتے پھرتے بور ہو گیا تھا اس نے انگوٹھی والی انگلی کو زور سے اپنی قمیض کے ساتھ رگڑ دیا۔ پھر غور سے سرخ نگینے کو دیکھنے لگا

سرخ نگینے میں ٹی وی کی طرح کی لہریں ابھریں اور غائب ہو گئیں۔ اچانک عنبر کو انگوٹھی میں ایک جنگل کا راستہ دکھائی دیا۔ جو ایک ٹیلے کی طرف اونچے پرانے ٹوٹے پھوٹے قلعے کی عمارت کی طرف جا رہا تھا پھر عنبر کو دو آدمی نظر آئے جو تختے پر رکھی ہوئی ایک لاش کو لیے جا رہے تھے لاش کفن میں لپٹی ہوئی تھی۔ عنبر اس جگہ نہیں جانا چاہتا تھا مگر اب وہ مجبور تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا انگوٹھی میں یہ منظر نظر آگیا تھا اور اب اسے وہاں جانا ہی تھا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ اس کی آنکھیں بند ہونا شروع ہو گئیں۔ آنکھوں کے پپوٹے بند ہو گئے اور کوشش کے باوجود عنبر انہیں نہ کھول سکا۔ پھر اسے ایک جھٹکا لگا اور ہوا میں بلند ہو گیا ہوا میں کچھ دیر تیرنے کے

بعد وہ نیچے آتا گیا اور پھر اس کے پاؤں زمین کے ساتھ لگ گئے۔ پاؤں کے لگتے ہی اس کی آنکھیں اپنے آپ کھل گئیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ جنگل کے تاریک اندھیرے میں اسی ٹیلے کے پرانے ٹوٹے پھوٹے قلعے کو جانے والے راستے پر کھڑا ہے اور لاش لے جانے والے آدمی کچھ دور چلے جا رہے ہیں۔

عنبر اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

دونوں آدمی لاش کو لے کر قلعے کے کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔

عنبر ان کا برابر تعاقب کر رہا تھا قلعے کے اندر ایک کمرہ تھا جس کی چھت آدھی سے زیادہ کھلی تھی اور اس میں سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ یہاں ایک اور آدمی سٹریچر کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی چھوٹی سی ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال گردن تک بڑھے ہوئے تھے وہ کوئی سائنسدان لگتا تھا دیوار کے پاس اندھیرے میں سائنس کے تجربوں میں کام آنے والی کتنی ہی چیزیں پڑی تھیں۔ اس نے آنے والوں سے کہا۔

"لاش اس سٹریچر پر رکھ دو"

وہ انگریزی بول رہا تھا۔ یہ تینوں آدمی شکل سے ہی انگریز لگتے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ انیسویں صدی کے انگلستان میں آ گیا ہے۔ جب ڈاکٹر لوگوں کو میڈیکل تجربوں کے لیے لاشوں کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگ چھپ چھپ کر قبروں سے تازہ لاشیں نکال نکال کر ان کے پاس لا کر فروخت کیا کرتے تھے بلکہ کوئی لوگ پیسوں کے لالچ میں آ کر زندہ لوگوں کو قتل کر کے

یا ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے اور پھر ان کی لاشیں ڈاکٹروں کے پاس فروخت کر دیتے تھے عنبر سمجھا کہ یہ بھی اس قسم کا کوئی ڈاکٹر ہے۔ اس کھنڈر میں چھپ کر میڈیکل تجربے کرتا ہے اور لاشیں خریدتا ہے۔

دونوں آدمیوں نے لاش کو سٹریچر پر رکھ دیا۔ ڈاکٹر نے کہا،
"فارمولے کے اصول کے مطابق ہم اس لاش کو قبر سے نکالنے کے چوبیس گھنٹے بعد تک اس کے جسم کے کسی بھی حصے کو ننگا کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے اب ہمیں کل رات کو اسی وقت یہاں آنا ہوگا۔ ہمارا تجربہ کل رات شروع ہوگا۔
دوسرا آدمی بولا۔"
"مگر ڈاکٹر کیا ہم لاش کا کفن سرکا کر یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ یہ لاش عورت کی ہے یا مرد کی۔"
"ڈاکٹر نے کہا۔"
"جس قسم کا میں اس پر تجربہ کرنے والا ہوں اس میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ عورت کی لاش ہے کہ مرد کی۔ کیونکہ تجربے کے بعد عورت اور مرد ایک برابر ہو جائیں گے
"آؤ اب چلتے ہیں۔"
انہوں نے لاش کو چمڑے کے پٹوں سے سٹریچر پر باندھ دیا اور قلعے کے کھنڈر سے باہر نکل گئے۔

عنبر ایک جگہ چھپ کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب وہ تینوں پُر اسرار تجربوں کرنے والے آدمی چلے گئے تو وہ لاش کے پاس آیا لاش کفن میں لپٹی ہوئی تھی اور اسے سٹریچر پر چمڑے کے پٹوں سے باندھا ہوا تھا عنبر نے لاش کے چہرے پر سے کفن کھول کر سرکایا تو دیکھا کہ یہ ایک خوبصورت سنہرے بالوں والی عورت کی لاش تھی عنبر نے اس کی ایک آنکھ کو انگلی سے کھول کر دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ لاش کی آنکھ کی پتلی حرکت کر رہی ہے۔
"وہ چونک اٹھا۔ تو کیا یہ لاش زندہ ہے؟"
عنبر جیسا کہ آپ جانتے ہیں جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا وہ بھاگ کر جنگل میں گیا اور تلاش کر کے ایک خاص قسم کی بوٹی کے پتے توڑ کر لے آیا۔ ان پتوں کو کچل کر اس نے اس کے پانی کے چند سبز قطرے لاش کا منہ کھول کر اس کے حلق میں ٹپکائے ان قطروں کا لاش کے حلق میں اُترنا تھا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ عنبر نے جلدی جلدی اس کے چمڑے کی پٹیاں کھول ڈالیں۔"
لاش والی عورت نے آہستہ سے پوچھا۔
"میں کہاں ہوں"
عنبر نے کہا۔
"تم بالکل محفوظ ہو۔ فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم مر گئی ہو۔
"ہاں۔" عورت نے کہا "میں مر گئی تھی۔

لیکن یہ تو مجھے دوسری دنیا لگتی ہے۔ کیا یہ موت کے بعد کی زندگی ہے؟

"نہیں۔ عنبر نے کہا۔ تم اسی دنیا میں ہو۔ جس دنیا میں تم زندہ تھیں تم اصل میں مری نہیں تھیں بلکہ تمہیں سکتہ ہو گیا تھا لوگ جنہیں مردہ سمجھ کر قبرستان میں دفن کر آئے اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہ لوگ۔ تمہاری لاش کو تجربہ کرنے کے لیے قبر سے نکال کر یہاں لے آئے۔

"عورت نے پوچھا۔

"یہ کون ہیں ؟ تم کون ہو ؟"

عنبر نے کہا۔

تم ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے اکیلی اپنے گھر چلی جاؤ گی۔

عورت نے پوچھا۔

"میں اس وقت کہاں ہوں"

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ شہر سے باہر ایک ٹیلے کے پرانے قلعے کے اندر ہے۔ وہ بولی"

"ہاں۔ یہ کرامویل کا پرانا آسیبی قلعہ ہے۔ میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں جا سکتی ہوں"

عنبر نے کہا۔

پھر تم خاموشی سے گھر چلی جاؤ۔

"کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گے۔ اس نے عنبر سے پوچھا۔

"عنبر بولا"

"نہیں۔ کیونکہ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ لوگ کس قسم کا تجربہ لاشوں پر کرتے ہیں۔

عنبر نے عورت کو سہارا دے کر سٹریچر سے نیچے اتارا۔ عورت نے عنبر کو اپنے گھر کا پورا پتہ سمجھا کر بولی"

"صبح کو میرے گھر ضرور آنا تم سے مل کر مجھے خوشی ہو گی۔

"میں کوشش کروں گا۔"

وہ عورت کفن لپیٹے وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد عنبر نے گھوم پھر کر دیکھا کہ وہاں کیا کچھ پڑا ہے۔ قلعے کا یہ پرانا کمرہ سائنس کا ٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔ سٹریچر کے نیچے سپرنگ لگے ہوئے تھے جس سے اسے کم از کم پندرہ فٹ اوپر چھت کی طرف اٹھایا جا سکتا تھا۔ عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ تینوں سائنس دان کس قسم کا تجربہ لاش پر کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ وہاں رک گیا تھا۔ ورنہ اس عورت کو اکیلی کبھی نہ جانے دیتا۔ آدھی رات گزر گئی۔ پھر صبح کی سپیدی قلعے کی کھلی چھت میں سے اندر آنے لگی۔ عنبر کا ارادہ صبح کو قلعے سے باہر نکل کر شہر کی سیر کرنے اور یہ معلوم کرتے تھا کہ وہ انگلستان کے کس شہر میں ہے۔ اس نے اتفاق سے لاش والی عورت سے بھی نہ پوچھا تھا کہ وہ کس شہر میں ہے لیکن اس کا خیال تھا۔

کر وہ لندن کے قریب تھا۔

اس نے قلعے سے باہر نکلنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا کہ آسمان پر بادل چھانے لگے اور زمین پر بادلوں کی دھند پھیلنا شروع ہو گئی۔ پھر بادل گرجے اور ایکدم سے بارش برسنے لگی سردی زیادہ ہو گئی۔ عنبر کو سردی بارش کی تو کوئی خاص پروا نہیں تھی لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کپڑے، بارش سے بھیگ جائیں۔ وہ قلعے کے اندر ہی گھومتا پھرتا رہا۔

اس نے گھوم پھر کر دیکھا کہ یہ قلعہ کافی پرانا تھا اور ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اس کی کوئی چھت بھی سلامت نہیں تھی، خدا جانے لمبے بالوں والے ڈاکٹر یا سائنس دان نے یہ قلعہ اپنے تجربوں کے لیے کیوں چُنا تھا۔ ظاہر ہے وہ کوئی خفیہ تجربے کر رہا تھا یا کرنے والا تھا اور عنبر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔

سارا دن وہ قلعے میں رہا۔ رات کا اندھیرا پھیلا تو وہ سٹریچر پر آ کر لیٹ گیا۔ اس نے اپنے اردگرد کفن کو اچھی طرح سے لپیٹ گیا اور اور چمڑے کے پٹے بھی اپنے جسم کے ساتھ کس کر باندھ لیے ابھی اس نے اپنا ایک ہاتھ نہیں باندھا تھا جب رات کافی گزر گئی اور اس نے اندازہ لگایا کہ اب وہ لوگ آنے والے ہیں تو اس نے اپنے چہرے کے گرد کفن کو لپیٹ لیا اور اپنا ہاتھ بھی چمڑے کے پٹے کے اندر دے دیا۔

پندرہ بیس منٹ بعد قلعے کے کمرے میں آدمیوں کے آہستہ آہستہ

باتیں کرنے اور قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

عنبر نے کفن کے اندر آنکھیں بند کر لیں"

ڈاکٹر اور اس کے دونوں ساتھی لاش کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے

ڈاکٹر نے کہا۔ ابھی لاش کا منہ دیکھنے میں میرے فارمولے کے حساب سے پندرہ منٹ باقی رہتے ہیں۔

"ایک ساتھی بولا"

ڈاکٹر کیا آپ کو یقین ہے کہ لاش زندہ ہو جائے گی

ڈاکٹر نے کہا۔

میرا فارمولا کبھی غلط نہیں ہو سکتا میں نے اس پر پانچ سال تک محنت کی ہے"

عنبر ان کی باتیں صاف سن رہا تھا۔ دوسرے ساتھی نے کہا۔

ڈاکٹر! اگر ہم کامیاب نہ ہوئے تو میرا ہزاروں روپیہ جو میں نے اس تجربے پر خرچ کیا ہے ضائع ہو جائے گا۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم اطمینان رکھو۔ لاش نہ صرف زندہ ہو جائے گی بلکہ اس میں ایسی طاقت آجائے گی کہ نہ اس پر گولی اثر کرے گی نہ ٹینک کا گولہ اثر کر سکے گا۔ یہ لاش پھر کبھی نہ مر سکے گی۔ اور ہم اس سے مرضی کے مطابق کام لے سکیں گے۔

پہلا ساتھی بولا"

"اچھا ڈاکٹر اب اپنا تجربہ شروع کرو۔ پندرہ منٹ گذر گئے ہیں
ڈاکٹر نے کہا۔

ایک منٹ ابھی رہتا ہے میں نہیں چاہتا کہ جلدی میں میرا فارمولا
ادھورا رہ جائے۔

ٹھیک ایک منٹ گزرنے کے بعد ڈاکٹر نے لاش کے چہرے پر سے
کفن سرکا دیا۔

ڈاکٹر نے خوش ہو کر کہا۔

"لاش مرد کی ہے اور کوئی نوجوان ہے۔ دیکھو۔ اس کا چہرہ مرنے
کے بعد بھی کتنا صحت مند لگتا ہے"

عنبر نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں مگر وہ ان کی ایک ایک بات سن رہا
تھا اور دل میں تشویش کر رہا تھا کہ یہ لوگ اس پر کسی قسم کا تجربہ کرنے
والے ہیں۔ بس اسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں ڈاکٹر اس کو کوئی انجکشن
لگانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اس کے جسم میں انجکشن کی سوئی داخل
نہیں ہو سکتی تھی۔

ڈاکٹر نے ایک شیشے کی نلکی میں دو تین بوتلوں میں سے دوائیاں نکال
کر ڈالیں۔ عنبر کی لاش، کے منہ کو کھولا اور اس کے حلق میں دوائی
انڈیل دی۔ عنبر کو دوائی کڑوی لگی مگر وہ پی گیا۔

ڈاکٹر بولا۔

"ٹھیک پانچ منٹ بعد دوائی کا اثر مکمل ہو جائے"

اور یہ لاش اپنی آنکھیں کھول دے گی"

ڈاکٹر اور اس کے دونوں ساتھی جو شکل و صورت سے جرائم پیشہ آدمی
لگ رہے تھے۔ اپنی اپنی گھڑیوں کو دیکھنے لگے۔ پانچ منٹ گزرنے کے
بعد ڈاکٹر لاش پر جھک گیا۔ اور کہنے لگا۔

"اب لاش کو آنکھیں کھول دینی چاہئیں۔

عنبر بھی پانچ منٹ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا اس نے آہستہ سے
آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھنا چاہتا تھا کہ میں کہاں
ہوں۔ تم کون ہو۔ کیا یہ مرنے کے بعد کا منظر ہے۔ مگر اچانک اسے احساس
ہوا کہ وہ بول نہیں سکتا اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ کانپ
اٹھا۔ کیا یہ اس دوائی کا چکر تھا

ڈاکٹر نے لاش سے کہا۔

"سنو۔ تم جو کوئی بھی ہو اس وقت میرے قبضے میں ہو۔ تم
مر چکے تھے دوا پلا کر پھر سے زندہ کر دیا ہے اب تم میں اتنی
طاقت آگئی ہے کہ تم پر توپ تلوار۔ گولہ بارود۔ کوئی شے اثر
نہیں کر سکتی۔ تم مر نہیں سکتے۔ صرف تم بول نہیں سکو گے۔
تم کو اگر کچھ پوچھنا ہوگا تو تم لکھ کر مجھ سے پوچھ سکو
گے۔"

ڈاکٹر کے ساتھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو زندہ ہوتے
دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک لاش بھی زندہ

ہوسکتا ہے وہ اس لاش کو خود قبرستان کی ایک قبر سے کھود کر لائے تھے۔ وہ ڈاکٹر کے اور زیادہ قائل ہوگئے تھے
ڈاکٹر عنبر سے کہہ رہا تھا۔

میں تمہیں پانچ منٹ بعد ایک اور دوا پلاؤں گا۔ جسکے پینے کے بعد تمہارا جسم غائب ہو جائے گا۔ تم دوسروں کو دیکھ سکو گے مگر تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اس طرح تم میں دو طاقتیں آ جائیں گی
ایک تو تم اتنے طاقتور ہو جاؤ گے کہ تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکے گا دوسرے تم لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گے۔

عنبر سوچنے لگا کہ یہ شخص سارا کچھ کس لیے کر رہا ہے اس کے دل میں خیال آیا کہ چمڑے کے پٹے توڑ کر اٹھ بیٹھے مگر اب وہ بُری طرح اس ڈاکٹر کے چنگل میں پھنس گیا تھا اس نے کوئی دوا پلا کر اس کے بولنے کی طاقت ختم کر دی تھی اور وہی اس کو کوئی خاص دوا پلا کر دوبارہ زبان دے سکتا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اسے اس طرح کرنا چاہیے جس طرح ڈاکٹر چاہتا ہے۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔

ویسے بھی وہ غائب ہونے کا تجربہ کر کے محسوس کرنا چاہتا تھا کہ

جب آدمی غائب ہو جاتا ہے تو اسے کیا احساس ہوتا ہے۔ اسے ماریا کا خیال آگیا کہ وہ کیا محسوس کرتی ہوگی۔

ڈاکٹر نے پانچ منٹ بعد ایک اور دوائی عنبر کے حلق میں ٹپکا دی۔ دوائی کے ٹپکنے کے ساتھ ہی عنبر نے دیکھا کہ پہلے اس کے ہاتھ غائب ہوگئے پھر اس کے بازو غائب ہوتے اور پھر وہ سارے کا سارا غائب ہوگیا وہ اپنے جسم کو محسوس کر رہا تھا۔ سب لوگوں کی آوازیں سن رہا تھا۔ مگر اپنا جسم دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا تجربہ تھا عنبر مسکرا دیا۔ ڈاکٹر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاش ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کر رہی ہے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

ایک ساتھی نے پوچھا۔

"لاش تو غائب ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا ڈاکٹر کہ وہ مسکرا رہی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"میں نے یہاں آتے ہی ایک ایسا انجکشن لگا لیا تھا جس کی وجہ سے صرف میں اس غائب لاش کو دیکھ سکتا تھا۔

دوسرا آدمی بولا۔"

"کیا تم ہر وقت لاش کو دیکھ سکو گے؟"

ڈاکٹر نے کہا۔

"نہیں۔ اس انجکشن کا اثر ایک گھنٹے تک رہے گا اور میں ایک گھنٹے تک اس لاش کو جو تمہاری نظروں سے غائب ہے دیکھ سکوں گا۔"

عنبر سوچنے لگا کہ یہ کمبخت کوئی بڑا ہی لائق ڈاکٹر ہے۔ خدا جانے یہ اس سے کس قسم کا کام لینے والا ہے اس بات کی عنبر کے دل نے گواہی دے دی تھی کہ ڈاکٹر کی نیت نیک نہیں ہے اور وہ اس سے کوئی اچھا کام نہیں لینے والا۔ مگر وہ کام کیا تھا یہی عنبر نے معلوم کرنا تھا۔ وہ سٹریچر پہ لیٹا ڈاکٹر کو برابر دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے عنبر کی پنڈلی کے ساتھ بجلی کا ایک تار لگا کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ عنبر کا سارا جسم ہل گیا۔

ڈاکٹر کہنے لگا۔

"اب اس کے جسم میں دو سو بیس کلوواٹ کی بجلی بھر دی گئی ہے اور یہ ہمارے کمپیوٹر کے مطابق ہمارے سگنل کے ساتھ وہی کام کرے گا جو ہم اسے کہیں گے۔"

ایک آدمی نے کہا۔

"ڈاکٹر! میرا خیال ہے کہ تجربہ شروع کر دینا چاہیے۔"

ڈاکٹر نے پوچھا۔

"کیا تم صبح ہونے کا انتظار نہیں کرو گے؟"

اس نے کہا۔

"رات کے اندھیرے میں لاش زیادہ اچھی طرح سے کام کر سکے گی۔"

ڈاکٹر بولا۔

"لاش غائب ہے اور اس کے اندر بے پناہ طاقت بھر دی گئی ہے اس کے لیے اب رات اور دن ایک برابر ہے۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ یہ ابھی سے کام شروع کر دے تو ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں تم نے اس فارمولے کی آزمائش اور تجربے پر ہزاروں روپے خرچ کئے ہیں بتاؤ تم اس وقت کیا چاہتے ہو۔"

وہ آدمی بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس لاش کو حکم دو کہ یہ لندن کے سب سے بڑے شاہی عجائب گھر میں جا کر وہاں سے کوہ نور ہیرا چرا لائے اس کے بعد میں اسے وہ کام کہوں گا۔ جس کے لیے میں نے اس تجربے پر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"میری شرط تمہیں یاد ہو گی جو ہم تینوں نے طے کر کے منظور

کی تھا۔

دوسرا آدمی بولا۔

"مجھے بھی وہ شرط یاد ہے"

پہلا آدمی کہنے لگا۔

یہی شرط ہے ناکہ جو کچھ یہ لاش چرا کر لائے گی اس کے ہم تین حصے کر کے رقم آپس میں بانٹ لیں گے۔

ہاں یہی شرط ہے" ڈاکٹر نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔ اس آدمی نے کہا۔

ڈاکٹر نے کہا۔

تو پھر میں لاش کو ابھی حکم دیتا ہوں کہ وہ "شاہی عجائب گھر میں جاکر کوہ نور ہیرا اٹھا لائے۔

پہلا آدمی کہنے لگا۔

مگر ڈاکٹر اس ہیرے کی حفاظت کا زبردست انتظام ہے کہتے ہیں الارم لگے ہیں اور جس بکس میں یہ ہیرا بند ہے اس کے ارد گرد ریڈیو ایکٹیو شعاعیں چھوڑ دی گئی ہیں وہاں سے اگر کوئی مچھر بھی گزرتا ہے تو الارم بج اٹھتے ہیں۔

ڈاکٹر مسکرایا۔

"لیکن ہماری یہ لاش جب وہاں سے گزرے گی تو ریڈیائی

پہروں کو بالکل پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اور کوئی الارم نہیں بولے گا"

دوسرا آدمی بولا"

"پھر تو کمال ہو جائے گا ڈاکٹر۔ اب اس لاش کو جلدی سے روانہ کر دو تاکہ ہیرا چرا کر اسی جگہ لے آئے۔ ہم اس قلعے میں بیٹھ کر اپنی پہلی زبردست کامیابی کے تین حصے کر لیں گے۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"ابھی روانہ کرتا ہوں میں اس لاش کو۔

پہلے آدمی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر۔ کیا اس لاش کو عجائب گھر کا راستہ آتا ہے۔

ڈاکٹر بولا۔

میں اس لاش کو ری موٹ کنٹرول کے سگنل سے کنٹرول کروں گا۔ تم دیکھو کہ کیا ہوتا ہے"

دوسرے نے کہا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں انتظار کرتے رہیں اور لاش کہیں غائب ہو جائے۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا فارمولا ایک ماڈرن ٹیکنیک کا

سائنسی فارمولا ہے یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

وہ آدمی بولا۔"

تو پھر اسے روانہ کرو۔ اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور اندھیرا پھیلا ہے۔

ڈاکٹر نے دیوار کی الماری کو چابی لگا کر کھولا۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول نکال کر ہاتھ میں پکڑیں۔ اس کا ایک خاص بٹن دبایا اور لاش سے کہا۔

تم اس وقت لندن کے شاہی عجائب گھر جاؤ گے اور وہاں بکس میں جو کوہ نور ہیرا پڑا ہے وہ اٹھا کر تھیلی میں ڈالو گے اور یہاں لے آؤ گے۔"

چلو۔ ایک دو تین۔

تین کہنے پر عنبر سٹریچر پر سے چمڑے کے پٹے توڑ کر اٹھ کھڑا ہوا ڈاکٹر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی دونوں آدمی حیران ہو کر سٹریچر کے پٹے ٹوٹتے دیکھ رہے تھے لاش ان کو دکھائی نہیں دی رہی تھی۔ ڈاکٹر دیکھ رہا تھا کیونکہ اس نے جو انجکشن لگا رکھا تھا۔ اس کا ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔

عنبر بالکل اپنے ہوش وحواس میں تھا۔ صرف وہ بول نہیں سکتا سکتا تھا۔ وہ غائب تھا۔ اس کو زندگی میں شاید پہلی بار اپنا جسم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر بھی وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے

جسم میں بجلی کی ایک لہر دوڑ رہی ہے اور کوئی شے اُسے آگے چلنے پر مجبور کر رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے میں چلتا ہوا قلعے سے باہر آگیا۔

یہاں اُس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ اس سے کس قسم کا کام لینے والے ہیں اور لے رہے ہیں۔ یہ اس سے ڈاکے ڈلوا کر دولت جمع کرنا چاہتے تھے ہو سکتا ہے اس سے کوئی قتل کروانے کی کوشش کرے۔ ایک بار عنبر نے یونہی آزمانے کے لیے قلعے میں واپس جانے کی کوشش کی مگر ریڈیائی لہروں کے طاقت ور سگنلوں کی وجہ سے وہ واپس قلعے کی طرف نہ مڑ سکا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔ مگر عنبر کے اندر اپنی اتنی طاقت تھی کہ اسے یقین تھا کہ جب کبھی اس نے اپنی طاقت سے کام لیا تو وہ ریڈیائی لہروں کے اس جال کو توڑ ڈالے گا۔

اس کا خیال اصل میں جرائم پیشہ آدمی کے اس جملے کی طرف لگا ہوا تھا کہ جس میں اُس نے ڈاکٹر سے کہا تھا۔

"میں اصل کام جس کے لیے میں نے دولت خرچ کی ہے وہ بعد میں کہوں گا۔ پہلے لاش کو کہو کہ کوہ نور کا ہیرا لے آئے۔

عنبر یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ جرائم پیشہ آدمی اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے اور کوہ نور ہیرے سے عنبر کو کوئی دلچسپی نہیں تھی

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ ہیرا اور اس کے چور یعنی ڈاکٹر اور اس کے ساتھی ضرور پکڑے جائیں گے اتنا قیمتی ہیرا کبھی چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

عنبر غائب حالت میں آدھی رات کے بعد شہر کی سنسان اور کہر سے بھری ہوئی سڑک پر چلا جا رہا تھا اس کے ذہن میں ڈاکٹر کے سگنل برابر وصول ہو رہے تھے اس کا اپنا رُخ خود بخود عجائب گھر کی طرف مڑ جاتا تھا۔ عنبر کو غائب ہو کر چلتے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا اس کے قدموں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی مگر وہ اپنے جسم پر ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتا تھا۔ اسے سب سے زیادہ الجھن اس بات سے ہو رہی تھی کہ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اسے ڈاکٹر کو خوش کرنے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے بعد اُس سے آواز ٹھیک کرنے والی دوا کا فارمولا بھی حاصل کرنا تھا۔ کیونکہ وہ گونگا بولا بن کر مادیا اور ناگ کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔

رات کی سردی اور اندھیرے میں لندن کا شہر سنسان پڑا تھا۔ سڑک دور تک مرکری ٹیوبوں کی دھندلی روشنی میں خاموش اور ویران پڑی تھی۔ عنبر اپنے جسم میں قلعے میں بیٹھے ہوئے ڈاکٹر کے سگنلوں کو باقاعدہ محسوس کر رہا تھا اور آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے سگنل دیا کہ ایک بس آ رہی ہے۔ یہ آدھی رات کی بس ہے۔ اِس میں

سوار ہو جاؤ۔ عنبر نے گھوم کر دیکھا۔ ایک بس کی روشنیاں اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ وہ بس شاپ پر رُک گیا اور بس کا انتظار کرنے لگا

بس سٹاپ پر آ کر رُک گئی۔

بس میں سے ایک آدمی اُتر پڑا

عنبر بس میں سوار ہو گیا۔ بس بھری ہوئی تھی اور ایک بھی خالی سیٹ نہیں تھی۔ عنبر ایک موٹی عورت کی گود میں بیٹھ گیا۔ مگر عورت کو ذرا بھی محسوس نہ ہوا کہ اس کی گودی میں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا کیونکہ عنبر غائب تھا اور اس کا بوجھ بالکل نہیں تھا۔

بس شاہی عجائب گھر کے سامنے جاکر رُک گئی۔ عنبر بس سے نیچے اتر آیا۔ بس کے جانے کے بعد عنبر نے دیکھا کہ عجائب گھر کے بڑے دروازے پر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عجائب گھر کا دروازہ بند تھا۔ اس پر کمپیوٹر کا تالا پڑا ہوا تھا۔ لیکن عنبر کو تالا توڑنے کی ضرورت نہیں تھی وہ دروازے کے بیچ میں سے گذر گیا جس طرح کرما ریا گذر جایا کرتی ہے۔

عجائب گھر کے بڑے ہال کمرے میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ اور

شیشے کی الماریوں اور شوکیسوں میں بڑے ہی قیمتی ہیرے جواہرات سجے ہوئے تھے۔

دو گارڈ وردی پہنے یہاں بھی چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے عنبر اُن کے قریب سے ہو کر گذر گیا مگر انہیں پتہ ہی نہ چل سکا عنبر کے قدموں کی آواز بھی نہیں آرہی تھی اس نے گھوم پھر کر ایک جگہ کوہ نور کے ہیرے کو تلاش کر لیا۔

ڈاکٹر کے سگنل برابر اس کے جسم میں داخل ہو رہے تھے۔

کوہ نور کا ہیرا ایک چوکور شیشے کے بکس میں بند ایک چھوٹے سے چبوترے پر پڑا تھا اس کے اردگرد گول دائرے میں سُرخ رنگ کی رسی بندھی ہوئی تھی یہاں کوہ نور ہیرے کی پوری تاریخ ایک تختی پر لکھ کر لگا رکھی تھی۔ عنبر نے پڑھا کہ یہ ہیرا بہادر شاہ ظفر کے پاس تھا۔ اس سے نادر شاہ نے چھینا اور پھر کئی لوگوں اور بادشاہوں سے ہوتا ہوا وہ انگریزوں کے پاس آگیا۔

عنبر کو ڈاکٹر کا سگنل وصول ہوا جس نے اسے بکس کی طرف دھکیلا عنبر نے سرخ رسّی کو پھلانگ دیا اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے اس کی ریڈیائی لہروں میں داخل ہونے سے الارم بج اُٹھے۔ مگر ایسا نہ ہوا وہ شیشے کے بکس کے پاس پہنچ گیا مگر الارم خاموش رہا۔ وہ ڈاکٹر۔ سائنس دان کی قابلیت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے سوچا۔

"کاش! اتنا لائق آدمی اپنے علم اور اپنی سائنس کو ڈا کے

مروانے کی بجائے انسانوں کی بھلائی کے لیے استعمال
کرتا۔ مگر وہ شیطان بن گیا تھا اور روپے کے لالچ
میں نیکی بدی کے فرق کو بھول گیا تھا۔

عنبر کوہ نور ہیرے کی طرف بڑھا۔ یہ سفید رنگ کا چمکتا ہوا شاندار
اور بے حد قیمتی ہیرا شیشے کے بکس کے اندر پڑا تھا۔ عنبر کو اب اس
بکس کو توڑ کر ہیرے کو باہر نکالنا تھا جو کوئی مشکل کام نہیں تھا۔
اس نے بکس کے شیشے کو ایک طرف ہاتھ سے محسوس کیا۔ شیشہ
سخت تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ سیکورٹی گارڈ والے اس سے دور پھر رہے
تھے۔

عنبر نے اپنی خاص طاقت کو استعمال کرتے ہوئے شیشے کو دونوں
ہاتھوں سے اندر کی طرف دبایا شیشہ ٹوٹ گیا مگر اس کی آواز اتنی
نہ تھی کہ سیکورٹی گارڈ اسے سن سکتے۔ سُن بھی لیتے تو عنبر کو کوئی
فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس نے ہیرے کو اُٹھا لیا۔

ایک خفیہ الارم ہیرے کے نیچے بھی لگا تھا۔ ہیرا الارم کی نازک
پن پر رکھا ہوا تھا جونہی ہیرے کو عنبر نے اٹھایا پن باہر نکل
آئی اور ہال کمرے کا الارم زور سے چیخ اُٹھا۔

عنبر بھی چونک پڑا۔ الارم کی آواز سنتے ہی سیکورٹی گارڈز
نے پستول نکال لیئے اور کوہ نور ہیرے کے بکس کی طرف بڑھے

کیا دیکھتے ہیں کہ شیشے کا بکس ایک طرف سے ٹوٹا ہوا ہے اور کوہ نور
ہیرا غائب ہے۔ کیونکہ عنبر نے ہیرا اُٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا
جو اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو چکا تھا۔

گارڈ سیٹیاں بجا رہے تھے۔ باہر سے بھی پولیس اندر آگئی اور
ہیرے کو اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگی سب اس بات پر حیران تھے
چور وہاں کہیں نہیں ہے اور ہیرا بھی غائب ہے۔ حالانکہ عنبر ابھی
تک وہیں بکس کے پاس کھڑا تھا۔ وہاں اسقدر شور مچا ہوا تھا
کہ عنبر نے جلدی سے گول دائرے کی رسی کو پھلانگا تو اس کے ہاتھ
سے ہیرا قالین پر گر پڑا۔ ایک گارڈ نے اسے جلدی سے اٹھالیا۔

"ہیرا مل گیا سر"

سیکورٹی آفیسر نے ہیرے کو جلدی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور
بولا۔

"یہ یہاں کیسے نکل کر آگیا؟ ضرور کوئی بھوت اس کمرے
میں آگیا ہے۔ اسے شاہی تجوری میں بند کرنا ہوگا۔

عنبر کے جسم میں بڑے طاقت ور سگنل آنے لگے ہیرے کے گرنے
کی شاید ملکے کے اندر ڈاکٹر اور اس کے جرائم پیشہ آدمی کو بھی خبر
ہو گئی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ کوہ نور ہیرا سیکورٹی گارڈ نے اپنی مٹھی میں تھام رکھا تھا۔

عنبر نے پیچھے سے آگر اس کو زور سے دھکا دیا۔

سیکورٹی گارڈ سر کے بل قالین پر گر پڑا اور ہیرا اس کے ہاتھ

سے چھوٹ کر قالین پر لڑھکتا ہوا آگے چلا گیا ۔ گارڈ چیلایا۔

"ہیرے کو قابو کرو۔ کسی نے مجھے دھکا دیا ہے۔"

سپاہی ہیرے کی طرف بھاگے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی عنبر نے اسے اُچک لیا تھا۔ ہیرا ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ عنبر نے ہیرے کو جیب میں رکھا اور ان لوگوں کو حیران و پریشان چھوڑ کر عجائب گھر کے بڑے دروازے سے نکل کر باہر آ گیا۔

یہاں سے نکل کر وہ رات کے اندھیرے میں قلعے کی طرف چل پڑا قلعے میں ڈاکٹر اور اس کا جرائم پیشہ دوست عنبر کا انتظار کر رہے تھے ۔ ڈاکٹر نے عنبر کو دیکھ لیا کیونکہ ابھی تک اس کے انجکشن کا اثر باقی تھا۔ وہ مسکرایا۔

"میرے دوست مبارک ہو۔ لاش کوہ نور ہیرا لے آئی ہے۔"

جرائم پیشہ آدمی کی باچھیں کھل گئیں۔

عنبر نے کوہ نور ہیرا ڈاکٹر کے حوالے کر دیا ڈاکٹر نے ہیرے کو غور سے دیکھا اور اپنے ساتھی کو دے کر بولا۔

"بالکل اصلی ہیرا ہے۔ اس میں ہم تینوں کا حصہ ہے۔"

دوسرا ساتھی بھی بہت خوش تھا۔ کہنے لگا۔

"جلدی سے اس کے تین ٹکڑے کر ڈالو اور میرا حصہ مجھے دے دو۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ اس کے ٹکڑے کرو گے تو اس کی قیمت ایک پیسہ بھی نہیں رہے گی۔ ہم اسے کسی بادشاہ کے ہاتھ فروخت کریں گے اور جو رقم ملے گی اس کے تین حصے کر کے آپس میں بانٹ لیں گے۔

پہلا جرائم پیشہ آدمی بولا۔

ڈاکٹر۔ تمہارا فارمولا بے حد کامیاب رہا ہے۔ اب میں اس لاش سے وہ کام لینا چاہتا ہوں جس کے لیے خاص طور پر میں نے یہ منصوبہ تم سے شروع کروایا تھا۔

" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور لو اس سے وہ کام۔ یہ لاش اب ہماری غلام ہے۔ ہم اسے جو کہیں گے کرے گی۔

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"سٹریچر پر جا کر لیٹ جاؤ اور کچھ دیر آرام کرو۔ تمہیں پھر ایک مہم پر روانہ ہونا ہے۔"

جرائم پیشہ آدمی نے کہا۔

"ڈاکٹر۔ ہم دو بھائی ہیں۔ میرے ایک بھائی کی لاکھوں کی جائیداد ہے اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔ میرے بھائی کی موت کے بعد اس کی ساری جائیداد اس لڑکے کو مل جائے گی لیکن اگر کسی طرح یہ لاش اس لڑکے کا کام تمام کر دے تو

میرے بھائی کی جائیداد پر میرا بھی حق بن جائے گا۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"کیا اس کی بیوی نہیں ہے؟"

"نہیں۔ اس کی بیوی عرصہ ہوا ایک حادثے میں انتقال کر چکی ہے۔"

ڈاکٹر بولا۔

"وہ دوسری شادی کرے گا اور اگر پھر اس کے ہاں اولاد ہو گئی تو کیا کرو گے۔"

جرائم پیشہ آدمی نے کہا۔

میرے بھائی کو ایک ایسی بیماری ہے کہ اسے ڈاکٹروں نے کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے شادی کی تو زندہ نہیں بچے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے اکلوتے بیٹے کو یہ لاش جا کر قتل کر دے۔ پھر اس کی پوری جائیداد میرے بھائی کے مرنے کے بعد میرے پاس آ جائے گی۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"بہت اچھا۔ میں ابھی لاش کو اس قتل کے لیے روانہ کرتا ہوں تم مجھے اپنے بھائی کے گھر کا پتہ اور نقشہ سمجھاؤ میں لاش کے دماغ میں اس کو بھر دیتا ہوں۔"

عنبر یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اچھا تو یہ مکروہ کام تھا جو وہ بدکردار لالچی آدمی عنبر سے لینا چاہتا تھا۔ عنبر نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ یہ کام کسی قیمت پر نہیں کرے گا۔ ڈاکٹر لاش کے قریب آیا اس نے لاش کو دیکھنے والا انجکشن ایک بار پھر اپنے جسم میں لگایا اور لاش کے ذہن میں جرائم پیشہ آدمی کے گھر کے نقشے بھر دیئے۔

عنبر ماڈرن سائنس پر حیران رہ گیا۔ جونہی ڈاکٹر نے سگنل اس کے ذہن میں ڈالے اس کو فوراً جرائم پیشہ آدمی کے گھر کا راستہ معلوم ہو گیا۔ ڈاکٹر نے عنبر کی لاش کو مخاطب ہو کر کہا۔

"اس ایڈریس پر جاؤ اور میرے دوست کے لڑکے کو ہلاک کر کے واپس آ جاؤ۔"

ڈاکٹر نے جرائم پیشہ ساتھی سے لڑکے کا نام پوچھا۔ پھر عنبر سے کہا۔

"اس لڑکے کا نام چارلس ہے اور اس کی عمر آٹھ سال ہے۔"

جرائم پیشہ آدمی نے جیب سے لڑکے چارلس کی تصویر نکال کر دی ڈاکٹر نے وہ تصویر عنبر کی آنکھوں کے آگے کر دی۔

"اس شکل کو اچھی طرح سے دیکھ لو تمہیں وہاں جا کر اس لڑکے کا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنا ہے اب اٹھو اور جا کر اس مہم کو پورا کرو۔"

عنبر سٹریچر پر سے ایک زندہ لاش کی طرح اٹھا اور ڈاکٹر کے بتائے

ہوئے ایڈریس پر روانہ ہو گیا اب رات ڈھل رہی تھی اور بادلوں سے ڈھکے ہوئے آسمان پر پچھلے پہر کی ہلکی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ شہر بیدار ہو رہا تھا عنبر ڈاکٹر کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچا تو دیکھا کہ یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے اور کھیتوں میں کہیں کہیں بڑے خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں ہر مکان کی دیواروں پر پھولدار بیل چڑھی ہوئی ہے۔

عنبر ایک مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہی وہ مکان تھا جس کا پتہ ڈاکٹر نے اسے بیان کر کے عنبر کے ذہن میں ڈال دیا تھا اس مکان کے سامنے ایک خوبصورت لان تھا جس میں گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ عنبر کو گھنٹی بجا کر کسی کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ دروازے ہی میں سے اندر داخل ہو گیا۔ ایک کمرے میں میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور ایک آدمی سلیپنگ سوٹ پہنے ناشتہ کرتے ہوئے اخبار پڑھ رہا تھا۔

عنبر ایک طرف دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔

اس آدمی نے بلند آواز میں کہا "چارلس، کیا آج ناشتہ نہیں کرو گے۔؟"

ایک نوکرانی چھ سات سال کے پیارے پیارے لڑکے کو ساتھ لے کر سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ عنبر نے لڑکے کو غور سے دیکھا۔ یہی وہ لڑکا چارلس تھا جس کو قتل کرنے کے لیے اس مکار ڈاکٹر اور اس کے جرائم پیشہ بھائی نے عنبر کو یہاں بھیجا تھا۔ مکان کے اندر

داخل ہوتے ہی عنبر نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کو زبردست سگنل ملنے شروع ہو گئے ہیں عنبر میں چونکہ اپنی ذاتی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ ان سگنلوں کا مقابلہ کر رہا تھا اور اس پر ان کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسری عام لاش ہوتی تو اب تک لڑکے کا گلا گھونٹ چکی ہوتی۔

چارلس اپنے باپ کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا اور گلے کے آگے ایپرن باندھ کر ناشتہ کرنے لگا نوکرانی اس کے آگے ڈبلے کی پلیٹ اور ابلا ہوا انڈا رکھ رہی تھی۔ چارلس کا باپ اپنے بچے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

عنبر اس وقت ساتھ والے کمرے میں گیا۔ یہاں میز پر پنسل اور کاغذ کا پیڈ پڑا تھا اس نے اس پر لکھا۔

چارلس کے باپ کے نام

تمہارا چھوٹا بھائی جائیداد کی خاطر تمہارے بیٹے چارلس کو قتل کروانے کی سازش کر رہا ہے اس نے ایک ڈاکٹر سائنس دان سے مل کر چارلس کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مجھے ہی ناکام بنا رہا ہوں مجھے یہاں تمہارے بیٹے چارلس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس بات کو مذاق میں مت لینا۔ میں ایک زندہ انسان ہوں کوئی بھوت نہیں ہوں مگر تم

مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ اپنے
بیٹے کو کہیں دوسرے ملک میں بھجوا دو۔

تمہارا ہمدرد ــــ

یہ پرچہ رکھ کر عنبر ناشتے والے کمرے میں گیا۔
چارلس ناشتہ کر رہا تھا اور اس کا باپ بڑے سکون کے ساتھ
اخبار پڑھ رہا تھا عنبر نے پرچہ اس کی آنکھوں کے سامنے اخبار
کے آگے رکھ دیا جونہی چارلس کے باپ نے اپنے سامنے اچانک ایک
پرچے کو دیکھا تو چونک پڑا۔ پھر جب اس نے پرچہ پڑھا تو اور زیادہ
حیران ہو گیا۔ اخبار پرے رکھ کر اٹھا اور ساتھ والے کمرے میں
آ گیا عنبر بھی اس کے ساتھ ساتھ آیا اس نے ایک اور پرچے پر
لکھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا ہمدرد
ہوں اور میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ذرا بھی جھوٹ
نہیں ہے۔ میں بول نہیں سکتا اس لیے مجھ سے لکھ کر
بات کرو۔

یہ پرچہ بھی عنبر نے چارلس کے باپ کے آگے رکھ دیا۔ چارلس کے
باپ نے پرچہ پڑھ کر اس کے آگے لکھا

"تم کون ہو؟"

عنبر نے لکھا۔

میں تمہیں پہلے ہی لکھ کر بتا چکا ہوں کہ میں ایک انسان
ہوں مگر ڈاکٹر نے مجھے دوا پلا
دی ہے کہ میں کسی کو نظر نہیں آ سکتا مگر میں تم سب کو
دیکھ سکتا ہوں۔

چارلس کے باپ نے لکھا۔

تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرا بھائی میرے بیٹے کو قتل
کرنا چاہتا ہے۔

عنبر نے لکھ کر کہا۔

تم کیسے آدمی ہو بالکل انگریز ہو۔ میں تمہیں لکھ کر بتا
چکا ہوں کہ ثبوت میں خود یہاں کھڑا ہوں۔ تمہارا
چھوٹا بھائی اس وقت کرامویل کے پرانے قلعے میں ڈاکٹر
کے پاس بیٹھا انتظار کر رہا ہے کہ میں کب اسے جا کر
تمہارے بیٹے کے قتل کی خبر سناتا ہوں

چارلس کا باپ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ عنبر نے سوچا کہ یہ
عجیب احمق آدمی ہے۔ اس کو یقین ہی نہیں آ رہا کہ میں اسے سچ سچ
بات بیان کر رہا ہوں۔ عنبر نے ایک بار پھر کاغذ پہ لکھا۔

میں نے تمہیں وقت سے پہلے خبردار کر دیا ہے کہ تمہارے بیٹے
کی جان کو خطرہ ہے اب تم جانو تمہارا کام۔

یہ لکھ کر عنبر جانے ہی لگا تھا کہ چارلس کے باپ نے کاغذ پر

لکھا۔

میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں میں اپنے بیٹے کو کہاں لے
جاؤں۔ اگر میرا بھائی جائیداد کی خاطر میرے بیٹے کی جان
کا دشمن ہے تو وہ اسے ضرور قتل کرا دے گا۔

عنبر نے کاغذ پہ آگے لکھا

اگر یہ بات ہے تو پھر تم فکر نہ کرو۔ میں اس کا بھی پورا
پورا بندوبست کر دوں گا۔

چارلس کے باپ نے کہا۔

"تم بول نہیں سکتے دوست! مگر کیا تم میری آواز سن
سکتے ہو۔

عنبر نے لکھا۔

"ہاں"

چارلس کے باپ نے کہا۔

یہ ڈاکٹر سائنس دان کون ہے؟ میں اسے پولیس کے حوالے
کرنا چاہتا ہوں"

عنبر نے کاغذ پر لکھا۔

اگر اسے پولیس کے حوالے کر دو تو رات جو کوہ نور ہیرا چوری
ہوا ہے وہ بھی مل جائے گا۔

چارلس کا باپ بولا۔

تو کیا کوہ نور ہیرے کی چوری کی جو خبر آج کے اخبار
میں چھپی ہے وہ اُس کے پاس ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں۔۔ اس وقت اُس کے پاس ہے۔ لیکن تم ابھی فون نہ
ہی کرو تو اچھا ہے۔ مجھے وہاں واپس جا لینے دو۔
ورنہ ڈاکٹر ہیرے کو اِدھر اُدھر نہ کر دے کہیں"

عنبر نے لکھا۔

جب تک میں وہاں واپس نہیں جاتا وہ لوگ اسی جگہ ہوں
گے تم ایسا کرو کہ آدھ گھنٹے بعد پولیس کو فون کر دینا
کہ وہ گراموویل کے پرانے قلعے پر چھاپہ مار کر کوہ نور ہیرا
برآمد کرے۔

"بہت اچھا!

میں جا رہا ہوں۔ چارلس کی حفاظت کرنا۔

یہ لکھ کر عنبر اس خوبصورت مکان سے باہر نکلنے لگا تو دیکھا
کہ معصوم چارلس ناشتے کے بعد رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے
اپنے ڈیڈی کو آواز دے رہا تھا۔

عنبر مکان سے نکل کر ایک بس میں بیٹھا اور سیدھا پرانے قلعے
کے کھنڈر میں پہنچ گیا اسے زبردست مگنوں کے جھٹکے بار بار محسوس
ہو رہے تھے جب وہ قلعے کے بڑے کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر

سائنس دان نے اسے دیکھ لیا اور اس کی طرف پنسل کاغذ بڑھا کر پوچھا۔

"کیا تم نے چارلس کا کام تمام کر دیا۔

عنبر اس کے قریب آگیا اس نے کاغذ پر لکھا۔

"اے ذلیل اور انسانیت کے دشمن سائنس دان! میں نے چارلس کو تو قتل نہیں کیا لیکن اب تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

ڈاکٹر نے زبردست قہقہہ لگایا اور کہا۔

"تم ایک لاش ہو۔ میرے غلام ہو۔ میں نے تمہیں طاقت دی ہے میں تمہاری طاقت چھین سکتا ہوں اور تمہیں ایک بار پھر لاش میں بدل سکتا ہوں۔"

جرائم پیشہ آدمی وہیں کھڑا تھا۔ حیران ہو کر بولا۔

کیا بات ہے ڈاکٹر۔ کیا لاش نے میرا کام نہیں کیا۔

ڈاکٹر بولا۔

نہیں۔ مگر میں اس لاش کا کام تمام کر رہا ہوں

جرائم پیشہ آدمی بولا۔

خبردار ایسا نہ کرنا ڈاکٹر۔ جب تک لاش میرے بھتیجے کو میرے راستے سے نہ ہٹا دے تم اسے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"اوکے۔ ایسا ہی ہوگا۔"

"ڈاکٹر نے عنبر سے لکھا۔

"میں تمہیں اپنا غلام بنا دوں گا

اس نے الماری میں سے ایک دوائی نکال کر اس کا انجکشن بھرا اور عنبر کے بازو میں لگانے کے لیے سوئی چبھوئی تو وہ ٹوٹ گئی۔

عنبر نے لکھ کر کہا۔

"ڈاکٹر! میری بات غور سے سنو۔ جس لاش کو تمہارے یہ دو ظالم ساتھی قبرستان سے نکال کر لائے تھے وہ لاش میں نہیں ہوں میں ایک اور آدمی ہوں جو ادھر سے گزر رہا تھا اور اندر آگیا۔ میں نے لاش کو بھگا دیا ہے کیونکہ وہ ابھی زندہ تھی۔ میں کون ہوں اس سلسلے میں تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے اپنی دوائی سے میری آواز ضرور بند کر دی ہے۔ مگر میری طاقت میری اپنی ہے۔

ڈاکٹر نے پٹرول کا ڈبہ اٹھایا کہ اسے عنبر پر چھڑک کر اسے آگ لگا دے کہ عنبر نے آگے بڑھ کر اسے گردن سے پکڑ کر سٹریچر پر لیٹایا اور پیٹی کس کر باندھ دی۔ ڈاکٹر شور مچانے لگا۔ دونوں اس کے ساتھی گھبرا گئے۔ کہ لاش بپھر گئی ہے وہ بھاگنے لگے تو عنبر نے اچھل کر ان کو بھی گردنوں سے دبوچ لیا اور دونوں کو رسیوں

سے جکڑ کر دیوار کے ساتھ بٹھا دیا۔

عنبر نے کاغذ پہ لکھ کر چارلس کے چچا سے کہا

"تم دولت کی خاطر اپنے بھائی کے بیٹے کا خون کرنے والے تھے۔ اصل میں تم خون کر چکے ہو۔ کیونکہ اگر میری جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ اس وقت چارلس کو ہلاک کر چکا ہوتا۔ اس لیے تم خونی ہو تم خون کر چکے ہو اور میں تمہیں اس کی سزا دے رہا ہوں۔ تمہاری وہی سزا ہے جو خونی کی ہوتی ہے یعنی پھانسی۔

جرائم پیشہ آدمی کا رنگ زرد ہو گیا۔ اُٹھ کر بھاگنے لگا تھا کہ رسیوں کی وجہ سے وہیں گر پڑا اس کا ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی گر پڑا تھا عنبر نے اس خونی کی گردن کے گرد رسی ڈال کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں اور وہیں اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے پرچے پر لکھ کر ڈاکٹر سے کہا۔"

"اب مجھے وہ دوا بتاؤ جس کے پینے سے میرا گلا ٹھیک ہو جائے گا اور میں پھر سے نظر آنے لگوں گا۔"

ڈاکٹر سٹریچر پہ بندھا پڑا تھا اور بے بس ہو چکا تھا۔ عنبر نے پرچے پر آگے لکھا۔

"اگر تم نے مجھے یہ دوا نہ بتائی تو تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ابھی ابھی تمہارے اس ساتھی کا ہوا ہے۔ بتاؤ وہ دوا کہاں ہے تو ڈاکٹر نے پرچہ پڑھ کر کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا اگر تم لاش نہیں ہو اور کوئی زندہ انسان تھے تو یقین کرو میرے پاس کوئی ایسی دوا نہیں ہے۔ جو تمہیں غیبی حالت سے دوبارہ ظاہر کر سکے۔ ہاں تمہارا گلا ٹھیک کرنے والی دوائی الماری کی نیلی شیشی میں پڑی ہے۔"

عنبر نے الماری کھول کر نیلی شیشی نکال کر ڈاکٹر کو دکھائی۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں۔ اس دوائی کے چند قطرے پی لو۔ تم پھر سے بولنے لگو گے۔"

عنبر نے بوتل ہونٹوں سے لگا کر اس کے چند قطرے حلق میں ٹپکائے دوائی کڑوی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔"

اور وہ بولنے لگا۔ اس کی آواز واپس آ گئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

"کیا ایسی کوئی دوا تمہارے پاس نہیں کہ جس کے پینے سے

سے لوگ مجھے دیکھنے لگیں اور میں پھر اصلی حالت میں
آجاؤں۔"
ڈاکٹر نے کہا۔
"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس ایسی کوئی دوا نہیں
ہے۔"
عنبر نے کہا۔
"اچھا۔ اب تم پولیس کا مہمان بننے کے لیے تیار ہو جاؤ
پولیس تمہیں اقدام قتل اور کوہ نور ہیرے کی چوری کے
سلسلے میں گرفتار کرنے کے لیے یہاں پہنچنے ہی والی ہے۔"
ڈاکٹر نے سر اِدھر اُدھر مارتے ہوئے کہا۔
"ایسا ظلم نہ کرنا۔ میں جیل جانا نہیں چاہتا۔"
عنبر نے کہا۔
"تم جیل نہیں جانا چاہتے مگر دوسروں کے بچوں کو قتل
کروانے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے کیا تم نے مجھے
چارلس کو قتل کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ کیا تم نے
کوہ نور ہیرا چوری نہیں کیا؟ اب اس کا نتیجہ بھگتنے سے
کیوں ڈرتے ہو۔"
اس کے ساتھ ہی پولیس کا پورا دستہ اندر داخل ہو گیا۔ وہ
پوری طرح مسلح تھا۔ ان کے ساتھ چیف انسپکٹر بھی تھا۔ انہوں نے

چارلس کے چچا کی لاش کے علاوہ کوہ نور ہیرا پر بھی دوبارہ قبضہ
کر لیا اور ڈاکٹر اور دوسرے آدمی کو اقدام قتل اور چوری کے
الزام میں گرفتار کر لیا۔ کیونکہ چارلس کے باپ نے پولیس کو بتا دیا
تھا کہ ڈاکٹر اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر اس کے قتل
کی کوشش کر رہا ہے۔
پولیس ان سب کو پکڑ کر لے گئی اور ڈاکٹر کی لیبارٹری کو بھی
پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔
اس کام سے فارغ ہو کر عنبر کو اب اپنی فکر پڑ گئی کہ وہ کیا کرے
اور کہاں جائے ماریا ناگ کو کس جگہ تلاش کرے۔ ایک دوسری
مصیبت اس کے ساتھ یہ ہو گئی تھی کہ وہ خود بھی ماریا کی طرح
غائب ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پھر سے اپنی اصلی حالت میں آجائے
مگر یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔
دن کافی چڑھ آیا تھا۔ عنبر لندن کی سڑکوں پہ آوارہ گردی
کرنے لگا اسے ناگ اور ماریا سے ملنے کی نہیں بلکہ اپنے آپ کو پھر
سے اصلی حالت میں لانے کی پریشانی تھی۔ پھرتے پھراتے وہ ایک
گلی میں سے گزرا تو ایک مکان کے باہر بورڈ لگا تھا۔
"یہاں روحوں کو بلایا جاتا ہے۔"
فیس۔ ایک پونڈ۔ اپنی پسند کی روح کو بلا کر اس سے
گفتگو کریں۔

عنبر نے سوچا کہ چلو ذرا یہ تماشہ بھی دیکھتے ہیں۔ وہ مکان کے
دروازے ہی سے گزر کر اندر داخل ہو گیا اندر ایک گول میز کے
گرد ایک بوڑھی عورت شیشے کا جگمگاتا ہوا گلوب سامنے رکھے بیٹھی
تھی اس کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی تھی بوڑھی عورت کی آنکھیں
بند تھیں اور وہ منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ رہی تھی۔
عنبر دیوار کے سامنے لگی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت نے آنکھیں
کھول دیں اور کہا۔
"اے لڑکی۔ تمہارے باپ کی روح آ رہی ہے۔ مگر
ایک مشکل بیچ میں آن پڑی ہے"
"کون سی مشکل۔ لڑکی نے پریشان ہو کر پوچھا۔
بوڑھی عورت نے کہا۔
روح کہتی ہے میرے نام پر پانچ پاؤنڈ خیرات کرو۔ پھر
آؤں گی۔
لڑکی نے کہا۔
لیکن میرے پاس تو ایک پائی بھی نہیں ہے ایک پونڈ تھا
وہ تمہاری فیس ادا کر دی"
بوڑھی عورت نے کہا۔
پھر میں مجبور ہوں میں روح کو نہیں بلا سکتی۔ جاؤ جب تم
پانچ پونڈ ہوں گے آ جانا۔

لڑکی نے کہا۔
لیکن میرا ایک پونڈ تو مجھے واپس کر دو۔
بوڑھی عورت نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔
"وہ تمہارا ایک پونڈ روح کے آدھے راستے تک آنے کے کرائے میں
خرچ ہو گیا ہے۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔
بے چاری غریب لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی۔ عنبر کو بوڑھی عورت پر سخت
غصہ آیا اس نے بلند آواز میں بالکل روح کی طرح کہا۔
میں اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے آ گیا ہوں"
میں اس کے باپ کی روح ہوں"
بوڑھی عورت تو خوف سے کانپ اٹھی۔ کیونکہ وہ تو جھوٹ موٹ
روحوں کو بلایا کرتی تھی یہاں اصلی روح آ گئی تھی لڑکی کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے اس نے منہ اوپر اٹھا کر کہا۔
"ڈیڈی۔ کیا تم ہو"
"ہاں بیٹی! میں تمہارے باپ کی روح ہوں میں تمہیں یہ خوش
خبری دینے آیا ہوں کہ تم فکر نہ کرو تمہاری تکلیفیں دور
ہو جائیں گی۔
لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔
"ڈیڈی! میری تکلیفیں میری مصیبتیں کیسے دور ہو سکتی ہیں
میرا ایک ہی بیٹا ہے وہ جیل میں پھانسی کی کوٹھڑی میں پڑا

موت کا انتظار کر رہا ہے۔ ڈیڈی! میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔
جو سوچتی ہوں کہ ایک دن اُسے پھانسی پر ٹکا دیا جائے
گا اس کے سوا میرا کوئی نہیں۔ میرا خاوند اللہ کو پیارا ہو
چکا ہے میں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گذارہ کرتی
ہوں۔ ڈیڈی۔ خدا کے آگے میری سفارش کرو۔ میری فریاد
خدا تک پہنچاؤ کہ وہ میری مدد کرے۔

اور لڑکی ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ بوڑھی عورت ابھی تک
حیران بیٹھی تھی کہ یہ اصلی روح کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ کیونکہ
اس نے تو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کمرے کی دیواروں میں خفیہ
لاؤڈ سپیکر لگا رکھے تھے جس میں سے روحوں کی نقلی آوازوں کے
بھرے ہوئے ٹیپ کی آواز آیا کرتی تھی۔

ادھر عنبر سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی تو بہت دکھی ہے اگر اسے
بیٹی کہا ہے تو پھر اس کی ضرور مدد کرنی چاہیے اس نے کہا۔

بیٹی۔ گھر چلو۔ میں تم سے وہاں جا کر بات کروں گا۔

لڑکی خوش ہو کر اٹھی اور روح گھر سے باہر نکل گئی۔ عنبر نے
بوڑھی عورت کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مائی بے بے۔ اگر اب تو نے کسی عورت کو لوٹا تو میں اگر
تیری جان نکال دوں گا
میں موت کا فرشتہ ہوں"

عورت نے کانوں پر اپنے کانپتے ہاتھ رکھے اور کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ آئندہ یہ دھندا نہیں کروں گی بالکل
نہیں کروں گی"

"شاباش۔ آج سے یہ روحوں کا گھر بند کر دے"!

اور عنبر تیزی سے باہر نکل آیا اور اپنی منہ بولی بیٹی کے پیچھے
پیچھے چلنے لگا کیونکہ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی منہ بولی
بیٹی کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتی ہے لڑکی ایک بس میں بیٹھ گئی
عنبر بھی اس بس میں سوار ہو گیا۔ بس شہر کے ایک غریب علاقے
میں جا کر ایک سٹاپ پر رکی تو وہ لڑکی اتر کر ایک گلی میں داخل
ہو گئی۔ یہاں ایک گندے سے مکان کے ایک کمرے میں وہ رہتی
تھی۔ کمرے میں پرانا پلنگ اور ایک صوفہ پڑا تھا باورچی خانہ بھی اسی
کمرے میں ایک طرف تھا

لڑکی منہ ہاتھ دھو کر کرسی پر بیٹھ گئی اور کمرے میں ادھر ادھر
دیکھ کر بولی

"ڈیڈی۔ کیا تم آ گئے ہو"؟

عنبر دیوار کے ساتھ لگی اس کی ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ جس میں
وہ اپنے خاوند کے ساتھ شادی کے لباس میں کھڑی تھی۔ نیچے
اس کا نام مارگریٹ لکھا تھا عنبر نے آہستہ سے روح کی آواز نکال
کر کہا۔

"ہاں مارگریٹ۔ میں آگیا ہوں"

لڑکی نے پھر رونا شروع کر دیا اور اپنی ساری مصیبتیں، پریشانیاں اور دکھ عنبر کو اپنے باپ کی روح سمجھتے ہوئے بیان کر دیں۔

عنبر کا دل ہل گیا کیونکہ اس کے لڑکے کو بے گناہ پکڑا گیا تھا اور ایک دولت مند آدمی اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے اس کے بیٹے کو پھانسی کے تختے پر چڑھوا رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"پیاری بیٹی مارگریٹ! بالکل نہ گھبراؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ آخر میں تمہارے باپ کی روح ہوں۔ میں تمہارے بیٹے کو تمہارے پاس لے آؤں گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کس جیل میں ہے اور وہ جیل کہاں ہے۔"

مارگریٹ نے خوش ہو کر کہا۔

"ڈیڈی کیا میرا بچہ پھانسی نہیں چڑھے گا"

"نہیں بیٹی۔ میرے خدا نے چاہا تو وہ پھانسی نہیں چڑھے گا۔"

عنبر نے اپنی منہ بولی بیٹی سے جیل کا پتہ لے لیا۔

اس جیل کی ایک پھانسی کی کوٹھڑی میں اس کا بیٹا جس کا نام جونی تھا موت کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جیل سب سے بڑی جیل تھی اور شہر سے دس میل کے فاصلے پر تھی۔ عنبر اس طرف روانہ ہو گیا۔ پتہ اس کی منہ بولی بیٹی مارگریٹ نے اسے بتا دیا تھا۔ عنبر چاہتا تھا کہ جب رات کا اندھیرا ہو جائے تب وہ جیل میں جائے کیونکہ وہ اپنی منہ بولی بیٹی کے اکلوتے بیٹے جونی کو جیل سے فرار کر کے لانا چاہتا تھا۔

دن اس نے ادھر ادھر آوارہ گردی میں گزار دیا۔ شام ہوئی تو وہ ہوٹل میں جا کر بیٹھ گیا۔ یہاں لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اور کافی چائے سے دل بہلا رہے تھے۔ عنبر نے کچن میں جا کر

ایک بیرے کے ٹرے میں سے کوکا کولا کی بوتل اٹھالی۔ بیرے نے حیران ہوکر اِس پاس دیکھا اور پھر باورچی سے کہا۔

"کوکا کولا تم نے نہیں دیا۔"

باورچی نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ابھی تو میں نے تمہیں بوتل کھول کر دی تھی۔ تم نے خود پی لی ہوگی۔"

بیرا بگڑ گیا۔ بولا۔

ابھی ٹرے میں رکھی تھی۔ خدا جانے کہاں چلی گئی۔

باورچی قہقہہ مار کر ہنسا۔

میرا خیال ہے یہاں کوئی بھوت آگیا ہے اب تو تم اپنے پیسے خرچ کرکے کوکا کولا کی بوتل لوگے۔

بیرے نے کہا۔

اچھا بھائی۔ پیسے لے لو۔ مگر گاہک میرا انتظار کررہا ہے جلدی سے بوتل دے دو۔

باورچی نے اُسے دوسری بوتل کھول کر دی اور بیرا چلا گیا۔ بیرے کے جانے کے بعد باورچی نے اپنے لئے ایک سیون اَپ کی بوتل کھول کر تھوڑی سی پی اور باقی سامنے رکھ کر کام کرنے لگا۔ عنبر نے اس کی آنکھوں کے سامنے سیون اَپ کی بوتل اٹھالی باورچی دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک تھا یہاں کوئی بھوت آگیا ہے۔ اور وہ بھوت میں ہوں"

اور عنبر نے سیون اپ کی بوتل زور سے زمین پر مار کر توڑ دی۔ باورچی اپنی کرسی سے اچھلا کر بھوت بھوت کا شور مچاتا وہاں سے بھاگ گیا۔ سارے ہوٹل میں شور مچ گیا کہ بھوت آگیا ہے۔ گاہک اٹھ کر دوڑ گئے۔ ہوٹل بالکل خالی ہوگیا۔ پولیس اندر آگئی۔ عنبر باہر نکل گیا۔

جب رات زیادہ گہری ہوگئی تو عنبر نے جیل کی طرف چلنا شروع کر دیا اس جیل کی عمارت کی روشنیاں دور سے عنبر کو دکھائی دینے لگیں پاس جاکر اس نے دیکھا کہ یہ ایک چھ سات منزلہ بہت بڑی جیل ہے جس کے گرد دیوار بنی ہوئی ہے اور اس کے اوپر کانٹوں والی تار لگی ہے اس جیل سے کسی کا فرار ہونا کوئی آسان بات نہیں تھی لیکن عنبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی منہ بولی بہن کے اکلوتے لڑکے جونی کو ہر حالت میں یہاں سے نکال کر لے جائے گا اور اس کی ماں کے پاس پہنچا دے گا۔

عنبر چونکہ غائب تھا اس لیے ماریا کی طرح اسے بھی اس بات کی پروا نہیں تھی کہ دروازہ بند ہے یا کھلا۔ وہ جیل کے بہت بڑے لوہے کے دروازے میں سے اندر داخل ہوگیا باہر دیوار کے گرد ا

گردپھر کر اُس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے کس جگہ سے جونی کو فرار کرانا ہوگا جیل کے اندر ایک بالکل نئی دنیا آباد تھی۔ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والے چھوٹے چھوٹے کمروں میں قیدی بند تھے کوئی گا رہا تھا اور کوئی سو رہا تھا پہرے دار سپاہی پستول لگائے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر کو ان کوٹھڑیوں کی تلاش تھی جہاں پھانسی دینے والے مجرموں کو رکھا جاتا ہے اس نے ساری جیل چھان ماری آخر تیسری منزل پر گھومتے ایک لمبا برآمدہ نظر آیا جس کے آمنے سامنے پھانسی کی کوٹھڑیاں بنی ہوتی تھیں۔ یہ کوٹھڑیاں ساری کی ساری خالی تھیں۔ صرف کونے والی دو کوٹھڑیوں میں دو ایسے قیدی بند تھے جن کو تھوڑے دنوں میں پھانسی لگنی تھی۔ عنبر نے اپنی منہ بولی بیٹی مارگریٹ کے بیٹے جونی کو پہلے نہیں دیکھا تھا اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ ان دونوں میں سے جونی کون تھا۔

دونوں پھانسی کے مجرم جاگ رہے تھے۔ دونوں گورے تھے ایک کوئی کتاب پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرا لیٹا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا اخبار پڑھتے پڑھتے وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا اور سسکیاں بھر کر رونے لگا

گارڈ نے اس کی سلاخوں کے پاس آکر کہا۔

"جونی اب رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تمہیں دو تین دنوں میں پھانسی لگ جائے گی"

"عنبر سمجھ گیا کہ یہی جونی ہے۔ جونی ایک دبلا پتلا شریفانہ چہرے والا لڑکا تھا وہ کس طرف سے بھی ایسا لڑکا نہیں لگتا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا ہو۔ اس نے کہا۔

"گارڈ! میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا تھا۔ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ میرے بعد میری ماں کا کیا ہوگا اس کا میرے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اور جونی سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔ گارڈ نے کہا۔ اچھا اب خاموش ہو جاؤ تمہیں معلوم نہیں کہ جیل میں رونا منع ہے۔

جونی سسکیاں بھرتے بھرتے خاموش ہو گیا۔ اس نے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو قمیض سے پونچھے اور گہری آہ بھر کر دیوار سے ٹیک لگا کر سر جھکا کر بیٹھ گیا گارڈ پہرہ دیتا ہوا ڈنڈا لہراتا آگے نکل گیا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے جونی کو یہ بتاتا کہ وہ اسے فرار کرانے آیا ہے اور تیار ہو جائے اس وقت تک فضول تھا جب تک کہ اس کے فرار کا راستہ صاف نہیں ہو جاتا۔ اس کے راستے کی

سب سے بڑی رکاوٹ تیری
منزل تھا اتنی بلندی سے نیچے اُترنے کے لیے رسی کی ضرورت تھی
جو عنبر ساتھ لانا بھول گیا تھا۔

عنبر کو معلوم تھا کہ وہ خود تو غائب ہے مگر جونی کو غائب نہیں
کر سکتا وہ جب جیل کی کوٹھڑی میں سے نکلے گا تو سب کو پتہ چل
جائے گا اور پولیس اسے فوراً گرفتار کرے گی اور اگر اس نے
بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گولی مار دے گی۔

اس صورت میں جونی کی جان کا خطرہ تھا۔

عنبر غور کرنے لگا کہ کون سی ایسی سکیم ہو سکتی ہے۔ جس
پر عمل کر کے وہ جونی کو یہاں سے بھگا لے جائے۔ وہ رات بھی
عنبر نے جیل کی عمارت میں گھوم پھر کر گذار دی اس نے دیکھا کہ
جیل کی پانچویں منزل پر قیدیوں کے لیے ہسپتال بنا ہوا تھا اور
یہاں قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں میں بار بار جھانکا نہیں جاتا
جو قیدی بیمار پڑتا ہے اس کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ لگ جاتا ہے
مگر اندر بار بار کوئی سپاہی نہیں جاتا تاکہ قیدی کو مکمل آرام مل
سکے۔

دل میں یہ فیصلہ کر کے کہ جونی کو جیل سے فرار کروانے کے
لیے اسے پانچویں منزل کے ہسپتال میں لانا ہو گا۔ عنبر نیچے کی منزل
میں آگیا۔

عنبر اب جونی سے ملاقات کرنا چاہتا تھا وہ اس کی کوٹھڑی
میں داخل ہو گیا۔

دوپہر کا وقت تھا جونی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بنچ پر سر
جھکائے بیٹھا تھا باہر گارڈ اس کی کوٹھڑی سے دور تھا۔ عنبر
نے جونی کا نام لے کر آواز دی تو وہ یونہی ذرا سا چونکا اور پھر
سر جھکا دیا عنبر نے دوسری بار اسے پکارا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کون ہے؟"

جونی ڈرا ہوا تھا وہ عنبر کی آواز کو کسی بھوت کی آواز سمجھ
رہا تھا عنبر نے کہا۔

"جونی میری آواز سن کر ڈرنا نہیں۔ میں کوئی بھوت نہیں
ہوں بلکہ ایک انسان ہوں تمہاری طرح کا۔ صرف فرق
اتنا ہے کہ میں کسی وجہ سے غائب ہو گیا ہوں اور نظر نہیں
آتا۔ ہو سکتا ہے خدا نے ہمیں تمہیں بچانے کے لیے غائب
کیا ہو۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے تم بے گناہ ہو۔"

جونی نے کہا۔

"کیا۔ کیا تم مجھے یہاں سے لے جانے کے لیے آئے ہو
دوست؟"

"یہ بڑا مشکل کام ہے دوست۔ تم ایسا نہیں کر سکو گے۔"
عنبر نے کہا۔

دنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ انسان کو ہمت سے کام
لینا چاہیئے۔ جس طرح میں آپ کو کہوں اسی طرح تم کرو
اور میں تمہیں یہاں سے نکال کر تمہاری والدہ کے پاس
لے جاؤں گا۔

جونی نے کہا۔

"کیا تم میری ماں سے ملے ہو"۔

"ہاں۔ عنبر بولا۔ میں تمہاری ماں سے مل کر آ رہا ہوں
اب تم ایسا کرو گے جیسا میں کہوں گا

"ٹھیک ہے"

"ٹھیک ہے۔ جونی بولا۔

گارڈ قریب آگیا اس نے سلاخوں میں جھانک کر دیکھا

"جونی کس سے باتیں کر رہے ہو"

"اپنے آپ سے سر۔ جونی بولا"

گارڈ نے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کوٹھڑی میں اکیلے ہو اور ظاہر
ہے اپنے آپ سے ہی بات کر رہے ہو گے لیکن حوصلہ کرو
اس طرح تم پاگل ہو جاؤ گے۔

عنبر ہنس دیا۔

جونی خاموش ہو گیا۔ گارڈ چلا گیا تو عنبر نے سرگوشی میں

جونی کو وہ سب کچھ سمجھایا جو اس نے کرنا تھا عنبر چلا گیا رات
کو جونی نے ایک دم تڑپنا شروع کر دیا۔ سپاہی اور گارڈ وہاں
آ گئے جونی پیٹ کو پکڑے بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"مر گیا۔ اف۔ میرا پیٹ سخت درد کر رہا ہے

"اُف میں مر گیا۔

اس نے چلا چلا کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اسی وقت ڈاکٹر
آ گیا۔ اس نے گارڈ کو ہدایت کی کہ جونی کو ہسپتال میں داخل
کرایا جائے تھوڑی دیر بعد جونی کو سٹریچر پر ڈال کر اوپر
ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ اسے انجکشن لگایا گیا دوائی پلائی گئی
اور جونی نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے کچھ سکون آ گیا ہے
جب ڈاکٹر اور سپاہی اس کے کمرے سے چلے گئے تو عنبر وہاں
آ گیا اس نے جونی سے کہا۔

"میں نے ساری سکیم سوچ رکھی ہے صبح ہو گی تو بستروں
کی چادریں بدلوانے والے آدمی آئیں گے ان کے ساتھ ایک
ٹرالی ہوتی ہے جس میں وہ پرانی چادریں رکھتے جاتے
ہیں اس کے بعد کیا ہو گا۔ میں تمہیں صبح بتاؤں گا۔

عنبر چلا گیا۔ باقی رات عنبر نے جیل کی چھت پر گھومتے پھرتے
گذار دی۔ صبح ہوئی تو عنبر نے دیکھا کہ ایک آدمی بڑی سی ٹرالی
لیے ہسپتال کے ایک ایک کمرے میں جاتا ہے اور اندر سے میلی

چادریں اُٹھا کر ٹرالی میں ڈال کر آگے بڑھ جاتا ہے یہ آدمی جب جونی کے کمرے میں داخل ہوا تو عنبر بھی اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا۔

اس نے اندر جاتے ہی اس آدمی کے سر کے پیچھے ایک زور دار ہاتھ دے مارا۔ وہ آدمی چکرا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

جونی گھبرا کر بستر سے اٹھا تو عنبر نے کہا۔

"فوراً اس آدمی کے کپڑے پہن لو اور اپنے سر پر اس کی ٹوپی بھی رکھ لو۔"

جونی سمجھ گیا کہ یہ کام اس کے غیبی دوست کا ہے۔ وہ جلدی سے بستر پر سے اُٹھا اور میلی چادریں اکٹھی کرنے والے کے کپڑے اتار کر خود پہن لیے

عنبر نے کہا۔

اب ٹرالی میں اپنی بھی گندی چادریں ڈالو اور واپس چلو۔ جیل کے احاطے میں ایک ٹرک کھڑا ہے جو گندے کپڑے جیل سے باہر لے جاتا ہے باقی سکیم میں تمہیں وہاں جا کر بتاؤں گا۔

جونی نے ٹوپی بھی پہن لی اور سر نیچا کر کے سیٹی بجاتے ہوئے بڑی بے نیازی سے میلے کپڑوں کی ٹرالی لے کر کوٹھڑیوں سے

سے باہر نکل آیا عنبر نے کہا۔

"جیل کے احاطے تک تمہارا راستہ صاف ہے۔ وہاں تک تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ میں تمہیں وہاں ملوں گا۔"

جونی ٹرالی لیے بڑے مزے سے کوریڈار میں سے ہو کر لفٹ میں سوار ہو گیا اور نیچے اترنے لگا عنبر بڑی تیزی سے جونی کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ پانچ منٹ بعد گارڈ کے سپاہی آ جائیں گے اور جونی کی خالی کوٹھڑی دیکھ کر جیل کا الارم بجا دیں گے عنبر جونی کی کوٹھڑی کے پاس آیا تو ایک گارڈ وہاں پہنچ رہا تھا جب وہ گارڈ جونی کی خالی کوٹھڑی کے قریب آیا تو عنبر نے اس کی گردن پر زور سے مکا مارا۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گر پڑا عنبر نے اس کو گھسیٹ کر جونی کی خالی کوٹھڑی کے بستر پر لیٹا کر اوپر کمبل ڈال دیا

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر بڑی تیزی سے نیچے جیل کے احاطے میں آ گیا۔ یہاں احاطے میں ایک ٹرک کھڑا تھا جو جیل سے میلے کپڑے باہر لے جاتا تھا جونی ٹرالی لیے ٹرک کے قریب کھڑا تھا اور ڈرائیور اس میں سے میلی چادریں وغیرہ نکال کر ٹرک کے اندر ڈال رہا تھا۔

عنبر نے آگے بڑھ کر جونی کے کان میں کہا۔

"میں اس ڈرائیور کی توجہ دوسری طرف کرتا ہوں تم فوراً

ٹرک کے اندر میلے کپڑوں کے ڈھیر میں گھس کر اپنے آپ کو چھپا لینا۔

"اچھا دوست"

جونی نے آہستہ سے کہا۔

عنبر ٹرک کے آگے کی طرف آگیا اس نے ٹرک کے انجن کے بونٹ کو یوں اوپر اٹھا دیا جیسے کھٹکا کھل جانے سے اپنے آپ اُوپر اُٹھ گیا ہو۔ عنبر نے انجن کی تار کو زور سے ہلایا۔ ٹرک کا ہارن بجنے لگا۔

"ارے۔ یہ کیا ہو گیا انجن کو"

ڈرائیور بھاگ کر انجن کے پاس آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کمبخت ضرور آج پھر بونٹ کا کھٹکا کھل گیا ہوگا۔ اس چھکڑے سے اب مجھے نجات حاصل کرنی ہوگی زندگی برباد کر دی ہے اس چھکڑا میل ٹرک نے میری"

ڈرائیور بڑبڑاتے ہوئے انجن کے ہارن کی تار کو الگ کرنے لگا جونی ٹرالی کو پرے دھکیل کر ٹرک کے اندر چھلانگ لگا دی اور اپنے آپ کو کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا دیا۔ اتنے میں ڈرائیور بھی انجن کا بونٹ بند کرنے کے بعد آگیا اور خالی ٹرالی کو ذرا پرے کھڑے دیکھ کر بولا۔

"یہ ٹرالی والا کہاں گیا۔ شاید بھاگ گیا ہے سالا"

"چلو ہمیں کیا"۔

وہ ٹرک پر سوار ہوا اور اسے اسٹارٹ کر کے جیل کے بڑے گیٹ کے پاس آکر رک گیا گیٹ پر کھڑے گارڈ نے ٹرک کے ڈرائیور سے کہا۔

"کارڈ دکھاؤ"

"روز کے گاہک ہیں جناب ہم تو"

"جانتا ہوں دوست۔ مگر ڈیوٹی آخر ڈیوٹی ہوتی ہے"

اس نے ڈرائیور کا ایک کارڈ دیکھ کر واپس کیا اور پیچھے آگیا۔ پیچھے ٹرک کے اندر میلی چادروں اور کمبلوں کا ڈھیر لگا تھا۔

"آج ڈھیر کچھ زیادہ لگتا ہے اس میں کوئی قیدی تو نہیں چھپا ہوا۔"

گارڈ نے مسکرا کر مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔

ڈرائیور نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ارے یار! کمبخت کبھی کسی قیدی کو خیال ہی نہیں آیا کہ وہ میرے گندے کپڑوں کے ڈھیر میں چھپ کر بڑی آسانی سے فرار ہو سکتا ہے یار تمہاری جیل کے سارے قیدی نامرد ہیں"

گارڈ میلی چادروں اور کمبلوں کے ڈھیر میں ڈنڈا گھسا گھسا کر
دیکھ رہا تھا کہ اس کے اندر کوئی قیدی تو نہیں چھپا ہوا۔ ایک بار تو
ڈنڈا چادروں کے ڈھیر میں چھپے ہوئے جونی کے پیٹ میں جا کر
زور سے لگا درد سے اس کی چیخ نکلنے لگی مگر اس نے جلدی
سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا یہ اس کی زندگی اور موت کا
سوال تھا۔

گارڈ نے کہا۔

"اوکے۔ سب ٹھیک ہے۔ تم جا سکتے ہو۔

تھینک یو۔" ڈرائیور نے سر جھکا کر کہا۔

اس نے ٹرک اسٹارٹ کیا اور جیل کے گیٹ سے باہر کھلی اور
آزاد فضا میں نکل گیا۔

عنبر اس ٹرک میں پیچھے کپڑوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھا ہوا
تھا۔

وہ اسوقت بھی بیٹھا ہوا تھا جب پہرے دار گارڈ ڈھیر میں
ڈنڈے گھسیڑ رہا تھا اگر اسے جونی کا پتہ چل جاتا تو عنبر نے سوچ
رکھا تھا کہ وہ گارڈ کی گردن توڑ ڈالے گا تاکہ وہ آواز بھی نہ
نکال سکے۔

لیکن یہ مشکل وقت بھی گذر گیا اور اب ٹرک جیل سے نکل کر
شہر کی آزاد فضاؤں میں سے گذر رہا تھا۔

جونی نے بھی کپڑوں کے ڈھیر میں سے سر باہر نکال کر کھلی
فضاؤں میں دیکھا اور مسکرا دیا عنبر نے اس کے سر پر آہستہ سے
چپت مار کر کہا۔

"ابھی چھپے رہو۔"

اور جونی نے جلدی سے گردن کپڑوں کے ڈھیر کے اندر کر لی
ٹرک شہر کے بازاروں سے نکل کر دریا کے کنارے آ گیا۔ یہاں ایک
گھاٹ پر بہت بڑا واشنگ سٹور تھا ٹرک کی رفتار ہلکی ہوئی تو عنبر
نے جونی سے کہا۔

"باہر چھلانگ لگا دو۔"

جونی نے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ گھاس میں گر پڑا۔ عنبر بھی
اس کے پاس آ گیا اس نے کہا۔

"تم اس جگہ گھاس میں چھپے رہو۔ میں تمہارے لیے نیا جوڑا
کپڑوں کا لاتا ہوں تاکہ تم یہ جیل کی وردی بدل سکو۔

عنبر واشنگ شین پر گیا۔ یہاں بے شمار پتلونوں اور جیکٹوں
کے ڈھیر لگے تھے عنبر نے ایک پتلون اور جیکٹ اٹھائی اور جونی
کے پاس آ کر اس کے آگے پھینک دی۔

"اسے پہن لو جونی۔"

جونی نے جیل کے کپڑے اتار کر دوسرے شہریوں جیسے کپڑے
پہن لیے۔ عنبر اسے لے کر سڑک پر آ گیا۔ یہاں انہوں نے ایک ٹیکسی

لی اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جونی کی ماں نے جب اپنے بیٹے کو دیکھا تو اس سے لپٹ گئی ماں بیٹے کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"تم لوگوں کو اس گھر میں نہیں رہنا ہو گا یہاں سے جلدی سے نکل جاؤ کیونکہ جونی کے فرار کا علم ہو چکا ہو گا اور پولیس یہاں آ رہی ہو گی۔

راستے میں عنبر نے جونی کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ اس کی ماں اسے اس کے باپ کی روح سمجھ رہی ہے جبکہ وہ کوئی روح نہیں ہے۔

"میں چاہتا ہوں جونی کہ تم اپنی ماں کو یہی سمجھنے دو کہ میں تمہارے نانا کی روح ہوں اسے یہ مت بتانا کہ میں روح نہیں ہوں"

چنانچہ جونی کی ماں نے کہا۔

"ڈیڈی ہم کہاں جائیں"

عنبر نے کہا۔ "میرے ساتھ چلو"

عنبر نے ٹیکسی کروائی گھر کو تالا لگوایا اور دونوں ماں بیٹے کو ساتھ لے کر ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔ عنبر نے جونی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو کہے کہ وہ شہر سے باہر چلے"

ٹیکسی جب شہر سے کافی دور باہر نکل آئی تو عنبر نے ٹیکسی سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈرائیور کو کہا ٹیکسی سارا دن اس سڑک پر چلتی رہی شام کو انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی وہ اس گاؤں کی چھوٹی سی بندرگاہ پہ آگئے۔ یہاں سے چھوٹے جہاز فرانس کی بندرگاہ کیلئے تک جاتے تھے عنبر نے مارگریٹ سے کہا۔

"بیٹی! یہاں سے تمہارا میرا ساتھ ختم ہوتا ہے تم اپنے بیٹے کو لے کر جہاز میں سوار ہو کر فرانس کی طرف چلی جاؤ۔ میں واپس جنت کی طرف جا رہا ہوں۔

مارگریٹ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے کہا۔

"ڈیڈی آپ پھر کب ملیں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"پھر کبھی جب تمہیں میری ضرورت ہو گی میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔"

پھر اس نے جونی سے کہا۔

"جونی بیٹا۔ اپنی ماں کا خیال رکھنا اس کی خدمت کرنا اور لندن کبھی نہ جانا۔

جونی نے مسکرا کر کہا۔

فکر نہ کریں نانا جان! میں اپنی ماں کی خدمت کروں گا اور فرانس میں رہ کر روزی کماؤں گا۔

عنبر نے کہا۔

شاباش بیٹا۔ اچھا خدا حافظ۔

"خدا حافظ ڈیڈی"

اور عنبر وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔

پیارے دوستو۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ناگ، ماریا کے گم ہو جانے کے بعد گھوڑے پر سوار ماریا اور عنبر کی تلاش میں چلا جا رہا تھا وہ دمشق کے ملک کے قریب پہنچ رہا تھا۔

دوسری طرف ماریا اور کیٹی جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہو گا۔ بمبئی میں دلیپ کمار کے گھر میں رہ رہی تھیں اور دلیپ کمار کے یہ کہنے پر کہ وہ درگاہ شریف پر جا کر اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے دعا کریں چنانچہ ماریا اور کیٹی دلیپ کمار کی گاڑی میں بیٹھ کر سمندر میں بنی ہوئی درگاہ شریف پہنچیں۔ یہ بڑی خوبصورت درگاہ تھی۔ چمکتا ہوا گنبد بنا تھا۔ مزار پہ قوالی ہو رہی تھی۔ لوگ پھول چڑھا رہے تھے۔ ماریا اور کیٹی ایک طرف سے ہو کر درگاہ کے اندر آگئیں۔

انہوں نے ناگ اور عنبر سے ملنے کے لیے دعا کی اور درگاہ
کے پیچھے آگئیں جہاں سمندر میں بڑی بڑی چٹانیں کھڑی تھیں
ماریا اور کیٹی یہاں بیٹھ گئیں۔ وہ ناگ اور عنبر کے بارے میں
باتیں کرتی رہیں۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ میرے بانسری بجا کر گم ہو جانے پر تم پریشان
ہوا ہوگا۔"

کیٹی بولی۔

"یہ تو ہمارے سفر کا ایک حصہ بن گیا ہے ماریا بہن۔ کبھی
ملتے ہیں اور کبھی جدا ہو جاتے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"کیٹی۔ کیا تمہیں اپنے سیارے کی دنیا یاد نہیں آتی۔"

کیٹی نے کہا۔

"میرے سیارے کی مخلوق میری دشمن ہے۔ وہ مجھے ہلاک
کرنا چاہتی ہے میں اپنی دنیا میں کبھی نہیں واپس جانا
چاہتی۔"

کیٹی نے کہا۔

کیٹی نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا سمندر کی طرف سے
ہلکی ہوا آرہی تھی لہریں آکر چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ باتیں کرتے

کرتے انہیں معلوم ہی نہ ہوا کہ سورج غروب ہو گیا ہے۔ جب وہ
واپس جانے کے لئے چٹان سے پیچھے آئیں تو دیکھا کہ سمندر کا پانی درگاہ
شریف کے چاروں طرف پھیل گیا تھا اور باہر جانے کا راستہ
بند ہو گیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"اب ہمیں یہ رات اسی جگہ بسر کرنی ہوگی کیونکہ سمندر
کا پانی صبح واپس جائے گا۔"

کیٹی بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں بمبئی شہر جا کر کیا لینا تھا۔
رات اسی جگہ بیٹھے باتیں کرتی رہیں گی۔"

انہوں نے درگاہ شریف کا ایک اور چکر لگایا اور جس طرف
چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں وہاں جا کر چٹان پر بیٹھ گئیں
ماریا تو غائب تھی۔ لوگ صرف ایک لڑکی کو بیٹھا دیکھ رہے تھے
جو کیٹی تھی۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک سادھو وہاں آگیا۔ اس
نے کہا۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو۔"

ماریا نے چونک کر سادھو کو دیکھا کیونکہ سادھو نے "دونوں"
کو مخاطب کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے کیٹی کے ساتھ ماریا کو

کو بھی دیکھ لیا تھا رکیٹی نے کہا۔

"سادھو مہاراج ۔ کیا آپ میری سہیلی کو دیکھ رہے ہیں"

سادھو مسکرایا ۔ "میں تمہاری سہیلی کو بھی دیکھ رہا ہوں اور تمہاری چوکور آنکھوں کو بھی پھٹنے کے قریب دیکھ رہا ہوں"

ماریا اور کیٹی چٹان سے اتر کر سادھو کے پاس آ گئیں ماریہ نے کہا۔

"سادھو جی! اگر آپ ایک غائب اور نظر نہ آنے والی عورت کو دیکھ سکتے ہیں تو یہ بتایئے کہ ہمارے بھائی ناگ اور عنبر کہاں ہیں۔

سادھو بولا۔

"یہ بھگوان کا راز ہے ۔ اس کو میں نہیں کھول سکتا۔ میں بتانا بھی چاہوں تو نہیں بتا سکتا۔

کیٹی نے کہا۔

پھر تو آپ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔

سادھو بولا۔

"میں تمہیں اس جگہ لے سکتا ہوں جہاں سے تم اپنے بھائیوں ناگ اور عنبر کو ملنے کے لیے اپنا سفر شروع کر سکتی ہیں"

ماریا نے کہا۔

"وہ کون سی جگہ ہے؟"

"سادھو نے کہا"

وہ جگہ یہاں سے تھوڑی دور سمندر میں ایک چٹان کے اندر ہے میرے ساتھ آؤ۔

ماریا اور کیٹی کچھ ہچکچائیں ۔ پھر سادھو کے ساتھ روانہ ہو گئیں سادھو سمندر کے کنارے آ گیا ۔ یہاں ایک کشتی کھڑی تھی ۔ سادھو نے کہا۔

"اس کشتی پر سوار ہو جاؤ ۔ یہ کشتی تمہیں اس چٹان کے پاس لے جائے گی جس کے اندر ایک جادو کا غار ہے اس غار میں داخل ہونے کے بعد تم ناگ اور عنبر کے شہروں کو جانے والی سڑک کا سراغ لگا سکتی ہو۔

ماریا اور کیٹی کشتی میں بیٹھ گئیں اور کشتی سمندر میں بہنے لگی۔

رات کے اندھیرے میں کشتی سمندر میں چلی جا رہی تھی۔
آسمان پر تارے چمک رہے تھے کشتی بمبئی کی روشنیوں سے
دور ہوتی جا رہی تھی ماریا نے سادھو سے پوچھا۔

"سادھو مہاراج ۔ وہ چٹان کہاں ہے جہاں آپ ہمیں
لئے جا رہے ہیں؟"

سادھو نے مسکرا کر کہا۔

"میری بچی۔ گھبراؤ مت ۔ وہ سامنے دیکھو۔ ایک چٹان
سمندر میں سے ابھری ہوئی ہے۔ یہی وہ چٹان ہے"

ماریا نے دیکھا کہ سمندر میں مشرق کی طرف ایک تکونی چٹان اُبھری
ہوئی تھی کیٹی خاموش تھی دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں
کہ یہ پراسرار سادھو کیا انہیں نیک نیت سے لے جا رہا ہے یا ان
کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔

کشتی چٹان کے قریب ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی سادھو
نے کیٹی اور ماریا کو ساتھ لیا اور چٹان میں بنی ہوئی ایک غار میں
لے کر آگیا۔

غار تاریک تھا اور کیٹی اور ماریا سنبھل سنبھل کر چل رہی تھیں
سادھو غار کے اندر دور تک چلا گیا یہاں ایک کوٹھڑی بنی
ہوئی تھی۔ سادھو نے کوٹھڑی میں موم بتی جلائی۔ روشنی ہوئی۔
سادھو نے کہا۔

"میری بچیو ۔ تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہیں اس وقت ملوں
گا۔ جب سمندر پر سورج طلوع ہو رہا ہو گا پھر میں
تمہیں اس غار کے اندر اس جگہ لے چلوں گا جہاں سے
ایک اندھیری پگ ڈنڈی سمندر کے اندر ہی اندر سے
ہوتی ہوئی اس جنگل میں چلی جاتی ہے۔ جہاں تمہاری
ملاقات تمہارے بھائیوں سے ہو گی۔

سادھو کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی کیٹی نے کہا۔

"ماریا! مجھے اس سادھو کی نیت خراب لگتی ہے۔ تمہارا
کیا خیال ہے؟"

ماریا بولی

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ معلوم کروں

کہ یہ سادھو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

کیٹی نے کہا

"مگر تمہیں بہت ہوشیار رہنا ہو گا کیونکہ یہ سادھو تمہیں دیکھ سکتا ہے۔"

ماریا نے کہا

"مجھے یقین ہے کہ یہ سادھو کوئی آسمانی آدمی نہیں ہے ضرور اس کے پاس کوئی ایسا جادو ہے جس کی وجہ سے یہ مجھے دیکھ سکتا ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ جادو ختم کر دیا جائے تو یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا لیکن اس سے پہلے میں یہ پتہ کرنا چاہتی ہوں کہ یہ سادھو اصل میں کون ہے اور ہمیں یہاں کس نیت کے ساتھ لایا ہے۔

کیٹی نے کہا

"کیا تم کوٹھڑی سے باہر جاؤ گی۔"

"ہاں۔ مجھے جانا ہی ہو گا تم کوٹھڑی میں آرام سے بیٹھی رہو میں تھوڑی دیر میں آؤں گی۔"

ماریا خاموشی سے کوٹھڑی کے بند دروازے میں سے باہر نکل گئی چٹان کی غار میں اندھیرا تھا مگر ماریا سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ بڑے آرام سے دبے دبے قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی ماریا نے سوچا کہ شاید سادھو کو یہ علم نہیں تھا کہ ما

اگر غائب ہو سکتی ہے تو وہ بند دروازے میں سے بھی گذر سکتی ہے کیونکہ اس نے کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا تھا۔

اب ماریا کو یقین ہو گیا تھا کہ سادھو کی نیت اچھی نہیں ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کو کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا تھا۔

ماریا اندھیرے میں چٹان کے اندر غار میں چلتے چلتے ایک جگہ پہنچی تو اسے آواز سنائی دی یہ آواز سادھو کی تھی اس نے ایک جگہ دیوار کے ساتھ کان لگا دیا۔ آواز دیوار کی دوسری طرف سے آ رہی تھی۔ سادھو کہہ رہا تھا

"گورو مہاراج! میں خوش قسمت ہوں کہ آپ نے پہلے ہی دن میری آنکھوں میں غیبی چیزوں کو دیکھنے والا سرمہ لگایا اور میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھ لیا جو غائب تھی میں اسے آپ کے حکم کے مطابق یہاں لے آیا ہوں اب آپ اس عورت کو قبول کریں اور اس کی ساتھی عورت کو چاہے آزاد کر دیں چاہے ہلاک کر ڈالیں آپ نے میرے ساتھ جو شرط لگائی تھی اسے پورا کریں"

ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے جو سوچا تھا وہی نکلا سادھو ان دونوں کو دھوکے سے وہاں لایا تھا اور اس نے ماریا

سو صرف اسی لیے دیکھ لیا تھا کہ اس نے اپنے کسی گورد بھان
کا دیا ہوا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگایا ہوا تھا ماریا غور سے سادھو
کی بات سننے لگی۔

اب کسی گورد بھان کی آواز سنائی دی۔

تم نے اپنی شرط پوری کر دی ہے۔ میں خوش ہوں۔
اب میں اس غیبی عورت کو ماکشش کے دربار میں پیش
کر کے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رکھنے والی انگوٹھی
حاصل کر سکوں گا۔

سادھو نے کہا۔

میری شرط بھی پوری کریں گورد بھان "

گورد بھان کی آواز آئی

یہ لو اس سرمے کی ڈبیا جس کو آنکھوں میں لگانے سے
تم غیب کی چیزوں کو دیکھ سکو گے یہ سرمہ تمہاری ساری
زندگی کے لیے کافی ہوگا۔

سادھو نے کہا۔

"شکریہ گورد بھان ! میں جاتا ہوں"

ماریا دیوار کے ساتھ اندھیرے میں ہو گئی پھر اسے خیال آیا کہ
سادھو تو اسے دیکھ سکتا ہے۔ وہ وہاں سے واپس بھاگی اور اپنی
کوٹھی میں کیٹی کے پاس واپس آ گئی اس نے آکر ساری باتیں کیٹی

کو بتا دیں کیٹی پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے"

ماریا نے کہا۔

وہ سادھو جا رہا ہے وہ چلا جائے تو ہم یہاں سے فرار
ہو جائیں گے۔

کیٹی بولی۔ وہ تو کشتی لے جائے گا پھر ہم کیسے واپس جائیں گی

ماریا نے کہا۔

"تم بھول گئی ہو کہ تم چٹکی بجا کر پرندہ بھی بن سکتی ہو۔

کیٹی نے اچھل کر کہا۔

"ارے ہاں۔ میں اپنی چٹکی کو تو بھول ہی گئی تھی میں اپنی
چٹکی سے اور بھی کام لے سکتی ہوں۔

ماریا نے پوچھا۔

"اور کونسا کام تم لینا چاہتی ہو؟

کیٹی بولی "

میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ گورد بھان کیا چاہتا ہے
اور اس نے ہمیں یہاں کس لیے اغوا کرایا ہے۔

ماریا نے کہا۔

"اس جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے
کیٹی۔ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں کیونکہ جو گورد بھان

غیب کی چیزیں دیکھنے والا سرمہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔
وہ دوسری طاقتیں بھی رکھتا ہوگا۔
کیٹی خاموش ہو گئی کیونکہ اسے غار کے باہر کسی کے قدموں کی
آواز آئی تھی ماریا نے کہا۔
"سادھو واپس جا رہا ہے"۔
تھوڑی دیر کے بعد ماریا نے غار ہی سے نکل کر دیکھا کہ سادھو
کشتی میں سوار ہو کر واپس شہر کی طرف جا رہا تھا ماریا نے واپس
مڑ کر کیٹی کو بتایا کہ سادھو چلا گیا ہے۔
اب ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے
کیٹی نے کہا
اگر میں چٹکی بجا کر سادھو کی شکل بدل لوں تو گوروبھان
کے پاس جا کر اس کی نیت معلوم کر سکتی ہوں۔
ماریا بولی "
ابھی کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیٹی چلو یہاں سے نکل چلیں
کیٹی نے کہا۔
جیسے تمہاری مرضی۔"
ماریا نے کیٹی کو بتایا کہ کوٹھڑی کے باہر تالا لگا ہوا ہے۔
میں دروازے میں سے نکل جاتی ہوں تم کوئی کیڑا مکوڑہ

کے باہر تمہارا انتظار کروں گی۔
ماریا چلی گئی کیٹی نے ایک چیونٹی کی شکل اپنے ذہن میں جمائی
اور چٹکی بجا دی۔ چٹکی کے بجاتے ہی کیٹی کی حیرانی کی کوئی انتہا
نہ رہی کہ وہ چیونٹی بننے کی بجائے پتھر کی مورتی بن چکی تھی۔ مگر
اس کی چکور آنکھیں زندہ تھیں وہ محسوس بھی کر سکتی تھی مگر اپنی
جگہ سے ایک قدم نہیں اٹھا سکتی تھی اور دیکھ بھی سکتی تھی نہ اپنا
ہاتھ ہلا سکتی تھی وہ ساری کی ساری پتھر کی بن گئی تھی۔
اتنے میں کوٹھڑی کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور سامنے ایک
لمبی سفید داڑھی والا موٹا آدمی کھڑا تھا جس نے کالے منکوں کی
مالا پہن رکھی تھی اور سر منڈا ہوا تھا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"تمہارا کوئی جادو یہاں نہیں چل سکتا یہاں اس غار میں
میرا جادو چلتا ہے۔ میں نے تمہیں پتھر کی مورتی بنا دیا
ہے اب ساری زندگی بلکہ جب تک یہ چٹان سمندر میں قائم
ہے تم اس غار میں رہو گی۔
کیٹی سن رہی تھی مگر بول نہیں سکتی تھی گوروبھان نے کہا
"میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی ہو تم اس لڑکی
کے بارے میں سوچ رہی ہو جو تمہاری سہیلی ہے
اور جو غائب ہے تمہیں یہ شک پریشانی ہو گی کہ تمہاری غیبی

میں قید کر لیا ہے
کیٹی پریشان ہو گئی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی مشکل میں پھنس گئی تھی۔ گوروبھان نے کہا۔

"میں ایک غیبی عورت کی مدت سے تلاش میں تھا میرے شاگرد ساوھو نے آخر میرے سرمے کی مدد سے بہت جلد ایک غیبی عورت کو میرے پاس لانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ میری بہت بڑی فتح ہے اب مجھے ایک راکشش کا انتظار ہے جو اندھیری رات میں اس مہینے کی آخری اتوار کو یہاں آئے گا۔ وہ ماریا کو ایک مرتبان میں بند کر کے لے جائے گا اور مجھے وہ انگوٹھی دے گا جس کو انگلی میں پہن کر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاؤں گا اور مجھے کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور گوروبھان قہقہہ لگا کر ہنسا اور کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

ادھر کیٹی غار کی کوٹھڑی میں پتھر کی مورتی بنی کھڑی تھی اور دوسری طرف غار کے باہر ایک تنگ و تاریک کنوئیں میں ماریا قید میں پڑی تھی کنوئیں کے اوپر بہت بڑا پتھر رکھ دیا گیا تھا۔

ماریا کنوئیں میں خاموش اور اداس بیٹھی تھی اسے کیٹی کا خیال آ رہا تھا کہ اس پر کیا گزری ہو گی ویسے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ چھپکی بجا کر کوئی دوسری شکل اختیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو گی ہو گی گوروبھان

کے جادو نے اسے بھی قید کر لیا ہو گا۔ گوروبھان بہت بڑے جادو کا مالک تھا۔ ماریا غار کے باہر آئی ہی تھی کہ اسے ایک دھکا لگا اور وہ اچھل کر ایک قریبی کنوئیں میں گر پڑی اور چنگھاڑ کی آواز کے ساتھ کنوئیں کے اوپر ایک پتھر آن گرا اور کنوئیں کا منہ بند ہو گیا ماریا گوروبھان کے جادو سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ جانتی تھی کہ ایسے زبردست جادوگر کے قبضے سے وہ اور کیٹی آسانی سے نہیں نکل سکیں گی اب اسے اس راکشش کا انتظار تھا جس کے دربار میں گوروبھان نے اسے پیش کر کے اس نے غیر فانی جادو کی انگوٹھی حاصل کرنی تھی۔

اب ہم ان دونوں سہیلیوں کو تھوڑی دیر کے لیے اس سمندری چٹان میں چھوڑتے ہیں اور چل کر ناگ کی خبر لیتے ہیں۔

اس وقت پوزیشن یہ ہے کہ عنبر ماڈرن لندن کے شہر میں ناگ اور ماریا کی تلاش میں گھوم پھر رہا تھا ماریا اور کیٹی جادوگر گوروبھان کے زبردست جادو کے اثر میں آ کر اس کے قبضے میں جا چکی ہیں۔

اور ناگ گھوڑے پر سوار ملک دمشق کی سرحد کی طرف جا رہا تھا دن ڈوب رہا تھا۔ صحرائی ٹیلوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے کے شہر دمشق کے مکانوں کی دیواریں دور سے ناگ کو صاف نظر آ رہی تھی ناگ شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں رونق

تھی۔ دکانوں پر لوگ سودا سلف خرید رہے تھے ٹھنڈا پانی بیچنے والے گھوم پھر رہے تھے ناگ گھوڑے پر بیٹھا شہر کی ایک سڑک پر چلا جا رہا تھا اندھیرا ہو گیا دکانوں اور مکانوں میں شمعیں روشن ہو گئیں ناگ کچھ دیر شہر کے بازاروں میں گھومتا پھرتا رہا پھر وہ ایک باغ میں آکر گھوڑے سے اتر گیا گھوڑے کو اس نے کھول دیا اور پیدل شہر کی دیوار کی طرف یونہی آکر ٹہلنے لگا وہ عنبر ماریا اور کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے وہ کہاں ہوں گے اور کس حال میں ہوں گے۔

رات گہری ہو گئی شہر سنسان ہو گیا لوگ اپنے اپنے مکانوں میں سو گئے کہیں کہیں سے چوکیدار کی آواز سنائی دے جاتی تھی ناگ ٹہلتے ٹہلتے شہر کی دیوار سے ہٹ کر ایک پرانی حویلی کی دیوار کے ساتھ آکر بیٹھ گیا سوچنے لگا کہ وہ دمشق میں کب تک یونہی آوارہ پھرتا رہے گا اسے صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جانا چاہیئے تاکہ ملک افریقہ میں جاکر عنبر ماریا اور کیٹی کا سراغ لگانے کی کوشش کرنی چاہیئے

ناگ کے چاروں طرف خاموشی اور اندھیرا تھا آسمان نیلا تھا اور ستارے چمک رہے تھے ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں درخت اور مکان بڑے پر اسرار لگ رہے تھے ناگ کو اپنے اوپر ہلکے سے کھٹکے کی آواز سنائی دی اس نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ تو اسے کوئی شے حویلی کی دیوار سے لگی آہستہ نیچے آتی دکھائی دی۔

ناگ دیوار کے ساتھ سے اٹھا اور سامنے درختوں کے پیچھے جاکر چھپ گیا اور دیکھنے لگا۔ کہ حویلی کی دیوار سے یہ کیا چیز نیچے آرہی ہے۔

ناگ کو اندھیرے میں ایک صندوق رسے کے ساتھ بندھا حویلی کی دیوار سے نیچے آتا دکھائی دیا نیچے بھی اب دو آدمی کہیں سے نکل کر آگئے تھے۔ جونہی صندوق زمین پر آیا۔ دونوں آدمیوں نے اسے اٹھایا اور ان درختوں کی طرف آئے جہاں ناگ چھپا ہوا تھا۔ دونوں آدمی صندوق کو جھاڑیوں کے پاس رکھ کر واپس چلے گئے ناگ اندھیرے میں سے نکل کر صندوق کے پاس آیا اور اسے غور سے تکنے لگا۔ یہ ایک بڑا صندوق تھا ناگ نے اسے ہلایا تو وہ کافی بھاری تھا وہ سوچنے لگا کہ اس کے اندر کیا چیز ہو گی جس کو اتنے پراسرار طریقے سے آدھی رات کے وقت حویلی کی دیوار سے نیچے اتارا گیا ہے۔ صندوق پر تالا پڑا ہوا تھا۔

ناگ کو صندوق میں ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آیا۔

اس نے گہرا سانس کھینچا اور چھوٹا سانپ بن کر صندوق کے سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا اندر اندھیرا تھا ناگ نے گردن اٹھا کر دیکھا کہ وہ ایک عورت کی لاش پر بیٹھا تھا جس کا گلا اور ہاتھ پیر کاٹ کر اس کے سینے پر رکھ دیئے گئے ناگ سمجھ گیا کہ یہ لوگ کسی عورت کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش صندوق میں بند کر کے

کہیں پھینکنے والے ہیں۔ اندر سے صندوق بہت ہی تنگ تھا اور ایک سخت قسم کی بُو پھیلی ہوئی تھی ناگ کا سر چکرانے لگا۔ نہ جانے یہ کس دوائی کی تیز بُو ہے ناگ نے سوچا کہ اسے باہر نکل جانا چاہیئے اس نے گہرا سانس لیا۔

اس خیال سے کہ وہ اس سے بھی کوئی چھوٹا کیڑا بن کر صندوق میں سے نکل جائے گا کیونکہ سانپ کے روپ میں ناگ کو سانس لینے میں بڑی مشکل پیش آ رہی تھی۔ جونہی اس نے گہرا سانس لیا صندوق میں پھیلی ہوئی

تیز بُو کا ایک پورا بھپکا اس کے جسم میں داخل ہو گیا۔ جس نے اس کے ذہن کو ایک بار پھر چکرا کر رکھ دیا اور وہ نیم بے ہوش ہونے لگا وہ دوسری شکل نہیں بدل سکا تھا، کیونکہ اس نے صندوق میں پھیلی ہوئی تیز بُو کی وجہ سے پورا سانس اندر نہیں کھینچا تھا۔

جونہی اس نے دوسری بار سانس اندر کھینچا وہ بے ہوش ہو گیا۔ صندوق کی تیز بُو اپنا کام کر چکی تھی ادھر باغ میں وہی دو آدمی ایک چھکڑا لے کر آ گئے جس کے آگے دو گھوڑے جُتے ہوئے تھے انہوں نے لاش والا صندوق اٹھا کر چھکڑے پر لادا اور چھکڑا لے کر دریا کی طرف چل پڑے۔

دریا وہاں سے دس کوس کے فاصلے پر تھا انہوں نے دریا پر

صندوق کو چھکڑے پر سے اتارا اور ایک اونچی جگہ سے نیچے دریا میں پھینک دیا صندوق دریا میں گرتے ہی پانی میں ایک بار نیچے گہرائی میں چلا گیا۔ پھر اوپر اُبھرا اور دریا کی لہروں کے ساتھ سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساری رات دریا میں سفر کرتا رہا۔ ناگ اور کٹی ہوئی عورت کی لاش کے اوپر بے ہوش پڑا تھا۔ صندوق دوسرے دن دوپہر کے وقت کھلے سمندر میں داخل ہو گیا۔ یہاں دریا سمندر میں جا گرتا ہے۔

جب صندوق کو سمندر میں تیرتے دو دن ہو گئے تو ناگ کو ہوش آ گیا۔ صندوق کے سوراخ میں سے پانی صندوق کے اندر داخل ہو گیا تھا مگر لکڑی ہونے کی وجہ سے وہ لہروں پر ابھی تک تیر رہا تھا سمندر کے پانی نے صندوق کی تیز بو کو کم کر دیا تھا۔ ناگ نے ہوش میں آ کر پہلا کام یہ کیا کہ گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو ایک بڑی مچھلی کے روپ میں تبدیل کر لیا۔ بڑی مچھلی بنتے ہی صندوق ٹوٹ گیا۔ اور ناگ باہر نکل آیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ کھلے سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ بڑی بڑی سمندری لہریں دور دور سے آ رہی تھیں۔ ناگ مچھلی کے روپ میں سمندر میں دیر تک تیرتا رہا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف اور کدھر جا رہا ہے

جب وہ مچھلی بن کر تیرتے تیرتے کچھ تھک سا گیا تو اس نے گہرا سانس لے کر باز کی شکل اختیار کر لی اور سمندر کے اوپر اڑنا شروع کر دیا۔

باز بننے سے اس کی رفتار کافی تیز ہو گئی تھی اور وہ مشرق کی طرف اڑتا چلا جا رہا تھا سارا دن اور ساری رات ناگ باز کی شکل میں اڑتا رہا۔ دو دن بعد ناگ کو دور زمین کی کالی لکیر دکھائی دی اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ قریب جا کر ناگ نے دیکھا کہ جس کو وہ زمین سمجھتا تھا وہ چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جو سمندر میں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ناگ ان کے اوپر سے گزر گیا ایک بار پھر چاروں طرف سمندر ہی سمندر نظر آنے لگا۔

شام تک اڑتے رہنے کے بعد ناگ کو دور ایک بار پھر زمین دکھائی دی یہ ایک جزیرہ تھا جس میں پہاڑیاں اور جنگل تھے۔ ناریل کے درخت سمندر کے کنارے ساتھ ساتھ اُگے ہوئے تھے۔ ناگ نے سارے جزیرے کا اڑ کر ایک چکر لگایا اس جزیرے کے پیچھے دو تین اور بھی چھوٹے چھوٹے جزیرے بنے ہوئے تھے۔ بڑے جزیرے کے درمیان ایک گول عمارت بنی ہوئی تھی۔ مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی جہاں دو تین چھوٹے جہاز کھڑے تھے۔

ناگ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ یہ جزیرہ آباد تھا اور یہاں انسان رہتے تھے۔ ناگ بندرگاہ کی طرف آ کر ایک جگہ ناریل کے درختوں کے درمیان اتر گیا زمین پر اترتے ہی اس نے گہرا سانس بھر کر انسان کی شکل اختیار کر لی وہ پھر سے ناگ بن گیا اور بندرگاہ کے پاس آ کر جہازوں کو تکنے لگا وہ پرانے زمانے سے نکل کر نئی اور ماڈرن دنیا میں آ چکا تھا کیونکہ اسے چھوٹے جہازوں کے اوپر راڈار اور بجلی کے بلب لگے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ایک قلی سامان کا ریڑا لیے ناگ کے قریب سے گزرا تو ناگ نے اس سے انگریزی میں پوچھا کہ اس جزیرے کا نام کیا ہے۔ قلی نے کوئی جواب نہ دیا وہ انگریزی نہیں سمجھتا تھا وہ آگے نکل گیا۔ ناگ بندرگاہ کے بڑے گیٹ کی طرف آ گیا یہاں اس نے بورڈ پر انگریزی میں لکھا ہوا دیکھا۔

"پورٹ بلیئر۔ انڈیان"

ناگ کو سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ وہ ہندوستان کے ساحل سے بہت پرے بحر ہند میں کالے پانی کے جزیرے میں پہنچ گیا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ یہاں قیدیوں کو عمر قید کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ لیکن اب یہاں وہ جیل خانہ بند کر دیا گیا تھا۔ ناگ جزیرے کے بازار میں پھرنے لگا۔ یہاں ایک ہی بازار تھا جو بہت چھوٹا تھا

اور چائے اور پھل کی دوکانیں تھیں ۔ ناگ نے سوچا کہ کالے
پانی کے جزیرے میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اُسے چاہیئے کہ
وہ ہندوستان کے کسی شہر میں چل کر عنبر اور ماریا کو تلاش
کرے کیونکہ بڑے شہر میں ان لوگوں سے ملاقات کا زیادہ امکان
یا چانس تھا۔

چنانچہ ناگ بندرگاہ پر آگیا کہ معلوم کرے کہ یہاں سے ہندوستان
کی طرف بحری جہاز کب جاتا ہے۔ پرندہ بن کر اڑنا ناگ کو زیادہ پسند
نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی پرندہ بن کر کافی سفر کر چکا تھا

بندرگاہ پر ایک سکھ کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔
ناگ کو معلوم تھا کہ یہ ہندوستان کا باشندہ ہے اور اردو سمجھ
لیتا ہے۔ اس نے سکھ آدمی سے پوچھا کہ ہندوستان کو جہاز کب جائے
گا۔ سکھ نے کہا۔

"مہینے میں دو بار جہاز جاتا ہے۔ ابھی کل ایک جہاز
گیا ہے۔ اب پندرہ دنوں کے بعد جائے گا مگر تم کون
ہو؟"

ناگ نے کہا۔

میں یہاں محنت مزدوری کرتا ہوں سردار جی! اب واپس
اپنے وطن مدراس جانا چاہتا ہوں

ناگ بمبئی اور مدارس کی سیر کر چکا تھا۔ سکھ بولا۔

"کیا تم مدارس کے رہنے والے ہو۔"

ناگ بولا "جی ہاں"

سکھ چائے پینے لگا۔ ناگ نے جو کچھ پتہ کرنا تھا پتہ کر لیا تھا
وہ واپس مڑ گیا اب اسے پندرہ دن اسی جزیرے میں رہنا تھا
پرندہ بن کر وہ اڑ کر جا سکتا تھا لیکن فضا میں سمت کو ٹھیک
رکھنا مشکل تھا ہو سکتا تھا کہ وہ بھٹک جائے اور کسی اور ہی جزیرے
پر پہنچ جائے۔

اسی طرح جزیرے پر شام ہو گئی اندھیرا پھیل گیا۔ ناگ نے
خیال کیا کہ یہاں کسی جگہ رات بسر کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ وہ
جنگل میں جا کر کسی درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ کر رات گزارے
چنانچہ وہ بازار سے نکل کر جنگل میں داخل ہو گیا جنگل وہاں
بہت جلد شروع ہو گیا کیونکہ کالے پانی کے اس چھوٹے سے گاؤں
کے ارد گرد گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔

یہاں ایسے کالے سیاہ اور گنجان درخت تھے کہ ناگ نے
ایسے زبردست درخت پہلے نہیں دیکھے تھے۔ یہاں بے حد تاریک
اندھیرا تھا مگر ناگ کو سب کچھ نظر آ رہا تھا۔

وہ جنگل ہی چلتا چلا گیا۔ کافی آگے جا کر اس نے دیکھا کہ چند
ایک جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں یہاں جنگل کے لوگ رہتے تھے۔ ایک
جھونپڑی کے باہر ایک عورت آگ پر کسی شے کو بھون رہی تھی آگ

وہاں سے نکل کر جھونپڑیوں سے پیچھے ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے سرسبز نرم گھاس پر آکر لیٹ گیا رات آہستہ آہستہ گذر رہی تھی درختوں پر شور مچاتے پرندے اب خاموش ہو گئے تھے۔ جنگل میں ایک ڈرا دینے والا سناٹا چھا گیا تھا۔ ناگ آنکھیں بند کیے گھاس پر لیٹا تھا اور عنبر اور ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی بڑے شہر میں عنبر ماریا اور کیٹی سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔"

خدا جانے رات کا کیا بجا ہوگا۔ ناگ جاگ رہا تھا کہ اسے جھاڑیوں میں کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ یہ کوئی جنگلی جانور بھی ہو سکتا تھا۔ وہ خاموش لیٹا عنبر اور ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ناگ کو کسی عورت کی ایسی چیخ کی قسم کی ادھوری سی آواز سنائی دی۔ جیسے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس چیخ کو بلند ہونے سے روک دیا ہو۔ اب ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یہ آواز کسی عورت کی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اس کی چیخ کو اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبانے کی کوشش کی تھی۔ ناگ تالاب کے کنارے سے اٹھا اور جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر اندھے

میں دو تین آدمیوں کے سائے دیکھے ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور سیاہ سانپ بن کر تیزی سے رینگتا ہوا جھاڑیوں میں آگیا جہاں اس نے دیکھا کہ تین آدمی ایک عورت پر جھکے اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو رسیوں سے باندھ رہے تھے اور اس عورت کا منہ پہلے ہی کپڑے سے باندھا ہوا تھا۔

ناگ نے جھاڑیوں سے نکل کر اندھیرے میں ہی ایک آدمی کو ڈس لیا۔ وہ چیخ مار کر گرا۔ ناگ نے دوسرے کو ڈسا تو وہ بھی گرا اور مر گیا تیسرے نے ناگ کو دیکھ لیا اور اس پر خنجر پھینکا جو ناگ کے بالکل قریب آکر گرا۔ اگر وہ تڑپ کر پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر نے اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دینے تھے۔ ناگ نے ایک دہشت ناک پھنکار مار کر تیسرے آدمی پر حملہ کیا اور اس کی گردن پر اچھل کر ڈس لیا وہ بھی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔

عورت سہمی ہوئی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اس کا منہ بند تھا وہ چیخ نہیں سکتی تھی اس کے پاؤں بندھے ہوئے تھے وہ بھاگ نہیں سکتی تھی وہ جانتی تھی کہ اب اس کی باری ہے اور سانپ اسے بھی ڈس دے گا۔ لیکن سانپ اس کے قریب سے ہو کر جنگل میں غائب ہو گیا۔

ناگ نے آگے جا کر انسان کا روپ بدلا اور واپس آکر عورت کے منہ سے کپڑا کھول کر کہا

"تم کون ہو اور یہ تین مردوں کی لاشیں کہاں سے آگئیں"
عورت نے کہا۔
"یہ آدمی مجھے میرے گھر سے اغوا کر کے لے آئے تھے۔
اور اب میرے ہاتھ پیر باندھ کر دوسرے جزیرے میں لے
جانے والے تھے کہ ایک سانپ نے آکر ان تینوں کو ڈس دیا"
ناگ نے پوچھا۔
"مگر تم کون ہو۔ تمہارا گھر کہاں ہے"
عورت بولی "
میرا گھر اس جنگل میں ندی کے کنارے پر ہے"
"تم وہاں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہو"
عورت نے کہا۔
"نہیں" میں وہاں اکیلی رہتی ہوں"
اور وہ عورت قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔ ناگ کچھ حیران ہوا کہ یہ
عورت کہیں پاگل تو نہیں ہے اس نے کہا۔
"چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں"
عورت ہنستے ہنستے ایک دم خاموش ہو گئی۔ پھر بولی "
"نہیں۔ نہیں۔ تم میرے گھر نہیں آ سکتے میں اکیلی چلی جاؤں گی
تم میرے ساتھ گئے تو کالی ماتا تمہیں کھا جائے گی۔
"ناگ نے پوچھا"

"دروشی۔ تم کالی ماتا کا نام مت لو۔ وہ یہاں آکر تمہیں کھا جائے گی"
اور وہ عورت جنگل کی طرف چل پڑی۔ ناگ نے سوچا کہ یہ پاگل
قسم کی عورت ہے۔ کہیں راستے میں پھر کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے
اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جنگل سنسان اور تاریک تھا۔ وہ
عورت کچھ فاصلے پر اندھیرے میں جاتی ہوئی ناگ کو صاف نظر آ
رہی تھی درختوں کے نیچے جھاڑیوں میں سے گزرتی وہ عورت جنگل میں ایک
طرف گھوم گئی۔
آگے جا کر ایک ندی آگئی ندی کے کنارے ایک پرانی مڑھی بنی ہوئی
تھی مڑھی اس مردے کی قبر کو کہتے ہیں جو مسلمان نہیں ہوتا اور جسے جلایا
جاتا ہے جلانے کے بعد اس مردے کی لاش کی راکھ کو ایک جگہ زمین
میں دفن کر کے اوپر چھوٹی سی برجی بنا دی جاتی ہے اس برجی کو
مڑھی کہتے ہیں۔
عورت نے اس مڑھی کے ارد گرد چار چکر لگائے اور پھر ندی
میں اتر گئی ناگ نے دیکھا کہ اس عورت نے ندی کے پانی میں ڈبکی
لگائی اور آگے جا کر پانی سے سر باہر نکالا اور ایک قہقہہ لگایا اور
ندی سے نکل کر جنگل میں غائب ہو گئی۔
ناگ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ عورت کوئی چڑیل تھی یا کوئی پاگل
عورت تھی وہ واپس ہونے لگا تو سوچا کہ گرمی ہے ذرا ندی میں
نہا لیا جائے اس نے کپڑوں سمیت ندی میں چھلانگ لگا دی تھوڑی

دیر تک نہاتا رہا پھر باہر نکل کر مڑھی کے ٹوٹے پھوٹے چبوترے
پر بیٹھ گیا۔

جنگل کی رات بڑی خاموش اور پُر اسرار تھی۔

اچانک ناگ کو ایسا لگا جیسے چبوترہ ہل رہا ہو اس نے سوچا شاید
بھونچال آگیا ہے مگر درخت بالکل خاموش کھڑے تھے۔ اگر بھونچال
آیا ہوتا تو درخت بھی ہل رہے ہوتے ناگ چبوترے پر سے نیچے
اُتر آیا۔ زمین ساکت تھی اس نے چبوترے پر ہاتھ رکھا۔ چبوترہ
ابھی تک ہل رہا تھا۔ ناگ پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک دم سے
چبوترے کی مڑھی کے اُوپر جو بُرجی بنی ہوئی تھی وہ اپنی جگہ سے
ہٹ گئی اور اُس کے اندر سے ایک عورت کا سیاہ ہیولا باہر نکلا
جس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا دونوں سرخ آنکھوں
میں دو چھوٹے چھوٹے خنجر کھبے ہوئے تھے اور ان میں سے خون
کے قطرے ٹپک رہے تھے اس عورت کے ہاتھ میں ایک ترشول تھا۔
اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر ایک بھیانک چیخ ماری اور اس سے
پہلے کہ ناگ کوئی دوسرا روپ بدل کر وہاں سے فرار ہو سکے اس
کالی عورت کے ہیولے نے ترشول زور سے ناگ کی طرف پھینک
دیا۔ ناگ بجلی کی طرح تڑپ کر ایک طرف ہٹ گیا مگر ترشول
اس کے جسم سے چھو کر پرے جا گرا ترشول کے چھونے سے ناگ کے
جسم میں جیسے آگ سی لگ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم کو کسی

نے انگاروں پر رکھ دیا ہے۔ وہ تڑپنے لگا۔ اور تڑپتے تڑپتے
بے ہوش ہو گیا۔

اسے ہوش آیا تو دھوپ درختوں میں سے چھن چھن کر اس
کے اُوپر پڑ رہی تھی اس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ بالکل ٹھیک
ٹھاک تھا ناگ کو اپنا سر بھاری لگ رہا تھا اسے پہلی بار پیاس
اور بھوک محسوس ہو رہی تھی بڑا حیران ہوا کہ پہلے تو اُسے
کبھی بھوک پیاس نہیں لگی تھی سوچا شاید یہ کالی عورت کے
ترشول کی وجہ سے ہو اُس نے اُٹھ کر ندی کا پانی پیا درخت
سے توڑ کر جنگلی پھل کھائے اور درختوں کے نیچے سے ہو کر
شہر کی طرف چل پڑا وہ تھوڑی دور گیا تھا کہ اچانک ایک سانپ
درخت کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آگیا ناگ نے اُس
کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور آگے قدم اٹھایا ہی تھا کہ سانپ
نے اس پر حملہ کر دیا ناگ ایک دم پیچھے ہٹ گیا وہ حیران رہ
گیا کہ سانپ نے ناگ دیوتا کو بھی نہیں پہچانا
اُس نے سانپ کی زبان میں کہا۔

"بدتمیز کون ہو تم"

مگر سانپ نے کوئی جواب نہ دیا اور دوسری بار حملہ کر دیا۔ ناگ
نے ایک پتھر اُٹھا کر سانپ پر مارا اور اس کا سر کچل کر رکھ دیا
اچانک اسے ایک خیال آیا کہ کہیں اس کی طاقت تو نہیں ختم ہو

گئی۔ اس نے گہرا سانس لے کر ناگ بننا چاہا مگر وہ انسان کا انسان ہی رہا۔ چھ سات بار اس نے گہرا سانس لے کر چھوڑا مگر وہ ناگ نہ بن سکا پھر اس نے کوئی دوسرا جانور بننا چاہا مگر وہ بھی نہ بن سکا ناگ کا رنگ اڑ گیا۔ اس کی طاقت چھین لی گئی تھی۔

ناگ بہت پریشان ہو گیا۔

وہ ایک دم سے ایک عام کمزور انسان بن گیا تھا۔ اسے اپنے اندر بہت کمزوری محسوس ہونے لگی تھی اب اسے جنگل سے ڈر آنے لگا تھا حالانکہ دن کا وقت تھا مگر ناگ سہم سہم کر جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ کہیں کوئی سانپ نہ اسے کہیں سے نکل کر ڈس لے جنگل سے باہر نکل کر وہ کالے پانی کے قصبے میں آ کر بجھے ہوئے دل کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کالی عورت نے اس کی طاقت کیوں چھین لی تھی۔

لیکن ایسا ہو چکا تھا ناگ ایک طاقت ور انسان سے ایک عام کمزور آدمی بن چکا تھا اب وہ کوئی دوسری شکل اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اسے بھوک بھی لگتی تھی اور پیاس بھی لگتی تھی کوئی سانپ اس کی زبان نہیں سمجھتا تھا

کوئی سانپ اس کے حکم پر اب زمین کے اندر سے خزانہ اس کے لیے
نہیں لا سکتا تھا کوئی سانپ اسے ناگ دیوتا سمجھ کر اس کے آگے سر
نہیں جھکاتا تھا اور وہ خود بھی انسان سے سانپ نہیں بن سکتا تھا
ایک طرح سے یہ ناگ کی موت تھی لیکن اس نے دل نہیں ہارا
تھا اس کی بس اب ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح عنبر ماریا اور
کیٹی سے کسی طرح وہ ملاقات کرے اور اپنی مصیبت سنائے۔
کم از کم وہ ان کے ساتھ رہ کر اپنے آپ کو کمزور محسوس نہیں کرے
گا لیکن عنبر ماریا سے ملنا بھی اس کے اپنے اختیار میں نہیں تھا
اس نے سوچا کہ مدارس چلتے ہیں کیونکہ اس شہر کا سب سے پہلے اسے
خیال آیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس شہر میں عنبر ماریا سے اس کی ملاقات
ہو جائے اب ناگ باز یا کبوتر بن کر سمندر کے اوپر اڑتا ہوا مدراس
نہیں جا سکتا تھا اب وہ مچھلی یا ڈیل مچھلی بن کر بھی سمندر میں سفر
کرتے ہوئے مدراس نہیں پہنچ سکتا تھا اب وہ ایک عام آدمی تھا
اسے عام آدمیوں کی طرح اپنے پیسے خود کما کر بحری جہاز کا کرایہ
جمع کرنا تھا۔ ایک عام مسافر کی طرح جہاز میں سوار ہو کر مدراس
جانا تھا۔ ناگ نے دو تین دکانداروں سے پوچھا کہ کیا کوئی کام مل
جائے گا۔

آخر ایک دکاندار نے اسے لکڑیاں کاٹنے پر نوکر رکھ لیا۔
ناگ سارا دن لکڑیاں کاٹتا۔ انہیں جوڑ جوڑ کر لگاتا۔ شام کو اسے

پانچ روپے مزدوری ملتی کام کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں چھالے
پڑ گئے۔ اس نے ساری زندگی کبھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اپنی حالت
پر اسے ترس بھی آتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی۔ دوپہر کو اسے بھوک
لگتی تو ایک روپے کی دال روٹی کھا لیتا۔ رات کو بھی اسے بھوک لگ
جاتی۔ یہ بھوک بھی اسے پہلی بار لگ رہی تھی۔
بیس روز ناگ لکڑی کے ٹال پر لکڑیاں کاٹتا رہا اور پیٹ کی آگ
بجھاتا رہا۔ بیس دن کے بعد اس کے پاس اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ
اس نے کالے پانی سے مدارس کے شہر تک ٹکٹ لیا اور بحری جہاز
میں سوار ہو گیا ناگ کو پھر اس سمندری جہاز میں چھوڑتے ہیں اور
خود واپس ماریا اور کیٹی کی طرف جاتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔
ماریا بمبئی شہر سے دور سمندر میں ایک چٹان میں بنی ہوئی غار کے
باہر ایک تنگ و تاریک کنوئیں میں قید تھی اور کیٹی کے اندر ایک
کوٹھڑی میں پتھر کی مورتی بنی ہوئی کھڑی تھی۔ یہ سب کچھ زبردست
ہندو جادوگر گوردبھان نے کیا تھا۔ کیونکہ وہ ماریا کو اپنے گورو
بھان راکشش کی خدمت میں پیش کر کے اس سے ہمیشہ زندہ رکھنے
والی انگوٹھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔
ماریا کو کنوئیں میں بند ہوئے اور خلائی لڑکی کیٹی کو پتھر کی مورتی
بنے دوسری رات تھی کہ گوردبھان نے اور دنوں کا انتظار برداشت
نہ کیا اور اپنے غار کے استھان میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور

اپنے جادو کے خاص منتر پڑھنے شروع کر دیئے منتر پڑھتے پڑھتے
اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ جب ایک گھنٹہ گزر گیا۔
تو سامنے والی دیوار شق ہو گئی اور اس میں سے ایک ایسا دیو
باہر نکلا جس کے سر کے اوپر سینگ ابھرے ہوئے تھے اور سارے
جسم پر سیاہ کالے بال ہی بال تھے۔ اس کے دانت باہر کو نکلے
ہوئے تھے اس نے آتے ہی گرج دار آواز میں کہا۔
"اے گوردو بھان۔ تم نے ہمیں وقت سے پہلے کیوں بلا لیا۔
گوردو بھان نے سر جھکا کر کہا۔
"اے عظیم ماکشش! میں نے غیبی عورت کو تمہارے لیے
قابو میں کر لیا ہے میں یہ خوشخبری تمہیں جلد سے جلد سنانا
چاہتا تھا اب تم غیبی عورت کو اپنے قبضے میں کر لو اور
ہمیشہ زندہ رکھنے والی انگوٹھی شرط کے مطابق میرے
حوالے کر دو۔
ماکشش نے زور دار قہقہہ لگایا اس کے قہقہے سے غار گونج
اٹھی اس نے کہا۔
"کہاں ہے وہ غیبی عورت"
گوردو بھان نے کہا۔
"غار کے باہر والے کنوئیں میں بند ہے"
ماکشش بولا۔

"یہ لو۔ یہ بوتل لے جاؤ اور اس عورت کو اس بوتل میں بند
کر دو"
ماکشش نے ہاتھ آگے بڑھایا تو ایک بوتل اس کے ہاتھ میں آگئی
گوردو بھان نے پوچھا۔
"اے عظیم ماکشش! کہیں وہ غیبی عورت کنوئیں کے ڈھکن
اٹھنے سے باہر نہ نکل جائے۔"
ماکشش نے اپنی مونچھوں کا ایک بال توڑ کر کہا۔
"یہ میرا بال کنوئیں کے اندر پھینک دینا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا
ہے۔ جاؤ اور غیبی عورت کو اس بوتل میں بند کر کے میرے
پاس لے آؤ۔"
گوردو بھان نے ماکشش کی مونچھ کا بال لیا اور غار کے باہر کنوئیں
پر آگیا۔ اس نے منتر پڑھ کر پتھر پر پھونکا۔ پتھر ایک گڑگڑاہٹ کے
ساتھ کنوئیں سے پرے ہٹ گیا گوردو بھان نے ماکشش کی مونچھ کے
بال کو کنوئیں میں پھینک دیا بال کے پھینکتے ہی کنوئیں میں سے دھواں
نکل کر باہر پھیل گیا۔ گوردو بھان پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

کیا دیکھتا ہے کہ کنوئیں کے اندر سے ایک عورت کا ہیولا دھوئیں
میں لپٹا ہوا باہر نکلا اور خالی بوتل میں داخل ہونے لگا۔ جب عورت
کا پورا جسم دھوئیں کی شکل میں بوتل کے اندر سارے کا سارا داخل

ہوگیا تو گوردو بھان نے آگے بڑھ کر بوتل کے منہ پر کارک لگا
کر اسے بند کر دیا۔ بوتل اس نے بغل میں دبالی اور غار کے اندر
داخل ہو کر کوٹھڑی میں آگیا۔ راکشش اس کا انتظار کر رہا تھا۔
اس نے بوتل کے اندر دھوئیں کی شکل میں ایک عورت کے ہیولے
کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

گوردو بھان: تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اب میں اپنا وعدہ
پورا کرتا ہوں؟

اور راکشش نے اپنے سر کے گھنے بالوں میں سے ایک انگوٹھی نکال
کر گوردو بھان کو دی اور کہا۔

"اسے ہر وقت اپنی انگلی میں پہنے رکھنا۔ جب تک یہ انگوٹھی
تمہاری انگلی میں رہے گی تم مر نہیں سکو گے۔ جاؤ۔ اب میری
آنکھوں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔

گوردو بھان نے بڑی خوشی خوشی انگوٹھی اپنی انگلی میں ڈال لی
اور جانے لگا تو بولا۔

عظیم راکشش! اس غیبی عورت کے ساتھ ایک دوسری
عورت بھی تھی میں نے اسے پتھر کی مورتی بنا کر کوٹھڑی
میں قید کر لیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

راکشش نے کڑک کر کہا۔

اسے لے جا کر سمندر میں پھینک دو۔

یہ کہہ کر راکشش دیوار میں داخل ہو کر غائب ہو گیا اور
دیوار اپنی جگہ پر آگئی گوردو بھان اس کوٹھڑی میں گیا جہاں خلائی
لڑکی کیٹی پتھر کی مورتی بنی کھڑی تھی گوردو بھان نے اسے اپنے
کاندھے پر اٹھایا اور غار سے باہر آگیا۔

کیٹی گوردو بھان کے کاندھے پر پڑی تھی اور سوچ رہی تھی
کہ وہ اسے کہاں لئے جا رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ چٹکی بجانے کا
خیال کرے مگر اسے چٹکی کا خیال بالکل صاف نہیں آ رہا تھا
چٹکی کا خیال اگر دھندلا سا آ جاتا تھا تو اس کے دماغ میں یہ بات
نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسی کی شکل کا تصور بنا کر چٹکی بجایا کرتی تھی۔

وہ دیکھ رہی تھی کہ گوردو بھان اسے سمندر کی طرف لئے جا رہا ہے
وہ سمندر کو دیکھ نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کی چوکور آنکھیں اوپر
آسمان کی طرف تھیں مگر اسے سمندر کی لہروں کی آواز برابر آ
رہی تھی۔ گوردو بھان ایک چٹان کے اوپر چڑھ گیا۔ نیچے گہرا سمندر
تھا۔ اس نے کیٹی کی مورتی کو سمندر میں پھینک دیا۔ دھڑام کی آواز
سے مورتی سمندر میں گر پڑی اور غائب ہو گئی۔

گوردو بھان وہاں سے چلا گیا۔

کیٹی کی مورتی سمندر کے نیچے چلی گئی اور پھر آہستہ آہستہ اوپر
اٹھنے لگی۔ سمندر کی سطح پر آ کر لہروں نے اسے آہستہ آہستہ
پہلے کھلے سمندر کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا کیٹی کی چوکور نیلی

آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وس کا منہ اوپر کی طرف تھا اسے صرف آسمان
پر چمکتا ہوا سورج نظر آرہا تھا اس کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ سمندر
میں ہے اور لہریں اسے بہائے لیئے جارہی ہیں کئی بار سمندر کی لہریں
اس کے منہ کے اوپر پانی پھینک کر گذر گئی تھیں کیٹی نے آنکھیں بند
کر لی تھیں۔

کیٹی کو ماریا کا خیال آنے لگا کہ وہ ابھی تک کنوئیں میں بند نہیں
ہوگی۔ بلکہ جادوگر گورو جہان نے اپنے پروگرام کے مطابق اسے کسی نہ
کسی طرح راکشش کے حوالے کر دیا ہوگا خدا جانے وہ اسے لے کر کہاں
چلا گیا ہوگا۔ پھر اسے عنبر اور ناگ کا خیال ستانے لگا کہ وہ کس
حال میں ہوں گے اور کہاں ہوں گے پھر اسے اپنی حالت پر ترس
آنے لگا کہ نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا وہ سمندر میں پتھر کی مورتی
بنا کر گرا دی گئی ہے۔ خدا جانے وہ کس ملک کے ساحل پر جا کر لگے
اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی جزیرے کے ساحل پر جھاڑیوں
میں پھنس جائے اور قیامت تک اسی جگہ پر پھنسی رہے۔

سمندر کی لہریں کیٹی کی مورتی کو آگے ہی آگے کھلے اور بھیانک
سمندر کی طرف لئے جا رہی تھی کیٹی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا

دوسری طرف راکشش ماریا کو بوتل میں بند کر کے اپنے ساتھ لئے
جا رہا تھا وہ ہوا میں ایک جن کی طرح اڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ کئی

جنگلوں اور سمندروں کے اوپر سے اڑتا ہوا یہ کالا سیاہ فام راکشش
ایک بہت اونچے پہاڑ پر جا کر اتر گیا اس پہاڑ پر سفید برف جمی
ہوئی ہے۔ پہاڑ کی ایک چوٹی کے دامن میں پہاڑ کے اندر ایک مندر
کا دروازہ بنا ہوا تھا راکشش مندر کے اندر داخل ہو گیا۔

راکشش نے ایک بلند چیخ ماری اس کی چیخ کی آواز سن کر
دس بارہ نرم و نازک خوبصورت لڑکیاں جن کو دیو داسیاں کہتے
ہیں ہاتھ جوڑتی ہوئی آئیں اور زمین پر انہوں نے اپنے سر اوندھے
کر کے بال پھیلا دیئے۔ راکشش ان کے بالوں پر پاؤں رکھتا ہوا
مندر کے بڑے ہال میں آگیا۔ یہاں درمیان میں آگ روشن تھی۔ کمرہ
گرم تھا۔ راکشش ایک تخت پر بیٹھ گیا اور اس نے بوتل کو جس
میں ماریا بند تھی اپنے پاس رکھے ہوئے لوہے کے صندوق میں
بند کر دیا۔

راکشش نے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ دیو داسیوں نے ڈانس
کرنا شروع کر دیا وہ گا رہی تھیں اور کھلے بالوں کو لہرا لہرا کر
ڈانس کر رہی تھیں۔ جب وہ ڈانس کرتے کرتے تھک گئیں تو ایک
ایک کر کے زمین پر گرنے لگیں جب ساری دیو داسیاں زمین پر
گر کر بے ہوش ہو گئیں تو راکشش چبوترے پر سے اٹھا اور دیو
داسیوں کے بے ہوش جسموں پر پاؤں رکھتے ہوئے مندر کے
دوسرے کمرے میں چلا گیا اس طرح کمرے میں کالی راکشش کا سیاہ

نام چھ بت پتھر کی دیوار میں بنا ہوا تھا۔ یہ کالی راکھشش ان پہاڑوں کے تمام غاروں اور جنگل کی ساری چڑیلوں کی دیوی تھی۔

راکشش نے کالی راکھشن کے سامنے جاتے ہی اپنے بالوں سے بھرے ہوئے سر کو جھکا دیا اور کہا۔

"اے دیوی! جنگلوں اور پہاڑوں کی مالک دیوی!
میں تمہارے لیے ایک غیبی عورت کا تحفہ لایا ہوں
اسے قبول کر۔"

راکھشن نے کہا۔

"میں تم سے خوش ہوئی ہوں مجھے ایک غیبی عورت کی ضرورت تھی۔ اسے میرے سامنے پیش کرو۔"

راکشش باہر گیا۔ صندوق میں سے اس نے وہ بوتل نکالی جس میں ماریا بند تھی کالی راکھشن کے آگے جب راکشش نے بوتل پیش کی تو اس میں ماریا کا ہیولا دھوئیں کی شکل میں صاف نظر آ رہا تھا راکھشن نے اپنی سُرخ زبان منہ میں سے باہر نکالی اور اس کی آواز سنائی دی۔

"اسے میرے پیٹ میں ڈال دو۔"

راکشش نے بوتل اٹھائی اور کالی راکھشن کی دیوار میں بنی ہوئی مورتی کے پاس چلا گیا۔ کالی مورتی کے پیٹ میں ایک جگہ کافی گہرا

سوراخ تھا جس کے [illegible] پر بنا ہوا تھا۔ راکشش نے بوتل اسی سوراخ کے اندر پھینک کر سوراخ کو کپڑے سے بند کر دیا۔

کالی مورتی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور اس کی آنکھوں سے بجلیاں سی نکل کر لہرانے لگیں اس نے کہا۔

"جاؤ راکشش! آج سے تم ان پہاڑوں اور جنگلوں کے راجہ ہو۔"

راکشش سر جھکا کر باہر نکل آیا۔

دیوداسیاں جو بے ہوش پڑی تھیں اب انہیں ہوش آ چکا تھا اور وہ ایک ایک کر کے مندر کی صفائی میں لگی ہوئی تھیں راکشش مندر سے باہر نکل کر اپنے خاص کوٹھڑی میں چلا گیا۔

ماریا بوتل میں دھوئیں کی شکل میں بند تھی وہ بالکل بے ہوش تھی اور اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ کنوئیں میں سے نکال کر بوتل میں بند کرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا گزری۔ کالی مورتی کے پیٹ میں جانے کے بعد اس کی بوتل کا منہ اپنے آپ کھل گیا اور وہ دھوئیں کی شکل میں بوتل سے باہر نکل آئی ماریا ہوش میں آ گئی تھی مگر اس کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنے ہاتھ پیر ہلا سکے کالی مورتی کے پیٹ میں اندھیرا گھپ تھا ماریا نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو اسے لگا کہ وہ ایک کنوئیں سے نکل کر دوسرے کنوئیں میں آ گئی ہے جو

پہلے سے بہت زیادہ تنگ و تاریک ہے وہ پتھر کی دیوار کے ساتھ
لگی ہوئی تھی اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر ایک تیز قسم کی
بُو نے اسے ایک بار پھر بے ہوش کر دیا۔

لیکن بے ہوش ہونے کے ساتھ ہی جیسے کسی نے اسے کچھ سونگھا
دیا اور ماریا پھر سے ہوش میں آگئی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ
دھوئیں کی ایک پتلی لکیر کی شکل میں اوپر اُٹھ رہی ہے پھر اس
نے دھوئیں کی لکیر کی ہی شکل میں کالی راکھشش کی مورتی کے
منہ میں سے باہر نکلنا شروع کر دیا وہ اپنے آپ کو بے بس
محسوس کر رہی تھی۔ وہ کالی مورتی کے اندر سے نکل کر اس
کے سامنے دھوئیں کے ایک ہیولے کی شکل میں کھڑی ہو گئی کالی
مورتی کی اسے آواز سنائی دی۔

"سن رے غیبی لڑکی! اب تو غیبی لڑکی بن کر نہیں۔ بلکہ
جبا دیو داسی بن کر ہماری خدمت کرے گی۔ اور ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے اس مندر میں بند ہو جائے گی تو یہاں سے
سے باہر نہیں نکل سکے گی۔

اس کے ساتھ ہی کالی مورتی کی آنکھوں سے سرخ روشنی کی
دو شعاعیں نکل کر ماریا کے دھوئیں دھوئیں جسم پر پڑیں اور
ماریا اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو گئی اس نے جبا دیو داسی کا لباس
پہن رکھا تھا اور اس کے سنہری بالوں میں سفید پھول سجے ہوئے

تھے۔ وہ ماریا سے دیو داسی بن گئی تھی مگر اس کی یادداشت گم نہیں
ہوئی تھی اسے سب کچھ یاد تھا کہ وہ خلائی لڑکی کیٹی کے ساتھ
بمبئی کے قریب ایک سمندری چٹان کے غار کے باہر کنوئیں میں بند کر
دی گئی تھی اور کیٹی کو پتھر کی مورتی بنا دیا گیا تھا۔

اس نے آنکھیں اُٹھا کر دیوار میں گڑھی ہوئی کالی سیاہ مورتی کو دیکھا
تو ڈر گئی اتنی بھیانک شکل والی مورتی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی
تھی اب ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ اسے گورو جان
نے راکھشش کو پیش کر کے جادوئی انگوٹھی حاصل کی تھی اور راکھشش
اسے یہاں لے آیا ہے اور کالی راکھشش نے اسے غیبی ماریا سے
جبا دیو داسی ماریا بنا دیا ہے۔

کالی مورتی نے کہا۔

تیری یادداشت ہم نے تمہیں واپس کر دی ہے مگر یاد
رکھنا اس مندر کے ارد گرد ایک ایسا دائرہ کھینچ دیا گیا
ہے کہ جس میں موت کی شعاعیں ہیں جو کوئی دیو داسی اس
دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے جل کر بھسم
ہو جاتی ہے کیا تم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرو گی

ماریا نے سر ہلا کر آہستہ سے کہا۔

"نہیں کالی دیوی"

کالی مورتی نے رعب دار آواز میں ماریا سے کہا۔

"اب تم جاؤ اور ہمارے مندر میں کام کرو مندر کی صفائی کرو۔ آدھی رات کو جب ہمارے چیلے شیطان یہاں آئیں تو ان کی خدمت کرو۔"

ماریا نے سر جھکا کر کہا "جو حکم کالی دیوی"

اور کالی دیوی کی کوٹھڑی سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں باقی دیوداسیاں اپنا اپنا کام خاموشی سے کر رہی تھیں کوئی ایک دوسری سے بات نہیں کر رہی تھی صرف کبھی کبھی ایک دوسری کو دیکھ لیتی تھیں جب ماریا اُن کے درمیان آئی تو سب نے ایک نظر ماریا کو دیکھا اور پھر اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔

ماریا کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر ذرا کیٹی کی خبر لیتے ہیں۔

وہ پتھر کی مورتی میں تبدیل ہو کر سمندر کی لہروں پہ بہتی چلی جا رہی تھی صرف اس کی چوکور آنکھیں زندہ تھیں۔ ذہن زندہ تھا۔ کان آوازیں سن سکتے تھے مگر وہ خود نہ تو بول سکتی تھی اور نہ اپنا ہاتھ ہی ہلا سکتی تھی اس کا سارا جسم سوائے آنکھوں کے پتھر میں تبدیل ہو چکا تھا اگر وہ آنکھوں کو کھلے رکھے اور نہ جھپکائے تو وہ بھی پتھر کی لگتی تھیں تین دن وہ سمندر میں بہتی رہی چوتھے روز وہ ہندوستان کے مشرقی ساحل کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں ایک ماہی گیر اپنی بادبانوں والی کشتی پہ سمندر میں مچھلیاں پکڑتے ہوئے کافی آگے نکل آیا تھا

کیٹی کی مورتی تیرتی ہوئی اس کی کشتی کے پاس آ گئی ماہی گیر ہندو تھا جو بتوں کی اور مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس نے جو ایک بڑی خوبصورت مورتی کو سمندر میں تیرتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام یعنی سلام کیا اور پھر سمندر میں جال پھینک کر کیٹی کی مورتی کو کشتی میں کھینچ لیا۔

کیٹی نے اس خیال سے کہ ماہی گیر اسے کہیں زندہ نہ سمجھ لے اپنی چوکور آنکھوں کو بالکل ساکت رکھا اور ایک پل کے لیے بھی آنکھیں نہ جھپکیں۔ ماہی گیر نے جب دیکھا کہ خوبصورت دیوی کی مورتی کی آنکھیں چوکور ہیں تو اور زیادہ عقیدت مند ہو گیا اور اس نے کیٹی کی مورتی کے آگے ماتھا ٹیک دیا۔

"جے دیوی مہالکس کماری کی جے"

ماہی گیر بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ کیٹی کی مورتی کو گاؤں لے آیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہا۔

"بھائیو۔ بھگوان نے میرے بھاگ کھول دیئے کہ میرے گھر دیوی مہالکس کماری نے قدم رکھا ویدوں میں لکھا ہے کہ کل یگ میں ایک دیوی جنم لے گی جس کی آنکھیں چوکور ہوں گی اور وہ لوگوں کے دکھ درد دور کرے گی۔ دیکھو یہی دیوی مہالکس کماری ہے"

جب لوگوں نے دیکھا کہ مورتی کی آنکھیں چوکور ہی ہیں تو ان کے مراد

سے جھک گئے۔ پھر سارے کے سارے آدمی اور عورتیں سجدے میں گر گئیں گاؤں میں شور مچ گیا کہ نانو ماہی گیر کے گھر دیوی راس کماری آ گئی ہے گاؤں کے چوہدری نے حویلی سے نکل کر کیٹی کی مورتی کو سجدہ کیا اور اسے ایک مندر میں لے جا کر رکھ دیا اور اس کی پوجا شروع کر دی۔

مرد اور عورتیں صبح شام کیٹی کے مندر میں آکر اس کی مورتی کے آگے پھول پھل اور پیسے چڑھاتیں ایک پجاری لوگوں سے پیسے اور دوسری چیزیں وصول کر کے صندوقچی میں ڈالتا جاتا اور رات کو وہ ساری کمائی گھر لے جا کر عیش کرتا لوگ دور دور سے پتھر آنکھوں والی دیوی یعنی کیٹی کی مورتی کو دیکھنے آتے یہ بات مشہور کر دی گئی کہ دیوی جس سے خوش ہوتی ہے اور جس کی مصیبت دور کرنی ہوتی ہے اس کی طرف دیکھ کر اپنی پتھر کی آنکھیں جھپک دیتی ہے کچھ پڑھے لکھے لوگ کہتے کہ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک غریب عورت کیٹی کی مورتی کے آگے فریاد کر رہی تھی۔

دیوی راس کماری، اگر میرا کام بن جائے گا تو اپنی آنکھ جھپکا دے۔

وہاں کتنے ہی لوگ کھڑے تھے۔ پجاری بھی بیٹھا تھا۔ وہ بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ پتھر کے بت آنکھیں نہیں جھپکا کرتے۔ لیکن کیٹی نے آہستہ سے اپنی چوکور آنکھیں جھپک دیں۔ بس پھر کیا تھا ہر کوئی

دنگ رہ گیا اور جوش میں آکر نعرے لگانے لگا۔

"دیوی راس کماری کی جے۔"

اس بات کی شہرت دور دور تک ہوئی۔ گاؤں کے قریب ہی ایک چھوٹا سا شہر رتلام تھا وہاں کے بڑے مندر کے پجاری کو جب پتہ چلا کہ گاؤں کے مندر میں جو دیوی راس کماری کی مورتی آئی ہے اس نے آنکھیں جھپکی ہیں تو اس نے گاؤں کے پجاری کو پانچ ہزار روپے دے کر مورتی خرید کر اپنے مندر میں رکھ دی کیونکہ اس مورتی کی وجہ سے اس کی آمدنی بڑھ سکتی تھی۔ رتلام ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ کیٹی کی مورتی کی آنکھیں جھپکانے والی شہرت یہاں بھی پہنچ گئی تھی چنانچہ لوگ دھڑا دھڑ مندر میں آنے لگے۔

اس مندر کے پجاری کالی داس کی آمدنی چوگنی ہو گئی۔ وہ تو بڑا خوش ہوا وہ دولت میں کھیلنے لگا۔

اس وقت ماریا راکشش کالی دیوی کی قید میں اس کے مندر میں دیو داسی بنی مندر میں ڈانس کرتی ہے۔ پوجا کرتی ہے اور مندر کے سارے کام کرتی ہے وہ غیبی حالت میں نہیں ہے بلکہ عام عورتوں کی طرح سب کو دکھائی دیتی ہے اس نے دیو داسیوں کا لباس پہن رکھا ہے اور سنہری بالوں میں پھول لگا ہوا ہے۔ وہ دن رات ماکھشی کی خدمت کرتی ہے اور اسی کے بھجن گاتی اور اس کے سامنے

ڈانس کرتی ہے۔

دوسری طرف عنبر ابھی تک لندن میں آوارہ گردی کر رہا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ شاید کبھی اس کی ناگ اور ماریا سے اچانک ملاقات ہو جائے۔

تیسری جانب ناگ کو ہم نے دکھایا تھا کہ وہ کالے پانی سے ایک بحری جہاز میں ایک عام مسافر کی طرح سوار ہو کر ہندوستان کے جنوب میں مشہور شہر مدراس کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اس کی ساری طاقت اس سے چھین لی گئی ہے اب وہ سانپوں کا عظیم دیوتا ناگ نہیں ہے کوئی سانپ اس سے خوف نہیں کھاتا۔ بلکہ وہ خود سانپوں سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ اسے ڈس نہ دیں اب اس میں ایسی طاقت بھی نہیں ہے کہ گہرا سانس لے کر جیسا چاہے روپ بدل لے۔ جیسی چاہے شکل اختیار کرے کیونکہ اب اس کی ساری آسمانی طاقت جاتی رہی ہے اور اب نہ تو وہ سانپ بن سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے جانور کی شکل بدل سکتا ہے اب وہ ایک عام کمزور سا انسان ہے جس کو بھوک پیاس بھی لگتی ہے۔ اور جو اب کسی سانپ کی مدد سے کسی زمین میں دفن شدہ خزانے میں سے سونے کی ایک ڈلی تک نہیں منگا سکتا ناگ ایک بے بس انسان بن کر رہ گیا ہے!

ساری زندگی اس نے ایسی بے بسی کمزوری اور بے بسی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کا چھوٹا سمندری جہاز سمندر میں مدراس شہر کی

بندرگاہ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ناگ کے پاس ٹکٹ خریدنے کے لیے ایک پیسہ تک نہیں تھا بے چارے نے شہر میں محنت مزدوری کر کے کرایہ اکٹھا کیا اور اب سمندر میں سفر کر رہا تھا چوتھے روز رات کو جہاز ہندوستان کے شہر مدراس کی بندرگاہ کے ساتھ جا لگا مسافر نیچے اترنے لگے ناگ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز سے اتر آیا۔

اس نے وہ رات بندرگاہ کے قریب ایک باغ میں گزاری جہاں ناریل کے کتنے ہی درخت لگے ہوئے تھے رات کو پکے ہوئے ناریل تھپ تھپ کی آواز کے ساتھ گھاس پر گرتے رہے تھے صبح اٹھ کر ناگ نے دو تین ناریل توڑ کر اس کا پانی پیا اور گری کھا کر پیٹ بھرا کیونکہ اس کے پاس جتنے پیسے تھے وہ سارے کے سارے جہاز میں خرچ ہو چکے تھے وہ شہر مدراس کی سڑکوں پر پھرنے لگا اس سے پہلے وہ اس شہر میں صرف ایک بار آیا تھا مگر اس وقت وہ پورا ناگ تھا اور اس کے اندر ساری طاقت موجود تھی اور اس نے ایک خزانے کے سانپ کو حکم دے کر زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے سے سونے کا ایک ہار منگوا لیا تھا جس کو فروخت کر کے ناگ نے بڑے مزے سے دن گزارے تھے۔

لیکن اب اس کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں تھی۔ کوئی سانپ اسے کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ جب دوپہر ہوئی تو ناگ کو سخت بھوک لگی۔ اپنی پیاس

کو تو وہ شہر کے سرکاری نلکوں سے پانی پی پی کر مٹاتا رہا۔ مگر بھوک
کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا اس نے سوچا کہ اسے کسی جگہ
کوئی کام کرنا چاہیئے تاکہ تھوڑے بہت پیسے کما کر وہ روٹی کھا سکے

پیارے ساتھیو! مدراس ہندوستان کا بہت بڑا شہر ہے۔ اس
کے دو ریلوے اسٹیشن ہیں۔ ہمارے شہر کا تو ایک ہی ریلوے
اسٹیشن ہے مگر مدراس کے دو ریلوے سٹیشن ہیں اور مزے کی بات
یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک ریلوے سٹیشن کا نام بھی مدراس نہیں
ہے۔ ریلوے سٹیشن کا نام ایگمور ہے اور دوسرے ریلوے سٹیشن
کا نام سنٹرل ریلوے سٹیشن ہے۔

ناگ ریلوے سٹیشن کے باہر آکر کھڑا ہو گیا کہ کسی مسافر کا سامان
اٹھا کر ایک دو روپے کمائے گا اور اس کا کھانا خرید کر پیٹ کی
آگ بجھا سکے گا۔ اسے اتنی سخت بھوک پہلی بار لگ رہی تھی۔ شہر ترچنا
پلی کی طرف سے ایک گاڑی ریلوے سٹیشن پر آئی تو اس کے مسافر باہر
نکلے ایک کالا سا آدمی باہر نکلا اس کے سر پر ہیٹ تھا اس نے خاکی
رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اس کی عمر پچاس سال کے قریب تھی مگر
وہ دبلا پتلا اور کمزور تھا اور داڑھی میں بال سفید آرہے تھے
اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا جو اس سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا
ناگ جلدی سے آگے بڑھا اور بولا۔

"سر۔ میں آپ کا بیگ اٹھا لوں مجھے ایک روپیہ دے دیجئے گا"

اس آدمی نے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا۔

"مگر تم ریلوے کے قلی نہیں ہو"

ناگ بولا۔ "سر! میں ایک غریب مزدور ہوں مجھے بھوک لگی ہے"

وہ آدمی بولا۔

"اچھا بیگ اٹھا کر وہ سامنے میری کار میں رکھ دو۔"

پرانی سی کار سڑک پار کر کے ایک شیڈ کے نیچے کھڑی تھی۔ ناگ
نے بیگ سر پہ اٹھایا اور کار میں جا کر پیچھے ڈگی کھول کر رکھ دیا اس
آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے"

ناگ نے کہا "ناگ"

وہ آدمی چونکا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"مگر ناگ تو سانپ کو کہتے ہیں کیا تم سانپ ہو"

ناگ نے کہا۔

"نہیں سر۔ میں تو عام انسان ہوں"

"وہ آدمی کہنے لگا"

"مجھے تمہارا نام پسند آیا ہے کیا تم میرے پاس نوکری کرو گے۔

ناگ کو اور کیا چاہیئے تھا۔ جھٹ بولا۔

"کیوں نہیں سر۔ ضرور کروں گا آپ بے شک صرف مجھے دو
وقت کا کھانا دے دیا کریں"

ناگ نے کبھی بھوک دیکھی نہیں تھی طاقت چھین جانے کے بعد پہلی
بار بھوک نے تنگ کیا تو اسے نانی یاد آگئی تھی وہ آدمی کہنے لگا۔
"میں تمہیں دو وقت کا کھانا بھی دوں گا اور سو روپے تنخواہ
بھی دوں گا۔"
ناگ نے کہا۔ مجھے منظور ہے سر"
وہ کہنے لگا۔ تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تمہیں کام کیا کرنا پڑے
گا
ناگ بولا۔ میں ہر کام کروں گا سر"
اس آدمی نے دو روپے جیب سے نکال کر ناگ کو دیئے اور کہا۔
"یہ تمہاری اس وقت کی مزدوری۔ تم آج سے میرے پاس ملازم ہو
گئے ہو میرا نام ڈاکٹر پشور دھن ہے۔
میں نے فزکس میں ایم اے پی ایچ ڈی کیا ہے اب میں مدراس
کے جنگلوں میں کوبرا یعنی کالے پھن والے سانپوں کا زہر
اکٹھا کرنے آیا ہوں تمہارا کام یہ ہو گا کہ میں جو سانپ پکڑوں
تم میرے ساتھ اس کا زہر نکالنے میں میری مدد کرو گے۔ کیا تم
اس کام کے لیے تیار ہو"
ناگ کو دل میں بڑا دکھ ہوا کہ کبھی وہ سانپوں کا دیوتا تھا اور
سانپ اس کی بو سونگھ کر تھر تھر کانپنے لگتے تھے اور آج
وہ سانپ کا نام سن کر خوف کھا رہا ہے مگر اس نے اپنے دل
کے خوف کو بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ بولا۔

"یس سر! میں یہ کام کرنے پر تیار ہوں"
"ویری گڈ"
ڈاکٹر پشور دھن نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ اور اسے
اپنے ساتھ گاڑی میں پیچھے بیٹھنے کو کہا ناگ کار میں پیچھے بیٹھ گیا اور کار
شہر کی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی ڈاکٹر پشور دھن کے ہوٹل کی طرف
روانہ ہو گئی جہاں اس کا کمرہ پہلے سے بک ہو چکا تھا۔

ماریا لالکشن کالی دیوی کی قیدی بن چکی تھی۔

وہ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچتی رہتی۔ مگر کالی دیوی اور کالا لالکشمی بڑے خطرناک جادوگر تھے انہوں نے مندر کے اردگرد جادو کا جو دائرہ کھینچ رکھا تھا اسے کوئی بھی پار نہیں کر سکتا تھا۔ ماریا کی ایک لڑکی جو دیوداسی تھی سہیلی بن گئی اس نے ماریا کو بتایا کہ ایک دفعہ ایک دیوداسی نے اس دائرے میں سے نکلنے کی کوشش کی تو دائرے میں ایک شعلہ نکلا جس نے دیوداسی کو بھسم کر کے رکھ دیا تھا اس دن کے بعد سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ دائرے سے فرار ہونے کا خیال بھی دل میں لائے یہی وجہ ہے کہ جب ماریا نے اس اپنی سہیلی دیوداسی کو بتایا کہ وہ مندر سے فرار ہونا چاہتی ہے تو وہ ڈر گئی اس نے کہا۔

"ماریا بہن۔ ایسا خیال پھر کبھی دل میں نہ لانا۔"

لیکن ماریا ایسی عورت نہیں تھی کہ ہمت ہار کر بیٹھ جائے اس نے اس

نے بڑے بڑے خطرناک حالات دیکھے تھے۔ اور بڑی بڑی مصیبتوں میں سے نکلی تھی۔ ماریا کو معلوم ہو چکا تھا کہ کالی دیوی کا جادو صرف اسی مندر میں دائرے کے اندر اندر تک چلتا ہے۔ باہر اس کے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا اگر وہ ایک بار جادو کے آتشی دائرے کو پار کر جائے گی تو آزاد ہو جائے گی اور پھر سے غائب بھی ہو جائے گی۔

اب ماریا نے غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ کس ترکیب پر عمل کر کے جادو کے آتشی دائرے سے باہر نکل سکتی ہے اس نے مندر کے روز کے کام پر غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ ہر روز صبح صبح باہر سے ایک پجاری جنگلی پھل لے کر کالی دیوی کے قدموں میں چڑھانے آتا ہے یہ پجاری خود بھی ایک زبردست جادوگر تھا۔

ایک روز جب وہ پجاری مندر سے واپس جانے لگا تو ماریا نے دیکھا کہ وہ پجاری مندر کے دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور تھیلے میں سے کوئی شے نکال کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر اس کی تیل کی طرح مالش کر رہا ہے مالش کرنے کے بعد وہ پجاری بڑے آرام سے جادو کے دائرے میں سے نکل گیا۔

دوسرے روز وہ پجاری مندر میں پھول چڑھانے آیا تو ماریا نے اسے کہا۔

"گورو جی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے کوئی تیل میرے ملنے پر ملنے کے لیے دیں۔"

پجاری نے نفرت سے ماریا کی طرف دیکھا اور کہا۔
"چڑیل عورت! تو کون ہوتی ہے مجھ سے تیل مانگنے والی
میرے پاس ایک ہی تیل ہے اور وہ تمہارے سر کی مالش
کے لیے نہیں ہے۔
ماریا نے کہا۔
گوروجی۔ یہ کوئی خاص تیل ہو گا کیونکہ آپ بھی دیوی کالی
کے خاص پجاری ہیں اور ہم بھی آپ کی بہت عزت کرتی ہیں
اپنی تعریف سن کر پجاری بہت خوش ہوا۔ ماریا نے ایک اور
حملہ کر دیا کہنے لگی۔
"گوروجی۔ آپ تو دیوتا لگتے ہیں آپ کو تو اس مندر کا
سب سے بڑا دیوتا ہونا چاہیئے تھا۔
اب تو پجاری پھول کر کپا ہو گیا اور بولا۔
اری چڑیل۔ مجھے تو شیو جی چڑیل مہاراج نے خود دیوتا کہا ہے
میں ان راکشش اور راکشش کو کیا سمجھتا ہوں یہ تو میں اپنے
گورو کی نصیحت نبھاتا ہوں اور روزانہ آ کر یہاں پھول چڑھاتا
ہوں"
ماریا بولی۔
"گوروجی! آپ پر جادو کے دائرے کی آگ بھی تو اثر نہیں
کرتی۔ آپ تو بڑے مان والے عظیم دیوتا ہیں

پجاری بولا۔
اری یہ جادو کا دائرہ کیا ہے میں تو آگ کے سمندر میں سے
گزر سکتا ہوں۔
ماریا نے لوہے کو گرم دیکھ کر ایک آخری چوٹ لگائی۔
"آپ کو ضرور کالی دیوی نے کوئی منتر یاد کرا رکھا ہو گا جس
کو پڑھ کر آپ بے خوف ہو کر جادو کا دائرہ پار کر جاتے ہیں
پجاری نے آہستہ سے کہا۔
یہ کالی دیوی مجھے کیا منتر پڑھائے گی مجھے تو ایسے ایک ہزار
ایک منتر یاد ہیں"
ماریا نے پوچھا "تو پھر آپ کوئی شے سر پہ نہیں ملتے ہیں جس کی وجہ
سے آپ پہ دائرے کے جادو کا اثر نہیں ہوتا"
پجاری بولا۔
"ہرگز نہیں۔ میرے پاس ایک تیل ہے جسے میں منہ پر اور ہاتھوں
پر مل لیتا ہوں۔ بس پھر دائرے کا جادو میرے اوپر کوئی
اثر نہیں کرتا۔
ماریا نے کہا۔
"گوروجی! مجھے تو بالکل یقین نہیں آتا کہ آپ کے پاس کوئی
ایسا تیل ہے جس کی مالش کر لینے سے کالی دیوی کا جادو
بے اثر ہو جاتا ہے۔
پجاری نے جھلا کر کہا۔

اگر نہیں یقین آتا تو چل میرے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر
میرے اپنے بنائے ہوئے جادو کے خاص تیل کی مالش سے
کالی دیوی کے جادو کو کس طرح شکست ہوتی ہے۔

ماریا بھی چاہتی تھی۔ وہ پجاری کے ساتھ مندر کے دروازے کی
اوٹ میں آگئی۔ پجاری اسے بتایا کہ وہ دروازے کی اوٹ میں اس پہ
چھپ چھپ کر تیل کی مالش کرتا ہے تاکہ کالی دیوی کو اس کی طاقت کا راز نہ
معلوم ہو جائے پھر اس نے تھیلے میں سے ایک شیشی نکال کر اس کو
چہرے اور ہاتھوں پر مالش کی اور کہا۔

"دیکھو اب میں جادو کے دائرے میں سے گذر جاؤں گا۔ اور
مجھ پر کالی دیوی کے جادو کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔

ماریا بولی۔ "ہو سکتا ہے آپ منہ ہی منہ میں کوئی جادو کا منتر پڑھ
کر پھونک مارتے ہوں میں تو جب مانوں گی کہ میرے منہ پہ تیل
کی مالش کر کے مجھے یہاں سے باہر نکال کر دکھائیں۔

پجاری کو تاؤ آگیا کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے میں تمہیں تیل مل دیتا ہوں میرے
اس تیل کی طاقت سے دیوی کالی کے جادو کو شکست دے
کر جادو کے دائرے سے نکل جاؤ گی مگر یاد رکھو۔ تمہیں واپس
اس مندر میں لوٹ کر آنا ہو گا۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش
کی تو میرا جادو تمہیں وہیں زمین میں درخت کی طرح گاڑ دے گا

ماریا جانتی تھی کہ وہ ایک بار مندر کی حد سے باہر نکلی تو ایک دم غائب ہو

ہو جائے گی اور اس پجاری کے ہاتھ نہیں آئے گی اور اس پہ کوئی جادو
نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ نظر آئے گی تو اس پر جادو کرے گا۔ ماریا
کو اس بات کا بھی علم تھا کہ سوائے کالی دیوی اور راکشش کے۔ اس
مندر میں کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ماریا ایک غیبی عورت ہے ماریا
نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"گورو جی! میں تو کالی دیوی کی داسی ہوں۔ میں تو بڑی خوش
ہو کر یہاں رہ کر دیوی اور راکشش کی خدمت کرتی ہوں بھلا
میں یہاں سے نکل کر اور کہاں جاؤں گی۔

پجاری نے کہا۔

"تو پھر یہ لو۔ اس تیل کو اپنے منہ اور ہاتھوں پر مالش کر لو۔

ماریا نے ہتھیلی پر تیل کے چند ایک قطرے لئے اور اس کو چہرے اور ہاتھوں
پر مالش کر لی۔ پجاری نے بھی چہرے پر خوب تیل ملا۔ پھر ماریا کا ہاتھ
پکڑ کر بولا۔

"چلو میں تمہیں اپنے ساتھ جادو کا دائرہ پار کراتا ہوں تب
تمہیں معلوم ہو گا کہ میری طاقت کالی دیوی کی طاقت سے کہیں
زیادہ ہے۔

پجاری نے ماریا کو ساتھ لیا اور مندر کی سیڑھیاں اتر کر جادو کے دائرے
کے پاس پہنچ کر رک گیا ماریا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"گھبرانا نہیں۔ تم نے میرے خاص تیل کی مالش کر رکھی ہے۔ اس تیل

کی طاقت کا مقابلہ دنیا کا کوئی دیوی دیوتا نہیں کر سکتا۔ آؤ
میرے ساتھ۔"

ماریا اب بھی جادو کے دائرے میں داخل ہوتے ہوئے گھبرا رہی تھی
لیکن پجاری اسے لے کر بے دھڑک جادو کے خطرناک دائرے میں داخل ہو
گیا ماریا نے آنکھیں بند کر لی تھیں اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اسے ایک
ہلکا سا جھٹکا لگا ہو مگر یہ اس کا وہم تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ
پجاری کے تیل میں جادو تھوڑا اثر تھا۔

وہ ماریا کو لے کر دائرے میں سے نکل گیا۔ اور بولا۔

"اب کہو۔ کیا میری طاقت نے کالی دیوی کے جادو کو تہس
نہس کر کے نہیں رکھ دیا۔"

جی ہاں گورو جی! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

ماریا نے کہا مگر وہ دائرے سے باہر آتے ہی غائب ہو چکی تھی پجاری
نے گردن گھما کر دیکھا تو وہاں دیو داسی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی کی
کھلی رہ گئیں وہ ہواؤں میں تکنے لگا۔ آہستہ سے بولا۔

"دیو داسی! سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

کیونکہ آخر وہ بھی اتنا بڑا جادوگر تھا سمجھ گیا کہ دیو داسی غائب ہو گئی
ہے اور وہ کوئی معمولی دیو داسی نہیں تھی ماریا نے کہا۔

گورو جی! آپ نے کالی دیوی کی قید سے آزاد ہونے کے لیے
میری مدد کی ہے میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی یاد رکھوں گی

میرا نام ماریا ہے میں ایک عیسائی لڑکی ہوں اور ہزاروں
سال سے اپنے دو بھائیوں کے ساتھ صدیوں کی واپسی کے
سفر میں ہوں اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔
بہر حال میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اگرچہ آپ
کی مرضی نہیں تھی پھر بھی میں آپ کو اپنی مدد کرنے پر مجبور
کر دیا آپ کا شکریہ! میں جا رہی ہوں۔"

پجاری نے جلدی سے کہا۔

ماریا بہن۔ ٹھہرو۔ کیا تم یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم نے اپنا جسم
غائب کیسے کر لیا ہے

ماریا نے کہا۔

گورو جی، یہ بڑی لمبی کہانی ہے اگر میں یہ کہانی سنانے بیٹھ
جاؤں تو مجھے ایک ہزار سال لگ جائیں گے آپ یہی سمجھ لیں کہ
کسی بزرگ ہستی کی دعا یا بد دعا سے غائب ہو گئی ہوں اور
ہزاروں سال سے زندہ ہوں۔"

پجاری کی تو عقل دنگ رہ گئی تھی۔ وہ بہت بڑا جادوگر تھا۔ مگر نہ
تو وہ غائب ہو سکتا تھا اور نہ ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا تھا وہ
جانتا تھا کہ راکشش نے سادھو کو جو ہمیشہ زندہ رکھنے والی انگوٹھی
دی ہے وہ ایک انگوٹھی دھوکہ ہے اور وہی انگوٹھی اس سادھو کی موت
کا باعث ہے۔ اس نے کہا۔

"ماریا! کیا تم مجھے غائب کرنے کا گُر بتا سکتی ہو؟"
میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں خود اس راز کو اس گُر کو
نہیں جانتی۔ اچھا خدا حافظ۔

بچاری اسے آوازیں دیتا رہ گیا اور ماریا نے سندر کے پیچھے برف پوش پہاڑی کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی

ماریا نے برف سے ڈھکی ہوئی بیس ہزار فٹ اونچی پہاڑی پر سے چھلانگ لگائی تھی نیچے گہرائی میں سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی ماریا ہوا میں تیرنے لگی اس نے اپنا رُخ سمندر کی طرف کر دیا کیونکہ وہ سب سے پہلے سمندر میں بمبئی شہر کے قریب جو چٹان تھی اور اس میں گوردھان کا جو غار تھا اس کی کوٹھڑی میں کیٹی کو تلاش کرنا چاہتی تھی ماریا ہوا میں اُڑتی چلی گئی برفانی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی نیچے وادیوں میں کہیں کہیں کچے مکانوں میں سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر اوپر اٹھ رہی تھی ماریا اڑتی چلی گئی۔

اس کی رفتار کافی تیز تھی شام ہونے سے پہلے پہلے وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئی۔ بمبئی شہر کا ساحل تھا اس نے دور نیچے اس سمندری چٹان کو پہچان لیا جہاں سادھو نے اسے اور کیٹی کو جادو کے زور سے قید کر لیا تھا اور ان دونوں کو گوردھان کے ہاتھ بیچ دیا تھا ماریا کو اب بھی گوردھان کا فکر لگا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ لیکن اسے ایک خیال یہ بھی

آیا کہ گوردھان اب اسے نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ اس جادو کی سُرمے کی ڈبیا سادھو کو دے دی تھی جس کو آنکھوں میں لگا کر آدمی غیب کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔

اس نے فضا میں غوطہ لگایا اور سیدھی سمندری چٹان کے اوپر آکر رُک گئی پھر وہ چٹان سے نیچے اُتری اور اس غار کی طرف چلی جس کے باہر وہ تنگ و تاریک کنواں تھا جس میں ماریا کو قید کیا گیا تھا کنواں ویران پڑا تھا اس کا پتھر پرے گرا ہوا تھا ماریا پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی اس کے دل میں پھر بھی یہ وہم تھا کہ ہو سکتا ہے گوردھان نے آنکھوں میں غیبی چیزیں دکھلانے والے سُرمے کی سلائی لگا رکھی ہو۔

وہ غار کے اندر کیٹی کی کوٹھڑی میں آئی کوٹھڑی خالی پڑی تھی پھر وہ دبے دبے قدم اٹھاتی گوردھان کی کوٹھڑی میں آئی یہ کوٹھڑی بھی بالکل خالی تھی اور وہاں اُلو بول رہے تھے ماریا نے سارے غار کو چھان مارا وہاں اب کوئی نہیں تھا ایک چمگادڑ اس کے اوپر سے غوطہ لگا کر گذر گیا غار ویران ہو چکی تھی۔

ماریا سے کیٹی بچھڑ گئی تھی وہ کہاں ہو گی۔ کس حال میں ہو گی۔ اس کی ماریا کو کوئی خبر نہیں تھی اسے ناگ اور عنبر کی بھی کوئی خبر نہیں تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ ناگ اسی وقت اس سے دور ڈھائی ۔ ہزار میل دور اسی ملک ہندوستان کے ایک شہر مدراس میں سانپوں کا زہر اکٹھا

کرنے والے ڈاکٹر پٹوردھن کا ملازم بن کر اس کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوٹل کی طرف جا رہا ہے اور دوسری طرف چوکور آنکھوں والی کیٹی سمندر میں گرائے جانے کے بعد لہروں پر بہتی بہتی اسی ملک ہندوستان یعنی اسی ملک کے ایک شہر ترلام میں اس کی پوجا ہو رہی تھی اور وہ چوکور آنکھوں والی مورتی بن کر دیوی داسی کماری میں تبدیل کر دی گئی تھی۔ لیکن کیٹی ہوش و حواس میں تھی اگرچہ وہ پتھر بن چکی تھی۔

ماریا سمندری چٹان سے باہر نکل کر سمندر کی لہروں پر چلتی ہوئی بمبئی شہر میں آگئی کنارے کی ریت گیلی تھی اور اس پہ اس کے پاؤں کے نشان بننے لگے۔ اس وقت وہاں ایک میاں بیوی پک نک منا رہے تھے وہ بڑا سا تولیہ بچھا کر اس پر بیٹھے تھے اور مرد تو منہ پر ٹوپی رکھے دھوپ میں مزے سے ریت پہ لیٹا تھا اور عورت چاٹ کھا رہی تھی۔

اچانک عورت نے دیکھا کہ گیلی ریت پر کسی کے پاؤں کے نشان بنتے چلے جا رہے ہیں یعنی کوئی انسان کوئی عورت یا مرد چلتا ہوا تو دکھائی نہیں دے رہا مگر اس کے پاؤں کے نشان بنتے دکھائی دے رہے ہیں پہلے تو وہ عورت سمجھی کہ شاید یہ اس کا وہم ہے اس نے اپنی آنکھوں کو جھپکایا سر کو ایک بار جھٹکا دیا اور پھر غور سے دیکھا گیلی ریت پر پاؤں کے نشان بن رہے تھے۔ اب لگ رہا تھا

کہ کوئی آہستہ آہستہ پاؤں اٹھا کر چل رہا ہے مگر نظر نہیں آ رہا۔

اصل میں اس عورت کو ماریا نے بھی دیکھ لیا تھا۔ اور وہ ذرا اس کا مزہ لینا چاہتی تھی ـــــ عورت کا رنگ زرد ہو گیا اب وہ خوف زدہ ہو گئی تھی اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ کسی چڑیل کے پاؤں ہیں اس کو پسینہ آ گیا اور جسم سن ہو گیا اس نے بڑی مشکل سے حلق سے آواز نکال کر اپنے خاوند سے کہا۔

سوامی جی! سوامی جی! اے۔ وہ۔ وہ

اس کے خاوند نے ٹوپی آنکھوں پر سے اٹھائے بغیر پوچھا۔

"ارے بھائی کیا وہ وہ لگا رکھی ہے کیا ہے وہ۔"

عورت نے چیخ مار کر کہا۔

"چڑیل"

اس کا خاوند بھی چیخ مار کر اچھل پڑا۔

"چڑیل"

عورت پہلے ہی ڈری ہوئی تھی اب جو اس کے خاوند نے چیخ ماری تو اس کی بھی چیخیں نکل گئیں اور وہ دونوں پاگلوں کی طرح ایک طرف بھاگ اٹھے۔

ماریا ہنسنے لگی وہ گیلی ریت پر سے گذر کر خشک ریت اور پھر سڑک کے فٹ پاتھ پر آگئی لوگ بہت سارے جمع ہو گئے تھے

اور ساحل سمندر پہ نظر آنے والی چڑیل کی باتیں کر رہے تھے۔ سب دور سے گیلی ریت کی طرف اشارہ کر رہے تھے کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ قریب جا کر ماریا کے پاؤں کے نشان دیکھے

ماریا فٹ پاتھ پر ایک طرف جا رہی تھی اس شہر میں اس کی پیاری سہیلی خلائی لڑکی کیٹی اس سے بچھڑ گئی تھی۔ ماریا کا دل پہلے ہی ناگ اور عنبر کے لیے اداس تھا اب کیٹی بھی اس سے جدا ہو کر اسے اداس کر گئی تھی وہ سوچنے لگی کہ وہ کہاں جائے کیونکہ اب کیٹی ناگ یا عنبر سے خود ملنا اس کے اختیار میں نہیں تھا اب تو کسی خوبصورت یا خوفناک اتفاق سے ہی ان سب کی آپس میں ملاقات ہو سکتی تھی۔

دلیپ کمار کے بنگلے پر جانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہاں جا کر وہ کیا کرے گی بھلا۔ وہ جس بازار میں جا رہی تھی وہ بڑی رونق والا بازار تھا اور ہندو عورتیں پھولوں کے ہار لیے مندروں کو جا رہی تھیں بازار کی ایک گلی میں کسی بزرگ کی خانقاہ تھی جہاں قوالی ہو رہی تھی کچھ لوگ بیٹھے دعا مانگ رہے تھے ماریا خانقاہ میں داخل ہو گئی۔ اگربتیاں مزار پر سلگ رہی تھیں پھولوں کے ڈھیر لگے تھے۔ فضا خوشبوؤں سے بھری ہوئی تھی قوالی بڑے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ طبلہ

بج رہا تھا اچانک ایک عورت کو حال آ گیا اور وہ بال کھول کر زور زور سے حال کھیلنے لگی دوسری عورتیں اور مرد پرے پرے ہٹ گئے۔ قوال بھی بڑے جوش کے ساتھ گلا پھاڑ پھاڑ کر تانیں مارنے لگے۔

عورت کی عمر تیس پینتیس کے قریب تھی وہ آنکھیں بند کیے سر آگے پیچھے مار کر حال کھیل رہی تھی پھر ایک دم وہ رک گئی اس نے ہاتھ اٹھا کر قوالوں کو قوالی بند کرنے کا اشارہ کیا قوال خاموش ہو گئے عورت نے آنکھیں کھولیں اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اس نے سب مردوں اور عورتوں پر ایک نگاہ ڈالی اور بھاری مردانہ آواز میں کہا۔

"میں عبدالرحمان جن ہوں میں اس عورت کے سر پر سوار ہوں یہ عورت اب میرے قبضے میں ہے جس کسی کی کوئی مراد ہو وہ مجھ سے پوچھے میں اس کی مراد پوری کر دوں گی۔

ایک عورت ہاتھ باندھ کر بولی۔

میرا بیٹا دو سال سے بیمار ہے میں نے امریکہ اور لندن کے ڈاکٹروں کو بھی دکھایا مگر میرے بیٹے کو آرام نہیں آیا اسے اچھا کر دیں۔

عورت نے کہا۔

یہاں ہمارے قریب ہی ایک ایسی لڑکی کھڑی ہے جو سوائے ہمارے اور کسی کو نہیں دکھائی دے رہی اگر وہ اس مزار پر سے گلاب کا ایک پھول اٹھا کر ہمیں دے دے تو تمہارا بیٹا اچھا ہو جائے گا

ماریا پریشان ہو گئی اس عورت کے جن نے اسے دیکھ لیا تھا جن والی عورت بولی۔

ماریا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے! مجھے اپنے ہاتھ سے ایک گلاب کا پھول اٹھا کر دے دو۔

سب لوگ سانس روکے بیٹھے تھے اچانک انہوں نے دیکھا مزار پر سے گلاب کا ایک پھول اپنے آپ اوپر کو اٹھا اور عورت کے ہاتھ میں آگیا عورت بولی۔

شاباش ماریا۔ تم نے ایک دکھی عورت کی مدد کر کے ہمارا دل خوش کر دیا ہے۔

پھر جن عورت نے گلاب کا پھول اس عورت کو دے کر کہا۔

اسے لے جا کر اپنے بیمار بیٹے کے سرہانے رکھ دو

تمہارا بیٹا بالکل اچھا ہو جائے گا۔

وہ عورت پھول لے کر خوشی خوشی چلی گئی جن عورت نے آنکھیں بند کر لیں اور دونوں بازو اپنے سر کے اوپر اٹھا دیئے اور کہا۔

"اب ہم جا رہے ہیں؟"

پھر جن عورت نے اپنا سر نیچے کر لیا۔

ماریا نے دیکھا کہ اس کے سر کے درمیان سے ایک سفید ہیولا سا نکل کر اوپر فضا میں رک گیا یہ ایک انسان کی شکل کا ہیولا تھا یہ ہیولا ماریا کے پاس آگیا ماریا نے ہیولے کو غور سے دیکھا اس کی شکل انسان سے بہت ملتی جلتی تھی مگر فرق اتنا تھا کہ اس ہیولے والے انسان کے سر پر ایک سینگ اُگا ہوا تھا ماریا سمجھ گئی کہ یہی جن عبدالرحمان ہے اس نے کہا۔

"عبدالرحمان بھائی۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔"

عبدالرحمان جن نے کہا

میں تمہیں دیکھ بھی رہا ہوں ماریا۔

ماریا بولی۔

رحمان بھائی! کیا تم مجھے ناگ عنبر اور کیٹی کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو کہ اس وقت کہاں ہیں

اور میں اُن سے کیسے مل سکتی ہوں؟

عبدالرحمان جن نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر زمرد کے منکوں والی ایک تسبیح نکالی اور ماریا کی طرف بڑھا کر کہا۔

ماریا۔ یہ تسبیح تمہارے کام آئے گی۔

ماریا نے تسبیح لے لی۔

عبدالرحمان جن نے کہا۔

"اسے اپنے گلے میں ڈال لے جب کبھی تمہیں مشکل کا سامنا ہو تو اس تسبیح پر خدا کا نام لے کر پھونک مار دینا اور پھر اس کی کرامت دیکھنا

ماریا نے پوچھا

"کیا یہ مجھے ناگ عنبر گیٹی سے ملا دے گی؟"

عبدالرحمان جن نے کہا۔

یہ اس تسبیح کی مرضی ہے اس کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

یہ کہکر جن کا ہیولا غائب ہو گیا۔

ماریا تسبیح ہاتھ میں تھامے اس کے زمرد کے خوبصورت چمکیلے منکوں کو غور سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تسبیح کو گلے میں ڈالا اور خانقاہ سے باہر آگئی۔ یہاں خانقاہ کے پیچھے ایک

چھوٹا سا درختوں کا ذخیرہ تھا جس کے درمیان ایک تالاب بنا ہوا تھا آدھے تالاب پر بڑ کے ایک درخت نے اپنا سایہ ڈال رکھا تھا ماریا اس تالاب کے کنارے آکر کھڑی ہو گئی اس نے ناگ عنبر اور گیٹی کا تصور ذہن میں کیا اور تسبیح پر اللہ کا نام پڑھ کر پھونک مار دی۔

پھونک کا مارنا تھا کہ تسبیح نے ماریا کو زمین پر سے درختوں کے اوپر اچھال دیا اور وہ ہوا میں اڑنے لگی ماریا خود بھی ہوا میں اڑا کرتی تھی لیکن تسبیح اسے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اڑا کے لئے جا رہی تھی وہ زمین سے کافی اونچائی پر تھی اور عمارتیں اور سڑکیں اسے چھوٹی چھوٹی لگ رہی تھیں تسبیح ماریا کے گلے میں تھی اس کے بال جو غائب تھے اسے ہوا میں لہراتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ ایک جنگل کے اوپر سے گذر رہی تھی جہاں اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے ماریا دل میں حیران تھی کہ یہ کراماتی تسبیح اسے کہاں لئے جا رہی ہے پھر اس نے اپنے آپ نیچے اترنا شروع کر دیا زمین اس کی طرف اوپر کو چلی آ رہی تھی پھر وہ زمین پر آکر رک گئی۔

اس نے چاروں طرف دیکھا وہ ایک جگہ پر آگئی تھی جہاں سرخ سرخ نوکیلی چٹانیں تھیں اور اُن کے درمیان گیروے رنگ کے

پانی والا دریا بہہ رہا تھا۔ دریا تنگ پتھروں کے راستے میں
سے جھاگ اڑاتا پتھروں سے سر ٹکراتا گزر رہا تھا ماریا کو
عبدالرحمان پر بڑا غصہ آیا کہ شہر سے اٹھا کر یہ اس نے
اسے کہاں لا پھینکا ہے۔

ماریا نے تسبیح اتار کر دریا میں پھینک دی۔ اسے بڑا غصہ
آ رہا تھا کہ یہ سارا کام اس تسبیح ہی کا ہے۔ تسبیح دریا میں
گرتے ہی ایک تیز شوکر کی آواز کے ساتھ فضا میں بلند ہوئی
اور اڑن طشتری کی طرح گھوں گھوں کرتی ماریا کے سر کے اوپر
گھومنے لگی ماریا پریشان ہو کر پیچھے کو دوڑی کہ یہ کیا نئی
مصیبت اس نے مول لے لی ہے۔

وہ جدھر جاتی تسبیح اس کے سر کے اوپر گھومتی ہوئی ساتھ
جاتی تھی ماریا ایک درخت کے نیچے آ کر کھڑی ہو گئی۔ تسبیح گھومتی
ہوئی نیچے اتر آئی اور پھر ماریا کے جسم کے ساتھ ٹکرا کر دوسری
طرف نکل کر غائب ہو گئی ماریا زمین پر گر پڑی۔

اب جو اس نے زمین پر سے اٹھنے کی کوشش کی تو ایسا
نہ کر سکی اور پھر دہشت اور خوف کے مارے اسے پسینہ آ گیا
اس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ سیاہ رنگ کے ایک سانپ میں
تبدیل ہو چکی تھی جس کے سارے جسم پر تسبیح کے دانوں کی
طرح سبز نشان بنے ہوئے تھے اور سر کے اوپر سفید رنگ کا ایک

چھوٹا سا تاج تھا ماریا کے ہوش اڑ گئے وہ سانپ بن چکی
تھی۔ اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا کہ یہ اس کے ساتھ
کیا ہو گیا ہے اور وہ ایک اچھی بھلی لڑکی سے سانپ بن گئی
ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ وہ
رینگتی ہوئی چٹانوں کے درمیان دریا کی طرف چل پڑی ابھی
وہ تھوڑی دور گئی ہو گی کہ ایک چٹان کے سوراخ میں
سے تیز دانتوں والا نیولا نکل کر اس کی طرف لپکا نیولا سانپ
کا دشمن ہوتا ہے اور اپنے تیز دانتوں سے اس کی گردن کاٹ
ڈالتا ہے۔ ماریا ڈر کر بھاگی۔ نیولا بھی اس کے پیچھے دوڑا
ماریا تیز تیز رینگتی دریا کی طرف آ گئی۔ نیولا اس کے پیچھے
پیچھے تھا۔

نیولا اس کے بالکل قریب جا کر ماریا کی گردن کو اپنے تیز
دانتوں سے پکڑنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اچھل کر دریا میں
چھلانگ لگا دی نیولا دریا کے کنارے کھڑا رہ گیا اور دریا کی
بپھری موجیں ماریا کو سانپ کی شکل میں بہاتے ہوئے آگے
لے جانے لگیں۔

- ماریا سانپ کی شکل میں دریا میں بہتی ہوئی کہاں جا پہنچی؟
- کیٹی کی مورتی کا کیا انجام ہوا؟
- اپنی ساری طاقت چھن جانے کے بعد ناگ کے ساتھ کیا گزری؟
- عنبر سے ان لوگوں کی کہاں اور کن حالات میں ملاقات ہوئی؟

اور پھر وہ دو چھوٹے بہن بھائی کون تھے جن کی گردنوں میں سیاہ کالے چھپنیر سانپ لٹکے رہتے تھے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سانپوں کو ان کی گردنوں سے نہیں اُتار سکتی تھی۔

یہ سب کچھ آپ اگلے خاص نمبر ۷۵

"دو سانپوں والے بہن بھائی"

میں پڑھیں گے

سنسنی خیز، پُراسرار اور قدم قدم پر رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانی پڑھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔

توسن پبلی کیشنز،
۱۴- بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

روح اور سانپوں والے بہن بھائی
اے حمید
پلاٹینم جوبلی نمبر

پلاٹینم جوبلی نمبر (۷۵)

ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

بدروح اور سانپوں والے بہن بھائی

اے حمید

قوس پبلی کیشنز
۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خاص نمبر "دو بد روح اور سانپوں والے بہن بھائی" دو چھوٹے بہن بھائی کی چونکا دینے والی زندگی کی کہانی ہے جن کی گردنوں میں ایک خوفناک اتفاق سے سیاہ زہریلے سانپ لپٹے ہوئے ہیں جو کسی بھی طرح سے ان کی گردنوں سے نہیں اترتے بلکہ ان کی گردنوں سے آہستہ آہستہ خون چوس کر ان کی زندگی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ ایک بد روح کا جادو ہے جس کے ذریعے وہ ان دونوں بہن بھائیوں کو آہستہ آہستہ ہلاک کرکے اپنا کوئی خوفناک منصوبہ مکمل کرنا چاہتی ہے۔

اب آپ پڑھیں کہ عنبر، ناگ ماریا اور کیٹی نے کس طرح ان خطرناک حالات کا مقابلہ کرکے ان دونوں بہن بھائی کو اس عذاب سے نجات دلائی جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ ان سب کا انتہائی خطرناک کارنامہ بھی ہے۔ جو آپ مدتوں یاد رکھیں گے۔

اب آپ جلدی سے ورق الٹ کر پڑھنا شروع کر دیں تاکہ آپ جان سکیں ان دونوں بہن بھائی کو کیسے نجات ملی۔

اے حمید

ترتیب

کالی سپیرا اور کلغی والا سانپ

دریا کی موجیں بڑی تیز تھیں۔

ماریا سفید تاج والے کالے سانپ کی شکل میں دریا کی موجوں پر بہتی چلی جا رہی تھی۔ دریا چٹانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنی لہروں کو پتھروں کے ساتھ پٹخ رہا تھا اور ماریا بڑی مشکل سے اپنے آپ کو پتھروں کے ساتھ ٹکرانے سے بچا رہی تھی۔ اس کے ساتھ بہت بڑا حادثہ ہوا تھا۔ خواہ مخواہ اس نے کراماتی تسبیح کو دریا میں پھینکا۔ نہ وہ تسبیح کو دریا میں پھینکتی اور نہ ہی ماریا سے سانپ بنتی۔ اب خدا جانے اس کا آگے چل کر کیا حال ہو گا۔ کیونکہ اب وہ ماریا نہیں تھی جو غائب ہو۔ اب وہ ایک سانپ تھی جس کو ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ پکڑ کر پٹاری میں ڈال کر قید کر سکتا تھا اور اسے پتھر مار کر ہلاک بھی کر سکتا تھا۔

دریا چٹانوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا تو لہروں کا بہاؤ سست ہو گیا اور ماریا سانپ کی شکل میں لہرا لہرا

کر تیرنے لگی۔ پھر بھی اسے دریا کی لہروں میں سے اپنے سفید کلغی والے سر کو اوپر اٹھائے رکھنے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑ رہی تھی ـــ دریا آگے جا کر ایک جنگل کی طرف گھوم گیا۔ ماریا نے دیکھا کر دریا کے دونوں کناروں پر جنگل ہی جنگل تھے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ بمبئی شہر کی خانقاہ سے اڑ کر کہاں آ گئی تھی اور اب دریا اسے کہاں لیے جا رہا تھا۔

دریا کی لہروں پر تیرتے تیرتے ماریا تھک گئی۔

اس نے کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ کافی محنت کے بعد وہ کنارے پر آ گئی۔ دریا سے باہر نکل کر وہ خشک جھاڑیوں میں جا کر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی حالت پر آنسو بہانے لگی۔ اس کی قسمت میں سانپ بننا ہی لکھا تھا۔ یہ سوچ کر اسے بڑا دکھ ہو رہا تھا۔ کیوں کہ سانپ کو ہر انسان اپنا دشمن سمجھتا ہے اور کوئی بھی انسان اسے ہلاک کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر تک جھاڑیوں میں بیٹھے رہنے کے بعد ماریا باہر نکل آئی اور اس نے جنگل میں یونہی ایک طرف رینگنا شروع کر دیا۔ اس کے دل میں بس یہی ایک امید تھی کہ شاید کہیں کسی جگہ ناگ سے ملاقات ہو جائے اور وہ اسے پہچان لے۔ اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ ناگ کی تو ساری طاقت چھن چکی ہے اور وہ خود سانپ سے ڈرنے لگا ہے

اور وہ کسی سانپ سے اس کی زبان میں بات نہیں کر سکتا۔

ماریا پتھروں، ٹیلوں، جھاڑیوں اور درختوں کے ذخیروں میں سے گزر کر ایک ایسی جگہ آ گئی جہاں سامنے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ماریا اس گاؤں میں جاتے گھبرا رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر کسی انسان کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ اسے مار ڈالے گا ـــ وہ ایک کھیت کے کنارے کنارے رینگتی ہوئی تالاب کی طرف آ گئی۔ اس تالاب پر دو لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں اور آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ اچانک ایک لڑکی کی ماریا پر نظر پڑ گئی۔

"سانپ سانپ"

وہ چلائی اور دونوں ڈر کر وہاں سے بھاگ گئیں۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کیوں کہ اگر عورتوں کی بجائے وہاں کوئی مرد ہوتا تو ماریا کو زندہ نہ چھوڑتا ـــ لیکن ان لڑکیوں نے گاؤں میں جا کر شور مچا دیا کہ جنگل میں تالاب کے کنارے ایک کالا سانپ ہے جس کے سر پر سفید کلغی ہے۔ گاؤں کے ایک بوڑھے آدمی نے ہاتھ بلند کر کے کہا،

"سفید کلغی والا سانپ صدیوں میں کہیں نظر آتا ہے اسے پکڑ کر گاؤں میں رکھو۔ یہ خوش نصیبی لاتا ہے ہم اس سانپ کی پوجا کریں گے۔"

لوگ سانپ کو پکڑنے کے لیے تالاب کی طرف آ گئے۔

ماریا نے دور سے لوگوں کو ڈنڈے اور باریک جال لیے تالاب کی طرف آتے دیکھا تو وہ کھیتوں کی طرف بھاگی۔ وہ بڑی تیزی سے رینگتی بھاگتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک ایک طرف سے اسے بین کی آواز سنائی دی۔ چونکہ وہ سانپ بن چکی تھی اور بین پر ڈانس کرنا سانپ کی فطرت ہوتی ہے اس لیے ماریا کے دماغ اور سارے جسم پر بین کی آواز کا اثر ہونے لگا۔ بین کی آواز کی لہریں اس کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر اسے مدہوش کر رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ رک گئی اور کنڈلی مار کر بیٹھ گئی اور اس کا سر اس کی مرضی کے بغیر جھومنے لگا۔

یہ بین ایک سپیرا بجا رہا تھا جو اتفاق سے اس گاؤں کے قریب سے گزرا تو لوگوں نے اسے کہا کہ تالاب کے پاس سفید کلغی والا سانپ ہے وہ ہمیں پکڑ دو۔ سپیرا یہ سن کر چونک پڑا کہ یہاں سفید کلغی والا سانپ آ گیا ہے۔ اس کی قیمت کا سپیرے کو بھی احساس تھا۔ سفید کلغی والا سانپ وہ منہ مانگے پیسوں پر شہر کے بڑے سپیرے پاس بیچ سکتا تھا۔ ادھر گاؤں والے بھی سفید کلغی والے سانپ کو قابو میں کر کے اس کی عبادت اور پوجا کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے انہوں

نے سپیرے سے کہہ دیا تھا کہ ہم تمہیں پیسے دے دیں گے مگر سانپ اپنے پاس ہی رکھیں گے۔

مگر سپیرا دل میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

وہ بین بجاتا ماریا کے سامنے آ گیا۔ ماریا سانپ کی شکل میں سامنے زمین پر کنڈلی مارے بیٹھی بین کی دھن پر جھوم رہی تھی۔ سپیرا بین بجاتے بجاتے ماریا کے قریب کھسکتا آیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں بڑا سا رومال پکڑ رکھا تھا۔ ماریا مدہوشی کے عالم میں رقص کر رہی تھی۔ جھوم رہی تھی۔ سپیرا اس کے بالکل قریب آ گیا اور پھر اس نے جلدی سے رومال ماریا کے اوپر پھینک کر اسے اوپر اٹھا لیا اور ایک کھلی پٹاری میں ڈال کر اوپر سے ڈھکن دے دیا۔

گاؤں کے لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور سپیرے کو مبارک باد دی کہ اس نے گاؤں والوں کی پوجا کے لیے سفید چاندی ایسا سانپ پکڑ کر دے دیا۔ سپیرا اس سانپ کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت اس نے کسی سے کچھ نہ کہا اور سفید کلغی والے سانپ یعنی ماریا کی پٹاری لا کر اس نے گاؤں کے بڑے بوڑھے کے آگے رکھ دی اور کہا:

"یہ آپ کی امانت ہے۔ اسے اپنے پاس رکھیں۔"

لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ یہ بڑا
قیمتی مگر بڑا ہی زہریلا سانپ ہے۔"
بوڑھے نے کہا:
"کیا تم اس کا زہر نہیں نکال سکتے؟"
پیرا کہنے لگا:
"پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کپڑے سے میں اس
کا زہر نکالوں گا اس کپڑے کو سانپ کے دانتوں
کے چھوتے ہی آگ لگ جائے گی دوسری بات
یہ ہے کہ یہ خاص قسم کا سانپ ہے بلکہ سانپوں
کا بادشاہ ہے۔ اگر کسی طریقے سے اس کا زہر
نکال بھی لیا گیا۔ تو ذرا ہی زہر پھر پیدا ہو جائے گا۔"
بوڑھا بولا
"کوئی بات نہیں۔ تم اس کی پٹاری ہمیں دے
دو۔ ہم اسے شیشے کے مرتبان میں بند کر کے
اپنے مندر میں رکھیں گے اور اس کی پوجا کریں گے۔"
پیرے نے پٹاری گاؤں والوں کے حوالے کر دی۔ گاؤں
والوں نے ایک شیشے کا مرتبان منگوا کر ماریا کو اس کے
اندر داخل کر کے اوپر سے سوراخوں والا ڈھکنا بند کر دیا۔
ماریا مرتبان میں قید ہو چکی تھی۔ اس مرتبان کو گاؤں کے

چھوٹے سے مندر میں ایک طاق میں رکھ کر اس کے آس
پاس موم بتیاں روشن کر دی گئیں۔ گاؤں کے مردوں اور
عورتوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ پیرا اس گاؤں سے
چلا گیا تھا مگر تھوڑی دور تالاب کے کنارے جنگل میں
ایک جگہ چھپ کر اس انتظار میں تھا کہ کب سانپ چرا کر
وہاں سے رفو چکر ہو جائے۔
تیسرے روز رات کو درگا دیوی کا تہوار تھا اور گاؤں
کے لوگ دریا میں درگا دیوی کے پھول پھینکنے گئے ہوئے تھے
پیرا اندھیرے میں جنگل سے نکل کر مندر میں آ گیا۔ یہاں
ایک آدمی مندر کے باہر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ پیرے کو
دیکھ کر بولا:
"تم ابھی یہاں ہی ہو؟ گئے نہیں؟"
پیرا کہنے لگا:
"میں چلا گیا تھا لیکن دل نے کہا کہ سفید کلغی
والے سانپوں کے بادشاہ کے آخری بار درشن
کر لوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ اندر جا کر سانپ
کو ماتھا ٹیکوں؟"
پہرے دار نے کہا:
"مگر خبردار بین مت بجانا۔ دیوتا پریشان ہو جائے گا۔"

سپیرے نے اپنی پٹاری اور بین وہاں زمین پر رکھ دی اور کہا :

"یہ چیزیں اپنے پاس ہی رکھیں ۔ میں سانپ کو ماتھا ٹیک کر آتا ہوں ۔"

اور سپیرا مندر میں داخل ہو گیا۔ پہرے دار سپیرے کو صاف دیکھ رہا تھا۔ سپیرے نے دیکھا کہ شیشے کے مرتبان میں سفید کلغی والا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ مگر اس نے اپنا سر ایک طرف جھکا رکھا ہے۔ جیسے تنہا ہو جانے سے اداس ہو۔ سپیرے نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا۔ پہرے دار اسے برابر دیکھ رہا تھا۔

سپیرے نے سوچا کہ یہ کم بخت اسے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ وہ پہرے دار کے قریب آیا اور بولا :

"ٹیک لیا ہے ماتھا۔ بڑا زبردست سانپ ہے۔ اس کی طرف تو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا ۔"

پہرے دار نے بڑے فخر سے کہا :

"اسے سب سے پہلے میری بیوی نے دیکھا تھا۔ میں بڑا خوش قسمت ہوں۔ اسی لیے مجھے اس

مندر کا نیا پجاری بنا دیا گیا ہے ۔"

پہرے دار بڑا فخر کر رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔ اسے ذرا خبر نہ ہوئی کہ سپیرے نے جیب سے ایک چھوٹا سا سانپ نکال کر مٹھی میں پکڑ لیا تھا۔ سپیرا اس سے باتیں کرتے ہوئے پہرے دار کے قریب آ گیا۔ مندر کے اندر جو لیمپ جل رہا تھا اور دو موم بتیاں روشن تھیں ان کی روشنی ڈیوڑھی کے باہر تک آ رہی تھی مگر پہرے دار کو سپیرے کے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا سانپ دکھائی نہ دیا۔

سپیرے نے چپکے سے چھوٹا سانپ پہرے دار کی گردن میں قمیض کے اندر ڈال دیا۔ پہرے دار اچھل کر پرے ہٹا اور گردن زور زور سے جھاڑنے لگا، لیکن اتنے عرصے میں سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔ پہرے دار کے جسم میں سانپ کا تیز زہر داخل ہو کر خون کے ذروں کو پھاڑ چکا تھا۔ پہرے دار بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

سپیرے نے جلدی سے ماریا کے سانپ والا مرتبان اپنی پٹاری میں رکھا اور اسے جھولے میں ڈال کر جنگل کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ وہ ساری رات جنگل میں چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو دریا کنارے پہنچ گیا۔ یہاں اس نے دریا پار کیا۔ دوسرے کنارے ایک بڑا قصبہ تھا۔ اس قصبے میں

وہ ایک بس پر سوار ہو کر شہر رتلام میں آگیا۔

پیارے دوستو!

یہ وہی رتلام شہر ہے جس کے ایک مندر میں خلائی لڑکی کیٹی کی مورتی رکھی ہوئی ہے اور لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اسے چوکور آنکھوں والا دیوی کی داس کماری سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ کیٹی پتھر کی مورتی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس کی چوکور آنکھیں زندہ ہیں اور وہ سن سکتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتی اور اپنے پتھریلے جسم کو ذرا بھی ہلا جُلا نہیں سکتی تھی۔

اسی چھوٹے سے شہر رتلام میں ریلوے لائن کے پار برگد کے گھنے درخت تلے ایک مشہور اور تجربہ کار سپیرا رہتا تھا جو زہریلے سانپ پکڑ کر سول ہسپتال والوں کے پاس فروخت کرتا تھا جہاں ان سانپوں کا زہر نکال کر اس کی سانپ کے کاٹے کے انجکشن بنائے جاتے تھے۔ سپیرا ماریا کے مرتبان کو لے کر تجربہ کار بوڑھے سپیرے کے گھر میں آ گیا۔ اس نے تھیلا کھول کر مرتبان تجربہ کار سپیرے کے سامنے رکھا تو بوڑھے سپیرے

کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے ایسا سانپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سفید کلغی اور سارے جسم پر منکوں کے دانوں کے سبز نشان!

بڈھے سپیرے نے کہا:

"میں تمھیں اس سانپ کے دو ہزار روپے دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ ایک پائی نہیں دوں گا۔"

مکار سپیرا بولا:

"میں تو پانچ ہزار سے ایک ٹیڈی پیسہ کم نہیں لوں گا۔"

بوڑھے سپیرے نے تین ہزار تک کہا مگر مکار سپیرا نہ مانا اور مرتبان تھیلے میں رکھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی بوڑھے سپیرے نے کونے میں رکھی ہوئی پٹاری میں سے ایک سرخ رنگ کا چھوٹا سا سانپ باہر نکالا اور اسے اس جگہ کی مٹی سنگھائی جہاں مکار سپیرا بیٹھا ہوا تھا۔ اس مٹی میں ابھی تک مکار سپیرے کے کپڑوں اور جسم کی بُو رچی ہوئی تھی۔

بوڑھے سپیرے نے سرخ سانپ کو چھوڑ دیا۔ سرخ سانپ مکار سپیرے کا پیچھا کرنے لگا۔ جدھر سے اسے سپیرے کی بُو آ رہی تھی وہ ادھر کو ہی چلا جا رہا تھا۔ سپیرا ریلوے لائن

کے پاس جا کر ایک پُل کے نیچے بیٹھ گیا۔ یہاں دوسرا
کوئی آدمی نہیں تھا۔ اس نے مرتبان کو باہر نکال کر سفید
کلغی والے سانپ کو غور سے دیکھا اور سوچا کر لے تین ہزار
روپے لے لینے چاہیں مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ کیوں کر سرخ
زہریلا سانپ اس کی بو سونگھتا ہوا ریلوے لائن والے پل کے
نیچے پہنچ گیا تھا۔

مکار سپیرا مرتبان کو تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ اس نے فیصلہ
کر لیا تھا کہ وہ تین ہزار روپے کے عوض ماریا کے سانپ
کو فروخت کر دے گا۔ جونہی وہ تھیلا کندھے پر ڈال کر اٹھا
سُرخ سانپ نے پتھروں کے ڈھیر میں سے نکل کر اس کی
پنڈلی پر ڈس دیا اور تیزی سے واپس بھاگ گیا۔ سپیرا سمجھ
گیا کہ بوڑھے سپیرے نے اس کے تعاقب میں جس سانپ کو
روانہ کیا تھا اس نے اپنا کام کر ڈالا ہے۔ اس وقت
اس کے پاس سانپ کا منکا بھی نہیں تھا۔ وہ صرف مرتبان
کا تھیلا لے کر وہاں آیا تھا۔

مکار سپیرا اٹھ کر ایک طرف بھاگنے کی کوشش کرنے
لگا مگر وہ گر پڑا۔ مرتبان گر کر ٹوٹ گیا اور ماریا اس میں
سے نکل کر ایک طرف رینگنے لگی۔ بوڑھا سپیرا بھی سُرخ
سانپ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے مکار سپیرے

کو گر کر مرتے اور مرتبان کو ٹوٹ کر اس میں سے سفید کلغی
والے سانپ کو نکل کر بھاگتے دیکھ لیا تھا۔

بوڑھے نے وہیں بین بجانی شروع کر دی۔

ماریا پتھروں میں رینگتی ہوئی ریلوے لائن پر آ گئی تھی
ادھر سگنل ڈاؤن ہو چکا تھا اور گاڑی شور مچاتی دھڑ دھڑ
کرتی چلی آ رہی تھی۔

بوڑھا سپیرا بین بجاتے ہوئے ریلوے لائن کے پاس
آ کر بیٹھ گیا۔ ماریا بھی کنڈلی مار کر ریلوے لائن پر بیٹھ گئی
اور جھومنے لگی۔ ماریا کے سانپ والے جسم پر ایک تو بین
کی دھن اور پھر لائن پر دور سے آتے انجن کی وجہ سے
جو تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی تھی اس کی لہروں کا بھی اثر ہو
رہا تھا۔ وہ وہیں ریلوے لائن پر بیٹھی جھوم رہی تھی اور
نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔

بوڑھا سپیرا برابر بین بجا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا کہ
اگر سانپ ریل کے نیچے آ کر کچلا گیا تو اس کی ساری
محنت خاک میں مل جائے گی اور وہ ایک قیمتی سانپ
سے محروم ہو جائے گا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب
آئی۔ ریل گاڑی قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ دور سے
انجن نے سیٹی بجائی۔ کیوں کہ ڈرائیور نے ایک آدمی کو

ریل کی پٹڑی کے پاس بیٹھے دیکھ لیا تھا۔

بوڑھے سپیرے نے بین بجانی بند کر دی۔ مگر ماریا پھر بھی لائن سے نیچے نہ اُتری۔ کیوں کہ انجن کی تھرتھراہٹ کی لہریں اس کے جسم پر جادو سا کر رہی تھیں۔ ریل گاڑی قریب آ گئی تھی۔ اب تو بوڑھا سپیرا گھبرا گیا۔ اس نے سانپ کو بین آگے بڑھا کر پرے سے گرانا چاہا مگر سانپ نے زبردست پھنکار مار کر سپیرے پر حملہ کر دیا۔ سپیرا جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ انجن زور زور سے سیٹی بجا رہا تھا اور سپیرے کو ریل کی پٹڑی سے دور چلے جانے کو کہہ رہا تھا۔

سانپ اسی طرح ریلوے لائن پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔ بوڑھے سپیرے کی آنکھوں کے سامنے ایک انتہائی قیمتی سانپ مرنے والا تھا اور وہ اس کے مرنے کا نظارہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ریل گاڑی بالکل اس کے سر پر آ پہنچی۔ سپیرے نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور انجن ریل گاڑی کو لے کر دھڑ دھڑاتا ہوا گزرنے لگا۔ زمین کانپ رہی تھی۔ جب ریل گاڑی گزر گئی تو بوڑھا سپیرا افسوس بھرے دل کے ساتھ ریل کی پٹڑی پر آیا کہ سانپ کی کچلی ہوئی لاش ہی اٹھا کر ساتھ

لے جائے۔

مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ سفید کلغی والا سانپ اسی طرح ریل کی پٹڑی پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔ ساری کی ساری ریل گاڑی اس کے اوپر سے گزر گئی تھی مگر اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ بوڑھے سپیرے کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

دوسری طرف ماریا کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ پوری ریل گاڑی اپنے اوپر سے گزارنے کے بعد وہ زندہ ہے۔ اب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سانپ ضرور بن گئی ہے لیکن مر نہیں سکتی۔ جس طرح کہ وہ ماریا کے روپ میں بھی مر نہیں سکتی تھی۔ یہ جان کر ماریا کو بہت خوشی ہو رہی تھی کہ چلو اگرچہ وہ سانپ بن گئی ہے لیکن اسے کوئی ہلاک تو نہیں کر سکے گا۔

بوڑھے سپیرے کے نزدیک اب ماریا کے سانپ کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اب وہ تو کسی حالت میں ماریا کے سانپ کو نہیں کھو سکتا تھا۔ اس نے بین اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی اور ایک ایسی دھن بجانی شروع کی جو اژدہا کو بھی مست کر کے بے خود کر دیتی تھی۔ ماریا کے سانپ والے جسم کے ساتھ جب اس جادو کر دینے

والی دھن کی لہریں ٹکرائیں تو اس کا جسم بے خود سا ہوکر
جھومنے لگا۔ کچھ دیر وہ جھومتی رہی۔ پھر اس کا ذہن سن
ہونا شروع ہوگیا۔ وہ سست پڑ گئی۔ سپیرا اسی وقت کا
انتظار کر رہا تھا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے بین بجاتے ہوئے
آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے
خالی پٹاری آگے کر دی تھی۔ بین کا سرا اس نے خالی پٹاری
کے کنارے کے ساتھ لگا دیا تھا۔

ماریا پر بین کی جادو بھری لہروں نے گہرا اثر کر دیا تھا۔
وہ آہستہ آہستہ جھومتے ہوئے کھسک کر ریلوے لائن کے
نیچے اتری اور خالی پٹاری کی طرف رینگنے لگی۔ بوڑھا سپیرا
پاگلوں کی طرح بین بجائے چلا جا رہا تھا۔ جونہی ماریا پٹاری میں
داخل ہوئی سپیرے نے جلدی سے پٹاری کے اوپر ڈھکن
دے کر اس کا منہ بند کر دیا۔

سپیرے نے بین منہ سے ہٹا کر اطمینان کا ایک گہرا
سانس لیا اور پٹاری بغل میں دبا کر وہاں سے تیز تیز قدم
اٹھاتا اپنے مکان میں آ گیا۔ کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی
اس نے پٹاری کو ایک اور پٹاری میں بند کر دیا اور کوٹھڑی کو
تالا لگا کر ایک طرف چل پڑا۔ ریلوے لائن والے پُل
کے اوپر سے گذرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ لوگ مکار سپیرے

کی لاش کے ارد گرد کھڑے تھے۔ لاش سیاہ پڑ چکی تھی۔
لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اسے سانپ
نے کاٹا ہے۔

بوڑھا سپیرا پُل کے اوپر سے گذر گیا۔ وہ ایک بڑے
اہم کام کے لیے جا رہا تھا۔ جب اس نے پہلی بار سفید
کلغی والے سانپ کو دیکھا تھا تو اس کا ارادہ تھا کہ اسے
شہر کے ہسپتال والوں کے پاس کافی رقم لے کر بیچ ڈالے گا،
کیوں کہ سفید کلغی والے سانپ کا زہر بہت قیمتی ہوتا ہے
اور ہسپتال والے اسے زیادہ سے زیادہ پیسے دے کر خرید
لیتے ہیں، لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ کلغی والے سانپ
کے اوپر سے پوری ریل گاڑی گذر گئی ہے اور اس پر کوئی
اثر نہیں ہوا اور وہ زندہ ہے تو سپیرے نے ایسے نادر
اور لافانی سانپ کو ہسپتال والوں کے پاس فروخت کر
دینے کا ارادہ بدل لیا تھا۔

اب وہ اپنے ایک ایسے دوست کے پاس مشورہ
کرنے جا رہا تھا جو ایک پرانا سپیرا بھی تھا اور سانپوں کا
جادو منتر کرنے میں بھی بڑا ماہر تھا۔ اس سپیرے کا نام کالی
سپیرا تھا اور وہ سپیروں کی ایک پرانی بستی میں رہتا تھا۔
بوڑھا سپیرا جب کالی سپیرے کی کوٹھڑی میں داخل ہوا

تو وہ ایک سبز سانپ کو مٹی کی پیالی میں دودھ پلا رہا تھا۔
"آؤ دوست! کیسے آنا ہوا؟"
کالی سپیرے نے کہا۔ کالی سپیرا بالکل گنجا اور سیاہ کالا تھا۔ کافی عمر ہو گئی تھی مگر دبلا پتلا جسم بڑا پھرتیلا اور مضبوط تھا۔ بوڑھے سپیرے نے کہا:
"دوست کالی! میں تیرے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری لایا ہوں۔"
"وہ کیا ہے بوڑھے دوست! ذرا میں بھی تو سنوں؟"
اور جب بوڑھے سپیرے نے ساری بات کالی سپیرے کو بتائی تو کالی سپیرے نے سبز سانپ کو پٹاری میں ڈال دیا اور اپنی لال لال سانپ ایسی آنکھوں سے بوڑھے سپیرے کو گھورتے ہوئے بولا:
"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"
بوڑھا سپیرا کہنے لگا:
"مجھے ناگ دیوتا کی قسم! میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کلغی والے سانپ کے اوپر سے پوری ریل گاڑی گزرتی دیکھی ہے۔ پوری کی پوری ریل گاڑی انجن سمیت سانپ کے اوپر سے گزر گئی اور اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح ریل کی

پٹڑی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ کالی! یہ کیا اسرار ہے۔ یہ کیا جادو ہے۔ کیا ہم اس سانپ سے کوئی کام لے سکتے ہیں؟"
کالی سپیرا خاموش تھا اور اپنی لال لال آنکھوں سے کوٹھڑی کی خالی فضا کو گھور رہا تھا پھر سانپ کی سی سسکار منہ سے نکال کر بولا:
"اس سانپ کو میرے پاس لے آؤ۔"
بوڑھا سپیرا بولا:
"تم ــــ تم اس کا کیا کرو گے؟"
کالی سپیرے نے کھا جانے والی نظروں سے بوڑھے سپیرے کو دیکھا اور کہا:
"میں تمہیں بھی ایسا آدمی بنا دوں گا کہ ساری کی ساری ریل گاڑی تمہارے اوپر سے گزر جائے گی اور تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔"
اور کالی سپیرا قہقہہ مار کر ہنس دیا:
"جاؤ ــــ اس سفید کلغی والے سانپ کو لے آؤ۔ میں تمہیں غیر فانی بنا دوں گا۔ تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ پھر سے جوان ہو جاؤ گے۔ تمہیں دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکے گی۔"

جوان بن کر ہمیشہ زندہ رہنے کے خیال سے بڑھے سپیرے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ جلدی سے بولا:

"میں ابھی لاتا ہوں۔"

اور وہ تیزی سے کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی کالی سپیرے نے کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند کیا۔ اندھیرے میں ایک دیا جلایا۔ اسے کونے میں ناگ دیوتا کے پیتل کے بت پر رکھا اور ایک پٹاری میں سے انسان کی کھوپڑی اور سانپ کے آگے سے مڑے ہوئے چار دانت نکال کر اپنے سامنے زمین پر بکھیر دیئے۔ وہ جھک کر ان پر کوئی منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگا۔ اس کے منتروں میں غضب کا اثر تھا کہ سانپ کے چاروں دانت فضا میں بلند ہو کر انسانی کھوپڑی کے سر پر آ کر اس طرح کھب گئے جیسے کھوپڑی کو ڈس رہے ہوں۔ اب کھوپڑی میں حرکت پیدا ہوئی۔

کالی سپیرا بڑے زور زور سے منتر پڑھ رہا تھا۔ اس کا سارا چہرہ پسینے میں بھر گیا تھا۔ انسانی کھوپڑی اوپر اُٹھتی اُٹھتی ناگ دیوتا کی چوکی پر آ کر ٹک گئی اور پھر اس کھوپڑی سے ایک انسان کا چہرہ بن گیا۔ اس انسان کی آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں جیسے مر گیا ہو۔ کالی

سپیرا منتر پڑھتے پڑھتے رُک گیا۔

اس نے انسانی چہرے پر جس کا کوئی دھڑ نہیں تھا زور سے پھونک ماری اور پھر ہاتھ باندھ کر بولا:

"اے ہماری زمین کے سب سے بڑے جادوگر! میرے پاس ایک ایسا سانپ آنے والا ہے جو"

انسانی کھوپڑی والے چہرے کی آنکھیں گھوم کر کالی سپیرے کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں پھر اس کے سیاہ کالے خشک ہونٹوں سے ایک کمزور سی آواز نکلی:

"کالی! میں اس سفید کلغی والے سانپ کے بارے میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو۔ اگر تم میرے شاگرد نہ ہوتے تو میں کبھی نہ آتا۔"

کالی سپیرے نے سر جھکا کر کہا:

"میرے عظیم جادوگر اُستاد! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ مجھے بتا کہ وہ سفید کلغی والا سانپ اصل میں کون ہے؟"

جادوگر استاد کی کھوپڑی کے لب پھر ہلے اس نے کہا:

"سنو کالی! جس سفید کلغی والے سانپ کو تم سانپ سمجھ رہے ہو وہ سانپ نہیں ہے۔"

کالی نے حیران ہو کر پوچھا:

"تو پھر وہ کیا ہے عظیم اُستاد؟"
جادوگر اُستاد کی کھوپڑی نے ڈانٹ کر کہا،
"اپنا کالا منہ بند رکھ اور میری بات غور سے سن
جس سانپ کو تم سانپ سمجھ رہے ہو وہ ایک
لڑکی ہے۔ اس کے سنہری بال ہیں۔ اس کا نام
ماریا ہے۔ وہ پانچ ہزار سال سے زندہ ہے
اور سفر کر رہی ہے اور وہ کسی کو دکھائی
نہیں دیتی۔"
کالی پیپرے نے اتنی زیادہ عقل حیران کر دینے والی باتیں
اکٹھی سن لی تھیں کہ اس کا سر چکرا گیا۔ اس کے منہ سے
اپنے آپ نکل گیا،
"عظیم استاد! کیا یہ لڑکی ہے جو پانچ ہزار سال سے
زندہ ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی؟"
جادوگر اُستاد کی کھوپڑی نے کہا،
"ہاں ــــ اور اسے کوئی ہلاک بھی نہیں کر سکتا۔
ایک بزرگ کی تسبیح کی بے حرمتی کرنے کی وجہ
سے اسے یہ سزا ملی ہے کہ یہ سانپ بنا دی
گئی ہے۔"
کالی پیپرا ہاتھ باندھ کر بولا،

"عظیم اُستاد! کیا میں پانچ ہزار سال تک زندہ نہیں
رہ سکتا؟"
جادوگر استاد نے کہا،
"کالی! اگر یہ لڑکی میری زندگی میں مجھے مل جاتی
تو میں کبھی نہ مرتا۔ لیکن تم میرے خاص شاگرد ہو۔
تم نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میں تمہیں وہ منتر
بتاؤں گا جسے پڑھ کر تم بھی ہمیشہ زندہ رہو گے
لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہیں اسی لڑکی ماریا
کے روپ میں ظاہر ہونا ہوگا۔ یہ لڑکی انسانی
شکل میں آ کر غائب ہو جاتی ہے یعنی اسے
کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر وہ سب کو دیکھ سکتی
ہے۔ مگر تم غائب نہیں ہو سکو گے پھر تمہیں
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت پر فتح پانے کے لیے
ایک اور شرط پوری کرنی ہوگی۔"
"وہ کون سی شرط ہے عظیم اُستاد؟" کالی پیپرے نے پوچھا۔
عظیم جادوگر استاد کی کھوپڑی نے کہا،
"غور سے سنو اور یاد رکھنا۔ اس لڑکی کے ساتھ
اس کے دو بھائی بھی ہزاروں سال سے واپسی کا
سفر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام عنبر ہے

جو عنبر ثانی ہے۔ دوسرے کا نام ناگ ہے جو
اصل میں ایک سانپ ہے مگر انسان کی شکل میں
چلتا پھرتا ہے۔ اگر کسی طرح تم اس ناگ کی اس
وقت گردن کاٹ کر مجھے لا دو جب وہ سانپ
بنا ہوا ہو تو میں تمہیں ایک ایسا منتر بتا دوں گا
جسے پڑھ کر اپنے اوپر پھونکنے کے بعد تم ماریا
سے دوبارا اپنی اصلی صورت کالی سپیرے کے
روپ میں آ جاؤ گے اور پھر کبھی نہ مر سکو
گے اور جوان بن کر ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک زندہ
رہو گے۔"

کالی سپیرے نے کہا:

"عظیم استاد! یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں
تمہیں ناگ کی گردن اتار کر لا دوں گا جب وہ
سانپ بنا ہوا ہو گا لیکن میں اسے کہاں مل
سکوں گا اور اسے کیسے پہچان سکوں گا کہ یہی
ناگ ہے؟"

جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"میری کھوپڑی کے اوپر ناگ دیوتا کے سر پہ
جلتے دیئے کی طرف غور سے دیکھو۔ تمہیں اس

میں عنبر اور ناگ کی شکلیں نظر آئیں گی۔ ان میں
سے جو آنکھوں کو نہیں جھپکے گا وہ ناگ ہو گا۔"

کالی سپیرے نے اپنی آنکھیں دیئے کی لو پر جما دیں
اتنے میں اس کی روشنی میں عنبر اور ناگ کی تصویریں ابھر
آئیں۔ عظیم استاد جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"ان میں سانولے رنگ اور آنکھیں نہ جھپکنے
والا ناگ ہے۔ ان کی صورتیں دماغ میں اچھی
طرح بٹھا لو۔"

کالی سپیرے نے دونوں کی شکلوں کو پوری طرح یاد کر
لیا۔ پھر وہ شکلیں غائب ہو گئیں۔

عظیم استاد کی کھوپڑی نے کہا:

"اب تم جا کر سفید کلغی والا سانپ یہاں لے آؤ۔"

"جو حکم عظیم استاد جادوگر!"

کالی سپیرا بولا:

"عظیم استاد! بڈھا سپیرا شام کو وہ سانپ میرے
پاس لائے گا۔"

عظیم جادوگر نے کرخت آواز میں کہا:

"بدبخت! دیر نہ کر — یہ سانپوں کا کالا جادو
ہے۔ دیر کرو گے تو خطا کھاؤ گے۔ جاؤ، اس

بوڑھے سپیرے سے سفید کلغی والا سانپ لے کر
ابھی واپس آؤ۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے وہیں
ختم کر دو۔۔۔ جاؤ۔"

"جو حکم عظیم جادوگر اُستاد!"

اور کالی سپیرا اپنی کوٹھڑی کو تالا لگا کر بوڑھے سپیرے
کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

O

نقلی ماریا۔۔۔ اصلی ناگ

کالی سپیرا بجلی کی تیزی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔
جب وہ بوڑھے سپیرے کے گھر پہنچا تو وہ بوڑھا سپیرا
ماریا کے سانپ کی پٹاری لے کر کہیں جا رہا تھا۔ کالی
سپیرا لپک کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور مسکراتے
ہوئے بولا:

"کیوں دوست! کیا تم سانپ لے کر کہیں اور
جا رہے ہو؟"

بوڑھا سپیرا گھبرا گیا۔ اصل میں اسے کالی سپیرے پر اعتبار
نہیں تھا مگر اس کے منہ پر اسے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔
کھسیانا سا ہو کر بولا:

"نہیں نہیں۔ میں تو تمہاری ہی طرف آ رہا تھا۔"

کالی سپیرے نے کہا:

"کیا تم جوان بن کر ہمیشہ زندہ نہیں رہنا چاہتے؟"

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں۔"

"تو پھر میرے ساتھ آؤ۔ میں ابھی تمہیں بوڑھے سے جوان بنائے دیتا ہوں اور پھر تم کبھی نہیں مر سکو گے۔"

کالی پیپرا بڑی مکاری سے بوڑھے پیپرے کو ایک طرف گھنے درختوں میں لے گیا جہاں ایک اندھا کنواں بنا ہوا تھا۔ اس کنوئیں میں پانی کی بجائے سانپ بچھوؤں نے اپنا گھر بنا رکھا تھا۔

کالی پیپرے نے کہا:

"یہ سانپ والی پٹاری زمین پر رکھ کر اس کنوئیں کے اوپر بیٹھ جاؤ۔ میں سفید کلغی والے سانپ کو سامنے رکھ کر منتر پڑھوں گا اور پھر اس کنوئیں سے ایک دھواں اُٹھے گا جو تمہارے جسم سے ٹکرائے گا اور تمہارے چہرے کی ساری جھریاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے سفید بال پھر سے کالے ہو جائیں گے اور تمہارا بوڑھا جسم نوجوان لڑکے کے جسم میں تبدیل ہو جائے گا۔"

اگرچہ کالی پیپرا اس کا دوست تھا پھر بھی وہ اس پر کم ہی بھروسہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے پاس بڑے بڑے خطرناک اور کایا پلٹ دینے

والے منتر بھی ہیں۔ چنانچہ بوڑھا پیپرا جوان بننے اور ہمیشہ زندہ رہنے کے لالچ میں آ کر اس کے جھانسے میں آگیا اور کنوئیں پر جا کر بیٹھ گیا۔

کالی پیپرے نے سفید کلغی والے ماریا سانپ کی پٹاری سامنے رکھ لی اور منہ میں یونہی کوئی منتر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کالی پیپرے نے کہا:

"آنکھیں بند کر لو۔ کنوئیں سے جوانی کا دھواں اُٹھنے ہی والا ہے۔"

بوڑھے پیپرے کی عقل پہلے ہی ماری گئی تھی اب اس نے آنکھیں بھی بند کر لیں۔ کالی پیپرا تو اس گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی بوڑھے پیپرے نے آنکھیں بند کیں۔ وہ چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور بوڑھے پیپرے کو کنوئیں میں دھکا دے دیا۔ ایک دردناک چیخ کی آواز تھی جو بوڑھے پیپرے کے ساتھ ہی اندھے کنوئیں میں نیچے ہی نیچے غرق ہوتی چلی گئی۔

کالی پیپرے نے ماریا والے سانپ کی پٹاری اُٹھا لی اور اندھے کنوئیں میں سے جھانک کر نیچے دیکھا اسے سانپ اور بچھوؤں کی وحشی اور غضب ناک پھنکاروں کے سوا کچھ سنائی نہ دیا۔

کالی پیپیرا پٹاری لے کر سیدھا اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔
اس نے دروازہ بند کر کے اندر کنڈلی لگا لی۔ اور دیکھا
کہ دیا جل رہا ہے اور عظیم جادوگر استاد کی انسانی کھوپڑی
انسانی شکل میں اسی طرح ناگ دیوتا کے پاس پڑی اس
کی طرف ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔

کالی پیپیرے نے ماریا سانپ والی پٹاری اس کے
سامنے جا کر رکھ دی اور کہا:

"اے عظیم جادوگر استاد! اس پٹاری میں وہ سانپ
ہے جو تمہارے کہنے کے مطابق ایک لڑکی ہے
جس کا نام ماریا ہے۔"

عظیم جادوگر استاد نے گرج کر کہا:

"بدبخت! اس کو کھول کر دیکھ۔"

کالی پیپیرے نے پٹاری کھولی تو اس میں سے ایک
کالا سانپ جس کی کلغی سفید تھی باہر نکل کر کنڈلی مار کر
بیٹھ گیا۔ اس وقت ماریا کو کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔
یہ اس عظیم جادوگر استاد کی روح کا اثر تھا کہ ماریا کی
یادداشت گم ہو گئی تھی۔ اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ
کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔

عظیم جادوگر کی کھوپڑی بولی:

"کالی ــــ اس سانپ کو اٹھا کر اپنے سینے سے
لگا لے اور پھر میرے جادو کا تماشہ دیکھ۔"

کالی پیپیرے نے ماریا سانپ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے
پکڑا اور اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ سانپ کا سینے کے
ساتھ لگنا تھا کہ کالی پیپیرے کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ زمین سے
ایک فٹ اوپر فضا میں بلند ہو کر جب دوبارا زمین پر گرا
تو ماریا بن چکا تھا۔ پوری کی پوری شکل ماریا کی تھی۔ وہی سانولا
جسم، خوب صورت نقش اور سنہری بال ــ عنبر ناگ اس کو
دیکھ کر کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ ماریا نہیں ہے۔
کالی پیپیرا اپنے جسم کو حیرانی سے تک رہا تھا، کیوں کہ
وہ اگرچہ ماریا بن چکا تھا مگر اس کا دماغ کالی پیپیرے کا
ہی تھا۔ اس نے عظیم کھوپڑی کی طرف دیکھ کر حیرت
سے کہا:

"عظیم استاد! میں دنگ رہ گیا ہوں کر تمہارے منتر
نے مجھے ایک مرد سے عورت بنا دیا۔ یہاں تک
کہ میری آواز بھی عورت کی طرح باریک ہو گئی ہے۔"

جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"تم ہو بہو ماریا بن گئے ہو۔ تمہیں دیکھ کر عنبر، ناگ
اور کیٹی میں سے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم ماریا

نہیں ہو۔"

کالی پیپرے نے پوچھا:

"یہ کیٹی کون ہے؟"

جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ یہ ایک خلائی لڑکی ہے جو کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے اور عنبر ناگ ماریا کے ساتھ سفر کر رہی ہے وہ بھی تمہیں دیکھ کر کبھی نہیں کہے گی کہ تم ماریا نہیں ہو۔"

کالی پیپرا بولا:

"اے عظیم جادوگر اب مجھے یہ بتاؤ کہ ماریا بن کر میری طاقت کتنی ہو گی اور مجھے کس شے سے بچنا ہو گا؟"

جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"تم ماریا بن کر چونکہ غائب نہیں ہو بلکہ تمہیں ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اس لیے ناگ عنبر ملیں تو یہی کہنا کہ کسی دیوتا نے تم پر جادو کر دیا ہے اور تم ظاہر ہو گئی ہو۔ تمہارے اندر صرف اتنی طاقت ہو گی کہ تم پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ بس۔ اس کے سوا تمہارے پاس کوئی طاقت نہیں ہو گی اور جب تک کہ تم ناگ کا سانپ کی حالت میں سر

کاٹ کر نہیں لے آتے۔ تمہیں پانی سے بچنا ہو گا اگر تمہارے جسم کے کسی حصے پر پانی کی چھینٹ پڑ گئی تو تمہارے جسم کا وہ حصہ اصلی صورت میں ظاہر ہو جائے گا۔ یعنی تم باقی ماریا ہو گی مگر وہ حصہ کالی پیپرے کا ہو جائے گا۔ بس پانی سے بچنا۔ کبھی منہ نہ دھونا۔ غسل مت کرنا جس وقت تم ناگ کی سانپ کی حالت میں گردن کاٹ کر لے آؤ گے تو پھر میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جوان اور زندہ کر دوں گا اور میں خود بھی زندہ ہو جاؤں گا۔ اب تم جاؤ اور ناگ کو تلاش کرو۔"

کالی پیپرا بولا:

"عظیم جادوگر! کیا تم مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ ناگ اس وقت کہاں ہو گا؟"

عظیم جادوگر کی کھوپڑی نے کہا:

"مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ وہ اس وقت مدراس شہر کے باہر کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ باقی تمہیں وہاں جا کر اسے خود تلاش کرنا ہو گا۔"

کمال کی بات یہ تھی کہ عظیم جادوگر کی کھوپڑی کو یہ بالکل معلوم نہیں تھا کہ ناگ کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہے اور اب اس میں اور ایک عام کمزور آدمی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کالی سپیرے نے جو بالکل ماریا کی شکل میں ایک خوب صورت لڑکی بن چکا تھا سر جھکا کر کہا :

"میں جا رہا ہوں عظیم جادوگر استاد! اور وعدہ کرتا ہوں کہ ناگ کی سانپ والی گردن ساتھ لے کر آؤں گا اور پھر ہم دونوں استاد شاگرد قیامت تک کے لیے جوان اور زندہ رہیں گے۔"

عظیم جادوگر کی کھوپڑی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور وہ آہستہ سے بولا :

"جاؤ — میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔"

کالی سپیرے نے اپنی کوٹھڑی کو تالا لگایا اور شہر کے ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی جیسا کہ مدراس کی لڑکیاں پہنا کرتی ہیں اور اس نے اپنے پرس میں کافی روپوں کے نوٹ بھی رکھ لیے تھے۔ اس پرس کے ایک خانے میں دو بڑے ہی زہریلے چھوٹے چھوٹے سانپ بھی رکھے ہوئے تھے تاکہ خطرے کے وقت

ان سے کام لیا جا سکے۔

○

نقلی ماریا یعنی کالی سپیرا لڑکی کے روپ میں ریلوے سٹیشن پر آ گئی۔ اس نے مدراس کا ٹکٹ لیا اور ریل گاڑی کے زنانہ ڈبے میں دوسری عورتوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ریل مدراس شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

دن بھر کے ریل کے سفر کے بعد شام کے وقت نقلی ماریا مدراس پہنچ گئی۔ اس نے رات گذارنے کے لیے ریلوے سٹیشن کے سامنے ہی ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا اور کھانا کھا کر بیرے کو چائے لانے کے لیے کہا۔ بیرا چائے لے کر آیا تو نقلی ماریا نے اسے پانچ روپے انعام دیا اور باتوں ہی باتوں میں اس سے پوچھا کہ مدراس شہر کے باہر کون کون سے ہوٹل ہیں۔

بیرے نے کہا:

"میڈم! مدراس شہر کے باہر اٹلی والی پہاڑی کے پاس ایک ہی شاندار ہوٹل ہے جس کا نام اشوکا ہوٹل ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے ہوٹل ہیں جہاں بہت کم مسافر آتے ہیں۔"

نقلی ماریا نے مسکرا کر ہیرے کو کہا:

"او کے ۔۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

رات ہوٹل میں گزارنے کے بعد نقلی ماریا دوسرے روز صبح کے وقت ٹیکسی لے کر ہوٹل اشوکا کی طرف روانہ ہو گئی۔

پیارے دوستو! آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ اپنی ساری طاقت چھن جانے کے بعد ڈاکٹر ٹیوو ردہن کے پاس ملازم ہو گیا تھا جو سانپ پکڑ کر ان کا زہر نکال کر شہر کے سرکاری ہسپتالوں کو سپلائی کرتا تھا اور وہ اس اشوکا ہوٹل میں اپنے مالک کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

جس وقت نقلی ماریا ہوٹل کے باہر پہنچی، ناگ اور ڈاکٹر ٹیوو ردہن ہوٹل سے نکل کر کار میں سامان رکھ رہے تھے۔ ناگ کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی جسے وہ کار کی ڈگی کھول کر اس میں ڈال رہا تھا۔ نقلی ماریا یعنی کالی سپیرا وہاں پہنچ چکا تھا بلکہ پہنچ چکی تھی اور اس نے پہلی ہی نظر میں ناگ کو پہچان لیا تھا۔

اس نے ٹیکسی چھوڑ دی اور ناگ کی طرف بڑھی۔ پیچھے سے جا کر اس نے ناگ کو آواز دی:

"ناگ!"

ناگ نے پلٹ کر دیکھا کہ اس کے سامنے ماریا ظاہر

حالت میں کھڑی تھی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا اور اس نے ماریا کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس نے ڈاکٹر ٹیوو ردہن سے کہا:

"سر! یہ میری بہن ماریا ہے۔"

ڈاکٹر نے عینک صاف کر کے غور سے ماریا کو دیکھا اور بولا:

"اچھی لڑکی ہے۔ کیا کرتی ہے تمہاری بہن؟"

ناگ نے کہا:

"سر! کچھ بھی نہیں کرتی۔"

ڈاکٹر بولا:

"کیا یہ میرے ساتھ کام کرے گی؟"

ناگ نے نقلی ماریا کی طرف دیکھا۔ نقلی ماریا نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

ناگ نے کہا:

"یس سر! یہ کام کرے گی۔"

"او کے۔" ڈاکٹر نے کہا، "آج سے یہ بھی ہماری ٹیم میں شامل ہے۔ یہ ہمارے لیے کھانا وغیرہ پکایا کرے گی اور کاغذوں کو سنبھال کر رکھا کرے گی۔ چلو اب جلدی کار میں بیٹھو۔ زیادہ دھوپ

نکل آئی تو جنگل میں سانپ غائب ہونا شروع
ہو جائیں گے۔"
نقلی ماریا بھی ناگ کے ساتھ کار میں سوار ہو گئی ڈاکٹر
نے کار سٹارٹ کر دی اور وہ شہر سے دور جنگل کی طرف
چل پڑے۔
ناگ نے آہستہ سے ماریا سے کہا:
"ماریا یہ کیا ہوا؟ تم اپنی اصلی شکل میں کیسے ظاہر
ہو گئیں اور تم کہاں تھیں؟"
نقلی ماریا نے جواب میں کہا:
"ناگ! مجھ پر ایک جادوگر نے جادو کر دیا تھا
میں تو بڑی مشکل سے اس سے جان چھڑا کر
یہاں آئی ہوں۔ خدا جانے میں کہاں قید تھی۔
مجھے تو وہ شہر بھی یاد نہیں رہا۔ بس ہوش آیا
تو اس شہر میں تھی اور سامنے تم نظر آ گئے۔ بھگوان
کا شکر ہے کہ تم مل گئے!"
ناگ نے تعجب سے ماریا کی طرف دیکھ کر کہا:
"تم تو ہمیشہ خدا کا شکر ہے کہا کرتی تھیں۔ یہ آج
بھگوان کا نام کیوں لیا؟"
نقلی ماریا کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ جھٹ بولی

"ناگ بھیا اصل میں اس جادوگر کے جادو کا
ابھی تک مجھ پر اثر ہے۔ وہ ہر وقت بھگوان
بھگوان کرتا رہتا تھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ عنبر اور
کیٹی کہاں ہیں؟"
ناگ نے کہا:
"مجھے تو ان کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔ خدا جانے
کہاں ہوں گے۔"
وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ ویسے بھی
کار کے انجن کی آواز کی وجہ سے ان کی باتیں ڈاکٹر ٹیڈ رہن
نہیں سن رہا تھا۔ پھر نقلی ماریا نے جادوگر کی قید کے جھوٹ
موٹ قصے جوڑ کر ناگ کو سنانے شروع کر دیئے۔
ناگ نے پوچھا:
"عنبر سے تمہاری ملاقات، پچھلی بار کہاں ہوئی تھی؟"
اب نقلی ماریا اس کا کیا جواب دیتی؟ اسے تو کچھ
بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے یونہی کہہ دیا۔
"بمبئی میں ملے تھے۔"
"بمبئی؟" ناگ نے حیرت سے پوچھا: "عنبر بمبئی آیا
ہوا تھا کیا؟"
نقلی ماریا نے سوچا کہ اب اس جھوٹ کو نبھانا چاہیے۔

کہنے لگی:

"ہاں ناگ بھیا! بمبئی شہر میں اچانک ایک سپیرا میں
اس سے ملاقات ہو گئی بس پھر اچانک وہ کہیں
غائب ہو گیا اور میں جادوگر کے قبضے میں آ گئی"
ناگ خاموشی سے نقلی ماریا کی باتیں سنتا رہا پھر بولا:
"ماریا بہن! جادوگر کا اثر تمہارے سارے جسم پر
پڑا ہے۔ تمہارے جسم سے جو خوشبو آیا کرتی تھی
وہ نہیں آ رہی ہے"
نقلی ماریا گھبرا گئی۔ مگر آخر وہ بڑا مکار سپیرا تھا اور
جادو منتر بھی جانتا تھا۔ جھٹ سنبھل گیا اور ماتھے پر ہاتھ
مار کر بولا:
"ناگ بھیا! تمہیں کیا بتاؤں۔ وہ تو کوئی بڑا ہی
خطرناک جادوگر تھا۔ مجھے بلی بنا کر رکھ لیا پھر
اونٹ بنا دیا۔ بس اس کے جادو کی وجہ سے
میرے جسم کی خوشبو بھی غائب ہو گئی ہے۔ مگر
بھگوان کا شکر — میرا مطلب ہے خدا کا شکر
ہے کہ میں اس سے جان چھڑا کر بھاگ نکلی"
ناگ نے نقلی ماریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
"ماریا۔ شاید تمہیں میرے چہرے سے اندازہ نہیں

ہوا مگر میرے ساتھ ایک بھیانک حادثہ ہو گیا ہے"
نقلی ماریا نے چونک کر پوچھا:
"کیسا حادثہ ناگ بھیا؟"
پھر ناگ نے نقلی ماریا کو بتایا کہ کس طرح وہ کالے
پانی کے جزیرے میں تھا کہ ایک رات کسی عورت کی
مڑھی کے چبوترے پر سو گیا اور اس کے بعد اس کے جسم سے اس
کی ساری طاقت جاتی رہی اور اب وہ عام انسان کی طرح ایک کمزور
انسان ہے۔ نقلی ماریا یعنی کان سپیرے کا تو منہ کھلے کا کھلا رہ
گیا۔ اس نے پوچھا:
"تو کیا اب تم سانپ نہیں بن سکتے؟"
ناگ نے آہستہ سے کہا:
"آہستہ بولو ماریا!"
مگر کالی سپیرے کے تو کیے کرائے پر پانی پھر گیا
تھا۔ اگر ناگ سانپ نہیں بن سکے گا تو وہ کس کی گردن
کاٹ کر عظیم استاد جادوگر کے پاس لے جائے گا اور
ہمیشہ کی جوانی اور زندگی حاصل کرے گا۔ اس نے خشک ہونٹوں
پر زبان پھیرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا:
"ناگ بھیا! کیا سچ مچ تم اب سانپ نہیں بن سکتے؟"
ناگ نے اداس ہو کر کہا:
"ہاں ماریا بہن! اس وقت میرے پاس کوئی طاقت

نہیں ہے اور میں سانپ کیا ایک چیونٹی بھی نہیں
بن سکتا۔"
نقلی ماریا تو ہاتھ ملنے لگی:
"یہ تو بہت برا ہوا ناگ بھیا! اب تمہاری طاقت
کیسے واپس آئے گی؟"
ناگ بولا:
"خدا جانے ۔۔۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر ٹیوو ردبن نے گاڑی کو
جنگل کی ایک چھوٹی سڑک کی طرف گھماتے ہوئے کہا،
"ناگ!"
"یس سر؟"
"ہماری منزل آگئی ہے۔"
اور پھر ڈاکٹر ٹیوو ردبن نے ایک طرف گاڑی کھڑی
کر دی۔
"چلو ناگ باہر نکل کر جھولا اور سانپ پکڑنے والا
آنکڑا اور دوسری چیزیں ڈگی میں سے باہر نکالو۔
اپنی بہن ماریا سے کہو کہ وہ یہاں کیتلی نکال کر
آگ جلائے اور ہمارے لیے چائے تیار کرے۔"
ناگ اور نقلی ماریا نے گاڑی کی ڈگی میں سے سامان

نکال کر باہر رکھ دیا۔
ڈاکٹر نے ناگ کو ساتھ لیا اور ماریا سے کہا:
"ہمارے آنے تک چائے تیار رکھنا لڑکی!"
دونوں جنگل میں سانپ پکڑنے چل دیئے۔ نقلی ماریا اکیلی
رہ گئی۔ وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی کہ کم بخت ناگ کی تو طاقت ہی
ختم ہو گئی ہے۔ اب یہ کیسے سانپ بنے گا اور وہ اس کی کیوں
کر گردن کاٹ کر واپس لے جا سکے گی؟ نقلی ماریا اندر ہی
اندر سخت پریشان ہو رہی تھی۔ مگر سوائے صبر کرنے اور ناگ
کے ساتھ لگے رہنے کے وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔
اس نے ہاتھوں پر ربڑ کے دستانے چڑھا لیے تھے جو اس
نے مدراس شہر سے ہی خرید لیے تھے۔ کیونکہ عظیم استاد
جادوگر نے اسے خبردار کیا تھا کہ وہ اپنے جسم کے کسی حصے
پر پانی کا چھینٹا نہ پڑنے دے نہیں تو اس کے جسم پر
جہاں پانی پڑے گا وہ حصہ اصلی کالی سپیرے کا بن جائے گا۔
اس لیے نقلی ماریا سخت احتیاط برت رہی تھی اور پانی کو
ہاتھ بھی نہیں لگا رہی تھی۔
اس نے ربڑ کے دستانے چڑھا کر کیتلی میں تالاب سے
پانی بھرا اور چائے بنانے لگی۔ اس کے دل میں بس یہی ایک
خیال تھا کہ ناگ کی طاقت کیوں کر اور کب واپس آئے
گی تاکہ وہ سانپ بنے اور وہ اس کی گردن کاٹ کر فرار

ہو جائے۔ ادھر ناگ اور ڈاکٹر ٹیڈو روبن جنگل میں سانپ
پکڑ رہے تھے۔ ناگ سانپوں سے بہت ڈر رہا تھا۔ دونوں
نے گھٹنوں تک چمڑے کا غلاف چڑھا رکھا تھا تاکہ اگر سانپ
کاٹ بھی لے تو ان پر کوئی اثر نہ ہو۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ ناگ کو دیکھ کر سانپ سہم کر
گردن جھکا لیتے تھے اور آج ناگ ان کو دیکھ کر سہم جاتا
تھا۔ ڈاکٹر آگے آگے تھا۔ اگرچہ وہ بوڑھا ہو رہا تھا مگر اسے
سانپ پکڑنے کا بہت تجربہ تھا۔ وہ آگے سے مڑی ہوئی
لوہے کی سلاخ سے سانپ کی گردن دبوچ لیتا اور پھر اس
کی دم پکڑ کر اسے ہوا میں اٹھا لیتا۔

"ناگ تھیلے کا منہ کھولو!"

ناگ جلدی سے ڈرتے ڈرتے تھیلے کا منہ کھول دیتا اور
ڈاکٹر اس کے اندر سانپ ڈال دیتا۔ دو گھنٹوں میں چھ سات
سانپ پکڑنے کے بعد وہ واپس موٹر کار کے پاس آ گئے۔
ماریا نے چائے تیار کر رکھی تھی۔ انہوں نے چائے پی۔
ناگ نے بسکٹ بھی کھائے۔ کیوں کہ اب اسے بھوک لگتی تھی۔
نقلی ماریا بھی چونکہ اصلی ماریا نہیں تھی اس لیے اس نے
بھی چھ سات بسکٹ ہڑپ کر لیے۔ وہ دل میں برابر سوچ
رہی تھی کہ ناگ کو سانپ بننے میں ابھی کتنے دن لگیں گے

شام کو یہ لوگ واپس ہوٹل آ گئے۔

نقلی ماریا یعنی کالی بھیرو، شام کو سیر کا بہانہ کر کے ہوٹل
سے نکلی اور سیدھی ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ رات کے ۹ بجے
اس نے گاڑی پکڑی اور دوسرے دن اپنے شہر آ کر عظیم جادوگر
کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنا دیا۔

عظیم جادوگر نے کہا:

"کالی۔ اب یہ تمہاری قسمت ہے کہ کاسہ پانی میں
ایک رات رہنے کی بدولت ناگ کو [illegible]
نے زخمی کر کے اس کی ساری طاقت چھین لی ہے
کہتی [illegible] ہو گا۔ مجھے افسوس ہے [illegible] میں تمہاری
زیادہ مدد نہیں کر سکوں گا"

کالی یعنی نقلی ماریا نے کہا:

"عظیم [illegible] تم سب سے بڑے جادوگر ہو۔ کیا ناگ کو تم
[illegible] کی طاقت واپس نہیں دلا سکتے؟"

عظیم جادوگر نے کالی [illegible] آواز میں کہا:

"کالی: تم [illegible] سے بات کر رہی ہے
کم بخت تم ناگ کی طاقتوں سے واقف نہیں ہو
تم اسے ایک معمولی [illegible] مت سمجھو۔ وہ [illegible]
دیوتا ہے۔ آج وہ [illegible] ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟"

کل جب اس کے پاس طاقت واپس آگئی تو
دیکھنا کہ اس کی طاقت حیران کر دینے والی ہو گی۔ میں
اس پر جادو نہیں کر سکتا۔
نقلی ماریا نے کہا،
"تو پھر میرے لیے کیا حکم ہے عظیم استاد!"
اس کے اُستاد جادوگر نے کہا،
"واپس ناگ کے پاس جاؤ اور اس وقت کا
صبر کے ساتھ انتظار کرو جب اس کی طاقت واپس
آجائے اور وہ سانپ بن سکے۔"
نقلی ماریا اسی دن واپس مدراس ناگ کے ہوٹل میں
آگئی۔
ناگ نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم رات کہاں چلی گئی تھیں؟
نقلی ماریا نے ایک جھوٹا قصہ گھڑ کر سنا دیا کہ اسے راستے
میں دو ڈاکو اٹھا کر لے گئے تھے۔
"میں نے انہیں ہلاک کر ڈالا۔ پھر جنگل میں راستہ
بھول گئی۔ صبح ہوئی تو دن کی روشنی میں راستہ تلاش
کرتی یہاں پہنچی ہوں۔"
ناگ نے کہا،
"خدا کا شکر ہے تم واپس آگئیں۔"

پھر ماریا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:
"ماریا بہن! تم اب غیبی حالت میں نہیں ہو اور
تمہارے پاس میری طرح اتنی طاقت بھی نہیں
رہی اس لیے زیادہ دور مت جایا کرو۔"
"بہت اچھا ناگ بھیا" نقلی ماریا نے ہنس کر کہا،
کالی پیرا یعنی نقلی ماریا اوپر سے اگرچہ ہنس رہا تھا
مگر دل میں پریشان تھا کہ اگر ناگ کی طاقت کسی طرح
واپس نہ آئی اور وہ سانپ نہ بن سکا تو وہ کیا کرے گا۔
اس کا ہمیشہ جوان رہ کر قیامت تک زندہ رہنے کا خواب
ادھورا رہ جائے گا۔
صبح بڑی روشن اور خوشگوار تھی۔
جس ڈاکٹر ٹیوو روہن کے پاس ناگ ملازم تھا وہ ہوٹل کی
بالکونی میں بیٹھا چائے پیتے ہوئے اخبار پڑھ رہا تھا کہ اچانک
ناگ کو بلا کر کہنے لگا،
"یہ خبر تم نے پڑھی ناگ؟"
"کون سی خبر سر!" ناگ نے پوچھا
ڈاکٹر ٹیوو روہن اخبار خبر پڑھ کر سنانے لگا،
"ترلام شہر سے بیس کلو میٹر دور دریا کے کنارے
ایک گاؤں میں دو بہن بھائی ایسے ہیں کہ جن

کی گردنوں میں سانپ لٹکے ہوئے ہیں اور کسی
طرح سے بھی نیچے نہیں اُترتے ۔ کئی سپیرے
آئے اور ان سانپوں کو بہن بھائی کی گردنوں سے
نہ اتار سکے اور ناکام ہو کر واپس چلے گئے۔
کہتے ہیں کہ ڈاکٹروں نے جب دستانے پہن کر
ان سانپوں کو چاقو سے کاٹنے کی کوشش کی تو
وہ پتھر کے ہو گئے اور لڑکی اور لڑکے کا دم
گھٹنے لگا۔ دونوں لڑکا لڑکی بہن بھائی ہیں اور ان
کی عمریں دس دس گیارہ گیارہ برس سے زیادہ کی
نہیں ہیں۔ سانپوں کے خوف کی وجہ سے ان
بہن بھائیوں کا دم خشک ہو رہا ہے اور وہ
روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی
نجات کے لیے لڑکی اور لڑکے کے ماں باپ
نے ناگ مندر میں جا کر ناگ دیوتا کے بت
کی پوجا بھی کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور
سانپ ابھی تک دونوں کی گردنوں میں پڑے
ہیں۔ سوتے پھرتے بھی سانپ ان کی گردنوں میں
پڑے رہتے ہیں۔ لوگ ان سانپوں والے
بہن بھائی کو دیکھنے دور دور سے آ رہے ہیں۔

ان بہن بھائی کے غریب ماں باپ بہت پریشان
ہیں اور لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ان کے
بچوں کو اس مصیبت سے نجات دلائی جائے۔"
ناگ کو یہ خبر سن کر بڑا افسوس ہوا کہ اس کی طاقت
ختم ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ ان بچوں کی مصیبت ختم کر
سکتا تھا۔

ڈاکٹر ٹیوڈر رودھن بولا:
"میڈیکل سائنس کے مطابق جو سانپ کسی انسان
کا جسم ہر بار ایک خاص وقت پر آ کر سونگھ کر چلا
جاتا ہے اور جو اس کے جسم سے لگا رہتا ہے
ایسے سانپ کے زہر کی تاثیر بڑی خوفناک ہو
جاتی ہے۔ چنانچہ یہ زہر ہسپتالوں میں بڑے مہنگے داموں
پر بکتا ہے۔"
پھر اس نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:
"ناگ! کیوں نہ ہم ان سانپوں کو لڑکے اور اس کی
بہن کے گلے سے اتار کر ان کا زہر نکالنے کی
کوشش کریں؟"
ناگ نے کہا:
"مگر سر! آپ ان سانپوں کو بہن بھائی کی گردن سے

کیسے اتاریں گے ؟"

"دیکھا جائے گا" ڈاکٹر بولا "تم رتلام جانے کی تیاری کرو۔ ہم دونوں جائیں گے اور ماریا تمہاری بہن پیچھے ہوٹل میں ہی رہے گی"

نقلی ماریا یعنی کالی سپیرا پیچھے ہوٹل میں ہی رہا اور ڈاکٹر ناگ کو لے کر رتلام شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ یاد رہے کہ یہ رتلام وہی چھوٹا سا شہر ہے جس کے ایک مندر میں غلافی لڑکی کیٹی کا بُت ہے اور لوگ اس کو راس کماری دیوی سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اگرچہ کیٹی کا سارا جسم پتھر کا ہو چکا ہے مگر اس کا دماغ زندہ ہے۔ وہ بول نہیں سکتی۔ مگر سن سکتی ہے سوچ سکتی ہے اور آنکھوں کو جھپکا بھی سکتی ہے اور دیکھ بھی سکتی ہے۔

○

مُردہ مکڑی — خون پینے والے سلپ

رتلام شہر پہنچ کر ناگ اور ڈاکٹر نے ٹیکسی لی اور بیس کلو میٹر دور دریا کنارے والے اس گاؤں کی طرف چلے جہاں دو بہن بھائیوں کی گردنوں میں سانپ پڑے ہوئے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ناریل کے کتنے ہی درخت لگے تھے۔ دونوں بہن بھائی اپنے جھونپڑے کے باہر تخت پوش پر بیٹھے تھے۔ ان کی گردنوں میں ایک ہی رنگ کے گہرے سبز اور موٹے پھن والے زہریلے سانپ پڑے لہرا رہے تھے۔ بہن بھائی کا رنگ خوف کے مارے زرد ہو رہا تھا اور وہ سہمے ہوئے تھے۔ سامنے زمین پر ان کے بوڑھے ماں باپ اداس بیٹھے تھے۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں جمع تھے اور ان سانپوں کے آگے دودھ اور ملائی رکھ کر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ڈاکٹر اور ناگ کے آنے پر لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔

ناگ کو دیکھ کر ان سانپوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ اگر

ناگ کی طاقت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو یہ سانپ ایک
دم سے اپنی گردنیں ناگ کے آگے جھکا دیتے اور فوراً
ان بچوں کی گردنوں سے اتر آتے۔ لیکن اب انہوں نے ناگ
کی بالکل پرواز کی بجائے الٹا ناگ اور ڈاکٹر کو قریب آتے دیکھ
کر زور سے پھنکاریں ماریں۔

ڈاکٹر نے ناگ کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا:

"بڑے زہریلے سانپ ہیں ناگ۔ آگے مت جانا"

ڈاکٹر نے اپنے بریف کیس میں سے بے ہوش کر دینے
والا ٹیکا نکالا۔ وہ اخبار والوں کی اس بات کو آزمانا چاہتا تھا
کہ اگر ان سانپوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ
پتھر کی طرح سخت ہو جاتے ہیں اور کوئی چاقو کوئی خنجر
ان پر اثر نہیں کرتا۔ وہاں کھڑے لوگوں نے ڈاکٹر سے کہا
کہ وہ سانپوں کو تنگ نہ کرے، کیوں کہ وہ دیوی دیوتا ہیں
مگر ڈاکٹر نے ان کی باتوں کی پروا نہ کی اور بے ہوشی کے
ٹیکے کو ایک لمبی سلاخ کے آگے باندھ کر لڑکی کی گردن
میں پڑے ہوئے سانپ کی طرف سلاخ بڑھائی۔

سانپ نے اپنا پھن سکیڑ لیا اور پھنکارا۔ ڈاکٹر کو
سانپوں کی پھنکاریں سننے کی عادت تھی۔ اس نے سلاخ کو
آگے کر کے سانپ کی گردن میں انجکشن کی سوئی چبھونے

کی کوشش کی مگر سوئی سانپ کے جسم سے ٹکرا کر ٹوٹ
کر گر پڑی۔ سانپ کا جسم پتھر کا بن گیا تھا اور وہ بالکل
نہیں ہل رہا تھا۔

ڈاکٹر نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

"ناگ! یہ سانپ خطرہ دیکھ کر اپنے جسم میں کچھ
ایسی کیمیکل تبدیلیاں کر لیتا ہے کہ اس کا جسم پتھر
کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ مگر میں اب چاقو سے
اسے ہلاک کرنے کی کوشش کروں گا۔"

ناگ بولا:

"سر! میرا خیال ہے آپ اپنے مقصد میں کامیاب
نہ ہو سکیں گے۔"

"میرا کام کوشش کرنا ہے۔"

اور ڈاکٹر نے اب لڑکے کی گردن میں پڑے ہوئے
گہرے سبز سانپ کی طرف ہاتھ والی سلاخ بڑھائی۔ اس
سانپ نے بھی اپنا پھن سکیڑ لیا اور زور سے پھنکار ماری۔
ڈاکٹر اور آگے ہو گیا۔ اب وہ لڑکے کی گردن میں پڑے ہوئے
سانپ سے تین فٹ کے فاصلے پر تھا۔ لڑکا سہما ہوا خاموش
بیٹھا تھا۔ جب سے ان دونوں بہن بھائیوں کی گردنوں میں
سانپ پڑے تھے ان کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔ ان کو

جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا اور وہ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

ڈاکٹر تھوڑا سا اور آگے ہوا تو ناگ نے کہا:

"سر! زیادہ آگے نہ جائیے۔ یہ سانپ بڑے زہریلے ہیں۔"

مگر ڈاکٹر اپنی دھن میں مست تھا۔ اس نے چاقو والی سلاخ آگے کر کے سانپ کی گردن پر تیز دھار والے چاقو سے وار کیا۔ اس سانپ نے بھی اپنی گردن پتھر کی طرح سخت کر لی اور چاقو ٹوٹ گیا۔

ڈاکٹر پیچھے ہٹنے ہی والا تھا کہ لڑکی کی گردن میں لٹکے ہوئے سانپ نے حملہ کر کے ڈاکٹر کی کلائی پر ڈس دیا۔ ڈاکٹر نے فوراً سلاخ ہاتھ سے پھینکی اور بریف کیس کھولتے ہوئے بولا:

"ناگ! میری کلائی پر رسی باندھو۔ جلدی!"

ناگ کو رسی تو نہ ملی۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر ڈاکٹر کی کلائی پر باندھ دیا۔ ڈاکٹر نے بریف کیس میں سے زہر کے اثر کو توڑنے والی دوائی نکال کر حلق میں انڈیل لی۔ مگر ناگ دیکھ رہا تھا کہ ڈاکٹر کا سارا جسم سیاہ پڑنے لگا تھا اور گہرے سبز سانپ کے زہر نے اپنا کام کر دیا تھا۔

ڈاکٹر کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ناگ نے اسے لٹا دیا

اور دیکھا کہ اس کی کلائی پر سبز رنگ کا بہت بڑا آبلہ ابھر آیا تھا۔ پھر وہ آبلہ پھٹ گیا اور اس میں سے سبز خون بہنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈاکٹر کے سارے بدن پر گہرے سبز آبلے ابھر آئے اور وہ مر گیا۔

لڑکی اور لڑکا تخت پوش پر آلتی پالتی مارے خاموشی اور اداسی کے ساتھ ڈاکٹر کی لاش کی طرف دیکھ رہے تھے ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے گہرے سبز سانپ شاید اپنے دشمن کی لاش کو دیکھ کر خوشی سے جھوم رہے تھے۔ لوگ جو ان سانپوں کو دیوتا سمجھتے تھے ڈاکٹر کی موت پر خوشی کا اظہار کرنے اور ناگ ناگن دیوی دیوتا زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

ناگ کو ڈاکٹر کی موت کا بہت افسوس ہوا۔

لیکن اب وہ سوائے صبر کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی لاش واپس لے جانی چاہی تو گاؤں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ چونکہ یہ آدمی ناگ دیوی دیوتا کے غضب کا شکار ہوا ہے اس لیے ہم خود ہی یہاں آگ کے سپرد کریں گے۔ چنانچہ اسی وقت انہوں نے لکڑیاں اکٹھی کر کے چتا بنائی اور ڈاکٹر کی لاش اوپر ڈال کر آگ لگا

دی۔ دیکھتے دیکھتے ڈاکٹر ڈیوڈ روبن کی لاش جل کر راکھ ہوگئی۔

ناگ ناامید ہوکر سانپوں والے مین بھانؔ کے گاؤں سے واپس چھوٹے شہر رتلام آ گیا۔ اس وقت رات گہری ہو گئی تھی۔ کوئی گاڑی مدراس نہیں جاتی تھی۔ اس کے پاس ڈاکٹر کا بریف کیس بھی تھا۔ مدراس کو صبح سات بجے گاڑی جاتی تھی۔ ناگ کچھ دیر سٹیشن کے بنچ پر بیٹھا رہا۔ پھر ٹھنڈے شہر میں آوارہ گردی کرنے لگا۔

یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا اور یہاں مندر بہت زیادہ تھے۔ کوئی کسی دیوتا کا مندر تھا تو کوئی کسی دیوی کا مندر تھا۔ لوگ آدھی آدھی رات تک ان مندروں میں پوجا کرتے تھے۔ مندروں میں سے اگر بتیوں کی خوشبوئیں اور گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ناگ چلتے چلتے یونہی آوارہ گردی کرتے ہوئے اس مندر کے قریب آگیا جس کے اندر خلائی لڑکی کیشی کا بُت رکھا تھا اور لوگ اسے راس کماری دیوی سمجھ کر اس کی پوجا کرتے تھے۔

دو عورتیں مندر میں سے باہر نکلیں اور باتیں کرتیں ناگ کے قریب سے گذر گئیں۔ ایک کہہ رہی تھی۔

"دیوی راس کماری سے جو منت مانگو پوری ہو جاتی ہے۔"

دوسری بولی:

"مجھے تو کسی وقت وہ زندہ لگتی ہے۔ تم نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟ بالکل انسانوں کی طرح اصلی آنکھیں لگتی ہیں۔"

پہلی بولی:

"وہ تو ہیں ہی اصلی۔"

یہ کہہ کر دونوں عورتیں آگے چل گئیں۔ ناگ نے سوچا کہ چلو اس دیوی کے درشن کرتے ہیں جس کی آنکھیں بالکل انسانی آنکھوں کی طرح اصلی لگتی ہیں۔

وہ مندر میں داخل ہو گیا۔ جونہی اس کی نگاہ بُت پر پڑی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ سی نکل گئی۔ اس کے سامنے خلائی لڑکی کیشی پتھر کی مورتی بنی کھڑی اسے اپنی چوکور سی آنکھوں سے تک رہی تھی۔

کیشی بھی ناگ کو وہاں دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی مگر وہ اپنی خوشی کا اظہار صرف اپنی آنکھوں سے ہی کر سکتی تھی جو ابھی تک زندہ تھیں۔ باقی جسم تو پتھر کا تھا۔ ناگ حیرانی سے کیشی کو تکے جا رہا تھا۔ مرد عورتیں دیوی راس کماری کی جے کے نعرے بلند کرتیں دیوی کیشی کے قدموں میں پھول نچھاور کر رہی تھیں۔

سے شہر کی [illegible] ناگ سے [illegible] کر
شہر [illegible] کی کیا [illegible] ہے [illegible] جگہ دیکھ [illegible]
گیا [illegible] کا [illegible] صبح مندر میں [illegible] کیٹی کو ایک [illegible]
[illegible] وہ اس سے پوچھنے کی کوشش کرے گا کہ وہ [illegible]
سے پتھر کا بت کیسے بن گئی۔

ناگ دل میں حیران ہو رہا تھا کہ کیٹی کا یہ حال [illegible]
کی۔ وہ مدراس جا کر ماریا کو بھی کیٹی کے بارے میں بتانا
چاہتا تھا، بلکہ اب وہ چاہتا تھا کہ ماریا کو اسی شہر [illegible]
بلا لے۔ کیوں کہ ڈاکٹر کی موت کے بعد مدراس میں [illegible]
کا کوئی نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے بھانجے کا ناگ کے پاس اڈریس
موجود تھا۔ وہ ڈاکٹر کا بریف کیس اس کے بھانجے کے [illegible]
پر پارسل کر دے گا۔

یہ فیصلہ کر کے [illegible]۔ وہ [illegible] ماریا کو [illegible] کہ اسی
میں بلا لے گا اور خود مدراس نہیں جائے گا۔ ناگ نے [illegible]
وہ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں [illegible]
کے جھنڈ میں [illegible] جھونپڑی میں دیا جل رہا ہے اور [illegible]
[illegible] ناگ نے سوچا۔ جو کوئی [illegible]
جھونپڑی میں [illegible] کھول کر [illegible] رات [illegible]
[illegible] وہ جھونپڑی کے پاس [illegible]

جھونپڑی خالی ہے مگر اندر دیا جل رہا ہے۔ زمین پر سوکھی گھاس کا فرش بچھا ہے اور کونے میں ایک جھولا لٹک رہا ہے۔ ایک بین بھی پڑی ہے جو عام طور پر سپیرے بجایا کرتے ہیں۔ سمجھ گیا کہ یہ کسی سپیرے کا جھونپڑا ہے جو کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ ناگ جھونپڑی کے باہر درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

ابھی اسے وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ کیا دیکھتا ہے ایک سفید ڈاڑھی والا بزرگ ہاتھ میں تسبیح لیے چلا آ رہا ہے۔ ناگ نے اٹھ کر ادب سے سلام کیا تو اس بزرگ نے کہا۔

"وعلیکم السلام! میاں تم نے دیر کر دی۔"

ناگ نے حیرانی سے پوچھا:

"کیسی دیر کر دی بابا جی میں نے؟"

بزرگ نے کہا:

"آؤ میرے ساتھ جھونپڑی میں۔"

وہ ناگ کو لے کر جھونپڑی میں آ گیا۔ اس نے ایک کٹورے میں سے دودھ نکال کر ناگ کو دیا اور کہا:

"لو دودھ پیو۔ پھر تم سے باتیں کرتا ہوں۔"

ناگ نے خاموشی سے دودھ پی لیا۔ بزرگ تسبیح پھیر رہا تھا اور منہ ہی منہ میں کوئی وظیفہ بھی پڑھ رہا تھا۔ ناگ خاموش

ادب سے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر تک وظیفہ کرنے کے بعد بزرگ نے آنکھیں کھول کر ناگ کو دیکھا اور کہا:

"ناگ بیٹے! تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں کالے پانی کے جزیرے میں اس بدروح کی مڑھی کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا جس نے تمہاری ساری طاقت چھین لی ہے۔"

اتنا سن کر ناگ دنگ ہو کر رہ گیا۔ کیا اس بزرگ کو ساری باتوں کا علم تھا؟

بزرگ نے مسکرا کر کہا:

"بیٹا! مجھے ساری باتوں کا علم ہے۔ تم جو سوچتے ہو مجھے اس کا بھی علم ہو جاتا ہے۔"

ناگ نے بزرگ کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا:

"بابا جی! مجھ پر رحم کریں اور میری طاقت مجھے واپس دلا دیں۔"

بزرگ نے مسکرا کر کہا:

"تمہیں اپنا کشٹ پورا کرنا ہوگا۔ یہ کشٹ یہ مصیبت تمہاری نادانی کی وجہ سے تم پر پڑی ہے۔"

ناگ بولا:

"بابا جی! یہ مصیبت کتنے دن اور پوری کرنی ہوگی؟"

بزرگ نے کہا:

"کم از کم چھ برس تک تم ایک عام کمزور آدمی کی طرح مشکلوں میں پڑ کر زندگی بسر کرو گے۔ اس کے بعد تمہاری طاقت تمہیں واپس مل جائے گی۔"

ناگ ناامید سا ہو گیا کہنے لگا:

"بابا جی! کیا یہ مشکل اس سے پہلے دور نہیں ہو سکتی؟"

بزرگ خاموش ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تسبیح پھیرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ آنکھیں کھولیں اور کہا:

"ناگ بیٹا! صرف ایک صورت میں تمہاری کھوئی ہوئی طاقت تمہیں واپس مل سکتی ہے۔"

"جلدی بتائیے بابا جی! وہ کون سی صورت ہے؟"

بزرگ نے کہا:

"تم نے دریا کنارے والے گاؤں میں دو بہن بھائیوں کو دیکھا ہوگا جن کی گردنوں میں سانپ پڑے ہیں۔"

"جی ہاں بابا جی میں نے دیکھا ہے۔" ناگ نے جواب دیا۔

بزرگ نے کہا:

"اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت

ان سانپوں کو بچوں کی گردنوں سے نہیں اتار سکتی
اور دونوں بہن بھائی اس خوف کی وجہ سے موت کی
طرف جا رہے ہیں۔"

"جی ہاں ۔۔۔"

"ان کی گردنوں میں ایک بدروح گاتیری نے یہ سانپ
ڈالے ہیں۔ یہ بدروح سارے شہر کے بچوں کے
گلے میں اسی طرح سانپ ڈال کر آہستہ آہستہ ان
کا خون پی رہی ہے تا کہ وہ پھر سے زندہ ہو جائے۔
اگر ان کی گردنوں سے سانپ نہ اتارے گئے تو
ان دونوں بہن بھائیوں کا خون بدروح گاتیری پی
جائے گی اور یہ کچھ عرصے بعد مر جائیں گے۔ اس
کے بعد دونوں سانپ بھی غائب ہو جائیں گے۔
پھر یہ بدروح خون پینے کے لیے شہر کے کسی دوسرے
دو بہن بھائیوں کی گردنوں میں سانپ ڈال دے گی
اور آہستہ آہستہ ان کا خون پینا شروع کر دے گی۔"

ناگ نے کہا:

"یہ تو بڑا ظلم ہے بابا جی!"

بزرگ نے کہا:

"ہاں ۔۔۔ مگر بدروح گاتیری بہت بڑی جادوگر بھی

ہے اگر تم کسی طرح اسے ہلاک کرنے میں کامیاب
ہو جاؤ تو نہ صرف یہ کہ ان دو معصوم بہن بھائی کی
گردنوں سے سانپ غائب ہو جائیں گے اور وہ
زندہ بچ جائیں گے بلکہ تمہاری طاقت بھی واپس آ
جائے گی۔"

ناگ نے پوچھا:

"بابا جی! میں اسے کہاں اور کیسے ہلاک کر سکتا ہوں؟"

بزرگ نے کہا:

"مدراس سے سات سو میل دور نیچے کی طرف جہاں
ملک ہندوستان کی تکون آ جاتی ہے۔ وہاں سمندر
میں راون کا ایک پل ہے۔ یہ پل آج سے چار ہزار
سال پہلے بنایا گیا تھا۔ اب اس کے صرف تین
ستون ہی باقی ہیں جو آدھے سمندر میں ڈوبے ہوئے
ہیں۔ ان میں سے ایک ستون کے اندر ایک تاریک
سیڑھیاں نیچے جاتی ہیں۔ بدروح گاتیری وہیں نیچے
رہتی ہے۔ تمہیں اسے ہلاک کرنے کے لیے وہاں
جانا ہو گا۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن بابا! میں تو ایک عام انسان ہوں۔ میں ایک

بدروح کو کیسے ہلاک کر سکتا ہوں؟"

بزرگ نے کہا،

"تمہارے ساتھ تمہاری بہن کیٹی بھی جائے گی۔"

ناگ اچھل پڑا:

"تو کیا آپ کیٹی کو جانتے ہیں؟"

"ہاں ——— اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اسی شہر کے ایک مندر میں دیوی راکس کماری کے روپ میں بت بن کر کھڑی ہے۔"

"کیا آپ اسے پھر سے زندہ کر دیں گے؟"

"ہاں ——— میں تمہیں تھوڑی سی راکھ دوں گا۔ تم یہ راکھ لے جا کر کیٹی کے بت پر پھینک دینا۔ وہ دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن بابا! کیا کیٹی اس بدروح کا مقابلہ کر سکے گی؟"

بزرگ نے کہا:

"یہ اب تم دونوں کا کام ہے اور تم دونوں کو ہی کرنا ہو گا۔ میں تمہاری اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ پھر آہستہ سے بولا:

"بابا جی! اگر آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میری ایک اور بہن اور ہمارے ہزاروں سال کے سفر کی ساتھی ماریا بھی اس وقت مدراس کے ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

بزرگ مسکرایا اور بولا:

"وہ ماریا نہیں بلکہ تمہاری موت ہے۔"

ناگ چونک اٹھا:

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جی! وہ تو ماریا ہے میری بہن ماریا۔ وہ میری موت کیسے ہو سکتی ہے۔"

بزرگ نے تسبیح کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کہا:

"سنو ناگ! جس عورت کو تم ماریا سمجھ رہے ہو وہ مدراس کا جادوگر کالی پسیرا ہے جو ماریا کی شکل بنا کر اس لیے تمہارے پاس آیا ہے کہ جب کبھی تم سانپ کی شکل اختیار کرو تو وہ تمہاری گردن کاٹ کر اپنے استاد جادوگر کے پاس لے جائے اور اس سے ہمیشہ جوان اور زندہ رہنے کا نسخہ حاصل کرے۔"

ناگ تو دنگ رہ گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس

عورت کو وہ ماریا سمجھ رہا تھا وہ ماریا نہیں بلکہ ایک سپیرا
ہے جو اس کی گردن اتارنے کی فکر میں ہے۔ اب اسے احساس
ہوا کہ ماریا کے جسم سے اس کی خوشبو کیوں نہیں آ رہی تھی۔
اس نے بزرگ سے کہا:
"کیا میں ماریا کو اصل شکل میں دیکھ سکتا ہوں؟"
بزرگ نے کہا:
"اصل میں ماریا ایک بزرگ کی تسبیح کی توہین کرنے
کی گستاخی میں کلغی والا سفید سانپ بنا دی گئی تھی۔
اس کالی سپیرے نے اپنے استاد جادوگر سے مل کر
اس سانپ کو اپنے سینے سے لگایا اور ماریا بن گیا۔
اب اگر تم یہ جادو توڑ دو تو وہ پھر سے ماریا
بن جائے گی۔"
ناگ نے پوچھا:
"میں یہ جادو کیسے توڑ سکتا ہوں بابا جی؟"
بزرگ کہنے لگا:
"یہ کام تمہاری بہن خلائی لڑکی کیٹی کر سکتی ہے۔
اور اس میں اتنی طاقت ہے کہ چٹکی بجا کر کسی
بھی دیکھی بھالی شکل کا روپ دھار سکتی ہے۔
اسے کہو کہ وہ کالی سپیرے یعنی نقلی ماریا کے پاس
جا کر کالی ماتا کا روپ بدل لے۔ کالی سپیرا کالی

دیوی کا مرید ہے جب وہ کالی دیوی کو سامنے
دیکھ کر سجدے میں گرے تو اس کی پیٹھ پر اپنے
ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھری گھونپ دے۔ پھر کالی
سپیرا مر جائے گا اور اس کے اندر سے ماریا نکل
آئے گی مگر وہ کلغی والے سفید سانپ کی شکل
میں ہو گی۔"
ناگ نے کہا:
"کیا ماریا انسانی شکل اختیار نہ کر سکے گی؟"
"نہیں" بزرگ بولا، "جب تم کو تمہاری طاقت
واپس مل جائے گی اور تم ناگ دیوتا بن جاؤ گے
تو پھر تم کلغی والے سانپ کو حکم دے کر ماریا
میں تبدیل کر سکو گے۔"
ناگ نے کہا:
"اور میری طاقت بدروح گاتیری کو ہلاک کرنے
کے بعد مجھے ملے گی۔"
"ہاں ۔۔۔ اب تم آرام کرو اور صبح صبح مندر میں
جا کر سب سے پہلے کیٹی کو انسانی روپ میں
لا کر سیدھے ان بہن بھائیوں کے ماں باپ کے
پاس جاؤ جن کی گردنوں میں بدروح گاتیری نے
خون پینے والے سانپ ڈال رکھے ہیں۔ انہیں

حوصلہ دو کہ تم ان کے بچوں کو بہت جلد اس
مصیبت سے نجات دلا دو گے۔ اس کے بعد
مدراس ماریا کے پاس جا کر جیسا میں نے تمہیں کہا
ہے اسی پر عمل کرنا۔"

ناگ نے بزرگ کے ہاتھوں کو چوم کر کہا:
"میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں بابا جی۔"
"اب آرام کرو۔ میں جنگل میں جا کر خدا کی عبادت
کروں گا۔ صبح صبح ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ۔"
"خدا حافظ۔"

بزرگ جھونپڑی سے نکل کر باہر چلا گیا۔

ناگ کے دل میں بار بار نقلی ماریا کا خیال آ رہا تھا۔
کم بخت اسی وجہ سے اس کے جسم سے ماریا کی خوشبو بھی
نہیں آتی۔ پھر ناگ کو یاد آیا کہ ماریا کے منہ سے دو تین بار
'خدا' کی جگہ 'بھگوان' کا لفظ نکل گیا تھا۔ میرے خدا! میں بھی
کس قدر احمق بنا ہوا تھا۔

اسی طرح سوچتے سوچتے ناگ کو نیند آ گئی۔

صبح ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ بزرگ نے آ کر ناگ
کو جگا دیا:
"اٹھو بیٹا! صبح کو زیادہ دیر تک سونے والے لوگ
زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے۔"

ناگ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر بزرگ نے
ناگ کو ایک خاص قسم کی راکھ پڑیا میں باندھ کر دی اور کہا:
"اسے مندر میں جا کر کیشی کے بت پر پھینک دینا۔
اب تم جاؤ۔ یہ کام سورج نکلنے سے پہلے پہلے
کر دو تو اچھا ہے، کیوں کہ پھر مندر میں لوگ آنا
شروع ہو جائیں گے۔"

ناگ نے بزرگ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور پڑیا
جیب میں ڈال کر جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ وہ پگڈنڈی
پر سے ہو کر مندر کی طرف آ گیا۔ ابھی اندھیرا تھا اور سورج
کی روشنی نہیں پھیلی تھی۔ مندر میں روشنی ہو رہی تھی۔ موٹا پجاری
غریب پوجا کرنے والوں سے روپے پیسے بٹورنے کی تیاریاں
کر رہا تھا۔ ناگ کو مندر میں داخل ہوتا دیکھ کر اس کو پھر
غصہ آ گیا۔ چلا کر کہا:
"تم پھر آ گئے؟"

ناگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:
"مہاراج! شہر سے آ رہا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں
تو دیوی کو پرنام کر لوں۔"

پجاری بولا:
"کتنے پیسے ہیں تمہارے پاس؟"

ناگ نے کہا:

"مہاراج! میرے پاس پیسے تو نہیں ہیں۔"

پجاری نے نفرت سے کہا:

"تو چلو پھر پرنام کرو اور دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے ہمارے دھندے کا وقت شروع ہونے والا ہے۔"

ناگ کو بس اتنی ہی اجازت ملنی چاہیے تھی۔ وہ مندر کے اندر والے کمرے میں آ گیا۔ کیٹی کا بت اس کے سامنے تھا اور وہ اپنی چوکور آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ناگ نے ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بغیر جیب سے بزرگ کی دی ہوئی پڑیا نکال کر اس کا سفوف بت پر چھڑک دیا۔ خدا جانے اس سفوف یا راکھ میں کیا اثر تھا کہ اس کے چھڑکتے ہی کیٹی میں جان پڑ گئی اور وہ پتھر کے بت سے دوبارہ زندہ عورت بن گئی۔ وہ چبوترے سے نیچے اُتر آئی اور ناگ سے ہاتھ ملا کر بولی:

"خدا کا شکر ہے ناگ بھیا کہ تمہاری شکل دیکھنے کو ملی اور میں پھر سے انسان کے روپ میں آئی۔"

ناگ نے کہا:

"کیٹی بہن! جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔ باقی

باتیں کہیں اور جا کر ہوں گی۔"

اور وہ دونوں مندر کی کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔

پجاری تھال میں لکڑی کا وہ صندوقچہ رکھ رہا تھا جس میں وہ پوجا کرنے والوں سے لے کر پیسے ڈالتا تھا۔ اس کی نگاہ جو کوٹھڑی میں سے نکلتے ہوئے ناگ اور کیٹی پر پڑی تو صندوقچی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ دیوی ماں کماری خود اپنے قدموں پر چل کر کوٹھڑی سے باہر آ رہی تھی اور ساتھ ناگ تھا۔

پجاری پر دہشت اور خوف طاری ہو گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا اور وہیں بیٹھ گیا۔

ناگ اس کے پاس آ کر بولا:

"پجاری! میں تمہاری دیوی جی کو آزاد کر کے لیے جا رہا ہوں، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

پجاری کے دانت بج رہے تھے۔ اس کا حلق خوف کے مارے خشک تھا اور اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہیں نکل رہا تھا۔ دیوی راکس کماری یعنی کیٹی نے پجاری کی گردن پر ہاتھ مار کر کہا:

"میرے نام پر تم نے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا ہے۔ مگر اب تم ایسا نہ کر سکو گے۔ لاؤ میرے نام پر

"تم نے جو پیسے کمائے ہیں کہاں ہیں وہ؟"

پجاری نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ جو کونے میں پڑا تھا۔ ناگ نے چابی لے کر صندوق کھولا تو اس میں پانچ ہزار روپے کے نوٹ تہہ کر کے رکھے ہوئے تھے۔

ناگ نے سارے نوٹ سنبھال لیے اور چابی پجاری کی طرف پھینک کر کہا:

"یہ روپے تم نے نہیں کمائے۔ یہ تمہارا حصہ نہیں ہے۔ اس لیے ہم ساتھ لیے جا رہے ہیں۔"

جاتے جاتے کیٹی نے کچھ زیادہ ہی زور سے پجاری کی ٹنڈ پہ ہاتھ مار دیا۔ وہ اچھل کر منہ کے بل فرش پر اوندھا ہو گیا۔ کیٹی نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا لیا تھا تاکہ لوگ اس کی چوکور آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔ اب ایک جگہ بیٹھ کر پہلے کیٹی نے اپنی رام کہانی سنائی کہ وہ کیسے پتھر کی بن گئی اور پھر ناگ نے کہا کہ ماریا مدراس میں ہے:

"کیا ماریا آ گئی ہے؟ او خدایا — تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

ناگ نے کہا:

"مگر وہ ماریا نہیں ہے؟"

کیٹی بولی:

"کیا کہا۔ ماریا ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔ کھول کر بتاؤ؟"

اب ناگ کی باری تھی۔ چنانچہ اس نے الف سے لے کر ی تک سارے واقعات کیٹی کو بیان کر دیئے۔ کیٹی تو یہ سن کر پریشان ہو گئی کہ ماریا اصلی ماریا نہیں ہے اور ناگ کی ساری طاقت اس سے چھین لی گئی ہے اور اب طاقت کو دوبارا حاصل کرنے کے لیے بدروح گاتیری کو ہلاک کرنا ہو گا۔

کیٹی کہنے لگی:

"ناگ بھیا! کیا میں بدروح گاتیری کا مقابلہ کر سکوں گی؟"

"یہ وہاں چل کر دیکھیں گے۔ سب سے پہلے تو ہمیں ماریا سے نمٹنا ہو گا۔ ہم اس وقت اس بہن بھائی کے جھونپڑے میں چلتے ہیں جن کی گردنوں میں بدروح گاتیری نے خون پینے والے سانپ ڈال رکھے ہیں۔"

اور وہ بازار سے نکل کر سیدھے دریا کنارے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس کیٹی کی پوجا کی رقم موجود تھی۔ چنانچہ انہوں نے ٹیکسی کرا لی اور پندرہ منٹ میں گاؤں پہنچ گئے۔ یہاں اسی طرح دونوں بہن بھائی تخت پوش پر

اداس، گم سم، پریشان بیٹھے تھے۔ ان کی گردنوں میں گہرے سبز سانپ لٹک رہے تھے۔ ان کے ماں باپ سر جھکائے اپنے بچوں کی حالت پر چپکے چپکے آنسو بہا رہے تھے۔ کیٹی تو عورتوں کے پیچھے گدی پر بیٹھ گئی اور ناگ سانپوں والے بہن بھائی کے باپ کو اٹھا کر ایک طرف لے گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ ناگ نے اسے کہا کہ وہ فکر نہ کرے اس کے بچوں کی مصیبت کے دن جلد کٹ جائیں گے۔ پھر جیب سے تین ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس نے دکھی باپ کو دے دیئے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ ناگ کو دعائیں دے رہا تھا۔

ناگ نے اس سے پوچھا کہ اس کے بچوں کے گلے میں سانپ کہاں سے اور کیسے آ گئے تھے؟

باپ نے آنسو پونچھ کر کہا:

"بھگوان جانے مجھے کس پاپ کی سزا ملی ہے بیٹا بس ایک روز میری بیٹی اور بیٹا دریا کنارے کھیل رہے تھے کہ کسی نے ان کا نام لے کر جھاڑیوں کی طرف بلایا۔ میری بیٹی بیٹا بھاگ کر جھاڑیوں میں گئے کیوں کہ آواز ان کی ماں کی آواز سے ملتی تھی جھاڑیوں میں جا کر انہوں نے دیکھا کہ

وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اچانک جھاڑیوں میں سے دو گہرے سبز رنگ کے سانپ نکلے اور اچھل کر ان کی گردنوں کے گرد لپٹ گئے۔ دونوں بہن بھائی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ تب سے لے کر آج تک یہ سانپ میرے بچوں کے گلے میں پڑے ہیں کوئی انہیں مارنا چاہتا ہے تو پتھر کے بن جاتے ہیں کوئی قریب آتا ہے تو اسے ڈس دیتے ہیں۔ بھگوان جانے میرے بچوں کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ وہ روز بروز سوکھتے چلے جا رہے ہیں۔ کئی سپیرے آ کر بھاگ گئے۔ ایک سپیرے نے کہا تھا کہ یہ بڑے پراسرار سانپ ہیں اور کسی دیوتا نے بھیجے ہیں اور یہ میرے بچوں کا آہستہ آہستہ ان کے جسم سے خون چوس چوس کر پی رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"گھبراؤ نہیں — بہت جلد تمہارے بچوں کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ کیا تم مجھے وہ جھاڑیاں دکھا سکتے ہو جہاں آج سے کچھ روز پہلے تمہارے بچوں کو سانپ چمٹ گئے تھے؟"

"ہاں جی — میرے ساتھ چلو۔ دکھاتا ہوں۔"

ناگ نے کیٹی کو بھی ساتھ لیا اور دریا کنارے جھاڑیوں میں اس جگہ آ گیا جہاں اس بدنصیب باپ کے بچوں کو اس کی ماں نے آواز دی تھی جو اصل میں بدروح گاتیری کی آواز تھی۔ ناگ نے دکھی باپ کو واپس بھجوا دیا اور خود کیٹی کے ساتھ مل کر جھاڑیوں میں ادھر اُدھر زمین کو تکنے لگا۔ یہاں کسی کے قدموں کے نشان نہیں تھے۔ اگر چند روز پہلے تھے بھی تو اب ختم ہو چکے تھے، مٹ چکے تھے دونوں نے اچھی طرح غور سے دیکھا۔ وہاں کسی جگہ سانپ کا کوئی بل نہیں تھا کہ وہاں سے نکل کر سانپ ان بچوں کو چمٹ جاتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سانپ بدروح گاتیری اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ وہیں ایک جگہ زمین پر ایک گہرے سبز رنگ کی مکڑی مری پڑی تھی۔ وہ جالا کہیں نہیں لگا ہوا تھا۔ پھر یہ مکڑی کہاں سے آ گئی۔

کیٹی نے کہا:

"ہو سکتا ہے یہ مری ہوئی مکڑی ہوا میں اُڑ کر ادھر آ گئی ہو۔"

ناگ بولا:

"میں نے ایسی مکڑی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کا

رنگ گہرا سبز ہے۔ بالکل یہی رنگ ان سانپوں کا ہے جو لڑکی اور لڑکے کو چمٹے ہوئے ہیں۔"

کیٹی نے کہا:

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ مکڑی بدروح گاتیری کے ساتھ یہاں آئی تھی؟"

ناگ نے کیٹی کی طرف دیکھا اور بولا:

"تم صحیح نتیجے پر پہنچی ہو، یہ مکڑی اسی بدروح کے ساتھ یہاں آئی ہے۔"

"پھر یہ مر کیسے گئی؟"

"ہو سکتا ہے بدروح نے اسے خود مار ڈالا ہو۔"

"مگر مردہ مکڑی گلی ہوئی نہیں ہے۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی نے پوچھا:

"ناگ! کیا تم اس مکڑی کو ساتھ لے جا کر اس کا اچار ڈالنا چاہتے ہو؟"

ناگ مسکرایا:

"نہیں نہیں کیٹی بہن! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اسے یاد رکھنا چاہتا ہوں۔ تم بھی اسے ذہن میں رکھنا۔ ہو سکتا ہے جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں یہ بدروح کا سراغ لگانے میں ہماری

مدد کرے گا۔"

کیپٹن نے کھڑکی کو گھور کر دیکھا اور بولی:

"میں نے ذہن میں اس کا نقشہ جما لیا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"آؤ۔ اب نقلی ماریا کی چل کر خبر لیتے ہیں۔"

وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس شہر آ گئے جہاں سے دوپہر کے بعد انہیں مدراس جانے والی گاڑی مل گئی اور وہ مدراس روانہ ہو گئے۔

○

ناگ بولا۔ ماریا نے میری گردن کاٹ دی

کالی پیرا نقلی ماریا کے روپ میں بے چین ہو رہا تھا۔ کتنے دن گذر گئے تھے۔ نہ ڈاکٹر واپس آیا تھا نہ ناگ۔ اسے ڈاکٹر سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی بس ناگ کا بے تابی سے انتظار تھا کہ کب وہ آئے۔ اس کی طاقت واپس ہو اور وہ سانپ بنے اور وہ اس کا سر کاٹ کر لے جائے۔ بعد وہاں سے رفو چکر ہو جائے۔

ایک دن وہ نقلی ماریا کے روپ میں ہوٹل کی بالکونی میں بیٹھا تھا کہ ایک ٹیکسی ہوٹل کے باہر آ کر رکی۔ نقلی ماریا نے غور سے دیکھا۔ اس میں سے ناگ ایک سنہری بالوں والی لڑکی کے ساتھ باہر نکلا جس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ یہ عورت کون تھی ناگ کے ساتھ؟ نقلی ماریا سوچنے لگی۔ اچانک اسے اپنے عظیم جادوگر استاد کی بات یاد آ گئی اس نے کہا تھا کہ ناگ کے ساتھ اب ایک خلائی لڑکی بھی آن شامل ہوئی ہے۔

جس کا نام کیٹی ہے۔ ضرور یہ کیٹی ہو گی۔

ناگ کمرے میں کیٹی کے ساتھ داخل ہوا تو نقلی ماریا نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا اور کہا:

"ناگ بھیا! خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل نظر آئی۔"

ناگ نے کیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"ماریا! تم نے اسے نہیں پہچانا کیا؟"

نقلی ماریا نے خوشی سے اچھل کر کہا:

"آخاہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ یہ تو کیٹی ہے۔ میری پیاری سہیلی اور ہمارے سفر کی نئی ساتھی۔"

کیٹی نے ناگ کی طرف دیکھا۔ کیٹی فوراً سمجھ گئی کہ یہ اصلی ماریا نہیں ہے۔ ورنہ وہ اسے پہچاننے میں اتنی دیر نہ لگاتی ــــ ویسے بھی کیٹی کو ماریا کے جسم سے کسی قسم کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اس نے دیکھا کہ شکل بالکل ماریا کی طرح تھی ایک رتی کا بھی فرق نہیں تھا۔ وہی بال وہی آنکھیں وہی چہرہ۔

"ماریا بہن! تم تو غائب رہا کرتی تھیں۔ تمہیں عرصے بعد ظاہری حالت میں دیکھ کر تعجب ہوا۔"

ماریا نے سانس کھینچا اور کہا:

"کیٹی بہن! میرے ساتھ بہت بڑا حادثہ گزر گیا تھا

جس نے ناگ بھیا کو بتایا تھا۔"

ناگ بولا:

"ہاں! میں کیٹی کو بتا چکا ہوں۔"

پھر ناگ نے نقلی ماریا کو بتایا کہ ڈاکٹر کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور وہ مر گیا ہے۔ اور اس نے اس کا بریف کیس اس کے بھانجے کے نام پارسل کروا دیا ہے۔

"میں چاہتا ہوں۔ ماریا کہ اس کا باقی سامان بھی اس کے بھانجے کے پتے پر پارسل کر دیا جائے۔"

نقلی ماریا نے تھوڑا سا بناوٹی افسوس کیا اور بولی:

"بڑا اچھا آدمی تھا۔ اگر زندہ رہتا تو ناگ بھیا کی طاقت ایک روز ضرور واپس آ جاتی۔"

"وہ کیسے؟" ناگ نے کہا: "وہ کوئی جادوگر تھوڑی تھا۔"

نقلی ماریا نے کہا:

"تم نہیں جانتے ناگ بھیا! وہ بڑا پراسرار ڈاکٹر تھا اور اسے معلوم تھا کہ تم اصل میں سانپ ہو اور تمہاری طاقت وقتی طور پر ختم ہو چکی ہے۔"

کیٹی بولی:

ناگ بھیا مجھے یقین ہے کہ اگر تم امبا دیوی

کے مندر میں جا کر وہاں جو ایک ہزار برس
سے چراغ جل رہا ہے اس کی کالک لا کر اپنے
ماتھے پر رگڑو تو تمہاری طاقت واپس آ سکتی ہے۔"
نقلی ماریا کے کان کھڑے ہو گئے، کہنے لگی:
"اگر ایسی بات ہے تو ناگ بھیا کو آج ہی مندر
میں جا کر کالک لانی چاہیے۔"
ناگ کیپٹن کا مطلب سمجھ گیا تھا کہنے لگا:
"اس میں کیا مشکل بات ہے۔ میں ابھی جا کر مندر
سے کالک لے آتا ہوں۔"
کیپٹن نے کہا:
"مگر اپنے ماتھے پر تم اسے آدھی رات کو ملو گے؟"
"ایسا ہی کر لوں گا۔" ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نقلی ماریا نے ناگ کو بار بار کہنا شروع کر دیا وہ فوراً
مندر جا کر کالک لائے۔
ناگ نے کہا:
"آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے چلا جاؤں گا ماریا۔"
نقلی ماریا کہنے لگی:
"کیپٹن نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے وہ یونہی نہیں
دیا۔ کیا خبر رات کو مندر کے دروازے بند ہو

جائیں۔ اس لیے میں تو کہتی ہوں کہ تم ابھی چلے
جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔"
ناگ نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ کیپٹن نے کہا:
"نہیں ماریا بہن! تمہارا جانا ٹھیک نہیں تم یہیں
ٹھہرو۔ میں ناگ کے ساتھ چلتا ہوں اور اسے
ٹھیک ٹھیک بتاؤں گا کہ کالک چراغ کے دیے
کہاں سے کھرچنی ہے۔"
نقلی ماریا خاموش ہو گئی۔ اس کے دل میں خوشی کی
لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اگر ناگ کی طاقت واپس آ گئی اور
وہ سانپ بن گیا تو وہ اس کی گردن فوراً کاٹ کر وہاں
سے بھاگ جائے گی۔
شام کے بعد کیپٹن نے ناگ کو ساتھ لیا اور امبادیوی
کے مندر میں آ گئے۔ کیپٹن نے ناگ کو بتایا کہ اس کی سکیم
کیا ہے:
"تم ماتھے پر کالک لگا کر یہ کہہ کر کمرے میں
سو جاؤ گے کہ اگر طاقت واپس آ گئی تو تم
سانپ بن کر کیپٹن اور ماریا کے کمرے میں باری
باری جاؤ گے اور یہ اس کا ثبوت ہو گا کہ تجربہ
کامیاب رہا اور تمہیں طاقت واپس مل

گئی ہے۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟ یعنی میں سانپ بن کر کیسے نقلی ماریا کے کمرے میں جاؤں گا؟"

کیپٹی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اس کے لیے ہم ایک بے ضرر سانپ استعمال کریں گے جس کا زہر نکالا جا چکا ہوگا۔ اس سانپ کو ہم کالی پیپرے یعنی نقلی ماریا کے کمرے میں داخل کر دیں گے اور اگر اس نے اس کی گردن کاٹ ڈالی تو ہمیں ثبوت مل جائے گا کہ یہ عورت ماریا نہیں بلکہ کالی پیپرا ہے اور تمہاری گردن کاٹنے کے لیے یہاں آیا ہے۔"

ناگ کہنے لگا:

"کیپٹی! کیا تمہیں اس بزرگ کی بات پر اعتبار نہیں جس نے تمہیں دیکھے بغیر تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا تھا؟"

کیپٹی نے کہا:

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ لیکن میں کوئی ثبوت چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں کالی دیوی بن کر اس کی پیٹھ میں چھری گھونپوں۔"

"کوئی بات نہیں پھر،" ناگ بولا۔ "ایسا ہی کر لیتے ہیں۔"

امبا دیوی کے مندر میں بہت رش تھا۔

ناگ نے کہا:

"اگر کالک ہی لینی ہے تو امبا دیوی کے مندر کے چراغ کی کالک ہی کوئی ضروری تھوڑی ہے۔ ہم کسی بھی چراغ کی کالک لے سکتے ہیں۔"

کیپٹی نے ہنس کر کہا:

"اور پھر چراغ کی کالک ہی کی کیا خاص ضرورت ہے ہم کوئی بھی کالک لے سکتے ہیں۔"

چنانچہ انہوں نے ایک جگہ سے کالی ٹکیا ہی خریدی اور پھر وہ دونوں شہر کے اس بازار میں آ گئے جہاں سپیرے سے کالے رنگ کا ایک سانپ خریدا جس کا زہر نکال دیا گیا تھا۔ سانپ کو ایک بوتل میں بند کر کے ناگ نے اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا اور وہ دونوں واپس ہوٹل میں آ گئے۔

نقلی ماریا ان کا انتظار کر رہی تھی۔ آتے ہی پوچھنے لگی،

"لے آئے امبا دیوی کے چراغ کی کالک؟"

"ہاں —" ناگ نے ایک پڑیا دکھا کر کہا: "اس میں

بند ہے۔ میں اب کمرے میں بند ہو کر اسے لگاؤں
گا۔ اگر میں سانپ بن گیا تو سب سے پہلے کیٹی
کے کمرے میں جاؤں گا اور پھر تمہارے کمرے
میں آؤں گا پھر میں واپس انسان کی شکل میں آجاؤنگا
اور ہم یہاں سے اپنے سفر پر آگے روانہ ہو
جائیں گے۔"

نقلی ماریا خوش ہو کر بولی:

"بالکل ٹھیک ہے۔ بھگوان ۔۔۔ میرا مطلب ہے
خدا کرے کہ تم کو تمہاری طاقت واپس مل جائے۔"

نقلی ماریا کے منہ سے بے اختیار پھر خدا کی بجائے بھگوان
نکل گیا تھا۔ کیوں کہ اصل میں تو وہ ہندو تھا اور اس کا
نام کالی سپیرا تھا۔

ناگ نے کہا:

"تم نے پھر بھگوان کہا ماریا؟"

نقلی ماریا کھسیانی سی ہو کر کہنے لگی:

"کیا کروں ناگ بھیا! اس ہندو جادوگر کے جادو
کا مجھ پر ابھی تک اثر ہے۔"

کیٹی نے بھی یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی۔

ناگ نے کہا:

"کوئی بات نہیں۔ میرا خیال ہے اب ہمیں اپنے اپنے
کمروں میں چلے جانا چاہیے۔"

اور وہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

ناگ نے کیٹی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ سانپ بن کر اس
کے کمرے میں آ جائے گا۔ چنانچہ کوئی ایک گھنٹے بعد
ناگ نے سانپ کی بوتل اٹھائی اور دبے پاؤں کیٹی کے
کمرے میں آگیا۔ یہاں دیوار میں ایک سوراخ تھا جس میں
سے نقلی ماریا کے کمرے میں دیکھا جا سکتا تھا۔

انہوں نے جھانک کر دیکھا کہ نقلی ماریا بے تابی سے
کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

کیٹی بولی:

"یہ تو بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہے
ناگ بھیا!"

ناگ نے کہا:

"ہاں ۔۔۔ اور دیکھو اس نے چھری بھی نکال لی ہے۔"

کیٹی نے سوراخ میں سے دیکھا کہ نقلی ماریا میز کی دراز
میں سے چھری نکال کر اس کی دھار کو دیکھ رہی تھی چھری
اس نے اپنی قمیض میں چھپا لی اور کمرے میں ایک طرف
ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور سانپ کے اندر داخل ہونے کا انتظار

کرنے لگی۔

ناگ نے کہا:

"سانپ کو چھوڑ دینے کا وقت آگیا ہے۔"

ناگ نے یہ کہہ کر بوتل میں سے سانپ کو نکالا اور اسے سوراخ میں سے نقلی ماریا کے کمرے میں داخل کر دیا۔ سانپ کمرے میں داخل ہوگیا۔

ناگ اور کیتھی سوراخ میں سے دیکھ رہے تھے۔

جونہی سانپ نقلی ماریا کے کمرے میں داخل ہوا وہ چھری نکال کر اس کی طرف لپکی اور اس سے پہلے کہ سانپ سنبھل سکے اس نے چھری کے ایک ہی وار سے اس کی گردن الگ کر دی اور سر کاٹ کر میز کی دراز میں رکھ دیا اور دھڑ کو کھڑکی میں سے گلی میں پھینک دیا۔

ناگ نے کیتھی سے کہا:

"اب تمہیں ثبوت مل گیا ہوگا کہ یہ عورت ماریا نہیں ہے اور میری گردن کاٹ کر لے جانے کے لیے یہاں آئی ہوئی ہے۔"

کیتھی پریشان سی ہو کر بولی:

"یہ تو کوئی قاتل عورت ہے۔ تمہاری قاتل۔ میں اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن وہ تو اب بھاگ جائے گا۔ اسے تو میرا سر مل گیا ہے۔ اب وہ ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہرے گا۔"

کیتھی نے کہا:

"میں اسے یہاں سے بچ کر نہیں جانے دوں گی کیوں کہ اس کے اندر اصل ماریا چھپی ہوئی ہے اور ہمیں اس کے اندر سے اصلی ماریا کو باہر نکالنا ہے۔"

ناگ کہنے لگا:

"تو پھر جو کچھ کرنا ہے ابھی کرو۔ میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔"

کیتھی نے کہا:

"تم دیکھتے رہو میں کیا کرتی ہوں۔ میں اس کے کمرے میں جا رہی ہوں۔"

"کیا اسی طرح؟" ناگ نے پوچھا۔

کیتھی نے کہا:

"نہیں۔ کالی دیوی کے روپ میں۔"

کیتھی نے کالی دیوی کی شکل کئی بار مندروں میں دیکھی تھی۔ اس نے اس کی شکل کو ذہن میں رکھ کر چٹکی بجائی

اور دوسرے لمحے کیٹی کی جگہ ناگ کے سامنے لمبے بکھرے
ہوئے بالوں ـــ سرخ آنکھوں اور چار بازوؤں والی کالی دیوی
کھڑی تھی جس کے ہر بازو کے ہاتھ میں خنجر تھا۔
ناگ بھی ایک بار تو ڈر ہی گیا۔
اور کیٹی نقلی ماریا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ناگ نے
سوراخ کے ساتھ آنکھیں لگا دیں۔
دوسرے کمرے میں اپنی طرف سے ناگ کا سر کاٹ
لینے کے بعد نقلی ماریا یعنی کالی پیبرا اب وہاں سے
بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اس نے میز کی دراز میں سے سانپ
کا سر نکال کر اپنے پرس میں رکھا۔ ساڑھی کو جسم کے گرد
اچھی طرح لپیٹا اور دروازے سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ
دروازے پر کسی نے دستک دی۔
نقلی ماریا نے دروازہ کھول دیا۔
اس کے سامنے کالی دیوی اپنے پورے جلال و دہشت
کے ساتھ کھڑی تھی۔ سرخ آنکھیں۔ بکھرے ہوئے بال،
چار بازو، ہر ہاتھ میں ایک خنجر۔
کالی پیبرا خوف سے کانپنے لگا۔
کالی دیوی نے کہا،
"کالی! کیوں گھبرا گئے مجھے دیکھ کر۔ میں خوش

ہوں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور
تم نے ایک ایسے سانپ کی گردن کاٹ ڈالی جو
انسان بن کر لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اب تم
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جوان بن کر زندہ رہو گے!"
کالی پیبرا یعنی نقلی ماریا بے حد خوش ہوئی۔ اس نے
ہاتھ جوڑ کر کہا،
"کالی دیوی! مجھے اپنے شرن (حفاظت) میں رکھنا
میں تیرے نام کا کالا بکرا دوں گا!"
کالی دیوی یعنی کیٹی نے کہا،
"ابھی ایک بکرا تو دو!"
نقلی ماریا نے چونک کر کہا:
"ابھی ـــ ابھی میں بکرا کہاں سے لاؤں دیوی؟"
کیٹی نے قہقہہ لگا کر کہا،
"اچھا چلو ـ بکرا پھر دے دینا۔ ابھی تم میرے آگے
ماتھا نہیں ٹیکو گے کیا؟"
نقلی ماریا نے ہاتھ باندھ کر کہا،
"کیوں نہیں کالی دیوی۔ کیوں نہیں۔ یہ میرے دھن
بھاگ ہیں کہ تم میرے پاس آئی ہو۔ میں تو
ہزار بار تمہیں ماتھا ٹیکوں گا۔"

بعد کالی پیپرا یعنی نقلی ماریا نے جھک کر کالی دیوی کے
قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ جونہی اس نے ایسا کیا۔ بزرگ
کی ہدایت کے مطابق کیپٹن نے اپنا خنجر والا ایک ہاتھ اوپر
اٹھایا اور بڑی تیزی سے وار کر کے خنجر نقلی ماریا کی کمر
میں گھونپ دیا۔

ایک درد ناک چیخ کی آواز بلند ہوئی۔

نقلی ماریا کی پیٹھ سے خون اُبل کر باہر کو اُچھلا۔
کالی دیوی پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے چٹکی بجائی اور کیپٹن
کی انسانی شکل میں واپس آ گئی۔ ناگ بھی بھاگ کر اس
کمرے میں آ گیا تھا۔ نقلی ماریا تڑپ رہی تھی۔

کیپٹن نے سہم کر پوچھا:

"ناگ بھیا! کہیں یہ سچ مچ کی ماریا تو نہیں تھی؟"

ناگ نے کہا:

"اگر سچ مچ کی ماریا ہوتی تو تمہیں سجدہ کیوں کرتی۔
دیکھتی رہو۔ ابھی کچھ نہ کچھ ہوگا۔"

اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے نقلی ماریا کا چہرہ، کپڑے
اور اس کا عورت کا جسم غائب ہونے لگا۔ اور اس کی
جگہ کالی پیپرے کا سیاہ کمزور بوڑھا جسم نمودار ہوتا گیا۔
اور پھر نقلی ماریا غائب ہو گئی اور اس کی جگہ کالی پیپرا

فرش پر تڑپ رہا تھا۔

کیپٹن نے کہا:

"ناگ بھیا: اصل ماریا کہاں ہے؟"

"وہ بھی آ جائے گی" ناگ نے کہا۔

ناگ کی اور کیپٹن کی آنکھیں کالی پیپرے کے جسم پر لگی
ہوئی تھیں جو بُری طرح تڑپ رہا تھا۔ اور پھر ان کی آنکھوں
کے سامنے کالی پیپرے کا جسم تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا
اور اس کے جسم کے اندر سے ایک بڑا ہی خوب صورت
سفید کلغی والا سانپ لہراتا ہوا باہر نکل آیا۔

یہ اصل ماریا تھی۔

ناگ نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا:

"کیپٹن! یہ دیکھو — یہ ماریا ہے۔ اصل ماریا!"

ماریا کی خوشبو بھی آنا شروع ہو گئی تھی۔

ناگ نے کہا:

"دیکھو۔ اس کی خوشبو بھی آنے لگی ہے۔"

کیپٹن نے کلغی والے سانپ یعنی ماریا کو ہتھیلی پر اٹھا
لیا۔ اسے ماریا بھی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر
وہ چونکہ سانپ کی شکل میں تھی اس لیے کچھ کہہ نہیں
سکتی تھی۔ ناگ نے بھی ماریا کو اپنی ہتھیلی پر لے کر

اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"ماریا بہن! میں جانتا ہوں تم سن رہی ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم پھر ہمارے پاس آ گئیں۔ اگرچہ تم انسانی روپ میں نہیں ہو۔ مگر انشاءاللہ تم بہت جلد اپنی اصلی شکل میں واپس آ جاؤ گی۔"

کیٹی نے کہا:

"ماریا! ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، تم سن رہی ہو نا؟ اگر سن رہی ہو تو اپنا سر ہلا دو۔"

اور ناگ اور کیٹی نے دیکھا کہ کلغی والے سفید سانپ نے آہستہ سے اپنا سر ہلا دیا۔

کیٹی اور ناگ کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

"ماریا سن رہی ہے۔"

ناگ نے ماریا کو ایک تھیلی میں بند کیا جس میں سوراخ تھے اور اپنی جیب میں رکھ کر کیٹی سے کہا:

"اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔ یہاں ایک لاش پڑی ہے۔ ہم پر اس کے قتل کا الزام بھی لگ سکتا ہے۔"

وہ کمرے سے باہر نکلنے ہی لگے تھے کہ ہوٹل کا بیرا اندر آ گیا۔

اس نے جو کمرے کے فرش پر خون میں لت پت ایک لاش پڑی دیکھی تو خون خون کا شور مچا دیا۔ تمام کمروں سے لوگ باہر نکل آئے۔ ناگ نے جلدی سے ماریا والی تھیلی کیٹی کو دے کر کہا:

"کیٹی یہاں سے نکل جاؤ۔"

اور خود بھی ایک طرف کو بھاگا۔ مگر لوگوں نے اسے برآمدے میں ہی دبوچ لیا۔ ناگ بے بس تھا۔ اس کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ کوئی دوسرا روپ بدل کر وہاں سے فرار ہو سکتا۔

ہوٹل میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ اسی وقت پولیس آ گئی اور اس نے ناگ کو گرفتار کر لیا۔ کیٹی وہاں سے کھسک گئی تھی اور ہوٹل کے دروازے کی ایک طرف کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ پولیس ناگ کو گرفتار کر کے لاری میں بٹھا کر تھانے لے گئی۔

ماریا کے کلغی والے سانپ کی تھیلی کیٹی کی جیب میں تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس نے ایک آدمی سے تھانے کا پتہ معلوم کیا اور تھانے کی طرف روانہ ہو گئی۔

ہوٹل کے بیرے نے پولیس کو یہ بھی بتایا تھا کہ ناگ

کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ جس نے آنکھوں پر کالا چشمہ لگا رکھا تھا۔ کیٹی نے اس وقت بھی آنکھوں پر کالا چشمہ لگایا ہوا تھا۔ تھانے میں اسے بھی کے پکڑے جانے کا بھی ڈر تھا۔ اگر وہ چشمہ اتار دیتی ہے تو اس کی چوکور آنکھیں اس کے لیے مصیبت کا باعث بن جاتی تھیں۔

کیٹی تھانے پہنچ کر فٹ پاتھ پر تھانے کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ پھیکی پھیکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کیٹی کو دیوار کے ساتھ کھڑے دیکھ کر لوگ اسے گھور گھور کر گذرتے تھے کہ یہ اکیلی عورت تھانے کے باہر کیا کر رہی ہے۔

کیٹی درختوں کی طرف آ گئی۔ یہاں فٹ پاتھ کی دیوار کے پار ایک بنچ بچھا تھا۔ وہ بنچ پر بیٹھ گئی اور غور کرنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے ــــ یہاں سے تھانے کا دروازہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ وہاں ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ کو گرفتار کر کے پولیس اندر لے گئی تھی اور کیٹی کے اندازے کے مطابق اس وقت وہ حوالات میں بند تھا۔ کیٹی اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

کیٹی نے جیب میں سے تھیلی نکال کر ماریا سے کہا:

"ماریا ــ ناگ گرفتار ہو گیا ہے۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ایک آدمی کیٹی کے پاس آ کر بولا:

"تم کس سے باتیں کر رہی ہو میڈم؟"

کیٹی نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک پکی عمر کا بدمعاش ٹائپ آدمی کھڑا تھا جس کے چہرے سے کمینگی ٹپک رہی تھی۔ کیٹی فوراً سمجھ گئی کہ اس آدمی کی نیت اچھی نہیں ہے اور وہ اسے اغوا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کے بغیر کہا:

"میرا بھائی پکڑا گیا ہے میں اس کی یاد میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔"

وہ آدمی قریب آ کر بنچ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"بھائی پکڑا گیا ہے تو کیا ہوا۔ ہم اسے چھڑا دیں گے تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا۔"

کیٹی نے کچھ وقت گذارنا تھا تاکہ شام کا اندھیرا ہو جائے اس نے دل میں کہا کہ چلو اس کے ساتھ ہی تھوڑی دل لگی ہو جائے۔ یہ میرا کیا بگاڑے گا۔ کہنے لگی:

"کیا تم میرے بھائی کو چھڑا لو گے؟"

"کیوں نہیں میڈم ــــ پولیس والے سارے میرے واقف ہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

اور وہ کیتھی کو لے کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ یہاں ایک ٹیکسی
رکوا کر اس نے کیتھی کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔
کیتھی نے کہا:
"تم کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے؟"
وہ آدمی کیتھی سے مسکرایا اور بولا:
"بالکل فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔
جہاں میری ماں اور بہنیں رہتی ہیں۔"
کیتھی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا
ہے۔ مگر اسے وقت گزارنا تھا۔ وہ خاموش رہی۔
ٹیکسی شہر کے ایک گنجان علاقے سے نکل کر ایک سوکھے
ہوئے نالے پر بنے ہوئے کوارٹروں کے باہر رک گئی۔ وہ
آدمی کیتھی کو ساتھ لے کر ایک کوارٹر میں داخل ہو گیا۔
اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے تالا لگا
دیا اور چابی اپنی جیب میں رکھ لی۔
کیتھی نے پوچھا:
"تم نے دروازے پر تالا کیوں لگا دیا؟"
وہ کمینہ بدمعاش قہقہہ لگا کر بولا:
"اب تم میری غلام ہو۔ میری کنیز ہو جب تک
میں چاہوں گا تم اس کوٹھڑی میں رہو گی۔ تم

چاہے جتنا شور مچاؤ۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کو
نہیں آئے گا۔"
کیتھی ان سب باتوں کے لیے تیار تھی۔ مگر وہ کچھ
وقت آرام سے گزارنا چاہتی تھی جب کہ یہ بدمعاش اس
کی عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ کیتھی اٹھ کر دیوار کے ساتھ
لگ گئی اور بولی:
"خبردار! اگر تم نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو اپنی
جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا تمہیں۔"
وہ بدمعاش ہنسا کہنے لگا:
"ہر عورت یہاں آ کر پہلے یہی کہا کرتی ہے پھر
ایسی ٹھیک ہو جاتی ہے کہ کبھی واپس جانے کا
نام نہیں لیتی۔"
کیتھی نے کہا:
"اس کا مطلب ہے کہ تم بہت سی عورتوں کی
زندگیاں برباد کر چکے ہو؟"
وہ بدمعاش سینے پر ہاتھ مار کر بولا:
"مجھے فخر ہے کہ میں اس وقت تک پندرہ عورتوں
کو اغوا کر کے فروخت کر چکا ہوں اور اس وقت
وہ طوائفیں بن چکی ہیں۔"

کیٹی کو بے حد غصہ آ گیا۔ یہ شخص انسان کی شکل میں شیطان تھا۔ اس نے پندرہ خاندانوں کو تباہ و برباد کیا تھا۔ اس سانپ کو کچل دینا ہی اچھا ہے۔ اگر یہ شخص زندہ رہا تو نہ جانے ابھی کتنی اور بے گناہ عورتوں کی زندگیاں برباد کرے گا۔ کیٹی نے اس بدمعاش تاتی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے پاس آ کر بڑی محبت سے بولی،

"کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

وہ بدمعاش بڑا خوش ہوا کہ عورت اپنے آپ موم ہو گئی ہے۔ کہنے لگا،

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں؛ میں تمہیں دولت سے مالا مال کر دوں گا۔ تم عیش کرو گی۔"

کیٹی نے کہا،

"پھر میں تمہاری غلام ہوں۔ میں تم سے شادی کروں گی۔"

بدمعاش تو خوشی سے باغ باغ ہو گیا کہنے لگا،

"میری جان ذرا اپنی آنکھوں سے یہ چشمہ تو اتار دو تاکہ میں اپنی ہونے والی دلہن کی خوب صورت آنکھیں دیکھ سکوں۔"

کیٹی نے ہنستے سے کہا:

"کیا تم میری آنکھیں دیکھ سکو گے؟"

بدمعاش مسکرایا،

"ارے پاگل! بھلا میں تمہاری آنکھیں کیوں نہیں دیکھ سکتا؟ تمہاری آنکھیں تو ستاروں کی طرح چمک رہی ہوں گی چشمہ اتار دو۔"

کیٹی نے کہا،

"اچھا تم ضد کرتے ہو تو یہ لو۔ میری آنکھیں دیکھو۔"

اور کیٹی نے اپنا چشمہ اتار دیا۔ اس بدمعاش نے جونہی کیٹی کی نیلی چوکور آنکھوں کو دیکھا تو خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ آواز حلق میں دب گئی۔ ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر خشک سہمی ہوئی آواز میں بولا،

"تم ــــ تم کون ہو۔؟"

کیٹی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بڑے پیار سے کہا:

"میں تمہاری اماں کی نانی کی پھوپھی ہوں۔ کیا مجھ سے شادی نہیں کرو گے؟"

وہ بدمعاش سہما ہوا پلنگ کے پاس کھڑا تھا۔ وہ باہر بھاگنے کی فکر میں تھا اور جیب سے چابی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیوں کہ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی چڑیل کو اپنے کوارٹر میں لے آیا ہے۔ مگر کیٹی اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ بھلا اسے کیسے بھاگنے دیتی تھی۔

اس نے بدمعاش کا ہاتھ پکڑ کر تھوڑا سا مروڑا تو وہ پلنگ
پر گر پڑا اور اس کا جسم خوف سے سن ہو گیا۔ کیونکہ کیٹی
کے ہاتھ میں کسی پہلوان ایسی طاقت تھی۔
کیٹی نے کہا:
"میں تم سے ان ساری عورتوں کا انتقام لوں گی
جن کی زندگیاں تم نے برباد کر ڈالی ہیں اور آئندہ
تم کسی عورت کی زندگی برباد نہ کر سکو گے۔"

○

بدروح کا تہہ خانہ

بدمعاش ایک دم سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔
کیٹی نے لپک کر اس کی گردن کو پکڑا اور اتنی زور
سے اسے دیوار کے ساتھ ٹکرایا کر اس کا سر پاش پاش ہو گیا
اور وہ ایک ٹھنڈی لاش بن کر فرش پر گر پڑا ــــ کیٹی
سخت غصے کی حالت میں تھی۔ وہ خلا کے ایک دور
دراز کے سیارے کی رہنے والی تھی جہاں کوئی آدمی کسی
عورت کی عزت پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ اس دنیا میں آکر
اس نے یہی دیکھا تھا کہ عورت پر ہر جگہ ظلم کیا جاتا ہے
اس نے دروازے پر لگے تالے کو مکا مارا۔ تالا ٹوٹ کر
نیچے گرا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔
ہلکی ہلکی ٹھنڈ اور رات کا اندھیرا گلی میں پھیلا ہوا تھا۔
وہ خشک نالے میں سے گذر کر تھانے کی طرف چلی۔
اسے ناگ کو حوالات سے آزاد کرانا تھا جس پر قتل کا
الزام لگا تھا۔ کیونکہ اس نے کالی پیرے کو ہلاک کیا

تھا۔ چلتے چلتے راستے میں اسے کئی آدمیوں نے گھور کر
دیکھا، کیوں کہ کیٹی نے رات کے وقت بھی آنکھوں پر
کالی عینک لگا رکھی تھی۔ مگر کیٹی اپنی دھن میں چلی جا رہی
تھی۔ اس نے کسی کی طرف دھیان نہ دیا۔

تھانے میں روشنی ہو رہی تھی۔ حوالات کے باہر پہرا تھا۔
کمرے میں تھانیدار میز پر رجسٹر رکھے اس میں کچھ لکھ رہا تھا
ایک سپاہی اس کے قریب کھڑا تھا۔ کیٹی تھانے کے
پاس درختوں کے پیچھے رک گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ ننگ
کو قید سے کیسے آزاد کرائے۔

تھانے کے باہر ایک موٹر کار آکر رکی۔ اس میں سے
ایک کھدر پوش کانگریسی آدمی نکلا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ
یا تو کوئی لیڈر ہے یا کوئی وزیر ہے۔ کیٹی کھسک کر تھانیدار
کے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ کھدر پوش
آدمی کے پیچھے پیچھے دو آدمی ادب سے چلے آ رہے تھے
کھدر پوش کو دیکھ کر تھانے دار ایک دم سے اچھل کر کھڑا
ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"حضور! آپ کیسے تشریف لائے؟"

کھدر پوش نے مسکرا کر کہا:

"میں نے سوچا کہ ذرا تھانے کا معائنہ کیا جائے۔"

تھانے دار نے جھک کر کہا:

"ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایک وزیر صاحب ہمارے
تھانے تشریف لائیں۔"

تھانے دار وزیر کو ساتھ لے کر تھانے کا معائنہ کرانے لگا۔

کیٹی سمجھ گئی کہ یہ وزیر صاحب ہیں اور تھانے کا معائنہ
کرنے اچانک پہنچ گئے ہیں۔ وہ کھڑکی کی دیوار کے ساتھ لگی
خاموش کھڑی تھی۔ وہاں اندھیرا تھا اس لیے اسے کوئی نہیں
دیکھ سکتا تھا۔

معائنے کے بعد کھدر پوش وزیر باہر نکلا تو کیٹی نے اس
کی شکل اپنے دماغ میں اچھی طرح سے بٹھا لی۔ جب کھدر پوش
وزیر کار میں سوار ہو کر چلا گیا تو کیٹی نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔
پھر آنکھیں بند کر کے اس کھدر پوش وزیر کی شکل آنکھوں میں
لائی اور چٹکی بجا دی۔

دوسرے ہی لمحے کیٹی اسی کھدر پوش وزیر کی شکل میں
وہاں کھڑی تھی۔ اس کا لباس بالکل وہی تھا جو وزیر نے پہن
رکھا تھا۔ وہی شکل و صورت تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس
کے ساتھ نوکر چاکر نہیں تھے۔ کیٹی بے دھڑک تھانے دار کے
کمرے میں داخل ہو گئی۔

تھانے دار وزیر کو دوبارہ اپنے دفتر میں دیکھ کر ایک دم

کھڑا ہو گیا اور بولا :

"حضور! کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی جو آپ کو پھر تشریف لانی پڑی؟"

کیٹی نے تھوڑا سا کھانس کر وزیر کی بھاری بھرکم آواز میں کہا:

"میں ایک ضروری بات کرنا تو بھول ہی گیا تھا۔"

"فرمائیے حضور!" تھانے دار نے ادب سے کہا:

کیٹی بولی:

"تم نے آج شہر کے ہوٹل سے ایک ایسے آدمی کو گرفتار کیا ہے جس پر قتل کا الزام ہے؟"

تھانے دار نے کہا:

"جی ہاں — وہ حوالات میں بند ہے۔"

کیٹی کہنے لگی:

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہ آدمی صوبے کے وزیر اعلیٰ کا بھانجا ہے اور جب وزیر اعلیٰ کو پتہ چلا کہ تم نے اس کے بھانجے کو حوالات میں بند کر دیا تھا تو وہ تمہیں نوکری سے جواب دے دے گا۔"

تھانے دار گھبرا گیا، بولا:

"حضور! مجھے کیا خبر تھی کہ یہ آدمی وزیر اعلیٰ کا بھانجا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"اگر اپنی نوکری چاہتے ہو تو اسے فوراً چھوڑ دو۔ میں اسے خود سمجھا بجھا لوں گا وہ اپنے ماموں سے تمہاری شکایت نہیں کرے گا۔"

تھانے دار نے فوراً سپاہی کو بلا کر کہا:

"حوالات میں جو آدمی بند ہے اسے فوراً نکال کر یہاں لے آؤ۔"

دو منٹ کے اندر اندر ناگ تھانے دار کے کمرے میں موجود تھا اور کھدر پوش وزیر کو غور سے دیکھ رہا تھا جو اصل میں کیٹی تھی۔

ناگ نے پوچھا:

"کیا مجھے بڑی جیل میں لے جایا جا رہا ہے؟"

تھانے دار نے آہستہ سے کہا:

"بھائی مجھے معاف کر دو مجھے کیا معلوم تھا کہ تم وزیر اعلیٰ کے بھانجے ہو۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟"

"جی؟" ناگ حیران ہو کر کبھی تھانے دار اور کبھی کھدر پوش

کو تکنے لگا۔

کیپٹن نے کہا:

"کوئی بات نہیں برخوردار ـــ تمہارے ماموں کو ابھی
اس قتل کی کوئی خبر نہیں ہے۔"

تھانے دار حمیت بولا:

"حضور! اب قتل اور قاتل کو بھول جائیں۔ یوں
سمجھ لیں کہ وزیر اعلیٰ کے بھانجے نے یہ قتل
نہیں کیا۔ ہم کسی دوسرے آدمی کو پکڑ کر اس
پر قتل کا الزام لگا کر قتل کی یہ واردات اس
کے کھاتے میں ڈال دیں گے۔ آپ اسے ساتھ
لے جا سکتے ہیں۔"

ناگ بار بار کھدر پوش وزیر کی طرف دیکھ رہا تھا کھدر پوش
یعنی کیپٹن نے اسے آنکھ ماری۔ ناگ بھونچکا سا ہو گیا کہ یہ
اچھا خاصا شریف آدمی اسے آنکھیں کیوں مار رہا ہے۔ اس
نے تنگ کر کہا:

"دیکھیں صاحب۔ اگر پھر آپ نے مجھے آنکھ ماری تو
میں آپ کو سمجھ لوں گا۔"

تھانے دار نے حیرانی سے کہا:

"تم اس آدمی کے ساتھ ایسی بات کر رہے ہو جس

نے تمہیں آزاد کرایا ہے۔"

کیپٹن نے کہا:

"کوئی بات نہیں تھانے دار جی ـــ اس پر کبھی
کبھی پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا ہے ـــ آپ کا بہت
بہت شکریہ۔"

اور کیپٹن ناگ کو دھکیلتی ہوئی تھانے سے باہر لے گئی۔

ناگ نے ایک بار پھر جھنجھلا کر کہا:

"تم مجھے دھکے کیوں دے رہے ہو؟ کون ہو تم؟"

کیپٹن نے تھانے سے باہر آ کر کہا:

"تم نے مجھے پہچانا نہیں ناگ؟"

"ناگ؟ تم میرا نام بھی جانتے ہو؟"

کیپٹن بولی:

"میں کیپٹن ہوں۔"

ناگ جھٹ بولا:

"مگر تمہاری مونچھیں کیسے نکل آئیں؟"

تھوڑی دور جا کر کیپٹن نے ناگ کو سارے واقعات
سنا دیئے۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے تم اسی حلیے میں رہو۔ کیونکہ عورت

کے روپ میں لوگ تمہاری آنکھوں سے خوف کھاتے
ہیں۔"
کیٹی نے کہا:
"اس کی کوئی ضرورت نہیں ناگ میں سیاہ چشمہ
لگا لیتی ہوں اور پھر مرد بن کر زندہ رہنا مجھے
اچھا نہیں لگتا۔"
ایک موٹر کار ان کے قریب سے گزری۔ اس میں وہی
وزیر باڈی گارڈ کے ساتھ بیٹھا تھا جس کی شکل کیٹی نے اختیار
کر رکھی تھی اور جس نے ابھی ابھی تھانے کا دورہ کیا تھا
اچانک اس کی نظر فٹ پاتھ پر کیٹی پر پڑ گئی۔ اس کے
ساتھ وزیر نے ناگ کو بھی پہچان لیا۔ کیوں کہ اس نے
ناگ کو ابھی تھوڑی دیر پہلے تھانے کے حوالات میں دیکھا
تھا۔ اپنی شکل کا ایک دوسرا آدمی دیکھ کر وزیر چونک
پڑا۔ جلدی سے بولا:
"گاڑی روک کر پیچھے لے چلو۔"
کیٹی نے بھی وزیر کو جاتے اور پھر گاڑی لے کر واپس
آتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے ناگ سے کہا:
"یہاں سے بھاگ کر ریلوے سٹیشن کے فسٹ کلاس
میں میرا انتظار کرو۔ جلدی۔"

ناگ اندھیرے میں لپک کر غائب ہو گیا۔ کیٹی نے اپنی شکل
دماغ میں جما کر چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے وہ اپنی اصلی صورت
یعنی ایک خوش شکل لڑکی کے روپ میں ظاہر ہو چکی تھی۔
وزیر کی کار اس کے قریب آ کر رُک گئی۔ وزیر نے سر باہر
نکال کر پوچھا:
"کیوں بیٹی! یہاں ابھی ابھی دو آدمی جا رہے تھے
تم نے انہیں دیکھا ہے؟"
کیٹی نے سر ہلا کر کہا:
"نہیں جناب — میں نے تو کسی دو آدمیوں کو یہاں
سے گزرتے نہیں دیکھا۔"
وزیر اپنی کھدر کی ٹوپی اتار کر سر کھجانے لگا۔ پھر ڈرائیور
سے بولا:
"ذرا تھانے واپس چلو۔"
وزیر تھانے پہنچ گیا۔ تیسری بار وزیر کو تھانے میں داخل
ہوتا دیکھ کر تھانے دار نے دل میں کہا:
"یہ حرامی آج ادھر کے بار بار چکر کیوں لگا رہا
ہے؟"
اور اوپر سے مسکرا مسکرا کر ہاتھ جوڑ کر وزیر کی طرف
بڑھا اور کہنے لگا:

"حضور! خیریت ہے کہ آپ تیسری بار تشریف لائے؟"
وزیر نے کہا:
"میں تیسری بار نہیں، دوسری بار آیا ہوں۔"
تھانے دار ادب سے بولا:
"حضور آپ تیسری بار آ رہے ہیں۔ بے شک میرے سپاہیوں سے پوچھ لیں۔ پہلی بار آپ تھانے کے معائنے کے لیے آئے تھے۔ دوسری بار آپ حوالاتی اور وزیر اعلیٰ کے بھانجے ناگ کو قید سے چھڑانے آئے اور اب تیسری بار خدا جانے کس کام کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔"
وزیر حیرت سے منہ کھولے تک رہا تھا۔ بولا:
"کیا۔ کیا قتل کا مجرم فرار ہو گیا؟"
تھانے دار نے کہا:
"حضور! وہ فرار کہاں ہوا ہے۔ اسے تو خود آپ اپنی سفارش سے حوالات سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"
"اوہ مائی گاڈ!"
وزیر نے اپنا سر پکڑ لیا اور بولا:
"اُف! یہ تم نے کیا غضب کیا۔ وہ کون تھا جو

میری شکل میں یہاں آیا اور جسے ابھی ابھی میں نے سڑک کے فٹ پاتھ پر جاتے دیکھا تھا؟"
تھانے دار سمجھا کہ شاید وزیر کا دماغ اُلٹ گیا ہے۔ اس لیے کہا:
"حضور! تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے چائے منگواتا ہوں۔"
کھدر پوش وزیر جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔
"اگر میں یہاں ہوں تو وہ کون تھا جو سڑک پر جا رہا تھا۔ بالکل میری شکل ـــ میں دوسری بار تھانے نہیں آیا۔ پھر وہ کون تھا جو میری شکل میں قتل کے مجرم کو رہا کروا کر لے گیا؟ بھگوان! کیا میں پاگل ہو گیا ہوں۔"
اور اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور بال نوچتے ہوئے بولا:
"میں پاگل ہوں۔ میں پاگل ہوں۔ میں ایک نہیں دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں۔"
اور قہقہے لگا کر ناچنے لگا۔ تھانیدار اور سپاہیوں نے بڑی مشکل سے اسے قابو کر کے کار میں ڈالا اور سیدھا ہسپتال لے گئے۔

کیٹی ریلوے سٹیشن پہنچ گئی۔
ماریا کلغی والے سفید سانپ کی شکل میں کیٹی کی جیب میں تھی۔ سٹیشن پر ناگ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیٹی کو دیکھ کر بولا:

"سب ٹھیک ہو گیا کیا؟"

کیٹی نے کہا:

"تمہارے فرار کا علم ہو گیا ہو گا سب کو لیکن مجھے یقین ہے کہ کھدر پوش وزیر سیدھا تھانے کی طرف گیا تھا۔"

"تو پھر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" ناگ نے کہا۔
انہوں نے فسٹ کلاس کے دو ٹکٹ لیے اور مدراس جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی ایک گھنٹے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

ساری رات اور اگلا سارا دن گاڑی چلتی رہی۔ دوسرے دن شام کو ریل گاڑی ہندوستان کی نکون کے ایک شہر دھنش کوڑی پہنچ کر رک گئی۔ یہاں سے آگے سمندر شروع ہو جاتا تھا اور کوئی ریلوے سٹیشن نہیں تھا۔ کیٹی اور ناگ یہاں اتر گئے۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔

یہاں آبادی نہیں تھی۔ ناریل کے درختوں کے جھنڈ کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے۔ دو میل کے فاصلے پر سمندر شروع ہو جاتا تھا جدھر سے سمندر کی ٹھنڈی اور نم ہوا آ رہی تھی۔ ناگ نے کھانا ریل ہی میں کھا لیا تھا۔

کیٹی نے کہا:

"بزرگ نے جس راون کے پل کا بتایا تھا وہ میرا خیال ہے یہاں سے آگے ہو گا۔"

"ہاں۔" ناگ بولا: "آگے سمندر ہے اور وہ پل سمندر ہی میں بنایا گیا تھا!"

"تو پھر ہمیں اپنا سفر شروع کر دینا چاہیے۔"

ناگ نے جواب دیا کہ پہلے ہمیں یہاں کسی جگہ اپنے رہنے کا بندوبست کرنا چاہیے۔ بات بالکل ٹھیک تھی۔ دھنش کوڑی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں کوئی ہوٹل نہیں تھا۔ کیٹی اور ناگ سٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور پوچھا کہ وہ سیاح ہیں، کیا وہاں ٹھہرنے کو کوئی جگہ مل جائے گی؟

سٹیشن ماسٹر نے کہا:

"یہاں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہاں تم لوگ اگر بیس روپے روزانہ ادا کر سکو تو میں تمہیں سٹیشن کے فسٹ کلاس ویٹنگ روم میں ٹھہرنے کی اجازت

دے دوں گا۔"

ناگ نے کہا:

"ہمیں منظور ہے۔"

اور جیب سے دو سو روپے نکال کر سٹیشن ماسٹر کو دیتے ہوئے کہا:

"یہ لیجئے پیشگی۔"

سٹیشن ماسٹر نے بڑی خوشی سے روپے لے کر جیب میں رکھ لیے اور کہا:

"آپ جتنی دیر چاہے رہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ کھانے کے لیے بھی میں نوکر سے کہہ دوں گا۔ وہ آپ کو پہنچا دیا کرے گا۔ آپ اسے صرف دس روپے روزانہ دے دیا کریں۔"

کیٹی نے کہا:

"ٹھیک ہے سر۔ ہمیں منظور ہے۔"

سٹیشن ماسٹر نے کیٹی کی کالی عینک کی طرف انگلی اٹھا کر کہا:

"بی بی! تم نے رات کو بھی کالا چشمہ لگایا ہوا ہے کیا یہ نظر کا چشمہ ہے؟"

کیٹی نے کہا:

"ہاں سر! میری نظر کمزور ہے۔ یہ نظر کا چشمہ ہے۔"

سٹیشن ماسٹر مسکراتا ہوا ناگ اور کیٹی کو لے کر فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں آ گیا جس کی حالت اتنی بہتر نہیں تھی۔ پھر بھی کیٹی اور ناگ کے لیے غنیمت تھا۔ انہیں تو رات بسر کرنے کے لیے کوئی ٹھکانہ چاہیے تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد ناگ اور کیٹی بیٹھ گئے اور چائے پینے لگے۔

ناگ نے کہا:

"ہمیں آدھی رات کے بعد اپنی مہم شروع کرنی ہو گی۔ کیونکہ آدھی رات سے پہلے بدروحیں اپنے ٹھکانوں میں چھپی رہتی ہیں۔"

کیٹی کہنے لگی:

"سب سے پہلے تو ہمیں اس بات پر غور کرنا ہو گا کہ ہم راوان کے پل کے نیچے رہنے والی بدروح کاتیری کو کیسے ہلاک کر سکیں گے؟"

ناگ نے کہا:

"بزرگ نے کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ کام ہمیں خود کرنا ہو گا۔"

کیٹی بولی:

"اور بدروح گاتیری کے ہلاک ہونے کے بعد
ہی رتلام کے بہن بھائیوں کی گردنوں سے سانپ
غائب ہوں گے اور تمہیں بھی اپنی طاقت واپس
ملے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"تو اصل معاملہ بدروح گاتیری کو قتل کرنے کا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" ناگ نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔

کیپٹن نے کہا۔

"ناگ بھیا! تمہیں تو اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک
انسان کو قتل کرنا آسان ہے مگر ایک بدروح کو
ہلاک کرنا بہت مشکل ہے۔"

ناگ بولا۔

"ہمیں اس بدروح کی کمزوری کا سراغ لگانا ہوگا۔
یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کی جان کس چیز میں ہے۔
اگر میری پوری طاقت میرے پاس ہوتی تو معاملہ
مختلف ہوتا۔ لیکن اس وقت میں ایک عام
انسان ہوں اور مجھ پر بدروح کے حملے کا اثر
ہو سکتا ہے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"تمہیں بہت احتیاط کرنی ہوگی ناگ بھیا۔"

ناگ کہنے لگا۔

"میں تو کہتا ہوں کہ ہم ماریا کو بھی یہیں چھوڑ
جائیں گے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے اس پر بدروح
کے جادو کا اثر ہو جائے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہم ماریا کی تھیلی اسی کمرے
میں کہیں چھپا کر رکھ جائیں گے۔"

یونہی باتیں کرتے انہیں رات کے ساڑھے بارہ بج گئے
شروع رات میں ناگ کو نیند آنے لگی تھی مگر اس نے
کافی کے دو پیالے پی ڈالے جس کے بعد اس کی نیند
غائب ہو گئی تھی۔ ماریا جس تھیلی میں سفید مٹی ڈالے سانپ
کی شکل میں بند تھی کیپٹن نے وہ تھیلی میز کی سب سے
نچلی دراز میں رکھ کر دراز بند کر دیا اور ناگ کے ساتھ
رات کے اندھیرے میں ویٹنگ روم کے کمرے سے نکل
کر ریلوے پلیٹ فارم سے گزرتی سمندر کی طرف چلنے لگے۔
وہ دونوں ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔
انہوں نے سب کچھ پہلے ہی سے معلوم کر لیا تھا کہ سمندر
کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ وہاں سے سمندر دو کلومیٹر

کے فاصلے پر تھا اور سمندر کی طرف سے ٹھنڈی نمی والی ہوا برابر آ رہی تھی۔

یہ علاقہ بالکل ویران تھا۔ راستے میں کہیں کوئی دیہات یا گاؤں بھی نہیں تھا۔ بس کہیں کہیں ریتلے میدان میں ناریل کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ اب انہیں سمندر کی لہروں کی شاں شاں کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ سمندر کے قریب پہنچ گئے ہوئے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور اس میں مچھلیوں کی بُو رچی ہوئی تھی۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ سمندر اندھیرے میں سیاہ چادر کی طرح دور دور تک پھیلا ہوا نظر آنے لگا۔

کیتھی نے کہا:

"راون کا پل یہاں کہاں ہوگا؟"

ناگ نے کہا:

"تم اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہو۔ میں تو اب صرف روشنی ہی میں دیکھ سکتا ہوں۔"

کیتھی نے چشمہ آنکھوں پر سے اتار رکھا تھا۔ اس نے دور ایک طرف گھور کر دیکھا اور بولی:

"میں ایک جگہ سمندر میں بہت بڑے بڑے تین چار ستون دیکھ رہی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"کسی زمانے میں یہاں لنکا کے راجہ راون نے ایک پل بنایا تھا تاکہ وہ ہندوستان پر حملہ کرکے یہاں کا سامان لوٹ کر لنکا لے جایا کرے۔ پل دشمن کے ساتھ تباہ ہو گیا مگر اس کی نشانی یہ ستون باقی رہ گئے ہیں۔"

کیتھی نے پوچھا:

"بزرگ نے کس ستون کا نام لیا تھا؟"

ناگ بولا:

"انہوں نے کہا تھا کہ تیسرے یعنی کہ درمیان والے ستون میں سے ایک راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا ہے جہاں بدروح گاتیری رہتی ہے۔"

کیتھی کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی:

"میرے خیال میں تمہیں بدروح کے تہہ خانے میں نہیں جانا چاہیے۔"

ناگ نے کہا:

"تو کیا تم اکیلی وہاں جاؤ گی؟"

کیتھی نے جواب دیا:

"میں اس پوزیشن میں ہوں کہ اپنی یادداشت کے

مطابق کوئی بھی شکل بدل کر وہاں جا سکتی ہوں
تم ابھی ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لیے تمہارا وہاں
جانا ٹھیک نہیں۔"
ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کیٹی کے ساتھ چل
رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیٹی ٹھیک کہتی ہے
وہ ایک کمزور انسان ہے اور ناگ دیوتا نہیں ہے اس لیے
اسے بدروح کے تہہ خانے میں نہیں جانا چاہیے۔ وہ سمندر
کے کنارے ان چٹانوں کے پاس پہنچ گئے تھے جن کے
درمیان اندھیرے میں انہیں بہت بڑے بڑے نیلے ستون
دکھائی دے رہے تھے۔ سمندر کی موجیں دور دور سے آ کر
ان ستون سے ٹکرا کر شور پیدا کر رہی تھیں۔ یہ ستون آدھے
سے زیادہ سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔

رات بڑی ہیبت ناک تھی اور سوائے سمندری لہروں
کے شور کے وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ ان لہروں کے
شور نے فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔
ناگ نے کہا:
"کیا تم اکیلی جاؤ گی کیٹی؟"
"ہاں ناگ بھیا: میں تمہاری زندگی خطرے میں نہیں
ڈالنا چاہتی۔ تم اسی جگہ چٹانوں کے پاس میرا انتظار

کرو میں کم از کم جا کر یہ تو دیکھوں کہ نیچے ہے
کیا اور بدروح کا تیری وہاں ہے بھی کہ نہیں؟
اور اگر ہے تو اسے ختم کرنے کے لیے کیا کچھ
کیا جا سکتا ہے؟"
ناگ بولا:
"جیسے تمہاری مرضی! میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"
پھر آہ بھر کر بولا:
"مجھے اپنی حالت پر افسوس ہو رہا ہے۔ کہاں تو
مجھ میں اتنی طاقت تھی کہ ہوا میں پرندہ بن کر
اڑ سکتا تھا اور دنیا کے سارے سانپ میرا حکم
مانتے تھے اور کہاں اب میں ایک بے بس اور
مجبور انسان ہوں۔"
"ایسا نہ کہو ناگ بھیا! میں تمہاری طاقت واپس
لانے کے لیے ہی یہ سب کچھ کر رہی ہوں۔ خدا
نے چاہا تو ان سانپوں والے بہن بھائیوں کو بھی
زہریلے سانپوں کی مصیبت سے نجات مل جائے
گی اور تمہاری کھوئی ہوئی طاقت بھی واپس آ جائے
گی، اب تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں جاتی ہوں۔"
ناگ وہیں چٹانوں کے پاس ایک جگہ بیٹھ گیا۔

کیتھی نے درمیان والے ستون کی طرف چلنا شروع کیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ سے کس شکل میں تہہ خانے میں جانا چاہیے۔ سمندر کی لہریں اب اس کے ٹخنوں کو چھو کر واپس جا رہی تھیں۔ وہ پانی میں چل رہی تھی۔ جب وہ پہلے ستون کے پاس پہنچی تو سمندر کا پانی اس کی کمر تک پہنچ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سمندر میں آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ پہلے ستون کے قریب سے گذر گئی۔ اسے دوسرے ستون تک جانا تھا۔ آگے سمندر گہرا ہونے لگا اور پانی آہستہ آہستہ اس کے سینے تک آ گیا۔

تیسرا ستون اسے اندھیرے میں صاف نظر آنے لگا۔

اس ستون پر زنگ جما ہوا تھا اور بڑا ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ سیاہ کالا ستون تھا اور اسے دیکھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کیتھی کچھ اور آگے بڑھی تو سمندر کا پانی اس کی گردن تک آ گیا۔ اب اسے کوئی دوسری صورت اختیار کرنی تھی۔ اس نے کچھ غور کیا۔ وہ رک گئی۔ سمندر کی طاقت ور لہریں اسے آگے سمندر کی طرف دھکیل رہی تھیں —— ایک دم سے اس کے دماغ میں اس سبز مکڑی کا خیال آ گیا جو اس نے ناگ کے ساتھ گاؤں کے باہر جھاڑیوں میں مردہ حالت میں دیکھی تھی۔

کیوں نہ وہ سبز مکڑی بن جائے؟

اس خیال کے آتے ہی کیتھی نے اپنے دماغ میں سبز مکڑی کی شکل جمائی اور چٹکی بجا دی۔ وہ عورت سے ایک دم چھوٹی سی سبز مکڑی بن گئی اور سمندر کی لہروں پر تیرنے لگی۔ اسے تیرتے ہوئے دقت محسوس ہو رہی تھی۔ پانی بار بار اس کے اوپر سے گذر جاتا تھا۔ مگر اس نے اپنی نظریں درمیان والے ستون کی طرف رکھیں اور تیز تیز ٹانگیں مارتی آگے بڑھنے لگی۔ ایک لہر نے اسے اچھال کر دوسرے ستون کے بڑے بڑے زنگار لگے پتھروں پر اچھال دیا۔

کیتھی ان پتھروں سے چمٹ گئی۔ ایک لہر زور سے آ کر پتھروں سے ٹکرائی اور سمندر کا جھاگ دار پانی اس کے اوپر سے گذر گیا۔ کیتھی نے مکڑی بن کر محسوس کیا کہ اس کا ذہن تو انسان ہی کا ہے اور سوچ بھی انسان کی مگر اس کی نظر بہت تیز ہو گئی ہے اور وہ اندھیرے میں پہلے سے زیادہ اچھی طرح دیکھ سکتی ہے اس لیے کہ مکڑی کو اندھیرے میں بھی نظر آتا ہے اور وہ اپنے شکار کو اندھیرے میں بھی پکڑ لیتی ہے۔

اس سے پہلے کہ دوسری لہر آتی کیتھی پتھروں پر سے

گذر کر ستون کی دیوار کے ساتھ چمٹ گئی۔ اس نے
ستون کی گول دیوار کا چکر کاٹا۔ اسے ایک جگہ سے پتھر
اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ شاید یہی وہ راستہ تھا جو ستون کے اندر
اندھیرے تہہ خانے میں جا رہا تھا۔ کیٹی اس کافی چوڑے
سوراخ کے اندر داخل ہو گئی، اندر گھپ اندھیرا تھا مگر کیٹی
مکڑی کے روپ میں نیچے جاتی سیڑھیوں کو بڑی اچھی طرح
سے دیکھ رہی تھی۔

بدروح اور سانپوں والے بہن بھائی

ستون کے اندر سیڑھیاں نیچے تک جا رہی تھیں۔
کیٹی مکڑی کی شکل میں سیڑھیاں آہستہ آہستہ اترتی چلی
جا رہی تھی۔ یہ تہہ خانہ پرانا تھا۔ کہ اس کی سیڑھیوں کی
چھت کے پتھروں میں سے پانی ٹپک رہا تھا اور لمبی
لمبی سمندری گھاس لٹک رہی تھی۔ سیڑھیوں کے پتھر اکھڑے
ہوئے تھے۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو کیٹی کو چیخوں کی آوازیں سنائی
دیں۔ وہ جلدی سے دیوار کے ساتھ چپک گئی۔

تہہ خانے کے اندر سے چمگادڑوں کا ایک غول بھیانک
چیخیں مارتا اُڑتا ہوا نکلا اور سیڑھیوں میں سے تیزی کے
کے ساتھ اڑتا باہر نکل گیا۔

کیٹی آگے رینگنے لگی۔ اب ایک غار شروع ہو گیا تھا
غار کا فرش ریتلا تھا اور گیلا تھا۔ سمندر کا پانی اندر زمین
سے نکل نکل کر اور دیوار کے پتھروں سے ٹپک ٹپک کر
ریت میں جذب ہو رہا تھا۔ کیٹی نے اوپر دیکھا۔ غار

کی چھت کے ساتھ ابھی کتنے ہی چمگادڑ الٹے لٹکے ہوئے تھے۔ حالانکہ چمگادڑ رات کو یوں الٹا نہیں لٹکا کرتے اور باہر نکل جایا کرتے ہیں۔ مگر یہ چمگادڑ دن کی بجائے کو بھی چھت سے نکلی ہوئی جڑوں کے ساتھ الٹے لٹکے ہوئے تھے۔

کیپٹی نے دیکھا کہ آگے پھر سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ یہ سیڑھیاں سمندر کے اندر چلی گئی تھیں۔ یہاں سے اُترتے ہوئے کیپٹی نے سمندری لہروں کی دھیمی دھیمی آواز سنی جو ستون کی سمندر میں ڈوبی ہوئی دیوار کے ساتھ ٹکرا کر آگے گذر جاتی تھیں۔ ابھی تک کیپٹی کو بدروح کا سایہ بھی نظر نہیں آیا تھا —! یہ سیڑھیاں پھر ایک غار میں جا کر ختم ہوگئیں۔

یہاں دیوار کے ساتھ جالے لگے تھے اور ایک بڑی مکڑی نے اچانک اندھیرے میں سے نکل کر کیپٹی پر حملہ کر دیا۔ کیپٹی چھوٹی مکڑی کے روپ میں تھی۔ وہ تیزی سے دو پتھروں کے درمیان بنی ہوئی درز میں گھس گئی۔

کچھ دیر وہ اسی جگہ چھپی رہی۔ پھر جب باہر نکلی تو بڑی مکڑی جا چکی تھی۔ وہ آگے بڑھی تو اچانک بڑی مکڑی پتھر کے پیچھے سے نکل آئی۔ وہ کم بخت گھات لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کیپٹی کی جان کو زبردست خطرہ تھا۔ بڑی

مکڑی اس کے جسم کو بے ہوشی کا ٹیکہ لگا کر اسے چٹ کرنے والی تھی۔ کیپٹی کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ اس نے اپنے ذہن میں سانپ کی شکل کا تصور کیا اور خیال ہی خیال میں چٹکی بجا دی۔

وہ مکڑی سے ایک دم ایک سیاہ سانپ بن گئی۔

بڑی مکڑی اسے کھانے کی تیاریاں کر رہی تھی کہ اچانک اپنے سامنے سانپ دیکھ کر اس کی اپنی ٹانگیں کانپنے لگ گئیں۔ کیپٹی اسے زندہ چھوڑ کر اپنی زندگی اور اپنے مشن کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس نے اچھل کر بڑی مکڑی کو منہ میں دبوچا اور اپنے دانت اس کی کھوپڑی میں کھبو کر اس کے جسم میں زہر داخل کر دیا پھر اسے نیچے پھینک دیا۔

بڑی مکڑی نے ایک سیکنڈ بھی نہ لگایا اور تڑپے بغیر مر گئی۔ کیپٹی نے سوچا کہ اب اسے دوبارا مکڑی نہیں بننا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسری بڑی مکڑی یا مکڑا اسے ہڑپ کر جائے۔

وہ سانپ ہی کی شکل میں رینگتے ہوئے دوسرے تہہ خانے کی دیوار پر سے ہو کر تاریکی میں آگے بڑھی۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جہاں ریت پر جگہ جگہ انسانی جسم کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ لمبے لمبے جالے چھت سے

لے کر زمین تک لٹک رہے تھے۔

کیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ انسانی ہڈیاں یہاں کہاں سے آ گئی ہیں۔ کیا یہاں جو بدروح رہتی ہے وہ انسانوں کو شکار کر کے یہاں لا کر کھا جاتی ہے؟

مگر اسے بدروح کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی انسان مرنے کے قریب ہو اور لمبے لمبے بڑی مشکل سے سانس لے رہا ہو۔ کیٹی دیوار پر سے رینگتی ہوئی اوپر چھت کے ساتھ کونے میں جا کر لگ گئی۔ تکلیف سے نکلنے والے سانس کی آواز قریب آ رہی تھی۔

کیٹی سانپ بنی اپنی لال لال آنکھوں سے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، کیونکہ سانپ بن جانے کے بعد اسے اندھیرے میں ہر شے نظر آ رہی تھی لیکن اسے اپنی آنکھوں پر کافی زور ڈالنا پڑ رہا تھا۔ کوئی بڑے لمبے لمبے اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کسی طرف سے اس چھوٹی سی کوٹھڑی میں چلا آ رہا تھا۔

مگر وہ کہاں سے آ رہا تھا؟ اسے کدھر کو جانا تھا؟ کیٹی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی، کیونکہ اسے کوٹھڑی میں کہیں بھی سوائے سیڑھیوں کے راستے سے کوئی دروازہ نظر

نہیں آ رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف تکنے لگی۔ لیکن اسے صاف لگ رہا تھا کہ سانس کھینچنے کی آواز اس کے بالکل نیچے والی دیوار میں سے نکل رہی ہے۔ کیٹی رینگ کر چھت کی دوسری طرف ہو گئی۔

اب سانس کی آواز میں ایسی آواز بھی شامل ہو گئی تھی جیسے کوئی درد سے کراہ رہا ہو۔ یہ آواز کسی عورت کی معلوم ہوتی تھی۔ کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا تھا۔ اگرچہ کیٹی ہی اس اندھیرے میں دیکھ سکتی تھی۔ آواز اس کے بالکل قریب آ کر رک گئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی عورت دیوار کی دوسری جانب کھڑی درد سے کراہتے ہوئے گہرے گہرے لمبے لمبے سانس لے رہی ہے۔ کیٹی کی آنکھیں دیوار پر لگی تھیں۔

کیا دیکھتی ہے کہ دیوار میں شگاف سا ہوا اور ایک عورت کا ہیولہ اس شگاف میں سے باہر نکلا۔ اس نے کالا لبادہ پہن رکھا تھا۔ دونوں ہاتھ ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔ گردن پر ایک کھوپڑی رکھی تھی۔ ایک آنکھ میں گہرا سوراخ تھا۔ دوسری آنکھ کا ڈیلا باہر کو نکلا ہوا تھا۔ جس آنکھ میں سوراخ تھا اس پر ایک گہرے سبز رنگ کی مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اور جالے سے چمٹی ہوئی تھی۔

یہ بدروح گاتیری تھی جو لمبے لمبے سانس لیتی آہستہ آہستہ

دوسری دیوار کی طرف جا رہی تھی۔ کیپٹ کو وہ سبز مکڑی یاد آ گئی جیسے ناگ نے اس کو دکھایا تھا اور جو جھاڑیوں کے پاس مردہ پڑی تھی۔ ضرور وہ مکڑانی بھی بدروح گاتیری کی تھی کیوں کہ اس کا رنگ بھی گہرا سبز تھا اور بدروح ڈال ضرور آئی تھی تاکہ دونوں بہن بھائیوں کی گردنوں میں سانپ ڈال سکے۔

بدروح گاتیری جوں ہی سامنے والی دیوار کے پاس پہنچی اس دیوار میں بھی اپنے آپ شگاف پیدا ہو گیا۔

کیپٹ چھت پر سے تیزی سے رینگ کر سامنے والی دیوار کے قریب آ کر رک گئی۔ جیسے ہی بدروح اس شگاف میں داخل ہوئی کیپٹ بھی سانپ کی شکل میں اس کے پیچھے سے شگاف کے اندر چلی گئی۔

اس کے اندر جانے کے فوراً بعد دیوار کا شگاف اپنے آپ بند ہو گیا۔ کیپٹ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کہ سخت گہرے تاریک اندھیرے میں نیچی چھت والی قبر کی طرز کی ایک چوڑی سی کوٹھڑی ہے جس میں دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ ساری کی ساری قبریں اوپر سے کھلی ہیں۔ بدروح گاتیری ان قبروں کے درمیان میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں بازو اوپر اٹھا کر

پھیلا دیئے۔

اگرچہ یہاں گہرا اندھیرا تھا لیکن کیپٹ اس اندھیرے میں بھی اب دیکھنے لگی تھی۔ اس نے دیکھا کہ بدروح گاتیری بازو پھیلائے کھڑی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی ہڈیاں چمک رہی ہیں اور پھر ان قبروں میں سے دو کفن پوش عورتوں کی لاشیں باہر نکل کر بدروح گاتیری کے سامنے آ کر جھک گئیں۔ بدروح کے حلق سے دبی دبی کراہ کی آواز نکلی۔ کفن پوش عورتوں کی لاشیں پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئیں۔ باقی دو قبروں میں سے ایک قبر میں سے ہلکا ہلکا سفید دھواں نکلنا شروع ہو گیا اور پھر ایک اور کفن پوش مردہ باہر نکل کر گاتیری کے آگے جھکا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔

گاتیری بدروح نے منہ میں سے سیٹی کی آواز نکالی۔ کفن پوش مردے نے تلوار لہرائی اور کفن پوش عورتوں کی لاشوں کی باری باری گردنیں اتار دیں۔ ان کی کھوپڑیاں ان کے کندھوں سے تلوار کے وار کے ساتھ ہی گر پڑیں۔ دونوں لاشوں کے منہ سے ایسی بھیانک چیخیں نکلیں کہ دیوار کے ساتھ چمٹے چمٹے کیپٹ کا دل بھی دہل گیا۔ کھوپڑیاں زمین پر قبروں کے پاس اوندھی پڑی تھیں۔

کفن پوش مردے نے بدروح گاتیری کے اشارے سے
عورتوں کی لاشوں کو کھلی قبروں میں پھینک دیا اور ان کے
درمیان تلوار گاڑ دی۔ بدروح گاتیری نے اپنی کھوپڑی کو
اوپر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ کیٹی سانپ کے روپ
میں کونے میں دیوار کے پتھروں میں چھپی ہوئی تھی۔ بدروح
کے حلق سے خشک سرگوشی ایسی آواز نکلی:

"اس بڑی قبر کی کوٹھڑی میں ایک نئی روح آگئی
ہے۔ اسے قتل کر دو۔"

کیٹی چونک پڑی۔ اس قبر ایسی کوٹھڑی میں وہی ایک
نئی روح تھی اور بدروح گاتیری نے اسی کی طرف اشارہ
کیا تھا۔ وہ کیا کرے؟ وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے ذہن میں
مکڑی کا خیال جمایا اور دل ہی دل میں چٹکی بجا دی۔ وہ ایک
سیکنڈ میں سانپ سے چھوٹی سی مکڑی بن گئی۔

کفن پوش مردے نے پوچھا:

"اے عظیم بدروح! یہ نئی روح کس شکل میں ہے؟"

بدروح گاتیری نے کہا:

"اس وقت وہ ایک مکڑی کے روپ میں یہاں
موجود ہے۔ جسے میری خونی مکڑی تلاش کرے گی۔"

اور اس نے اپنی آنکھ کے سوراخ پر تنتے ہوئے جالے

پر بیٹھی گہرے سبز رنگ کی مکڑی کو انگلی سے اتار کر دیوار
کی طرف پھینک دیا۔ خونی مکڑی کیٹی کی طرف لپکی۔ کیٹی
گھبرا گئی۔ وہ پتھروں کے درز میں سے نکل کر بھاگی۔ خونی
مکڑی اس کے پیچھے بھاگی۔ کیٹی کو چھپنے کے لیے کوئی جگہ
نہیں مل رہی تھی۔ اس نے سوچا وہ کیا کرے؟ پھر ایک
شکل کیٹی کے ذہن میں آئی اور اس نے خیال ہی میں
چٹکی بجائی۔

دوسرے لمحے وہ چھوٹی سی چیونٹی بن کر پتھروں کی درزوں
میں گھس گئی۔ گہری سبز خونی مکڑی نے اسے بہت تلاش
کیا مگر وہ اسے نہ ملی۔

بدروح گاتیری نے مکڑی کو دیوار پر سے اٹھا کر دوبارہ
اپنی آنکھ کے سوراخ پر تنتے ہوئے جالے سے چمٹا لیا اور
کفن پوش مردے کی طرف دیکھ کر سرگوشی ایسی آواز میں بولی:

"وہ چلی گئی ہے۔ اب تم میری بات غور سے سنو۔
یہاں سے سیدھا دتلام شہر کے دریا کنارے والے
گاؤں میں پہنچو۔ جن دو بہن بھائی کی گردنوں میں
میں نے خون چوسنے والے سانپ ڈال رکھے ہیں۔
ان کی گردنیں اتار کر ان کے سر میری خدمت میں
پیش کرو، کیوں کہ اگر سات روز کے اندر اندر ان

بہن بھائیوں کے سر میرے پاس نہ آئے اور میں نے
انہیں قبر میں اپنے زانوؤں پر رکھ کر منتر دل کا وظیفہ
نہ کیا تو میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر مٹی کے ساتھ
مٹی ہو جاؤں گی ۔۔۔ مجھے ان بہن بھائیوں کے سر
چاہئیں ۔ میرے سانپوں نے اپنا کام کر دیا ہے ۔
ان بہن بھائیوں کے جسم میں بہت کم خون باقی رہ
گیا ہے ۔ جب تم آدھی رات کو ان کی گردنیں
کاٹو گے تو خون بہت ہی کم نکلے گا اور سانپ اپنے
آپ مر جائیں گے "

کفن پوش مردہ بولا ۔

" اے عظیم بدروح ! تمہارا حکم سر آنکھوں پر ۔ میں ابھی
جا کر ان بہن بھائیوں کے سر کاٹ کر لاتا ہوں اور
تمہاری خدمت میں پیش کرتا ہوں "

بدروح گائتری نے کہا ۔

" ایک بات مت بھولنا کہ اگر تم سات دنوں کے
اندر اندر ان دونوں بہن بھائی کے سر کاٹ کر نہ
لا سکے تو میں اپنے اس تہہ خانے میں اور تم جہاں
بھی ہو گے ہم دونوں ہمیشہ کے لیے جل کر
بھسم ہو جائیں گے ۔ پھر نہ تم زندہ ہو سکو گے اور نہ

میں دوبارا زندہ ہو سکوں گی "

کفن پوش مردہ بولا ۔

" عظیم بدروح ! میں بہت جلد ان دونوں کے سر
کاٹ کر لے آؤں گا ۔ مجھے کوئی نہیں روک
سکے گا "

بدروح گائتری نے کہا ۔

" لیکن تم اس شکل میں نہیں بلکہ ایک سانپ پکڑنے
والے سپیرے کی شکل میں اس گاؤں میں جاؤ گے
اور ان بہن بھائیوں کی گردنوں سے سانپ اتارنے
کے بہانے ان کے سر کاٹ کر وہاں سے فرار
ہو جاؤ گے "

کفن پوش مردہ بولا ۔

" اے عظیم بدروح ! میرے اندر طاقت کیا ہو گی ؟"

بدروح نے کہا ۔

" تم پر دنیا کا کوئی جادو اثر نہیں کر سکے گا ۔ تم
مر نہیں سکو گے ۔ اس سے زیادہ تمہیں اور کیا چاہیے "

" کچھ نہیں عظیم بدروح ! کچھ نہیں "

بدروح نے سرگوشی میں کہا ۔

" تو پھر جاؤ اور سات روز کے اندر اندر سر لے

کر واپس آ جاؤ۔ ایک بار پھر یاد رکھو۔ اگر سات
دن گزر گئے اور تم ان کے سر نہ کاٹ سکے تو
پھر تم اپنے آپ جل کر بھسم ہو جاؤ گے اور ادھر
میں جل کر بھسم ہو جاؤں گی۔ ہم دونوں کی زندگیاں صرف
اسی صورت میں بچ سکتی ہیں کہ تم ان بہن بھائیوں
کے سر کاٹ کر لے آؤ۔ یہ تمہاری اور میری ——
ہم دونوں کی ہمیشہ کی زندگی اور —— ہمیشہ کی موت
کا سوال ہے۔"

کفن پوش مردہ کہنے لگا:

"فکر نہ کرو عظیم بدروح! میں اپنی مہم میں کامیاب
ہوں گا۔ ساری دنیا کی بدروحیں میرے ساتھ ہوں گی۔
جاؤ —— دیر نہ کرو۔"

کیٹی چیونٹی کے روپ میں یہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔
کفن پوش مردے نے اپنا سر جھکا دیا۔ بدروح کاتبری نے
اس کی طرف اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ اس کی سوکھی انگلی کی
ہڈی میں سے فاسفورس کی طرح کی ایک چمکیلی شعاع نکل کر
کفن پوش مردے کے جسم سے ٹکرائی اور دیکھتے دیکھتے وہ
مردے سے ایک سپیرا بن گیا جس کے کاندھے کے ساتھ جھولا
لٹکا ہوا تھا۔ ہاتھ میں سپیروں کی بین تھی اور سر پہ پگڑی بندھی

تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر بدروح کو پرنام کیا۔

بدروح کے دوسرے اشارے سے دیوار میں شگاف ظاہر
ہوا اور کفن پوش سپیرا اس میں سے باہر نکل گیا۔

کیٹی بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھی مگر کفن
پوش سپیرے کو بالکل خبر نہ ہو سکی تھی —— کیٹی نے باہر نکلتے
ہی دوبارا سانپ کی شکل بدل ڈالی اور سپیرے کے پیچھے
پیچھے رینگتی ہوئی تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر تاریک غاروں
میں سے گزرتی تہہ خانے کے شگاف میں سے باہر سمندری
چٹانوں میں نکل آئی۔

باہر رات اسی طرح تاریک اور پُراسرار تھی۔ کفن پوش
سپیرے نے منتر پڑھ کر سمندر کی لہروں پر پھونک ماری اور
اپنا پاؤں سمندری لہروں پر رکھ دیا۔ اور وہ پانی پر اس طرح
مزے سے چلنے لگا جس طرح ہم خشکی پر چلا کرتے ہیں۔ کیٹی
حیرانی سے تکنے لگی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے پانی میں
تیزی کے ساتھ تیرتی ہوئی اس چٹان کے پاس آ گئی جہاں
وہ ناگ کو چھوڑ گئی تھی۔

ناگ پتھروں پر لیٹے لیٹے سو گیا تھا۔

کیٹی وہاں جا کر اپنی اصل شکل میں واپس آ گئی اور ناگ کو
جگا کر جلدی جلدی سے سارا واقعہ سنایا جو اس کے ساتھ پیش

آیا تھا اور ناگ کو یہ بھی بتایا کہ کفن پوش مردہ سپیرے
کے بھیس میں سانپوں والے بہن بھائیوں کی گردنیں اتارنے
جا رہا ہے۔
ناگ نے کہا:
"یہ تو بڑا ظلم ہوگا ہمیں اس سپیرے کو قتل
کر دینا چاہیے"
کیٹی نے کہا:
"وہ کوئی معمولی سپیرا نہیں ہے بلکہ ایک مردہ
روح ہے جو بدروح کے ساتھ جہنم میں بھٹک
رہی ہے اور بہن بھائیوں کے کٹے ہوئے سروں
کا جادو کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم سے
نکل کر زندہ ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ ہم اگر اسے
کسی طرح ہلاک نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں اس
سپیرے کو سات دن کے لیے کسی طریقے سے
روکنا ہوگا کہ وہ بہن بھائیوں کے سر نہ کاٹ
سکے تاکہ یہ دونوں اپنی موت آپ مر جائیں
اور بدروح کے مر جانے سے تمہاری طاقت بھی
واپس آ جائے"
ناگ بولا:

"اس وقت ہمیں سپیرے کا پیچھا کرنا چاہیے تاکہ
کہیں وہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنے خطرناک ارادے
میں کامیاب نہ ہو جائے"
"آؤ میرے ساتھ" کیٹی نے کہا:
اور وہ سمندری چٹانوں سے نکل کر کچھ فاصلہ رکھ کر
سپیرے کے پیچھے پیچھے چل پڑے جو اُن کے آگے آگے
ایک سائے کی طرح چلا جا رہا تھا۔۔۔ پو پھٹ رہی تھی
اور دن کی پھیکی پھیکی روشنی پھیل رہی تھی کہ کفن پوش سپیرا
اس گاؤں کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا جہاں سے گاڑی
پکڑ کر اس نے ایک دن کے سفر کے بعد شام کو رتلام
کے شہر پہنچنا تھا۔ یاد رہے کہ یہ وہی شہر ہے جس سے
دو کوس دور دریا کنارے کے گاؤں کے ایک جھونپڑے
کے باہر دونوں بہن بھائی گردنوں میں خون چوسنے والے
زہریلے سانپ لٹکائے موت کا انتظار کر رہے تھے۔
کیٹی اور ناگ نے ریلوے سٹیشن پر آتے ہی سب سے
پہلا کام یہ کیا کہ فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم کے میز
کے دراز میں سے وہ تھیلی باہر نکالی جس میں ماریا سفید کلغی
والے سانپ کی شکل میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔
کفن پوش سپیرا پلیٹ فارم پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا

تھا۔ کیٹی نے تھیلی کھول کر ماریا کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔

"پیاری بہن ماریا! یہ سن کر میری آنکھیں بھر آتی
ہیں کہ ہم تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر تم فکر
نہ کرو ہم تمہیں واپس انسانی شکل میں لے آئیں
گے۔"

ماریا سانپ بنی اپنی لال آنکھوں سے کیٹی اور ناگ
کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔
جیسے کہہ رہی ہو۔

"میں جانتی ہوں تم میرے لیے جان لڑا دو گے۔"
ناگ نے کہا :

"یہ تھیلی مجھے دے دو تاکہ میں اسے اپنی جیکٹ
کی اندر والی جیب میں رکھ لوں۔"

کیٹی نے ماریا والی تھیلی ناگ کو دے دی اور ناگ
نے اسے سنبھال کر جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ ڈائننگ روم
سے نکل کر وہ دونوں پلیٹ فارم پر ایک طرف ہو کر بنچ
پر بیٹھ گئے۔ وہ برابر سپیرے پر آنکھ رکھے ہوئے تھے۔
سورج نکل آیا۔ ہر طرف دن کی روشنی پھیل گئی۔ اتنے میں
ریل گاڑی آ کر پلیٹ فارم پر رک گئی۔

کفن پوش سپیرا خاموشی سے اٹھا اور ایک ڈبے میں
داخل ہو گیا۔ ناگ نے کیٹی کو ساتھ لیا اور اس کے ساتھ
والے ڈبے میں جا کر بیٹھ گیا۔ ٹرین تھوڑی دیر رک کر آگے
روانہ ہو گئی۔ ٹرین جس سٹیشن پر رکتی ناگ نیچے اترتا اور کسی
نہ کسی بہانے دوسرے ڈبے میں جھانک کر دیکھ لیتا کہ کفن
پوش سپیرا وہاں بیٹھا ہوا ہے۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا کہ گاڑی رتلام کے سنٹرل
سٹیشن پر رکی۔ ناگ اور کیٹی اتر کر باہر آ گئے۔ یہاں ایک
دم سے بارش شروع ہو گئی۔ بارش اتنی تیز تھی کہ کفن پوش
سپیرا بھی گاڑی سے نکل کر پلیٹ فارم کی طرف بھاگا اور ایک
سائبان کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ اور بارش رکنے کا انتظار کرنے
لگا۔ کیٹی اور ناگ بھی کچھ فاصلے پر ایک جگہ سائے میں
بنچ پر بیٹھ گئے۔ ٹرین چلی گئی۔ پلیٹ فارم خالی ہو گیا۔
موسلا دھار بارش کی وجہ سے وہاں کوئی مسافر نہیں تھا۔
ناگ نے کہا :

"کیٹی! ہمیں کوئی ترکیب نکالنی ہو گی۔ صرف اس
کا پیچھا کر کے ہم دونوں بہن بھائی کی جان نہیں
بچا سکیں گے۔ یہ تو گاؤں میں پہنچ کر اپنا کام
شروع کر دے گا۔"

کیٹی نے کچھ سوچ کر اچانک کہا،
کیوں نہ ہم پہلے گاؤں پہنچ کر دونوں بہن بھائی
کو کسی جگہ چھپا دیں؟
ناگ نے اچھل کر کہا:
"بالکل ٹھیک ہے۔ مگر ہم انہیں ان کے ماں باپ
سے کیسے الگ کر کے کسی جگہ چھپائیں گے؟ کیا ان
کے ماں باپ اجازت دیں گے؟"
کیٹی نے کہا:
"میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔"
اور وہ دونوں موسلا دھار بارش میں بھیگتے ہوئے ریلوے
سٹیشن سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور سیدھے
دریا کنارے والے گاؤں جا پہنچے۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ سات
بجے ہوں گے۔ بارش کی وجہ سے گاؤں کے لوگ اپنی اپنی
جھونپڑیوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ سانپوں والے بہن بھائی بھی
جھونپڑی کے اندر تخت پوش پر بٹھا دیئے گئے تھے۔
کیٹی اور ناگ نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ وہ ایک گھنے درخت
کے نیچے آ گئے۔
کیٹی نے کہا،
"میں ایک سپیرن کا روپ بدل کر وہاں جاؤں گی۔

تم دریا پر جا کر جہاں گھاٹ ہے وہاں میرا انتظار
کرو۔ میں ساڑھے سات بجے کے قریب وہاں
دونوں بہن بھائیوں کو لے کر پہنچ جاؤں گی۔"
ناگ نے پوچھا:
"مگر تم سپیرن بن کر دونوں کو کیسے ساتھ لے
آؤ گی؟"
کیٹی بولی،
"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم جلدی کرو — اور گھاٹ
پر چلے جاؤ۔ کیونکہ کفن پوش سپیرا بارش رکتے
ہی یہاں آ جائے گا۔"
ناگ جانے لگا تو کیٹی نے کہا:
"ماریا والی تھیلی مجھے دے دو۔"
"وہ کس لیے؟" ناگ نے پوچھا۔
"اس کی مجھے ضرورت ہو گی۔"
ناگ نے بھیگی ہوئی جیکٹ کے اندر سے وہ تھیلی نکال
کر کیٹی کو دے دی جس میں ماریا اب نئی شکل میں بند تھی۔
کیٹی نے اپنے ذہن میں ایک بڑھیا کی شکل کا نقشہ جمایا
اور چٹکی بجا دی۔ وہ ایک سپیرن کے روپ میں سامنے
آ گئی۔ اس کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ بال کھلے تھے گیروے

رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ کاندھے پر جھولا تھا۔ ہاتھ میں
بین تھی۔
ناگ نے کہا:
"خدا کی قسم تم بالکل ایک خوب صورت سپیرن لگتی ہو۔"
"اچھا باتیں نہ بناؤ اور جلدی سے گھاٹ پر پہنچو اور
ایک کشتی کا بندوبست کر رکھنا۔ ہو سکتا ہے ہمیں
بہت جلد دریا پار کرنا پڑے۔"
ناگ دریا کے گھاٹ کی طرف اور کیٹی جھونپڑی کی طرف
روانہ ہو گئی۔ کیٹی بین بجاتی ہوئی سانپوں والے بہن بھائی کی
جھونپڑے کے باہر جا کر رک گئی۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی
بین کی آواز سن کر سانپوں والے بہن بھائی کا غم زدہ باپ
جھونپڑی سے باہر آ گیا۔
سپیرن نے کہا:
"بابا! ہم کیلاش پربت سے تیرے بچے اور بچی کا
علاج کرنے آئے ہیں۔ سن! ہمیں ناگ دیوتا نے
بھیجا ہے کہ جاؤ گاؤں میں جا کر بہن بھائی کو سانپ
کی مصیبت سے نجات دلاؤ۔"
یہ سن کر بوڑھا بڑا خوش ہوا۔ یہ لوگ بڑے وہم پرست
ہوتے ہیں۔ وہ فوراً کیٹی کو جھونپڑی کے اندر لے گیا۔ ا

دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں کیٹی نے دیکھا کہ دونوں
بہن بھائی تخت پوش پر بیٹھے تھے۔ ان کی گردنوں میں سانپ
لٹک رہے تھے۔ ان کی ماں تخت پوش کے ساتھ سر جھکائے
اداس بیٹھی تھی اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کبھی کبھی اپنے
جگر کے ٹکڑوں کو دیکھ لیتی تھی جن کی زندگیاں سانپوں کی وجہ
سے موت سے بدتر ہو گئی تھیں۔
کیٹی نے دیکھا کہ سانپوں نے خفیہ طور پر خون چوس چوس
کر دونوں بہن بھائی کو بے حد نڈھال کر دیا تھا اور ان کی
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ کیٹی نے تخت پوش کے
سامنے بیٹھ کر بین بجانی شروع کر دی۔ بین کی آواز پر دونوں
سانپوں نے اپنے سر اٹھا لیے اور پھوں پھوں کرنے لگے۔
کیٹی نے بین بجانی بند کر دی۔ اور جھولے میں سے ماریا کی
تھیلی نکال کر سفید کلغی والا سانپ تخت پوش پر رکھ دیا
اور بوڑھے ماں باپ سے کہا:
"یہ سفید کلغی والا سانپ ناگ دیوتا کا بیٹا ہے جو
کیلاش پربت میں رہتا ہے۔ ناگ دیوتا نے اپنا
بیٹا اپنی نشانی کے طور پر میرے ساتھ بھیجا ہے۔"
سفید کلغی والے سانپ کو دیکھ کر بہن بھائی کی گردنوں
میں پڑے ہوئے سانپوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس لیے کہ وہ

بدروح گائیتری کے سانپ تھے جن پر اس کا زبردست جادو
تھا۔ کلغی والے سانپ کو دیکھ کر بوڑھے ماں باپ کو یقین
ہو گیا کہ یہ پسیرن سچ مچ ناگ دیوتا کی دیوداسی ہے اور
کیلاش پربت سے ان کے بچوں کو مصیبت سے چھٹکارا دلانے
آئی ہے۔ وہ ہاتھ باندھ کر بولے کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا؟
کیٹی ان سے یہی کہلوانا چاہتی تھی۔ اپنے لمبے بالوں کو جھٹک
کر بولی:

"بابا لوگ: تم بڑے اچھے بندے ہو۔ کیلاش پربت
میں ناگ دیوتا تم سے خوش ہے۔ سنو! میں تمہارے
ان دونوں بچوں کو ساتھ لے کر دریا کی گھاٹ پر
جاؤں گی اور وہاں ساری رات دریا کے پانی میں
کھڑے ہو کر ان کو سامنے بٹھا کر ریاضت کروں گی۔
منتروں کا جاپ کروں گی۔ آدھی رات کو ناگ دیوتا
وہاں تشریف لائیں گے اور اس کو دیکھتے ہی یہ
دونوں سانپ تمہارے بچوں کی گردنوں سے اتر کر
دریا میں ڈوب جائیں گے اور یہ دونوں بہن بھائی
پھر سے پہلے چنگے ہو جائیں گے۔"

بوڑھے ماں باپ بڑے خوش ہوئے دونوں بہن بھائی خاموشی
سے پسیرن کیٹی کی باتیں سن رہے تھے لیکن چونکہ سانپوں کے

خوف کی وجہ سے ان کی زبان بند تھی اس لیے کچھ نہیں کہہ
سکتے تھے۔

بوڑھے باپ نے کہا:

"پسیرن بیٹی! کیا تو ناگ دیوتا کی دیوداسی ہے؟"

"ہاں بابا لوگ! میں ناگ دیوتا کی دیو داسی ہوں
اور اسی کے حکم سے تمہارے بچوں کو ساتھ لے کر
دریا کے گھاٹ پر جاؤں گی۔"

باپ نے کہا:

"کیا میں اپنے بچوں کے ساتھ جا سکوں گا؟"

کیٹی پسیرن نے جھٹ کہا:

"نہیں نہیں۔ بابا لوگ! تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکو
گے۔ اگر تم ہمارے ساتھ گئے تو ناگ دیوتا ناراض
ہو جائیں گے۔"

بوڑھا جلدی سے کہنے لگا:

"اچھا بیٹی۔ میں نہیں جاتا۔ تم میرے بچوں کو گھاٹ
پر لے جاؤ لیکن— لیکن میں صبح کو تو آ کر اپنے
بچوں کو دیکھ سکوں گا۔"

کیٹی پسیرن نے کہا:

"ہاں— صبح جب تم آؤ گے تو دیکھو گے کہ

تمہارے بچوں کی گردنوں سے سانپ غائب ہو
چکے ہیں اور وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں اور تم سے
باتیں بھی کریں گے۔"

"کیا یہ بول سکیں گے بیٹی؟"

بوڑھی ماں نے پوچھا۔

کیٹی نے کہا:

"ہاں ماتا جی! تمہارے بچے صبح باتیں کرتے ہوئے
تمہیں ملیں گے ــــ اچھا اب دیر نہ کرو۔ ان
بچوں کو میرے ساتھ روانہ کر دو۔"

"بہت اچھا دیو داسی۔"

بوڑھے باپ نے دونوں بہن بھائیوں کی انگلیاں پکڑ کر انہیں [illegible]
تخت پوش پر سے نیچے اتارا اور کیٹی سپیرن کے حوالے کر کے کہا:

"اے ناگ دیوتا کی دیوداسی! میرے بچے تمہارے حوالے ہیں۔"

کیٹی نے کہا:

"تم بالکل نہ گھبراؤ۔ صبح تمہارے بچے صحت مند ہو کر
تمہارے پاس آ جائیں گے یا تم انہیں وہاں آ کر لے جانا۔"

اور کیٹی نے دونوں بہن بھائی کو آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں اپنے ماں کی طرف اداس نظروں سے دیکھتے ہوئے جھونپڑی
میں سے باہر آ گئے۔ باہر اب بارش مدھم ہو گئی تھی۔

کیٹی ذرا پیچھے پیچھے تھی۔ اس نے دونوں کو کہا:

"پیارے بچو! دریا کے گھاٹ کی طرف چلو۔"

اور ہلکی ہلکی بارش میں دونوں بہن بھائی کیٹی سپیرن کے آگے
آگے چلتے ہوئے دریا کے گھاٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ بارش کی
بوندیں ان کے بالوں کو بھگو رہی تھیں اور ان کی گردنوں میں
لٹکے ہوئے سانپ جانے کیوں پھن اٹھا اٹھا کر پھنکار رہے تھے۔

○

کفن پوش سپیرا

کیٹی ایک خلائی مخلوق تھی۔
اس کی رگوں میں ایک دوسرے سیارے کا خون تھا اور اس پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی اسے اس بارش والی اندھیری رات میں پھن دار گہرے سبز سانپوں کی پھنکاروں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی سہمے ہوئے تھے اور ان بے چاروں کا تو خون خشک ہو چکا تھا۔ وہ ڈرے ڈرے ہوئے آگے آگے ہلکی بارش میں بھیگتے دریا کی گھاٹ کی طرف چلے جا رہے تھے۔
اندھیری گھاٹ پر ناگ ایک کشتی میں بیٹھا کیٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کیٹی کے ساتھ دونوں سانپوں والے بہن بھائی کو دیکھا تو جلدی سے کشتی سے نکل کر کنارے پر آگیا۔
کیٹی نے کہا:
"ناگ! پیچھے ہٹ کر رہنا۔ سانپ غصے میں ہیں کہیں تمہیں کاٹ نہ لیں۔"

ناگ کشتی کے کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کیٹی نے دونوں بہن بھائیوں سے کہا:
"کشتی میں سوار ہو جاؤ بچو! ہم دوسرے کنارے پر جا کر منتر پڑھیں گے۔"
دونوں بہن بھائیوں نے خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور کشتی میں اتر کر بیٹھ گئے۔ کیٹی بھی کشتی میں آ گئی اور اس نے اور ناگ نے چپو چلانے شروع کر دیئے کشتی گھاٹ سے نکل کر ہلکی بارش اور رات کے اندھیرے میں دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چل پڑی۔

○

کفن پوش سپیرا بھی بارش کے مدھم ہوتے ہی ریلوے سٹیشن سے نکل کر گاؤں میں آگیا۔ اس نے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ سانپوں والے بہن بھائیوں کا جھونپڑا کہاں ہے جھونپڑے کے باہر آکر اس نے بین بجانی شروع کر دی۔ بین کی آواز سن کر بوڑھا ایک بار پھر باہر آگیا۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید سپیرن واپس آگئی ہے۔ مگر اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سپیرا کھڑا تھا جس کی سرخ آنکھیں بجھ بجھ کر جلنے والے دیئے کی روشنی میں سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک

رہی تھیں۔

کفن پوش سپیرے نے بین منہ سے ہٹا کر کہا:

"بابا! ہم ناگا پربت سے دیوی ناگن کے حکم پر تیرے بچوں کے گلے سے سانپ اتارنے آئے ہیں — ہمیں اپنے بچوں کے پاس لے چل ہم انہیں اس مصیبت سے نجات دلا دیں گے

اوم — پربھو۔ شانتی —!"

بوڑھے باپ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج! آپ نے دیر کر دی۔ میرے بچوں کو تو ایک سپیرن دیو داسی علاج کے لیے لے گئی ہے۔"

کفن پوش سپیرے پر گویا بجلی گر پڑی، چونک کر بولا:

"کیا کہا؟"

"ہاں مہاراج" بوڑھا باپ بولا "انہیں ایک سپیرن دیوداسی لے گئی ہے۔"

"کون ہے وہ ملیچھ؟" کفن پوش سپیرا چیخ پڑا۔

بوڑھے باپ نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"مہاراج! وہ کیلاش پربت سے آئی تھی۔ اسے ناگ دیوتا نے ہمارے بچوں کی یہ مصیبت دور کرنے کے لیے بھیجا تھا۔"

کفن پوش سپیرا بپھر گیا۔ اس کا سارا کام خاک میں مل رہا تھا۔

"کہاں لے کر گئی ہے وہ تمہارے بچوں کو؟ کمبخت وہ تو ڈائن تھی۔ وہ تیرے بچوں کو کھا جائے گی۔"

بوڑھا رونے لگا۔ اس کی بیوی بھی باہر آ گئی۔ دونوں غم کے مارے آنسو بہانے لگے:

"مہاراج! ہمیں کیا پتہ تھا کہ وہ ڈائن ہے۔ وہ تو سپیرن بن کر آئی تھی۔ اب کیا ہو گا مہاراج! بھگوان کے لیے ہمارے بچوں کو اس ڈائن سے بچا لیں۔"

کفن پوش سپیرے نے غصے میں چلا کر کہا:

"ارے کم بخت! یہ بتا کر وہ تمہارے بچوں کو لے کر کدھر گئی ہے؟"

بوڑھے نے ہاتھ باندھ کر روتے ہوئے کہا:

"مہاراج! وہ کہتی تھی کہ دریا کی گھاٹ پر منتر پڑھوں گی۔ وہاں ناگ دیوتا آئیں گے اور سانپوں کو دریا میں ڈبو دیں گے۔"

کفن پوش سپیرے نے زمین پر پاؤں مار کر کہا:

"تم گدھے ہو۔ بالکل گدھے — میں دریا پر جا کر تمہارے بچوں کو واپس لاتا ہوں — تم یہیں

ٹھہرو۔ میرے پیچھے مت آنا۔"

اور کفن پوش مکار پیسرا بوڑھے ماں باپ کو روتا چھوڑ کر اندھیری رات میں دریا کے گھاٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

دریا کے گھاٹ پر اندھیرا تھا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بارش ختم گئی تھی مگر سیاہ بادل دریا پر جھکے ہوئے تھے۔ اس اندھیرے میں کفن پوش پیسرے کو ایک کشتی سائے کی طرح دریا کے دوسرے کنارے کی طرف جاتی دکھائی دی۔ اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور تیرنے لگا۔

دوسرے کنارے پر پہنچ کر ناگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے دور دریا کے چوڑے پاٹ میں ایک دھبہ سا دکھائی دیا۔ اس نے کیٹی سے کہا:

"تم اندھیرے میں دیکھ سکتی ہو۔ دیکھو، دریا میں وہ کالا دھبہ سا کیا ہے؟"

کیٹی نے گھوم کر دیکھا تو اسے ایک انسان دکھائی دیا جو ہاتھ پاؤں مارتا تیرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

کیٹی نے جلدی سے کہا:

"وہ کفن پوش آ گیا ہے۔ یہاں سے نکل چلو۔"

کیٹی نے دونوں بہن بھائیوں کو ساتھ لیا اور ناگ کے آگے آگے چلتی جنگل میں داخل ہو گئی۔ انہیں سب سے

بڑی پریشانی یہی تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے سانپوں والے بہن بھائیوں کو کفن پوش پیسرے کی نظروں سے چھپایا جائے۔ کفن پوش کے پاس اتنی طاقت ضرور تھی کہ وہ مر نہیں سکتا تھا۔ اس لیے کیٹی کا اس کے ساتھ مقابلہ کرنا بے کار تھا۔ ناگ کمزور تھا اور اس کی ساری طاقت ختم ہو چکی تھی۔ ایسی حالت میں کفن پوش پیسرا دونوں بہن بھائیوں کو ہلاک کر کے ان کے سر اتار کر لے جا سکتا تھا۔

کیٹی کو یہی بات پریشان کر رہی تھی۔

ناگ نے جنگل میں ایک طرف اشارہ کیا۔ کیٹی نے دیکھا کہ وہاں ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ کیٹی نے کہا:

"یہ بارہ دری ان بہن بھائی کو نہ چھپا سکے گی۔"

ناگ نے کہا:

"میں نے اپنے ہزاروں سال کے سفر میں دیکھا ہے کہ جنگل میں بنی ہوئی اس قسم کی بارہ دریوں کے نیچے تہہ خانے ضرور ہوتے ہیں۔"

کیٹی کہنے لگی:

"تہہ خانے میں تو کفن پوش پیسرا بھی آ جائے گا۔"

ناگ بولا:

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں کیٹی۔"

"وہ کیا؟"

ناگ نے کیٹی کے کان میں اسے اپنی ترکیب بتائی تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ دونوں بہن بھائیوں کو لے کر بارہ دری کی طرف بڑھی۔ ناگ نے بارہ دری کے چاروں طرف پھر کر دیکھا۔ اس کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ بارہ دری کے نیچے ایک راستہ تہہ خانے کو جاتا تھا جس کا چھوٹا سا طاق جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ناگ جلدی جلدی سانپوں والے بہن بھائی کو لے کر بارہ دری کے نیچے تہہ خانے میں چلا گیا۔ کیٹی نے جھاڑیاں آگے کر کے تہہ خانے کا طاق چھپا دیا۔

پھر وہ بارہ دری میں فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور کفن پوش سپیرے کا انتظار کرنے لگی، کیونکہ یہ جگہ دریا سے زیادہ دور نہیں تھی اور اسے معلوم تھا کہ کفن پوش سپیرا ان کے تعاقب میں اسی طرف آئے گا۔

کیٹی نے سمندری چٹانوں کے تہہ خانے کے اندر بدروح گاتیری کی شکل کو خوب اچھی طرح سے دیکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں اس کی شکل کا تصور کیا اور چٹکی بجا دی۔

چٹکی بجاتے ہی بارہ دری کے چبوترے میں کیٹی کی

بجائے وہی تہہ خانے والی بدروح گاتیری بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں بازو فضا میں پھیلا رکھے تھے۔ گردن کے اوپر وہی بن گوشت کے ہڈیوں والی کھوپڑی تھی جس کی ایک آنکھ کا گول ڈیلا باہر کو نکلا ہوا تھا اور دوسری آنکھ کے بھیانک سوراخ کے اوپر سبز رنگ کی مکڑی نے جالا بن رکھا تھا اور اس جالے کے ساتھ سبز رنگ کی مکڑی چمٹی ہوئی تھی۔ اس کا سارا جسم کالے سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ اگر اس وقت کیٹی شیشے میں اپنی شکل دیکھ لیتی تو ڈر کر بے ہوش ہو جاتی۔

اس کی شکل تو بدروح گاتیری کی تھی مگر ذہن کیٹی کا تھا وہ ایک آنکھ کے ڈیلے سے جنگل کے اس اندھیرے راستے کو دیکھ رہی تھی جو دریا کی طرف جاتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کیٹی نے کفن پوش سپیرے کو آتے دیکھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلا آ رہا تھا اور چہرے پر پریشانی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بڑی بے چینی سے سانپوں والے بہن بھائی کی تلاش میں ہے بارہ دری کے پاس آ کر اچانک جو اس کی نظر چبوترے پر بیٹھی ہوئی بدروح گاتیری پر پڑی تو وہ ایک دم سے وہیں رک گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بدروح کو دیکھنے

لگا کہ یہ اس جنگل میں کیسے آ گئی؟
کیٹی نے بدروح کی سرگوشی ایسی خشک ڈراؤنی آواز
میں کہا،
"تو حیران ہو رہا ہے کہ میں یہاں کیسے آ گئی؟
صبح تو تیرے ساتھ سمندری چٹانوں والے تہہ خانے
میں تھی۔ تو سن! تو اندھے کتے کی طرح اس
جنگل میں کیوں ٹکریں مار رہا ہے؟"
کفن پوش سپیرا ایک دم زمین پر جھک کر دوہرا
ہو گیا اور بولا،
"عظیم بدروح گاتیری! سانپوں والے بہن بھائی کو
بدبخت سپیرن پھسلا کر اپنے ساتھ لے گئی ہے
میں اسی کی تلاش میں ہوں۔"
کیٹی نے غصے میں کہا،
"کیا تو سمجھتا ہے کہ میری مدد کے بغیر تو انہیں حاصل
کر سکے گا؟ ہرگز نہیں ــــ میں اسی لیے تمہاری
مدد کو یہاں آئی ہوں۔ کم بخت! تو اپنے ساتھ
مجھے بھی ہلاک کرے گا۔ سات دنوں میں سے
پہلا دن ختم ہو گیا ہے۔ اب صرف چھ دن رہ
گئے ہیں۔"

کفن پوش ہاتھ باندھ کر کہنے لگا،
"اے عظیم بدروح! مجھے معاف کر دے۔ مگر اس
میں میرا قصور نہیں۔ وہ کم بخت سپیرن نہ جانے
کہاں سے بیچ میں ٹپک پڑی ہے۔"
کیٹی بولی،
"اے الو کے پٹھے! تو احمق ہے۔ وہ سپیرن تیری
ڈائن ماں ہے ــــ یاد رکھ اگر سات دنوں کے
اندر اندر تو دونوں بہن بھائیوں کے سر کاٹ کر نہ
لایا تو میں تو مروں گی ہی مگر تو بھی زندہ نہ رہ
سکے گا اور قیامت تک جہنم کی آگ کے شعلوں
میں جلتا رہے گا۔"
کفن پوش سپیرے نے گڑگڑا کر کہا،
"اے عظیم بدروح! مجھے معاف کر دے۔ میرا گناہ بخش
دے۔ میں آج ہی سپیرن کو ڈھونڈ کر بہن بھائی کا سر
کاٹ کر تمہاری خدمت میں پیش کر دوں گا۔"
کیٹی نے پوچھا،
"اب تو کہاں پاگل کتے کی طرح جائے گا؟"
کفن پوش سپیرے نے کہا،
"سپیرن اسی جنگل میں دونوں سانپوں والے بہن بھائی

کو لے کر گھسی تھی۔ میں اسے جنگل میں کہیں نہ کہیں
تلاش کر لوں گا۔"
کیبٹی نے غرّا کر کہا:
"وہ تمہارے باپ کو بھی نہیں ملے گی۔ سُن ——
فوراً یہاں سے واپس دریا پار اسی گاؤں میں
بہن بھائی کے جھونپڑے میں جا۔ وہ وہاں بیٹھے ہیں۔"
پیپیرے نے حیرانی سے پوچھا:
"کیا وہ واپس چلے گئے ہیں عظیم بدروح؟"
کیبٹی نے پھنکار مار کر کہا:
"تو اور کیا تمہاری اماں جان کے پاس چلے گئے ہیں؟"
پیپیرے نے ہاتھ جوڑ کر کہا:
"اے عظیم بدروح! پہلے تو کبھی بھی تُو نے مجھے گالی
نہیں دی تھی؟"
کیبٹی دل میں مسکرائی۔ اوپر سے غصیلی آواز میں بولی:
"بکواس بند کر اور فوراً گاؤں میں جا کر بہن بھائی
کے سر کاٹ کر میرے تہ خانے میں پیش کر۔
میں یہاں سے واپس تہ خانے میں جا رہی ہوں۔"
کفن پوش پیپیرے نے ادب سے سر جھکا دیا اور کہا:
"میں ابھی جا کر ان کی گردنیں الگ کرتا ہوں اے

عظیم بدروح!"
کیبٹی نے چیخ مار کر کہا:
"سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ۔ نہیں تو میں تیری گردن
اُڑا دوں گی۔"
اور کفن پوش پیپیرا واپس دریا کی طرف اُٹھ دوڑا۔
کیبٹی کی پھنکارتی ہوئی، غصیلی آوازیں نیچے تہ خانے میں
بھی پہنچ رہی تھیں۔ سانپوں والے دونوں بہن بھائی تو بے چارے
پہلے ہی سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ کیبٹی کی عجیب و غریب ڈراؤنی
قسم کی آوازیں سن کر وہ زیادہ سہم گئے۔ جب آوازیں آنا
بند ہو گئیں۔ تو ناگ نے تہ خانے کے طاق میں سے باہر
آ کر جونہی بارہ دری پر نگاہ ڈالی وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔
کیبٹی نے اسی پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا:
"ناگ بھیّا! میں نے بدروح کاتیری کی شکل اختیار
کی ہوئی ہے۔ دیکھو۔ کتنی بھیانک تھی شکل اسکی۔"
ناگ نے کہا:
"خدا کے لیے واپس اپنی شکل بدلو۔ تمہیں تو معلوم
ہی ہے کہ میں پہلے ایسا طاقتور ناگ نہیں ہوں۔"
کیبٹی نے کہا:
"ابھی تو میں اپنی اصلی شکل میں نہیں بلکہ پیپیرن کی

شکل میں واپس آؤں گی۔"

اور اس نے چٹکی بجا دی۔ اور پھر ہیپیرن بن گئی۔

"وہ کہاں الّو کا پٹھا؟" ناگ نے پوچھا۔

کیپٹن ہیپیرن نے ہنس کر کہا:

"میں نے غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ وہ پھر واپس دریا پار والے گاؤں گیا ہے۔ اب ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہیے ان بہن بھائیوں کو لے کر۔"

انہوں نے فوراً سانپوں والے بہن بھائی کو بارہ دری کے تہہ خانے سے نکالا۔ ان کی گردنوں کے سانپ بے چین ہو رہے تھے اور بار بار پھنکار رہے تھے، انہوں نے پھن اٹھا رکھے تھے۔ بے چارے بہن بھائی سہمے ہوئے چپ تھے۔ کیپٹن کے دونوں بہن بھائی کو ساتھ لیا۔ ناگ پیچھے پیچھے تھا اور وہ جنگل میں آگے روانہ ہوئے۔ جنگل بارش کی وجہ سے بھیگا ہوا تھا اور درختوں پر سے بارش کا رکا ہوا پانی ابھی تک ٹپک رہا تھا۔

ناگ نے کہا:

"اس وقت عنبر خدا جانے کہاں ہوگا۔ ہمارے ساتھ ہوتا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات مل

جاتی ۔۔۔"

کیپٹن نے کہا:

"اس کا تو کچھ پتہ ہی چلا پھر ناگ بھیا!"

یہ دونوں اپنی خاص زبان میں باتیں کر رہے تھے جو وہ بہن بھائی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ماریا سانپ کی شکل میں تھیلی میں بند ناگ کے جیکٹ کی جیب میں تھی اور ان سب کی باتیں سن رہی تھی مگر بے چاری زبان سے وہ بھی کچھ نہیں بول سکتی تھی۔

جنگل آگے جا کر اتنا گھنا نہ رہا۔

درختوں کے جھنڈ الگ الگ ہو گئے۔ پھر آسمان پر بادلوں میں سے چاند باہر نکل آیا۔ چلتے چلتے دونوں معصوم بہن بھائی تھک گئے تھے اور ان سے اب چلا نہیں جاتا تھا۔

ناگ نے کہا:

"یہ تو بہت تھک گئے ہیں۔ آگے نہ جا سکیں گے۔ میرا خیال ہے یہیں کہیں چھپ کر باقی رات کاٹ لی جائے۔"

کیپٹن سے بھی ان دو معصوم بہن بھائی کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس نے کہا:

"ناگ! یہاں کہاں رات کاٹیں گے۔ اور پھر ہمیں اب چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کفن پوش اب ادھر نہیں آئے گا۔"

ناگ بولا:

"جب گاؤں جا کر اسے معلوم ہوا کہ سانپوں والے بہن بھائی تو وہاں نہیں ہیں تو وہ یقیناً واپس جنگل کی بارہ دری میں بدروح سے ملنے واپس آئے گا اور ہو سکتا ہے کہ پھر ادھر بھی آ جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم کسی جگہ چھپ کر رات بسر کریں۔"

اب وہ جنگل سے باہر نکل آئے تھے۔ یہاں ایک پرانا باغ سا تھا جس میں ایک قبرستان بنا ہوا تھا۔ یہ بہت ہی پرانا قبرستان تھا اور لگتا تھا کہ جس زمانے میں ہندوستان کے اس علاقے پر فرانس والوں کا قبضہ تھا تو یہ قبریں اس زمانے کے فرانسیسی مُردوں کی ہیں۔ کوئی بھی قبر ٹھیک حالت میں نہیں تھی۔ قبروں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ قبروں کے پتھر نیچے گرے پڑے تھے۔

کیٹی نے کہا:

"کیوں نہ اس قبرستان میں رات بسر کی جائے؟"

ناگ نے کہا:

"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اب ان قبرستانوں سے ڈر لگتا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"اب تھوڑی سی تو رات باقی رہ گئی ہے۔ یہ بے چارے دونوں تھک گئے ہیں۔ ان کو بھوک پیاس بھی لگ رہی ہوگی۔ تم یہاں ٹھہرو۔ میں کہیں سے ان کے پینے پانی لاتی ہوں۔"

ناگ ایک اونچی چھتری والی پرانی قبر کے پاس دونوں بہن بھائیوں کو لے کر بیٹھ گیا۔ تھکاوٹ سے دونوں بہن بھائی سخت نڈھال تھے۔ اوپر سے سانپ انہیں لیٹنے نہیں دیتے تھے۔ بار بار پھنکار رہے تھے۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ انہیں بھوک یا پیاس لگی ہے۔ ایک بار لڑکی نے ہاتھ منہ کے قریب لا کر شاید یہ بتانے کی کوشش کی کہ اسے پیاس لگی ہے کہ سانپ نے پھن اس کے ہاتھ کی طرف موڑ کر پھنکار ماری۔ لڑکی نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کر لیا اور سہم گئی۔

کیٹی کو تھوڑی دور ایک ندی مل گئی۔ اس نے بڑے بڑے کیلے کے پتوں کے دونے بنا کر ان میں پانی بھرا اور لے آئی۔

ناگ نے بھی پانی پیا اور لڑکی اور اس کے بھائی کو بھی کیپٹی نے بڑی احتیاط سے اور بڑی مشکل سے پانی پلایا۔ وہاں ایک درخت پر جنگلی آڑو لگے تھے۔ کیپٹی اور ناگ آڑو توڑ کر لائے اور لڑکی اور اس کے بھائی کو بھی کھلائے۔

اب انہوں نے باقی رات گزارنے کے لیے کسی جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ قبرستان کے آخیر میں اس کی ٹوٹی پھوٹی دیوار آ جاتی تھی۔ یہاں ایک جگہ چھوٹا سا ٹیلہ بنا ہوا تھا جس پر اُلٹے سیدھے پتھر لگے ہوئے تھے۔ ٹیلے کی پچھلی طرف ایک تنگ سا راستہ ٹیلے کے اندر جاتا تھا جس کے منہ پر لوہے کا موٹی موٹی سلاخوں والا جنگلہ لگا تھا۔

ناگ نے کہا،

"اس کے اندر ضرور کسی جرنیل کی قبر ہوگی۔"

ناگ نے جنگلے کو کھولا تو وہ کھل گیا۔ وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔ ان کے سر تنگ راستے کی چھت سے ٹکرا رہے تھے۔ اندر کی طرف جنگلے میں کھٹکا لگا تھا اور اسے اندر سے بند کیا جا سکتا تھا۔

کیپٹی نے کہا،

"یہ تو ہمیں بڑی اچھی جگہ مل گئی۔ یہاں یہ بہن بھائی حفاظت سے رات بسر کر سکیں گے۔"

ناگ نے لوہے کی سلاخوں والا جنگلہ بند کر کے اندر کی طرف کھینچا تو وہ بند ہو گیا تھا اور کھل نہیں سکتا تھا۔ باہر سے کوئی ہاتھ ڈال کر بھی اسے نہیں کھول سکتا تھا کیونکہ جنگلے کا کھٹکا اندر کی طرف دیوار کے پتھروں میں لگا تھا۔ وہ تنگ راستے سے ہو کر آگے گئے۔ اندر ایک چوکور جگہ تھی جہاں ناگ کے اندازے کے مطابق ایک قبر بنی ہوئی تھی اور اس کے کتبے پر ایک فرانسیسی جرنیل کا نام اور تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات لکھی تھی۔

ناگ نے کہا،

"آج سے دو سو برس پہلے ہندوستان کے اس علاقے پر فرانس کا قبضہ تھا۔ یہ قبر اسی زمانے کی یادگار ہے۔"

کیپٹی نے کہا،

"ان بہن بھائیوں کو یہیں کسی جگہ بٹھا کر سُلا دیتے ہیں۔ یہ بیٹھے بیٹھے ہی سو جاتے ہیں۔"

کیپٹی نے دونوں بہن بھائیوں کو اشارے سے کہا:
"وہ دیوار کے ساتھ لگ کر سو جائیں۔ دونوں بے چارے آہستہ سے دیوار کے ساتھ لگ گئے اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ سانپ اسی طرح پھن اٹھائے ہوئے تھے۔ مگر

اب ان کی پھنکاریں کم ہو گئی تھیں۔

کیٹی نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھیا! تم بھی کچھ دیر آرام کر لو۔ میں باہر جا کر قبرستان میں پہرہ دیتی ہوں کہ کہیں وہ کفن پوش سپیرا پھر نہ آ نکلے۔"

ناگ نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ماریا اس کی جیب میں تھی۔ کیٹی کو سونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جنگلہ بند کر کے قبرستان میں آ گئی۔ اسے خیال آیا کہ ناگ نے اندر سے جنگلے کو کھٹکا نہیں لگایا۔ پھر سوچا کہ ناگ کو بے آرام نہیں کرنا چاہیے۔ وہ سو گیا ہے۔ یہاں کون آتا ہے۔ پھر میں ادھر ہی تو پہرہ دے رہی ہوں۔

کیٹی ٹیلے کے قریب آ کر ایک جگہ درختوں میں بیٹھ گئی۔

○

ادھر ایسا ہوا کہ جب کفن پوش سپیرا دریا پار کر کے گھاٹ پر پہنچا تو گاؤں کی طرف چند قدم ہی چلا ہو گا کہ ایکا ایکی ایک سایہ درختوں سے نکل کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کون ہو تم؟" سپیرے نے پوچھا۔

سایہ قریب آ گیا اور پھر کفن پوش سپیرے کا اوپر کا سانس اوپر ہی رہ گیا۔ اس کے سامنے بدروح گاتیری اپنی ڈراؤنی کھوپڑی کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھ کا ایک ڈیلا باہر کو نکلا ہوا تھا اور دوسری آنکھ پر سبز مکڑی نے جالا تن رکھا تھا۔

"اے عظیم بدروح! تم پھر آ گئیں۔ اب کیا حکم ہے میں تو گاؤں کی طرف جا رہا ہوں۔"

یہ اصلی بدروح گاتیری تھی۔ اس نے سرگوشی ایسی کرخت آواز میں کہا:

"تم ابھی تک گاؤں ہی نہیں گئے؟ اور پھر ادھر دریا پار کہاں سے آ رہے ہو؟"

سپیرا بولا:

"اے عظیم بدروح! تم نے خود ہی تو جنگل میں مجھ سے مل کر کہا تھا کہ فوراً گاؤں پہنچو۔ بہن بھائی وہیں ہیں۔"

بدروح گاتیری کہنے لگی:

"میں تو تہ خانے سے سیدھی یہاں آئی ہوں۔ میں کسی جنگل میں نہیں گئی۔"

ببیرا حیران ہو کر بولا ،

"تو پھر دریا پار جنگل میں جو بارہ دری میں مجھے ملی وہ کون تھی ؟"

بدروح کاتیری بے چین ہو کر بولی ؛

"کیا کہہ رہے ہو تم ؟"

ببیرے نے کہا ،

"عظیم بدروح ! مجھے شیطان کی قسم ہے کہ میں نے ابھی ابھی دریا پار والے جنگل میں دیکھا ہے ۔ تم بارہ دری میں بیٹھی تھیں اور تم نے مجھے کہا تھا کہ سپیرن بچوں کو لے کر واپس گاؤں گئی ہے ۔"

"کون سی سپیرن ؟ کون سی بدروح ؟ یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو ؟ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ؟" ۔

اب کفن پوش ببیرے نے ہاتھ باندھ کر سارا واقعہ بیان کر دیا ۔

بدروح کاتیری کی کھوپڑی غصے سے تھر تھر کانپنے لگی ۔ اس نے اپنا بازو زور سے اوپر اٹھایا اور بولی ؛

"تو کیا کسی چڑیل نے میرا روپ دھار رکھا ہے ؟

ضرور اسی چڑیل نے سانپوں والے بہن بھائی اور ہمارے شکار کو اغوا کیا ہے ۔ چلو جنگل میں --- میں اس چڑیل کی گردن مروڑ دوں گی ۔ دیکھتی ہوں وہ میرا روپ بدل کر کیا کر رہی ہے ؟"

بدروح کاتیری نے کفن پوش ببیرے کو ساتھ لیا اور دریا میں چھلانگ لگا دی ۔ وہ دریا میں بطخ کی طرح تیر رہی تھی ۔ اس کی گردن باہر تھی اور نیچے سے پاؤں چلاتی دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ پانی اس کو جگہ دیئے جا رہا تھا ۔ ببیرا بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا ۔

جنگل میں آ کر ببیرے نے بدروح کو وہ بارہ دری دکھائی جہاں اس نے اس کی ہم شکل بدروح کو دیکھا تھا ۔ کاتیری نے چبوترے کے نیچے تہہ خانے کا طاق دیکھ لیا تھا ۔ وہ جلدی سے تہہ خانے میں آ گئی ۔ اسے اندر جاتے ہی اپنے سانپوں کی بُو آ گئی ۔ اس نے چیخ کر کہا ؛

"وہ کوئی چڑیل ہے ۔ سپیرن نہیں ۔ وہ ہمارے شکار کو اغوا کر کے لے گئی ہے ۔ ضرور کسی جگہ آگے جا کر چھپی ہوئی ہو گی ۔ چلو میرے ساتھ اگر وہ کم بخت ان بچوں کو بھگا کر لے گئی تو ہمارا قصہ تمام ہو جائے گا اور ہم ہمیشہ جہنم کی آگ ۔

یہی نیت [illegible] رات کے:

بدردح اور گاتیری جنگل میں تیز تیز چلتے آگے بڑھے۔ سورج نکلنے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔

ناگ اور سانپوں والے دونوں بہن بھائی سو رہے تھے۔ کیٹی ٹیلے کے دوسری طرف بیٹھی پہرہ دے رہی تھی۔ ناگ کی جیب میں تھیلی میں پڑے پڑے ماریا تنگ آگئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی باہر آگئی۔ دیکھا کہ ناگ گہری نیند سو رہا ہے۔ ایک کم سن بچہ اور ایک کم سن بچی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سو رہے ہیں اور ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے سانپ ماریا یعنی سفید کلغی سانپ کو دیکھ کر پھنکارنے لگے ہیں۔

ماریا نے ناگ اور کیٹی کی زبانی سن رکھا تھا کہ یہ سانپ بدردح گاتیری نے ان بچوں کی گردنوں میں ڈال رکھے ہوئے ہیں تا کہ وہ آہستہ آہستہ ان کا خون پی کر انہیں نڈھال کر دیں اور ایک خاص وقت گذرنے کے بعد ان کا زہر ان کے خون میں مل جائے تو وہ ان دونوں بہن بھائی کی گردنیں کاٹ کر لے جائے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرے۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ وہ کلغی والا سانپ ہے اور

یہ سانپ اس کی تعظیم نہیں کر رہے۔ بلکہ الٹا اس پر پھنکار رہے ہیں۔ اس نے ذرا آگے بڑھ کر ایک سانپ کو پھنکار مارنے کی کوشش کی ہی تھی کہ اس سانپ نے ماریا کو ڈس دیا۔

سانپ کا ڈسنا تھا کہ ماریا کے سارے بدن کو آگ سی لگ گئی۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی۔ مگر اس کا جسم جیسے آگ میں جھلسنے لگا تھا۔ اسے تازہ اور ٹھنڈی ہوا کی ضرورت تھی۔ وہ تیزی سے رینگتی ہوئی ٹیلے کے جنگلے میں سے گذر کر باہر آگئی۔ یہاں جھاڑیوں میں شبنم گری ہوئی تھی۔ مگر ان جھاڑیوں میں کانٹے تھے۔ ماریا رینگتی ہوئی ٹیلے سے کچھ دور ایک قبر کے پتھروں میں گھس گئی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی گیلی گھاس میں لیٹ کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا مگر اب اس پر غنودگی چھانا شروع ہو گئی اور وہ چند سیکنڈ بعد بے ہوش ہو چکی تھی۔ اسے کوئی خبر نہ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے؟

بدردح گاتیری کفن پوش سپیرے کو لے کر قبرستان میں داخل ہوئی تو کیٹی نے اندھیرے میں بھی اسے دور ہی سے پہچان لیا۔ وہ لپک کر نیچے آگئی اور تہہ خانے میں آکر ناگ کو جگا کر بولی:

"آخر وہی ہوا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ بدردح گاتیری سپیرے کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔

"اب کیا ہو گا؟" ناگ نے بڑبڑا کر پوچھا۔ "ان معصوم بچوں کا کیا بنے گا؟"

کیٹی نے کہا:

"میں اس پر حملہ کروں گی۔"

ناگ بولا:

"نہیں کیٹی — ایسا ہرگز نہ کرنا۔ یہ دنیا کی بدروحیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ تم اس کا مقابلہ نہ کر سکو گی۔"

کیٹی کہنے لگی:

"تو پھر وہ تو اندر آ کر ان بچوں کی گردنیں کاٹ ڈالے گی۔ کیا ہم انہیں یونہی مرتے دیں گے؟"

ناگ نے بڑے اعتماد بھرے لہجے کے ساتھ کہا:

"وہ اندر نہیں آئے گی۔ کیوں کہ بدروحیں لوہے کے زنگ آلود جنگلوں کو پار نہیں کر سکتیں۔ زنگار بھرے پرانے لوہے کو دیکھ کر وہ خوف کھاتی ہیں۔ اس لیے تم اسی جگہ بیٹھی رہو۔ وہ اپنے آپ واپس چلی جائے گی۔"

کیٹی نے کہا:

"اور اگر وہ نہ گئی تو؟"

ناگ کہنے لگا:

"ان دونوں کی زندگیوں کا چھٹا روز شروع ہو رہا ہے۔ آج سے پانچ دن بعد اگر انہیں ان بچوں کے سر نہ ملے تو وہ اپنے آپ دونوں ہی مر جائیں گے۔"

کیٹی بولی:

"اور تم لوگ چھ روز تک یہاں پانی اور کھانے کے بغیر کیسے زندہ رہ گئے؟"

ناگ بولا:

"خدا اس کا بھی بندوبست کر دے گا۔ وہ پتھر کے اندر رہنے والے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ وہ ہمیں بھی یہاں ہمارے حصے کا رزق پہنچا دے گا۔ اس لیے میری مانو اور یہاں سے باہر ہرگز نہ نکلو۔ اگر تم شیر کا تصور لا کر شیر بھی بن گئیں تو بدروح کا مقابلہ نہ کر سکو گی۔ کیوں کہ بدروحوں کے سامنے جنگل کا بادشاہ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ ان کے پاس زبردست شیطانی طاقت ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں یہاں یہ ایسی جگہ مل گئی ہے جس کے منہ پر زنگ آلود لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔"

اتنے میں انہیں ٹیلے کے اوپر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"شاید کفن پوش پیرا اور بدروح پہنچ گئی ہے۔" ناگ نے کہا۔

بدروح گاتیری اور کفن پوش پیرا ٹیلے کے اوپر چل پھر کر اپنے شکار کو تلاش کر رہے تھے۔ کیونکہ بدروح کو اپنے سانپوں کی وہیں سے بُو آ رہی تھی۔ اس نے ٹیلے کے نیچے اشارہ کر کے کہا:

"سانپوں کی بُو نیچے سے آ رہی ہے۔"

اور وہ دونوں ٹیلے سے اُتر کر نیچے آ گئے۔

○

کون ہے؟

قبر سے آواز آئی

بدروح گاتیری آگے آگے تھی۔

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی اور اپنے سانپوں کی بُو سونگھتی جا رہی تھی۔ سانپوں کی بُو ... ٹیلے کے نیچے اس جگہ سے آ رہی تھی جہاں لوہے کا ... جنگلا تھا۔ سانپوں کی بُو اس جنگلے کے اندر سے آ رہی تھی۔ جونہی بدروح گاتیری لوہے کے زنگ لگے جنگلے کے پاس پہنچی اسے ایک جھٹکا لگا اور وہ چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کفن پوش پیرے نے بدروح کی طرف دیکھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ بدروح اور پیچھے ہٹ گئی۔

کفن پوش پیرے نے پوچھا:

"کیا ہوا عظیم بدروح گاتیری؟"

بدروح نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے ٹیلے کے نیچے ایک جگہ لگے ہوئے لوہے کے پرانے جنگلے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی اکلوتی آنکھ کا ڈیلا اوپر

پیچھے گھوم رہا تھا۔ اس نے جنگلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:
"اس لوہے کے جنگلے کو توڑ ڈالو۔ سانپوں والے
بہن بھائی اس جنگلے کے پیچھے غار میں ہیں۔"
کفن پوش سپیرا آگے بڑھا۔ اس نے جنگلے کو پکڑ کر
پیچھے کھینچا۔ مگر وہ بہت مضبوط تھا۔ لوہے کی سلاخیں موٹی
اور طاقتور تھیں۔ کفن پوش سپیرے نے ایک پتھر اٹھا کر
جنگلے کو توڑنا شروع کیا۔ پتھر ٹوٹ گیا مگر لوہے کے جنگلے
کی سلاخوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔
جنگلے کو توڑنے کی آواز ناگ اور کیٹی نے سنی تو وہ
نیچی چھت والی قبر نما کوٹھڑی سے نکل کر آگئے آئے۔ کیا
دیکھتے ہیں کہ دور درخت کے پاس بدروح گاتیری کھڑی ہے
اور کفن پوش سپیرا جنگلے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔
کیٹی نے کہا:
"ناگ بھیا! تم نے ان دونوں کو دیکھ لیا ہو گا۔ یہ
جو جنگلہ توڑ رہا ہے بدروح گاتیری کا خاص کفن
پوش مردہ ہے اور وہ خود بدروح ہے جو
درخت کے نیچے کھڑی ہے۔ مجھے تو اس کی
شکل سے ہی خوف آتا ہے۔"
ناگ بولا:

"اس قسم کی ایک بدروح سے میں پہلے بھی مل
چکا ہوں۔ اس وقت میری ساری طاقت میرے
پاس تھی۔ اس لیے میں ڈرتا نہیں تھا۔ لیکن اب
مجھے بھی خوف محسوس ہو رہا ہے۔"
دونوں بہن بھائی بھی جاگ پڑے تھے اور ڈرے ڈرے
بیٹھے اندھیری کوٹھڑی کے خلا میں گھور رہے تھے۔ بے چارے
بول نہیں سکتے تھے۔ گلے میں پڑے زہریلے خون چوسنے والے
سانپوں نے ان کی زبان بند کر دی تھی اور وہ بت بنے
بیٹھے رہتے تھے اور خوف زدہ سہمی ہوئی نظروں سے ایک
دوسرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ ان کی زندگی موت سے بھی
بری تھی۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے کئی بار موت کی دعائیں
مانگ چکے تھے۔ مگر خداوند تعالیٰ کو ابھی ان کا مرنا منظور
نہیں تھا۔
ناگ نے کہا:
"میں نے تمہیں دیکھ کر کہا تھا نا کیٹی کی بدروح
لوٹ۔ بے زنگار والے جنگلے کے قریب بھی نہیں
پھٹکے گی۔ دیکھو وہ دور کھڑی ہے۔"
کیٹی بولی:
"لیکن یہ کفن پوش سپیرا تو جنگلہ توڑ ڈالے گا۔"

ناگ نے کہا:

"اس جنگلے کو توڑنا اتنا آسان نہیں ہے جن لوگوں نے آج سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے یہ جنگلہ بنوا کر لگایا تھا وہ بڑے مخلص اور سچے لوگ تھے۔ ملاوٹ بالکل نہیں کرتے تھے اور دیانت داری سے کام کرتے تھے۔ یہ جنگلہ اس کفن پوش کے باپ سے بھی نہیں ٹوٹ سکے گا۔"

کفن پوش سپیرا برابر جنگلے پر پتھر مار رہا تھا۔ آخر وہ تھک گیا۔ لوہے کی سلاخوں پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

وہ واپس بدروح کے پاس گیا اور ادب سے کہا:

"عظیم بدروح! کیا تم اسے نہیں توڑ سکو گی؟"

بدروح نے کہا:

"لوہے کے جنگلے پر زنگ لگا ہے۔ یہ زنگار میری مردہ روح کی موت ہے۔ میں اس کے قریب بھی نہیں جا سکتی۔"

سپیرا بولا:

"اے عظیم بدروح! دونوں بہن بھائی اندر ہیں۔"

بدروح کہنے لگی:

"ہاں میں جانتی ہوں۔ مجھے اپنے سانپوں کی تیز بُو

اندر سے آ رہی ہے۔"

"تو پھر ہم ان بہن بھائیوں کے سر کاٹنے میں کیسے کامیاب ہوں گے؟"

"صبر کرو صبر۔ اے احمق مردہ روح — صبر کرو ہمیں اسی جگہ بیٹھ کر انتظار کرنا ہو گا۔"

کفن پوش سپیرے نے کہا:

"ہماری زندگیوں کے صرف چھ دن باقی رہ گئے ہیں اے عظیم بدروح!"

بدروح کہنے لگی:

"میں جانتی ہوں۔ جب ان لوگوں کو بھوک پیاس نے تنگ کیا تو اپنے آپ باہر نکل آئیں گے اور جب یہ باہر نکلیں گے تو میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔ میں خود ان سب کے سر کاٹوں گی۔ میں خود یہاں آ گئی ہوں۔"

کفن پوش سپیرے نے کہا:

"اور اگر یہ لوگ چھ روز تک باہر نہ نکلے تو کیا ہو گا! ہم — ہم دونوں اپنے آپ جل کر بھسم ہو جائیں گے ساتویں روز کے بعد۔"

بدروح بولی:

"کوئی انسان چھ روز تک پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہمیں اسی جگہ چھپ کر انتظار کرنا ہوگا تاکہ جب ان میں سے کوئی بھوک پیاس سے تنگ آ کر پانی کی تلاش میں باہر نکلے تو ہم اسے دبوچ لیں اور پھر اس کی زندگی کے عوض سانپوں والے بہن بھائی کے سر وصول کریں۔"

کفن پوش سپیرا بولا:

"عظیم بدروح! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ اس تہہ خانے سے باہر نہیں نکلیں گے۔ یہ سات روز تک اندر ہی رہیں گے اور ہمارے مرنے کا انتظار کریں گے۔"

بدروح گاتیری نے اپنی کھوپڑی والی آنکھ سپیرے کی طرف کی اور کہا:

"انہیں کیسے پتہ چلا کہ سات دنوں کے اندر اندر اگر ہمیں بہن بھائی کے کٹے ہوئے سر نہ ملے تو ہم جل کر راکھ ہو جائیں گے۔"

کفن پوش سپیرے نے کہا:

"عظیم بدروح! ان میں کوئی سپیرن ہے جو زبردست

جادوگر ہے۔ اسی نے تمہارا روپ بدل لیا تھا میں خود دھوکا کھا گیا۔ اسے ہمارے راز کا ضرور پتہ چل گیا ہوگا کہ اگر ہمیں بہن بھائی کے سر نہ ملے تو ہم آٹھویں روز اپنے آپ ہی مر جائیں گے۔"

بدروح چپ رہی۔ اگر وہ سپیرن کوئی جادوگرنی تھی اور اس نے بدروح گاتیری کا روپ دھارا تھا تو اسے ضرور معلوم ہو چکا ہوگا کہ بدروح اور کفن پوش سپیرے کی زندگی کے صرف چھ روز باقی رہ گئے ہیں۔ وہ سانپوں والے بہن بھائی کو باہر نہیں آنے دے گی۔ بدروح کی کھوپڑی اگرچہ خالی تھی مگر وہ جادو اور شیطانی طاقت کے زور سے سوچ رہی تھی۔ پھر اس کے شیطانی دماغ میں ایک ہلاکت خیز شیطانی خیال آیا۔

اس نے کفن پوش سپیرے سے کہا:

"سوکھی گھاس لاؤ۔ جنگلے کے پاس جا کر اسے جمع کرو اور آگ لگا دو۔ دھواں اندر جائے گا تو ہمارا شکار اپنے آپ باہر آ جائے گا۔"

یہ بڑی خطرناک چال تھی۔ دھواں ناگ کیٹی اور سانپوں والے بہن بھائی کو باہر آنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ کفن پوش

پیمیر بھی اس ترکیب پر عش عش کر اٹھا۔ اس نے بھاگ دوڑ کر سوکھی گھاس اکٹھی کی اور لوہے کے جنگلے کے پاس اس کا ڈھیر لگا دیا۔ اس میں سوکھی لکڑیاں بھی ڈال دیں۔ بدروح نے دور سے انگلی کا اشارہ کیا اور سوکھی گھاس کے ڈھیر میں آگ لگ گئی۔

آگ کی روشنی غار کے اندر پہنچی تو ناگ اور کیٹی بھاگ کر جنگلے کے پاس آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ باہر آگ لگی ہوئی ہے اور گاڑھا دھواں اندر آ رہا ہے۔ وہ دونوں پریشان ہو گئے۔

"اب کیا ہوگا ناگ؟" کیٹی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

ناگ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے کیوں کہ دھوئیں اور آگ سے بچنا محال تھا۔ دھواں آہستہ آہستہ غار اور قبر نما کوٹھڑی میں بھرنے لگا۔ بہن بھائی بھی گھبرا گئے اور دھوئیں کی وجہ سے انہیں کھانسی شروع ہو گئی۔ ان کا دم گھٹنے لگا۔ ان کی گردنوں والے سانپ بھی بے چین ہو کر اپنا پھن لہرانے اور پھنکارنے لگے۔

کیٹی نے کہا:

"میں باہر جا رہی ہوں۔ میں شیر کا روپ بدل کر ان دونوں کو۔"

ناگ نے جلدی سے کہا:

"نہیں کیٹی۔ جنگلے کو مت کھولنا۔ وہ لوگ ان بچوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"تو کیا ہم دھوئیں میں دم گھٹ کر مرجائیں گے یہاں پر؟"

کیٹی باہر نکلنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ دھوئیں کی وجہ سے وہ بھی کھانسنے لگی تھی۔ دھواں اس پر بہت جلدی اثر کرتا تھا۔ ناگ کی آنکھوں سے بھی پانی بہنے لگا تھا۔ کیٹی فرانسیسی جرنیل کی قبر پر بیٹھ گئی اور قبر کے پتھر پر زور سے مکا مار کر غصے میں بولی:

"ناگ! تم ہم سب کو مروا دو گے۔"

قبر پر مکا لگتے ہی اندر سے ایک آواز آئی:

"کون ہے؟"

ناگ نے کیٹی اور کیٹی نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"یہ کس کی آواز تھی؟"

کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ آواز کمزور اور ہلکی تھی جیسے کسی بند کوٹھڑی کے اندر سے آ رہی ہو۔ بہن بھائی دھوئیں کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے اور بے ہوش ہونے ہی والے تھے۔

ناگ نے کہا:

"کیپٹن! اس قبر پر پھر مکا مارو۔"

کیپٹن نے قبر کے پتھر پر دوسری بار مکا مارا۔

آواز پھر آئی:

"کون ہے؟"

کیپٹن نے کہا:

"تم کون ہو؟ کہاں ہو؟"

آواز نے کہا:

"قبر کے اندر ہوں۔ دو سو سال سے اس قبر میں آرام کر رہا ہوں۔ تم میری قبر پر دستک دے کر مجھے کیوں بے آرام کر رہی ہو؟"

کیپٹن نے ناگ کی طرف دیکھ کر اسے اشارہ کیا۔

ناگ نے کہا:

"کیا تم فرانسیسی جرنیل ہو؟"

"ہاں! تم نے میری قبر پر لگا ہوا کتبہ نہیں پڑھا؟ لوگ اپنے گھروں کے باہر اپنے نام کی تختی لگاتے ہیں۔ میں نے اسی لیے اپنی قبر کے باہر اپنے نام کا کتبہ لگوا لیا تھا۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور میری قبر پر بار بار مکے کیوں

مار رہے ہو؟"

کیپٹن نے کہا:

"اے نیک دل روح! ہم بڑی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ دشمن ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔ ہم نے تمہاری قبر کے پاس پناہ لی تھی لیکن دشمن نے جنگلے کے باہر آگ لگا دی ہے جس کا دھواں ہمیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہم باہر گئے تو دشمن ہمیں مار ڈالے گا۔"

قبر میں سے جرنیل کی آواز آئی:

"کس کو اتنی جرأت ہوئی ہے کہ وہ میرے پاس آئے ہوئے میرے مہمانوں کو پریشان کرے!"

ناگ نے کہا:

"ہمارا دشمن بڑا خوفناک ہے اور جادوگر بھی ہے۔"

قبر سے جرنیل نے کہا:

"بڑے سے بڑا جادوگر بھی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

کیپٹن نے کہا:

"لیکن سارا مقبرے میں دھواں بھر رہا ہے۔ اگر آپ نے ہماری مدد نہ کی تو ہم دم گھٹ

جاننے سے مر جائیں گے۔"
قبر میں سے جرنیل نے کہا:
"ایسا نہیں ہو گا۔"
ناگ بولا:
"مگر سر! کیا ہو رہا ہے۔ دھواں ہمارا سانس
روکنے لگا ہے۔"
قبر کا جرنیل کہنے لگا:
"ایسا کرو۔ میری قبر کے سرہانے کی جانب
کھڑے ہو کر دو قدم دیوار کی طرف بڑھو۔
وہاں تمہیں فرش پر مٹی کے نیچے ایک
تختہ ملے گا۔ اسے اُٹھاؤ گے تو سیڑھیاں نیچے
جا رہی ہوں گی۔ سیڑھیاں اُتر جانا۔ تم ایک
سرنگ میں پہنچ جاؤ گے۔ یہ سرنگ تمہیں
پانڈی چری کے پرانے قلعے میں پہنچا دے
گی۔ اور سنو ۔۔۔ دوبارا میری قبر پر مکا نہ مارنا
میں آرام کر رہا ہوں۔ یہ وقت میرے آرام
کرنے کا ہے۔ اب جاؤ۔"
ناگ لپک کر قبر کے سرہانے کی طرف گیا۔ وہاں
سے دو قدم جا کر اس نے فرش پر سے مٹی ہٹائی تو

نیچے ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ کیٹی اور ناگ نے مل
کر تختہ اوپر اُٹھا دیا۔ نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔
بے چارے سانپوں والے بہن بھائی بدحال ہو چکے تھے۔
دھواں انہیں بے ہوش کرنے ہی والا تھا۔ کیٹی نے
جلدی سے دونوں کو آواز دے کر کہا کہ سیڑھیوں میں
اُتر جائیں۔ کیونکہ پھنکارتے ہوئے سانپوں کی وجہ سے
وہ بھی ان کے زیادہ قریب نہیں جاتی تھی۔
سانپوں والے بہن بھائی جلدی سے اُٹھے اور سیڑھیوں
میں اُتر گئے۔
اس کے بعد ناگ اور کیٹی بھی نیچے اُتر گئے۔ سرنگ
کے اندر سے تازہ اور ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ ان کو کچھ
حوصلہ ہوا اور تازہ آکسیجن نے ان کے دل و دماغ کو
پھر سے قائم کر دیا۔
ناگ نے کہا:
"تختے کو برابر کر کے بند کر دو۔"
کیٹی نے فوراً فرش کے اوپر تختہ دوبارا جما کر اس
کا سوراخ بند کر دیا۔ سیڑھیوں میں تاریکی چھائی تھی مگر
تازہ ہوا کسی طرف سے آ رہی تھی۔ اندھیرے میں کیٹی
صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس نے سانپوں والے بہن بھائی کو

اپنے اور ناگ کے درمیان بین کر رکھا تھا تاکہ ان کی
پوری پوری حفاظت کی جائے۔ کیٹی سرنگ میں آگے
آگے چل رہی تھی۔

سرنگ تنگ تھی مگر اس کی چھت اونچی تھی۔ یہ زمین
کے اندر بنائی گئی تھی اور فضا میں گیلی مٹی کی خوشبو پھیلی
ہوئی تھی۔

ناگ کہنے لگا:

"کیٹی بہن! خدا معلوم یہ سرنگ کتنی لمبی ہے۔"

کیٹی بولی:

"میرا خیال ہے پانڈی چری کا گاؤں یہاں سے
زیادہ دور نہیں ہے۔"

ناگ نے کہا:

"کسی زمانے میں پانڈی چری پر فرانسیسیوں کا قبضہ
تھا۔ یہ شہر فرانس والوں نے بسایا تھا۔ مگر اب
وہاں کوئی آبادی نہیں اور قلعہ ویران پڑا ہے۔"

وہ چاروں سرنگ کے اندر چلتے چلے گئے۔

وقت گذرتا گیا۔ بدروح گانیری درخت کے نیچے
کھڑی تھی۔ جنگلے کے پاس جلایا ہوا گھاس جل رہا تھا
اور تہہ خانے سے دھوئیں کے بادل باہر نکل رہے

تھے۔ بدروح ٹکٹکی باندھے جنگلے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کفن پوش نے کہا:

"عظیم بدروح! تہہ خانہ تو دھوئیں سے بھر گیا
ہے۔ وہ لوگ ابھی تک باہر کیوں نہیں نکلے؟"

بدروح نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ آگ اور تیز
کر دو۔ کفن پوش نے آگ میں اور لکڑیاں اور سوکھی
گھاس ڈال دی۔ آگ کے شعلے ایک بار پھر بھڑک اٹھے
آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ دوسری بار جلائی ہوئی آگ بھی
بجھ گئی۔ بدروح پریشان ہونے لگی تھی۔ اتنے دھوئیں
کے باوجود تہہ خانے میں سے کوئی باہر نہ نکلا تھا۔ اس
نے کفن پوش سے کہا:

"اندر جا کر معلوم کرو کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

کفن پوش نے سر جھکا کر کہا:

"جو حکم کالی دیوی! مگر میں اندر کیسے جاؤں گا۔ میں
یہ لوہے کا جنگلہ نہیں توڑ سکتا۔"

بدروح نے کہا:

"ٹھہرو۔ میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

سپیرا جلدی سے بولا:

"مگر عظیم بدروح! جنگلے پر لوہا....."

بدروح نے کہا:

"آگ نے تو لوہے کے زنگار کو اتار دیا ہے۔ مجھے زنگار کی بُو نہیں آ رہی۔"

اور بدروح کفن پوش مردے کو لے کر جنگلے کے پاس آ گئی۔ اس بار اسے کوئی جھٹکا نہیں لگا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ جھنجلا گئی کہ غار کے اندر سے اس کے ان سانپوں کی بھی بُو نہیں آ رہی تھی جو اس نے دونوں بہن بھائی کے گلے میں ڈالے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اندر یا تو سب مر چکے ہیں اور یا پھر اندر ہی اندر کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ مگر اندر ہی اندر سے وہ کیسے اور کہاں فرار ہو سکتے تھے۔ بدروح گاتیری نے لوہے کے جنگلے پر اپنا ہڈیوں بھرا ہاتھ رکھا ہی تھا کہ جنگلا اپنے آپ کھل گیا اور وہ دونوں فوراً اندر داخل ہو گئے۔ غار میں اب دھواں نہیں بھرا ہوا تھا۔ جب وہ فرانسیسی جرنیل کی قبر کے پاس پہنچے تو انہیں چاروں مفرور قیدیوں کے پاؤں کے نشان صاف نظر آئے۔

بدروح ان نشانوں کو اندھیرے میں اچھی طرح سے دیکھ رہی تھی۔ یہ نشان قبر کے سرہانے کی طرف آ کر غائب ہو گئے تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"ہمارا شکار اس جگہ گم ہوا ہے اور یہ چار انسانوں کے قدموں کے نشان ہیں۔ دو بہن بھائی —— ایک پیپرن اور چوتھا کون ہو سکتا ہے؟"

کفن پوش پیپرے نے کہا:

"ہو سکتا ہے ان کا کوئی ملازم ہو۔ بہرحال ہمیں ان سے کیا۔ ہمیں تو اپنی جان بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔"

بدروح کہنے لگی:

"ابھی ہمارے مرنے میں پانچ دن رہتے ہیں۔ یہ چھٹا دن تو گزر رہا ہے۔"

پیپرا بولا:

"ہمیں ابھی پیپرن اور بہن بھائیوں کو تلاش کر کے ان کے سر دھڑ سے الگ کر دینے چاہئیں۔"

بدروح نے ایک جگہ فرش پر پاؤں مارا تو وہاں سے فرش کھوکھلا سنائی دیا۔ اس نے اسی جگہ اشارہ کر کے کہا:

"یہاں سے کھودو زمین۔"

کفن پوش نے مٹی ہٹائی تو ایسا لگا کہ یہاں پہلے بھی کسی نے ہاتھ لگائے تھے۔ اچانک ایک تختہ نکل آیا۔

تختہ ہٹایا تو نیچے سیڑھیوں والا تنگ سا راستہ اتر رہا تھا۔
بدروح نے چیخ کر کہا:
"وہ اسی تہہ خانے میں گئے ہیں۔ نیچے چلو جلدی۔"
اور وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر سرنگ میں آ گئے۔
بدروح نے کھوپڑی اوپر اٹھا کر ناک اونچی کر کے
زور سے سانس کھینچا اور چلا اٹھی:
"سانپوں کی بو آ رہی ہے۔ وہ ادھر ہی گئے ہیں۔"
اور انہوں نے سرنگ میں آگے بڑھنا شروع کیا۔

○

کیٹی ناگ اور سانپوں والے بہن بھائی سرنگ میں
آگے نکل چکے تھے اور اب انہیں سرنگ میں دور آگے
روشنی نظر آ رہی تھی۔ یہ روشنی دن کی روشنی تھی اور اس
مقام سے آ رہی تھی جہاں یہ سرنگ پانڈی چری کے
قلعے میں داخل ہوئی تھی۔
روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ سرنگ کا اندھیرا دور ہو رہا تھا
پھر وہ سرنگ سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا
کہ وہ قلعے کی ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی بارہ دری میں تھے
جس کی چھت ڈھے چکی تھی۔ اور گرد چار دیواری تھی جس ا

جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ آسمان صاف نظر آ رہا تھا۔
رات کی بارش کی وجہ سے دیواریں گیلی ہو رہی تھیں۔
ناگ نے کہا:
"ہمیں اسی قلعے میں کسی جگہ ان بہن بھائی کو چھپا
کر رکھنا چاہیے تاکہ کچھ دن گزر جائیں۔"
کیٹی نے بہن بھائیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ساتھ ساتھ
کھڑے تھے۔ سانپ ان کی گردنوں میں لپٹے ہوئے تھے
اور اپنے سر اوپر اٹھائے لہرا رہے تھے۔ دونوں بہن بھائیوں
کے ہونٹ خشک تھے۔ کیٹی نے ان سے پوچھا:
"بھوک لگی ہے تمہیں؟"
دونوں نے آہستہ سے سر ہلا کر کہا کہ ہاں انہیں بھوک
لگی ہے۔
کیٹی بولی:
"ناگ بھیا! یہ قلعہ کافی پرانا اور وسیع لگ رہا ہے
میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی ایسی جگہ ہمیں مل
جائے گی جہاں ہم ان بچوں کو کچھ مدت کے لیے
چھپائے رکھیں گے۔"
ناگ بولا:
"اور پانی اور جنگلی پھل یہاں اور گرد کے جنگل

یں مل جائے گا؟"

کیپٹن نے کہا:

"وہ میں لے آؤں گی۔ سب سے پہلے چل کر کوئی
ایسی خفیہ جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں ان بہن بھائی
کو چھپایا جا سکے۔"

وہ چار دیواری سے باہر نکلے تو سامنے ایک چھوٹا
سا تختہ تھا جس میں پتھر روڑے اور سوکھی گھاس کے
گچھے بکھرے پڑے تھے۔ ایک چھوٹی سی گلی سامنے والی
دیوار کے ساتھ آگے قلعے کے اندر جاتی تھی۔ اس گلی میں
سے گذر کر وہ ایک جگہ سے سیڑھیاں اتر کر نچلے تختے
میں آ گئے۔ یہاں ایک برج کی سیڑھی تھی۔ اس سیڑھی
کے نیچے ایک سرخ پتھر کا حوض بنا ہوا تھا جو خالی تھا
اور اس میں چھت سے گرا ہوا پلستر بکھرا ہوا تھا۔

ناگ نے کہا:

"کسی زمانے میں یہاں نازک اندام شہزادیاں نہایا
کرتی تھیں۔ آج یہاں خاک اُڑ رہی ہے۔"

کیپٹن نے کہا:

"تمہاری دنیا کی تاریخ بڑی عبرت ناک ہے ناگ!"

ناگ بولا:

"اور کیا تمہاری دنیا کی کوئی تاریخ نہیں ہے؟"

کیپٹن بولی:

"میں خلا کے ایک دور دراز سیارے کی مخلوق ہوں۔
ہمارے ہاں کوئی تاریخی کھنڈر نہیں ہوتے۔ بہرحال
میرا خیال ہے کہ یہ جگہ چھپنے کے لیے بالکل ٹھیک
رہے گی۔"

اس نے دونوں بہن بھائی سے کہا:

"تم یہاں آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے باہر
سے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"اور میرے لیے بھی لیتی آنا۔ اگر نہاری مل جائے
تو بہت اچھا ہے۔"

کیپٹن نے مسکرا کر کہا:

"لاہور میں رہ کر تمہیں بھی نہاری بہت یاد آنے
لگی ہے مگر افسوس یہاں تو جنگلی پھل ہی ملیں
گے۔ وہ بھی اگر مل گئے۔ نہیں تو گھاس کھانا
پڑے گا۔"

ناگ ہنس دیا:

"بہن اگر بھائی کو گھاس بھی کھلا دے تو وہ

سونا بن جاتا ہے۔"

کیٹی ہنستی ہوئی سرخ پتھروں والے حمام سے نکل کر اوپر والے تختے پر آ گئی۔ یہاں کوئی درخت نہیں تھا۔ وہ چلتی چلتی قلعے سے باہر آ گئی۔ ایک جگہ اسے کچھ درخت نظر آئے۔ یہاں ایک پرانی باؤلی اور درختوں پر چھوٹے چھوٹے زرد رنگ کے کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ کیٹی بڑی خوش ہوئی وہ گچھے ان کے لیے کئی روز کی خوراک مہیا کر سکتے تھے۔ اس نے گچھے توڑ کر کاندھے پر ڈالے۔ کیلے کے پتے کا بڑا سا ڈونا بنا کر اس میں پانی بھرا اور لے کر واپس آ گئی۔

سانپوں والے بہن بھائی اور ناگ نے بڑے مزے سے زرد کیلے کھائے اور پانی پیا۔ پھر ناگ نے کہا:
"اب میں جا کر اور کیلے لاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ کہیں سے کوئی ٹوٹا پھوٹا پرانا پیالہ یا پتھر کا گھڑا مل جائے تا کہ اس میں پانی جمع کر کے رکھ لیا جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہمیں دو چار روز یہاں رہنا پڑے اور بدروح یہاں بھی ہمارا پیچھا کرتے آ جائے۔"

ناگ باہر نکل گیا۔ اسے قلعے کے ایک تختے کے کونے میں پڑا ہوا پرانا پیالہ مل گیا۔ جسے شاید قلعے کی دیوار پر جانوروں کے پانی پلانے کے لیے رکھا جاتا ہوگا۔ اس پیالے کا ایک کنارا تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا۔ مگر یہ کام دے سکتا تھا۔ ناگ نے اس پیالے میں پانی بھرا اور کیلوں کے دس بارہ اور گچھے توڑ کر کاندھے پر رکھے اور سرخ پتھروں والے حمام میں لا کر رکھ دیئے۔

کیٹی نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ان بچوں کو لے کر در بدر پھرنے کی بجائے اسی جگہ باقی دن گزار دینے چاہئیں۔ اب صرف چھ دن تو باقی رہ گئے ہیں بدروح گاتیری اور کفن پوش مُردے کی ہلاکت میں۔"

ناگ بولا:

"خیال تو بڑا مناسب ہے۔ لیکن بدروح یہاں پہنچ سکتی ہے۔ کیونکہ یہاں تو ابھی تک کوئی جنتر نہیں لگا ہوا۔"

کیٹی خاموش ہو گئی۔

ناگ نے کہا:

"بہرحال ہم اس دروازے کو پتھروں اور گھاس پھونس سے چھپا دیں گے۔ یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔ کیوں کہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اب ہمیں خدا کے بھروسے پر اسی جگہ رہنا ہو گا۔"

کیبٹی نے کہا:

"کیوں نہ ہم کسی شہر میں چلے چلیں؟"

ناگ بولا:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ شہر یہاں سے کافی فاصلے پر ہے اور پھر شہر میں لے جانے سے ہمارے لیے کئی مسئلے پیدا ہو جائیں گے اور بدروح کاتیری اور کفن پوش سپیرا ہم پر بڑی آسانی سے اپنا جادو چلا سکیں گے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کیوں کہ بدروح ضرور ہمارے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہو گی۔ ہم اس قلعے سے نکلے تو ہو سکتا ہے راستے میں ہی بدروح کا شکار بن جائیں۔ وہ ہمیں تو شاید معاف کر دے مگر ان دونوں بہن بھائی کو ہر حالت میں ہلاک کر دے گی۔

کیوں کہ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال ہے ان دونوں بچوں کی زندگیاں بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسی جگہ چھپ کر باقی وقت گزار دیں یہاں تک کہ بدروح اور کفن پوش اپنی آپ مر جائیں۔"

ناگ اور کیبٹی نے مل کر سرخ پتھروں والے حمام کے دروازے کو اینٹیں پتھر اور گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا۔ صرف ایک جگہ باہر نکلنے کے لیے چھوٹا سوراخ رکھ لیا۔ جس میں سے رینگ کر وہ باہر آ جا سکتے تھے۔

اس سارے کام میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے تھے۔

اس عرصے میں بدروح کاتیری اور کفن پوش سپیرا بھی سرنگ سے باہر قلعے میں نکل آئے تھے۔ سرخ پتھروں والے حمام کی دیوار بند کر دینے سے بدروح کو اس کے سانپوں کی بو نہیں آ رہی تھی۔ وہ دونوں بدروحیں قلعے میں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ انہیں کسی جگہ سے بھی سانپوں کی بو نہیں آ رہی تھی۔ بدروح قلعے کے سب سے اوپر والے تختے میں جا کر ایک برج میں کھڑی ہو گئی۔

دوسری طرف دریا بہہ رہا تھا۔ اس نے کفن پوش سے کہا:

"مجھے سرنگ میں برابر سانپوں کی بو آ رہی تھی۔

یہاں آنے کے بعد ان کی بُو آنا بند ہو گئی ہے۔"
کفن پوش نے کہا:
"کیا وہ یہاں سے نکل کر دریا پار تو نہیں کر گئے؟"
بدروح ساکت آنکھ سے دریا کی طرف تکنے لگی۔

ناگ۔ ایک انوکھی مگر پُراسرار دنیا میں

پھر اس نے دریا کی طرف اشارہ کر کے کہا:
"دریا پار چل کر اپنے شکار کو دیکھیں گے۔"
بدروح گاتیری اور کفن پوش پیپرا پرانے قلعے کے کھنڈروں سے نکل کر دریا کی طرف چلے۔ دریا قلعے کے پیچھے سے ہو کر بہہ رہا تھا۔ دریا پر جا کر وہ پانی میں اتر گئے اور دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔
ناگ، کیٹی اور سانپوں والے بہن بھائی قلعے کے نچلے تختے میں سرخ پتھروں والے حمام میں چھپے بیٹھے تھے۔ بہن بھائی اسی طرح چپ سادھے بیٹھے نیم روشن دیواروں کو اداس نظروں سے تک رہے تھے۔ وہ رونا چاہتے تھے مگر ان کے آنسو خشک تھے۔ ان کی آوازیں بند تھیں۔ ناگ اور کیٹی کو ان کی طرف دیکھ کر بڑا ترس آتا تھا۔ وہ ان کی بے بسی کو خوب جانتے تھے مگر وہ بھی ان کی جانیں بچانے کے لیے ہی کوشش کر رہے تھے۔

ناگ نے کہا:

"دن گذر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے شام تک بدروح یہاں بھی پہنچ کر ہماری ناکہ بندی کر دے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ میں کیلے کے پتوں کا دونا بنا کر باؤلی سے تھوڑا سا پانی اور لے آؤں۔"

کیٹی نے کہا:

"اگر بدروح کو پتہ چل گیا کہ ہم یہاں ہیں تو اس بار اسے ہماری ناکہ بندی کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیوں کہ باہر کوئی زنگار لگا جنگلہ نہیں ہے بلکہ دیوار ہے اور وہ دیوار کو بڑی آسانی سے توڑ ڈالے گی۔ پھر تو میرا اور اس کا کھلا مقابلہ ہو گا چاہے میں شیر بن جاؤں چاہے ہاتھی بن کر اس کا مقابلہ کروں۔"

ناگ کہنے لگا:

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر وہ یہاں نہ بھی آئے تب بھی ہمیں چاہیے کہ اب پانچ دن یہاں پر ہی گذار دیں تاکہ بدروح اور کفن پوش سپیرے کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔ ادھر اُدھر ان بچوں کو لے کر دربدر

پھرتے رہے تو خطرہ ہے کہ بدروح ان پر حملہ کر دے گی۔ اس لیے میں جا کر تھوڑا بہت پانی لے آتا ہوں ہو سکتا ہے پھر موقع نہ مل سکے۔"

"جیسے تمہاری مرضی" کیٹی نے کہا۔

اور ناگ سوراخ میں سے رینگ کر باہر نکل گیا۔

کیٹی نے ناگ کے جاتے ہی سوراخ کو پتھروں اور گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا۔

ناگ پچھلے تختے سے نکل کر قلعے کی باؤلی پر آ گیا۔ اس نے کیلے کے دو بڑے بڑے سبز پتے توڑے اور ان کا دونا بنا کر باؤلی میں سے پانی لینے کے لیے جھکا ہی تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ باؤلی میں گر پڑا۔ باؤلی ایک طرح کا چھوٹا سا کنواں ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ کنوئیں کا پانی تو بہت نیچے جا کر ہوتا ہے مگر باؤلی کا پانی اوپر سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

باؤلی کے پانی میں گرنا کوئی خطرناک بات نہیں ہوتی اور انسان بڑے آرام سے باہر نکل سکتا ہے۔ لیکن ناگ کے ساتھ ایسا ہوا کہ باؤلی میں گرتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا۔ لیکن ایک ہلکا سا احساس اس کے ذہن میں بیدار تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی شے

اسے پانی کے اندر نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ وہ نیچے ہی نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔

پھر اسے یوں لگا جیسے اس کا جسم سیدھا ہو گیا ہے اور اس کے پاؤں زمین کے ساتھ لگ گئے ہیں۔

ناگ کو ہوش آ گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ پھر کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف چلانا شروع کیا۔ ناگ نے بولنا چاہا مگر اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ اس کے جسم کے ساتھ پانی نہیں لگ رہا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ باؤلی کے اندر ہی اندر سے ہو کر وہ کسی خشک جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

پوشیدہ پُر اسرار ہاتھ اسے لے کر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ہاتھ کسی عورت کا ہاتھ لگتا تھا۔ کیوں کہ وہ نرم اور نازک تھا۔ ناگ نے زمین کو محسوس کیا کہ وہ بھی نرم تھی اور اسے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی نرم نرم قالین پر چل رہا ہے۔ ایک جگہ پہنچ کر پوشیدہ پراسرار ہاتھ نے اسے چھوڑ دیا۔ ناگ کی آنکھیں اب بھی نہیں کھل رہی تھیں اور آواز بند تھی۔

مگر اب اسے کانوں میں موسیقی کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی قریب ہی بربط بجا رہا ہو۔ اس قسم

کی موسیقی ناگ نے چار ہزار برس پہلے مصر اور یونان کے امیرانہ گھروں میں سنی تھی۔

پھر ایک عورت کی سُریلی آواز آئی:

"آنکھیں کھول دو ناگ!"

ناگ نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ آنکھیں کھول سکتا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک خوب صورت عالی شان محل کے بہت بڑے کمرے میں کھڑا ہے دیواروں پر ریشمی قالین پڑے ہیں جن پر زمرد اور لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ چھت پر سونے کے فانوس لٹکے ہوئے ہیں۔ قیمتی قالینوں کا فرش بچھا ہے۔ ایک خوبصورت شہزادی جس کے سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہیں درمیان میں ایک حوض میں بیٹھی نہا رہی ہے۔ ایک کنیز حوض کے سنگِ مرمر کے کنارے پر مور کی طرح کی بنی ہوئی کرسی پر بیٹھی بربط بجا رہی ہے۔

ناگ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ حوض میں نہانے والی شہزادی نے کہا:

"تم میری طرف دیکھ سکتے ہو۔ میں جھاگ والے پانی کے اندر ہوں۔"

پھر بھی ناگ نیچی نظریں کر کے بولا۔ اب اس کی آواز

بھی واپس آ گئی تھی۔
"تم کون ہو۔ میں کہاں آ گیا ہوں؟ تم میرا نام کیسے
جانتی ہو؟"
شہزادی نے اپنے سیاہ ریشمی بالوں میں سونے کی کنگھی
پھیرتے ہوئے کہا:
"تم نے ایک ہی وقت میں تین سوال کر ڈالے ہیں
تمہارے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں
تمہارے نام سے واقف ہوں۔ میں تمہیں جانتی
ہوں۔ میں نے آج سے تین ہزار سال پہلے ملک
یونان کے شہر کورنتھ کے ایک شاہی محل میں
دیکھا تھا جب میں اس محل کی شہزادی تھی اور
تم میرے خاوند کا علاج کرنے آئے تھے۔"
ناگ بُت بنا شہزادی کی باتیں سن رہا تھا۔ کیا تاریخ
نے اسے ایک بار پھر جھٹکا دے کر کہیں سے کہیں پہنچا
دیا تھا۔ اس نے پوچھا:
"یہ جگہ کون سی ہے؟ میں تو باؤلی پہ پانی لینے
آیا تھا کہ پاؤں پھسل گیا اور باؤلی میں گر پڑا۔
اس باؤلی کے اندر یہ محل کہاں سے آ گیا ہے؟"
شہزادی مسکرانے لگی۔ وہ بڑے مزے سے اپنے لمبے

بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنیز بربط بجا رہی تھی۔
شہزادی نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:
"ناگ! میرا نام سلومی ہے۔ میں کبھی مصر کے
سب سے بڑے کاہن کی بیٹی تھی۔ میرے باپ
نے میری شادی فرعون سے کر دی۔ جب میرا باپ
مرنے لگا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ
بیٹی! تم اتنی پیاری ہو کہ میں نہیں چاہتا کہ ایک
روز تم بھی میری طرح بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر
مر جاؤ۔۔۔ پھر اس نے مجھے ایک سفوف پانی
میں گھول کر پلایا اور کہا کہ میں کبھی نہیں مروں
گی اور ہمیشہ۔۔۔ ہر دور میں زندہ رہوں گی۔
زمین کے اندر اور زمین کے اُوپر میں ہمیشہ شاہی
محلات میں شہزادی بن کر زندگی بسر کروں گی اور
مجھے زمین کے اندر اور باہر۔۔۔ دونوں کا علم
ہو گا۔۔۔ پھر فرعون بھی مر گیا۔ اس کا بیٹا تخت پہ
بیٹھا۔ وہ بھی بوڑھا ہو کر مر گیا۔ مگر میں بوڑھی
نہ ہوئی میں جوان رہی۔ اور یونان چلی گئی۔ یہاں
میرے حسن کا چرچا ہونے لگا اور یونان کے ایک
شہر کورنتھ کے بادشاہ نے مجھ سے شادی کر لی۔

پھر وہ بھی مر گیا۔ وقت گذرتا چلا گیا۔ میں
زندہ رہی۔ بادشاہ مرتے گئے۔ یہاں تک کہ دنیا
میں کوئی بادشاہ باقی نہ رہا۔ محل کھنڈر بن گئے۔
قلعوں میں الّو بولنے لگے۔ نیا ماڈرن زمانہ آگیا۔
مگر میں کسی بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔
کسی ایسے بادشاہ سے جو مجھے چھوڑ کر مر نہ
جائے بلکہ میری طرح ہمیشہ زندہ اور جوان رہے۔
میں نے اس پرانے قلعے کی باؤلی کے نیچے اپنا
شاندار محل تعمیر کروایا اور کسی ایسے انسان کا انتظار
کرنے لگی جو میری طرح مر نہ سکتا ہو اور میری
طرح قیامت تک جوان رہنے اور زندہ رہنے
کے لیے پیدا ہوا ہو۔ اور جس کے ساتھ شادی
کر کے میں اسے اپنے محل میں بادشاہ بنا کر
رکھوں اور خود اس کی ملکہ بن کر قیامت تک
کے لیے خوشیاں خرید لوں ـــــ میں حوض میں
نہا رہی تھی۔ کنیز بربط پر نغمہ چھیڑے ہوئے
تھی کہ مجھے باؤلی پر تمہاری شکل دکھائی دی میں
ایک مدت سے تمہاری تلاش میں تھی۔ کیوں کہ
مجھے علم ہو چکا تھا کہ تم سانپ ہو اور اب

انسان کی شکل میں زندہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہوگے
پس جونہی تم باؤلی پر جھکے۔ میں نے اپنے
باپ کے خاص مؤکل کو جو ایک پُراسرار عورت
ہے اور ہمیشہ میری حفاظت کرتی ہے اور کسی
کے سامنے نہیں آتی کہا کہ ناگ کو میرے پاس
لے آئے ـــ اور وہ تمہیں میرے پاس لے آئی
اب میں تم سے شادی کروں گی۔ اور ہم بادشاہ
اور ملکہ بن کر جب تک یہ دنیا قائم ہے اس
وقت تک اس محل میں ہنسی خوشی زندگی بسر
کریں گے۔"

اس پراسرار شہزادی سومی کی کتھا کہانی سن کر ناگ کے
ہوش اُڑ گئے۔ یہ اسے کس چکر میں پھنسا رہی تھی۔ وہ
بھلا کسی سے شادی کر سکتا تھا؟ اور پھر ایسی شادی کہ
جس کے بعد وہ ایک جادوئی محل میں قیامت تک
کے لیے قید کر لیا جائے۔ مگر وہ پھنس چکا تھا اور اس
کے پاس اپنی کوئی طاقت نہیں تھی۔ اس لیے یہاں بہت
سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی۔

اس نے مسکرا کر کہا:

"شہزادی سومی! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھ

سے شادی کر کے مجھے اس محل کا بادشاہ بنا
رہی ہو۔ لیکن میں وہ آدمی نہیں رہا جس کی تمہیں
تلاش تھی۔"

"کیا مطلب؟" شہزادی نے آنکھیں اٹھا کر پوچھا،
ناگ نے کہا:

"میں اب وہ ناگ نہیں ہوں جو کبھی مر نہیں
سکتا۔ میری ساری طاقت چھین لی گئی ہے اور
میں بھی دوسرے عام انسانوں کی طرح ایک کمزور
انسان ہوں اور وقت آنے ۔ مجھے بھی موت
آجائے گی اور تمہارا ساتھ ۔ مر جاؤں گا۔"

شہزادی سلومی بڑی ادا سے مسکرائی اور کنول کے سفید
پھول سے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے
بولی:

"ناگ! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میرے جادوگر
باپ نے مجھے جو مؤکل عورت دی ہے اس
کی طاقت میں بہت کچھ ہے۔ یہاں آنے
سے پہلے اس نے تمہاری ساری طاقتیں تمہیں
واپس کر دی تھیں۔ اب تم وہی پہلے والے ناگ
ہو اور سانس چڑھا کر جو شکل چاہے بدل سکتے

ہو۔ تم ناگ دیوتا ہو اور دنیا کے سارے سانپ
تمہارے آگے سر جھکانا اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں
اب تو تم خوش ہو گے میرا خیال ہے۔"

ناگ نے کہا:

"میں تمہارا شکر گزار ہوں شہزادی صاحبہ کہ آپ
نے اپنی مؤکل کے ذریعے مجھے میری ساری
طاقت واپس کر دی۔ کیا میں اپنی طاقت کو
آزما سکتا ہوں؟"

شہزادی سلومی مسکرائی۔ ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

"ہاں — تم اپنی طاقت کو آزما سکتے ہو، لیکن
ایک بات ہمیشہ کے لیے سمجھ رکھو کہ تم کسی
شکل میں، کسی صورت میں بھی اس محل سے باہر
نہیں جا سکو گے — اب تم اپنی طاقت کو آزماؤ۔"

ناگ کے لیے طاقت کا واپس ملنا بڑی خوشی کی
بات تھی لیکن یہ سن کر وہ دل ہی دل میں پریشان ہوا
کہ وہ اس محل سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ کیوں کہ
وہ اس شہزادی کے حیرت انگیز اور طاقت ور جادو
کا قائل ہو چکا تھا۔ اس کا باپ مصر کا کوئی بہت
ہی زبردست جادوگر کاہن تھا جس نے اپنی بیٹی کو

ہمیشہ کے لیے زندہ کر کے اس کے گرد ایک پُراسرار مؤکل عورت کا پہرہ بٹھا دیا تھا۔ اس نے سانس اوپر کھینچا اور دوسرے لمحے وہ ایک زہریلا پھن دار سانپ بن کر قالین پر کنڈلی مارے بیٹھا اپنی لال لال آنکھوں سے شہزادی کو تک رہا تھا۔ حیران کی بات یہ تھی کہ شہزادی اور اس کی کنیز دونوں میں سے کوئی بھی اس کے سانپ بن جانے سے خوف زدہ نہیں ہوئی تھی۔ کنیز اسی طرح بڑے اطمینان سے بربط بجا رہی تھی۔ اور شہزادی حوض میں نہاتے ہوئے اسی طرح مسکرا رہی تھی جیسے انہیں پکا یقین ہو کہ سانپ انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ناگ نے سوچا کہ اسے ایک بار وہاں سے نکلنے کی کوشش تو کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ آہستہ سے شہزادی کی طرف بڑھا وہ حوض کے کنارے آیا تو اسے اتنے زور کا جھٹکا لگا کہ قلابازی کھا کر پیچھے گر پڑا۔

شہزادی اب بھی مسکرا رہی تھی، کہنے لگی:

"ناگ! اگر دوسری بار تم نے مجھ پر حملہ کرنے کا دل میں ارادہ کیا تو میں تمہاری ساری طاقت تم سے چھین لوں گی اور پھر تم ایک کمزور انسان بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے محل کے قید خانے

میں سڑتے رہو گے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اپنی پوری طاقت کے ساتھ بادشاہ بن کر میرے ساتھ رہو؟"

ناگ نے سانس کھینچا اور پھر انسانی شکل میں آگیا۔ وہ اس خیال سے شرمندہ ہو رہا تھا کہ شہزادی کو اس کی نیت کا پتہ چل گیا تھا، کہنے لگا:

"شہزادی سلومی! آخر میں انسان ہوں۔ تم اچانک مجھے یہاں کھینچ لائی ہو۔ اوپر کی دنیا میں میری کچھ ذمے داریاں تھیں جو میں نے ادا کرنی تھیں۔ اس لیے اگر میں نے تمہیں ہلاک کر کے یہاں سے فرار ہونے کا ارادہ کیا تو کچھ برا نہیں کیا۔"

شہزادی سنجیدہ ہو گئی کہنے لگی۔

"اگر یہ ارادہ تم نے دوبارہ کیا تو میں تمہیں تمہاری طاقت واپس چھین کر محل کے سب سے نچلے قید خانے میں ڈال دوں گی جہاں سے تم قیامت تک باہر نہ نکل سکو گے۔"

ناگ جانتا تھا کہ یہ عورت ایسا کر سکتی ہے، کیوں کہ ایک تو اس کے باپ کا جادو اس کی حفاظت کرتا ہے دوسرے اس کے پاس جو پُراسرار مؤکل عورت ہے وہ

اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتی. ناگ نے دل میں سوچا
کہ اگر وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہے تو اسے اس پراسرار
مؤکل عورت کو اپنے دام میں پھنسانا ہوگا اور اس سے
مدد لینی ہوگی، کیوں کہ وہ صرف اسی پراسرار عورت کی
مدد سے اس شاہی قید خانے سے باہر نکل سکتا تھا چنانچہ
بڑی عقل مندی سے کام لیتے ہوئے بولا،

"میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں شہزادی!
آئندہ میں ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا، لیکن
اس زمین کے اوپر میری ایک بہن کیٹی اور
دو بہن بھائی سخت مشکل میں ہیں۔ میں چاہتا
ہوں کہ تم ان کی مدد کرو۔"

شہزادی حوض سے باہر نکل کر سنہری سونے کے تاروں
والے پردے کے پیچھے جا کر کپڑے پہن رہی تھی۔ اس
نے پردے کے پیچھے سے کہا،

"ناگ! ایک اور بات یاد رکھو۔ ہمارا قانون اوپر
والی دنیا میں نہیں چلتا۔ اوپر کا قانون ہماری
زمین کے اندر والی دنیا میں نہیں چلتا اوپر جو
کچھ ہو رہا ہے اس سے اب تمہارا کوئی تعلق
نہیں ہے۔ میں تمہاری بہن کیٹی، ماریا اور عنبر

کو بھی جانتی ہوں۔ وہ لوگ اپنی مصیبت خود
دور کر لیں گے۔ آج کے بعد تمہیں ان کے
لیے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اور شہزادی سومی نہایت شاندار لباس پہن کر پردے
سے باہر آگئی۔ اس کے لباس پر سونے کے تار لگے تھے
اور ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سر پر موتیوں کا چھوٹا
سا تاج تھا۔ ناگ دل ہی دل میں اپنا سر پیٹ کر رہ گیا کہ یہ
وہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ نہ باؤلی پر پانی لینے آتا اور
نہ اس مشکل میں گرفتار ہوتا۔ مگر قسمت کا لکھا ہو کر رہا تھا۔
تقدیر اسے کیٹی کے پاس سے اٹھا کر باؤلی پہ لے آئی تھی
اور اب وہ ایک ایسی مشکل میں پھنس چکا تھا کہ جہاں سے
نجات حاصل کرنے کا اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے
رہا تھا۔

اوپر سے مجبوراً مسکرا کر بولا،

"میں سمجھ گیا شہزادی!"

"کیا سمجھ گئے؟"

شہزادی نے ناگ کے قریب آکر پوچھا،

ناگ نے کہا،

"یہی کہ اس دنیا کا قانون اوپر والی دنیا میں

نہیں چلتا۔"

شہزادی نے کہا:

"اور یہ کہ ہم اوپر والی دنیا کے معاملات میں ہرگز ہرگز دخل نہیں دیتے۔"

پھر اس نے تالی بجائی۔

بربط بجانے والی کنیز ادب سے سلام کر کے چلی گئی۔ سامنے والا کمخواب کا پردہ ایک طرف ہٹا، شہزادی نے ناگ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا:

"تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔"

اور وہ اسے لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی یہاں چاندی کے ایک گول میز پر دنیا جہان کے لذیذ کھانے چنے ہوئے تھے۔ ناگ تو اوپر کی دنیا سے دو چار جنگلی کیلے ہی کھا کر آیا تھا یہاں نہ معلوم جزیروں سے لائے گئے۔ سرخ اور سبز چھال والے کیلوں کے گچھے پڑے تھے۔ بھنا ہوا مور تھا۔ تیتر اور ہرن کا قورمہ تھا۔ خوشبودار سفید چاول اور بریانی تھی اور زردہ تھا جس میں سمندری موتی چمک رہے تھے۔ پانچ قسم کی مچھلی کا سالن تھا۔

وہ حیران ہو رہا تھا کہ زمین کے اندر یہ سب کچھ کہاں سے آ گیا اور کون باورچی ہے جس نے یہ سب کچھ پکایا ہے۔

"بچھو ناگ ــ یہ سب کچھ جادو کا نہیں ہے بلکہ اصلی کھانے ہیں۔ کیوں کہ میں جادوگری نہیں کرتی میرے ارد گرد میرے باپ کے جادو کا زبردست حصار ضرور ہے جو مجھے موت سے بچاتا ہے مگر میں جادوگرنی نہیں ہوں۔ کھاؤ۔"

ناگ مجبور تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ کھانا کھانے لگا۔ کھانا بے حد لذیذ تھا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ جس میں سے خوشبوؤں کی لپٹیں نہ آ رہی ہوں۔ ناگ کو کیٹی اور سانپوں والے دکھی بہن بھائی کا خیال آ گیا جو بے چارے قلعے کے تہہ خانے میں بند جنگلی کیلے اور باؤلی کا پانی لے کر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی بھوک مر گئی اور اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"کیوں؟ کیا کھانا پسند نہیں آیا؟" شہزادی نے پوچھا۔

ناگ ذرا سا مسکرا کر بولا:

"نہیں ــ ایسی بات نہیں ہے شہزادی۔ بس مجھے کچھ زیادہ بھوک نہیں۔"

"پھر کہیں میرا ساتھ ضرور دینا ہوگا۔ آخر کل ہمارا بیاہ ہو رہا ہے۔ تم بادشاہ اور میں ملکہ بن جاؤں گی اور تمہاری تاجپوشی ہوگی پھر ہمیں ہر روز

اکٹھے ہی کھانا کھانا ہوگا۔"

ناگ کانپ اٹھا، میرے خدا ـــــ یہ عورت کیا کہہ رہی ہے۔ کل اس کا بیاہ ہوگا۔ وہ تو مارا جائے گا۔ کیا وہ اس خوبصورت جہنم سے ساری زندگی باہر نہیں نکل سکے گا؟ مگر اوپر سے ہنس کر بولا،

"کیوں نہیں کیوں شہزادی ـــــ پھر تو میں روز تمہارے ساتھ کھانا کھایا کروں گا۔"

شہزادی سلومی بہت خوش ہوئی۔ ناگ تھوڑا تھوڑا کھاتے ہوئے اس کا ساتھ دینے لگا۔ چار خوبصورت کنیزیں دیوار کے ساتھ خدمت کے لیے ادب سے کھڑی تھیں۔ چار کنیزیں انہیں کھانا کھلا رہی تھیں۔ جس شے کی ضرورت ہوتی وہ لپک کر اٹھا کر پیش کر دیتی تھیں۔ پانی کی جگہ ایک کنیز بلور کی صراحی میں کنول کے پھولوں کا ٹھنڈا شربت لیے کھڑی تھی۔ یہ شربت بے حد میٹھا اور لذیذ تھا اور اس میں سے سچے گلاب کے پھولوں کی بھی خوشبو آ رہی تھی۔

کھانے کے بعد شہزادی سلومی اور ناگ آکر بڑے ہال کمرے میں دیوان خاص پر گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھ گئے دو کنیز بربط پر گیت گانے لگیں اور دو رقص کرنے لگیں ناگ کو پل کے لیے یوں لگا جیسے وہ کوئی بڑا خوبصورت

خواب دیکھ رہا ہے۔ کاش یہ خواب ہوتا اور جب اس کی آنکھ کھلتی تو وہ کیٹی اور سانپوں والے بہن بھائی کے پاس بیٹھا ہوتا اور ان کی مشکل میں ان کی مدد کر سکتا۔
مگر یہ خواب بھی حقیقی خواب تھا۔

ناگ اس خواب کی دنیا کا قیدی بن چکا تھا۔ اچانک اسے ماریا کا خیال آیا۔ اس کا ہاتھ خود بخود جیکٹ کی جیب میں چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تھیلی جس میں ماریا سانپ بن کر بند تھی خالی تھی۔ ماریا کہاں چلی گئی؟ ناگ پریشان ہوگیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ماریا جا چکی تھی۔

○

جب ناگ کو کافی دیر ہوگئی اور واپس نہ آیا تو کیٹی پریشانی ہوئی۔ سوچنے لگی ناگ نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟ وہ خود ناگ کا پتہ کرنے دیوار کے سوراخ میں سے رینگ کر باہر آ گئی۔ اس نے باہر سے سوراخ کو بند کر دیا اور سیدھا باؤلی پر گئی۔

باؤلی پر ناگ نہیں تھا مگر اس کے پاؤں کے نشان موجود تھے۔ کیلے کے دو بڑے پتوں کا بنایا ہوا خالی دونا بھی وہیں پڑا تھا۔ اب تو کیٹی کو بڑا فکر ہوا کہ ناگ کے پاؤں کے

نشان بھی موجود ہیں۔ اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کیلے کے پتوں کا دونا بھی موجود ہے پھر ناگ خود کہاں ہے؟ وہ پانی لینے باؤلی پر گیا تھا اور یہ دونا یقیناً اسی نے بنایا تھا مگر وہ کہاں چلا گیا؟ کہیں اسے کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟ کہیں وہ باؤلی میں گر کر ڈوب تو نہیں گیا؟

لیکن باؤلی زیادہ گہری نہیں تھی۔ اس میں ناگ ایسا جوان آدمی بھلا کہاں ڈوب سکتا تھا اور پھر ناگ تو سمندروں میں تیرتا رہا تھا۔ پھر وہ کہاں غائب ہو گیا؟

کیٹی ناگ کو آواز دینے ہی لگی تھی کہ اسے وہی کفن پوش سپیرا دکھائی دیا۔ وہ قلعے کی دریا والی دیوار کے پیچھے سے نکل کر آ رہا تھا۔ کیٹی واپس جانے ہی لگی تھی کہ اچانک اس کی نظر بدروح گاتیری پر پڑی جو سیاہ لبادہ اوڑھے اپنا کھوپڑی والا سر اوپر اٹھائے کفن پوش سپیرے کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

کیٹی تو ایک دم سے پریشان ہو گئی۔ وہ نہ آگے جا سکتی تھی نہ پیچھے جا سکتی تھی، کیا کرے؟ وہ فوراً ایک چڑیا کی شکل ذہن میں لائی اور چٹکی بجا دی۔ وہ چڑیا نہ بن سکی۔ اس نے ایک بار پھر چٹکی بجائی۔ وہ پھر بھی چڑیا نہ بنی، اس نے سانپ کی شکل کا تصور کیا اور چٹکی بجائی مگر وہ

کیٹی کی کیٹی ہی رہی اور سانپ نہ بنی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چٹکی کے جادو میں پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔

سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ بدروح گاتیری اور کفن پوش سپیرا ان کی تلاش میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ ان کے سامنے آ گئی تو وہ اسے اپنے جادو سے ہلاک تو نہیں کر سکتے تھے مگر اسے بے ہوش ضرور کر سکتے تھے یا اسے پتھر بنا سکتے تھے یا اس کے گرد آگ اور دھواں پھیلا کر اسے بے سُدھ کر سکتے تھے۔ اور پھر بے گناہ بہن بھائی کے سر کاٹ کر لے جا سکتے تھے۔ کیونکہ کیٹی کے وہاں مل جانے کا مطلب یہ تھا کہ سانپوں والے بہن بھائی وہیں کہیں قلعے میں چھپے ہوئے ہیں اور جب یقین ہو جائے کہ کوئی ہوائی شے اس مکان میں موجود ہے تو پھر اسے تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔

کیٹی کے لیے وقت بڑا نازک تھا۔

اس نے دیکھا کہ باؤلی سے ذرا ہٹ کر کیلے کے درختوں کے درمیان آم کا ایک گنجان اور کافی اونچا لمبا درخت کھڑا تھا۔ کیٹی اس درخت پر چڑھ گئی اور اس نے اپنے آپ کو درخت کی شاخوں میں چھپا لیا اور خدا سے دعا مانگنے لگی کہ اے خدا! اب ان معصوم بہن بھائی کو ان قاتلوں

سے بچا لینا۔

اس نے شاخوں میں سے دیکھا کہ بدروح پرانے قلعے کے کھنڈر کے دوسرے تختے کے برج میں کھڑی تھی اور کفن پوش سپیرا قلعے میں گھوم پھر کر اپنے شکار کو ڈھونڈنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

کیٹی کو ایک بات سے تسلی تھی کہ وہ آتی دفعہ دیوار کا سوراخ بند کر آئی تھی جس کی وجہ سے سپیرے کی نگاہ اندر نہیں پڑ سکتی تھی اور بہن بھائی کے گلے میں پڑے ہوئے سانپوں کی بُو بھی باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ پھر بھی کیٹی درخت کی شاخوں میں چھپی ان بے چارے بہن بھائی کی زندگی کی دُعائیں مانگ رہی تھی۔

بدروح گاتیری کفن پوش سپیرا دریا پار گئے۔ وہاں انہوں نے دور دور تک اپنے شکار کو ڈھونڈا مگر بدروح کو سانپوں کی کہیں سے بھی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو غصے سے پاگل ہو گئی۔ اس نے کفن پوش سپیرے کو کھا جانے والی آنکھ سے دیکھا اور کہا:

"شیطان کی اولاد! کہاں ہیں وہ دونوں؟"

کفن پوش سپیرا خود بہت پریشان تھا۔ یہ بدروح گاتیری کی ہی نہیں بلکہ خود اس کی زندگی کا سوال تھا۔ چھٹا دن بھی

گزرنے والا تھا اور وہ ان دونوں کا سر کاٹنا تو دور کی بات ہے ان کی شکل تک نہیں دیکھ سکا تھا۔ گڑگڑا کر بولا:

"عظیم بدروح! میں اپنی جان لڑا دوں گا مگر انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

بدروح بولی:

"بدبخت! سن رکھ۔ ہماری زندگی کے صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں۔ اگر اس دوران میں تو بہن بھائی کے سر کاٹ کر نہ لا سکا تو میرے ساتھ تیری زندگی کا بھی چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جائے گا۔"

کفن پوش سپیرے کا موت کا اور پھر ہمیشہ کی موت کا نام سن کر گلا خشک ہو گیا، کہنے لگا:

"عظیم بدروح! کیا ہم انہیں اسی قلعے میں تلاش کریں گے؟"

بدروح گاتیری نے سانپ کی پھنکار ایسا سانس بھر کر کہا:

"شیطان کی اولاد سن رکھ۔ مجھے جن بہن بھائی کے سر کاٹنے ہیں وہ اسی قلعے میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں ڈھونڈنا تمہاری زندگی کا آخری کام ہے۔ میں اس برج میں بیٹھی ہوں۔ میرے سامنے اُن کے

سر کاٹ کر پیش کر ئے۔
کفن پوش سپیرا گردن اُٹھا کر ایک طرف چلا جیسے
کسی کی پیچ شمع گردن اڑانے جا رہا ہو۔ بدروح لے قلعے
کے کھنڈر میں گم ہوتے دیکھتی رہی۔

○

خفیہ پُراسرار ہاتھ

کیتی درخت میں چھپی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی
جب اس نے سنا کہ بدروح گاتیری کو یقین ہو گیا ہے
کہ جن کی وہ تلاش میں ہے۔ وہ لوگ اسی قلعے میں
کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں تو کیتی کی تو جان ہی خشک ہو
گئی۔ اب تو اس کی چٹکی بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔
اور ناگ کا بھی کہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔ اس خیال سے وہ
درخت سے نیچے بھی نہیں اُتر رہی تھی۔ کہ کہیں بدروح
گاتیری کی اس پر نظر پڑ گئی یا کفن پوش سپیرے سے اس
کا آمنا سامنا ہو گیا تو اس کی خیر نہیں۔ اس وقت تو اس
کا حال بھی ناگ ایسا ہو گیا تھا کہ زندہ رہنے کی طاقت
تو اس میں ضرور تھی مگر ان بدروحوں کے جادو کا مقابلہ وہ
نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کوئی پرندہ بن کر نہ خود اڑ سکتی تھی
اور نہ اکیلی بہن بھائی کی زندگی بچا سکتی تھی۔

وہ درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھی رہی اور دل

میں بہن بھائی کے لیے خدا سے دعائیں مانگتی رہی۔ اگرچہ وہ نہ تو مسلمان تھی نہ ہندو اور نہ عیسائی۔ مگر اس نے عنبر اور ناگ سے سن رکھا تھا کہ مشکل کے وقت اگر سچے دل کے ساتھ خدا سے دعا مانگی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے

بدروح گاتیری برج میں بیٹھی تھی اور کیٹی کو صرف اس کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ دوسرا خستہ برج کے ستونوں میں چھپ گیا تھا۔

اس نے کفن پوش سپیرے کو اس تختے کی طرف جاتے دیکھا جہاں دیوار کے پیچھے بہن بھائی چھپے ہوئے تھے کیٹی کا تو رنگ اڑ گیا۔ کہ کہیں وہ معصوم بہن بھائی ان قاتلوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا اور شام کی سرخی اندھیرے میں بدلنا شروع ہو گئی تھی۔ قلعے کی سیاہ دیواروں پر گدھیں آ کر رات بسر کرنے کے لیے بیٹھ گئی تھیں۔

بدروح گاتیری اسی طرح اکڑی ہوئی برج میں بیٹھی تھی۔

کفن پوش سپیرے کو اس کی طرف خالی ہاتھ جاتے دیکھ کر کیٹی کی جان میں جان آ گئی۔ بدروح نے اسے خالی ہاتھ دیکھا تو اس کی آنکھ سے شعلے نکلنے لگے۔ کفن پوش سجدے میں گر گیا۔

"عظیم بدروح! قلعے کی اس طرح کوئی انسان نہیں ہے۔ میں قلعے کی دوسری طرف دیکھنے جا رہا ہوں؛"

اور اس سے پہلے کہ بدروح گاتیری اس پر اپنا غضب نازل کرے کفن پوش سپیرا تیزی سے قلعے کی دریا والی طرف شام کے بڑھتے ہوئے سایوں میں گم ہو گیا۔

کیٹی نے جب دیکھا کہ اندھیرا چھا گیا ہے تو وہ آہستہ سے درخت پر سے اتری اور دبے پاؤں چلتی قلعے کے تیسرے تختے میں سے گزر کر پتھروں کی خود بنائی ہوئی دیوار کے پاس آ گئی۔ یہاں اس نے ایک جگہ سے گھاس پھونس اور پتھر ہٹائے اور سوراخ میں سے رینگتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ اس نے اندر جا کر دیوار کے سوراخ کو اور بھی اچھی طرح سے پتھروں سے بند کر دیا۔

دونوں بہن بھائی دیوار کے ساتھ لگے پریشان بیٹھے تھے ان کے منہ چھوٹے سے نکل آئے تھے اور کیٹی نے پہلی بار ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔ کیٹی ان کو سینے سے بھی نہیں لگا سکتی تھی، کیوں کہ اگرچہ وہ دوسری دنیا کی مخلوق تھی اور سانپ کے زہر کا اس پر کم ہی اثر ہو سکتا تھا پھر بھی وہ ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سانپ کے زہر سے

وہ مر نہیں سکتی تھی لیکن کیا خبر کہ تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جائے۔ یا اس کی نگاہ کمزور ہو جائے یا اس کا جسم تھوڑے وقت کے لیے سن ہو جائے؟

ابھی تک وہ سپیرن کی شکل میں تھی اور اس کی آنکھیں چوکور نہیں تھیں۔ اس نے دونوں بہن بھائیوں کو تسلی دی اور یہ نہیں بتایا کہ ناگ گم ہو گیا ہے بلکہ یہ کہا کہ ناگ دشمن کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے گیا ہے۔

اب اسے عنبر اور ماریا کا خیال آیا۔ ماریا کا خیال آتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ارے! ماریا بھی ناگ کے ساتھ ہی تھیلی میں بند چلی گئی! اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ ماریا ناگ کے پاس بھی نہیں تھی۔

آپ نے پڑھ لیا تھا کہ ماریا [illegible] کلغی والے سانپ کی شکل میں جب ناگ کے سونے میں اس کی جیب سے رینگ کر باہر نکلی تو اسے سانپوں والے بہن بھائی کے ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اس کے جسم میں آگ سی لگ گئی تھی اور وہ غار کے جنگلے کو پار کر کے باہر گیلی ٹھنڈی گھاس پر پتھروں کے درمیان بے ہوش ہو گئی تھی اور پھر اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

اس کے بعد ناگ نے بھی جیب میں نہ دیکھا کہ ماریا ہے بھی یا نہیں۔ انہیں اپنی مصیبت پڑ گئی تھی اور وہ بہن

بھائی کی اور اپنی جان بچاتے بھاگتے پھر رہے تھے۔ ناگ کو شہزادی سلومی کے زیر زمین محل میں جا کر پتہ چلا کہ ماریا تو اس کی جیب میں نہیں ہے اور تھیلی خالی ہے اور کیپٹن کو قلعے کے سرخ پتھروں والے حمام کے اندر جا کر احساس ہوا کہ ماریا بھی ناگ کے ساتھ ہی چلی گئی۔ حقیقت میں ماریا اسی فرانسیسی قبرستان کے اندر جرنیل کی قبر کے پیچھے کے پاس گھاس اور پتھروں کے درمیان پڑی تھی۔ اسے ہوش آ گیا ہوا تھا۔ اس نے رینگنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو سانپ ہی سمجھ رہی تھی اور وہ اتنی مدت سے سانپ ہی چلی آ رہی تھی۔ اچانک وہ اٹھ بیٹھی۔ ماریا سانپ نہیں تھی۔ وہ پھر سے ماریا کی شکل میں ظاہر ہو چکی تھی۔

ماریا نے اپنے سارے جسم کو اچھی طرح سے ہاتھ لگا لگا کر دیکھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ پوری ماریا تھی۔ سر سے لے کر پاؤں تک ماریا تھی۔ اصلی اور بالکل اصلی ماریا — اور غائب بھی تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے سانپ کی تکلیف دہ زندگی سے نجات ملی۔ شاید یہ اس سانپ کے زہر کا اثر تھا جو لڑکی کے گلے میں لٹکا ہوا تھا اور جس نے ماریا کو ڈس دیا تھا — سب سے

پہلا کام اس نے یہ کیا کہ تیزی سے لپک کر لوہے کے
جنگلے میں سے گذر کر اندر گئی کہ ناگ اور کیبٹی کو جا کر
خوش خبری سنائے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ان میں سے کوئی
بھی نہیں تھا نہ ناگ تھا نہ کیبٹی تھی اور نہ ہی سانپوں والے
بہن بھائی تھے۔

ماریا سوچ میں پڑ گئی کہ وہ کہاں چلے گئے؟

پھر خیال آیا کہ وہ تو بے ہوش ہو گئی تھی۔ خدا جانے
وہ کہاں چلے گئے ہوں گے، لیکن ان کو ڈھونڈنا بہت
ضروری تھا۔ کیوں کہ وہ سخت مشکل میں تھے اور ماریا نے
چونکہ ساری باتیں سن رکھی تھیں۔ اس لیے جانتی تھی کہ
بدروح ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور سانپوں والے بہن
بھائی کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹنا چاہتی ہے۔

وہ ٹیلے کے اندر والی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گئی۔
اس نے زمین پر ناگ اور کیبٹی کے قدموں کے نشان
دیکھنے کی کوشش کی مگر اسے کہیں ان کے قدموں کے نشان
دکھائی نہ دیئے اگر وہ ادھر سے گزرتے تو قدموں کے نشان
ضرور مٹی پر ہوتے۔ اس نے غور سے جھک کر دیکھا تو
اسے دو انسانوں کے الگ الگ قدموں کے نشان نظر آئے
جن میں سے ایک آدمی کے پاؤں کے نشان ایسے تھے
کہ پاؤں کی ہڈیوں کے نشان تھے۔

ماریا فوراً سمجھ گئی کہ یہ بدروح کے پاؤں کے نشان
تھے جو ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی اور دوسرے نشان کفن پوش
پیپرے کے ہی ہو سکتے تھے، کیوں کہ کسی تیسرے یا چوتھے
انسان کے پاؤں کے نشان وہاں نہیں تھے۔ جس بات نے
ماریا کو زیادہ پریشان کیا وہ یہ تھی کہ یہ نشان جرنیل کی
قبر والے غار کے اندر جا رہے تھے اور ان کے باہر
آنے کے کوئی نشان نہیں تھے جس کا صاف مطلب یہ
نکلتا تھا کہ بدروح کا تیری اپنے قاتل ساتھی کو لے کر
غار میں داخل ہوئی تھی اور پھر ان میں سے کوئی بھی باہر
نہیں نکلا۔ سوال یہ تھا کہ وہ اندر جا کر کہاں گم ہو گئے؟
جب کہ ناگ اور کیبٹی بھی باہر نہیں نکلے۔

ماریا کو اس معمے نے پریشان کر دیا۔

وہ ایک بار پھر جرنیل کی قبر والی کوٹھڑی میں داخل
ہو گئی۔ اس نے ایک ایک جگہ کو غور سے دیکھا۔ اسے کوئی
سراغ نہ ملا۔ سراغ کیسے ملتا۔ اس لئے نہ تو قبر پہ مکا
مارا کہ قبر کے اندر سے جرنیل کی لاش کی آواز آتی "کون ہے"
اور نہ اس نے فرش پر پیر مار کر دیکھا کہ کہاں سے فرش
کھوکھلا ہے اور لکڑی کا تختہ لگا ہوا ہے اور نیچے سرنگ
کو راستہ جاتا ہے۔

ماریا جنگلے میں سے گذر کر باہر آ گئی۔
اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اگرچہ ابھی دن کی روشنی باقی تھی لیکن مغرب سے کالی گھٹا اٹھ رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ یہ موسلا دھار بارش کی نشانی تھی۔
ماریا سوچ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ ناگ اور کیبٹی بہن بھائی کو لے کر کہاں اور کس طرف گئے ہوں گے اور بدروح ان کا کس جگہ تعاقب کر رہی ہو گی۔ ایک بات کا اسے یقین تھا کہ ناگ اور کیبٹی اس کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ کیوں کہ جرنیل کی قبر والی کوٹھڑی کے فرش پر چھ کے چھ انسانوں کے پاؤں کے نشان موجود تھے اور پھر آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے، لگتا تھا کہ کوٹھڑی کے اندر ہی وہ سب غائب ہو گئے۔

ماریا نے سوچنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس کا دماغ چکرا گیا تھا۔ اس نے مغرب کی طرف دریا کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ یہ وہی دریا تھا جو بہت دور آگے جا کر اسی پاٹری چری کے قلعے کی دیوار کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا جہاں کیبٹی دونوں بدقسمت بہن بھائی کو اپنی حفاظت میں لیے چھپی ہوئی تھی۔
ماریا دریا کے کنارے کنارے چلی جا رہی تھی۔ اسے

عنبر کا خیال آیا۔ عنبر سے ملے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس کی کوئی خبر نہیں ملی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کس حال میں ہے اس سے پہلے وہ کبھی اتنی دیر ماریا اور ناگ سے جدا نہیں رہا تھا۔

پیارے دوستو! ہمیں معلوم ہے کہ عنبر اس وقت کہاں ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ پہلے سانپوں والے بہن بھائی کے انجام کا پتہ کر لیں کہ ان کے ساتھ تقدیر کیا سلوک کرتی ہے اور پھر عنبر کی بھی خبر لے لیں گے۔ اس لیے آیئے ہم بھی ماریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔
ماریا دریا کے سیدھے رُخ کو جا رہی تھی۔ یعنی دریا کا پانی بھی اسی طرف جا رہا تھا جدھر ماریا جا رہی تھی۔ یقیناً بہت دور آگے جا کر سمندر ہو گا جس میں دریا گرتا ہو گا۔
آسمان پر مغرب سے اٹھی ہوئی گھٹا اب پھیلنے لگی تھی۔ آدھا آسمان اس نے ڈھانپ لیا تھا اور دن کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ ہوا تیز چلنے لگی تھی اور دریا کی لہروں کی روانی بھی تیز ہو گئی تھی۔ ماریا کو معلوم تھا کہ موسلا دھار بارش ہو گی۔ لیکن چونکہ وہ بارش میں بھیگ بھی جائے تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اس لیے وہ بے فکر ہو کر چلی جا رہی تھی۔ وہ جلدی سے جلدی ناگ اور کیبٹی کے ٹھکانے

کو معلوم کرنا چاہتی تھی، لیکن ابھی تک اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہوں گے۔

بادلوں میں ہلکی ہلکی بجلی بھی چمکنے لگی اور پھر بارش شروع ہوگئی۔ ماریا نے زمین پر سے پانچ فٹ اوپر ہوکر ہوا میں اڑتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ بارش اور ہوا کے تھپیڑے اس کے غیبی جسم کو چھو کر گذر رہے تھے۔ اگرچہ یہ بہت ہی گہرا اور پُراسرار احساس تھا، کیوں کہ غیبی حالت میں ماریا کا جسم الیکٹرانک لہروں کی طرح ہوتا تھا۔ وہ خود تو اپنے جسم کی لہروں کو چھو کر محسوس کر سکتی تھی۔ مگر کوئی دوسرا اسے نہ تو دیکھ سکتا تھا اور نہ کوئی ٹھوس شے اس کا راستہ روک سکتی تھی۔ بادلوں کی کالی گھٹا نے سارے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جب شام ہوئی تو بڑا ہی گہرا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، لیکن ماریا سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس بار تو اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ یونہی فضول کدھر جا رہی ہے۔ جب اسے یقین ہی نہیں ہے کہ ناگ اور کیٹی اس طرف گئے ہوں گے تو پھر وہ کیوں چلی جا رہی ہے۔ لیکن ماریا کے ہزاروں سال کے سفر نے اسے ایک نیا احساس عطا کیا ہوا تھا۔ جب اس کی راہ نمائی

کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا تو چھٹی حس اس کی راہ نمائی کرتی تھی۔

چنانچہ ماریا نے اسی چھٹی حس کے ہاتھ اپنی باگ ڈور دے دی تھی اور وہی اسے لیے جا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کسی وقت اس کے دل میں یہ پکا یقین بھی ہو جاتا تھا کہ وہ ٹھیک راہ پر جا رہی ہے اور بہت جلد ناگ اور کیٹی سے مل جائے گی۔

اندھیرا بڑھ جانے سے دریا کی لہریں بھی بارش میں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ ماریا زمین سے پانچ فٹ اونچی ہوکر ہوا میں چلی جا رہی تھی اور اس کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔

دریا کا پاٹ آگے جا کر چوڑا ہو گیا تھا۔ کنارے دُور دُور ہو گئے تھے۔ ماریا نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا۔ رات بھی کافی گذر چکی تھی۔ بارش کا زور آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا۔ پھر بارش نے بوندا باندی کی شکل اختیار کر لی۔ ماریا برابر آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ایک جگہ اسے دریا میں ایک کشتی نظر آئی جو کنارے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ماریا بھی اسی طرف جا رہی تھی۔

جب وہ قریب پہنچی تو اس نے دیکھا کہ اس میں سے تین آدمی باہر نکلے۔ انہوں نے کشتی میں سے ایک

آدمی کو باہر نکالا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔
ماریا ان کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے دیکھا کہ جس
بندھے ہوئے انسان کو وہ مرد سمجھ رہی تھی وہ کوئی عورت
تھی۔ دریا کے کنارے پر کوئی پچاس قدموں کے فاصلے پر
ایک جھونپڑا تھا۔ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی بھاگ کر
جھونپڑے میں گیا اور اس نے وہاں لالٹین روشن کر دی۔ باقی
دو آدمیوں نے رسیوں سے بندھی ہوئی عورت کو ڈولی ڈنڈا
کر کے جھونپڑی میں لے آئے۔

ماریا بھی ان کے ساتھ ہی جھونپڑی میں آگئی۔

لالٹین کی روشنی میں اس نے ان سب لوگوں کے چہرے
بڑے غور سے دیکھے۔ وہ تینوں آدمی کوئی جرائم پیشہ ٹولی
یا سمگلر لگ رہے تھے۔ عورت ایک دبلی پتلی سی لڑکی
تھی جس کے ماتھے پر سرخ بندیا کا نشان تھا۔ یہ کوئی ہندو
لڑکی تھی۔ رنگ گہرا سانولا تھا۔ آنکھیں دہشت سے پھٹی
پھٹی تھیں۔ اس کی رسیاں کھول دی گئیں تو اس نے ہاتھ جوڑ
کر کہا:

"مجھے چھوڑ دو۔ میری بچی بھوکی ہے۔ مجھے چھوڑ دو
اسے دودھ کون پلائے گا؟"

تینوں آدمی ہنسنے لگے۔ ایک آدمی نے جو ان سب

سے زیادہ طاقت ور اور مکروہ صورت تھا۔ قہقہہ مار
کر بولا:

"ارے ہریا۔ کیا کہتی ہے یہ تمہاری جورو؟"

ہریا بولا:

"کچھ سمجھ نہیں آوت سردار"

سردار نے لڑکی کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ مار
دیا۔ لڑکی بوکھلا کر گر پڑی اور چٹائی پر اوندھی ہو گئی۔
سردار گرج کر بولا:

"حرام جادی! خبردار جو بچی کا نام لیا۔"

لڑکی کا دم خشک ہو گیا۔ سہم کر بیٹھ گئی۔

ماریا کی غیبی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اگر وہ اس
وقت ظاہر ہو جاتی تو اس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا دیکھا جا
سکتا تھا۔ اس نے واپسی کے پانچ ہزار سالہ سفر میں عورتوں
پر بڑے بڑے بھیانک ظلم ہوتے دیکھے تھے اور اس
نے ہمیشہ ایسی عورتوں کی مدد کی تھی۔ چونکہ وہ خود عورت
تھی اس لیے کسی عورت پر ذرا سا بھی ظلم ہوتا نہیں دیکھ
سکتی تھی۔ یہ مظلوم لڑکی ایک بچی کی ماں تھی۔ اس کی بچی بھوکی
تھی اور یہ لوگ اسے اغوا کر کے لے آئے تھے اور شاید
کسی دوسرے شہر میں جا کر فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن اس

لڑکی خوش قسمتی تھی کہ ماریا وہاں پہنچ چکی تھی۔

سردار نے بھریا اپنے ساتھی سے کہا:

"ارے چلم میں تمباکو بھر — ایک دم لگا کر آگے چلیں گے۔"

بھریا چلم میں تمباکو بھرنے لگا۔ تیسرا ساتھی اپنا خنجر نکال کر لالٹین کی روشنی میں اس کی چمک کو دیکھ کر بولا:

"سردار! کیا خیال ہے۔ اس سالی کی گردن نہ کاٹ دیں ابھی — اسی وقت۔"

دراصل ایسی باتیں کر کے وہ لڑکی کو خوف زدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ بے چاری لڑکی نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مجھے نہ مارنا — میری بچی بھوکی ہے۔ مجھے نہ مارنا۔"

اور وہ رونے لگی۔

سردار نے اس کے سر پر مکا مار کر کہا:

"اری بند کر رونا دھونا سالی!"

اب ماریا سے اور زیادہ برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے ایک طرف ہٹ کر سردار کی گردن میں اس کا کپڑا ڈال کر اسے پیچھے کھینچ دیا۔ سردار الٹے منہ پیچھے کو گر پڑا۔ سب حیران ہو گئے کہ سردار کو اچانک کیا ہو گیا؟

سردار جلدی سے اٹھا اور بولا:

"میری گردن میں کپڑا کس نے ڈالا تھا حرام جادو؟"

دونوں خاموش کھڑے تھے۔ بھریا کے ہاتھ میں چلم پکڑی کی پکڑی رہ گئی تھی۔ کیوں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک دم سے سردار کو پیچھے کی طرف "الٹے" دیکھا تھا۔ جیسے کسی نے اسے زور سے پیچھے کی طرف کھینچا ہو۔

بھریا نے کہا:

"سردار قسم لے لو۔ ہم تو تمہارے سامنے یہاں کھڑے ہیں۔"

لڑکی بھی حیران تھی۔ مگر اس کی زبان سہمی ہوئی تھی۔

سردار نے اپنے بالوں کو ٹھیک کیا اور کہا:

"نہ جانے کیا ہوا — شاید چکر سا آ گیا تھا۔"

اور وہ پگڑی باندھنے لگا، بولا:

"یہاں سے نکل چلو۔ چلم کشتی میں ہی بیٹھ کر پیئوں گا۔"

ماریا نے اب آواز دی اور کہا:

"تم میں سے کوئی بھی یہاں سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔"

غیبی عورت کی آواز سن کر تینوں کے رنگ اڑ گئے۔ وہ جھونپڑی میں ادھر ادھر تکنے لگے۔ ماریا کو معلوم تھا کہ یہ

باہر کو بھاگیں گے۔ وہ پہلے ہی سے جھونپڑی کے دروازے
میں کھڑی ہو گئی تھی۔ بھریا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:
"سردار! کوئی ڈائن آ گئی ہے یہاں — بھا۔ بھاگ چلو۔"
اور وہ جھونپڑی کے دروازے کی طرف چلم پھینک کر
بھاگا۔ سردار بھی اب اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ کیوں کہ
اسے ایک ایسی عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی جو اسے
دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بھی لڑکی کو چھوڑ کر جھونپڑی
کے دروازے کی طرف بھاگا مگر وہاں تو اس کی موت ماریا
کی شکل میں کھڑی تھی۔ جونہی وہ دونوں جھونپڑی سے باہر
نکلنے لگے ماریا نے ان دونوں کی گردنیں چوہوں کی طرح دبوچ
لیں اور پھر ان کی کھوپڑیوں کو اتنی زور سے ٹکرایا کہ ایک
دھماکے کی آواز آئی اور دونوں کی کھوپڑیاں دستی بم کی طرح
پھٹ کر بکھر گئیں۔

تیسرا دریا کی طرف بھاگا۔ ماریا زمین سے اچھل کر دو
فٹ اوپر ہو کر اڑتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور
اسے زمین پر سے اٹھا کر پوری طاقت سے اوپر اچھالا۔
ظالم ڈاکو پچاس فٹ ہوا میں اوپر اچھلا اور پھر دریا
کنارے پڑے ہوئے پتھروں پر یوں گرا کہ اس کی ساری
پسلیاں چورا ہو گئیں اور آواز نکالے بغیر جہنم میں پہنچ گیا۔

یہ سارا خونی ڈرامہ وہ لڑکی جھونپڑی میں کھڑی سہمی ہوئی
نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ماریا اس کے قریب آ کر بولی:

"ڈرو نہیں بہن — میں چڑیل نہیں ہوں اور نہ ہی
میں کوئی بدروح ہوں۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں
آکاش سے تمہاری مدد کرنے آئی ہوں تمہارا نام
کیا ہے؟ تم کہاں رہتی ہو؟"

وہ لڑکی بہت ڈری ہوئی تھی۔ لیکن ڈاکوؤں کے ہلاک
ہو جانے سے اسے تھوڑا حوصلہ ہوا تھا۔ کہنے لگی:

"میں — میں شانتی بالا ہوں۔ میرا گاؤں دریا
پار ہے۔"

"چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتی ہوں۔"

ماریا اسے لے کر کشتی میں بیٹھ گئی اور کشتی دوسرے
کنارے کی طرف روانہ ہوئی۔ دریا چڑھاؤ پر تھا لیکن ماریا بڑی
مہارت کے ساتھ کشتی کو دوسرے کنارے پر لے گئی۔ شانتی
کا گاؤں دریا سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہاں اس
کی ماں خاوند اور بچی اس کی جدائی میں آنسو بہا رہی تھیں۔
جب انہوں نے شانتی کو آتے دیکھا تو بھاگ کر اس سے
لپٹ گئے۔ خوشی سے وہ دیوانے ہو رہے تھے۔

"بھگوان کا شکر ہے تم آگئیں شانتی!"

شانتی نے بچی کو سینے سے لگا لیا۔ وہ رو رہی تھی مگر ماں کے سینے سے لگتے ہی وہ خاموش ہو گئی۔ اسے سکون مل گیا۔

مادیا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی اور وہ واپس دریا کی طرف چل دی۔ ساری رات مادیا تیز رفتاری سے چلتی چلی گئی۔ دن چڑھا۔ روشنی چاروں طرف پھیلی تو اس نے دور دریا کنارے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر دیکھے۔ یہ پانڈی چری کا قلعہ تھا جس کے تیسرے تختے کے تہہ خانے میں کیٹی دونوں بہن بھائی کو لیے پریشان بیٹھی تھی۔ اس عرصے میں اس نے کئی بار چٹکی بجا کر شکل تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ چٹکی کا جادو ایک بار پھر خواب ہو چکا تھا اور اسے اپنے آپ ہی ختم ہونا تھا مگر نہ جانے کب؟ اور کہاں؟

دن نکلا تو دیوار کے چھوٹے سے سوراخ میں سے روشنی اندر آئی۔ کیٹی سمجھ گئی کہ صبح ہو گئی ہے۔ اس نے بہن بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ سو رہے تھے۔ مگر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ـــــ وہ لیٹ نہیں سکتے تھے۔ دونوں بہن بھائی پہلے سے بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں

میں ایسے نشان بنے ہوئے تھے جیسے آنسو خشک ہو گئے ہوں۔ سانپوں نے پھن نہیں پھیلائے ہوئے تھے۔ وہ گردنیں ڈالے ہوئے تھے۔ مگر ذرا سی آواز پر چونک کر گردن اٹھا لیتے اور زبان باہر نکالنے لگتے تھے۔

کیٹی نے دونوں بہن بھائیوں کو جگا کر کیلے کھلائے اور پانی پلایا۔ ان کا کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ سانپوں نے ان کی بھوک ہی ختم کر دی تھی۔ وہ بہت تھوڑا سا کھاتے تھے، کیٹی نے کہا۔

"گھبرانا نہیں بچو ـــــ تمہاری مصیبت ختم ہونے والی ہے یہ سانپ اپنے آپ تمہاری گردن سے اتر کر دریا میں غرق ہو جائیں گے۔"

بہن بھائی کے چہرے پر امید کی کرن چمکی اور پھر بجھ گئی انہوں نے اپنے سر جھکا لیے۔ جیسے انہیں یقین نہ ہو کہ کبھی اس مصیبت سے بھی چھٹکارا ملے گا۔

کیٹی کا خیال تھا کہ صبح کے وقت بدروح اور کفن پوش ایک بار پھر ان کی تلاش میں نکلیں گے اور ممکن ہے کہ وہ اس دیوار کے پاس بھی آئیں اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انہیں دیوار پر شک پڑ جائے اور وہ اسے گرا دیں۔ کیوں کہ یہ دیوار پتھر جوڑ کر کیٹی اور ناگ نے کھڑی کی تھی اور اس میں

جگہ جگہ خشک گھاس اور پتے ٹھونس دیئے تھے۔ ذرا غور کرنے پر صاف معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ دیوار اصلی نہیں ہے۔

کیتھی فکر مند تھی۔ کیوں کہ اگر اس وقت بدروح ادھر آ گئی تو وہ ان بچوں کی جان نہیں بچا سکتی تھی۔ کیوں کہ اس کی اپنی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے خود کوئی نقصان پہنچ جائے۔

بدروح گاتیری ساری رات برج میں بیٹھی قلعے کی دیواروں چھتوں اور تختوں کو تکتی رہی کہ وہاں سے کوئی نکل کر تو نہیں جاتا اور کفن پوش سپیرا سانپوں والے بہن بھائی کو تلاش کرتا رہا۔ پانچواں دن شروع ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی زندگیں کے چار دن باقی رہ گئے تھے اور ابھی تک بہن بھائی کا سراغ تک نہیں ملا تھا۔

بدروح گاتیری سخت گھبراہٹ میں تھی۔

یہ اس کی زندگی کی شاید پہلی شکست تھی اور شکست بھی ایسی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ ہونے والی تھی۔ وہ کفن پوش سپیرے کے ساتھ ایک بار مر چکی تھی اور دوسرے جنم میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے کی صرف ایک ہی امید تھی کہ وہ سانپوں والے بہن بھائی کے سر کاٹ کر لائے اور دریا میں کھڑی ہو کر منتروں کا جاپ کرے، لیکن یہ امید

بھی ختم ہو رہی تھی۔ یہ دیا بھی بجھنے ہی والا تھا۔ کیوں کہ ابھی تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

دن کی روشنی ہوئی تو کفن پوش سپیرے نے آ کر ایک بار پھر اسے بتایا کہ وہ سارے قلعے کی چھان بین کر چکا ہے۔ اسے کسی جگہ کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ بدروح نے اسے چیخ کر کہا:

"میرے ساتھ آؤ اور بین بجاؤ۔"

وہ کفن پوش سپیرے کو لے کر ایک بار پھر قلعے کی تلاشی لینے چلی۔ سپیرا بین بجاتا جا رہا تھا۔ بین کی آواز سرخ پتھروں والے حمام میں پہنچی تو لڑکی اور لڑکے کے گلے میں لپٹے ہوئے سانپوں نے پھن اٹھا کر جھومنا اور پھنکارنا شروع کر دیا۔ دونوں بہن بھائی پتھر کے بت بن کر سہم کر بیٹھ گئے۔ ان کا رنگ اور زیادہ زرد ہو گیا۔

سانپ بری طرح پھنکار رہے تھے اور گردنوں کے گرد گھوم رہے تھے۔ مگر دیوار بند ہونے کی وجہ سے ان کی پھنکاروں کی آواز باہر نہیں جا رہی تھی۔

بدروح سپیرے کو ساتھ لیے قلعے میں گردش کر رہی تھی۔

دوسری طرف ماریا بھی قلعے کے قریب آ پہنچی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس قلعے کے اندر کیتھی چھپی ہوئی ہے۔ قلعہ اسے بہت پرانا اور پراسرار لگا۔ وہ اس

کے ٹوٹے ہوئے دروازے کے اونچے محرابی دروازے میں
کھڑی ہو کر دیواروں پر بنے ہوئے بیل بوٹوں کو دیکھنے لگی جو
جگہ جگہ سے اکھڑ چکے تھے۔

ماریا کے کانوں میں بین کی آواز آئی ۔

کوئی سپیرا کہیں بین بجا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا شاید کوئی
سپیرا اس قلعے میں کسی نادر سانپ کی تلاش میں ہے۔ اسے
اپنا سانپ بننے کا زمانہ یاد آگیا اور اس کے بدن میں سنسنی دوڑ
گئی۔ کم بخت کس قدر عذاب والا زمانہ تھا۔ بین کی آواز قریب
آ رہی تھی۔

ماریا سوچنے لگی کہ یہ کون سپیرا ہو سکتا ہے ؟

وہ بین کی آواز پر آگے بڑھی تو دوسرے تختے پر جاکر
کیا دیکھتی ہے کہ ایک سپیرا بین بجاتا آہستہ آہستہ چلا جا
رہا ہے اور اس کے ساتھ ایک بھیانک شکل والی سیاہ
پوش عورت چل رہی ہے جس کی گردن پر ایک کھوپڑی
لٹکی ہوئی ہے۔

ایک دم سے ماریا کے ذہن میں بدروح کا خیال آ
گیا۔ کیوں کہ اس نے ناگ اور کیٹی کی زبانی اس بدروح
کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا کہ وہ ان کی تلاش
میں ہے اور سانپوں والے بہن بھائی کے سر کاٹنا چاہتی

ہے۔ اس کے ساتھ ہی ماریا کو یہ خیال بھی آیا کہ اگر یہ
بدروح کیٹی اور بہن بھائی کو اس قلعے میں تلاش کرتی پھرتی
ہے اور تو ضرور وہ لوگ یہیں کہیں ہوں گے۔

ماریا بدروح کے قریب آ گئی۔ بدروح کو محسوس ہوا کہ
کوئی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ ایک ایسی ہستی
جو اسے دکھائی نہیں دے رہی ــــ وہ رک گئی۔ اس
نے اپنی آنکھ سے چاروں طرف گھوم کر دیکھا اور پھر لمبے
گہرے سانس لیے ــــ بدروح کی آنکھ کا ڈیلا لرزنے لگا۔ اسے
اپنے پاس ہی کسی غیبی ہستی کا احساس ہو گیا تھا۔

ماریا بھی اس کے جذبات کو بھانپ گئی تھی مگر خاموش
تھی۔ وہ ذرا سی آواز نکال کر بھی بدروح کو یہ شبہ نہیں ڈالنا
چاہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ماریا نے بھی اب کیٹی کی تلاش
شروع کر دی تھی۔ وہ تو ہر دیوار اور بند دروازے میں سے
گزر جاتی تھی۔ ماریا کو ایک جگہ سے کیٹی کی خوشبو آئی۔ اندر
کیٹی کو بھی ماریا کی خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ بے تاب ہو کر
اٹھی۔ دوسری طرف سے ماریا فلیٹ کے اندر آ چکی تھی۔

"کیٹی!"

"ماریا؟" کیٹی نے بے اختیار کہا: "خدا کا شکر ہے

"کہ تمہاری آواز سنی ——— ماریا ——— تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہاں کیٹی بہن۔"

پھر ماریا نے کیٹی کو بتایا کہ سانپ کے ڈس دینے سے کس طرح وہ جنگلے کے باہر نکل کر بے ہوش ہو گئی۔ اور اب وہاں سے اٹھ کر آ رہی ہے۔ اس نے ناگ کے بارے میں پوچھا تو اسے یہ معلوم کر کے بے حد افسوس ہوا کہ ناگ گم ہو چکا تھا۔

ماریا بولی:

"مجھے ناگ سے ملنے کی بہت خواہش تھی۔ لیکن افسوس کہ تقدیر نے ایک بار پھر ہم دونوں کو جدا کر دیا۔"

پھر اس نے کیٹی کو یہ بھی بتایا کہ باہر بدروح گاتیری اور کفن پوش سپیرا ان کی ٹوہ لگاتے پھر رہے ہیں۔

کیٹی نے کہا:

"بس مجھے یہی فکر کھائے جا رہا ہے۔ میں باہر بھی نہیں نکل سکتی کہ جا کر کم از کم یہی معلوم کر لوں کہ بدروح کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟"

ماریا نے پوچھا:

"کیا تم چٹکی بجا کر پرندہ نہیں بن سکتیں؟"

کیٹی نے کہا:

"نہ جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے۔ کم بخت ایک بار پھر چٹکی کا جادو ختم ہو گیا ہے چٹکی بجاتی ہوں تو کوئی اثر نہیں ہوتا ایسے لگتا ہے کہ میری چٹکی کی بیٹری ختم ہو گئی ہے۔"

ماریا ہنسنے لگی پھر بولی:

"تم گھبراؤ نہیں کیٹی بہن! میں آ گئی ہوں۔ میں تمہاری اور ان بچوں کی ہر ممکن مدد کروں گی۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں باہر جا کر دیکھتی ہوں کہ بدروح گاتیری اور کفن پوش سپیرا اب کیا نئی چال چلنے والے ہیں۔"

کیٹی نے بھی ماریا کو یہی بتایا تھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اور چار دن تک قلعے میں چھپے رہیں تا کہ پانچویں دن یہ بدروح اور کفن پوش سپیرا اپنی موت آپ مر جائیں۔ بہن بھائی کی گردنوں میں سانپوں کی بری حالت ہو رہی تھی۔ کیوں کہ سپیرا برابر بین بجا رہا تھا۔ ماریا نے انہیں تسلی دی۔ اور باہر نکل آئی۔

ماریا نے باہر آ کر دیکھا کہ بدروح اور سپیرا دوسرے تختے سے نکل کر تیسرے تختے کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

یہ بات خطرناک تھی۔ سپیرا آگے آگے تھا۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ بین بجا رہا تھا۔ اور اس کے گال پھول کر گپا بنے ہوئے تھے جب وہ نقلی دیوار کے پاس آئے تو اچانک بدروح ٹھٹھک کر رُک گئی۔ اس نے انگلی کی ہڈی اٹھا کر کہا:

"مجھے میرے سانپوں کی ہلکی ہلکی بُو آ رہی ہے۔"

بدروح کیٹی کا پیچھا کر رہی تھی

سانپوں کی بُو کیوں آ رہی تھی؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ بہن بھائی کی گردن میں پڑے ہوئے سانپ کفن پوش سپیرے کی بین کی آواز سن کر بے تاب ہو رہے تھے اور بڑے زور زور سے پھنکار رہے تھے اور ان کی پھنکاروں کے ساتھ ان کے سانس کی بُو دیوار کے سوراخ کی درزوں میں سے باہر جا رہی تھی جسے بدروح گاتیری نے بڑی تیزی سے محسوس کر لیا تھا۔

بدروح گاتیری اپنے سانپوں کی بُو لیتی عارضی دیوار کے پاس آ کر رُک گئی۔ اس نے کفن پوش سپیرے کی طرف کھوپڑی موڑ کر کہا:

"ہمارا شکار اس دیوار کے پیچھے ہے۔"

ماریا بھی چوکس ہو گئی۔ کیوں کہ اگر بدروح کا شکار یعنی بہن بھائی اس دیوار کے پیچھے تھے تو وہ خوب جانتی تھی کہ کیٹی بھی وہیں موجود تھی۔ ماریا کو اب کیٹی اور معصوم بہن

بھائی کو اس بدروح کے خونی انتقام سے بچانا تھا۔
اس نے پہلا کام یہ کیا کہ جونہی کفن پوش سپیرا دیوار کی
طرف بڑھا ماریا بجلی ایسی تیزی کے ساتھ دیوار میں سے
گذر کر اندر داخل ہو گئی، اس نے جاتے ہی کیٹی سے کہا،

"بدروح تمہارے دروازے تک آ گئی ہے کیٹی،
میں ان بہن بھائی کو ساتھ لیے جا رہی ہوں۔
تم اسی جگہ رہنا۔ ہرگز باہر نہ نکلنا"

اور ماریا نے دونوں بہن بھائیوں کو گود میں اٹھا لیا۔
وہ دہشت زدہ ہو گئے، کیوں کہ اسے اٹھانے والی نظر
نہیں آ رہی تھی اور جب وہ ماریا کی گود میں آ گئے تو
دونوں ماریا کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ اب وہ اور
زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ وہ نہ اپنے آپ کو دیکھ سکتے
تھے اور نہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

ماریا نے انہیں کہا،

"بچو! گھبراتا نہیں۔ تم میرے ساتھ تھوڑی دیر
کے لیے باہر جا رہے ہو"

بدروح گا تیزی ماریا کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس
کی گود میں اٹھائے ہوئے دونوں بہن بھائی کو بھی نہیں
دیکھ سکتی تھی مگر قریب سے گذرتے ہوئے اسے سانپوں

کی بہت تیز بُو محسوس ہوئی۔ کفن پوش دیوار کو توڑ رہا
تھا۔ وہ رُک گیا۔ سانپوں کی بُو دوسری طرف سے آنے
لگی تھی۔ کیوں کہ ماریا بہن بھائیوں کو لے کر ذرا آگے
جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ تاکہ بدروح سانپوں کی بُو پا کر اس
کے پیچھے پیچھے چلی آئے اور کیٹی ان سے بچ جائے۔
سانپوں کی بُو بدروح کو برابر دوسری طرف سے آ رہی تھی۔
اس نے کفن پوش سے کہا،

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ سانپوں کی بُو اب ادھر سے
آ رہی ہے اور بڑی تیز بُو ہے"

اور وہ ماریا کی طرف بڑھی۔ ماریا بھی آگے آگے چلنے
لگی۔ بدروح کو اب سانپوں کی پھنکار کی آواز بھی سُنے لگی
تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ بدروح کو پہلے ہی کچھ محسوس ہوا تھا
کہ کوئی غیر محسوس طاقت اس پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔
وہ سانپوں کی بُو کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

کفن پوش سپیرے نے کہا،

"عظیم بدروح! یہ بُو کہاں سے آ رہی ہے جبکہ
ہمیں سانپ اور بہن بھائی دکھائی نہیں دے رہے؟"

بدروح نے کہا،

"خاموش رہو بدبخت! میں اسی معمے کو حل کرنا

چاہتی ہوں۔ سانپ ضرور ادھر ہی جا رہے ہیں
اور ہمارا شکار بھی اس طرف ہے۔"
ماریا دونوں بہن بھائی کو گود میں لیے دریا کے اُوپر
آ کر رُک گئی۔ وہ بدروح کو اور قریب آنے کا موقع دینا
چاہتی تھی تا کہ اسے سانپوں کی بُو اچھی طرح سے آتی رہے۔
بدروح نے دریا پر آ کر کہا:
"بُو دریا کی جانب سے آ رہی ہے۔"
سپیرا بولا:
"عظیم بدروح! دال میں ضرور کچھ کالا کالا ہے۔"
بدروح نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر آسمان کی طرح بازو
بلند کیے اور گہری غراہٹ کے ساتھ سانس کھینچی اور کہا:
"یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے میری سمجھ سے بالاتر ہے۔
لیکن میں بُو کے ساتھ جاؤں گی۔ کیوں کہ ادھر ہی
میرا شکار ہے۔ ہماری زندگیوں کی آخری امید ہے۔ چلو
دریا میں اُتر جاؤ۔"
اور وہ دونوں دریا میں اُتر گئے۔
بدروح کے جادو کے اثر سے اس وقت سپیرا اور بدروح
دونوں ہی دریا کی سطح پر چل رہے تھے۔ جب کہ دوسری طرف
ان کے آگے آگے ماریا بھی دریا سے دو فٹ بلند ہو کر چلی

جا رہی تھی۔
دریا کے دوسرے کنارے پر جا کر ماریا نے دیکھا کہ ایک
جگہ گٹر کا گول مین ہول تھا۔ اس مین ہول کے اُوپر لوہے
کا ڈھکنا پڑا تھا جس کو بہت زیادہ زنگ لگا ہوا تھا۔ ماریا
نے سن رکھا تھا کہ بدروح ہر جگہ دیوار میں سے گزر جاتی
ہے مگر زنگ لگے لوہے کے قریب بھی نہیں آ سکتی۔ ماریا
دونوں بچوں کو لے کر مین ہول کے اندر سے گزر کر نیچے
آ گئی۔ نیچے ایک سرنگ تھی جس میں سے شہر اور گاؤں
کا پانی نالے کی شکل میں آگے جا کر دریا میں گر جاتا تھا۔
ماریا نے دونوں بہن بھائی کو سرنگ کے اندر نالے
کے پاس پتھر کی سِل پر بٹھا دیا اور انہیں سمجھایا کہ وہ
گھبرائیں نہیں۔ بدروح ان کے پاس نہیں آ سکے گی۔
"میں کیپٹن کے پاس جا رہی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر
میں واپس آ جاؤں گی۔"
دونوں بھائی بہن یہ سن کر گھبرا سے گئے کہ وہ اکیلے
رہ جائیں گے لیکن ماریا نے کہا:
"میں آکاش سے تمہاری مدد کرنے آئی ہوں مجھے
دیوتا ناگ نے تمہیں بچانے کے لیے بھیجا ہے اس
لیے تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ماریا کو معلوم تھا کہ یہ ہندو بہن بھائی ایں اور دیوتاؤں کا سن کر مطمئن ہو جائیں گے۔ ماریا نے دیکھا کہ ناگ دیوتا اور آکاش کا ذکر سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ ان کی گردنوں کے سانپ اسی طرح غصے میں پھنکاریں مار رہے تھے۔ ماریا نے ایک بار پھر دونوں کو تسلی دی اور گٹر کے مین ہول میں سے باہر نکل آئی۔

اس نے دیکھا کہ بدروح اور کفن پوش سپیرا مین ہول سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے تھے۔

بدروح گاتیری اسے کہہ رہی تھی:

"سانپ اور میرا شکار اس مین ہول کے نیچے ہے
جاؤ اور مین ہول کو توڑ دو۔"

یہ سن کر ماریا وہیں رک گئی۔ یہ اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کفن پوش سپیرے نے اگر مین ہول کا لوہے کا ڈھکن توڑ ڈالا تو کم از کم وہ ضرور اندر چلا جائے گا۔ کیوں کہ زنگ آلود لوہے سے کفن پوش سپیرا نہیں ڈرتا تھا۔ ماریا نے پہلا کام یہ کیا کہ سپیرے کے ہاتھ سے آگے بڑھ کر بین چھین لی اور اسے توڑ ڈالا۔ سپیرا ایک دم سے پرے ہٹ گیا۔ اس نے چلّا کر کہا:

"کوئی بدروح اور بھی یہاں موجود ہے عظیم بدروح!"

بدروح گاتیری کو پہلے ہی شک تھا۔ اب اسے یقین ہوگیا اس نے بازو اٹھا کر کہا:

"کون ہو تم؟ جواب دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ
میں عظیم بدروح ہوں۔"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کفن پوش سپیرے کو ہلاک تو نہیں کر سکتی تھی، کیوں کہ وہ پہلے ہی مرا ہوا تھا وہ اسے بے بس کر دینا چاہتی تھی تاکہ مین ہول کا ڈھکن نہ کھول سکے۔ ماریا نے کفن پوش سپیرے کی گردن کو پکڑ کر ہوا میں پوری طاقت سے اچھالا۔ وہ چیختا چلاتا، واویلا کرتا، ہاتھ پاؤں مارتا نیچے گرا تو اس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں دو ٹکڑے ہوگئیں۔

بدروح اس کے قریب آئی کہ اس کی ہڈیوں کو ہاتھ لگا کر پھر سے جوڑ دے۔ لیکن ماریا اسے گھسیٹ کر مین ہول کے ڈھکن کے اوپر لے گئی۔ یہاں بدروح زنگ آلود لوہے کی وجہ سے نہیں آ سکتی تھی۔ زنگ آلود لوہے کی شعاعیں اسے دور رکھے ہوئے تھیں۔

کفن پوش سپیرا درد سے کراہ رہا تھا۔

"عظیم بدروح! مجھے اس درد سے نجات دلاؤ۔
میں مر کر بھی تکلیف اٹھا رہا ہوں۔"

بدروح نے ہوا میں بازو چلاتے اور چیخ کر کہا؛
'کوئی دوسری بدروح یہ کام کر رہی ہے بدبخت!
میں کیا کروں۔ میں تمہارے پاس نہیں آ سکتی۔ لوہے
کا زنگار میری طاقت کو ختم کر دے گا۔ تم ڈھکن
اٹھانے کی کوشش کرو۔'
کفن پوش سپیرا بولا؛
'آہ! میں درد سے مرا جا رہا ہوں۔ میرے بازو
بھی سن ہو گئے ہیں۔ میں ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا۔'
یہی ماریا چاہتی تھی۔
اب وہ دریا کی سطح پر سے ہوتی ہوئی واپس کیٹی کی
طرف بھاگی۔
کیٹی پریشان بیٹھی تھی۔ اس نے اسے سارا واقعہ سنایا
اور کہا؛
'میرا خیال ہے کہ تم بھی وہیں گڑھ میں آ جاؤ۔'
کیٹی بولی؛
'کاش میری چٹکی کا اثر واپس آ جائے۔'
ماریا نے کہا؛
'تم ایک بار پھر چٹکی بجا کر دیکھو۔ شاید جادو واپس
لوٹ آیا ہو۔'

کیٹی نے اپنے ذہن میں ایک سادھو کا خیال باندھا
اور چٹکی بجا دی۔ یہ دیکھ کر وہ خوشی سے چیخ اٹھی کہ وہ
کیٹی سپیرن سے سادھو بن چکی تھی۔ اس کی چٹکی کا جادو
واپس آ گیا تھا۔
ماریا نے خوش ہو کر کہا؛
'اب تم سادھو بن گئی ہو۔ اور اسی طرح جمن
گائی دریا کی دوسری جانب گڑھ سے تھوڑی دور
کسی جگہ جا کر بیٹھ جاؤ۔ ہمیں تین دن اور انتظار
کرنا ہو گا۔ کیونکہ بدروح اور سپیرے کے ہمیشہ
کے لیے ہلاک ہونے میں ابھی تین دن باقی ہیں۔'
کیٹی کے لمبے بال تھے۔ لمبی داڑھی تھی۔ ہاتھ میں ترشول
تھا اور گلے میں منکوں کی مالا تھی۔ وہ مرد بن گئی تھی،
کہنے لگی؛
'میں تمہارے ساتھ ہوں۔ فکر نہ کرو۔'
اور وہ قلعے کے تہہ خانے سے نکل کر دریا کی طرف
روانہ ہو گئی۔
ماریا نے اسے اپنے کاندھے پر بٹھا کر غائب حالت
میں دریا پار کرایا اور دوسرے کنارے بدروح سے دور
گھاٹ پر ایک درخت کے نیچے اتار دیا۔ کیٹی سادھو کی

شکل میں درخت کے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس
کے بیٹھتے ہی کچھ ماہی گیر ادھر سے گزرے اور وہ درخت
کے نیچے ایک سادھو کو خدا کی عبادت کرتے دیکھ کر اس
کے پاس آئے اور پرنام کر کے بیٹھ گئے۔

ماریا وہاں سے سیدھی واپس گاؤں گئی۔ وہاں ایک گھر
میں داخل ہوئی۔ اس گھر میں ایک ہندو کسان گھڑے میں
سے پانی نکال کر پی رہا تھا۔ ماریا نے باورچی خانے میں
جا کر چاولوں سے بھرا ہوا دیگچہ اٹھایا۔ اس پہ دال ڈالی
اور پھر باہر آ کر پانی سے بھرا ہوا گھڑا بھی اٹھا لیا۔
ہندو کسان نے اپنے آپ گھڑا غائب ہوتے دیکھا تو
بت بن کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ پھر سر ہلا کر بولا:

"نہیں نہیں۔ گھڑا یہاں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو
کیسے غائب ہو سکتا تھا:"

باورچی خانے میں گیا تو چاول کا دیگچہ بھی غائب تھا۔
چکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ماریا چاول اور پانی لے کر گڑھے کے اندر آ گئی۔
اس نے دونوں بہن بھائیوں کو چاول کھلاتے، پانی
پلایا اور کہا:

"تمہاری مصیبت کے صرف تین دن باقی رہ گئے

ہیں اور یہ تین دن تمہیں اسی جگہ گزارنے ہوں گے
گھبرانا نہیں، تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ناگ دیوتا
تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔"

دونوں سانپوں والے بہن بھائی خاموش بیٹھے خلاؤں میں
گھورتے رہے۔ ماریا ان کو اطمینان سے بیٹھنے کی ہدایت
کر کے گڑھے سے باہر آ گئی۔ باہر مین ہول کے ڈھکن کے
اوپر کفن پوش پیرا ایسے پڑا تھا جیسے کوئی ہسپتال کا
مریض ٹوٹی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ پڑا کراہ رہا ہو۔ اس کے
ارد گرد کوئی بیس قدموں کے فاصلے پر بدروح گائتری بے چینی
سے دائرے کی شکل میں چکر لگا رہی تھی۔ مگر وہ زنگ آلود
ڈھکن کی وجہ سے قریب نہیں جا سکتی تھی۔

ماریا گھاٹ پر آ گئی۔

یہاں کیٹی نے سادھو کے بھیس میں اپنا رنگ جما
رکھا تھا۔ ماہی گیر اس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے اور
کیٹی سادھو کے روپ میں ایک ہاتھ اوپر اٹھائے انہیں
اُپدیش دے رہی تھی۔

"ہری اوم! بابا لوگ۔ سب سے بھلائی کرو۔ کسی
کو بُرا نہ کہو۔ بُری بات نہ سنو۔ بُری بات منہ
سے نہ نکالو۔ بڑے آدمی کے پاس نہ بیٹھو

ہری اوم! پربھو شانتی۔"

اسے ماریا کی خوشبو آ گئی تھی۔
ماریا نے اس کے بالکل قریب آ کر کہا:
"سادھو جی مہاراج! کچھ ہمیں بھی نصیحت کر دو۔"
کیپٹن مسکرا کر کہا:
"بابا لوگ! تم گٹر کے اندر نگاہ رکھو۔"
ایک ماہی گیر نے پوچھا:
"سادھو مہاراج! ہم گٹر کے اندر جا کر کیا کریں گے؟"
کیپٹن نے جلدی سے کہا:
"نہیں نہیں۔ میں تمہیں نہیں کہہ رہا تھا بابا لوگ۔
یہ تو آکاش سے ایک جمعدار کی روح ہم سے
ملنے آئی ہے میں اسے کہہ رہا تھا کہ بابا لوگ
گٹر کو صاف رکھا کرو۔"
ماریا نے غصے میں کہا:
"اچھا — اب میں جمعدار ہو گئی۔ کوئی بات نہیں
میں ابھی تمہارے ان چیلوں کی خبر لیتی ہوں۔"
اور ماریا نے دو تین ماہی گیروں کی گردنوں کو دبا
کر انہیں پرے گرا دیا۔ بے چارے ماہی گیر تو ہکے بکے
ہو گئے۔ ڈر کر شور مچاتے بھاگے۔

"ہے بھگوان۔ بھوت آ گیا۔ بھوت۔"
بھوت کا نام سن کر باقی ماہی گیر بھی اٹھ دوڑے۔
کیپٹن ہنسنے لگا:
"تم نے بڑا اچھا کیا ماریا — میں پہلے ہی ان
لوگوں سے بہت بیزار ہو رہی تھی۔ میدان صاف
ہو گیا ہے۔ اب بتاؤ تمہارے محاذ کا کیا حال
ہے؟"
ماریا نے اسے بتایا کہ بدروح گٹر کے اوپر مین ہول
کے اردگرد بے چینی سے چکر لگا رہی ہے۔ جوں جوں
وقت گزر رہا ہے اس کا برا حال ہو رہا ہے اور کفن
پوش پیپرا ہڈیاں تڑوا کر مین ہول کے ڈھکن پر پڑا ہے۔
وقت اسی طرح گزرتا چلا گیا۔
کیپٹن نے سادھو کی شکل میں گھاٹ پر دھونی رما
رکھی تھی اور دونوں بہن بھائی گٹر کے اندر بیٹھے تھے۔ ماریا
ان کو برابر کھانا پانی پہنچا رہی تھی۔ باہر بدروح اور کفن
پوش پیپرے کا بہت برا حال ہو رہا تھا۔ ان دونوں کی
موت اور ہمیشہ کی زندگی کے درمیان صرف دو دن باقی
رہ گئے تھے۔ کفن پوش پیپرے کی ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹی
پڑی تھیں اور ان پر ہزاروں چیونٹیاں چڑھ کر گوشت کو

کھا رہی تھیں۔ وہ جو دو معصوم بہن بھائیوں کے سر کاٹنے آیا تھا اب خود تکلیف سے چلا رہا تھا مگر بدروح اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی اپنی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھ کے سوراخ پر جو مکڑی چمٹی ہوئی تھی اس نے اس کی دوسری آنکھ پر بھی حملے شروع کر دیئے تھے اور جب وہ اپنے درانتی ایسے بازو سے اس کی آنکھ کے ڈھیلے پر حملہ کرتی تو بدروح اپنا ڈھیلا ڈالا ہاتھ اس پر مارتی اور چیخ کر کہتی،

"اے راہو کیتو۔ میری مدد کرو۔"

مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں آ رہا تھا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جس کی رات کو بارہ بجے کے بعد بدروح اور کفن پوش پھیرے نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے شعلوں میں تبدیل ہو جانا تھا۔ یعنی یہ ان دونوں کی زندگی کا آخری دن تھا۔

کیپٹن سادھو بنی اسی طرح دریا کے گھاٹ پر بیٹھی تھی۔ ماہی گیر ڈر کے مارے اس کے قریب نہیں پھٹکتے تھے دور سے ہی اسے پرنام کرتے اور پھل مٹھائیاں زمین پر رکھ کر چلے جاتے تھے۔ ماریا یہ پھل اور مٹھائیاں اٹھا کر گٹھڑی میں لے جاتی اور سانپوں والے بہن بھائی کو کھلا

دیتی۔۔۔ ان بہن بھائی کی گردنوں میں جو سانپ لپٹے ہوئے تھے ان کی حالت بھی پتلی پڑ گئی تھی۔ وہ اب بڑی مشکل سے اپنا سر اوپر اٹھاتے اور ان کی گردنیں بار بار ڈھلک جاتی تھیں۔

ماریا دونوں بہن بھائی کو سانپوں کی حالت دکھا کر کہتی،

"دیکھو۔۔۔ تمہارے دشمن کی طاقت ختم ہو رہی ہے تمہاری مصیبت کا یہ آخری دن ہے۔ کل تم آزاد ہو گے۔"

دونوں بہن بھائی کے چہروں پر بھی اطمینان سا جھلکنے لگا تھا۔ کیوں کہ اس سے پہلے انہوں نے بھی اپنا گردن کے سانپوں کو ایسی کمزور حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ ماریا کیپٹن کو جا کر ایک ایک منٹ کی خبر دے رہی تھی۔

دن گزرتا چلا گیا۔ شام ہو گئی۔

بدروح اب ایک جگہ زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے میں ہول کے ڈھکن کے گرد چکر لگانے بند کر دیئے تھے۔ اس کی کھوپڑی گردن پر آگے پیچھے جھولنے لگی تھی۔ اس کے سوکھے ہوئے بازو ڈھلک گئے تھے۔ اس کی سوراخ والی آنکھ کی سبز مکڑی نے اس کی دوسری آنکھ کے ڈھیلے پر اپنے درانتی والے بازو مار مار کر اسے لہولہان کر دیا تھا۔ بدروح میں اتنی

بھی طاقت نہیں رہی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر مکڑی کو آنکھ پر سے
ہٹا سکتی۔

کفن پوش پیبیرے کے سارے جسم پر چیونٹیاں چڑھ چکی تھیں
اس کے ہاتھوں نے بھی اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا
وہ آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ یہ وہ آدمی تھا جس نے نہ جانے کتنے لوگوں
کو قتل کیا تھا اور اب ایک بار پھر ایک بہن بھائی کی
جوڑی کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر نکلا تھا۔ قدرت اس
کے ظلم کی اسے سزا دے رہی تھی۔

اب کیٹی بھی ماریا کے ساتھ کھاٹ سے اُٹھ کر بدروح
کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ چٹکی بجا کر اپنی اصلی یعنی
چکور آنکھوں والی خلائی لڑکی کی شکل میں واپس آ چکی تھی۔ اس
کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا۔ بدروح کی حالت دیکھی
نہیں جا رہی تھی۔ اس کے بازو اس کے جسم سے الگ ہو
گئے تھے۔ کھوپڑی آدھی ایک طرف کو ڈھلک گئی تھی۔ سبز
مکڑی نے اس کی اکلوتی آنکھ کا ڈیلا پورے کا پورا چٹ کر
لیا تھا اور وہاں سے خون بہہ رہا تھا۔

کیٹی نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں دونوں بچوں کو کٹیا میں سے
نکال کر یہاں لے آنا چاہیے۔"

ماریا نے کہا:

"نہیں۔ وہ بدروح کی حالت دیکھ کر ڈر جائیں گے
اور پھر کوئی پتہ نہیں کہ بدروح کی حالت دیکھ کر
ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے سانپوں پر کیا اثر ہو۔
اس لیے بہتر ہے کہ جب تک آدھی رات نہیں
بیت جاتی اور ان کا انجام سامنے نہیں آ جاتا انہیں
وہیں رہنے دیا جائے۔"

ماریا نے کٹیا میں جا کر دیکھا۔ بہن بھائی خاموش تھے مگر
ان کے چہروں پر مردنی سی تھی۔ کیوں کہ سانپ ان کی
گردنوں میں بے حال ہو کر یوں پڑے تھے جیسے مرنے کے
قریب ہوں۔ اس کے باوجود ماریا انہیں بدروح کے سامنے
لانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

ماریا بہن بھائی کو ایک بار پھر تسلی دے کر باہر آ گئی۔
کیٹی بدروح سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اس کا انجام قریب
آتے دیکھ رہی تھی۔ ماریا بھی اس کے پاس آ گئی۔ ماریا
نے پوچھا:

"رات کا کیا بجا ہو گا؟"

کیٹی نے آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی طرف
دیکھ کر کہا:

"آدھی رات ہونے ہی والی ہے۔"

اس وقت آدھی رات ہونے میں دس منٹ باقی تھے
کفن پوش پیپرے کا سارا جسم چیونٹیوں سے بھر گیا تھا۔
اس کا جسم کسی قسم کی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ بدروح گاتیری
کی کھوپڑی اس کی گردن سے ڈھلک کر نیچے گر پڑی۔
کھوپڑی کی سبز مکڑی ابھی تک زخمی آنکھ کا خون چوس رہی
تھی۔ اندھیرے میں ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی جھلک رہی
تھی۔ بدروح کا جسم بغیر کھوپڑی کے زمین پر یوں بیٹھا تھا جیسے
پتھر کا بت ہو۔ اس کے دونوں بازو پہلے ہی جھڑ کر زمین
پر پڑے تھے۔

اور جب ٹھیک رات کے بارہ بج کر ایک منٹ
ہوا یعنی سات دنوں کی مہلت گزر گئی تو فضا میں ایک
چیخ بلند ہوئی۔ یہ چیخ بدروح کی کٹی ہوئی گردن میں سے
نکلی تھی اس کے ساتھ خون بھی باہر کو اُبل آیا تھا۔

پھر آسمان سے بجلی کا ایک کوندا لپکا۔ اور دونوں
پر باری باری گرا اور کفن پوش پیپرے اور بدروح گاتیری
کے جسموں میں آگ لگ گئی۔ دونوں جسموں میں سے
چیخوں کی آواز بلند ہونے لگی۔ ان کے جسم نیلی اور سرخ آگ
میں سوکھی لکڑیوں کی طرح جل رہے تھے۔

ماریا بھاگ کر نیچے گئی۔ بہن بھائی کی گردنوں پر پڑے
ہوئے سانپ اُتر کر بڑی مشکل سے رینگ رہے تھے۔
پھر ان کے جسموں میں بھی آگ بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی
دیکھتے وہ بھی جل کر بھسم ہو گئے۔

ماریا نے بہن بھائی سے کہا:

"اب تمہیں خوش ہو جانا چاہیے۔ تمہاری مصیبت
کٹ گئی۔"

بہن بھائی بار بار اپنی گردنوں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔
پھر وہ ایک دم سے دونوں ہی بے ہوش ہو گئے۔ ماریا
انہیں گڑھے میں سے نکال کر باہر لے آئی۔ اور جب انہیں
زمین پر لٹایا تو کیپٹن کو وہ دفن دیئے۔

"انہیں کیا ہو گیا ماریا بہن؟ کیا سانپ مر گئے؟"

ماریا نے کہا:

"ہاں — سانپ جل کر بھسم ہو گئے ہیں۔ مگر یہ
اس خیال سے بے ہوش ہو گئے ہیں کہ اتنی
دیر تک ان کی گردنوں میں سانپ لپٹے رہے تھے۔"

کیپٹن نے کہا:

"خدا کا شکر ہے یہ خونی طلسم ختم ہوا!"

بدروح اور کفن پوش پیپرے کا راکھ آدھی رات کی

ماریا بھی آہستہ آہستہ اٹھ کر دریا کی طرف جا رہی تھی۔
کیتھی نے کہا:
"یہ بدروحیں تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں چلی گئیں۔ اب ان بچوں کو ان کے ماں باپ کے پاس چھوڑ آنا چاہیے۔"
"بڑا اچھا خیال ہے۔" ماریا نے کہا۔
اور وہ دونوں بچوں کو لے کر ان کے ماں باپ کے گاؤں روانہ ہو گئیں۔ انہوں نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ اندھیرے والے گاؤں میں پہنچتے پہنچتے انہیں پو پھٹنے کا وقت ہو گیا۔
سانپوں والے بہن بھائی کے جھونپڑے میں دیا جل رہا تھا اور ان کے ماں باپ اپنے بچوں کے لیے صبح صبح اٹھ کر خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ دونوں بچوں کے سر سے اگرچہ مصیبت اتر گئی تھی لیکن ان کی زبانیں ابھی تک بند تھیں۔ انہیں ہوش آ چکا تھا۔ اس کے باوجود وہ سہمے ہوئے سے تھے۔ اس خیال سے کہ کہیں سانپ ایک بار پھر ان کی گردنوں سے آ کر چمٹ جائیں۔ کیتھی اور ماریا ان کے جھونپڑے کے باہر جا کر رک گئیں۔

ماریا تو کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کیتھی نے دونوں بچوں سے کہا:
"جاؤ اپنے ماں باپ کے پاس۔"
بچے جھونپڑی کی طرف بھاگے۔ کیتھی اور ماریا پہلی بار ان دونوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ جونہی وہ جھونپڑے میں داخل ہوئے ان کے ماں باپ انہیں دیکھ کر پہلے تو حیران رہ گئے۔ پھر ایسی بات ہوئی کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ ان دونوں بہن بھائیوں کی سانپوں کی دہشت کی وجہ سے زبانیں بند ہو گئی تھیں لیکن اپنے ماں باپ کو سامنے دیکھ کر وہ بے اختیار پکار اٹھے۔
"ماتا جی ـــ پتا جی۔"
اور پھر ماں باپ نے دوڑ کر انہیں سینے سے لگا لیا اور خوشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کے جگر کے ٹکڑے انہیں مل گئے تھے۔ وہ انہیں چوم چوم کر نہیں تھک رہے تھے۔ اب انہیں پتہ نہیں تھا کہ ان کے بچوں کو لے کر کون آیا ہے۔ وہ جھونپڑے سے باہر آئے تو سامنے کیتھی کھڑی تھی۔ ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے اور کیتھی کو انہوں نے صرف پیپرن کی شکل میں دیکھا تھا۔ ان کے سامنے اب ایک سنہری بالوں

والی جوان لڑکی کھڑی تھی جس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ
چڑھا رکھا تھا۔

کیپٹن نے خود آگے بڑھ کر کہا :

"معاف کیجئے گا۔ ایک پیبرن ان بچوں کو دے
گئی تھی کہ انہیں آپ کے جھونپڑے تک
پہنچا دوں "

اتنے میں دونوں بہن بھائی باہر آ گئے۔

بہن نے کہا :

"پتا جی ! یہی وہ نیک دل پیبرن ہے جس نے
ہمیں سانپوں والی چڑیل سے بچایا ہے "

اس کا بھائی بولا :

"پتا جی ! ان کے ساتھ ایک آکاش کی دیوی بھی
ہے وہ نظر نہیں آتی پتا جی ! "

ماں باپ حیران پریشان کبھی اپنے بچوں کو اور کبھی
کیپٹن کو تک رہے تھے۔

ماریا نے آہستہ سے کہا :

"کیپٹن ! اب یہاں سے چلے چلو "

ہاں ــــ کیپٹن نے سوچا کہ اب وہاں سے نکل جانا
ہی بہتر تھا۔ کیوں کہ خواہ مخواہ ان کے کئی راز کھل رہے تھے

بہن نے آگے بڑھ کر بچوں کو پیار کیا۔ بچوں نے بھی
کیپٹن کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کیپٹن خدا حافظ کہہ کر ماریا
کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

ماریا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

کیپٹن نے کہا :

" اگر اس وقت ناگ بھیا یہاں ہوتا تو اسے
یہ دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی کہ ہم نے دونوں بہن
بھائی کو ان کے ماں باپ کے پاس خیریت
سے پہنچا دیا ہے "

ماریا نے کہا :

"کیپٹن ! مجھے ذرا چل کر وہ باؤلی تو دکھاؤ جہاں
تمہارے خیال میں ناگ غائب ہو گیا تھا "

"چلو ــــ چل کر دکھاتی ہوں "

صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی جب وہ
دونوں پانڈی چری کے پرانے قلعے کے پاس کیلے کے
درختوں کے جھنڈ میں پانی کی باؤلی پہ پہنچ گئیں۔ یہی
وہ مقام تھا جہاں ناگ کا پاؤں پانی بھرتے ہوئے پاؤں
پھسلا تھا اور وہ باؤلی میں گر کر زمین کے اندر شہزادی
سلومی کے انوکھے، حیرت انگیز اور پُراسرار شاہی محل

میں پہنچ گیا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ باؤلی کے کنارے کیلے کے پتوں کا بنایا ہوا وہ دونا ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا جس میں ناگ نے پانی بھرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ دونا اب خشک ہو گیا تھا۔ دیر تک دونوں کیبٹی اور ماریا وہاں بیٹھی غور کرتی رہیں کہ ناگ وہاں سے کہاں گم ہو گیا؟ وہ کدھر گیا ہو گا؟ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہو گا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ وہاں سے پاکستان کے شہر لاہور چلا جائے کیوں کہ ہو سکتا ہے لاہور میں ماڈل ٹاؤن میں رہنے والے سٹوڈنٹ امجد کو ناگ کے بارے میں کچھ خبر ہو۔ یا ناگ کسی اچانک اتفاق کے ساتھ اس کے پاس لاہور پہنچ گیا ہو۔ یہ ۱۹۸۳ء کا ماڈرن زمانہ تھا اور کیبٹی ماریا بھارت کے شہر مدراس کے قریب تھیں۔ وہاں سے مدراس شہر کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ وہاں سے ریل گاڑی پکڑ کر دلی اور پھر پنجاب کے اور بھارت کے آخری سرحدی شہر امرتسر پہنچیں اور وہاں سے سرحد عبور کر کے لاہور پہنچ جائیں۔

عنبر اور لاہور کی لڑکی شیبا

کیبٹی اور ماریا بھارت کے شہر مدراس کے ریلوے سٹیشن پر بیٹھی دلی جانے والی ریل گاڑی کا انتظار کر رہی تھیں۔

دوستو! ہم ان دونوں کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں اور ذرا عنبر کی چل کر خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ ناگ کا تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ باؤلی میں پانی پینے کے لیے جھکا تھا کہ پاؤں پھسلا اور باؤلی میں گر پڑا۔ پھر وہ شہزادی سلومی کے محل میں نکل آیا۔ جہاں شہزادی سلومی نے اس کی ساری کھوئی ہوئی طاقت واپس کر دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چاہے وہ کیسا ہی روپ بدل لے وہ اس محل سے کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ شہزادی سلومی اس کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنی زیر زمین دنیا کے محل میں بادشاہ بنا کر اور خود اس کی ملکہ بن کر رہنے کی تیاری کر رہی ہے۔

اتنی دیر میں ہم عنبر کی طرف چلتے ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ہم نے عنبر کو آج سے تین ہزار سال

پہلے کے ملک شام کے شہر دمشق کے آس پاس چھوڑا
تھا جب کہ وہ گھوڑے پر سوار ناگ، کیپٹن اور ماریا کی
تلاش میں پھر رہا تھا۔

عنبر نے دور سے شہر کے مکانات اور فصیل دیکھی اور
اس کی طرف بڑھا۔

پیارے دوستو! آج سے تین ہزار برس پہلے ملک
شام کا یہ شہر دمشق ویسے تو اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا مگر
وہاں کے کاہن ستاروں اور جادو کے علم میں بڑے
پکے، کہتے ہیں کہ اس شہر میں کاشانی نام کا ایک بوڑھا
کاہن رہا کرتا تھا۔ یہ کاہن شہر کے بیچ میں ایک مینار
بنا کر اس کے اوپر رہتا تھا اور لوگوں میں مشہور تھا کہ
اس کے پاس ایک بہت بڑی ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب
ہے جس پر تین ہزار سال بعد کے آنے والے واقعات درج
ہیں اور اس کتاب کے ہر صفحے پر اس نے اپنے خونی
ہاتھ کا نشان بنایا ہوا ہے۔

عنبر گھوڑے پر سوار شہر میں داخل ہو گیا۔

اسے یہاں ناگ اور ماریا سے ملنے کی کوئی توقع نہ
تھی لیکن ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ کہیں نہ کہیں اچانک
بچھڑ جاتے تھے اور پھر حالات اور واقعات کے دھارے

پر بہتے بہتے ایک بار پھر کہیں اچانک مل جاتے تھے۔
تیسرے پہر کا سورج شہر کی دیوار کے پیچھے چھپ رہا تھا۔
موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ گرمی کم ہو گئی تھی۔ شہر کے مندروں اور
عبادت خانوں کے سنہری کلس سورج کی غروب ہوتی سنہری کرنوں
میں چمک رہے تھے۔

عنبر کی نگاہ شہر کے وسط میں ایک اونچے مینار پر پڑی
جس کا کلس چاندی کا تھا اور تلوار کی طرح چمک رہا تھا۔ عنبر
نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ مینار کیا ہے؟ اس نے وہی
کچھ عنبر کو بتایا جو اس سے پہلے ہم آپ کو بتا چکے ہیں
کہ وہاں کاشانی نام کا ایک بوڑھا راہب رہتا ہے جس کے
پاس ایسی کتاب ہے جس میں آنے والے تین ہزار سال کے
واقعات درج ہیں۔ عنبر کو یہ بات بڑی ہی دلچسپ لگی۔

وہ مینار کی طرف بڑھا۔

مینار کے نیچے دو آدمی پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر نے کہا:

"میں کاہن اعظم کاشانی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ تمہیں کاہن اعظم
سے کیا کام ہے؟"

عنبر نے کہا:

"تم کاہن اعظم سے جا کر میرا پیغام دو کہ انہیں
ایک ایسا شخص ملنے آیا ہے جو دو ہزار سال سے
بابل مصر اور یونان کی سرزمین میں سفر کر رہا ہے۔"
عنبر کی یہ بات سن کر دونوں پہرے دار ہنسنے لگے۔ وہ عنبر
کو پاگل سمجھنے لگے اور کہا کہ جاؤ اپنا راستہ پکڑو۔ یہ جگہ پاگلوں
کے لیے نہیں ہے۔

عنبر نے کہا کہ میں پاگل نہیں ہوں،
"تم ایک بار میرا پیغام تو پہنچا دو۔ اگر وہ نہیں لیں
گے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

ایک پہرے دار نے بُرا سا منہ بنا کر دوسرے پہرے دار
سے کہا:
"جاؤ بھائی کاہن اعظم کو اس پاگل کا پیغام پہنچا دو۔"
دوسرا کہنے لگا:
"میں کیوں جاؤں۔ اگر تمہیں اس پاگل کا زیادہ ہی
خیال ہے تو تم کیوں نہیں چلے جاتے۔"
"اچھا بھائی میں ہی چلا جاتا ہوں۔"
عنبر نے دیکھا کہ وہ آدمی ایک پالکی میں سوار ہو گیا جو
رسی کے ذریعے ایک لفٹ کی طرح اوپر کو چلی جاتی تھی۔
وہ پیغام لے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور بولا:

"جلدی چلو۔ کاہن اعظم نے تمہیں بلایا ہے۔"
عنبر نے بڑی شان سے گردن اٹھا کر دونوں کی طرف
دیکھا اور کہا:
"اب بتاؤ پاگل تم ہو کہ میں؟"
اور وہ پالکی میں بیٹھ گیا۔ پہرے دار نے رسی ہلائی اور
پالکی ایک لفٹ کی طرح مینار کے اندر ہی اندر اوپر
چڑھنے لگی۔

یہ پالکی نما لفٹ مینار کی سب سے اوپر والی منزل
پر پہنچ کر رک گئی۔ یہاں ایک سفید بالوں اور لمبی سفید
ڈاڑھی والے بزرگ کاہن نے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ
عنبر کو اپنی کوٹھڑی میں لے گیا۔ یہ کاہن اعظم کا شانی تھا۔
کوٹھڑی میں قالین کا فرش بچھا تھا۔ گاؤ تکیے لگے تھے۔
ایک الماری میں ہاتھ سے لکھے ہوئے کاغذوں کے
گول گول رول پڑے تھے۔ کونے میں ایک گول تپائی تھی
جس پر ستاروں کا ایک چارٹ پڑا تھا۔ اس کے پاس ہی
ایک انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔ کاہن اعظم [illegible] عنبر کے
چہرے کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے عنبر
کو اپنے پاس قالین پر بٹھایا اور نوکر نے اسے شربت پیش
کیا۔ عنبر شربت پینے لگا۔ کاہن اعظم اب بھی اسے غور

سے تک رہا تھا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"کاہن اعظم شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا کہ میں دو ہزار سال بلکہ پانچ ہزار سے بھی زیادہ سالوں سے سفر میں ہوں۔ اسی لیے آپ مجھے غور سے دیکھ رہے ہیں۔"

کاہن اعظم نے کہا:

"نہیں۔ معاملہ اُلٹ ہے۔ میں اس لیے تمہیں غور سے دیکھ رہا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ انسان اگر چاہے تو ہزاروں سال پیچھے اور ہزاروں برس آگے جا کر سفر کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔"

عنبر نے پوچھا:

"آپ کو کیسے یقین آگیا کہ میں [illegible] ہزار برس سے زندہ ہوں اور سفر کر رہا ہوں۔"

بوڑھا کاہن مسکرایا اور بولا:

"تمہارا نام کیا ہے بیٹے؟"

"عنبر۔"

"ہوں ۔۔۔ اچھا نام ہے۔ یہ ہزاروں برس زندہ رہنے

والا نام ہے۔"

پھر اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ بوڑھا کاہن اسے وہ پُراسرار کتاب دکھانے لگا ہے جس میں آنے والے دو ہزار برس کے واقعات درج ہیں۔

بوڑھا کاہن عنبر کو ساتھ لے کر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں لے گیا جس کی چھت بہت نیچی تھی اور عنبر کے سر سے صرف ایک بالشت اونچی تھی۔ یہاں فرش پر ایک چوکی بچھی تھی جس پر ایک بہت بڑی کتاب پڑی تھی۔ کتاب کے سرہانے ایک موم بتی جل رہی تھی۔ کتاب کے اوپر ہاتھ کا ایک سرخ نشان تھا۔ کاہن نے کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اس کتاب کو دیکھتے ہو؟"

"ہاں کاہن اعظم!"

"اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تم یہاں سے آگے کہاں جاؤ گے؟"

عنبر کاہن اعظم کا منہ تکنے لگا۔ اسے یہ تو علم ہو چکا تھا۔

کہ اس کتاب میں آنے والے دو ہزار سالوں کے واقعات درج ہیں لیکن عنبر اس کے بعد آگے کہاں جائے گا؟ یہ اسے کیوں کر معلوم ہو گیا۔؟

عنبر نے پوچھا:

"کاہن اعظم! کیا آپ غیب کا علم بھی جانتے ہیں!"

کاہن نے کہا:

"بیٹا! یہ میرا علم ہے۔ غیب کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔"

عنبر نے کہا:

"کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ میں اس کے بعد کہاں جاؤں گا؟"

"ہاں — کیوں نہیں؟"

اور بوڑھے کاہن نے کتاب کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھولا اور پھر ایک ایک کر کے اس کے ورق الٹنے لگا ورق کافی لمبے چوڑے تھے اور ہر ورق پر انسانی ہاتھ کا سرخ نشان تھا اور کئی نقشے اور زائچے بنے ہوئے تھے اور پرانی مصری زبان میں ستاروں کے فاصلے اور ان کی گردش کا حال لکھا تھا۔

بوڑھے کاہن نے ایک ورق کھول کر سامنے رکھ دیا۔

اس ورق پر زائچے اور ستاروں کی شکلیں بنائی گئی تھیں۔ کتنی ہی لکیریں ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ بوڑھے کاہن نے ایک جگہ پر انگلی رکھ کر کہا:

"اس وقت تم دنیا کے اس مقام پر ہو اور اس کے بعد یہاں جاؤ گے۔"

دوسری جگہ جہاں بوڑھے کاہن نے انگلی رکھی وہاں ایک چوکور نشان بنا ہوا تھا۔ اس کے آگے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا گول دائرہ بنا تھا۔

کاہن نے عنبر کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا:

"اور تھوڑی دیر بعد تم اس جگہ چلے جاؤ گے۔"

عنبر کو کچھ تعجب ہوا کہ وہ گول دائرے میں کیسے چلا جائے گا۔ وہ کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ بوڑھا کاہن بولا:

"یہ گول دائرہ ایک اندھا کنواں ہے۔"

عنبر نے کہا:

"تو کیا میں تھوڑی دیر بعد اس کنوئیں میں گر پڑوں گا؟"

کاہن بولا:

"نہیں — تم اس کنوئیں میں نہیں گرو گے۔ بلکہ تم اس کنوئیں کے قریب ایک جنگل میں جاؤ گے جہاں تمہاری ملاقات آج سے ایک ہزار سال بعد

کے ایک نیک اور پاک دل انسان گورکھ ناتھ
سے ہو گی۔"

عنبر نے کہا:

"میں یہاں کس طرح پہنچوں گا؟"

کاہن نے عنبر کی انگلی میں پڑی ہوئی یاقوت کی انگوٹھی
کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تمہیں یہ انگوٹھی وہاں لے جائے گی۔"

اب عنبر سمجھ گیا کہ یہ شخص بڑی زبردست خفیہ طاقت
رکھتا ہے۔ اس نے کہا:

"اے عظیم کاہن! کیا وہاں میری ملاقات ناگ کیٹی
اور ماریا سے ہو سکے گی؟"

کاہن نے کہا:

"یہ تمہیں وہاں جا کر معلوم ہو گا۔ اب تم اپنی انگوٹھی
کو دوسرے ہاتھ سے رگڑو۔"

عنبر نے انگوٹھی کو رگڑا تو اس نے ایک جنگل دیکھا جس
کے درختوں کے درمیان ایک راستہ چلا جا رہا تھا۔

بوڑھے کاہن نے کہا:

"تم اس پگ ڈنڈی پر اترو گے یہاں سے تمہارا
اگلا سفر شروع ہو گا۔"

اور عنبر کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونا شروع ہو گئیں۔
پھر ایک جھٹکے کے ساتھ جیسے ہوا میں اچھل گیا اور
اوپر ہی اوپر جاتے ہوئے کچھ دیر بعد نیچے اترنا شروع
ہو گیا۔ اس کے پاؤں زمین کے ساتھ لگ گئے۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ اسی جنگل میں اسی
پگ ڈنڈی پر کھڑا تھا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ درختوں پر پرندے بول رہے
تھے۔ ہوا میں گلاب اور موتیے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
عنبر کا دل بہت خوش ہو گیا۔ اس قسم کی خوشگوار فضا
اس نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ وہ پگ ڈنڈی پر آگے بڑھا
تو ایک سادھو کو دیکھا کہ گیروے کپڑے پہنے جھاڑیوں میں
سے کوئی بوٹی توڑ رہا تھا۔

عنبر کو دیکھ کر بولا:

"بھائی! کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر کیا جواب دیتا۔ اس نے الٹا سوال کر دیا:

"بھائی! یہ کون سی جگہ ہے؟"

سادھو نے کہا:

"تم اس وقت شہر سکالا کے قریب ایک جنگل
میں ہو اور میں گورو گورکھ ناتھ کے لیے جڑی بوٹیاں

توڑ رہا ہوں۔"

عنبر کو یاد آ گیا کہ بوڑھے کاہن نے اسے کہا تھا کہ اس کی ملاقات گورو گورکھ ناتھ سے ہوگی۔ اس نے کہا،

"مجھے گورو گورکھ ناتھ کے پاس لے چلو گے؟"

"کیوں نہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

جنگل کے درمیان ایک جگہ دو چار جھونپڑے پڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک صاف ستھری جگہ پر ایک سادھو گیروے کپڑے پہنے۔ ماتھے پر تلک لگائے۔ آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ کچھ دوسرے سادھو ادر گرد خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے۔ عنبر بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہاں خاموشی چھائی تھی۔ شاید وہ سب لوگ خاموشی سے خدا کی عبادت کر رہے تھے۔

اتنے میں ایک سادھو نے آ کر کہا،

"مہاراج! کنوئیں میں ایک آدمی مدد کے لیے پکار رہا ہے۔"

گورو گورکھ ناتھ نے آنکھیں بند کیے کیے کہا،

"رسی پھینک کر اسے باہر کیوں نہیں نکالتے؟"

سادھو بولا:

"مہاراج! وہ آدمی کہتا ہے کہ میرے ہاتھ دشمنوں

نے کاٹ ڈالے ہیں۔ میں رسی نہیں پکڑ سکتا۔"

گورو گورکھ ناتھ نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھا۔ سب سادھو ادب سے پرے پرے ہٹ کر کھڑے ہوگئے گورو گورکھ ناتھ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"بیٹا عنبر! تم میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر کو حیرانی ہوئی کہ اسے اس کا نام کیسے معلوم ہوگیا مگر وہ خاموشی سے گورو گورکھ ناتھ کے ساتھ کنوئیں کی طرف چلا۔ راستے میں گورو گورکھ ناتھ نے عنبر سے کوئی بات نہ کی۔ وہ دونوں ایک اندھے کنوئیں پر پہنچ کر رک گئے۔ یہ وہی کنواں تھا جس کو عنبر نے بوڑھے کاہن کی کتاب میں دیکھا تھا۔

گورکھ ناتھ نے کنوئیں میں جھانک کر کہا،

"بچہ! میں رسی پھینکتا ہوں۔ اسے پکڑ کر اوپر آ جاؤ۔"

کنوئیں میں سے ایک آدمی کی آواز آئی:

"مہاراج! میرے ہاتھ کاٹ دیئے گئے ہیں۔ میرا نام شہزادہ پورن ہے۔ میں سکالا کے راجہ کا بیٹا ہوں۔ میری سوتیلی ماں نے مجھ پر ایک گھناؤنا الزام لگایا۔ میرے باپ نے اس کی باتوں میں آ کر میرے ہاتھ کٹوا کر اس کنوئیں میں پھنکوا دیا۔"

گورو گورکھ ناتھ نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر عنبر نے دیکھا کہ جنگل کے درختوں کے اوپر سے دو کٹے ہوئے انسانی ہاتھ اڑتے چلے آ رہے ہیں۔ دونوں ہاتھ کلائیوں تک کٹے ہوئے تھے۔ یہ ہاتھ شہزادہ پورن کے تھے اور جلاد نے کاٹ کر جنگل میں پھینک دیئے تھے۔ گورو گورکھ ناتھ کی کرامت سے دونوں ہاتھ جنگل میں سے اڑتے ہوئے آئے اور کنوئیں کے اندر غوطہ لگا کر داخل ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد کنوئیں کے اندر سے شہزادہ پورن نے آواز دی:

"مہاراج! میرے ہاتھ مجھے واپس مل گئے ہیں۔"

گورو گورکھ ناتھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا:

"بچہ پورن! اب رسی کو پکڑ کر باہر نکل آ۔"

گورو گورکھ ناتھ نے اپنی کمر کے گرد بندھی ہوئی رسی اتار کر کنوئیں میں پھینکی اور شہزادہ پورن باہر نکل آیا۔ گورکھ ناتھ اسے اپنے ساتھ جھونپڑی میں لے آیا۔ اور اسے اپنا چیلا بنا لیا۔ عنبر کی طرف دیکھ کر گورکھ ناتھ بولا:

"بیٹا عنبر! میں جانتا ہوں کہ تم مسلمان ہو اور مسلمان کو کسی کا مرید یا چیلا بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ

مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب قرآن ہی کافی ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم جس مقصد کو لے کر یہاں آئے ہو اسے پورا کر دو۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! آپ تو سب کچھ جانتے ہیں میں آپ سے کیا عرض کروں"

گورکھ ناتھ نے ...

"میرے ساتھ آؤ۔"

اور گورو گورکھ ناتھ عنبر کو واپس اسی اندھے کنوئیں پر لے گیا اور بولا:

"تم اس وقت جس شہر میں ہو اس کا نام سکالا کوٹ ہے کیوں کہ اس پر سکالا نام کا راجہ حکومت کرتا ہے۔ آج سے دو ہزار سال بعد اس شہر کا نام سیالکوٹ ہوگا اور یہ جس ملک میں ہوگا اس کا نام پاکستان ہوگا۔ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تمہارا اس وقت کے شہر سیالکوٹ جانا ضروری ہے اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔"

عنبر بولا:

"مہاراج! کیا میری ملاقات ناگ ماریا..."
گورو گورکھ ناتھ نے بات کاٹ کر کہا:
"ہر بات اپنے وقت پر ہو گی۔ کیا تم چھلانگ لگانے کو تیار ہو؟"
"بالکل تیار ہوں مہاراج۔"
"تو اپنی زبان میں بسم اللہ کرو۔"

اور عنبر نے گورکھ ناتھ کی خوب صورت آنکھوں کو آخری مرتبہ دیکھا اور کنوئیں میں کود گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اندھیرے میں گرتا چلا گیا۔ اندھیرا اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ اس کے پاؤں زمین سے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں نیچے ہی نیچے گرتا جا رہا تھا۔

پھر اسے ہلکی ہلکی روشنی کی کرنیں نظر آنے لگیں۔ اچانک وہ ایک جگہ زمین پر اتر گیا۔ پہلے تو اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اب جو اس نے آنکھیں جھپکائیں تو اسے ہر شے صاف صاف نظر آنے لگی۔ وہ سیالکوٹ کے ریلوے سٹیشن کے ایک خالی بنچ پر پلیٹ فارم پر بیٹھا تھا۔ مسافر اپنے اپنے سامان کے ساتھ ٹرین میں سوار ہو رہے تھے۔ دن کا وقت تھا۔ ٹرین پر لاہور لکھا تھا۔

عنبر کو ایک دم لاہور کا گارڈن ٹاؤن اور اپنا دوست

سٹوڈنٹ امجد یاد آ گیا۔ اس نے سوچا کہ لاہور چل کر امجد سے ملاقات کی جائے۔ شاید اس سے ناگ اور ماریا کا کچھ سراغ مل سکے۔ کیوں کہ کبھی کبھی یہ چاروں صدیوں کے مسافر وہاں سے گزرتے ہوئے امجد سے ملاقات کر لیا کرتے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ اس کا لباس بھی پاکستان کے ۱۹۸۳ء کے زمانے کا لباس تھا: یعنی شلوار قمیض اور واسکٹ۔
عنبر نے واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب میں کچھ پاکستانی روپے پڑے تھے۔ اس نے باہر جا کر لاہور ٹکٹ لیا اور ٹرین میں سوار ہو کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔

لاہور پہنچ کر وہ سیدھا امجد کی کوٹھی گارڈن ٹاؤن پہنچا وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ امجد کہ مری گیا ہوا ہے اور ایک ہفتے کے بعد آئے گا۔ عنبر گارڈن ٹاؤن سے واپس شہر میں آ گیا۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک جگہ اس نے پنجاب پبلک لائبریری کا بورڈ لگا ہوا دیکھا۔ اس نے سوچا کہ چلو کچھ دیر کتابیں رسالے ہی دیکھتے ہیں۔

وہ لائبریری میں داخل ہو گیا۔ ایک لڑکی جس نے سنہرے

فریم والی عینک لگا رکھی تھی کاؤنٹر پر کھڑی لائبریرین سے مصر کی پرانی تاریخ کی ایک کتاب طلب کر رہی تھی۔ عنبر بھی اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی مصر کی پرانی تاریخ کی کتاب لے کر چلی گئی۔ عنبر نے بھی ایک کتاب لی اور لائبریری کے ہال میں آ گیا۔

وہ لڑکی پرانے مصر کی تاریخ کی کتاب بڑی توجہ سے پڑھ رہی تھی۔ عنبر اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور بولا:

"معاف کیجئے گا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو قدیم مصر کی تاریخ سے بہت دلچسپی ہے۔"

لڑکی نے عنبر کی طرف دیکھا اور ناراضگی سے کہا:

"آپ کو اس سے کیا؟ آپ اپنا کام کریں۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ بڑی بددماغ لڑکی ہے۔ مگر چپکا ہو رہا اور دوسری میز پر بیٹھ کر کتاب پڑھنی شروع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی اٹھ کر باہر چلی گئی۔ عنبر نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کتاب پڑھنے میں مشغول رہا۔ اچانک باہر سے شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ اٹھ کر باہر گئے۔ ایک عورت کے چیخنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ عنبر بھی جلدی سے باہر آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ

چار ہٹے کٹے غنڈوں نے اسی سنہری فریم والی عورت کو دبوچ رکھا ہے اور اسے پستول دکھا کر زبردستی کار میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لڑکی لوگوں کو مدد کے لیے پکار رہی ہے مگر پستول والے غنڈوں سے ڈر کے مارے کوئی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کر رہا۔ بلکہ الٹے دور دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔

عنبر یہ سب کچھ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔

وہ چھلانگ لگا کر غنڈوں کے درمیان پہنچ گیا اور ایک غنڈے کو زور سے مکا مارا۔ وہ غنڈہ چھ قلابازیاں کھا کر سڑک کے کنارے نالے میں ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اس کا جبڑا ٹوٹ کر لٹک گیا تھا اور وہ خود بے ہوش ہو چکا تھا۔ عنبر نے لڑکی کو پکڑ کر ایک طرف تو دوسرے غنڈوں نے عنبر پر حملہ کر دیا۔ جس غنڈے کے پاس پستول تھا اس نے عنبر کی چھاتی کا نشانہ بنا کر پستول کی گولی چلا دی۔ گولی عنبر کے سینے میں واسکٹ کے اندر گھس گئی۔

لڑکی نے چیخ ماری۔ دوسرا غنڈہ اسے گھسیٹ رہا تھا عنبر نے اس غنڈے کی گردن پر ہاتھ مارا اور وہ بیہوش ہو کر سڑک پر اوندھے منہ گر پڑا۔ پستول والے غنڈے

نے عنبر کے سر پر دو گولیاں ماریں مگر عنبر کا بھلا کیا
بگڑ سکتا تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر غنڈے کے ہاتھ
سے پستول چھین کر نالے میں پھینکا اور اس غنڈے کو
دونوں ہاتھوں سے ایک کھلونے کی طرح اٹھایا اور گھما کر
دھڑام سے سڑک والے نالے میں گرا دیا۔ چوتھا غنڈہ دم
دبا کر بھاگ گیا۔

عنبر نے لڑکی کے سر پر دوپٹہ ڈالتے ہوئے کہا:

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

لڑکی نے زمین پر گرتی ہوئی سنہری فریم والی عینک اٹھا
کر آنکھوں پر لگائی۔ وہ سہمی ہوئی تھی اور اس سے بات
نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ اب بھی تماشہ دیکھ رہے تھے۔
کچھ عنبر کی بہادری کی تعریف کرنے لگے تھے۔ عنبر نے
لڑکی کو دونوں سے نکالا اور لونگٹن مارکیٹ کے چوک
میں آ گیا۔

"آپ کہاں جانا چاہتی ہیں۔ میں آپ کو وہاں
چھوڑ آتا ہوں۔"

لڑکی نے کہا:

"مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔"

عنبر نے لڑکی کو رکشے میں بٹھایا۔ لڑکی نے رکشے

والے سے کہا کر شادمان چلے۔ اس لڑکی کا نام شیبا تھا
اور وہ لاہور کالج فار ویمن میں ایف اے میں پڑھ
رہی تھی۔ شادمان میں وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں
کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کا باپ واپڈا کا افسر تھا۔ دو بڑے
بھائی لندن میں تھے۔ دو چھوٹے بھائی لاہور میں نویں
اور دسویں میں پڑھ رہے تھے۔ ایک چھوٹی بہن راحیلہ
دسویں میں تھی۔

شیبا نے گھر جا کر اپنے والد اور والدہ کو سارا واقعہ
بتایا اور عنبر کا تعارف کروایا۔

"میں ان کا نام نہیں جانتی اگر آج یہ نہ ہوتے
تو میں زندہ نہیں بچ سکتی تھی۔"

عنبر نے شیبا کے والد سے ہاتھ ملا کر کہا:

"میرا نام سکندر ہے۔ میں بھی طالب علم ہوں
میں نے جو کچھ کیا یہ میرا فرض تھا۔"

شیبا کے والد نے اسی وقت پولیس میں رپورٹ درج
کرائی اور عنبر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا:

"دوپہر کا کھانا تم ہمارے ساتھ ہی کھانا بیٹا۔ ہمیں
خوشی ہو گی۔"

عنبر کو کھانے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ لاہور میں

امجد نہیں تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ کہیں وقت گزر جائے۔
اس نے دعوت قبول کر لی۔ دوپہر کے کھانے پر بڑی مزیدار
چیزیں بنائی گئی تھیں۔ عنبر نے لوگوں کو دکھانے کے لیے
تھوڑا بہت کھایا اور ہاتھ کھینچ لیا۔

کھانے کے بعد شیبا عنبر کو ایک طرف لے گئی اور
بولی:

"میں نے اپنی آنکھوں سے تمہارے سینے اور سر
میں دو گولیاں لگتے دیکھی تھیں مگر تمہیں کوئی زخم
تک نہیں آیا۔۔۔ تم گولی لگنے سے انکار نہیں
کر سکتے۔ کیوں کہ تمہاری واسکٹ میں اس وقت
بھی گولی کا سوراخ مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔"

عنبر الجھن میں پھنس گیا۔ وہ اپنے بارے میں شیبا کو
کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا کہنے لگا:

"اصل میں گولی واسکٹ کو لگ کر باہر نکل گئی۔
مجھے نہیں لگی تھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا تھا۔"

"بہرحال میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا ہے۔" عنبر نے مسکرا
کر کہا۔

شیبا کہنے لگی:

"میں آج کل عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سفر کی
قسطیں پڑھ رہی ہوں۔ اس میں بھی ایک کردار
عنبر پر گولی چاقو اور خنجر کوئی اثر نہیں کرتا تمہیں
دیکھ کر مجھے خواہ مخواہ عنبر کا خیال آ گیا ہے۔"

عنبر مسکرانے لگا:

"یہ عنبر ناگ ماریا کون ہیں؟"

شیبا کہنے لگی:

"یہ ہزاروں سال سے تاریخ کے گزرے ہوئے زمانے
میں سفر کر رہے ہیں اور ان کا سفر بے حد دلچسپ
پُراسرار اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات
سے بھرا ہوا ہے۔"

عنبر بولا:

"بہرحال میں عنبر نہیں ہوں۔ تم مجھے وہ کتاب تو
پڑھاؤ جس میں عنبر ناگ ماریا کے سفر کی کہانی
لکھی ہوئی ہے۔"

شیبا نے کہا:

"میرے کمرے میں ساری قسطیں پڑی ہیں۔"

اور وہ عنبر کو کمرے میں لے گئی اور الماری میں۔۔۔
موت کا تعاقب، اور پھر عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سفر کی

ساری چھپی ہوئی قسطیں نکال کر سامنے رکھ دیں۔ عنبر اس سے پہلے بھی یہ قسطیں دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ لاہور میں ایک شخص لے حمید نام کا ان کے پُراسرار سفر کی داستان کو ان کی اجازت کے بغیر لکھ کر چھپا رہا ہے۔ اس نے کتابوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا:

"اس کتاب کے لکھنے والے کو ہمارے سفر — میرا مطلب ہے عنبر ناگ ماریا کے سفر کے حالات کا کیسے پتہ چلا؟"

شیبا نے عنبر کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا:

"تم نے "ہمارے" کیوں کہا؟ اب اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرو اور صاف صاف بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

عنبر نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"شیبا! تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ میں نہ عنبر ہوں نہ ناگ ہوں اور نہ ماریا ہوں — میں تو ایک عام طالب علم ہوں جس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میں محنت مزدوری کر کے پڑھ رہا ہوں [illegible]"

عنبر ناگ ماریا کا دوست امجد ابھی تک [illegible] سے لاہور واپس نہیں آیا تھا۔ چنانچہ یونہی وقت [illegible] کے لیے

دو روز بعد عنبر پھر شیبا کے گھر شادمان آیا۔ اس روز ذرا گرمی تھی۔ برسات کا موسم تھا اور شیبا اپنے باغ میں گلاب کے پھولوں کی ٹہنیاں تراش رہی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر وہ خوش ہوئی اور بولی:

"سکندر، تمہیں گلاب کے پھول پسند ہیں کیا؟"

عنبر نے کہا:

"کیوں نہیں۔"

"اچھا۔ میں تمہیں سب سے اچھا پھول توڑ کر دیتی ہوں۔"

اور وہ سرخ پھول توڑنے کے لیے جھاڑیوں میں جھکی تو ایک زبردست پھنکار کے ساتھ وہاں سے کالا سانپ نکلا اور اس نے شیبا کی پنڈلی پر اچھل کر ڈس دیا۔ شیبا کی چیخ نکل گئی۔ اب سانپ کو ناگ دیوتا کے دوست کے جسم سے نکلنے والی ہلکی ہلکی بُو آئی تو وہ گھبرا گیا۔ عنبر لپک کر سانپ کی طرف گیا۔ شیبا زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ اُڑ گیا تھا اور اس پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔

عنبر نے سانپ سے کہا:

"بدبخت یہ تُو نے کیا کر دیا۔ فوراً زہر واپس کھینچ لو!"

"معاف کر دو ناگ دیوتا کے دوست!"

اور سانپ نے آگے بڑھ کر اپنا منہ شیبا کی پنڈلی پر کاٹے کے نشان کے ساتھ لگا کر سارا زہر واپس کھینچ لیا۔ شیبا یہ سب کچھ غنودگی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ اب اسے ہوش آ گیا تھا۔

عنبر نے سانپوں کی زبان میں سانپ کو کہا:

"یہاں سے دور بہت دور چلے جاؤ اور خبردار پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کرنا۔"

سانپ وہاں سے غائب ہو گیا۔ سانپ کے جاتے ہی شیبا نے عنبر کی طرف دیکھا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ تم ناگ ہو کر عنبر۔ مجھے یقین ہے کہ تم عنبر ہو۔"

اب عنبر انکار نہیں کر سکتا تھا۔ بولا:

"میں عنبر ہوں۔"

شیبا مسکرائی اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہنے لگی:

"میری بڑی خواہش تھی کہ کبھی عنبر ناگ یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ خواہش آج پوری ہو گئی۔"

اور وہ اسے لے کر اندر کوٹھی کے ڈرائینگ روم میں آ گئی۔

- لاہور کی ایف اے کی سٹوڈنٹ شیبا نے عنبر کے ساتھ مل کر کیا ایڈونچر کیا؟
- ناگ جو زمین کے اندر شہزادی سلومی کے قبضے میں تھا وہ وہاں سے کب اور کیسے باہر نکلا؟
- ماریا اور کیپٹن مدراس سے لاہور آ رہی تھیں کہ امجد سے مل کر ناگ عنبر کا پتہ کریں۔ ان کے ساتھ کیا گزری؟
- کیا ان لوگوں کی عنبر سے لاہور میں ملاقات ہو سکی؟

یہ آپ اگلی قسط "ماریا انار کلی" میں، کے حیرت انگیز دلچسپ اور پُراسرار واقعات میں پڑھیں گے۔
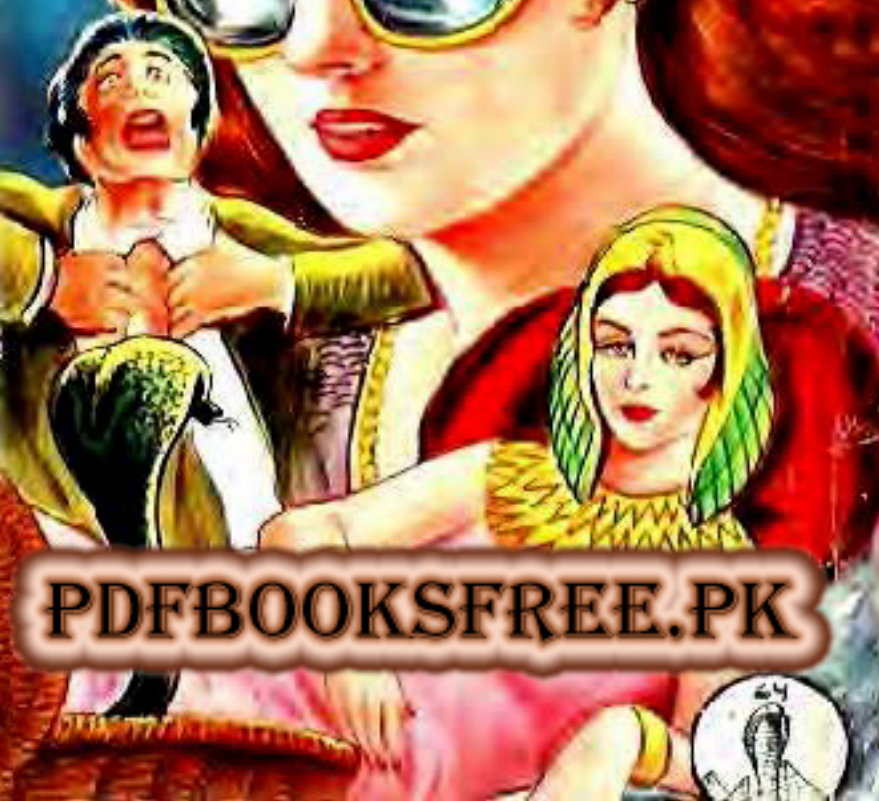
ماریا انارکلی میں
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

لاہور کی لڑکی ـــــ قلوپطرہ کی خوابگاہ میں

لاہور کالج کی لڑکی شیبا، عنبر کے ساتھ اندر چلی گئی۔

عنبر ڈرائینگ روم میں بیٹھ گیا اور شیبا نے الماری میں سے "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی چھ سات کتابیں لا کر اس کے سامنے رکھ دیں اور کہنے لگی۔

"کیا تم نے اپنے پانچ ہزار سالہ سفر کی تازہ کتابیں پڑھی ہیں عنبر؟"

عنبر نے کہا۔

"شیبا! پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کے سامنے مجھے زیادہ میرے نام عنبر سے نہ پکارنا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ ایک ایسا حادثہ یا اتفاق ہو گیا ہے کہ مجھے تم پہ اپنا آپ ظاہر کرنا پڑ گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں۔"

شیبا بولی۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے مجھ پہ اپنا آپ ظاہر کر دیا ہے۔ کیونکہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں تم میں سے

کسی ایک سے کبھی ملاقات کروں ـــــ تمہاری قسطیں پڑھنے
سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ اسی شہر لاہور کے گارڈن ٹاؤن میں
دسویں جماعت کا ایک لڑکا ہے جس کا نام امجد ہے وہ تم
لوگوں سے نہ صرف مل چکا ہے بلکہ تمہارے ساتھ تاریخ کے
پرانے زمانے میں سفر بھی کر چکا ہے۔ میں امجد سے ایک بار
ملی مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ تم میں سے کسی سے کبھی
نہیں ملا ہے۔ وہ اس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا،،
عنبر نے مسکرا کر کہا،

،، یہ اس نے ہمارے عہد کو نبھایا ہے۔ کیونکہ ہم کسی پر اپنا
راز ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں ـــــ کوئی ایسا حادثہ نہ ہو
جائے جیسا کہ تمہارے ساتھ ہوا ہے کہ تمہارے سامنے میرے
بیٹھتے میں گر لی گی اور پھر تمہیں سانپ نے کاٹ لیا اور میں
نے تمہارے سامنے سانپ کو حکم دیا کہ وہ تمہارا زہر واپس
چوس لے ـــــ،،
شیبا کہنے لگی۔

،، بہر حال خدا نے میری دعا قبول کر لی اور ماریا اور ناگ
سے نہیں تو عنبر سے ملاقات ہو گئی،،
عنبر نے کہا۔

،، اب تم بھی وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو

گی کہ تمہیں سانپ نے کاٹا تھا اور میرے بارے میں بھی کسی
کو نہیں بتاؤ گی ـــــ

،، میں وعدہ کرتی ہوں،، شیبا نے کہا۔

عنبر کتابوں کے ورق الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور کہیں کہیں سے
ایک آدھ سطر پڑھ بھی لیتا تھا۔ شیبا نے کہا۔

،، اب میں تم سے پھر وہی سوال پوچھتی ہوں، تمہارے
سفر کے جو واقعات ان کتابوں میں درج ہیں کیا وہ سارے
سچے واقعات ہیں ؟،،
عنبر نے کہا،

،، ہاں ـــــ بالکل سچے واقعات ہیں اور اس کا مصنف
اے حمید ٹھیک ٹھیک واقعات لکھ رہا ہے۔ ہمیں معلوم
ہے کہ وہ سمن آباد دراوہ چمن میں رہتا ہے اور وہ ہمارا دوست
ہے۔

ہم اسے اپنے سفر کے پُراسرار واقعات ایک خفیہ طریقے
سے بتا دیا کرتے ہیں اور ایک بار ناگ نے مل کر اسے کہہ
دیا تھا کہ اگر تم نے ہمارے واقعات کو غلط لکھا تو تمہاری
خیر نہیں ہے ـــــ،،
شیبا مسکرانے لگی۔ بولی۔

،، وہ کون سا پُراسرار طریقہ ہے جس سے تم اے حمید

کر اپنے سفر کے واقعات بتاتے ہو؟"
عنبر نے کہا۔
"یہ ایک راز ہے جو ہم اس وقت تک کسی کو نہیں بتا سکتے جب
تک کہ ہمارا یہ پانچ ہزار سالہ سفر ختم نہیں ہو جاتا ——؟"
شیبا نے پوچھا۔
"میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری ایک انگلی میں سرخ یاقوت کی
انگوٹھی ہے۔ کیا یہ وہی انگوٹھی ہے جس کا ذکر پچھلی قسطوں میں
تھا کہ تم اسے چاندنی رات میں رگڑ کر اس کے اندر جو منظر
نظر آتا ہے اس میں چھلانگ لگا کر غائب ہو جاتے ہو؟"
"ہاں" عنبر نے کہا۔
"تم نے ٹھیک پڑھا تھا۔ یہ وہی انگوٹھی ہے۔ مگر تم اسے
رگڑنے کی غلطی نہ کرنا۔ امجد نے ایک بار یہ غلطی کی تھی اور
اسے بڑا سخت نتیجہ بھگتنا پڑا۔"
شیبا نے انگوٹھی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں عنبر بھائی —— میں ایسی غلطی نہیں کروں گی"
شیبا نے "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی کتابیں سمیٹ کر الماری میں
رکھتے ہوئے کہا۔
"عنبر۔ میں تاریخ کی سٹوڈنٹ ہوں۔ مجھے پرانے مصر اور
یونان کی تاریخ سے بے پناہ محبت ہے۔ میں خواب میں

ان پرانے زمانوں کی سیریں کیا کرتی ہوں۔ لیکن میں چاہتی
ہوں کہ خود اپنی آنکھوں سے زندہ اور جاگتی حالت میں ان
پرانے شہروں کی سیر کروں۔ کیا تم مجھے ان شہروں کی سیر
کراؤ گے؟ میرا مطلب ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم مجھے
بھی امجد کی طرح اپنے ساتھ لے چلو پرانے مصر اور یونان
اور بابل کے شہروں میں؟"
عنبر کے چہرے پر سوچ کے آثار پیدا ہو گئے۔ کچھ دیر خاموش
رہنے کے بعد بولا۔
"شیبا! یہ سفر اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہی ہو۔
اس میں کئی ایک خطرے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں آج سے
چار ہزار یا دو ہزار سال پرانے زمانے میں لے چلیں اور
تم وہاں جا کر ہم سے بچھڑ جاؤ جس طرح کہ امجد بچھڑ گیا تھا۔
—— دوسری بات یہ ہے کہ ہم چونکہ صدیوں کے مسافر
ہیں، اس لیے ہمارے ساتھ تو ایسا اتفاق ہو جاتا ہے
کہ ہم اچانک کسی حادثے یا کسی ایک جھٹکے سے کسی بھی وقت
پر اگلے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکو گی"
شیبا نے کہا۔
"عنبر بھائی! چاہے کچھ بھی ہو۔ میری زندگی کی یہ سب سے
بڑی تمنا ہے کہ میں فرعون مصر کے محل میں پہنچ کر اپنی آنکھو

سے فرعون کو تخت پر بیٹھے دربار کرتے دیکھوں اور قلوپطرہ
کو دیکھوں کہ وہ سانپ سے اپنے آپ کو ڈسوا رہی ہے۔"
عنبر ہنسا۔
"فرض کر لو کہ تم ملکہ قلوپطرہ کے زمانے میں پہنچ جاتی ہو۔
لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا کہ تم واپس لاہور
بھی آسکو گی۔"
شیبا نے اداس ہو کر سر جھکا لیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ یہ حسرت میں اپنے دل میں ہی لے
جاؤں گی ——"
پھر اس نے ایک آہ بھری اور بولی۔
"اگر تم اتنی طاقت رکھتے ہوئے بھی مجھے ملکہ قلوپطرہ
کے زمانے کی سیر نہیں کرا سکتے تو پھر اور کون کرا سکتا
ہے ——"
شیبا کی اداسی عنبر سے نہ دیکھی گئی۔ لیکن وہ مجبور تھا اور کسی غیر
آدمی یا عورت کو پرانے زمانے میں لیجانے کا زیرِ دست خطرہ مول نہیں
لے سکتا تھا۔ اس نے کہا۔
"میں معافی چاہتا ہوں شیبا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا ——"
وہ اٹھ گیا اور بولا۔
"اچھا اب میں جاتا ہوں۔ ابھی میں لاہور میں ہی ہوں۔

کیونکہ مجھے امجد سے ملنا ہے جو کوہ مری گیا ہوا ہے اور چند
روز میں واپس آئے گا۔ ہو سکتا ہے میں اس دوران میں
تمہیں ملنے پھر آؤں۔"
شیبا نے پوچھا۔
"اگر امجد لاہور میں نہیں ہے تو تم کہاں جاؤ گے؟ میرا
مطلب ہے رات کہاں بسر کرو گے؟"
عنبر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔
"تم نے ہمارے پُراسرار سفر کی اتنی قسطیں اور کتابیں پڑھی
ہیں مگر تمہیں ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عنبر ناگ اور ماریا
کو نہ تو کھانے کی حاجت ہوتی ہے اور نہ سونے کی۔"
شیبا کہنے لگی۔
"یہ تو میں خوب جانتی ہوں۔ لیکن پھر بھی رات تو تم ضرور
کسی جگہ کاٹو گے؟"
عنبر بولا۔
"یہاں میرا ایک ہی شاہی ہوٹل ہے جہاں میں راتیں بسر
کیا کرتا ہوں اور وہ ہے مقبرہ جہانگیر۔ اب بھی میں وہیں
جاؤں گا۔"
شیبا کے ذہن میں ایک سکیم مچل رہی تھی۔ اس نے بڑا اداس
منہ بنا کر کہا۔

"عنبر بھائی! کیا تمہاری بہن کو اتنا بھی حق نہیں ہے کہ تم اس کے گھر رات بھر آرام کر سکو؟"

عنبر کا دل پسیج گیا۔ کہنے لگا۔

"اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو پھر میں تمہارے ہاں ہی رات بسر کر لیتا ہوں مگر میں چھت پر سوؤں گا۔ میرا مطلب ہے کہ میں اکیلا چھت پہ لیٹوں گا"

شیبا خوش ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"میں تمہارا بستر چھت پر ہی لگوا دوں گی"

دوپہر کا کھانا شیبا، اس کے والد جو واپڈا کے افسر تھے اور والدہ اور دوسری چھوٹی بہنوں اور بھائیوں نے مل کر کھایا۔ شیبا کی بہنیں اور بھائی عنبر سے پوچھتے رہے کہ وہ کون سے کالج میں پڑھتا ہے اور تاریخ میں کیا کیا اسے پسند ہے۔ کیونکہ عنبر نے ان سب کو یہی بتایا تھا کہ وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا ہے اور ہوسٹل میں ہی رہتا ہے۔

برسات کا موسم تھا۔ اگرچہ آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد عنبر ان سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ شیبا نے نوکر سے کہا کہ عنبر کا بستر چھت پر لگوا دیا۔

دس بجے رات عنبر سونے یا لیٹنے کے لیے چھت پہ چلا گیا۔ پلنگ پر سفید چادر بچھی تھی اور سرہانے موتیے کے پھولوں کے ہار

رکھے ہوئے تھے۔ عنبر کو موتیے کے پھولوں کی خوشبو بڑی پسند تھی اور اس کو مدہوش کر دیا کرتی تھی۔ وہ بستر پہ لیٹ گیا تو موتیے کی میٹھی خوشبو میں اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عنبر کو چونکہ وہاں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ اگر موتیے کی خوشبو کی وجہ سے وہ مدہوش بھی ہو گیا تو کوئی پروا نہیں۔ چنانچہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

گیارہ بجے کے بعد عنبر کو موتیے کے سفید پھولوں کی مہک نے مدہوش کر کے گہری نیند سلا دیا تھا۔ شاید کتنے ہی سینکڑوں سالوں کے بعد عنبر کو پہلی بار گہری نیند آئی تھی ——— اُدھر شیبا بھی اپنے کمرے میں جاگ رہی تھی اور خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ یا خدا! عنبر کو نیند آ جائے اور تھوڑی دیر کو چاند نکل آئے۔ وہ چاند کی سترہ تاریخ تھی مگر بادلوں نے چاند کو ڈھانپ رکھا تھا۔

شیبا آہستہ سے پلنگ پر سے اٹھی اور دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پہ آ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ عنبر اپنے بستر پہ بالکل مدہوش ہو کر سو رہا ہے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک جگہ سے بادل پھٹ گئے تھے اور چاند آہستہ آہستہ اپنا منہ باہر نکال رہا تھا۔

شیبا دبے پاؤں چلتی ہوئی عنبر کے پلنگ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ عنبر کا ہاتھ پلنگ سے نیچے لٹک رہا تھا اور اس کی انگلی میں سرخ یاقوت کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ شیبا نے چاند کی طرف دیکھا۔ وہ بادلوں

سے باہر نکل رہا تھا۔ جب وہ بادلوں سے نکلا تو تھوڑی دیر کے لیے اس کی چاندنی ساری چھت پہ پھیل گئی۔

شیبا اب دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے عنبر کی انگوٹھی والی انگلی کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی کے یاقوت کو رگڑنے لگی۔ اس نے دل میں خدا سے یہ دعا مانگ لی تھی کہ یا خدا اس انگوٹھی کو حکم دے دے کہ یہ مجھے کسی دوسری جگہ لے جانے کی بجائے سیدھی قلو پطرہ کے زمانے میں پہنچا دے۔

انگوٹھی کو رگڑنے کے بعد شیبا نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر کو موتیئے کی خوشبو نے مدہوش کر رکھا تھا۔ پھر اس نے انگوٹھی کے نگینے کو دیکھا۔ یاقوت پر روشنی کی لکیریں آ رہی تھیں۔ شیبا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگرچہ وہ ہزاروں برس پیچھے کے زمانے میں جا رہی تھی لیکن اتنا اس نے عنبر ناگ ماریا کی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ جب امجد عنبر یا ناگ کے ساتھ پرانے زمانے میں گیا تھا تو وہاں وہ دو برس تک رہا مگر جب لاہور واپس آیا تو وہاں لے گئے ہوئے صرف دس منٹ ہی گزرے تھے۔ اس خیال سے شیبا کو بھی تسلی تھی کہ وہ گھر سے غائب ہو کر قلو پطرہ کے زمانے میں پہنچ بھی گئی تو جب واپس آئے گی تو دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے اور وہ دوبارہ بستر پہ لیٹ کر سو جائے گی۔

لیکن یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔ کیونکہ امجد کے ساتھ

کہ ایک بار ایسا بھی ہوا تھا کہ جب وہ پرانے زمانے سے واپس آیا تو لاہور میں اسے ایک مہینہ گزر چکا تھا اگر شیبا غائب ہو گئی اور پیچھے ایک مہینہ گزر گیا تو اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔

انگوٹھی پر روشنی کی لکیریں اب ختم ہو گئی تھیں اور چاند بھی بادلوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بہت تھوڑا وقت رہ گیا تھا۔ اگر چاند بادلوں میں چلا گیا اور چاندنی بجھ گئی تو پھر شیبا پرانے زمانے میں نہیں جا سکتی تھی۔

اس کی نظریں انگوٹھی کی لکیروں پر جمی ہوئی تھیں۔ عنبر ابھی تک مدہوش تھا ـــــ شیبا نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا مجھے اپنی حفاظت میں اپنے عجب صورت پرانے زمانے کی سیر کرا دے۔ اور میں ایک بار اپنی آنکھوں سے ملکہ مصر قلو پطرہ کو دیکھ لوں۔

اس کے ساتھ ہی انگوٹھی کے یاقوت پہ سے لکیریں غائب ہو گئیں اور اب ایک منظر ابھر آیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک دریا ہے جس کے کنارے کنارے پانی میں کنول کے سفید سفید بے شمار پھول کھلے ہوئے ہیں اور ایک پرانے زمانے کی لمبی گردن والی صراحی دریا کے کنارے کنول کے پھولوں کے پاس پڑی ہے۔

شیبا نے جیسا کہ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطوں میں پڑھا تھا کہ عنبر کس طرح انگوٹھی میں غائب ہوا کرتا تھا، آنکھیں اپنے آپ

بند ہونے لگیں آنکھیں بند ہوتے ہی شیبا کو ایک جھٹکا سا لگا۔
اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کار میں بیٹھی تھی اور کار ایک د
سے چل پڑی ہے ـــــ پھر اس نے اپنے پاؤں زمین سے او
اُٹھتے محسوس کیے۔ اب وہ ہوا میں اڑ رہی تھی اور خدا معلو
کہاں جا رہی تھی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے نیچے اتر رہی
تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاؤں زمین پر لگ گئے اور اسے ا
جوتے لمبی گھاس پر ٹکتے محسوس ہوئے۔ اس کی آنکھیں اپنے آپ
کھل گئیں۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہ اسی دریا کے کنارے کھڑی ہے جس
دریا کو اس نے عنبر کی انگوٹھی میں دیکھا تھا۔

غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی دریا پر پڑ رہی تھی
سب سے پہلی جو تبدیلی شیبا نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ اس کی
فریم والی عینک اس کی آنکھوں پر سے غائب تھی اور اس کی نظ
میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ لاہور میں وہ عینک کے بغیر قریب ا
دور کی چیزیں زیادہ صاف نہیں دیکھ سکتی تھی مگر یہاں اسے
عینک کے بغیر بھی دور اور قریب کی چیزیں صاف دکھائی دے
رہی تھیں۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ اس کا لباس تین
سال پرانے مصر کے لباس میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کے پاؤں
میں لاہور والی لبرٹی مارکیٹ سے خریدے ہوئے سینڈل کی جگہ
مصری زمانے کا سینڈل تھا۔

وہ حیران تھی کہ وہ جو قدیم مصری زبان بول رہی ہیں اور
اور جیسے وہ پوری طرح سمجھ رہی ہے کس قدر عجیب زبان
ہے۔ وہ کسی دوسری زبان یعنی اردو، انگریزی، سندھی اور
پنجابی سے بالکل نہیں ملتی تھی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ شیبا یہ ساری
زبان سمجھ رہی تھی اور خود بھی بول سکتی تھی۔

اسے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہ نہ صرف یہ کہ ملکہ مصر
قلوپطرہ کے زمانہ میں آگئی ہے بلکہ قلوپطرہ کی خاص کنیز تھی اور اس
کا نام شاریان تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس نے پڑھا تھا کہ
ملکہ قلوپطرہ کی ایک خاص کنیز ہوتی تھی جس کا نام شاریان تھا
اور اسی کنیز نے ملکہ کے حکم پر اسے وہ سانپ ٹوکری میں بند
کر کے لا کر دیا تھا جس سے ڈسوا کر ملکہ قلوپطرہ نے خودکشی کر
لی تھی۔

شیبا دوسری کنیزوں کے ساتھ شاہی محل کی طرف روانہ
ہوئی۔

یہ محل قلعے کے اندر ہی تھا اور دریا قلعے کے قریب سے ہو کر
گزرتا تھا۔ یہ مشہور تاریخی دریا ـــــ دریائے نیل تھا!

شیبا قلعے میں داخل ہوئی تو اس نے پہرے داروں کو غور سے
دیکھا۔ یہ پرانے مصر کے زمانے کے سپاہی تھے اور لوہے اور
پیتل کے خود سروں پر پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے تھے

اور سانولے رنگ کے اونچے لمبے آدمی تھے۔ شیبا دوسری
کنیزوں کیساتھ قلعے کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر شاہی محل کی طرف
چلی جو قلعے کے درمیان میں واقع تھا اور جس کے سنہری گنبد اور
مینار غروب ہوتے سورج کی سنہری کرنوں میں چمک رہے تھے۔
شیبا کے لیے یہ عجیب و غریب تجربہ تھا۔ لاہور کی پنجاب پبلک
لائبریری کے گھٹے ہوئے سرد کمروں میں بیٹھ کر اس نے پرانے
مصر کی تاریخ کے قدیم شاہی محلوں کے بارے میں صرف پڑھا ہی
تھا اور اب وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل خوشی
سے اچھل رہا تھا۔ اب وہ چاہتی تھی کہ جلدی سے جلدی ملکہ قلوپطرہ
کا دیدار کرے اور اپنی آنکھوں سے اس عظیم الشان ملکہ کو دیکھے جس
کا نام "تاریخ" میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا ہے۔
محل اتنا شاندار تھا کہ شیبا حیرت میں ڈوب گئی۔ اونچے اونچے
سنگ مرمر کے ستون ـــــ سنگِ مرمر کی شہ نشینیں ـــ سنہری گنبد
جن پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ فرش پر بے حد
قیمتی ریشمی قالین بچھے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ پہرے دار نیزے لیے
کھڑے تھے۔ اور کنیزیں پھلوں اور خشک میووں اور کٹوری کے پیالوں
سے بھرے ہوئے سونے چاندی کے طشت لیے چلی جا رہی تھیں۔ قلعے
اور محل میں لگے ہوئے سخت پہرے کو دیکھ کر شیبا سمجھ گئی کہ شاہی
محل اور ملکہ قلوپطرہ کو دشمن کے حملے کا خطرہ ہے۔

شیبا نے جلدی سے دریا کے پانی میں اپنا عکس دیکھا کہ کہیں اس
کی شکل تو نہیں بدل گئی۔ خدا کا شکر تھا کہ اس کی شکل نہیں بدلی
تھی۔ اس کے بال بھی پرانے زمانے کے فیشن کے بنے ہوئے تھے
اور گول گول چھلے اس کے ماتھے پر لٹک رہے تھے۔ اس کے قریب
ہی وہ صراحی پڑی تھی جسے اس نے عنبر کی انگوٹھی میں دیکھا تھا۔
وہ سمجھ گئی کہ انگوٹھی رگڑنے کے بعد خدا نے اس کی دعا سن
لی تھی اور وہ لاہور سے نکل کر تین ہزار سال پیچھے کی طرف ملکہ
مصر قلوپطرہ کے زمانے میں آ گئی ہے۔ شیبا بہت خوش ہوئی۔ اسے
ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ ایک خطرناک غلطی کر چکی ہے اور
رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات اس کا انتظار کر رہے ہیں۔
کسی لڑکی نے اسے آواز دی۔

"شارلیان!"

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ تین لڑکیاں اسی طرح کا لباس پہنے کولہوں
پہ پانی سے بھری ہوئی صراحیاں رکھے اسے بلا رہی تھیں۔ وہ سمجھ
گئی کہ یہاں اس کا نام شارلیان ہے اور یقیناً وہ ملکہ مصر کے شاہی
محل کی کنیز ہے اب شیبا یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ کنیزیں جب
اس سے قدیم مصری زبان میں کوئی بات کریں گی تو کیا وہ ان
کی زبان سمجھ لے گی؟
شیبا کنیزوں کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ ایک کنیز نے

تین ہزار سال پرانی مصری زبان میں کہا۔

"کیا پانی نہیں بھرو گی شاریان ؟"

اگر شیبا یہ زبان لاہور میں کسی کی زبان سے سنتی تو سر پیٹ پیٹ کر مر جاتی لیکن اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ مگر انگوٹھی کے ذریعے یہاں پہنچتے ہی وہ قدیم مصری زبان کو بڑی اچھی طرح سے سمجھنے لگی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یہ زبان بول بھی سکتی ہے۔ چنانچہ شیبا نے اسی زبان میں جواب دیا۔

"کیوں نہیں پانی بھرنا ـــــ ابھی بھرتی ہوں"

اور شیبا نے کنول کے پھول پرے سے ہٹا کر صراحی کو دریا میں ڈبو کر اسے بھرا اور کمر کے ساتھ لگا کر سہیلیوں کے پاس چلی گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ وہاں کی جانی پہچانی اور سب سے اعلیٰ کنیز ہے اور برسوں سے شاہی محل میں رہ رہی ہے۔ کیونکہ کسی کنیز نے اس کی شکل کو دیکھ کر تعجب کا اظہار نہ کیا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آگئی ہے ؟

وہ کھل کھلا کر ہنسیں اور ایک کنیز نے کہا۔

"شاریان ! تم ملکہ قلوپطرہ کی خاص کنیز ہو ناں۔ اس لیے شاید دریا کا پانی صاف کر کے بھرتی ہو"

شیبا نے کہا۔

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے"

تھی جو آپ کو بہت پسند ہے "

اتنے میں ایک خوب صورت نوجوان اندر داخل ہوا۔ جس کے بال گھنگریالے تھے اور جس نے جنگی لباس پہن رکھا تھا۔ کمر کے ساتھ خنجر لٹک رہا تھا۔

اسے دیکھ کر قلوپطرہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"انطنی کوئی تازہ خبر آئی ؟"

شیبا نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس نوجوان کو دیکھا۔ تو یہ تھا مشہور رومی جرنیل انطنی جس کی قسمت میں تھوڑے دنوں بعد قلوپطرہ کے ساتھ ہی خودکشی کر کے مرجانا لکھا تھا۔

شیبا نے "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ یہ لوگ تاریخ کے پرانے زمانوں میں سفر کرتے ہیں۔ گزرے ہوئے واقعات کو پھر سے گزرتے دیکھتے ہیں۔ مگر اس بات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں کہ ان واقعات میں دخل نہ دیا جائے۔ مثلاً اگر قلوپطرہ نے تاریخ میں خودکشی کی تھی تو جب عنبر ناگ یا ماریا قلوپطرہ کے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں اور قلوپطرہ ان کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ خودکشی کرتی ہے تو وہ اسے روک نہیں سکتے۔ کیونکہ اصل میں قلوپطرہ دوبارہ خودکشی نہیں کر رہی ہوتی بلکہ عنبر ناگ ماریا اسے خودکشی کرتے دوبارہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ گویا ایسا ہوتا ہے کہ وہ گزرے ہوئے واقعات کی دوبارہ فلم چلتے دیکھتے ہیں اور اس فلم کے کسی واقعے

میں کسی قسم کا دخل نہیں دیتے۔

چنانچہ شیبا نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہرگز تاریخ کے کسی واقعے میں دخل نہیں دے گی۔ اسے معلوم تھا کہ کچھ ہی دنوں بعد اس شاہی محل میں جب شہنشاہ روم کی فوجیں داخل ہو جائیں گی تو ملکہ قلوپطرہ اپنے آپ کو سانپ سے ڈسوا کر خودکشی کر لے گی۔ لیکن شیبا قلوپطرہ کو اس سے روک نہیں سکے گی۔ وہ اسے ہرگز ہرگز یہ نہیں کہہ سکے گی کہ ملکہ خودکشی مت کرو۔ کیونکہ قلوپطرہ کی خودکشی تاریخ کا ایک گزرا ہوا واقعہ تھا اور وہ تاریخ کے گزرے واقعے میں دخل نہیں دے سکتی تھی۔

جب ملکہ قلوپطرہ نے انطنی سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے تو وہ پلنگ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"قلوپطرہ — مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ شہنشاہ روم کی فوجیں ہمارے قلعے کے قریب پہنچنے ہی والی ہیں۔"

"انطنی تم فرار ہو کر بابل کی طرف نکل جاؤ۔ پیچھے جو ہوگا میں سنبھال لوں گی۔"

انطنی نے بھڑک کر کہا۔

"کیا تم مجھے ایک بزدل سپاہی سمجھتی ہو؟ میں شاہی فوج کا جرنیل رہ چکا ہوں۔ میں دشمن سے مقابلہ کروں گا اور اپنی عزت بچانے کے لیے جان بھی قربان کر دوں گا۔"

چونکہ شیبا تاریخ کی سٹوڈنٹ تھی اس لیے سمجھ گئی کہ یقیناً سیزر قتل ہو چکا ہے۔ ملک روم پر آکٹیوس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انطنی بھاگ کر مصر میں قلوپطرہ کے محل میں آ چکا ہوگا اور اب آکٹیوس یعنی روم کے بادشاہ کی فوجیں مصر کو فتح کرنے کے لیے بڑھ رہی ہوں گی۔

وہ ملکہ مصر کے شاہی محل میں داخل ہو گئی۔

دوسری کنیزیں اس سے جدا ہو گئیں۔ ایک کنیز نے کہا۔

"شاریان! اب تم ملکہ کے پاس جاؤ گی۔ ہم اجازت کے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتیں۔ تم خوش قسمت ہو۔"

اور کنیزیں ہنستی ہوئی دوسرے محل کی طرف چلی گئیں۔

شیبا ملکہ کے خاص محل میں داخل ہوئی تو ایک خواجہ سرا نے اس سے پانی کی صراحی لے لی اور کہا۔

"شاریان! تجھے ملکہ قلوپطرہ یاد کر رہی ہیں۔"

شیبا کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ تاریخ کی سب سے بڑی ملکہ کے پاس جا رہی تھی۔ خواجہ سرا اسے ساتھ لے کر ملکہ کی خواب گاہ کے دروازے تک آیا اور بولا۔

"اب تم اندر جاؤ۔ ملکہ تمہیں اکیلے میں ملنا چاہتی ہے۔"

شیبا نے خوشی سے اچھلتے ہوئے دل پر قابو پایا اور خوابگاہ کا بھاری کم خواب کا پردہ ہٹا کر خواب گاہ میں داخل ہو گئی — کیا دیکھتی ہے کہ ایک شاندار کمرہ ہے۔ سارا فرش اور ساری دیواریں

قیمتی قالینوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ درمیان میں سونے کے پایوں والا ایک عظیم الشان پلنگ بچھا ہے جس پہ سونے کی تاروں کے کام والے نیلے ریشمی تکیوں کے سہارے ملکہ قلوپطرہ لیٹی ہے۔ چاندی کی تپائی پہ سونے کے گلاس رکھے ہیں جن پہ ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ کمرے میں عود و عنبر یعنی خوشبوئیں سلگ رہی ہیں اور سارا کمرہ خوشبوؤں سے بھرا ہوا ہے۔

ملکہ قلوپطرہ کے بالوں میں بھی سونے کے تار اور سفید قیمتی موتی پروئے ہوئے ہیں۔ اس کا رنگ سانولا اور ناک لمبا تھا۔ کلائیوں میں سونے کے کڑے تھے۔ بازوؤں پر سونے کے سانپ لپیٹے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں گہرا سیاہ کاجل تھا اور پپوٹوں پر نیلے کنول کے بیج کوٹ کر ان کا برادہ چھڑکا ہوا تھا۔

شاریان نے پلنگ کے قریب جا کر جھک کر آداب کیا۔

قلوپطرہ کی دوسری جانب تپائی پر پھلوں کا طشت رکھا تھا۔ قلوپطرہ نے سرخ انگوروں کا ایک گچھا اٹھایا اور اس کے انگور توڑ توڑ کر کھاتے ہوئے بولی۔

"شاریان! تمہاری ملکہ ان دنوں بڑی پریشان ہے، اس لیے اس سے زیادہ دیر الگ نہ رہا کرو۔"

شیبا نے ادب سے کہا۔

"ملکہ سلامت! کنیز دریا پہ کنول کے پھولوں والا پانی پینے گئی

کی طرح اب شیبا بھی اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور تھی ——"

قلوپطرہ اٹھ کر قالین پر ٹہلنے لگی۔ وہ بہت بے چین تھی۔ وہ شیبا کے قریب آ کر رک گئی۔

"شاریان"

قلوپطرہ نے اپنا ہاتھ شیبا کے کندھے پر رکھ کر کہا۔

"کیا تم میرے آخری وقت میں میری مدد نہ کرو گی؟"

شاریان نے جھک کر ادب سے کہا۔

"ملکہ سلامت! میری جان بھی حاضر ہے آپ کے لیے"

شیبا سمجھ گئی تھی کہ ملکہ اب اسے سانپ کے بارے میں کہے گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شیبا تاریخ کے واقعات کو اپنی آنکھوں کے سامنے گزرتے بلکہ خود اس میں داخل ہو کر دیکھ رہی تھی۔ ملکہ قلوپطرہ نے کہا۔

"شاریان! تم میری خاص کنیز ہی نہیں۔ میری رازدار سہیلی بھی ہو۔ اب میں تم سے ایک ایسا کام کرنے کے لیے کہوں گی جو میں صرف تمہیں ہی کہہ سکتی ہوں"

شیبا کو سب معلوم تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔ اس نے جھک کر کہا۔

"میں حاضر ہوں ملکہ سلامت!"

قلوپطرہ نے کہا۔

"ابھی دریائے نیل کے سفید برج میں شاہی ہیرے کے

خبردار اگر تم نے پھر ایسی بات کی ــــــ ہاں۔ اگر تم چاہو تو یہاں سے فرار ہو سکتی ہو۔ میں نے تمہاری حفاظت کا سامان انتظام کروا لیا ہے۔ میرے خاص آدمی تمہیں اپنی حفاظت میں بابل کے شہر میں پہنچا دیں گے۔"

قلو پطرہ نے گردن اٹھا کر کہا۔

"اگر تم ایک بہادر جرنیل ہو تو میں بھی ایک بہادر ملکہ ہوں۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ تاریخ میں میرا نام ایک بزدل ملکہ کہا جائے۔ میں بھی تمہارے ساتھ اسی محل میں رہوں گی اور اپنی عزت بچانے کے اگر جان بھی دینی پڑے تو بڑے سکون سے مر جاؤں گی۔"

شیبا ایک طرف سر جھکائے کھڑی تاریخ کے ان دونوں کرداروں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ ان دونوں کا انجام حسرت ناک موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر اس کے ہونٹ بند تھے۔ وہ انہیں ان کے انجام کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ تاریخ کی ایک خاموش تماشائی تھی۔

○

پاس جاؤ اور اس کے پاس جو سب سے زیادہ زہریلا سانپ ہے اسے ٹوکری میں بند کر کے میرے پاس لے آؤ۔"

"جو حکم ملکہ سلامت!"

شیبا سر جھکا کر شاہی خواب گاہ سے نکل گئی۔

شاہی محل میں فانوس روشن ہو گئے تھے۔ شیبا قلعے کی ڈیوڑھی سے گزر کر دریا کے کنارے پہنچی۔ یہاں اسے دور ہی سے سفید برج نظر آیا۔ اس برج میں شاہی سپیرا رہتا تھا جس کی عمر ستر سال کے قریب تھی۔ اس نے شیبا کو دیکھ کر کہا۔

"شہزادی! کس لیے آئی ہو بیٹی؟"

شیبا نے کہا۔

"ملکہ سلامت نے سب سے زہریلا سانپ منگوایا ہے۔"

بوڑھا سپیرا خاموش ہو گیا۔ شاید اسے سب کچھ معلوم تھا اور ملکہ اس سے پہلے بات کر چکی تھی۔ وہ اٹھا اور ایک پٹاری میں کالے سیاہ رنگ کا ایک فٹ کا سانپ دم سے پکڑ کر نکالا اور اسے ایک چھوٹی سی پٹاری میں بند کر کے ٹوکری میں رکھا اور اوپر سبز پتے اور انجیریں رکھ دیں اور کہا۔

"قلعے کی ڈیوڑھی میں پہرے دار پوچھے کہ یہ کیا ہے تو کہہ دینا ملکہ سلامت کے لیے دریا سے انجیریں توڑ کر لائی ہوں۔"

سانپ، قلوپطرہ اور ابوالہول

انطنی ملکہ قلوپطرہ کی خواب گاہ سے چلا گیا۔
شیبا اسی طرح خاموش کھڑی تھی۔ قلوپطرہ سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر سوائے مایوسی کی پرچھائیوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور سر اٹھا کر شیبا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شارلیان!"
قلوپطرہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
"ایسا لگتا ہے کہ میرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔"
شیبا نے کہا۔
"ایسا نہ کہیں ملکہ سلامت! آخری وقت آپ کے دشمنوں کا آئے۔"
حالانکہ شیبا خوب جانتی تھی کہ ملکہ قلوپطرہ کا سچ مچ آخری وقت آن پہنچا ہے مگر وہ یہ بات اسے نہ کہہ سکتی تھی۔ یہ تاریخ کا ساز تھا اور تاریخ کے اخلاقی ضابطے اور قانون کے مطابق عبرتناک ایا

"شارلیان! صندوق کھول کر ٹوکری نکال کر مجھے دے دو۔ اپنی عزت بچانے کا وقت آگیا ہے۔"
شیبا کا ایک بار دل چاہا کہ اسے خودکشی کرنے سے منع کر دے۔ مگر پھر یہ خیال آیا کہ وہ تاریخ کے واقعات میں دخل نہیں دے سکتی۔ اس نے ادب سے سر جھکایا اور صندوق میں سے ٹوکری نکال کر لے آئی۔ قلوپطرہ نے ٹوکری ہاتھ میں لے کر انجیروں کو پرے ہٹایا۔ اندر چھوٹی سی پٹاری رکھی تھی جس میں زہریلا سانپ بند تھا۔
قلوپطرہ پلنگ پہ لیٹ گئی۔ سانپ کی پٹاری اس نے سینے پہ رکھ لی۔ پھر شیبا کی طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور کہا۔
"الوداع میری پیاری سہیلی!"
شیبا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دنیا کی ایک بہت بڑی ملکہ کو خودکشی کرتے دیکھ رہی تھی مگر اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتی تھی۔ قلوپطرہ نے پٹاری کھولی۔ اس میں ہاتھ ڈال کر سیاہ کالے سانپ کو باہر نکال لیا۔ سانپ نے پھنکارتے ہوئے اپنا چھوٹا سا پھن کھول لیا اور اپنی دوشاخہ سرخ زبان بار بار غصے کی حالت میں باہر نکالنے لگا۔
قلوپطرہ نے اس کا پھن اپنے بازو کے ساتھ لگا لیا۔ سانپ نے پلک جھپکنے میں ڈس دیا۔ شیبا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور

شیبا نے تاریخ میں یہ بھی پڑھا تھا کہ ملکہ قلوپطرہ کو اس کی خاص کنیز نے انجیروں سے بھری ہوئی ٹوکری میں چھپا کر سانپ پیش کیا تھا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ شیبا نے ٹوکری بوڑھے سپیرے سے پکڑ لی اور سلام کر کے واپس روانہ ہوئی۔

قلعے کی ڈیوڑھی میں رات کے وقت چیکنگ سخت ہو جاتی تھی، اور اس وقت تو دشمن کی فوجیں شہر کی دیوار سے چند کوس ہی دور رہ گئی تھیں۔ پہرے داروں نے شیبا کی ٹوکری کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ شیبا نے پتوں میں رکھی ہوئی انجیریں دکھا کر کہا۔

"ملکہ سلامت کے لیے دریا سے تازہ انجیریں توڑ کر لائی ہوں"

حالانکہ ان کے نیچے بہت ہی زہریلا سانپ پٹاری میں بند تھا، لیکن شیبا کے چہرے پر پریشانی کے آثار اس لیے نہیں تھے کہ اس نے تاریخ میں پڑھ لیا تھا کہ سانپ بڑی حفاظت اور رازداری سے قلوپطرہ تک پہنچ گیا تھا اور بعد میں شہنشاہ روم کے حکم سے ان پہریداروں کے سر کاٹ ڈالے گئے تھے کیونکہ ان کی غفلت کی وجہ سے قلوپطرہ خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی جو وہ نہیں چاہتے تھے۔

پہرے داروں نے شیبا کو اندر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ شیبا سانپ کی ٹوکری لے کر قلوپطرہ کی خواب گاہ میں آئی تو وہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ٹوکری لے کر

ہو کر رہے گا۔ پھر بھی اتنی عظیم الشان ملکہ کو اپنے سامنے سانپ ڈسواتے دیکھ کر اس کی ہمت ہی جواب دے گئی تھی۔

سانپ کے زہر نے اپنا کام کر دیا تھا۔ قلوپطرہ کے ہونٹوں سے نیلا جھاگ بہنے لگا تھا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ شیبا شور مچاتی ہوئی بھاگی۔

"ملکہ سلامت نے خودکشی کر لی ہے"

کچھ پہرے دار بھاگ کر اندر آئے۔ انہوں نے فرش پر رینگتے ہوئے سانپ کو کچل ڈالا۔ ملکہ کے پاس جا کر دیکھا۔ ملکہ مر چکی تھی۔ کنیزیں دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ رومن فوجیں محل میں قتلِ عام کر رہی تھیں۔

اب شیبا کو اپنی جان بچانے کی فکر پڑی۔ وہ ملکہ کی خواب گاہ سے نکل کر کنیزوں کے خاص کمرے کی طرف بھاگی۔ شیبا کی آنکھوں کے سامنے رومن سپاہیوں نے کئی مصری پہرے داروں کو قتل کر ڈالا۔ کنیزیں چیخ رہی تھیں۔ کئی کنیزوں کو رومن سپاہیوں نے دبوچ کر اغوا کر لیا۔ شیبا اور دو دوسری کنیزیں جان بچا کر خاص کمرے میں پہنچ گئیں جو تہہ خانے میں تھا۔ اب سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک کنیز کا تو رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ ایک کنیز ذرا زیادہ عمر کی تھی اور سمجھدار تھی۔ اس نے کہا۔

پٹاری کھولی تو کالے سانپ نے پھنکار ماری۔ قلوپطرہ نے جلدی سے پٹاری بند کر دی اور شیبا سے کہا۔

"شاریان! اسے صندوق میں لے جا کر بند کر دو جب اس کی ضرورت پڑے گی تو مجھے لا کر دے دینا"

"جو حکم ملکہ سلامت!" شیبا نے جھک کر کہا۔

اس نے سانپ کی پٹاری صندوق میں جا کر بند کر کے رکھ دی۔

اسی رات شہنشاہ روم کی فوجوں نے قلعے پر حملہ کر دیا اور قلعے کی دیواریں توڑ کر شاہی محل میں داخل ہو گئے۔ جرنیل آکٹو ییس ملکہ قلوپطرہ کو زندہ گرفتار کر کے اسے ذلت کے ساتھ سارے شہر میں پھروانا چاہتا تھا۔ انطونی قلعے کی ڈیوڑھی میں لڑتا لڑتا قتل کر دیا گیا تھا۔ ملکہ قلوپطرہ اپنی خواب گاہ میں پریشان بیٹھی تھی۔

شیبا بھی اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ پریشان نہیں تھی۔ کیونکہ جو کچھ ہونا تھا اسے معلوم تھا۔ لیکن اوپر سے وہ اپنے آپ کو پریشان ظاہر کر رہی تھی۔ اتنے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا اندر آیا اور جھک کر بولا۔

"ملکہ سلامت دشمن کی فوجیں آپ کے محل کی طرف بڑھ رہی ہیں"

اتنا کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ قلوپطرہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے شیبا سے کہا۔

"رونے دھونے سے کچھ نہیں ہو گا۔ شاہی محلوں میں دشمن کی فوجیں قتل عام کیا ہی کرتی ہیں اس لیے اب اپنی عزت اور جان بچا کر یہاں سے نکل چلو"

شیبا نے کہا۔

"ہم یہاں سے کیسے نکل سکتی ہیں؟"

بڑی کنیز بولی۔

"اس خاص کمرے میں ایک خفیہ راستہ قلعے کے باہر نکل جاتا ہے۔ میرے ساتھ آؤ"

وہ کمرے کی پچھلی کوٹھڑی میں گئی۔ شیبا اور دوسری کنیز بھی اس کے ساتھ تھی۔ کوٹھڑی میں جا کر بڑی کنیز نے ایک جگہ سے تختہ ہٹا دیا۔ اور اندر ایک سرنگ کا راستہ نکل آیا۔

"سرنگ میں داخل ہو جاؤ"

تینوں سرنگ میں داخل ہو گئیں۔ سرنگ میں اندھیرا تھا۔ وہ ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ رہی تھیں۔ سرنگ میں مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ یہ جالے ان کے چہروں سے ٹکرا رہے تھے۔ اور وہ انہیں ہاتھ سے ہٹاتی چلی جا رہی تھیں۔

کتنی دیر تک وہ سرنگ میں چلتی چلی گئیں۔ آخر انہیں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا محسوس ہوا۔ بڑی کنیز نے کہا۔

"یہ دریا کی ہوا ہے۔ ہم قلعے سے باہر نکل آئی ہیں"

اور پھر وہ سرنگ سے باہر آگئیں۔

وہ قلعے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر نکلی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ قلعے میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی اور شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں۔

بڑی کنیز کہنے لگی۔

"ہم شاہی پل پر سے دریا پار نہیں کریں گی کیونکہ وہاں دشمن کے سپاہیوں کا پہرہ ہو گا۔ ہمیں اسی جگہ سے دریا میں اتر کر تیرتے ہوئے دریا پار کرنا ہو گا۔"

شیبا اور دوسری کنیز نے کہا۔

"مگر ہمیں تو تیرنا نہیں آتا۔"

بڑی کنیز بولی۔

"تیرنا تو مجھے بھی نہیں آتا۔ لیکن ہمیں اپنی عزت اور جان بچانے کے لیے تیرنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ اگر اسی جگہ بیٹھی رہیں تو دشمن کے سپاہی ہمیں اغوا کر کے لے جائیں گے۔"

رات اندھیری تھی۔ آسمان نیلے ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ دریا کا پاٹ اگرچہ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ مگر اس کی لہریں اندھیرے میں بڑی خوفناک دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑی کنیز نے کہا۔

"یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ دشمن کے سپاہی یہاں کوئی دم میں پہنچ جائیں گے۔ چلو میرے پیچھے دریا میں

چھلانگ لگا دو اور ہاتھ پاؤں مار کر دوسرے کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرو۔"

بڑی کنیز نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد دوسری کنیز اور پھر شیبا نے بھی چھلانگ لگا دی۔

دریا کا پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ شیبا عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ لاہور میں وہ کبھی چھوٹی نہر میں بھی نہیں نہائی تھی اور اب یہاں اسے ایک دم سے اتنے بڑے دریا میں چھلانگ لگانی پڑ گئی تھی۔ پھر بھی اس نے حوصلہ نہ ہارا۔ پہلے تو وہ دریا کے نیچے ہی نیچے چلی گئی۔ پھر اس نے زور زور سے ہاتھ پاؤں ہلائے تو اوپر دریا کی سطح پر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ دوسری کنیزیں بھی اوپر آ چکی تھیں۔

شیبا نے اندازے سے بازو ہلاتے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں اسے دوسری کنیزوں کے سر ہی دکھائی دے رہے تھے۔ شیبا کو ایک دو بار غوطہ بھی آ گیا۔ مگر اس نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اپنے سر کو پانی سے باہر ہی رکھنے کی کوشش کی۔

پھر اسے ایک کنیز کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

"مگر مجھے ——"

اس کے منہ سے نکلا اور پھر اس کا سر پانی کے اندر غائب

ہو گیا۔ دریائے نیل کا خونی مگرمچھ اسے ٹانگوں سے پکڑ کر نیچے کھینچ کر لے گیا تھا۔ شیبا نے بڑی کنیز کو آواز دی۔ مگر اس نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ شیبا کو اب اپنی پڑی ہوئی تھی۔ وہ کسی دوسرے کی کیا مدد کر سکتی تھی۔ وہ خود ڈوبنے والی تھی۔ اتنا وہ سمجھ گئی تھی کہ دریا میں کوئی خونی مگرمچھ رہتا ہے جس نے پہلے ایک کنیز کو پکڑا اور پھر دوسری کنیز کو گھسیٹ کر پانی کے اندر نیچے لے گیا ہے۔

شیبا نے شکار کی کہانیوں میں پڑھ رکھا تھا کہ مگرمچھ اپنے شکار کو ٹانگوں سے دبوچ کر پانی کے اندر ہی اندر لے جاتا ہے اور وہاں اسے پانی کے اندر غار میں جا کر رکھ دیتا ہے تاکہ جب لاش گل سڑ جائے تو وہ اسے چٹ کرے۔

شیبا ڈر رہی تھی کہ دونوں کنیزوں کے بعد کہیں اس کی بھی باری نہ آ جائے۔ موت سامنے کھڑی ہو تو انسان کے اندر ایک بار تو بہت طاقت آ جاتی۔ یہی حال شیبا کا ہو رہا تھا۔ موت اس کے سر پہ منڈلانے لگی تھی۔ اس کے اندر اپنی جان بچانے کے لیے بے پناہ قوت آ گئی اور اس نے اتنی طاقت کے ساتھ جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے کہ دریا کی لہروں نے اسے تیزی کے ساتھ اٹھا کر دریا کے دوسرے کنارے پہ پہنچا دیا۔

شیبا لمبی لمبی گھاس کو پکڑ کر کنارے پہ آ گئی۔ اس کے سارے

کپڑے بھیگ گئے تھے۔ وہ تھک کر چور ہو رہی تھی۔ لیکن جان بچ جانے کی اسے خوشی بھی بہت تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور کنارے سے اٹھ کر دور جا کر کھجور کے ایک درخت تلے بیٹھ گئی۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں مگرمچھ دریا کے کنارے پر سے اسے گھسیٹ نہ لے۔

شیبا نے اب جو اپنی حالت پہ غور کیا تو اسے رونا آ گیا۔ عنبر ناگ ماریا کی داستان میں ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ مگر ان میں تو بڑی طاقتیں تھیں۔ مثلاً عنبر مر نہیں سکتا تھا۔ ماریا غائب تھی اور زمین سے دو چار فٹ بلند ہو کر ہوا میں اڑ بھی سکتی تھی اور ناگ اپنی جون بدل کر جس جانور کی چاہے شکل اختیار کر سکتا تھا۔ اور خلائی لڑکی کیٹی کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی زبردست طاقت اپنے اندر رکھتی تھی اور سوائے زہریلی گیس اور آگ کے اور کسی طرح سے نہیں مر سکتی تھی۔ لیکن شیبا بے چاری تو ایک عام کمزور لڑکی تھی۔

اب اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے تین ہزار سال پرانے زمانے میں آ کر کس قدر حماقت کی ہے۔ خدا جانے اب وہ واپس بھی جا سکے گی یا نہیں ——— اس کا حال تو علی بابا چالیس چور کی کہانی کے کردار قاسم کی طرح تھا جو ڈاکوؤں کے غار کے اندر تو آ گیا مگر اب کھل جا سم سم کہنا بھول گیا تھا اور غار کے اندر

بلند ہو چکا تھا۔

تین ہزار سال پہلے کی آدھی رات ـــــ خاموشی ـــــ ایسی خوفناک خاموشی کہ شیبا نے لاہور میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کہاں سکوٹروں، موٹرکاروں، رکشوں اور ٹرکوں کا شور اور کہاں ایسی خاموشی جیسے وہ زمین کے اندر ہزاروں فٹ نیچے آگئی ہو۔ اتنا سکوت تھا۔ اتنی خاموشی تھی کہ شیبا کو دریا کی پُرسکون لہروں کے بہنے کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اس کے کپڑے کچھ کچھ سوکھ گئے تھے۔ دور محلے اور محل کی طرف سے شعلے اُٹھتے صاف نظر آ رہے تھے۔

شیبا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے؟ کیا کر سکتی ہے؟ اور اس کے ساتھ آگے چل کر کس قسم کے واقعات پیش آئیں گے۔ سب سے پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا یہی تھا کہ ابھی رات کا اندھیرا ہے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اس شہر سے جس قدر دُور ہو سکتی ہے دور ہو جائے۔ اسے نہ تو پرانے مصر کے شہروں کا علم تھا اور نہ ہی یہ پتہ تھا کہ جس طرف کو وہ جائے گی آگے کون سا شہر آجائے گا۔

وہ یہ سوچ کر کھجور کے درخت کے نیچے سے اٹھی اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔ رات کے اندھیرے میں وہ ایک ایسے صحرا میں سے گزر رہی تھی جہاں کہیں کہیں کھجوروں کے جھنڈ اور انگور و انجیر کے باغ بھی تھے کیونکہ یہ علاقہ شہر کے قریب دریا کے کنارے کا علاقہ تھا اس لیے

زرخیز تھا۔ چلتے چلتے وہ ان باغوں اور کھجوروں کے جھنڈوں سے بھی دور نکل گئی۔ لاہور میں وہ کبھی اتنا پیدل نہیں چلی تھی۔ گھر سے وہ کالج بس میں جاتی تھی۔ لائبریری میں بھی بس میں بیٹھ کر یا اپنے والد کی کار میں سوار ہو کر آجاتی تھی۔

چنانچہ وہ بہت جلد تھک گئی۔ وہ ایک ریتلے میدان میں چل رہی تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں اسے ریتلے میدان میں تھوڑی دور ایک چھوٹا سا ٹیلہ دکھائی دیا۔ وہ اس ٹیلے کی طرف بڑھی کہ وہاں جا کر کچھ دیر آرام کرے گی۔

ٹیلے کے پاس پہنچ کر شیبا نے دیکھا کہ ٹیلہ چھوٹا سا تھا اس کے اوپر ابوالہول کا ایک بُت بنا ہوا تھا۔ شیبا نے اس بُت کو فوراً پہچان لیا۔ یہ بت تین ہزار سال بعد ۱۹۸۳ء کے زمانے میں بھی مصر میں موجود تھا مگر جس زمانے سے شیبا آئی تھی اس زمانے میں ابوالہول کے اس بت کی حالت بہت خستہ تھی اور ٹوٹا پھوٹا ہوا تھا۔ مگر اس وقت جبکہ شیبا اس بت سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی یہ بت بڑی صحیح حالت میں تھا اور ستاروں کی روشنی میں بھی اس کے نقش و نگار اور اس کے چہرے پر ملا ہوا نیلا روغن چمک رہا تھا۔ اس بت کا نچلا دھڑ شیر کا تھا اور سر فرعون مصر کا تھا۔

ٹیلے پر چوڑی سیڑھیاں اس بُت تک چلی گئیں تھیں۔ شیبا نے سوچا کہ اوپر بُت کے پاس جا کر تھوڑی دیر سو کر آرام کرے ـــــ

وہ سیڑھیاں چڑھ کر بت کے پاس آگئی ـــــ گہری خاموشی اور رات
کے اندھیرے میں یہ بت بہت ہی ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ شیبا نے اب غور
سے دیکھا کہ یہ بہت بڑا بت تھا۔ شیر کا دھڑ بھی نیلے رنگ کا تھا اور
اس کے پچھلے پنجوں کے درمیان میں چھوٹی چھوٹی گلیاں سی بنی ہوئی تھیں
اندھیرے میں شیبا نے دیکھا کہ ان گلیوں میں ایک جگہ پتھر کا چھوٹا سا چبوترا
بنا ہوا تھا۔

شیبا کو نیند آرہی تھی۔

وہ آرام کرنے کے خیال سے اس پتھر کے چھوٹے سے چبوترے پر
لیٹ گئی۔ لیٹنے کے بعد اس کا سر لوہے کی ایک چھوٹی سی کیل سے لگا۔
اس نے کیل کو باہر اکھاڑنے کی کوشش کی تو کیل اس کے ہاتھ میں آگیا۔
لیکن اس کے ساتھ ہی چبوترا ایک طرف کو جھک گیا اور شیبا لڑھک
کر ایک اندھیری کوٹھڑی میں گر پڑی۔

وہ جلدی سے اٹھی اور اس نے ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھا کہ وہ
ایک چھوٹی سی قبر نما کوٹھڑی میں آگئی تھی اور چبوترا کھسک کر واپس
اپنی جگہ پر چلا گیا تھا۔ شیبا نے سر پیٹ لیا کہ وہ خوامخواہ اس چبوترے
پر لیٹی۔ یہ اندھیری کوٹھڑی اس قدر چھوٹی تھی کہ اٹھنے سے اس کا
سر چھت سے جا لگتا تھا اور لیٹتی تھی تو اس کے پاؤں دیواروں سے ٹکراتے
تھے۔

اس نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح پتھر کی سل کو ہٹا کر بھی

نکل جائے مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ پتھر کی سل چھت
کے ساتھ برابر ہو گئی تھی اور سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے
ذرا سی بھی ہل جائے۔

لاہور کالج کی تاریخ کی سٹوڈنٹ عنبر ناگ ماریا کے پانچ ہزار سالہ
واپسی کے سفر کے ایڈونچر میں خود پھنس گئی تھی اور اس کا اپنا خطرناک
ایڈونچر شروع ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ حوصلہ ہار دینے سے سوائے
اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی
اور اس کے کسی رشتہ دار عزیز کو قیامت تک معلوم نہ ہو سکے گا کہ
اس کی لاش مصر کے صحرا میں ابوالہول کے کھنڈر کے نیچے پنجر بن کر
پڑی ہوئی ہے۔ اس لیے یہاں سے فرار ہونے کے لیے عقل سے کام
لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

شیبا نے دیواروں اور فرش کو ٹٹول ٹٹول کر دو تین بار دیکھا۔
دیواریں اور چھت سخت پتھر کے بنے ہوئے تھے اور وہاں کوئی ہلکی
سی درز بھی نہیں تھی ـــــــ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ آنکھوں
سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے ماں باپ اور بہن
بھائیوں کو یاد کر کے آنسو آگئے۔ کچھ دیر وہ آہستہ آہستہ سسکیاں
لیتے ہوئے روتی رہی۔ اس اندھیری قبر میں اس کے آنسو دیکھنے والا
کوئی نہیں تھا پھر اس نے سجدے میں گر کر خدا سے گڑگڑا کر اپنی نجات
کے لیے دعا مانگی اور دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

خدا جانے وہ کتنی دیر سوتی رہی ہوگی کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔

اندھیری قبر نما پتھریلی کوٹھڑی میں دن کی روشنی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ باہر کتنا دن چڑھ آیا ہے۔ شیبا نے سوچا کہ اگر یہ کوٹھڑی چاروں طرف سے بند ہے تو اسے آکسیجن کہاں سے آ رہی ہے؟

اگر اسے تازہ ہوا یعنی آکسیجن نہ آ رہی ہوتی تو اب تک تو وہ دم گھٹ جانے سے مر گئی ہوتی۔ اندر کوٹھڑی کی ساری فضا کاربن ڈائی آکسائیڈ سے بھر چکی ہوتی جو کہ اس کے سانس کے ساتھ اس کے جسم سے باہر نکل رہی تھی۔ سوال یہ تھا کہ وہ سوراخ کہاں ہے جہاں سے تازہ ہوا آ رہی ہے اور گندی ہوا باہر جا رہی ہے۔

شیبا نے ایک بار پھر بڑی احتیاط کے ساتھ دیواروں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ ہاتھ پھیرتے پھیرتے ایک جگہ اس کا ہاتھ دیوار میں سے تھوڑی سی ابھری ہوئی کسی نلکی سے ٹکرایا۔ شیبا نے اس نلکی کے آگے منہ رکھا تو اسے محسوس ہوا کہ نلکی میں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ شیبا نے نلکی کو پکڑ کر اندر کی طرف کھینچا۔ مگر نلکی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ اس میں سے تازہ اور ٹھنڈی ہوا برابر آ رہی تھی۔

اسے بھوک اور پیاس نے ستانا شروع کیا۔ شیبا نے سوچا کہ وہ دم گھٹنے سے تو نہیں مری لیکن پیاس کی وجہ سے بہت جلد مر جائے گی۔ ابھی اسے اتنی پیاس نہیں لگی تھی کہ اس کا حلق خشک

ہو اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم جائیں مگر تھوڑی دیر بعد اس کی یہ حالت ہونے والی تھی۔

شیبا نے نلکی کو ہلانے کا کام نہ چھوڑا۔ اسے محسوس ہوا کہ زیادہ ہلانے جلانے سے نلکی اپنی جگہ سے ہل گئی ہے۔ کافی دیر بعد جب شیبا کا حلق پیاس سے خشک ہونا شروع ہو گیا تھا نلکی اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے نلکی پرے پھینک دی اور سوراخ میں انگلی ڈال کر اسے چوڑا کرنے لگی۔ ریت اور چونا نیچے گرنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا زیادہ آنے لگی تھی۔

شیبا نے سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھنے کی کوشش کی مگر دوسری جانب بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لیکن ہوا خوب تازہ تھی۔ بہت زیادہ محنت کرنے کے بعد شیبا ایک پتھر کی سل کو اکھاڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد تھوڑی سی محنت کے بعد دوسری اور پھر تیسری سل بھی اکھڑ گئی اور پھر وہاں اتنا سوراخ بن گیا کہ شیبا اس میں سے گزر کر دوسری طرف چلی گئی۔

یہ سوراخ زمین سے چار فٹ کی بلندی پر ایک دیوار میں تھا۔ شیبا ایک کھلی کوٹھڑی میں آ گئی تھی جس کی ایک جانب سرنگ سی آگے جا رہی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد شیبا نے پانی کے گرنے کی آواز سنی اب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی

سادی ہو گئی تھیں۔

اس نے کچھ دُور آگے جا کر دیکھا کہ سُرنگ میں ایک طرف سے پانی نکل کر زمین پر بنی ہوئی گول باؤلی میں گر رہا تھا۔ شیبا کا پیاس کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس نے جاتے ہی باؤلی کا ٹھنڈا پانی پینا شروع کر دیا۔ خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ وہ تازہ دم ہو گئی اور باؤلی کے پاس زمین پر بیٹھ کر غور کرنے لگی کہ سُرنگ کے اندر یہ جو پانی آ رہا ہے یہ کہاں سے آ رہا ہے پانی زمین کے اندر ہی اندر جذب ہو کر خدا جانے کہاں چلا جاتا تھا۔ یہ قدیم مصر کے راز تھے جو آج تک کسی کو معلوم نہ ہو سکے تھے۔

باؤلی سے آگے سرنگ پھر آگے نکل گئی تھی۔

شیبا نے سوچا کہ یہاں سے کسی طرح نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے چنانچہ اسی خیال کے ساتھ وہ اُٹھی اور سرنگ میں چلنے لگی۔ سرنگ میں اندھیرا تھا اور تازہ ہوا اسی طرح آ رہی تھی۔ پانی پی کر شیبا کے اندر ایک نئی طاقت آ گئی تھی۔ اگرچہ اسے بھوک بھی لگی تھی مگر پانی پی لینے سے اسے کافی حوصلہ ہو گیا تھا اور بھوک کا احساس تھوڑی دیر کے لیے مٹ گیا تھا۔

سُرنگ کا فرش ٹھنڈی ریت کا تھا اور ڈھلانی ہونے لگا تھا۔ شیبا کو محسوس ہوا کہ وہ زمین کے نیچے کی طرف جا رہی ہے۔ جیسے کوئی اترائی اُتر رہا ہو۔ آگے جا کر زمین پھر ہموار ہو

گئی۔

اب شیبا نے ایک روشنی سی دیکھی جو سرنگ کی چھت پر ایک جگہ پڑ رہی تھی۔ یہ روشنی ایک کھڑکی میں سے نکل رہی تھی جو روشن دان کی طرح دیوار میں اوپر جا کر بنا ہوا تھا۔ قریب پہنچی تو وہاں پتھر کی سیڑھی بنی ہوئی تھی جو روشن دان تک چلی گئی تھی۔ روشنی اسی میں سے نکل رہی تھی۔ یہ روشنی شیبا کے لاہور والے گھر کے بلب یا ٹیوب لائٹ کی طرح کی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک ہلکی نیلی اور سبز روشنی تھی جو کسی وقت تبدیل ہو کر زرد ہو جاتی تھی اور پھر ہلکا نیلا رنگ اختیار کر لیتی تھی۔

شیبا سیڑھیاں چڑھ کر روشن دان تک گئی۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دوسری طرف جھانکا تو کیا دیکھتی ہے کہ اُدھر ایک چھوٹے سے تخت پر کالی بلی کا ایک بت رکھا ہے جس کے آگے تھال میں پھل اور خشک میوے پڑے تھے۔ ایک کٹورا بھی پاس ہی پڑا تھا جو اوپر سے ڈھکا ہوا تھا۔ روشن دان میں سے فرش زیادہ دور نہیں تھا پھل اور خشک میوے دیکھ کر شیبا کی بھوک چمک اٹھی۔ اس نے دیکھا کہ کوٹھری میں اور کوئی نہیں تھا اور کالی بلی کے سر پر ایک دیا جل رہا تھا۔ جس کی لو کبھی ہلکی نیلی کبھی سبز اور کبھی زرد ہو جاتی تھی۔

شیبا اس کوٹھری میں کود گئی۔

تاریخ کی کتابوں میں اور پھر عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطوں میں اس نے پڑھا تھا کہ مصر کے بعض بادشاہ کالی بلی کی پوجا کیا کرتے

تھے اور ان کے بُت بنا کر بُت خانوں میں رکھا کرتے تھے۔

پھل باسی ہو گئے تھے اور خشک میوے ویسے کے ویسے ہی تھے۔ شیبا کو بڑی بھوک لگی تھی۔ اس نے خشک میوے کھانے شروع کر دیئے۔ کٹورے میں دریا کا پانی رکھا ہوا تھا۔ اس نے سارے میوے کھا کر پانی پیا تو وہ پھر سے تازہ دم ہو گئی۔ خدا جانے کون کہاں سے آ کر بلی کے بُت کے آگے یہ چیزیں رکھ گیا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بُت آدھی رات کو کھانے پینے کی چیزوں میں سے ان کی طاقت اور رس نکال کر کھا جاتے ہیں۔ اس لیے وہ لوگ اپنے بُتوں کے آگے کھانے پینے کی چیزیں رکھا کرتے تھے۔ شیبا نے دیکھا کہ بُت کے پیچھے دیوار کے ساتھ ایک تابوت پڑا تھا جس پر ایک ممی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس نے قریب جا کر تابوت کو اٹھایا تو اس کے اندر کسی ممی کا سونے کا بُت پڑا تھا۔

شیبا اسے غور سے تک رہی تھی کہ اسے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ آوازیں دیوار کے پیچھے سے آ رہی تھیں اور قریب آتی جا رہی تھیں یہ لوگ اندر آ رہے تھے۔ شیبا کو اور کچھ نہ سوجھا۔ وہ تابوت کے اندر داخل ہو کر سونے کے بت کے ساتھ لیٹ گئی اور تابوت کا ڈھکنا اوپر سے بند کر لیا۔

اور تابوت ہوا میں اُڑنے لگا

تابوت میں سرہانے کی طرف دو سوراخ تھے۔

سوراخ بہت چھوٹے تھے مگر شیبا ان میں سے باہر کا منظر دیکھ سکتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ الگ ہو گئی اور اس میں سے تین آدمی نکل کر اندر آ گئے۔ دو آدمیوں نے نیلے رنگ کے موٹے کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ بڑے ہٹے کٹے آدمی تھے۔ سروں پر کالے ہی بال تھے۔ کمر کے ساتھ لمبے خنجر لٹکے ہوئے تھے۔ تیسرا آدمی بھاری بھر کم تھا مگر اس کا سر منڈا ہوا تھا اور اس نے مصر کے پجاریوں یعنی راہبوں کا زرد لباس پہن رکھا تھا۔

دونوں آدمی شکل و صورت سے ڈاکو لگ رہے تھے۔ وہ اندر آتے ہی بے تابی سے تابوت کی طرف بڑھے۔ لیکن پجاری اچانک ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

"ہم تسلی کرنا چاہتے ہیں کہ تابوت کے اندر سونے کی مورتی ہے کہ نہیں ——— ہم نے تمہیں بھاری رشوت

وی ہے"

پجاری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ ایک مقدس مورتی ہے۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے چوبیس گھنٹوں سے پہلے تابوت کھول کر مورتی کو دیکھا تو تم دونوں اندھے ہو جاؤ گے اور مقدس مورتی تم سے انتقام لے گی"

دوسرا ڈاکو بولا۔

"تم ہمیں بتا دو کہ اس کے اندر مورتی موجود ہے"

پجاری نے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مورتی سونے کی ہے اور اس تابوت کے اندر رکھی گئی ہے۔ اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے ـــ کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ اسے چوبیس گھنٹوں سے پہلے نہیں کھولو گے؟ کیونکہ اگر تم نے اسے کھول دیا تو اس کا اثر مجھ پر بھی پڑے گا اور ہو سکتا ہے تمہارے اندھے ہونے کے ساتھ ساتھ مورتی زندہ ہو جائے اور تمہیں ہلاک کر ڈالے"

ڈاکو اگرچہ بڑے ظالم اور قاتل قسم کے انسان تھے اور ان کے دلوں میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن پرانے زمانے کے لوگوں کی طرح وہ بھی بڑے وہم پرست تھے۔ انہوں نے

یک زبان ہو کر پجاری کی یتی کا ہن کو یقین دلایا کہ وہ چوبیس گھنٹے سے پہلے تابوت کا ڈھکنا ہرگز ہرگز نہیں کھولیں گے۔ پجاری کاہن نے کہا۔

"کونے میں سے رسّی اٹھاؤ اور تابوت کے گرد لپیٹ کر کس کر باندھ دو تاکہ اس کا ڈھکنا غلطی سے بھی نہ کھل جائے"

شیبا تابوت کے اندر سونے کی مورتی کے اوپر بنی سوراخ میں سے یہ سب کچھ دیکھ اور سُن رہی تھی۔ ڈاکوؤں نے کونے میں سے رسی اٹھائی اور اسے تابوت کے گرد لپیٹ کر کس کر باندھ دیا۔ ایک ڈاکو نے رسّی باندھنے کے لیے تابوت کو ذرا سا اوپر اٹھایا تو بولا۔

"تابوت بڑا بھاری ہے شلانگو سردار۔ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر دو مورتیاں ہیں"

شلانگو ڈاکو جو اپنے ڈاکوؤں کے گروہ کا سردار تھا بولا۔

"حرامی ـــ کیا خبر اندر دو ہی مورتیاں ہوں اور اس خبیث پجاری کو پتہ ہی نہ چلا ہو"

اور وہ دونوں کھی کھی کر کے ہنس دیئے۔ پجاری نے کہا۔

"جلدی کرو۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ میں تمہیں دیوتا اشرانی کا سونے کا بُت دے رہا ہوں"

شلانگو ڈاکو نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ مت بھولو کہ ہم نے بھی تمہیں کافی رشوت دی ہے اب اس پر ہمارا حق ہے۔"

پجاری بولا "میں حق ناحق کی بات نہیں کر رہا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دیر نہ کرو۔ اگر دن نکل آیا تو یہ بت جس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے سارے میوے خشک چٹ کر لیے ہیں زندہ ہو کر ہم تینوں کو بھی ہڑپ کر جائے گا۔"

اس خیال سے دونوں ڈاکو ڈر گئے۔ کیونکہ وہ وہم پرست تھے اور جو لوگ وہم کرتے ہیں وہ بزدل ہوتے ہیں۔

انہوں نے جلدی سے تابوت کو کاندھوں پر اٹھایا اور دروازے میں سے باہر نکل گئے۔ پجاری بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ شیبا کو اب سوراخوں میں سے اندھیری دیواریں دکھائی دے رہی تھیں۔ ڈاکو تابوت اٹھائے کسی اندھیری سرنگ میں سے گزر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد شیبا کو تازہ ہوا لگی۔ اس نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں اسے ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے دور تک پھیلے نظر آئے۔ تابوت کو ایک اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ ڈاکو شلانگو اور اس کے ساتھی نے پجاری کو الوداع کہا۔ پجاری گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری طرف روانہ ہو گیا اور دونوں ڈاکو اونٹ کے ساتھ ساتھ گھوڑوں پر سوار دوسری طرف روانہ ہو گئے۔

○

ڈاکوؤں کا سفر ساری رات جاری رہا۔

صبح ہوئی تو تابوت کے سوراخ میں سے دن کی روشنی اندر آنے لگی۔ اسی طرح آدھا دن گزر گیا۔ شیبا کو پیاس لگ رہی تھی۔ مگر وہ کسی کو آواز نہیں دے سکتی تھی۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اسے لاہور میں اپنا شادمان کالونی والا بنگلہ یاد آ رہا تھا جہاں وہ صبح اٹھ کر انڈے اور دودھ کا ناشتہ کرتی تھی۔ کہاں شادمان کی کوٹھی کا آرام اور کہاں یہ تابوت ——!

دوپہر کے بعد شلانگو سردار اور اس کا ساتھی ڈاکو ایک بہت بڑی چٹان کے غار میں داخل ہو گئے۔ اونٹ سے سونے کی مقدس مورتی کا تابوت اتار کر انہوں نے غار میں ایک طرف رکھ دیا اور تابوت کے اوپر سے رسی اتاری تا کہ غار کے منہ پر رکھنے کے لیے جھاڑیاں لا سکیں۔ پھر خود تھیلے میں سے خشک باجرے کی روٹی نکال کر پیاز کے ساتھ کھانے لگے۔ پانی کا مشکیزہ ان کے پاس ہی تھا۔ شلانگو نے کہا۔

"ہم کل صبح کے وقت تابوت کو کھول سکیں گے۔ خبردار اس سے پہلے تابوت کھولنے کی کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو اندھے ہو جاؤ گے۔ اور مورتی زندہ ہو کر ہم دونوں کو قتل کر دے گی۔"

ڈاکو کہنے لگا۔

"سردار کیا میں پاگل ہو گیا ہوں جو چوبیس گھنٹے سے پہلے تابوت کو کھولوں گا تم بے فکر رہو۔ ہم اسے کل صبح کھولیں گے"

شلانگو سردار بولا۔

"جلدی سے روٹی ختم کرو۔ ابھی ہمیں کارواں سرائے میں جاکر پتہ کرنا ہے کہ ملک روم کو قافلہ کس دن روانہ ہو گا کیونکہ روم میں اس مورتی کی کافی قیمت پڑے گی"

دونوں جلدی جلدی کھانا کھا کر اٹھے۔ بچی ہوئی روٹی کا تھیلا انہوں نے پانی کے مشکیزے کے ساتھ کونے میں ایک طرف رکھ دیا غار کے منہ پر سوکھی جھاڑیاں وغیرہ ڈال دیں کہ کسی کو نظر نہ آئے۔ اونٹ کو ٹیلے کے پیچھے لے جاکر ایک جگہ باندھا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر کارواں سرائے کی طرف چلے۔

ان کے جاتے ہی شیبا تابوت میں سے باہر نکل آئی۔

پہلا کام اس نے یہ کیا کہ تھیلے میں سے بچی ہوئی باجرے کی روٹی نکال کر پیاز کے ساتھ کھائی اور مشکیزے کا ٹھنڈا پانی پیا۔ ایسا کھانا اس نے زندگی میں کبھی نہیں کھایا تھا۔ لیکن جو مزہ اسے اس روز آیا کبھی روغنی نان اور بھنے ہوئے مرغ کھانے سے نہیں آیا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور غار کے منہ پر آکر جھاڑیوں میں

سے باہر جھانکا۔ دور دور تک صحرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اکیلی نکل بھی آتی تو صحرا میں راستہ بھول کر ہلاک ہو سکتی تھی۔ صحرا بڑا بے رحم ہوتا ہے۔ ایک بار کوئی انجان آدمی راستے سے بھٹک جائے تو پھر خدا ہی اسے موت کے منہ سے بچا سکتا ہے۔

اس لیے شیبا نے فیصلہ کیا کہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ ہی رہے۔ جب تک کہ یہ لوگ کسی بڑے شہر میں نہیں پہنچ جاتے ——— شیبا کو اپنے ماں باپ اور بہن بھائی اور عنبر بہت یاد آ رہے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اگرچہ اسے لاہور سے اس تین ہزار سالہ پرانے زمانے میں آئے تین چار دن گزر گئے ہیں لیکن لاہور میں اسے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے اور عنبر ابھی تک اسی طرح چھت پر سو رہا ہو گا۔ اور کسی کو اس کے گھر سے چلے جانے کی خبر نہیں ہوئی ہو گی۔

اور اس کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ لاہور میں شیبا کو گئے صرف آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا۔ اور عنبر اور شیبا کے گھر والے اپنے اپنے بستروں پہ آرام سے پڑے سو رہے تھے۔

شیبا کچھ دیر غار میں ٹہلتی رہی۔ پھر اس نے تابوت میں بیٹھی ہوئی مقدس مورتی کو دیکھا۔ یہ زیادہ بڑی مورتی نہیں تھی اور خالص سونے کی تھی۔ شیبا نے سوچا کہ یہ مورتی ڈاکوؤں کے ہاتھ نہیں آنی چاہیئے اس نے مورتی کو تابوت میں سے باہر

نکالا اور غار میں دیوار کے آگے پڑے ہوئے پتھروں کے درمیان گڑھا کھود کر اس میں دفن کر کے اوپر پتھر رکھ دیئے۔ چھ سات پتھر اس نے تابوت میں بھی رکھ دیئے۔ تاکہ ڈاکوؤں کو تابوت اٹھاتے ہوئے بوجھ کم محسوس نہ ہو۔

اسے باہر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی۔

شیبا جلدی سے تابوت کے اندر لیٹ گئی اور ڈھکنا بند کر لیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر دونوں ڈاکو غار میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ غار میں کسی کے پاؤں کے نشان تھے اور کوئی تھیلے میں سے روٹی کھا گیا تھا۔ شلانگو نے کہا۔

"کوئی یہاں آیا تھا۔"

دوسرا ڈاکو بولا۔

"سردار! ضرور کسی نے ہماری سونے کی مورتی چوری کر لی ہے۔ تابوت کھول کر دیکھو۔"

"نہیں" شلانگو بولا۔

"چوبیس گھنٹے سے پہلے ہم تابوت نہیں کھولیں گے۔ ہم اندھے ہو جائیں گے۔ اور مقدس دیوی اشراقی ہم سے انتقام لے گی۔"

ڈاکو نے کہا۔

"سردار! مجھے یقین ہے کہ چور ہماری مورتی چرا کر

لے گئے ہیں۔"

شلانگو نے چیخ کر کہا۔

"خاموش رہو — میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ چوبیس گھنٹوں سے پہلے تابوت نہیں کھولا جائے گا۔"

شیبا تابوت کے اندر بیٹھی یہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے پجاری کی یہ بات بھی سن رکھی تھی کہ اگر وقت سے پہلے تابوت کھولا گیا تو دیوی اشراقی ناراض ہو کر ان دونوں کو ہلاک کر دے گی۔

دونوں ڈاکو اٹھ کر غار سے باہر چلے گئے۔

شام ہو گئی ڈاکو غار میں نہ آئے۔ شیبا تابوت کھول کر اس میں بیٹھی رہی۔ اس نے تھوڑی سی اور روٹی کھالی اور پانی پی لیا۔ تاکہ بعد میں اسے بھوک اور پیاس بےتاب نہ کرے — جب رات ہو گئی تو شلانگو اور اس کا ساتھی ڈاکو باہر سو گئے۔

شیبا بھی تابوت میں لیٹ گئی۔ یہ لوگ صبح وہاں سے ملک روم کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ آدھی رات کو شلانگو ڈاکو کے ساتھی کے دل میں پھر خیال آیا کہ چل کر مورتی دیکھی جائے کہ تابوت میں ہے کہ نہیں۔ انہوں نے غار میں ایک مشعل روشن کر رکھی تھی۔ ڈاکو کے قدموں کی آہٹ سے شیبا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سوراخ میں سے دیکھا کہ شلانگو کا ساتھی دبے پاؤں تابوت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شیبا اداکاری کرنے کے لیے بالکل تیار ہو گئی۔
ڈاکو نے قریب آکر تابوت کو کھول دیا۔
تابوت کے کھلتے ہی شیبا نے ایک چیخ مار کر دونوں بازو ہوا میں پھیلا دیئے۔ ڈاکو ایک دم سے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا اور دیوی معاف کر دو۔ معاف کر دو ـــــ کہتا ہوا سجدے میں گر گیا۔
چیخ کی آواز سُن کر شلانگو سردار بھاگ کر غار میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوب صورت لڑکی دونوں بازو پھیلائے تابوت میں بیٹھی بڑی بڑی آنکھوں سے گھُور رہی ہے۔ اور اس کا ساتھی ڈاکو سامنے زمین پر سجدے میں گرا ہوا ہے۔ شلانگو سمجھ گیا کہ اس کمینے نے "تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا ہو گا اور دیوی اشرانی زندہ ہو گئی ہے۔
شلانگو نے ہاتھ باندھ کر کہا۔
"دیوی اشرانی! میرے ساتھی سے بھول ہو گئی۔ اسے معاف کر دو۔ اس کی خطا بخش دو۔"
شیبا نے کہا۔
"تم لوگوں نے مجھے ہزاروں سال کی نیند سے بے آرام کیا ہے۔ میں تم سے اس کا بدلہ لوں گی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"
شلانگو بھی جھک کر گھٹنوں کے بل گر گیا اور گڑگڑا کر بولا۔
"دیوی اشرانی! میں تمہارا خادم ہوں۔ میں نے تمہارا

تابوت نہیں کھولا۔ تابوت اس نے کھولا ہے۔ مجھے سزا نہ دینا۔"
شیبا نے کہا۔
"میں تمہیں ایک شرط پہ معاف کر سکتی ہوں کہ تم دونوں اونٹ پر سوار ہو کر اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھو۔ یہاں تک کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔ اگر تم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا عذاب تم دونوں کو وہیں زمین میں دفن کر دے گا۔"
دونوں ڈاکو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔
"ہم جا رہے ہیں دیوی! تم نے ہماری جان بخشی کر دی ہے۔ ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"
شیبا نے تیز آواز میں کہا۔
"بک بک بند کرو اور دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔ نہیں تو میں تمہیں آگ میں جلا کر راکھ کر دوں گی۔"
دونوں ڈاکو اُٹھے اور تیزی سے غار میں سے باہر نکل آئے۔ اونٹ پر سوار ہوئے اور اونٹ کو بھگاتے ہوئے وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ شیبا نے غار کے منہ پر آ کر دیکھا۔ ستاروں کی روشنی میں ڈاکوؤں کا اونٹ صحرا میں مشرق کی جانب بھاگا چلا جا رہا تھا۔
شیبا نے اطمینان کا سانس لیا اور غار میں واپس آکر زمین پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ سو گئی۔ ابھی اسے سوئے ایک

گھنٹہ ہوا تھا کہ ایک آواز نے اسے نیند سے بیدار کر دیا۔

شیبا نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ غار میں مشعل جل رہی تھی۔ اس کی روشنی غار کی دیواروں پر پڑ رہی تھی اور پتھروں کے سائے ابھر رہے تھے۔

یہ آواز کیسی تھی؟ شیبا نے سوچا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ کیونکہ اسے پھر کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ اس نے اٹھ کر غار میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ غار خالی تھی۔ تابوت بھی اسی طرح خالی پڑا تھا۔

شیبا نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی ——

کوئی دس منٹ کے بعد جبکہ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسے پھر وہی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بہت نرمی اور محبت سے اس کا نام لے کر بلا رہا ہو —— شیبا ڈر کر اٹھ بیٹھی۔

اس نے کان لگا دیئے۔ آواز پھر آئی۔

"شیبا —— شیبا —— یہاں آؤ"

آواز کونے میں ان پتھروں میں سے آ رہی تھی جہاں اس نے سہ پہر کو مقدس مورتی دفن کی تھی۔ شیبا آہستہ آہستہ پتھروں کی طرف چلی۔ اس نے مشعل کی روشنی میں جھک کر دیکھا کہ سونے کی مورتی پتھروں میں پڑی تھی۔ وہ اپنے آپ زمین سے باہر آ گئی تھی۔ اس کا سارا جسم سونے کا تھا لیکن آنکھیں زندہ ہو گئی تھیں اور روشنی میں چمک رہی تھیں اور شیبا کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ پہلے تو شیبا ڈر کر پیچھے

ہٹ گئی۔

مقدس مورتی نے اسے محبت بھری آواز میں پھر کہا۔

"ڈرو نہیں شیبا ——"

شیبا نے پوچھا۔

"کیا —— کیا تم میرا نام جانتی ہو؟"

مقدس مورتی کے ہونٹ بالکل نہیں ہل رہے تھے۔ وہ سونے کے تھے مگر ان کے پیچھے سے آواز آ رہی تھی۔

"ہاں —— میں تمہارا نام بھی جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو"

شیبا نے کہا۔

"تو پھر مجھے واپس میرے گھر پہنچا دو۔ میں نے تین ہزار سال پرانے زمانے میں آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے —— خدا کے لیے میری مدد کرو اور مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو"

مقدس مورتی کی آنکھیں شیبا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تمہیں واپس تمہارے زمانے کے شہر لاہور میں پہنچانا میرے بس میں نہیں ہے"

"تو کیا اب میں ساری زندگی ان صحراؤں میں بھٹکتی پھروں گی؟ کیا میں کبھی اپنے بہن بھائیوں اور ماں باپ سے

نہ بن سکوں گی؟"

شیبا نے ناامید ہو کر کہا۔ مقدس مورتی نے کوئی جواب نہ دیا۔

غار میں گہری خاموشی چھا گئی۔ پھر مقدس مورتی کی آواز آئی۔

"میں تمہاری صرف یہ مدد کر سکتی ہوں کہ تمہیں ملک روم میں پہنچا دوں۔"

شیبا نے کہا۔

"وہاں جا کر میں کیا کروں گی؟"

مقدس مورتی نے کہا۔

"ملک روم میں ایک پہاڑی ہے جس کا نام کھلان ہے۔ اس کھلان پہاڑی پر دیوی ڈیانا کا مندر ہے۔ اس مندر میں دیوی ڈیانا کا بہت بڑا بت ہے۔ اس بت کے اندر چھوٹی سی سیڑھی بت کی آنکھوں تک جاتی ہے۔ اس بت کی آنکھوں میں ایک سبز زمرد جڑا ہوا ہے۔ اگر تم کسی طرح وہ زمرد اکھاڑ کر اپنے پاس رکھ لو تو تم واپس جا سکو گی۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر وہ زمرد ڈیانا کی آنکھ سے نکالتے ہوئے تمہارے ہاتھ سے گر گیا تو تمہارا آدھا دھڑ شیر کا بن جائے گا اور تم پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو جاؤ گی ——"

شیبا حیرانی سے مقدس مورتی کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ اور اس نے عنبر

کی انگوٹھی کو رگڑ کر کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ مگر اب وہ پھنس چکی تھی اور اسے وہی کرنا تھا جو اسے مقدس مورتی کہہ رہی تھی۔

مقدس مورتی نے شیبا کو خاموش دیکھ کر کہا۔

"کیا تم یہ سب کچھ کرو گی شیبا؟"

"ہاں —— ضرور کروں گی۔"

اس کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

مقدس مورتی نے کہا۔

"اب تم یہاں سے ملک روم کی طرف نکل جاؤ"

شیبا نے کہا۔

"مقدس مورتی ملک روم یہاں سے کتنی دور ہے؟"

مقدس مورتی بولی۔

"اگر تم کسی قافلے کے ساتھ سفر کرو گی تو ایک مہینے میں پہنچ جاؤ گی۔"

شیبا کو یاد آگیا کہ کراچی سے روم کے ایئرپورٹ تک جو ہوائی جہاز جاتے تھے وہ چھ گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتے تھے۔ مگر اب وہ ۱۹۷۳ء کے کراچی میں نہیں تھی بلکہ تین ہزار سال پہلے ملک مصر میں تھی۔ اور تین ہزار سال پرانے ملک روم میں جا رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"یہ تو بڑا لمبا سفر ہے دیوی!"

مقدس مورتی نے تھوڑی دیر غور کیا۔ پھر بولی۔

"پھر تم ایسا کرو کہ مجھے تابوت میں لِٹا دو اور میرے ساتھ تم بھی لیٹ جاؤ۔ یہ تابوت تمہیں لے کر ملک روم پہنچ جائے گا۔"

شیبا نے پتھروں میں سے مقدس مورتی کو اٹھا کر تابوت میں لٹایا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ اس نے تابوت بند کر دیا۔ جونہی تابوت کا ڈھکنا بند ہوا وہ زمین سے بلند ہو کر فضا میں تیرتا ہوا غار سے باہر نکل آیا۔

رات کا پچھلا پہر تھا اور ستاروں کی روشنی پھیکی پڑ رہی تھی۔ تابوت زمین سے کوئی ساٹھ ستر فٹ بلند ہوا اور اس نے ایک طرف کو ہوا میں اُڑنا شروع کر دیا۔

○

اب ہم واپس، لاہور چلتے ہیں۔

شیبا کے بنگلے میں عنبر چھت پر سو رہا ہے۔ صبح ہوئی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ بڑا حیران ہوا کہ اسے اتنی گہری نیند کیسے آ گئی۔ اس نے موتیے کے پھولوں کے باسی ہار کی طرف دیکھا۔ ان پھولوں کی خوشبو نے اسے مدہوش کر دیا تھا۔ اس نے پھولوں کو اٹھا کر نیچے باغ میں پھینک دیا۔ بنگلے میں شیبا کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی اٹھ بیٹھے تھے اور ساری کوٹھی میں شیبا کو تلاش

کیا جا رہا تھا مگر شیبا کہیں بھی نہیں تھی۔ پہلے تو ان لوگوں نے سوچا کہ وہ صبح کی سیر کو لارنس باغ کی طرف نکل گئی ہو لیکن جب صبح کے نو بج گئے اور شیبا واپس نہ آئی تو سب پریشان ہو گئے۔ عنبر بھی نیچے آ گیا۔

وہ بھی حیران تھا کہ شیبا راتوں رات کہاں غائب ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شیبا آدھی رات کو اس کی انگوٹھی رگڑ کر تین ہزار سال پرانے مصر میں پہنچ کر مشکل میں پھنس چکی ہے۔

شیبا کے باپ کا بُرا حال تھا۔ یہ اس کی عزت و آبرو کا معاملہ تھا۔ عنبر نے اسے حوصلہ دیا مگر جب شیبا ہی وہاں نہیں تھی تو اس کے ماں باپ کو کیسے حوصلہ آ سکتا تھا؟ وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ جن لوگوں نے اسے پنجاب پبلک لائبریری کے باہر اغوا کرنے کی کوشش کی تھی وہی اسے اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ ماں الگ پریشان تھی۔ بہن بھائی الگ آنسو بہا رہے تھے۔ عنبر نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے کہا اس طرح رونے دھونے سے کچھ نہیں ہو گا۔

"آپ لوگ شیبا کی گمشدگی کو راز میں رکھیں اور محلے اور رشتے داروں کو یہی بتائیں کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کوہ مری چلی گئی ہے۔ اس دوران میں ہم اسے تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے ———"

اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ عنبر نے شیبا کی تلاش شروع کر دی۔ وہ سارا دن لاہور شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں اور سپر مارکیٹوں میں چکر لگاتا رہا۔ مگر شیبا وہاں ہوتی تو اسے نظر آتی۔ اس سلسلے میں وہ جانتا تھا کہ اس کی طلسمی انگوٹھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ کیونکہ انگوٹھی اپنی مرضی کا منظر دکھاتی تھی اور پھر عنبر کو اپنی مرضی کے خلاف غائب ہونا پڑتا تھا۔

اسی طرح چھ روز گزر گئے اور شیبا کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ گھر والوں نے یہی مشہور کر دیا تھا کہ شیبا اپنی کالج کی سہیلیوں کے ساتھ پکنک منانے کو مری گئی ہوئی ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا گھر والے پریشان ہو رہے تھے کہ وہ رشتہ داروں کو کیا منہ دکھائیں گے؟

عنبر بھی بہت زیادہ پریشان تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے شیبا کی ایک چھوٹی سی تصویر جیب میں رکھی اور اس کے ماں باپ سے کہا۔

"میں شیبا کی تلاش میں شہر سے دور جا رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں بہت جلد اسے ساتھ لے کر واپس آجاؤں گا۔ یہ میں وعدہ کرتا ہوں میرے آنے تک آپ حوصلے سے کام لیں اور کسی سے شیبا کی گمشدگی کا ذکر نہ کریں۔"

شیبا کے باپ نے آہ بھر کر کہا۔

"بیٹا تم اسے کہاں ڈھونڈو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ مجھے صرف چار روز کی مہلت دے دیں۔"

اسی رات عنبر شیبا کے بنگلے سے نکل کر لارنس باغ کی پہاڑی کے اوپر آکر کھلی جگہ پر بیٹھ گیا اور چاند نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ رات کے گیارہ بجے چاند نکلا اس کی روشنی چاروں طرف باغ میں پھیل گئی۔ عنبر نے اپنی انگوٹھی والی انگلی آنکھوں کے سامنے کی اور کہا۔

"اے طلسمی انگوٹھی! تو آج تک مجھے جہاں لے گئی میں چلا گیا۔ اب ایک باعزت شریف خاندان کی عزت کا معاملہ ہے۔ ان کی بچی گم ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی طلسم کی وجہ سے پرانے زمانے میں نکل گئی ہو۔ میرا بنر سہی۔ لیکن شیبا کے بوڑھے ماں باپ کا خیال کرتے ہوئے مجھے وہ جگہ دکھا دے اور مجھے اس جگہ پہنچا دے جہاں شیبا گئی ہے۔"

یہ کہہ کر عنبر نے انگوٹھی کو اپنی آستین سے رگڑا اور اس کے سرخ یاقوت کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ سرخ یاقوت میں لکیریں

ابھریں اور پھر عنبر کو ایک قدیم زمانے کا ایک چھوٹا سا شہر دکھائی دیا
جس کے بازاروں میں پرانے لباس پہنے لوگ آجا رہے تھے۔ اونٹوں
کا ایک قافلہ شہر کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ عنبر کی آنکھیں اپنے
آپ بند ہونے لگیں، پھر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہو گیا
اور جب اس کے پاؤں دوبارہ زمین پر لگے تو اس نے آنکھیں کھول
دیں۔

وہ اسی پرانے شہر کے ایک بازار میں کھڑا تھا۔ اس کا اپنا
لباس بھی اسی زمانے کے لوگوں ایسا بدل گیا تھا۔ اس نے جیب میں
ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ شیبا کی پاسپورٹ سائز کی تصویر اس کی جیب
میں موجود تھی۔ عنبر نے اس قدیم شہر کے بازاروں میں گھومنا پھرنا
شروع کر دیا۔ وہ ہر عورت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ طلسمی انگوٹھی
نے جو اسے اس شہر میں پہنچایا تھا تو عنبر کو یقین ہو گیا تھا کہ شیبا
ضرور کسی طلسم کی وجہ سے ماڈرن زمانے سے نکل کر قدیم دور میں آگئی
ہے۔

لیکن وہ حیران تھا کہ شیبا اس دور میں کیسے آگئی؟ یہ راز اس
کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک کارواں سرائے میں
پہنچا جہاں ایک قافلہ ابھی ابھی آکر رکا تھا اور مسافر اپنا سامان اتار
رہے تھے۔ اس قافلے میں مصر کی ملکہ قلوپطرہ کے شاہی محل کا ایک
پہرے دار بھی تھا، جو وہاں سے بھاگ آیا تھا۔

عنبر نے شیبا کی تصویر نکال لی تھی، اور ہاتھ میں چھپا کر رکھی ہوئی
تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تصویر دیکھ کر لوگ ڈر جائیں گے اور اسے
جادوگر سمجھنے لگیں گے۔ اس لیے کہ آج سے دو تین ہزار سال پہلے
بھلا کیمرہ کہاں ہوتا تھا کہ کسی کی تصویر اتار سکتا۔ پھر بھی عنبر نے ہر
حالت میں شیبا کو تلاش کرنا تھا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا کہ اس
شہر کا کیا نام ہے اور یہ کون سا زمانہ ہے؟ اس آدمی نے تعجب سے
عنبر کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔

"بھائی کیا تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ ملک فارس
کا ایک قصبہ ہے اور اس وقت ملک فارس پر روم
کے بادشاہ کی حکومت ہے"

عنبر نے ہاتھ بڑھا کر اس آدمی کو شیبا کی تصویر دکھائی
اور کہا۔

"کیا تم نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے؟"

عنبر کے ہاتھ میں ایک عورت کی اصل کے برابر شکل دیکھ کر اس
آدمی کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ ایک طرف کو بھاگ گیا۔ عنبر
نے اس کا پیچھا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور قافلے کے ساتھ
آنے والے اس سپاہی کی طرف متوجہ ہوا جو ملک مصر کے شاہی محل
میں پہرے دار رہ چکا تھا اور اب جنگ کی وجہ سے وہاں سے بھاگ
آیا تھا۔

دیوی ڈیانا کی آنکھ لاؤ

عنبر نہیں جانتا تھا کہ یہ شخص ملکہ قلو پطرہ کے شاہی محل میں پہریدار تھا۔ اس نے ویسے ہی اُسے ایک طرف لے جا کر کہا۔

"بھائی! میرے پاس ایک تصویر ہے جو ملک یونان کے ایک بڑے ماہر مصوّر نے بنائی ہے۔ یہ ایک لڑکی کی تصویر ہے جو تمہیں بالکل اصلی لگے گی۔ تم ڈرنا مت۔ یہ کوئی جادو کی شکل نہیں ہو گی۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا تم نے اس تصویر والی لڑکی کو کہیں دیکھا ہے؟"

اور عنبر نے شیبا کی پاسپورٹ سائز کی تصویر اس کے سامنے کر دی۔ تصویر دیکھ کر پہلے تو وہ سپاہی ڈر گیا۔ کیونکہ اتنی صاف اور بالکل اصلی شکل ایسی تصویر اس نے پہلے زندگی بھر کبھی نہیں دیکھی تھی۔ لیکن جب عنبر نے اسے بہت سمجھایا تو اس نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ اس نے کہا۔

"یہ تو ملکہ قلوپطرہ کی خاص کنیز شاریان کی تصویر ہے

مگر اس نے یہ کیسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور کس طرح بال بنائے ہوئے ہیں؟"

کیونکہ شیبا کی یہ تصویر لاہور کے ایک فوٹو سٹوڈیو کی اتری ہوئی تھی اور اس کا لباس پاکستانی تھا اور بال بھی ہزاروں سال بعد کے فیشن کے بنے ہوئے تھے۔ اس لیے سپاہی حیران ہو رہا تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ لڑکی اب کہاں ہو گی؟"

سپاہی نے کہا۔

"ملکہ قلوپطرہ نے خودکشی کر لی ہے۔ شاہی محل پر روم کی فوجوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ سب کنیزیں اور شاہی پہریدار بھاگ گئے تھے۔ میں بھی وہاں پہرے دار تھا۔ میں نے اس کنیز کو کئی بار دیکھا تھا ——"

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہیں کچھ اندازہ ہو گا کہ یہ کنیز بھاگ کر کدھر گئی ہو گی؟"

سپاہی بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تم فارس کے شہر شیرانہ میں جا کر اسے تلاش کرو۔ کیونکہ قلوپطرہ کی اکثر کنیزیں شیرانہ کی رہنے والی تھیں ——"

اتنا کہہ کر سپاہی وہاں سے چلا گیا۔ وہ زیادہ دیر عنبر سے گفتگو

نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے خود ڈر تھا کہ کوئی اسے پکڑ نہ لے۔

عنبر کو اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ شیبا ملک مصر میں تھی اور اسی دور میں کسی جگہ موجود ہو گی۔ شام کے وقت وہ ایک قافلے کے ساتھ شامل ہو کر شیراز کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس خیال سے کہ اگر وہاں کوئی کنیز پہنچی ہو گی تو اس سے شیبا کا ضرور پتہ چل جائے گا۔

○

ادھر شیبا تابوت میں بیٹھی ہوا میں اڑی جا رہی تھی۔
مقدس مورتی بھی اس کے پاس ہی لیٹی ہوئی تھی۔ ہزاروں کوس کا فاصلہ انہوں نے ایک ہی دن میں طے کر لیا اور شام کا اندھیرا پھیلتے ہی تابوت ملک روم کی کوہلان پہاڑی کے دامن میں ایک باغ میں اتر پڑا۔

مقدس مورتی نے شیبا سے کہا۔

"اب تم تابوت سے نکل کر سبز زمرد حاصل کرنے کے لیے پہاڑی پر ڈیانا دیوی کے مندر میں جاؤ۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں ہر وقت زبردست پہرہ ہوتا ہے لیکن یہ کام صرف تمہیں ہی کرنا ہو گا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گی ———"

شیبا نے مقدس مورتی کا شکریہ ادا کیا اور تابوت سے باہر آ گئی۔

اس کے باہر آتے ہی تابوت ہوا میں بلند ہوا اور آسمان کی بلندیوں میں اڑتا ہوا غائب ہو گیا ——— شیبا کچھ دیر اسے آسمان میں غائب ہوتا دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پہاڑی کے اوپر بنے ہوئے مندر کو دیکھا۔ یہ بہت بڑا مندر تھا اور بے شمار سفید ستونوں پر کھڑا تھا۔

شیبا پہاڑی پر چڑھنے لگی تو کچھ لڑکیاں اس کے قریب سے گزریں انہوں نے پھولوں کے ہار اٹھا رکھے تھے اور وہ مسکرا مسکرا کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ شیبا کی طرف دیکھ کر ایک لڑکی مسکرائی اور اس سے پوچھا۔

"تم مجھے ملک مصر کی لگتی ہو؟"

شیبا نے کہا۔

"ہاں بہن ——— میں مصر کے شہر ایلام کی رہنے والی ہوں۔ میرا باپ ماہی گیر تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ اب میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ ملک روم میں آئی ہوں کہ یہاں کسی کی کنیز بن کر زندگی کے دن گزاروں گی۔"

سب لڑکیاں شیبا کے ارد گرد آ کر کھڑی ہو گئیں۔ شیبا کی معصومیت اور خوب صورتی نے ان پر اثر کیا تھا۔ وہ لڑکی بولی۔

"تم میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ میں تمہیں مندر میں کام دلا دوں گی ——— آؤ ———"

شیبا کو اور کیا چاہیئے تھا؟ اس نے لڑکی سے کہا۔

"تمہارا بہت ۔بہت شکریہ بس"

وہ لڑکی بولی۔

"میرا نام نرکسان ہے۔ اور تمہارا نام؟"

شیبا کے منہ سے اپنا اصلی نام نکل گیا۔

"شیبا"

سب لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

"یہ تو یمن کی ملکہ کا نام تھا"

نرکسان نے کہا۔

"اور میری سہیلی بھی تو ملکہ یمن سے کم خوب صورت نہیں ہے۔ آؤ شیبا۔۔۔"

اور نرکسان نے شیبا کو ساتھ لیا اور مندر کے باہر بنے ہوئے ایک مکان میں لے گئی۔ اس مکان میں نرکسان اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے شیبا کو بتایا کہ وہ مندر میں دیو داسی ہے اور مندر میں پجاریوں کی خدمت کرتی ہے اور مندر کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

"کیا تم بھی دیو داسی بنو گی؟ تمہیں کھانے پینے کو سب کچھ ملے گا"

یہی شیبا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔

"مجھے اس سے زیادہ کیا چاہیئے؟ میں تیار ہوں"

نرکسان نے شیبا کو ڈیانا دیوی کے مندر میں دیو داسی بنا دیا۔ پہلے ہی دن شیبا نے گھوم پھر کر سارے مندر کا جائزہ لیا اور ڈیانا دیوی کے بت کو بھی دیکھا۔ یہ بہت بڑا بت تھا اور اس کے اندر ایک سیڑھی بت کی آنکھوں تک چلی گئی تھی۔ نرکسان دیو داسی ہر روز شام کو دیوی ڈیانا کی آنکھوں میں جا کر شمع روشن کرتی تھی۔ شیبا نے دیکھا کہ بت کی آنکھوں میں زمرد جڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک زمرد شیبا نے حاصل کرنا تھا اور وہ اسی مقصد کو لے وہاں آئی تھی۔

مندر میں آئے شیبا کو تیسرا روز تھا کہ شیبا نے اپنی سہیلی نرکسان سے کہا کہ اس کی بڑی خواہش ہے کہ وہ خود دیوی ڈیانا کی آنکھوں میں پہنچ کر شمع روشن کرے۔ نرکسان نے کہا۔

"یہ کام تو صرف میں کرتی ہوں۔ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا شیبا۔۔۔ صدیوں سے دیوی کی آنکھوں میں مشعل جلانے کا کام ہمارا خاندان کرتا آرہا ہے"

شیبا نے کہا۔

"نرکسان! تم میری پیاری سہیلی ہو۔ تم نے پہلے بھی مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اصل میں میرے باپ نے منت مانی تھی کہ وہ دیوی کی آنکھوں میں جا کر شمع روشن کرے گا۔ مگر موت نے اسے مہلت نہ دی۔ اب میں اپنے باپ کی

منت پوری کرنی چاہتی ہوں اگر تم مجھے شمع جلانے کی اجازت
دے دو تو میں تمہارا یہ احسان بھی ساری زندگی یاد رکھوں
گی۔"

ژکسان کچھ دیر تو خاموش رہی۔ سوچتی رہی۔ پھر شیبا کی طرف
مسکرا کر بولی۔

"بہت اچھا۔ آج رات تم شمع روشن کرو گی"

شیبا بے حد خوش ہوئی اس نے اپنی سہیلی کو گلے لگا لیا۔
وہ بے تابی سے شام ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ خدا خدا کر کے
سورج غروب ہوا اور شام کے اندھیرے نے اپنی چادر چاروں
طرف پھیلا دی۔ ژکسان نے شیبا کو اپنے خاص کپڑے پہنائے جلتی
ہوئی چھوٹی مشعل ہاتھ میں دی اور دیوی ڈیانا کے بت کے اندر
بنی ہوئی تنگ پتھریلی سیڑھیوں تک لے جا کر بولی۔

"دیوی کی آنکھوں میں شمع روشن کر کے فوراً نیچے آ
جانا اور کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر مت دیکھنا۔۔۔"

"تم فکر نہ کرو ژکسان۔۔۔"

اور شیبا مشعل لے کر دیوی ڈیانا کے بت کے اندر اوپر کو جاتی
تاریک اندھیری سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ سیڑھی اتنی تنگ تھی کہ
شیبا کا جسم بت کی دیوار سے چھو رہا تھا۔ چڑھتے چڑھتے وہ دیوی
کی گردن تک آ گئی۔ پھر اسے دیوی کے بت کی آنکھوں کے بڑے

بڑے سوراخ دکھائی دیتے جن کے درمیان دو شمعیں رکھی تھیں۔
کناروں پر سبز رنگ کے زمرد لگے ہوئے تھے۔ ان زمردوں میں سے
ایک زمرد اس نے نکال لینا تھا۔ پھر اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا
اس کی شیبا کو کوئی خبر نہیں تھی۔ کیونکہ مقدس مورتی نے اسے یہی کہا تھا
کہ تم زمرد نکالنے میں کامیاب ہو گئیں تو پھر تمہارا واپس اپنے
شہر جانے کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ شیبا بت کی آنکھوں کے پاس
آ کر رک گئی۔

اس نے مشعل آگے جھکا کر آنکھوں کی دونوں شمعیں روشن
کر دیں۔ اب سب سے بڑا اور خطرناک مرحلہ باقی تھا۔ اسے بت کی
آنکھ میں سے زمرد کو اکھاڑنا تھا اور اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا
کہ زمرد اس کے ہاتھ سے گر نہ پڑے۔

اس کا دل دھڑکنے لگا۔ مگر اس کے دل میں ماں باپ اور بہن
بھائیوں سے ملنے کا جذبہ اس قدر طاقتور اور شدید تھا کہ شیبا نے
بڑے اعتماد کے ساتھ ہاتھ بڑھایا اور بت کی ایک آنکھ کے اوپر لگا
ہوا سبز زمرد جھٹکے کے ساتھ اکھاڑ لیا

زمرد کا اکھڑنا تھا کہ ایک زلزلہ سا آ گیا۔

دیوی کا بت شیبا کو ڈولتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر اس نے زمرد
کو اپنی مٹھی میں خوب زور سے بھینچ رکھا تھا اور وہ اسے کسی
قیمت پر گرنے نہیں دے رہی تھی۔ اگرچہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے

کوئی غیبی طاقت اس کی مٹھی کھول کر زمرد چھین لینے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر شیبا زمرد کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔

اب شیبا کو چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور اس کے ہاتھ کو لگنے والے جھٹکے کم ہو گئے اور کسی نے جیسے اسے بت میں سے نکال کر اوپر پہاڑی پہ لاکھڑا کیا اور پھر وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس بیہوشی میں اسے احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی خواب کی دنیا میں اسے تخت پر بٹھائے اڑائے لیے جا رہا ہے۔ جب شیبا کو ہوش آیا تو سب سے پہلے اس نے اپنی مٹھی کو دیکھا۔ زمرد غائب تھا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھا۔

وہ اندھیرے میں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ اندھیرا اس کا جانا پہچانا ہے۔ وہ ایک پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی اور چھت کے ساتھ پنکھا چل رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور خوشی سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنے کمرے میں شادمان والی کوٹھی میں تھی۔ چیخ کی آواز سن کر اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بھاگ کر اندر آئی۔ شیبا نے ٹیبل لیمپ روشن کر دیا۔ ماں نے بیٹی کو اور بیٹی نے ماں کو دیکھا تو ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ کوٹھی میں سارے بہن بھائی جاگ پڑے۔ سب شیبا سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ شیبا واپس آگئی تھی۔ کیسے آئی تھی؟ وہ کہاں تھی؟ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس وقت

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

پہلی بات شیبا نے پوچھی کہ عنبر کہاں ہے؟ اس کے باپ نے بتایا کہ وہ اس کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔ شیبا نے دوسرا سوال یہ کیا کہ اسے گھر سے گئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟ شیبا کی ماں نے اس سے کہا۔

”بیٹی! آج تجھے گھر سے غائب ہوئے آٹھواں روز جا رہا ہے۔ مگر خدا کے لیے ہمیں یہ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیا ہوا؟ تم کہاں چلی گئی تھیں۔ اور پھر اچانک کیسے اپنے پلنگ پر واپس آگئیں؟“

شیبا نے کہا۔

”اماں میں تجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی کہ ایک پری مجھ پر مہربان ہو گئی تھی۔ وہ مجھے رات کو اڑا کر اپنے ساتھ کوہ قاف میں لے گئی۔ جہاں میں دوسری پریوں کے ساتھ مل کر زمرد کے ایک شاندار محل میں رہی اور جب میں بہت زیادہ اداس ہو گئی تو پری مجھے یہاں چھوڑ کر چلی گئی۔“

اس کے باپ نے کہا۔

”بیٹا یہ کہانی کسی اور کو مت سنانا۔ کیونکہ ہم نے یہاں سب کو یہی بتایا ہوا ہے کہ تم اپنی کالج کی سہیلیوں کے ساتھ پکنک منانے کوہ مری گئی ہوئی ہو——“

شیبا نے مسکرا کر کہا۔

"میں یہی بتاؤں گی ابا جان — لیکن کیا آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا کہ میں پریوں کے دیس سے ہو کر آ رہی ہوں؟"

اس کے باپ نے کہا۔

"بیٹا اب تم دودھ پی کر آرام کرو، صبح باتیں کریں گے"

شیبا کی ماں نے اسے دودھ پلایا — اور شیبا گہری نیند سو گئی۔ صبح اٹھ کر جب اس نے اپنی چھوٹی بہن کو بتایا کہ وہ ملکہ مصر قلوپطرہ کے شاہی محل میں اس کی خاص کنیز تھی اور اس کا نام شاریان تھا اور اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ملکہ قلوپطرہ کو خودکشی کرتے دیکھا ہے تو اس کی بہن نے کہا۔

"باجی! خدا کے لیے یہ باتیں کسی دوسرے کے سامنے نہ کرنا۔ نہیں تو لوگ تمہیں پاگل سمجھیں گے"

شیبا نے کہا

"میں سچ کہتی ہوں۔ میں نے خود سانپ لا کر ملکہ قلوپطرہ کو دیا تھا"

"باجی! خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو"

اور شیبا خاموش ہو گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خیال ہی خیال میں وہ منظر دیکھ رہی تھی کہ ملکہ قلوپطرہ

اپنے شاہانہ پلنگ پر لیٹی ہے۔ سانپ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ خودکشی کرنے والی ہے —— شیبا دل میں بہت خوش تھی کہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی اور اس نے ایک ایسا تجربہ کیا ہے جو شاید ہی اس دنیا میں اس کی کسی سہیلی کو نصیب ہو۔ مگر اب اسے عنبر کی فکر تھی کہ وہ اس کی تلاش میں کہاں نکل گیا ہوگا۔

○

عنبر شیبا کی تلاش میں شیراز پہنچ چکا تھا۔

شہر کے باہر اس نے ایک خانقاہ دیکھی جس کے گنبد پر ایک نیلے رنگ کا مور بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر کو یہ نیلے رنگ کا مور بڑا پیارا لگا۔ وہ خانقاہ کے دروازے پر آیا تو اس کو اندر سے کسی نے آواز دی۔

"اندر آ جاؤ بیٹا۔"

عنبر خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ اندر زمین پر قالین بچھا تھا اور ایک بزرگ صورت انسان قالین پر سر جھکائے آنکھیں بند کیے خاموش بیٹھا تھا۔ عنبر اس کے قریب ادب سے جا کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بزرگ نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ کوئی بڑا پارسا پرہیزگار اور عبادت گزار بزرگ ہے۔

عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس بزرگ نے مسکرا کر کہا۔
"بیٹا! تم جس لڑکی کی تلاش میں یہاں آئے ہو وہ تو
تمہاری جیب میں ہے"
عنبر کو احساس ہوا کہ یہ شخص کوئی دل کا حال جاننے والا بزرگ
ہے۔ کیونکہ شیبا کی تصویر عنبر کی جیب میں تھی۔ عنبر نے کہا۔
"اے بزرگ! پھر مجھے یہ بتا دیں کہ جس کی تصویر
میری جیب میں ہے وہ مجھے کہاں ملے گی؟"
بزرگ نے کہا۔
"یہ تم تصویر سے کیوں نہیں پوچھتے؟"
"جی؟" عنبر نے تعجب سے پوچھا۔
بزرگ بولا۔
"تم تصویر سے پوچھو کہ وہ کہاں ہے؟"
عنبر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے جیب سے شیبا کی تصویر
نکال کر دیکھی تو ایک دم چونک پڑا۔ تصویر میں اس نے شیبا
کی لاہور والی کوٹھی دیکھی جس کے لان میں شیبا اپنے ماں باپ
اور بہن بھائیوں کے ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ اور ہنس ہنس
کر باتیں کر رہی تھی۔ اسے شیبا کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی
مگر شکل اور منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔
بزرگ نے کہا۔

"بیٹا! جس لڑکی کی تم تلاش میں ہو وہ تو اپنے گھر پہنچ
بھی چکی ہے"
"مگر ——— مگر کیسے بابا جی؟"
بزرگ بولا۔
"خدا کی مرضی سے۔ اور جب خدا کی مرضی ہوتی ہے تو ہر
کام سیدھا ہو جاتا ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو
کہ وہ لڑکی اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھی ہنسی خوشی ناشتہ
کر رہی ہے"
عنبر نے ایک بار پھر تصویر کو غور سے دیکھا۔ اب تصویر کا منظر
دھندلا ہونے لگا تھا اور پھر دھندلا ہوتے ہوتے ایک دم سارا منظر
غائب ہو گیا اور پھر تصویر بھی اس کے ساتھ غائب ہو گئی۔ وہ بزرگ
کی طرف دیکھنے لگا۔ بزرگ نے کہا۔
"اب تمہیں اس تصویر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے وہ
واپس چلی گئی ہے"
عنبر نے کہا۔
"بابا جان! کیا آپ مجھے بھی شیبا کے پاس پہنچا سکتے ہیں؟"
بزرگ نے کہا۔
"بیٹا! یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے"
عنبر نے پھر سوال کیا۔

"بابا جان! اگر آپ مجھے شیبا کے پاس نہیں پہنچا سکتے تو کیا ناگ اور ماریا اور کیٹی کا کچھ پتہ بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں ہیں؟
اور کیا میں ان کے پاس جا سکتا ہوں؟"

بزرگ نے سر جھکا لیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آنکھیں بند کئے کسی زبردست طاقت سے اجازت لے رہا ہے۔ پھر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو اس کے چہرے پر مایوسی کے ہلکے ہلکے سائے تھے۔ اس نے کہا۔

"بیٹا! یہ بات بھی میرے اختیار میں نہیں کہ میں تمہیں ان کے پاس پہنچا سکتا۔ مگر مجھے اس کی اجازت نہیں ملی۔"

عنبر سخت مایوس ہو گیا تھا۔ مگر بزرگ نے اسے کہا۔

"بیٹا! دنیا میں کسی بات سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ مایوسی گناہ ہے۔ جس کے خدا نے شیبا کو اس کے ماں باپ سے ملا دیا ہے وہ تمہیں بھی ناگ ماریا سے ملا دے گا۔ صرف تمہیں صبر سے کام لینا ہو گا جس طرح کہ تم لوگ ہمیشہ صبر سے کام لیتے رہے ہو ——— ہاں۔ اتنا میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ ناگ ماریا اور کیٹی ——— تینوں اس وقت ایک ہی ملک میں ہیں ——— فرق صرف اتنا ہے کہ دو زمین کے اوپر ہیں اور ایک زمین کے اندر ہے۔"

زمین کے اندر کا سن کر عنبر اور زیادہ پریشان ہوا کہ آخر

زمین کے اندر ان میں سے کون ہو گا؟ اور وہ زمین کے اندر کہاں ہو گا۔ بزرگ کی مراد ناگ سے تھی ——— کہ وہ اس وقت ۱۹۸۴ء کے ملک بھارت کے جنوب میں پرانے قلعہ پانڈیچری کے پاس جو باؤلی تھی اس کے نیچے شہزادی سلومی کی قید میں تھا اور اس کے ساتھ ناگ کی شادی ہونے والی تھی ——— اور ماریا اور کیٹی اس ملک میں ریل گاڑی میں سوار مدراس سے دلّی پہنچنے کے بعد اب دلّی سے پاکستان کے شہر لاہور کی طرف چلی آ رہی تھیں۔ کیونکہ انہیں سرحد عبور کر کے لاہور میں گارڈن ٹاؤن والے اپنے دوست سٹوڈنٹ امجد سے مل کر عنبر کے بارے میں پوچھنا تھا۔

بزرگ اتنا بتا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور عنبر کو خانقاہ سے باہر لے آیا۔

"اب یہاں سے تم سیدھے ملک افریقہ کی طرف جاؤ گے۔ خدا نے چاہا تو وہاں پہنچ کر تمہارا اپنے بہن بھائی سے ملنے کا کوئی سلسلہ بن جائے گا ———"

بزرگ واپس خانقاہ میں چلا گیا۔ بزرگ کے پاس واپس جا کر اب کچھ پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے جو کچھ بتانا تھا بتا دیا تھا۔ عنبر نے بزرگ کو سلام کیا اور مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی منزل ملک افریقہ تھا جہاں پہنچ کر بزرگ کے کہنے کے مطابق عنبر کو امید تھی کہ اس کی ناگ، ماریا سے ملاقات کا کوئی ذریعہ نکل آئے گا۔

○

ناگ اس وقت بھارت کے شہر ترلام کے پاس قلعہ پانڈی چیری
کے قریب پاتال کی باؤلی کے نیچے شہزادی سلومی کے محل میں ہے۔ اس
کی شادی سلومی سے ہو گئی ہے اور وہ محل میں شہزادہ بن کر رہ
رہا ہے مگر ایک طرح سے وہ وہاں قیدی ہے۔ وہ محل سے قدم
باہر نہیں رکھ سکتا۔ اس کی ساری طاقت اسے واپس مل چکی ہے
مگر شہزادی سلومی ایک ایسی زبردست جادوگرنی ہے کہ اس پہ
ناگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ناگ کوئی بھی روپ بدل کر وہاں سے
باہر نہیں جا سکتا۔

شہزادی سلومی کی پُراسرار موکلہ یا اس کی ہم راز شہزادی کی
حفاظت کرتی ہے۔ ناگ نے باتوں ہی باتوں میں کئی بار شہزادی
سلومی سے کہا کہ وہ اس کی پُراسرار موکلہ سے ملاقات کرائے مگر
شہزادی سلومی نے ایسا کرنے سے ہر بار انکار کیا تھا اور آخری بار
جب ناگ نے اصرار کیا تو شہزادی نے سختی سے کہا تھا۔

"ناگ! یہ مت سمجھنا کہ تم میرے خاوند ہو اور میں تمہاری
بیوی ہوں۔ تم کو ایک خاص مقصد کے لیے میں اپنی دنیا
میں زمین کے اندر لائی ہوں۔ اور تم کو یہاں میرے غلام اور
قیدی بن کر زندگی بسر کرنی ہے۔ آئندہ اگر تم نے میری
موکلہ کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال کیا یا مجھے پتہ

چلا کہ تم اس کی ٹوہ میں ہو تو میں تمہیں اسی شاہی محل کے
ایسے اندھیرے تہہ خانے میں بند کر دوں گی جہاں سے تم
قیامت تک باہر نہ نکل سکو گے۔"

یہ سن کر ناگ خاموش ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ شہزادی کے آگے
بے بس تھا۔ اس کی طاقت کے آگے ناگ کی ایک نہ چلتی تھی اور
وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس کے سامنے ایک ہی امید تھی — یعنی
شہزادی سلومی کی وہ پُراسرار موکلہ جو اس کی مدد کرتی تھی اور اس
کی طاقت کا اصل خزانہ تھا — ناگ نے اوپر سے تو ظالم شہزادی
سے وعدہ کر لیا کہ وہ اس کی پُراسرار موکلہ کے بارے میں آئندہ
کبھی کوئی سوال نہیں کرے گا لیکن دل میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب
وہ اس کا ہر حالت میں سراغ لگا کر رہے گا۔

○

دوسری طرف ماریا اور حلوائی لڑکی ٹرین میں سوار تھیں۔
اور ٹرین دلّی سے امرتسر کی طرف اڑی چلی آ رہی تھی۔ اس
ٹرین کا نام جنتا ایکسپریس تھا اور ماریا اور کیٹی فرسٹ کلاس کے ایک
ڈبے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس ڈبے میں ایک ہندو عورت بھی اپنے
دودھ پیتے بچے کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ ماریا کو تو نہیں
دیکھ سکتی تھی مگر کیٹی کے ساتھ وہ راستے بھر باتیں کرتی آ رہی تھی۔
اس عورت کا نام رام دُلاری تھا۔ وہ امرتسر کے ایک کروڑپتی

سوداگر کی بیوی تھی اور اس نے سونے کے بڑے بڑے گہنے پہن رکھے تھے اور اس کے پاس ایک سوٹ کیس بھی تھا جو قیمتی زیورات اور کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ کیٹی نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا کیونکہ اس وقت وہ اپنی اصلی سنہرے بالوں والی خوب صورت لڑکی کے روپ میں تھی اور اس کی آنکھیں چوکور تھیں۔ ان چوکور آنکھوں کو چھپانے کے لیے اس نے سیاہ چشمہ آنکھوں پر چڑھا رکھا تھا۔

یہ ہندو عورت بہت باتونی تھی اور کھاتی بھی بہت تھی۔

کیٹی سے اس نے کئی بار پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ کیٹی نے کہا تھا۔

" میں عیسائی لڑکی ہوں۔ میرا نام پامیلا ہے اور میرا باپ امرتسر چھاؤنی میں ٹریفک انسپکٹر ہے میں اسے ملنے جا رہی ہوں "

اس عورت کی وجہ سے کیٹی ماریا سے بھی کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ اسے جب بھی ماریا سے کوئی بات ہوتی تو وہ چپکے سے غسل خانے میں چلی جاتی تھی اور اندر جا کر اس سے بات کرتی تھی۔

" اس رام دلاری کی بچی نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے ہے۔ بڑی باتیں کرتی ہے "

ماریا ہنسنے لگی۔

" میری طرح تم بھی غائب رہا کرو۔ بڑا مزہ رہتا ہے۔ کم از کم رام دلاری ایسی عورتیں اپنی چڑ چڑ باتوں سے بور تو نہیں کریں "

کیٹی نے کہا۔

" یہ میرے اختیار میں نہیں ہے ورنہ میں بھی تمہاری طرح غائب ہو جاتی "

ماریا نے کہا۔

" تم کیوں نہیں غائب ہو سکتیں؟ تم میرا تصور دماغ میں لا کر چٹکی بجا کر تو دیکھو "

کیٹی مسکرا کر بولی۔

" تمہاری اصلی شکل ذہن میں لا کر جب میں چٹکی بجاؤں گی تو تمہاری شکل کی بن جاؤں گی۔ اور غائب ہونے کے لیے تمہاری غیبی شکل کو دماغ میں رکھ کر چٹکی بجانا ضروری ہے اور تمہاری غیبی شکل کو میں نے آج تک نہیں دیکھی اور نہ دیکھ سکتی ہوں "

ماریا نے کہا۔

" ہاں یہ تو ہے ـــــ تو پھر رام دلاری کی باتیں برداشت کرو "

" میں تو حیران ہوں کہ یہ اتنا قیمتی اور ڈھیر سارا سونے

کا زیور لے کر کیسے اکیلے گھر سے نکل پڑیں۔ کیا انہیں خیال
نہیں ہوتا کہ راستے میں ڈاکو بھی پڑ سکتا ہے؟"
ماریا بولی۔
"یہ ۱۹۸۴ء کا زمانہ ہے کیٹی ـــ آج کل اتنے ڈاکے نہیں
پڑتے جتنے پرانے زمانے میں پڑا کرتے تھے"
کیٹی نے سر جھٹک کر کہا۔
"ارے نہیں ماریا بہن! وہ زمانے بہت اچھے تھے۔
آج کل اس زمانے سے زیادہ ڈاکے پڑتے ہیں اور
زیادہ ظالم لوگ رہتے ہیں ـــ"
کیٹی غسل خانے میں ماریا سے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک
اسے ڈبے میں سے رام دلاری کی چیخ سنائی دی۔ ماریا نے
کہا۔
"میرا خیال ہے ڈاکو آ گیا ہے کوئی"
کیٹی جلدی سے غسل خانے سے باہر نکلی تو دیکھا کہ رام دلاری
کونے میں سیٹ پر سہمی ہوئی بیٹھی ہے۔ رنگ زرد ہو رہا ہے
اور بچے کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔
"کیا ہوا؟" کیٹی نے پوچھا۔
وہ رک رک کر بولی۔
"کوئی باہر ہے"

طوفان میل کے ڈاکو

"کون کہاں ہے؟"
کیٹی نے پوچھا۔ رام دلاری نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔
"ایک خوفناک شکل والے آدمی نے شیشے میں سے
جھانک کر اندر دیکھا تھا"
"اس کھڑکی کے شیشے میں سے؟"
"ہاں ـــ"
کیٹی نے کھڑکی کا شیشہ اوپر اٹھا کر باہر دیکھا۔ باہر اندھیرا
گھپ تھا۔ اس کے بال تیز ہوا میں اڑنے لگے۔ گاڑی ستر میل
فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان میل کی طرح اڑی جا رہی تھی۔ کیٹی
نے شیشہ گرا دیا اور بولی۔
"نہیں وہم ہوا ہے۔ باہر تو کوئی نہیں۔ پھر اتنی تیز
بھاگتی ہوئی ٹرین میں کیسے کوئی اندر آ سکتا ہے؟"
کیٹی کو نہیں معلوم تھا کہ اس ملک میں ڈاکوؤں کے اپنے طریقے
ہوتے ہیں۔ وہ چٹانوں کی چوٹیوں پر اور سمندروں کے نیچے

بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اور چلتی ریل گاڑیوں میں ڈاکے ڈالنا تو ان
کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ وہ چلتی ٹرین میں ایک ڈبے کے
پائیدان پر آجاتے ہیں اور یہی ہوا ——— کیٹی شیشے کی کھڑکی
کھسکا کر اپنی سیٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ پیچھے دروازے کی کھڑکی کا شیشہ
ٹوٹ کر چکنا چور ہوگیا۔ دروازہ کھلا اور دھڑام دھڑام کرتے
تین نقاب پوش ڈاکو پستولیں تانے اندر آگئے۔ رام دُلاری چیخیں
مارنے لگی۔ اس کا بچہ بھی رونے لگا۔

ایک ڈاکو پستول لے کر کیٹی کے سر پر کھڑا ہوگیا اور دوسرے
نے رام دُلاری کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور کہا۔

"حرام زادی! چپ رہو "

رام دلاری کا وہیں سانس خشک ہوگیا اور وہ چپ ہوگئی۔
کمال کی بات ہے کہ اس کا چھوٹا بچہ بھی ماں کے ساتھ ہی ایک دم
چپ ہوگیا۔

ایک ڈاکو پستول رام دُلاری کی کنپٹی کے ساتھ لگا کر کھڑا ہوگیا
اور دوسرے نے اس کے گلے اور کانوں سے زیور اتارنا شروع
کر دیا ——— کیٹی نے کہا۔

"ماریا! تم کیا تماشہ دیکھ رہی ہو؟"

کیٹی کے سر پہ جو ڈاکو کھڑا تھا اس نے کیٹی کے سر پہ مکا مارا
اور کیٹی کی عینک آنکھوں سے نیچے گر پڑی۔ کیٹی نے اپنی چوکور

آنکھیں ڈاکو کی طرف اٹھا کر کہا۔

"کیا میں اپنی عینک اٹھاؤں؟"

ڈبے میں بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں ڈاکو نے جو کیٹی کی
نیلی چوکور آنکھوں کو دیکھا تو اس کا سارا جسم دہشت سے ٹھنڈا پڑ گیا۔
وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

"شامو! ارے یہ چڑیل ہے کوئی"

دوسرے ڈاکو نے ہوا میں فائر کر دیا۔ ایک زبردست دھماکہ
ہوا۔ رام دلاری کی ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ اس نے اسے موٹی
سی گالی دے کر کہا۔

"ارے اس چڑیل اپنی ماں کو گولی مار دے رے"

اور پہلے والا ڈاکو گولی مارنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے اس کی
کلائی زور سے ہاتھ مارا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ماریا
نے پستول اٹھا لیا۔ ماریا کے ہاتھ میں پستول جاتے ہی غائب ہوگیا۔

"شامو! رے ایک اور چڑیل ہے رے یہاں"

دوسرا ڈاکو شامو زیور اتار کر رام دلاری کے بکس میں سے
بھی زیور نکال رہا تھا۔ تیسرا ڈاکو رام دُلاری کی گردن پہ پستول رکھے
ہوئے تھا۔ شامو ڈاکو نے کہا۔

"ارے حرام زادے۔ اس دوسری چڑیل کو بھی گولی مار
دے ———"

لیکن ماریا اب اس کے سر پہ آ گئی تھی۔

ماریا نے شامو ڈاکو کے قریب جا کر سرگوشی کی۔

"میں تمہاری ماں چڑیل تمہاری جان نکالنے آگئی ہوں۔"

شامو ڈاکو کے ہاتھ سے زیور نیچے گر پڑے۔ وہ اچھل کر اٹھا اور پستول نکال کر اس نے ماریا کی آواز کا نشانہ باندھ کر تین چار فائر کر دیئے۔ گولی ماریا کے اندر سے نکل کر ٹرین کی دیوار سے ٹکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا کم بخت کا نشانہ کمال کا تھا اور پھر اس نے ایک دم ماریا کو قتل کرنے پہ عمل شروع کر دیا تھا۔

ماریا نے اس کے پستول والے ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ شامو ڈاکو گولیاں چلانے کے بعد اِدھر اُدھر ڈبے میں تک رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ڈاکو ساتھیوں سے کہا۔

"ارے یہ سونے کے زیور اٹھا کر زنجیر کھینچ دو۔ ٹرین کی رفتار ہلکی ہو تو چھلانگیں لگا دو رے حرام زادو۔"

پھر اچانک اس کے ہاتھ سے کسی نے پستول چھین لیا اور وہ اپنے خالی ہاتھوں کو حیرانی سے تکنے لگا۔ ماریا نے کہا۔

"تم حرام زادو اب اس ٹرین سے چھلانگیں نہیں لگا سکو گے۔"

کیٹی نے جلدی سے اپنا سیاہ چشمہ آنکھوں پر چڑھا لیا تھا۔

ماریا کی آواز سن کر سارے ڈاکو گھبرا گئے۔ رام دُلاری کا تو پہلے ہی خوف سے برا حال ہو رہا تھا۔ اب جب اسے معلوم ہوا کہ ٹرین میں کوئی چڑیل آگئی ہے تو اس کا دم اور خشک ہو گیا۔ لیکن ایک بات کی اسے تسلی تھی کہ یہ چڑیل اس کی مدد کرنے آئی تھی۔

تیسرے ڈاکو کے پاس ابھی تک پستول تھا۔ کیٹی نے بھی پستول زمین سے اٹھا لیا تھا۔ اس نے تیسرے ڈاکو کی طرف پستول تان کر کہا۔

"پستول نیچے پھینک دے۔۔۔"

شامو نے کہا۔

"پستول مت پھینکنا۔۔۔"

ماریا نے تیسرے ڈاکو کی گردن پہ آہستہ سے ہاتھ مارا۔ وہ ہائے کر کے نیچے گر پڑا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ماریا نے اسے بھی اٹھایا اور پستول اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ ڈاکوؤں کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بوکھلا سے گئے تھے۔ ماریا نے زنجیر کھینچ دی۔ ڈبے کو ایک دم سے زبردست بریک لگی اور وہ رکنے لگا۔

ڈاکو کھڑکی سے چھلانگ لگانے کے لیے بھاگے ہی تھے کہ ماریا نے ایک ایک کر کے تینوں کی گردنوں پہ ایسے مکے مارے کہ وہ ڈبے کے فرش پر اوندھے ہو کر گر پڑے اور ہائے ہائے کرنے

لگے۔

ٹرین جنگل میں رک گئی۔ گارڈ پولیس کو لے کر ڈبے میں آگیا۔
رام دلاری اور کیٹی نے پولیس کو بتایا کہ یہ تینوں ڈاکو انہیں لوٹنے کے
لیے ڈبے میں آگئے تھے اور پھر ایک چڑیل نے آکر ان کی جان
بچائی۔

پولیس نے تینوں ڈاکوؤں کو پکڑ کر ہتھکڑیاں لگا دیں اور
رام دلاری اور کیٹی سے پوچھا۔

"چڑیل تو خیر یہاں کہیں سے بھی نہیں آسکتی۔ یہ بتائیں
کہ آپ میں سے کس نے ان ڈاکوؤں کو بہادری سے
کام لیتے ہوئے پیچھے گرایا ہے؟"

رام دلاری نے کہا۔

"سنتری جی! یہاں چڑیل آگئی تھی۔ وہ نظر نہیں آتی
تھی جی۔ بس بجلی کے جھٹکے مارتی تھی"

سکھ گارڈ مسکرایا۔

"بی بی تم آرام کرو۔ خوف کی وجہ تمہارے دماغ پہ اثر
ہوگیا ہے"

پھر اس نے ٹرین سے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھی سکھ تھانیدار
سے کہا۔

"اس عورت کے دماغ کے کچھ پرزے ڈھیلے ہو گئے

ہیں۔ بھلا کبھی ٹرین میں بھی کوئی چڑیل آتی ہے۔ ہا ہا ہا۔
کتنے جاہل ہوتے ہیں یہ امیر لوگ بھی ——"

وہ ہنستا ہوا ڈبے سے باہر نکلا ہی تھا کہ ماریا نے اس کی گردن
پر ایک مکا مار دیا۔ سکھ گارڈ دھڑام سے نیچے ریلوے لائن
پہ گر پڑا۔ ماریا نے اس کے کان کے پاس آکر کہا۔

"چڑیلیں ریل گاڑی میں بھی سفر کرتی ہیں"

سکھ گارڈ اپنی پگڑی سنبھالتا ہوا اٹھا اور اپنے ڈبے کی طرف
سیٹی بجاتا بھاگا۔ ڈبے میں جاتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔
اور ٹرین آگے روانہ ہو گئی۔

رام دلاری کا سارا زیور بچ گیا تھا۔ وہ بڑی خوش تھی۔ اس
نے کیٹی سے کہا۔

"دیکھا چڑیل میری مدد کو آگئی تھی۔ اصل میں یہ چڑیل نہیں
تھی۔ کالی ماتا تھی۔ میں کالی جی کی پوجا کیا کرتی ہوں۔ وہ
مجھے مشکل میں دیکھ میری مدد کرنے آگئی تھی —— ہاں
—— وہ میری مدد کرنے آگئی تھی ——"

کیٹی نے کہا۔

"اچھا بابا آگئی ہوگی —— میں کہاں انکار کرتی ہوں۔
مگر اب خاموش ہو کر سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے"

رام دلاری اپنے بچے کو دودھ پلانے لگی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی، ابھی بچے کو دودھ پلاؤں گی پھر
دیو کی جی کی پوجا پاٹ کروں گی ــــــ ہاں"
کیتھی نے غسل خانے میں جاکر ماریا سے کہا۔
"اس کا کیا علاج کیا جائے ــــــ ہاں"
ماریا نے ہنس کر کہا۔
"کچھ نہیں۔ دلچسپ عورت ہے ــــــ ہاں"
صبح صبح ریل گاڑی امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئی
یہ بھارت کا آخری بڑا ریلوے سٹیشن اور بڑا شہر تھا۔
یہاں سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر پاکستان کی سرحد شروع
ہو جاتی تھی۔ رام دلاری کیتھی کے گلے مل کر بولی۔
"بہن پاملا! میرے گھر ضرور آنا۔ میں تمہیں دہی بھلّے
کھلاؤں گی خود بنا کر ــــــ گائیں کی موری میں ہمارا
مکان ہے۔ مکان نمبر ۱۴ ــــــ بڑا جہازی مکان ہے۔
یاد رکھنا۔ گائیں کی موری ــــــ مکان نمبر ۱۴۔ جہازی مکان۔
دہی بھلّے ــــــ رام رام ــــــ"
کیتھی نے کہا۔
"دہی بھلّے ــــــ خدا حافظ!"
ماریا یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔
وہ کیتھی کے ساتھ ریلوے سٹیشن سے باہر آگئی۔ کیتھی کے

پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ تھا اور ماریا کو ٹکٹ خریدنے کی ضرورت
ہی نہیں تھی۔ وہ تو غائب تھی اور جہاں چاہے جا سکتی تھی۔
کیتھی کے پاس صرف ایک اٹیچی کیس تھا جس میں اس کے
کپڑے اور دوسرا معمولی سا سامان تھا۔ اس نے ریلوے سٹیشن
کے سامنے والے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا اور غسل کرنے کے
بعد کپڑے پہن کر ماریا کے ساتھ شہر کی سیر کو نکل گئی۔ ہوٹل میں
اس نے یہی لکھوایا کہ وہ دلی سے امرتسر کی سیر کرنے آئی ہے۔
دوپہر بارہ بجے تک وہ شہر کی سیر کرتی رہی۔ وہ امرتسر
کی مشہور جگہ یعنی سکھوں کا مندر دربار صاحب دیکھنے بھی گئی۔
ماریا اس کے ساتھ تھی۔ یہ مندر ایک بہت بڑے تالاب کے درمیان
میں واقع تھا۔ اس مندر میں سکھ لوگ بھجن وغیرہ گا رہے تھے۔
وہ دربار صاحب سے باہر نکلیں تو کیتھی کو ایک سکھ سی آئی ڈی
والے نے روک لیا اور بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔
"بی بی! تمہارا نام کیا ہے؟"
کیتھی نے سکھ کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تم کون ہو میرا نام پوچھنے والے؟"
سکھ نے کہا۔
"بی بی! میں سی آئی ڈی انسپکٹر ہوں"
اور اس نے جیب سے اپنا سرکاری شناختی کارڈ نکال کر کیتھی

کو دکھایا اور کہا۔

"بی بی! ہمارا کام ہی یہی ہے کہ اگر کسی پر ذرا سا بھی شک پڑ جائے تو اس کی پوچھ گچھ ضرور کرتے ہیں"

"تو کیا تمہیں مجھ پر شک ہے کہ میں کوئی جاسوس ہوں؟"
سکھ انسپکٹر نے کہا۔

"بی بی! جاسوسوں کے سر پر سینگ نہیں لگے ہوتے وہ بھی ہماری تمہاری طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آئی ہو؟"
کیٹی نے کہا۔

"میں ——— میں دلی سے امرتسر دیکھنے آئی ہوں، اور ——— اور واپس دلی چلی جاؤں گی"
سکھ انسپکٹر بولا۔

"کیا میں تمہارا شناختی کارڈ دیکھ سکتا ہوں؟"
بھلا کیٹی کے پاس شناختی کارڈ کہاں تھا! کہنے لگی۔

"میرا شناختی کارڈ تو گھر پہ ہی رہ گیا ہے"

"یعنی 'دلی' میں رہ گیا ہے؟"

"جی ہاں دلی میں ——— 'دلی' میں"
سکھ انسپکٹر کہنے لگا۔

"تو آپ نے فسٹ کلاس کی ٹرین میں ٹکٹ کیسے لے لی

تھی؟ فسٹ کلاس کا ٹکٹ تو شناختی کارڈ کے بغیر نہیں ملتا"
کیٹی سمجھ گئی کہ یہ ریلوے سٹیشن سے ہی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس نے اسے فسٹ کلاس کے ڈبے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ کیٹی نے کہا۔

"ارے بھائی لے لیا ٹکٹ بغیر شناختی کارڈ کے۔ پھر کون سی قیامت آ گئی ہے ———"
سکھ انسپکٹر کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے کیٹی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بی بی! تمہیں میرے ساتھ تھانے چلنا ہوگا"
کیٹی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ ——— خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔ یہاں سے چلے جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی"
سکھ انسپکٹر نے اشارہ کیا۔ چھ سکھ سپاہی عام شہری لباس میں اِدھر اُدھر سے نکل آئے اور انہوں نے کیٹی کو پکڑ کر اسے ہتھکڑی لگا دی۔ سکھ انسپکٹر بولا۔

"اگر اب بھی تم مجھے بتا دو کہ تم کون ہو؟ کس ملک کے لیے جاسوسی کر رہی ہو تو میں تمہیں بچا سکتا ہوں"
ماریا قریب کھڑی یہ سارا کھیل بڑی دل چسپی اور خاموشی سے دیکھ رہی تھی ——— اس نے کیٹی کے کان میں آہستہ سے

سرگوشی کی۔

"تھانے چلو۔ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔
ہم شام کو سرحد پار کریں گے"
کیٹی نے کہا۔

"خدا کے لیے یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"
سکھ نے چونک کر کیٹی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اپنے آپ کو پاگل ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔
تمہارا یہ حربہ کامیاب نہ ہو سکے گا کیونکہ ہمارے پاس
ایسے آلات بھی ہیں کہ سارا پاگل پن نکال کر باہر رکھ
دیتے ہیں۔ اس لیے خاموشی سے تھانے چل کر اپنا
بیان لکھوا کر بتا دو کہ تم پاکستان کی جاسوس ہو اور تمہیں
پاکستان نے انڈیا میں جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا ہے"
کیٹی نے کہا۔

"چلو ـــــ تھانے چل کر بتاتی ہوں"
سکھ انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا۔

"اس کی ہتھکڑی کھول دو اور ویسے اسے زبردست
پہرے میں رکھو۔ اور تھانے لے چلو"
تھانے میں سکھ انسپکٹر نے کیٹی کو سی آئی ڈی کے آئی جی یعنی
انسپکٹر جنرل کے آگے پیش کر دیا اور اسے کہا کہ یہ پاکستانی

جاسوسہ ہے اور مجھے بڑی خطرناک جاسوسہ لگتی ہے۔
سکھ آئی جی کا چہرہ بڑا ڈراؤنا اور بالوں سے بھرا ہوا تھا۔
اس نے کیٹی کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر اٹھ کر اس کے پاس آیا اور
بولا:

"یہ عینک تو اتارو پاکستانی جاسوسہ"
کیٹی نے کہا۔
"میں عینک نہیں اتار سکتی"
سکھ آئی جی نے کہا۔

"تو میں اتار دیتا ہوں تمہاری عینک پاکستانی جاسوسہ"
اور اس نے ایک ہی جھٹکے سے کیٹی کی عینک اتار دی۔ اب جو
اس نے کیٹی کی چار آنکھیں دیکھیں تو دم بخود ہو کر رہ گیا۔
"ارے ـــــ یہ کیا۔ اس کی تو چار آنکھیں ہیں؟"
سکھ انسپکٹر جو پاس ہی کھڑا تھا۔ بولا۔
"سر! یہ بڑی خطرناک جاسوسہ ہے۔ پاکستانی ڈاکٹروں
نے اس کی آنکھوں کی پلاسٹک سرجری کرا کر یہاں بھیجا
ہے کہ لوگ ڈر جائیں"
کیٹی اس سکھ انسپکٹر کی ہوشیاری پر عش عش کر اٹھی۔
کم بخت یہ خیال پہلے کسی کو بھی نہیں آیا تھا۔ اب تو سکھ آئی جی
کا سارا خوف دور ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"اس پاکستانی جاسوسہ کو حوالات میں بند کر دو۔ ابھی
اس کی خبر لیتا ہوں۔ اس کا باپ بھی کہے گا کہ میں پاکستانی
جاسوس ہوں"
کیٹی نے عینک دوبارہ نکال لی۔ اسے ہتھکڑی لگا دی گئی اور حوالات
میں بند کر دیا۔ کیٹی نے دیکھ لیا تھا کہ سکھ آئی جی کے کمرے میں پنڈت
جواہر لعل نہرو کی تصویر لگی ہوئی تھی جو مر چکا تھا۔ اس نے حوالات
میں جاتے ہی ماریا کی خوشبو محسوس کی اور کہا۔
"ماریا! تم بہت تنگ کرتی ہو مجھے۔ تم کھڑی کیوں تماشہ
دیکھتی رہتی ہو۔ آخر تمہیں یہاں سے نکلنا نہیں ہے کیا؟"
ماریا نے کہا۔
"میرا خیال تھا کہ وہ تمہاری چکور آنکھیں دیکھ کر ڈر جائے
گا مگر وہ کم بخت تو بالکل نہیں ڈرا۔ بلکہ اس نے تو ایسی
بات کہہ دی ہے کہ جو پہلے کسی کے دماغ میں نہیں آئی تھی
کہ تمہاری آنکھوں کی پلاسٹک سرجری کرائی گئی ہے۔"
ماریا ہنس رہی تھی اور کیٹی کو اس کی ہنسی کی آواز سنائی دے رہی تھی
اس نے غصے میں آ کر کہا۔
"اچھا دیکھو میں ابھی ان کی کیسی خبر لیتی ہوں کہ ان کو نانی
یاد آ جائے گی"
"تم کیا کرو گی؟" ماریا نے پوچھا۔

کیٹی نے کہا۔
"میں پنڈت جواہر لعل نہرو بن رہی ہوں"
ماریا نے کہا۔
"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ وہ تو مر چکا ہے۔ اگر کچھ تماشہ
دکھانا ہے تو اندرا گاندھی بنو۔ وہ تو زندہ ہے اور بھارت
کی وزیر اعظم ہے"
کیٹی اس سے پہلے ایک بار ایسا کر چکی تھی۔ اس نے کہا۔
"بہت اچھا۔ ابھی لو"
اس کو اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند کی شکل پوری طرح یاد
تھی۔ اس نے اس شکل کو ذہن میں لا کر چٹکی بجا دی۔ دوسرے ہی
لمحے وہ کیٹی کی بجائے اندرا گاندھی بن گئی تھی۔ وہی سر کے سیاہ
بالوں میں ابھری ہوئی سفید بالوں کی لکیر اور ساڑھی بندھی ہوئی۔
حوالات کے باہر جو سپاہی کھڑے تھے انہوں نے جو حوالات
میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو دیکھا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے۔ کیٹی نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔
"مجھے یہاں کس نے بند کیا ہے؟ نکالو مجھے یہاں سے۔
دروازہ کھولو۔ میں ابھی تمہاری ایک ایک کی خبر لیتی
ہوں"
سپاہی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ڈر سے کانپ رہا

تھا۔ اس نے جلدی سے حوالات کا دروازہ کھول دیا۔ کیٹی سیدھی
انسپکٹر جنرل سی۔آئی۔ڈی کے کمرے میں چلی گئی۔ سکھ آئی جی نے جو
اپنے سامنے ملک کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو دیکھا تو کرسی سے
ایک دم اچھل پڑا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"شریمتی جی آپ ؟"

کیٹی نے غصے میں کہا۔

"اور نہیں کیا تمہاری ماں ؟ ـــ بدبخت فوراً میرے
لیے گاڑی کا بندوبست کر!"

اس کو تو اپنی پڑ گئی تھی۔ فوراً گاڑی لانے کا حکم دیا اور بولا

"شریمتی جی ـــ آ ـــ آ ـــ آپ تشریف لائیں۔ یہ ـــ
ہماری خوش قسمتی ہے ـــ"

کیٹی نے بات کاٹ کر کہا۔

"بکواس بند کرو اور حوالات میں جتنے قیدی ہیں سب
کو رہا کر دو۔ جلدی کرو نہیں تو میں ابھی تمہیں ڈس مس
کرتی ہوں"

"جو حکم شریمتی جی !"

آئی جی نے تھرتھراتی زبان میں کہا اور فوراً حکم دیا کہ مردانہ حوالات
کے سارے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ جب سارے قیدی تھانے
سے رہا ہو کر بھاگ گئے تو کیٹی نے کہا۔

"اب سکھ انسپکٹر پولیس کو بلاؤ"

یہ وہی سکھ انسپکٹر تھا جس نے کیٹی کو گرفتار کیا تھا۔ اس نے
جو کمرے میں اندرا گاندھی کو دیکھا تو حواس کھو بیٹھا۔ کیٹی نے کہا۔

"مرغا بن جاؤ ـــ بن جاؤ مرغا"

انسپکٹر جنرل نے سکھ انسپکٹر کو ڈانٹ کر کہا۔

"بن جاؤ مرغا ـــ میں تمہیں حکم دیتا ہوں"

اور سکھ انسپکٹر اسی وقت مرغا بن گیا۔ کیٹی نے کہا۔

"اس کی پیٹھ پہ اینٹیں رکھو"

اسی وقت سپاہیوں نے اینٹیں لا کر سکھ انسپکٹر کی پیٹھ پہ
رکھ دیں اور اس کا برا حال ہونے لگا۔ کیٹی نے اٹھتے ہوئے
کہا۔

"میں گورنر کے پاس جا رہی ہوں۔ جب تک میں تمہیں
وہاں سے فون نہ کروں اس کو کان پکڑوائے رکھنا اور
مرغا بنائے رکھنا۔ سمجھے ؟"

انسپکٹر جنرل پولیس نے سیلوٹ مار کر کہا۔

"جو حکم شریمتی جی !"

کیٹی تھانے سے باہر آ گئی۔ سارے سپاہی ایک طرف لائن باندھ
کر کھڑے تھے۔ انہوں نے "اندرا گاندھی زندہ باد" کے نعرے لگانے
شروع کر دیئے باہر ایک شاندار کار کھڑی تھی جس کے آگے ڈرائیور

بیٹھا تھا۔ کیٹی اس میں سوار ہو گئی۔ انسپکٹر جنرل نے دروازہ بند کر کے ایک بار پھر سیلوٹ کیا۔ سارے سپاہی سیلوٹ کئے کھڑے تھے۔ کیٹی نے ڈرائیور سے کہا۔

"گورنر ہاؤس چلو"

اور گاڑی تھانے سے باہر نکل گئی۔

"اندرا گاندھی" کے جانے کے بعد انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی نے سر کھجاتے ہوئے حوالات میں جھانکا اور سپاہی سے پوچھا۔

"وہ پاکستانی جاسوسہ کہاں ہے؟"

سپاہی نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

"سر وہ تو غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ ہماری وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی آ گئی تھیں"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"سر میں جھوٹ نہیں بول رہا سر!"

اور سپاہی رونے لگا۔

"سر میں بے گناہ ہوں۔ میں نے پاکستانی جاسوسہ کو نہیں بھگایا۔ وہ اندرا گاندھی بن گئی تھی سر!"

اُدھر اندرا گاندھی یعنی کیٹی شاندار گاڑی میں بیٹھی تھی اور گاڑی امرتسر کے بازاروں سے گزر رہی تھی۔ لوگوں نے اپنے ملک کی وزیرِ اعظم کو دیکھا تو جلوس بنا کر اس کے پیچھے ہو گئے اور نعرے

لگانے لگے۔

کیٹی نے آہستہ سے ماریا سے کہا۔ "ماریا!"

ماریا نے کہا۔

"مزا آگیا۔ مان گئی تمہیں۔ اب کیا ارادہ ہے؟"

کیٹی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اسی طرح مجھے سرحد عبور کر جانی چاہیئے۔ کیا خیال ہے"

ماریا بولی

"بڑا نیک خیال ہے ——"

کیٹی نے اندرا گاندھی کے روپ میں ڈرائیور سے کہا۔

"ڈرائیور۔ واہگہ سرحد کی طرف چلو۔"

"یس شریمتی جی!"

ڈرائیور نے ادب سے کہا اور گاڑی جی ٹی روڈ پر ڈال دی۔

واہگہ کی سرحد جہاں بھارت کا ملک ختم ہو جاتا تھا وہاں سے سولہ سترہ میل تھی۔ شہر میں شور مچ گیا تھا کہ اندرا گاندھی بھارت کی وزیرِ اعظم سرحد کی طرف جا رہی ہیں۔ شہر کے انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی نے ڈپٹی کمشنر کو فون کر دیا کہ جو عورت اندرا گاندھی کا روپ بدل کر سرحد کی طرف جا رہی ہے وہ کوئی جادوگرنی ہے اور اصل اندرا گاندھی نہیں ہے۔ ڈپٹی کمشنر حیران رہ گیا کہ

یہ آئی جی کیا سنا رہا ہے۔

"سر! میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔ آپ دلی فون کر کے پتہ کریں"

ڈپٹی کمشنر نے اسی وقت نئی دلی فون کر کے معلوم کیا کہ بھارتی وزیرِ اعظم اندرا گاندھی پنجاب کے دورے پر آئی ہیں کیا؟ اُدھر سے جواب ملا کہ پاگل ہو گئے ہیں آپ؟ وزیرِ اعظم اندرا گاندھی تو اس وقت اپنی سرکاری رہائش گاہ میں روس کے سفیر سے ملاقات کر رہی ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے فوراً باڈر پر فون کر دیا کہ جو عورت اندرا گاندھی کا روپ بدل کر آرہی ہے وہ کوئی بہروپن ہے اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے۔

لیکن وزیرِ اعظم کو گرفتار کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ جب کیٹی کی گاڑی سرحد پر پہنچی تو باڈر پر پولیس اور فوج اسے گرفتار کرنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ مگر گاڑی رُکی۔ کیٹی اندرا گاندھی کی شکل میں باہر نکلی۔ اور کڑک کر بولی۔

"تم لوگوں نے میرے استقبال کا بندوبست کیوں نہیں کیا؟"

کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ آگے بڑھ کر اسے گرفتار کرے۔ کیونکہ اندرا گاندھی کی ہو بہو شکل اندرا گاندھی کی تھی۔ ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ فوج کے کپتان نے امرتسر کے ڈپٹی کمشنر کو دوبارہ فون کیا۔ اور کہا۔

"سر! وہ تو بالکل بھارتی وزیرِ اعظم ہیں۔ آپ ایک بار پھر غور کریں۔ کہیں ہمیں نوکریوں سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں"

ڈپٹی کمشنر نے دوبارہ دلی فون کر کے وہی بات دہرائی تو سیکرٹری نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے امرتسر کی گرمی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ارے احمق! اندرا گاندھی ابھی ابھی میرے کمرے سے ہو کر گئی ہیں۔ وہ ایک منٹ میں واہگہ سرحد پر کیسے پہنچ سکتی ہیں؟"

ڈپٹی کمشنر نے باڈر فوج کے کپتان کو فون پر کہا۔

"اسے گرفتار کر لو۔ وہ تو بہروپیہ عورت ہے"

"او کے سر!"

کپتان جلدی سے باہر نکلا۔ اندرا گاندھی اس وقت گارڈ آف آنر کا معائنہ کر رہی تھی۔ کپتان نے پستول نکالا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کا رُخ اندرا گاندھی کی طرف کر کے کہا۔

"شریمتی ــــــ شریمتی جی۔ میں آپ کو ــــ آپ کو ــ"

"گرفتار کرنا چاہتے ہو بدبخت؟"

کیٹی نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"احمق کپتان غور سے سنو! میں اصلی اندرا گاندھی ہوں بعض مجبوریوں کی وجہ سے میں اپنا یہاں آئی کسی

یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی چنانچہ میں ایک اپنی ہم شکل
عورت کو اندرا گاندھی بنا کر پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔"
اب بولو۔ کیا کہتے ہو؟ میں تمہیں ابھی اسی وقت ڈس مس
کرتی ہوں،،

کیپٹن نے پستول پھینک دیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

،،شریمتی جی! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دیں،،

،،اچھا جاؤ معاف کیا ـــــ،،

بھارتی کیپٹن نے زبردست سیلوٹ مارا اور کیٹی کے پیچھے
پیچھے چلنے لگا۔ کیٹی گارڈ کا معائنہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے گاڑی
میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

،،بارڈر کا پھاٹک کھول دو۔ ہم پاکستان کا ایک روزہ
خفیہ دورہ کرنے جا رہے ہیں،،

،،جو حکم وزیر اعظم صاحبہ،،

کیپٹن اسی وقت پھاٹک کا دروازہ کھلوا دیا اور کیٹی بھارتی
وزیر اعظم کے روپ میں بڑے ٹھاٹھ سے کار میں سوار
ہندوستان کی سرحد پار کر کے پاکستان کی سرحد میں داخل ہو
گئی۔ ماریا نے کہا۔

،،بہت خوب۔ تم پاس ہو گئی ہو کیٹی،،

کیٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

،،آگے آگے دیکھنا ذرا،،

ماریا کہنے لگی۔

،،میرا خیال ہے کیٹی پاکستان پہنچ کر یہ ڈرامہ بند کر دیں،،

،،اوکے،،

وہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔ پاکستانی سرحد پر آکر کیٹی
نے کار رکوا لی۔ وہ باہر آگئی اور ڈرائیور سے بولی۔

،، تم واپس چلے جاؤ گاڑی لے کر،،

ڈرائیور نے سر جھکا کر کہا۔

،،اوکے میڈم!،،

اور کیٹی پیدل چل کر پاکستانی بارڈر کے پاس آ گئی۔ وہاں کسٹم
کے اعلیٰ افسروں نے جو بھارتی وزیرِ اعظم اندرا گاندھی کو آتے دیکھا
تو حیران ہو کر رہ گئے کہ بغیر کسی اعلان کے ہمسایہ ملک کی
وزیر اعظم وہاں کیسے آگئی۔ بہر حال انہوں نے بڑے تپاک
سے اندرا گاندھی یعنی کیٹی کا استقبال کیا اور وی، آئی پی روم
میں لے گئے اور لاہور میں ڈپٹی کمشنر اور اعلیٰ سرکاری حکام کو فون
پر بتایا کہ بھارتی وزیر اعظم بارڈر پر آئی ہوئی ہیں۔

سارے افسران حیران ہوئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ
بارڈر کی طرف بھاگے۔ اتنے میں کیٹی نے ڈرامہ بند کرنے کا
فیصلہ کیا اور کسٹم کے افسروں سے کہا۔

"میں ذرا باہر درختوں کی کھلی ہوا میں سیر کرنا چاہتی ہوں، میرے ساتھ کوئی نہ آئے۔"

بھلا کون انکار کر سکتا تھا۔ کیٹی اُٹھ کر باہر درختوں میں آگئی اور ایک بڑے درخت کی اوٹ میں جا کر اس نے اپنی انگلی سامنے لا کر چٹکی بجائی اور پھر سے کیٹی بن گئی۔

ماریا۔ انار کلی میں

کیٹی نے آہستہ سے کہا۔

"ماریا ـــــ کیا تم میرے پاس ہو؟"

"ہاں کیٹی ـــــ میں تمہارے ساتھ ہوں؟"

کیٹی بولی۔

"اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیئے"

اور کیٹی درختوں کے پیچھے سے ہو کر ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر سڑک پر آگئی۔ سڑک پر کئی افسروں کی گاڑیاں بھارتی وزیر اعظم کے استقبال کے لیے آرہی تھیں ـــــ کیٹی نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ وہ ایک بس میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ تھی۔

اب رات ہو گئی تھی۔ لاہور شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ریلوے سٹیشن پر کیٹی بس سے اتر آئی۔ ماریا کی خوشبو اسے برابر آرہی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ کیٹی نے ایک طرف ہو کر ماریا سے کہا۔

" ہمارا پروگرام گارڈن ٹاؤن جاکر اپنے پرانے دوست
غالب علم امجد سے ملنے کا ہے تاکہ اس سے عنبر
ناگ کے بارے میں کچھ پوچھ سکیں۔ لیکن اس وقت
رات ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے رات کسی ہوٹل میں
بسر کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر امجد کی کوٹھی جائیں گے۔
ماریا نے کہا۔

" ہمیں رات کیا کہتی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ ہمیں
ابھی گارڈن ٹاؤن جاکر امجد سے ملنا چاہیئے "

" جیسے تمہاری مرضی "

کیٹی نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اسے گارڈن ٹاؤن
چلنے کو کہا۔

ٹیکسی ریلوے سٹیشن کے احاطہ سے نکل کر گارڈن ٹاؤن
کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔
شہر میں رونق تھی۔ کیٹی اور ماریا دونوں کو امجد کی کوٹھی کا پتہ معلوم
تھا۔ کوٹھی کے قریب جو نالہ کا چھوٹا سا پل تھا۔ وہاں پہنچ کر
کیٹی نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر واپس بھیج دیا اور ماریا
سے کہا۔

" میرا خیال ہے ماریا تم اکیلی جاکر امجد کو یہاں بلا لاؤ۔
میں گئی تو خواہ مخواہ اس کے گھر والوں کو شبہ پڑ جائے

گا کہ خدا جانے کیا بات ہے جو میں اسے رات کو ملنے
آئی ہوں "

" اچھا۔ تم یہاں ٹھہرو۔ میں امجد کو بلا لاتی ہوں "

اور ماریا امجد کی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ اس وقت کوٹھی میں
رات کا کھانا میز پر لگایا جا رہا تھا۔ اتفاق سے امجد کوٹھی کے برآمدے
میں ہی مل گیا۔ وہ اپنے سکوٹر کو کپڑے سے صاف کر رہا تھا۔
ماریا خاموشی سے اس کے قریب جاکر کھڑی ہو گئی۔ امجد اپنے
کام میں لگا ہوا تھا کہ اچانک اس کے ناک میں ماریا کی خوشبو
آنے لگی۔ اس نے حیران ہو کر اس پاس دیکھا اور پھر اپنے کام
میں لگ گیا۔ مگر خوشبو برابر آ رہی تھی۔

امجد نے آہستہ سے کہا۔

" ماریا؟ کیا یہ تم ہو؟ "

" ہاں ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

امجد ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کپڑے سے ہاتھ پونچھتے
ہوئے کہا۔

" تم یہاں کیسے آگئیں ماریا؟ "

عین اس وقت امجد کا باپ قریب سے گزرا اور رک کر
بولا۔

" امجد! یہ تم اکیلے کھڑے کس سے باتیں کر رہے ہو؟ "

امجد فوراً سنبھل گیا اور کھسیانا سا ہو کر بولا۔

"کسی سے نہیں ڈیڈی ——— وہ ——— وہ در اصل میں ایک فلمی گیت گنگنانے کی کوشش کر رہا تھا"

اس کے ڈیڈی نے کہا۔

"تو پھر ایسی کوشش نہ کیا کرو۔ کیونکہ تم فلمی گیت گنگناتے ہوئے ایسے لگتے ہو جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہو۔ چلو اب کھانا کھا لو آمنہ آ کر"

"اچھا ڈیڈی ——— میں آ رہا ہوں"

جب امجد کا ڈیڈی کمرے میں چلا گیا تو ماریا نے کہا۔

"امجد! میرے ساتھ کیٹی بھی ہے"

"کہاں ہے کیٹی بہن؟" امجد اشتیاق سے بولا۔

"پل پر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تم وہاں آؤ۔ میں بھی وہیں جا رہی ہوں"

امجد کوٹھی کے لان میں سے نکل کر تالاب کے پل پر آ گیا۔ وہاں کیٹی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ امجد بڑی گرم جوشی سے ملا اور عنبر اور ناگ کا پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ وہ اس سے ملنے کیوں نہیں آئے؟

کیٹی نے کہا۔

"ہم عنبر اور ناگ کا ہی پوچھنے تمہارے پاس آئے

ہیں۔ کیا تم نے انہیں کہیں دیکھا ہے؟"

امجد نے کہا۔

"بھلا میں یہاں رہ کر انہیں کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ بھئی آپ لوگ تو صدیوں کے مسافر ہیں۔ کبھی بابل میں تو کبھی ملک روم کے شاہی قلعوں میں ہوتے ہیں۔ آپ سے تو قسمت کے ساتھ ہی ملاقات ہو سکتی ہے"

پھر کیٹی نے امجد کو پچھلی ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ ناگ اور عنبر ان سے بچھڑ چکے ہیں۔

"ہم نے سوچا کہ لاہور چل کر تم سے ملتے ہیں شاید ناگ اور عنبر کا کوئی سراغ مل سکے"

امجد بولا۔

"کیٹی بہن! جب سے میں تم لوگوں کے ساتھ صدیوں کے سفر کی سیر کر کے آیا ہوں پھر نہ تم سے ملاقات ہوئی اور نہ انکل ناگ اور عنبر سے ملاپ ———"

کیٹی اور ماریا کو اگرچہ مایوسی ہوئی تھی لیکن انہوں نے امجد کو تاکید کی کہ ابھی وہ لاہور میں ہی ہیں۔ اگر عنبر یا ناگ کا کوئی پتہ چلے تو انہیں ضرور اطلاع کر دے۔ امجد نے کہا۔

"تم کہاں ٹھہرو گی کیٹی بہن؟ میرے ہاں کیوں نہیں ٹھہر جاتیں؟"

کیتھی نے کہا۔

"تمہاری دعوت کا شکریہ امجد! لیکن ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے ڈیڈی ہمیں پسند نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم انہیں اپنے سفر پہ لے جاتے ہیں جو ایک خطرناک بات ہے۔"

امجد نے کہا۔

"ہاں ـــــ ڈیڈی کو فکر تو ہوتی ہے مگر وہ انکل عنبر اور ناگ کا بڑا احترام کرتے ہیں۔"

ماریا بولی۔

"نہیں امجد بھیا! ہمارا تمہارے ہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ ہم لاہور کے کسی بھی ہوٹل میں ٹھہر جائیں گی اور بس۔"

امجد نے کہا۔

"آپ مجھے ابھی بتا دیں کہ کس ہوٹل میں ٹھہریں گی تاکہ اگر اور انکل ناگ کا کوئی سراغ ملے تو میں انہیں لے کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں؟"

کیتھی بولی۔

"ابھی ہم نے فیصلہ نہیں کیا کہ کس ہوٹل میں ٹھہریں گی میں تمہیں ٹیلی فون پہ بتا دوں گی۔"

"یہ ٹھیک ہے میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔"

کیتھی نے امجد کی کوٹھی کا فون نمبر لکھ لیا اور اسے خدا حافظ

کہہ کر واپس چل پڑیں۔ کیتھی نے ماریا سے کہا۔

"ہوٹل انٹرکونٹی نینٹل اور انٹرنیشنل میں پہلے ہی ڈرامہ کر چکی ہوں۔ اس لیے وہاں نہیں ٹھہریں گے۔"

ماریا بولی۔

"اور تم تو ہوٹل ہلٹن میں بھی ایک بار اندرا گاندھی بن چکی ہو ـــــ وہاں بھی نہیں جاؤں گی۔"

"ہاں ـــــ وہاں بھی جانا مناسب نہیں۔ میرا خیال ہے اس بار ہم کوئی دوسرا ہوٹل تلاش کرتی ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"لاہور ہوٹل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

کیتھی کہنے لگی۔

"ہاں۔ وہ ہوٹل ٹھیک رہے گا۔ غریبانہ سا ہوٹل ہے۔ ہمیں دو ایک دن ہی تو گزارنے ہیں۔"

وہ سڑک پر آکر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگیں۔

اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اور سڑک سنسان ہونے لگی تھی۔ اچانک ایک رکشا ان کے قریب سے گزرا جس میں سے ایک عورت کے چلانے کی آوازیں آئیں۔

"خدا کے لیے مجھے بچاؤ۔ یہ مجھے قتل کر دیں گے۔ مجھے بچاؤ لوگو!"

کیٹی نے کہا۔

"ماریا ۔ اس عورت کو بچانا چاہیئے۔"

ماریا بولی۔

"میں اس رکشے والے کو پکڑتی ہوں۔ تم میرے پیچھے آؤ۔"

اور ماریا زمین سے پانچ فٹ بلند ہو کر سڑک پر اڑتی ہوئی رکشے کے پیچھے بھاگی۔ تھوڑی دور جا کر وہ رکشے کے ساتھ مل گئی اس نے رکشا ڈرائیور کی گردن کو دبوچ کر آہستہ سے کہا۔

"رکشا روکو۔"

رکشا ڈرائیور ایک دم سے چونک پڑا کہ یہ کون غیبی شے آگئی ہے۔ اس نے وہیں بریک لگا دی اور بھوت بھوت کا شور مچاتا سڑک کے کنارے کے درختوں کی طرف بھاگ گیا۔

ماریا نے دیکھا کہ رکشے میں دو غنڈے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پستول تھا اور انہوں نے ایک دبلی پتلی لڑکی کو دبوچ رکھا تھا۔

انہوں نے ماریا کی آواز نہیں سنی تھی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ رکشے والے کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک دم سے رکشا روک کر بھوت بھوت کا شور مچاتا بھاگ گیا ہے۔ وہ جلدی سے رکشے میں سے نکل آئے۔ انھوں نے لڑکی کے منہ میں رومال ٹھونس

تھا اور اب اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے سڑک کے نیچے کچے راستے پر سے آگئے جہاں گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ یہاں آکر غنڈے نے لڑکی کی گردن پر پستول رکھ کر کہا۔

"کلمہ پڑھ لے۔ تیرا آخری وقت آگیا ہے۔"

ماریا لپک کر اس غنڈے کے سر پہ پہنچ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ پستول سے فائر کرے اس نے ایک زوردار لات ایسی ماری کہ غنڈا قلابازیاں کھاتا درختوں میں دور تک چلا گیا۔ اور پستول نیچے زمین پر گر پڑا۔ ماریا نے پستول اٹھا لیا جو اس کے ہاتھ میں آتا ہی غائب ہو گیا۔

اتنے میں کیٹی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے لڑکی کے منہ سے کپڑا نکالا اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں بہن!"

دوسرے غنڈے نے ایک دم سے چھرا نکالا اور کیٹی پر حملہ کر دیا۔ اگر کیٹی اچھل کر پرے نہ ہو جاتی تو چھری اس کے سینے میں اتر گئی تھی۔ ماریا نے پیچھے سے آکر اس غنڈے کے بازو پر اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ اس کے بازو کی ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی اور وہ ہائے کہہ کر نیچے گر پڑا۔ کیٹی نے کہا۔

"ماریا! ان دونوں کو چھوڑ دو۔ پہلے اس لڑکی کو اس کے گھر پہنچاتے ہیں۔"

لڑکی پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ ماریا نے کہا۔

"جو لوگ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں تنگ کرتے ہیں۔ میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم اس لڑکی کو لے کر سڑک پر کوئی ٹیکسی روکو میں ان غنڈوں کو ہلاک کر کے آتی ہوں"

کیٹی نے کہا۔

"نہیں ماریا! اب ہمیں ان کو مارنے کا کوئی حق نہیں۔ آؤ میرے ساتھ"

اور ماریا مجبوراً کیٹی کے ساتھ چلتی ہوئی سڑک پر آگئی۔

لڑکی کو اب کافی ہوش آچکا تھا۔ اس نے کیٹی کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"بہن جی! تم فرشتہ بن کر آگئی ہو۔ تم نے میری جان بچا لی۔ نہیں تو یہ غنڈے مجھے نہ چھوڑتے"

لڑکی کو ماریا کی موجودگی کا احساس ابھی تک نہیں تھا۔ کیٹی نے پوچھا۔

"یہ لوگ تمہیں کہاں سے اغوا کر کے لا رہے تھے؟"

لڑکی نے کہا۔

"میں اپنی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی کہ انہوں نے پستول اور خنجر دکھا کر مجھے خالہ کے گھر سے اغوا کر لیا۔۔۔"

"اب تم کہاں جانا چاہتی ہو؟" کیٹی نے پوچھا۔

لڑکی بولی۔

"آپ مجھے میرے گھر میوہ منڈی پہنچا دیں"

کیٹی نے کہا۔

"میوہ منڈی ۔۔۔۔ جو لاہور ہوٹل کے پاس ہے؟"

"ہاں میں وہیں پریم گلی میں اپنے چچا کے پاس رہتی ہوں۔ میرے باپ فوت ہو چکے ہیں"

کیٹی بولی۔

"میں بھی وہیں جا رہی ہوں۔ چلو ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیں گے"

لڑکی نے پوچھا۔

"کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

کیٹی نے پوچھا۔

"یہ تمہیں کیسے احساس ہوا؟"

لڑکی بولی۔

"تم نے کہا تا کہ ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیتے ہیں"

اب کیٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ماریا خاموشی سے ہنس رہی تھی۔

اس نے کہا۔

"ارے نہیں یونہی میرے منہ سے نکل گیا تھا"

بڑی مشکل سے ایک خالی ٹیکسی ملی جس میں بیٹھ کر کیٹی اور ماریا اس لڑکی کو لے کر میوہ منڈی آئے اور اسے اس کے چچا کے گھر پہنچا دیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ماریا اور کیٹی لاہور ہوٹل میں آگئیں۔ یہاں کیٹی نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ ماریا اس کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئی اور دونوں عنبر اور ناگ کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں۔

○

دوسرے روز انھوں نے فون پر امید کو اپنے ہوٹل اور کمرے کا نمبر بتایا اور سیر کرنے لاہور کی انار کلی میں گھومنے پھرنے گئیں۔ انار کلی میں بڑی رونق تھی۔ عورتیں خریداری کر رہی تھیں۔ بازار میں کافی بھیڑ تھی۔ ایک جگہ چھوٹی سی دکان میں کرسیاں بچھی تھیں اور دو عورتیں بیٹھی پھلوں کا جوس پی رہی تھیں۔ کیٹی نے سرگوشی میں کہا۔

"پھلوں کا جوس پیو گی ماریا؟"

"اگر تم پیو گی تو میں بھی پی لوں گی"

کیٹی اس دکان کے قریب آئی تو ایک لڑکے نے آگے بڑھ کر بلند آواز میں کہا۔

"آؤ آپا، سنتروں کا جوس۔ کیلوں کا جوس دو روپے میں آپا جی!"

ماریا نے کیٹی سے پوچھا۔

"یہ آپاں جی کیا ہوتا ہے؟"

کیٹی ہنس کر بولی۔

"بڑی بہن کو آپاں کہتے ہیں یہاں پہ"

اب ماریا نے مسکراتے ہوئے کیٹی سے کہا۔

"چلو آپاں کیٹی جی پھر بیٹھ کر جوس پیتے ہیں"

کیٹی مسکرانے لگی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے جوس کے دو گلاس منگوا لیے۔ ایک اپنے لیے اور ایک ماریا کے لیے۔ نوکر لڑکے نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپاں جی! یہ دوسرا گلاس کس کے لیے ہے؟"

کیٹی نے کہا۔

"تمہاری تائی اماں کے لیے۔ بھاگو یہاں سے"

کیٹی کی ساتھ والی میز پہ ایک لڑکی بیٹھی اپنی سہیلی سے باتیں کر رہی تھی۔ اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ لڑکی شیبا تھی۔ شیبا سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے عنبر کی طلسمی یاقوت والی انگوٹھی کی مدد سے تین ہزار سال پہلے زمانے میں جا کر ملکہ قلوپطرہ کو خود کشی کرتے اپنی آنکھوں سے

دیکھا تھا۔ پھر بھلا وہ کتنی دیر تک اس بات کو اپنے پیٹ میں
رکھ سکتی تھی۔ یہ بات اُچھل اُچھل کر اس کے حلق میں
آ رہی تھی اور وہ کسی نہ کسی کو اپنے "تاریخی سفر" کے بارے
میں بتانا چاہتی تھی۔ آخر اس نے اپنی ایک خاص سہیلی کو یہ راز
بتانے کا فیصلہ کیا اور اسے لے کر بالو بازار کی جوس والی
دکان پہ بیٹھ گئی۔ کیٹی چشمہ لگائے اس کے پاس ہی بیٹھی
تھی مگر شیبا کو اس کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ چشمے کی وجہ سے کیٹی
کی چوکور آنکھیں چھپی ہوئی تھیں۔ اگر اس کی آنکھیں کھلی ہوتیں
تو شیبا فوراً پہچان لیتی۔ کیونکہ اس نے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی
کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ کیٹی ایک خلائی لڑکی ہے اور
اس کی آنکھیں چوکور ہیں۔"

کیٹی اور ماریا نے بھی اس سے پہلے شیبا کو نہیں دیکھا تھا۔
اس لیے انھوں نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کیٹی
کو یہ فکر پڑی تھی کہ کسی طرح سے ماریا سب کی آنکھ بچا کر
اپنا جوس کا گلاس اٹھا کر پی لے کیٹی اپنا جوس پی رہی تھی۔
ماریا نے جب دیکھا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو اس نے گلاس اٹھا
لیا۔ گلاس ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گیا۔ اتنے میں
دکان کا نوکر لڑکا اندر آیا اور کیٹی کے آگے دوسرا گلاس غائب
پا کر بولا۔

"آپاں جی! آپ نے جوس کے ساتھ گلاس بھی پی لیا ہے"
کیٹی نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور لڑکا باہر بھاگ
گیا۔

ماریا نے اب جوس پی کر گلاس میز پہ رکھ دیا تھا۔ کیٹی
ہنسنے لگی۔ اتنے میں اس کے کانوں میں ساتھ والی میز پہ بیٹھی
لڑکی کی آواز آئی۔ وہ اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی۔

"تم مجھ سے قسم لے لو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی"

سہیلی نے کہا۔

"مگر شیبا! یہ کیسے ہو سکتا ہے"

شیبا بولی۔

"خدا کی قسم میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ میں نے ملکہ
قلو پطرہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"

کیٹی چونکی۔ ماریا بھی ذرا چونکی تھی کہ یہ لڑکی کیا کہہ رہی
ہے؟

سہیلی نے کہا۔

"تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا"

شیبا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

"سنو! کیا تم نے کبھی عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی کوئی کتاب
پڑھی ہے؟"

سہیلی نے کہا۔
"وہی جو اے حمید لکھ رہا ہے اور نیا مکتبہ اقرأ والے چھاپ
رہے ہیں؟"
"ہاں وہی ——"
"میں نے اس کی تازہ قسطیں پڑھی ہیں"
شیبا نے مسکرا کر کہا۔
"تو پھر یقین کرو کہ میں نے اس کتاب کے ایک
پیارے کردار عنبر کی مدد سے آج سے تین ہزار سال پہلے
کے زمانے کی سیر کی ہے اور ملکہ قلوپطرہ کی خاص
کنیز کے روپ میں اس کی خودکشی کا تاریخی منظر اپنی
آنکھوں سے دیکھا ہے۔"
شیبا کی سہیلی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔
"شیبا تمہارے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے۔
خدا کے لیے نیند لانے والی گولیاں کھا کر آج سارا دن
اور ساری رات آرام کرو۔ چلو کالج سے دیر ہو رہی
ہے ——"
کیٹی اور ماریا نے یہ ساری گفتگو سنی تو گویا انہیں کھویا ہوا
خزانہ مل گیا۔ ماریا تو بے اختیار بول اٹھی۔
"اس لڑکی کو بلاؤ ——"

یہ آواز شیبا اور اس کی سہیلی نے بھی سن لی تھی۔ انہوں
نے کیٹی کی طرف دیکھا۔ کیٹی شیبا کی سہیلی کے سامنے شیبا پر اپنا
آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شیبا جلدی سے اپنی سہیلی کے ساتھ
دکان سے باہر نکل گئی۔ ماریا نے کہا۔
"خدا کے لیے اس کا پیچھا کرو۔ اسے عنبر کا پتہ ہے
یہ عنبر سے مل چکی ہے اور ہماری دنیا میں سفر کر چکی
ہے۔ کہیں گم نہ ہو جائے بھیڑ میں ——"
کیٹی نے دکان دار کو پیسے دیئے اور دکان سے باہر نکل
آئی۔ اس نے عورتوں کی بھیڑ میں دیکھا۔ شیبا اپنی سہیلی کے ساتھ
بازار میں چلی جا رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔ اس نے ماریا
سے کہا۔
"تم آگے جا کر شیبا کو نگاہ میں رکھو ماریا۔"
کیٹی کی آواز سن کر اس کے قریب ہی چلنے والی عورت
نے چونک کر کہا۔
"آپ نے مجھے کچھ کہا بہن؟"
"نہیں نہیں بہن —— میں —— میں —— کچھ نہیں ——"
اور کیٹی جلدی سے آگے نکل گئی۔ ماریا عورتوں کے سروں
کے اوپر سے گزرتی ہوئی آگے چلی گئی تھی مگر شیبا اسے دکھائی
نہیں دے رہی تھی۔ وہ کہیں بھیڑ میں گم ہو گئی تھی۔ کیٹی

بانو بازار سے نکل کر اب انارکلی کے بازار میں آگئی تھی۔ ماریا اپنی سہیلی کے ساتھ رکشے میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ

بھی اس کے پاس آگئی۔

"تھیبا کہاں ہے، کیٹی؟"

"میں نے تو تمہیں اس پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا تھا ماریا"

"افسوس وہ بھیڑ میں کہیں غائب ہو گئی"

اور کیٹی پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"خدا کے لیے انارکلی کی طرف دوڑو۔ وہ ادھر کو ہی گئی ہے"

کیٹی اور ماریا نے تھیبا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہر عورت کو گھور گھور کر تکتی۔ مگر تھیبا انہیں کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آخر وہ مایوس ہو گئیں۔ کیٹی نیلے گنبد کے ہسپتال کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"ماریا ہم نے ایک ایسے گواہ کو کھو دیا ہے جو عنبر کے بارے میں کچھ بتا سکتی تھی ——"

اچانک ماریا نے کہا۔

"وہ جا رہی ہے تھیبا ادھر — مسجد کے قریب — وہ سامنے پھل والی ریڑھی کے پاس"

ہو چکی تھی۔ کیٹی نے صرف اتنا ہی سنا کہ تھیبا رکشے والے سے کہہ رہی تھی۔

"لاہور کالج چلو"

کیٹی واپس دیوار کے پاس آگئی۔ کیونکہ ماریا کو وہ اسی جگہ چھوڑ گئی تھی۔ جہاں سے اسے ماریا کی خوشبو آئی وہ وہاں پر آہستہ سے کہنے لگی۔

"وہ کسی لاہور کالج جا رہی ہے ماریا"

"تو پھر ہمیں بھی وہیں چلنا چاہیے۔ اگر دوسرا رکشا کر کے تھیبا کا تعاقب کرتے ہیں۔ اس کا ملنا بہت ضروری ہے"

کیٹی نے ایک رکشا پکڑا۔ اس میں بیٹھ گئی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی سوار ہو گئی۔ کیٹی نے رکشا ڈرائیور سے پوچھا۔

"یہ لاہور کالج کدھر ہے؟"

ڈرائیور نے کہا۔

"لڑکیوں کا لاہور کالج؟"

"ہاں لڑکیوں کا؟"

"میں آپ کو لے چلتا ہوں"

اور رکشا ڈرائیور نے زور دار آواز کے ساتھ رکشا سٹارٹ

کیٹی اس کی طرف بھاگی۔ مگر جب تک وہ تھیبا کے پاس گیا اور مال روڈ پر اترنے لگا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ چونک

پھر گمبر کراس سے گھوم کر وہ کوئینز روڈ پر آگیا اور زنگ
چنگی سے فیروز پور روڈ کی طرف مڑ گیا۔ سارے رستے میں شیبا
کہیں نظر نہ آئی تھی۔ اس کا رکشا اسے لاہور کالج چھوڑ کر واپس
بھی جا چکا تھا۔ جب کیٹی کا رکشا لاہور کالج کے باہر درختوں
کے نیچے رکا تو اس نے رکشا ڈرائیور کو کرایہ دے کر رخصت
کر دیا اور خود کالج کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ کالج کی لڑکیاں
گھوم پھر رہی تھیں۔ ماریا نے کہا۔

"اندر چل کر دیکھتے ہیں۔ یہاں تو وہ لڑکی شیبا کہیں
دکھائی نہیں دے رہی"

"میں اندر جا رہی ہوں"

"میں تمہارے ساتھ ہوں" ماریا نے کہا۔

اور کیٹی کالج کے مین گیٹ میں سے گزر کر کالج کے احاطے
میں داخل ہو گئی۔ کالج کی کلاسیں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ لڑکیاں
درختوں کے نیچے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ کیٹی نے چل پھر کر
ان ساری لڑکیوں کو غور سے دیکھا۔ کیٹی نے سیاہ چشمہ لگا رکھا
تھا۔ ان لڑکیوں میں اسے شیبا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

کیٹی نے درختوں کی طرف منہ کر لیا اور آہستہ سے کہا۔

"ماریا ـــــ؟"

"شیبا یہاں بھی نہیں ہے"

ماریا بولی۔

"ایسا کرو۔ یہاں کسی لڑکی سے شیبا کے بارے میں
معلوم کرو"

"اچھا خیال ہے" کیٹی مسکرائی۔

اس نے دیکھا کہ تین لڑکیاں بچھے ہوئے بنچ پر بیٹھی باتیں کر
رہی تھیں۔ کیٹی ان کے قریب جا کر کہنے لگی۔

"کیوں بہن! یہاں شیبا نام کی لڑکی کس کلاس میں
پڑھتی ہے؟"

لڑکیاں باتیں کرتیں خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے کیٹی کی
طرف مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ایک لڑکی نے کہا۔

"آپ کون ہیں؟ شیبا آپ کی کیا لگتی ہے؟"

کیٹی مسکرائی۔ کہنے لگی۔

"میرا نام شکیلہ ہے۔ میں اس کی آنٹی ہوں"

ایک اور لڑکی بولی۔

"کمال ہے۔ آپ شیبا کی آنٹی ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں
اور آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس کلاس میں پڑھتی
ہے"

کیٹی نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں ایک عرصے سے لندن میں تھی۔ آج ہی واپس

لاہور آئی ہوں۔ اتفاق سے ان کے گھر پہ کوئی نہیں
تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کالج میں چل کر پتہ کرتی ہوں۔
شاید شیبا مل جائے۔"
دوسری لڑکی نے کہا۔
"وہ فرسٹ ائیر۔ بی سیکشن میں ہے"
تیسری لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر دوسری لڑکی کی طرف دیکھا۔
جیسے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس اجنبی عورت کو شیبا کی کلاس کا
پتہ بتلایا جائے۔ کیٹی نے اس لڑکی سے کہا۔
"میں تمہارا شکریہ تمہاری زبان میں ادا کروں یا اپنی
زبان میں؟"
اس لڑکی نے مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔
"کیا تم دوسری دنیا سے آئی ہو۔ جو تمہاری زبان
دوسری ہوگی؟"
کیٹی نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں ـــــ میں دوسری دنیا سے آئی ہوں"
اور کیٹی نے اپنی زبان میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔
"خشی تا ہُو شو کاری انڈر ـــــ"
لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔
"کیٹی ـــ وقت ضائع نہ کرو"

کیٹی نے مسکرا کر ان لڑکیوں کو ٹاٹا کہا اور فرسٹ ائیر کلاس
کے بی سیکشن کو تلاش کرنے کے لیے کالج کے برآمدے میں
آگئی۔ ایک کمرے کے باہر A لکھا تھا۔ وہ برآمدے کا
موڑ گھومی تو آگے کمرے پر B لکھا ہوا تھا۔ اندر لڑکیاں بیٹھی
تھیں۔ کلاس لگی ہوئی تھی اور ایک ادھیڑ عمر کی پروفیسر
خاتون کتاب کھول کر پڑھ رہی تھیں۔ کیٹی نے کھڑکی میں سے
ایک نگاہ ساری لڑکیوں پر ڈالی۔ اس نے شیبا کو پہچان لیا۔
وہ اپنی اسی پانو بازار والی سہیلی کے ساتھ کلاس روم میں
بیٹھی تھی۔
لڑکیاں بھی کیٹی کو تکنے لگیں کہ یہ سیاہ چشمے والی عورت کون
ہے۔ پروفیسر نے بھی کیٹی کو دیکھا اور دروازے کے پاس آکر
کہا۔
"آپ کو کس کی تلاش ہے؟ یہاں کیوں گھوم رہی
ہیں؟"
کیٹی نے کہا۔
"مجھے ایک لڑکی شیبا سے ملنا ہے۔ میں اس کی خالہ ہوں"
اتنا کہہ کر کیٹی برآمدے سے باہر چلی گئی۔ وہ شیبا کو کلاس روم
سے باہر لانا چاہتی تھی۔ پروفیسر نے شیبا سے کہا کہ باہر اس
کی خالہ آئی ہے۔ شیبا حیران ہوئی کہ اس کی خالہ کہاں سے آگئی۔

کھڑکی کے شیشے میں سے اس نے کیٹی کی ایک جھلک ہی دیکھی تھی اور وہ پہچان نہ سکی تھی کہ یہ اس کی خالہ ہے یا کوئی اور۔ شیبا کلاس روم سے باہر آ گئی۔

کیٹی ذرا پرے درخت کے نیچے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ شیبا برآمدے سے اتر کر اس کے پاس آئی اور تعجب سے دیکھنے لگی کیونکہ یہ اس کی خالہ نہیں تھی۔ اس نے ذرا "تلخ" لہجے میں کہا۔

"آپ کب سے میری خالہ بن گئیں؟"

کیٹی مسکرائی۔ اس نے کہا۔

"میں تمہاری خالہ نہیں ہوں۔ یہ ٹھیک ہے مگر میں وہ لڑکی ہوں جس سے ملنا تم بہت پسند کرو گی۔"

"کیا مطلب؟" شیبا نے پوچھا۔

کیٹی نے کہا۔

"میں عنبر ناگ ماریا سیریز کی خلائی لڑکی کیٹی ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی کیٹی نے اپنی عینک اتار دی۔ کیٹی کی چوکور آنکھیں دیکھ کر شیبا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

قبرستان اور ہڈیاں
اے حمید
PDFBOOKSFREEPK
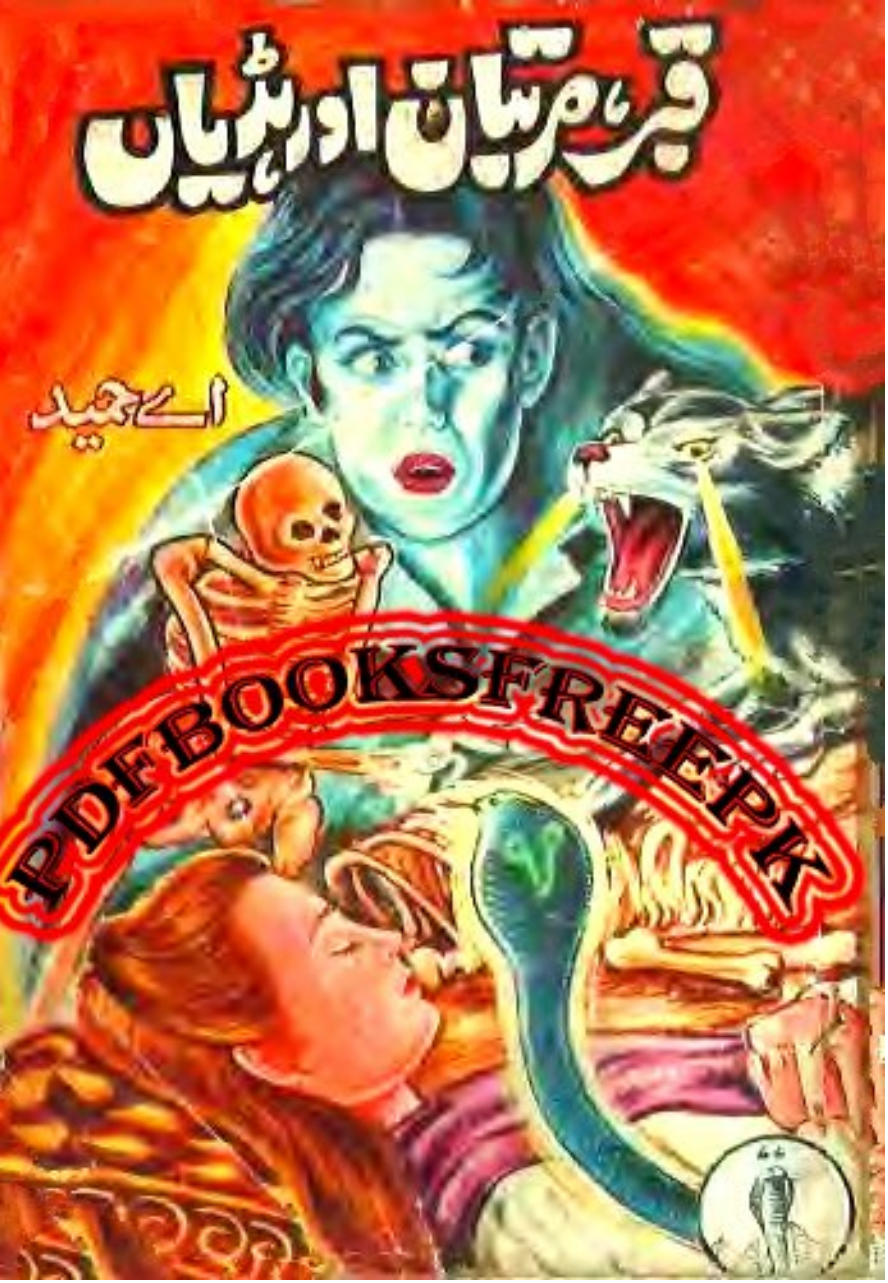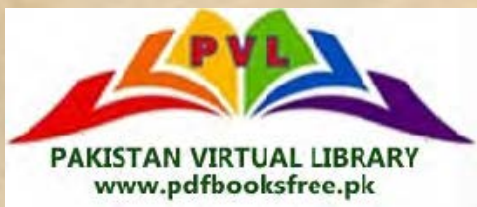
ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

قبرستان اور ہڈیاں
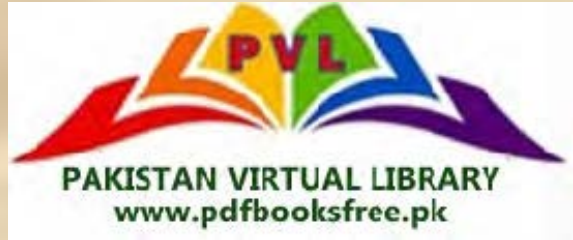
اے حمید

قیمت ساڑھے سات روپے

ناول ——

ناشر: مکتبہ اقرا، ۳ - ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

عنبر ناگ ماریا کا سلام پہنچے!

عنبر ناگ ماریا کے واپسی کے سفر کی ۲۲ ویں قسط حاضرِ خدمت ہے۔ آپ نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ میری ان قسطوں کو پسند کیا ہے اور جس دل چسپی اور شوق کے ساتھ آپ انھیں پڑھتے ہیں اور مجھے اپنے خلوص بھرے خط لکھتے ہیں۔ میں اس کے لیے آپ سب کا دلی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں آگے بھی عنبر ناگ ماریا کے اس صدیوں کے پُر اسرار سفر کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے سچے واقعات اسی خلوص اور دیانت کے ساتھ لکھتا رہوں گا جس طرح کہ ان کے سفر کے حالات مجھ تک پہنچتے رہیں گے —

ہاں اس بار لاہور کالج فار ویمن کی ایک بڑی پیاری لڑکی شیبا بھی عنبر کی مرضی کے خلاف اس کی طلسمی انگوٹھی میں پھسل کر تاریخ کے پرانے گزرے ہوئے پُر اسرار زمانے میں پہنچ جاتی ہے۔ لاہور میں وہ شادمان کالونی کی ایک کوٹھی میں رہتی تھی۔ اس کے ماں باپ اس کے اچانک گم ہو جانے پر سخت پریشان ہوتے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ تاریخ کے دو ہزار سال پرانے زمانے میں شیبا پر کیا کیا مصیبتیں گزرتی ہیں اور پھر وہ کس طرح واپس لاہور شادمان کالونی والی کوٹھی میں آتی ہے؟ یہ پڑھ کر ہی آپ لطف اٹھا سکیں گے۔

آپ کا ساتھی

اے حمید

فہرست

کالی بلی، ویران کنواں

شیبا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ ناگ عنبر، ماریا اور کیتھی میں سے کسی ایک سے یا سب سے ملاقات کرے۔ عنبر سے وہ مل چکی تھی۔ اگرچہ اس کا عنبر کے ساتھ تجربہ بڑا تلخ تھا۔ پھر بھی شیبا کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ وہ ملکہ قلو پطرہ کے زمانے میں جا کر اس سے ملی اور اس نے اس عظیم الشان ملکہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے تاریخی خودکشی کرتے دیکھا۔

اب عنبر ناگ ماریا میریز کی خلائی لڑکی کیتھی اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس میں ذرا سا بھی شک و شبہ نہیں تھا کیوں کہ شیبا دیکھ رہی تھی کہ اس کی آنکھیں چوکور ہیں!

کیتھی نے چشمہ آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا:

"کیا اب بھی تمہیں شبہ ہے کہ میں کیتھی نہیں ہوں؟
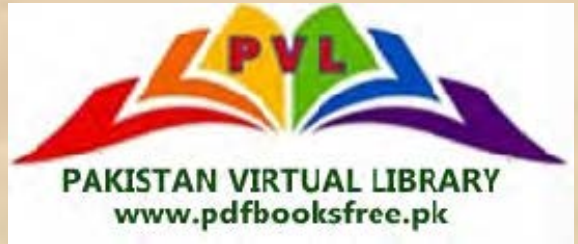
بیشیا کا چہرہ خوشی اور حیرت سے چمک رہا تھا۔ کہنے لگی۔
"کیٹی بہن! مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تم
ہی عنبر ناگ ماریا سیریز کی کیٹی ہو لیکن یہ
بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آگئیں؟ کیا تم
اکیلی ہو؟"
کیٹی نے کہا "تم نے دو سوال کر ڈالے ہیں۔ تمہارے
پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمیں عنبر کی
تلاش ہے اور جب تم بانو بازار کی ایک جوس
والی دکان میں بیٹھی اپنی سہیلی سے قلو پطرہ
کے قدیم ملک میں جانے کے بارے میں
بات کر رہی تھیں۔ تو میں اور ماریا سن رہی
تھیں"!
بیشیا نے خوشی سے اچھل کر کہا:
"کیا ماریا بھی تمہارے ساتھ ہے؟"
ماریا نے اپنی آواز میں کہا:
"ہاں بیشیا۔ میں بھی کیٹی کے ساتھ ہوں اور
تمہارے بالکل قریب کھڑی ہوں"
بیشیا بولی "پیاری بہن ماریا! مجھے یقین ہے کہ تم
میرے پاس ہو۔ لیکن صرف میری خاطر کوئی

نشانی دو کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ تم
یہاں موجود ہو"
ماریا نے کہا:
"اچھا، دیکھو۔ وہ سامنے ایک لڑکی برآمدے سے
باہر اس طرف آ رہی ہے نا؟"
بیشیا نے کہا "ہاں۔ وہ غزالہ ہے۔ سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے"
ماریا بولی "اس کے ہاتھ میں کتاب ہے۔ میں وہ کتاب
غائب کرنے لگی ہوں" تم دیکھتی رہنا"
بیشیا نے بڑے اشتیاق کے ساتھ غزالہ پر نظریں جما دیں۔
کیٹی سے اس طرف دیکھ رہی تھی۔ غزالہ نے بیشیا کے قریب
سے گزرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر ہیلو بیشیا کہا اور
آگے نکل گئی۔ ماریا اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے غزالہ
کے بائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کو ایکدم کھینچ لیا۔
غزالہ سمجھی کہ اس کی کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر
پڑی ہے۔ اس نے زمین کی طرف جھک کر دیکھا۔ کتاب وہاں
نہیں تھی۔ بیشیا مسکرانے لگی اس نے غزالہ سے پوچھا۔
"کیا ہوا غزالہ؟"
غزالہ حیرانی سے بولی۔
"ابھی ابھی میرے ہاتھ میں کتاب تھی۔"

وہ کہاں گئی؟" شیبا نے کہا۔ "کتاب تو میں نے بھی تمہارے
ہاتھ میں دیکھی تھی۔"
غزالہ زمین پر اِدھر اُدھر کتاب تلاش کر رہی تھی۔
خدا جانے کہاں چلی گئی ہے۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی
نے جھٹکے کے ساتھ کتاب میرے ہاتھ سے چھین لی ہے"
شیبا نے ہنستے ہوئے کہا:
"ضرور کوئی بھوت کالج میں آ گیا ہے"
غزالہ نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔
"میں نہیں مانتی کسی بھوت ووت کو۔ میں تو
بھوتوں کا مار مار کر کچومر نکال دوں"
"تو پھر تمہاری کتاب کہاں ہے؟" شیبا نے پوچھا
"یہی تو میں حیران ہوں" غزالہ بولی۔
وہ اب بھی زمین پر کتاب کو ڈھونڈھ رہی تھی۔ شیبا اور
کیٹی اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ کتاب ماریا کے ہاتھ
میں آتے ہی غائب ہو چکی تھی۔ ماریا نے شیبا کے قریب آ کر
اس کے کان میں کہا:
کیا خیال ہے اس کو بھوت کا تماشا دکھاؤں؟
شیبا نے آہستہ سے کہا "ضرور ضرور ضرور"
غزالہ نے شیبا کی طرف دیکھ کر کہا:

ضرور تم نے میری کتاب پیچھے سے چھین کر چھپا
لی ہے۔ بھئی ایسا مذاق مجھے اچھا نہیں لگتا۔ لاؤ
نکالو میری کتاب۔
شیبا نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کہا۔
دیکھ لو میرے ہاتھ خالی ہیں اور پھر میں تو تم
سے اتنی دور کھڑی تھی میں تمہاری کتاب کیسے
چھین سکتی تھی بھلا؟
غزالہ نے ناراضگی سے کہا:
"شیبا میں تم سے کبھی کلام نہیں کروں گی۔ بس
اب زیادہ مذاق نہ کرو اور میری کتاب میرے حوالے
کر دو"
شیبا بولی۔ "یہ میری تھی میرے پاس کھڑی ہیں بے شک ان
سے پوچھ لو۔ میں نے تمہاری کتاب کو ہاتھ بھی نہیں
لگایا؟
غزالہ غصے میں آ کر کہنے لگی،
میں پرنسپل سے تمہاری شکایت کروں گی
میں جانتی ہوں تم نے ہی میری کتاب چھپائی
ہے یہاں اور کوئی بھی نہیں تھا۔
کیٹی نے کہا — ہو سکتا ہے کوئی بھوت تمہارے پیچھے

لگا ہوا ہو؟"

غزالہ نے تنک کر کہا، "محترمہ زبان سنبھال کر بات کریں۔
بھوت لگے آپ کے پیچھے۔ میرے پیچھے جو بھوت
آئے گا میں جوتیاں مار مار کر اس کا سر گنجا کر دوں گی۔
آپ نے مجھے کیا بھوت دکھا ہے۔"

اب ماریا کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے غزالہ کے قریب جاکر
اس کے کاندھے پر پڑا ہوا سبز رنگ کا دوپٹہ اتار کر غائب
کر دیا۔ غزالہ نے جب اپنا دوپٹہ اچانک غائب ہوتے
دیکھا تو کچھ پریشان ہو گئی۔

"میرا ـــــ میرا دوپٹہ کہاں چلا گیا؟

بشیا نے کہا "غزالہ ضرور یہاں کوئی بھوت تیرے پیچھے لگ
گیا ہے یہاں سے بھاگ جاتی ہیں؟

غزالہ نے کہا "میں اس بھوت کو سمجھ لیتی ہوں ابھی"

اس کے ساتھ ہی ماریا نے غزالہ کو پیچھے سے ہاتھ ڈال کر
زمین سے اوپر اٹھا لیا۔ زمین سے اوپر اٹھتے ہی غزالہ غائب
ہو گئی۔ اب جو اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بلکہ سارا
جسم نظر نہیں آ رہا۔ تو وہ چیخ مار کر بولی۔

"بھوت ـــــ بھوت ـــ مجھے بچاؤ"

ماریا نے اسے زمین پر کھڑا کر دیا۔ غزالہ پھر سے

ظاہر ہو گئی۔ اس کی چیخ و پکار سن کر ساری لڑکیاں کلاس
سے باہر آ گئیں۔ پروفیسر بھی وہاں آ گئی۔ غزالہ نے انہیں
بتایا کہ یہاں کوئی بھوت آگیا ہے۔ اس نے پہلے میری
کتاب غائب کی۔ پھر دوپٹہ اور پھر آخر میں تھوڑی دیر
کے لیے مجھے بھی غائب کر دیا۔

پروفیسر نے ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"اس کے دماغ پر کسی نشے کا اثر ہو گیا ہے
یہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے"

غزالہ بولی: "پروفیسر صاحبہ میں نے فوراً اپنے ہاتھوں
اور پاؤں کو بلکہ اپنے سارے جسم کو غائب ہوتے
دیکھا ہے۔

پروفیسر نے کہا "تمہارا دماغ ٹھیک نہیں رہا۔ کوئی بات نہیں
تم گھر جا کر آرام کرو"

بشیا نے کہا "پروفیسر صاحبہ ـــــ ہو سکتا ہے غزالہ ٹھیک
کہہ رہی ہو اور ہمارے کالج میں کوئی بھوت آن
گھسا ہوا ہو"

پروفیسر نے نفرت سے سر جھٹک کر کہا:
"کیا بے کار باتیں کرنے لگی ہو تم بھی ـــــ
اس زمانے میں کہاں بھوت ووت نہیں ہوتے انسان خلا میں

میں بستیاں بسا رہا ہے اور تم لڑکیاں بھوتوں کی باتیں
کر رہی ہو ؟ افسوس ہے تمہاری عقل پر ۔"
پھر اس نے غزالہ کی طرف دیکھا جو حیران کھڑی سب کا
منہ تک رہی تھی اور کہنے لگی۔
"غزالہ ! جاؤ گھر جا کر اسپرو کی دو ٹکیاں چائے
کے ساتھ کھا کر سو جاؤ۔ سونے سے تمہارا دماغ
ٹھیک ہو جائے گا۔
ماریا نے سوچا کہ اس پروفیسر کو بھی بھوت کی ایک جھلک
دکھا دینی چاہیئے۔ پروفیسر لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔
"چلو لڑکیو کلاس روم میں چلو۔ اور شیبا تم بھی اپنی
خالہ سے مل چکی ہو۔ اب کلاس روم میں آ جاؤ۔
کل امتحان ہونے والے ہیں — چلو — چلو"
ماریا نے شیبا اور کیتھی کے پاس آ کر کہا :
"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ذرا اس پروفیسر کو
بھوت کی ایک جھلک دکھا کر آتی ہوں جو چاند
کی بستیوں اور ماڈرن سائنس کی باتیں کر رہی تھی"
کیتھی اور شیبا مسکرانے لگیں اور انہوں نے اپنا رُخ کلاس کی
طرف پھیر لیا جو وہاں سے انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا۔
غزالہ کو اس کی مرضی کے بغیر پروفیسر نے آرام کرنے کے لیے
اس کے گھر روانہ کرا دیا تھا۔ اور خود لڑکیوں کو لے کر
کلاس روم میں آ گئی۔ اور کتاب کھول کر بولی۔
"صفحہ دو سو تین نکالو۔ میں تمہیں پڑھا رہی تھی کہ
ہلاکو خاں کی فوجوں نے جس وقت بغداد پر حملہ
کیا تو اس وقت بغداد کا خلیفہ بہت کمزور ہو
چکا تھا اور دربار میں اس کے خلاف سازشیں
ہو رہی تھیں اس کا وزیر علقمی ——"
ابھی پروفیسر کتاب کے اسی لفظ تک ہی پہنچی تھی کہ ماریا
نے ہاتھ بڑھا کر پروفیسر کی نظر کی عینک اتار لی۔ عینک غائب
ہو گئی۔ اب پروفیسر کو بہت دھندلا دھندلا دکھائی دے
رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور کہا
"میری عینک کہاں چلی گئی۔ گر پڑی ہے نیچے
لڑکیو یہاں آ کر میری عینک تلاش کرو یہیں گری
ہو گی۔
لڑکیاں میز پر آ کر عینک ڈھونڈنے لگیں مگر وہاں عینک کہیں
بھی نہیں تھی۔
"میڈم ! یہاں عینک نہیں ہے" ؟
پروفیسر نے چیخ کر کہا "تو کیا اسے کوئی بھوت لے گیا
ہے ابھی تو میری آنکھوں سے نیچے گری تھی"

پروفیسر کو کوئی شے صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی۔
وہ کرسی پہ اندھی مائی کی طرح بیٹھی تھی۔ لڑکیاں عینک تلاش
کر کے تنگ آگئیں اور اپنی سیٹوں کی طرف واپس جاتے ہوئے
بولیں کہ عینک نہیں ہے میڈم۔

میڈم پروفیسر کا تو پارہ چڑھ گیا۔ چنگھاڑ کر بولی
"تم سب بڑی حرام ہو گئی ہو۔ ایک ذرا سی
عینک تمہیں نہیں مل سکی۔

ایک لڑکی نے کہا: "میڈم! عینک بھوت لے گیا ہے
اس کالج میں بھوت آچکا ہے۔ غزالہ
کو اس نے ہی غائب کیا تھا"

پروفیسر نے زور سے میز پہ چھڑی مار کر کہا۔
اس الیکٹرانک سائنس کے زمانے میں تم
بھوت کی باتیں کرتی ہو؟ افسوس ہے
تمہاری عقل پہ"

ماریا نے پیچھے سے پروفیسر کی کرسی کو نیچے سے ہاتھ ڈال کر
اوپر اٹھا لیا۔ اب پروفیسر کرسی سمیت کلاس روم سے غائب
ہو گئی تھی۔ لڑکیوں نے خوف کے مارے شور مچا دیا۔
میڈم غائب ہو گئیں۔ بھوت بھوت۔
اور لڑکیاں چیخیں مارتی کلاس روم سے باہر بھاگ گئیں۔

پروفیسر نے جب دیکھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور سارا جسم
غائب ہو گیا ہے تو اس کا دل ڈوبنا شروع ہو گیا۔ وہ ہوا
میں اوپر اٹھی ہوئی تھی اور اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ
کس نے اسے اُوپر اٹھایا ہوا ہے اس کا دماغ سائیں
سائیں کرنے لگا۔ ماریا نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا
"کیا اب بھی تمہیں بھوت پہ یقین نہیں ہے؟"
پروفیسر نے ماریا کی آواز سُنی تو دہشت کے مارے بے ہوش
ہو گئی۔

ماریا نے کرسی زمین پر رکھ دی۔ پروفیسر پھر سے
نظر آنے لگی مگر وہ بے ہوش پڑی تھی۔ وہاں پرنسپل صاحبہ
آگئیں اور دیکھا کہ پروفیسر بے ہوش ہے۔ انہوں نے فوراً حکم دیا
کہ انہیں ان کے گھر پہنچا دیا جائے تاکہ وہ آرام کریں
اور لڑکیوں کو پڑھے پڑھانے لگیں۔

ماریا وہاں سے نکل کر شیبا اور کیٹی کے پاس آگئی جو درخت
کے پاس کھڑی یہ سارا تماشہ دُور سے دیکھ رہی تھیں۔
"تم نے تو خوب ڈرامہ کر دیا ماریا!"
کیٹی نے اپنے قریب ماریا کی خوشبو سونگھتے ہوئے کہا۔ ماریا
نے کہا:
یہ سب کچھ اپنی نئی سہیلی شیبا کے دل کو خوش

کرنے کے لیے میں نے کیا ہے ـــ"

اب کیٹی اور ماریا بیشا سے عنبر کی باتیں کرنے لگیں۔ بیشا نے کیٹی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ عنبر سے اس کی ملاقات کہاں ہوئی لاہور میں اور پھر کیسے وہ ان کی شادمان کالونی والی کوٹھی میں رات کو مہمان ٹھہرا اور پھر کس طرح بیشا اس کی طلسمی انگوٹھی کو اس کے سونے میں رگڑ کر قلوپطرہ کے زمانے میں پہنچ گئی۔ ماریا نے پوچھا۔

"وہاں تمہاری عنبر سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

بیشا نے کہا: "بالکل نہیں ماریا بہن ـــ میں تو انتظار ہی کرتی رہی کہ شاید وہاں عنبر یا تم دونوں میں کسی سے یا ناگ سے ملاقات ہو جائے مگر ایسا نہ ہوا۔"

کیٹی نے کہا: "ناگ تو باؤلی میں ایسا غائب ہوا کہ اس کی پھر کوئی خبر ہی نہیں آئی۔"

"کون سی باؤلی کیٹی بہن؟" بیشا نے پوچھا۔

کیٹی نے کہا: "تمہارے ہمسایہ ملک ہندوستان کے جنوب میں ایک قصبے کے پاس ہے۔ یہ بڑے پر اسرار اور عجیب وغریب واقعات ہیں بیشا تم۔ اسے نہیں سمجھ سکو گی۔"

بیشا نے کہا "میرے لیے یہ واقعات کوئی نئے نہیں ہیں کیٹی بہن! میں عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی ساری

قسطیں پڑھ رہی ہوں جن میں تمہارے پر اسرار سفر کے سارے واقعات لکھے ہوتے ہیں۔"

ماریا بولی۔ "لاہور میں صرف ایک گارڈن ٹاؤن والا لڑکا امجد ہے اور اب تم پہلی لڑکی ہو جس نے ہماری پر اسرار ماضی کی تاریک اور انوکھی دنیا میں جا کر سیر کی ہے۔"

بیشا نے کہا "میں نے ایک بار امجد سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر وہ مری گیا ہوا تھا۔"

کیٹی کہنے لگی "اب وہ آگیا ہے۔ ہم اس سے مل کر تمہارے پاس آئی ہیں۔"

بولی "اب عنبر اور ناگ کو کہاں تلاش کیا جائے"

کیٹی نے کہا "ہم نہیں کہاں تلاش کریں۔ بیشا نے تو یہی بتایا ہے کہ وہ ان کی کوٹھی میں کچھ دن رہ کر بیشا کی تلاش میں نکلا اور پھر واپس نہیں آیا۔"

کیٹی بولی "ہو سکتا ہے وہ لاہور میں ہی ہو۔"

ماریا نے کہا "اگر وہ لاہور میں ہے تو پھر ضرور رات کو مقبرہ جہانگیر آرام کرنے جاتا ہوگا۔ میرا مطلب ہے رات گزارنے جاتا ہوگا۔ کیونکہ آرام کی تو اسے ضرورت ہی

نہیں ہے۔"

کیتھی نے کہا: — "تو پھر آج رات اسے مقبرہ جہانگیر میں دیکھیں گے"

کیتھی نے شبا کی طرف دیکھ کر کہا:

"شبا تم خیال رکھنا۔ اگر کسی اتفاق سے تمہاری عنبر سے ملاقات ہو گئی تو اسے کہنا کہ ہم آج رات اس کی تلاش میں مقبرہ جہانگیر آ رہی ہیں۔"

"بہت اچھا کیتھی بہن — لیکن تم لوگ اب کہاں جاؤ گی؟"

ماریا نے کہا: "ہمارا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ اگلے لمحے ہم کہاں ہوں گی اور ہمارے ساتھ کیا حادثہ پیش آ جائے۔ بہر حال تمہیں اپنی کوٹھی کا ایڈریس ہمیں دے دو۔ ہم کسی وقت آ کر تم سے عنبر کے بارے میں پوچھ جائیں گی۔"

شبا نے ماریا اور کیتھی کو شادمان والی کوٹھی کا پتہ لکھا دیا۔ اور ٹیلی فون نمبر بھی دے دیا جو کیتھی نے اسی وقت یاد کر لیا۔

شبا نے ان سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ گھر چل کر کھانا کھائیں۔ مگر

کیتھی بولی: "تم تو ہماری کہانی کی قسطیں پڑھتی رہتی

ہو تمہیں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمیں اتنی بھوک نہیں لگتی۔ بلکہ ماریا کو تو بالکل نہیں لگتی۔"

شبا نے کہا — "ویسے ہی میرے گھر چلیں میں آپ کو اپنا کمرہ دکھاؤں گی۔"

ماریا نے ہنستے ہوئے کہا — "پھر کبھی آ کر تمہارا کمرہ دیکھیں گے شبا اس وقت ہمیں اجازت دو۔"

اور ماریا اور کیتھی شبا کو خدا حافظ کہہ کر کالج سے باہر آ گئیں

ماریا نے پوچھا — "اب کدھر کا ارادہ ہے کیتھی؟"

کیتھی نے کہا — "ہم نے انارکلی کی تو سیر کر لی ہے اب میرا خیال ہے کہ ہمیں پرانی انارکلی کی سیر کرنی چاہیئے۔ میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک پرانی انارکلی بھی ہے"

ماریا نے کہا: "وہاں میں نے یہ بازار دیکھا ہے بس پرانے مکان ہیں۔ پرانی دکانیں ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں ہے"

کیتھی بولی "چلو وہیں چل کر دیکھتے ہیں دن اسی طرح گزر جائے گا۔ شام کو مقبرہ جہانگیر چلے جائیں گے"

"جیسے تمہاری مرضی" ماریا نے کہا

اور وہ رکشا میں سوار ہو کر پرانی انارکلی کے چوک میں آ گئیں

کیتھی نے کہا۔

اب میرے پاس پاکستانی کرنسی ختم ہو رہی ہے
ہمیں روپوں کا بھی بندوبست کرنا ہوگا۔"
"ہو جائے گا۔ فکر نہ کرو۔ جیبی بینک کی طرف اشارہ
کروگی میں اس بینک سے تمہیں روپے لا دوں گی"
ماریا نے کہا۔ کیٹی اور وہ دونوں پرانی انارکلی کے بازار میں
آگئیں۔ یہاں پرانی پرانی دکانیں تھیں اور ان پر سبزیاں
گوشت اور آٹا چاول اور پھل وغیرہ بک رہے تھے۔ یہ نئی
انارکلی سے بالکل مختلف انارکلی تھی۔ کیٹی نے بڑے شوق سے
ان پرانی دکانوں اور آگے کو بڑھے ہوئے چھجوں والے مکانوں
کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ پرانی انارکلی کا چوک پار کر کے جین مندر
کی طرف آئیں تو کیٹی نے بائیں ہاتھ اونچی بلڈنگوں کے درمیان
ایک جگہ ابھرا ہوا سفید گنبد دیکھا جس پر سیاہ لکیریں پڑی ہوئی
تھیں!
کیٹی نے ماریا سے پوچھا
"یہ کس کا گنبد ہے؟
ماریا نے کہا —— "کسی کا بھی لیکن میرا نہیں ہے"
کیٹی ہنسنے لگی۔ بولی —— "چلو چل کر دیکھتے ہیں۔ بڑا پرانا
گنبد معلوم ہوتا ہے"
اونچی بلڈنگوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ اس گنبد والی

پرانی برجی کو جاتا تھا۔ دونوں وہاں پہنچ گئیں کیا دیکھتی
ہیں کہ زمین سے دس فٹ اونچا ایک برج بنا ہوا ہے جو
بہت پرانا ہے اور خستہ حالت میں ہے جو سیڑھیاں برج
تک جاتی ہیں ان پر مٹی جمی ہوئی ہے اور اینٹیں اکھڑ
چکی ہیں۔
کیٹی نے کہا، "کس قدر خراب حالت ہے اس برج
کی۔ کیا یہاں کسی کا مقبرہ ہے؟"
ماریا نے کہا — ہمیں اس سے کیا لینا کیٹی۔ چلو واپس
چلتے ہیں۔"
کیٹی ضد کرنے لگی "نہیں ماریا — میرا دل چاہتا ہے
کہ اس کے اندر جا کر دیکھوں"
"جیسے تمہاری مرضی —"
وہ دونوں گرد اور مٹی سے بھری ہوئی سیڑھیاں چڑھ
کر اوپر برج میں آگئیں۔ اندر ایک کتا سویا ہوا تھا۔ ان کو
دیکھ کر وہ چیں چیں کرتا دوسری طرف سے بھاگ گیا۔ کیٹی
نے برج کے اندر جا کر دیکھا کہ فرش پر مٹی ہی مٹی تھی درمیان
میں ایک پرانی قبر بنی ہوئی تھی۔ کیٹی نے پوچھا
"ماریا — یہ کس کی قبر ہو سکتی ہے؟
ماریا نے کہا — "میرا خیال ہے اس دیوار پر کچھ لکھا ہوا

ہے"

وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس جا کر کھڑی ہو گئیں یہاں سنسکرت زبان میں لکھا تھا۔

"شکتی پاروتی۔ عمر ۱۵ سال مرہٹوں کے زمانے میں لاہور کے مرہٹہ گورنر سندھیا جی کی اکلوتی بیٹی ۔۔۔ جس کے سر پر لاہور کے تاریخی مندر سے ایک کالی بلا سوار ہو گئی اور اس نے شکتی پاروتی کو ہلاک کر ڈالا ۔۔۔ شکتی پاروتی نے آدھی رات کو اس جگہ ایک ویران کنوئیں میں اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کر لیا ۔۔۔ اس کے گورنر باپ سندھیا جی کے حکم سے اسی ویران کنوئیں کے اوپر ایک برج بنا کر شکتی پاروتی کی لاش کو جلانے کے بعد اس کی ہڈیاں ایک مرتبان میں ڈال کر دفن کر دی گئیں۔

منگل وار۔ سن ۱۹۸۰ء

ماریا اونچی آواز میں یہ تحریر پڑھ کر کیٹی کو سنا رہی تھی کیٹی نے کہا:

"بڑی دردناک موت ہوئی ہے بے چاری شکتی پاروتی کی ۔۔۔"

ماریا نے کہا ۔۔۔ ہو گی ۔۔۔ اب ہمیں اس سے کیا لینا؟ ۔ چلو واپس چلتی ہیں۔ یہاں میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

کیٹی درمیان میں بنی ہوئی قبر کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"یہ تو بہت پرانی قبر ہے ماریا۔ اس سے کیا گھبرانا۔ اب تو بے چاری پاروتی کی ہڈیاں بھی مرتبان میں پڑے پڑے سرمہ بن گئی ہوں گی۔"

اچانک کیٹی کو ماریا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیٹی میرے پاؤں بھاری ہو رہے ہیں ۔۔۔"

کیٹی نے جلدی سے کہا۔ "کیا کیا؟ ماریا ۔۔۔ ماریا"

ماریا کی اکھڑی اکھڑی آواز آئی۔

"کیٹی ۔۔۔ کوئی طاقت مجھے قبر کی طرف کھینچ رہی ہے میرا سارا جسم بھاری ہو گیا ہے میں اپنے آپ آگے کو جا رہی ہوں۔ ۔۔۔"

کیٹی نے ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ماریا ۔۔۔ ماریا ۔۔۔ تم کہاں ہو ماریا؟

یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

ماریا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بلند ہوئے۔

"کیٹی ——— کی۔کی ——— کیٹی ——— میں

میں ——— میں ———"

ماریا کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے کوئی اس کا
گلا دبا رہا ہو۔ اور پھر یہ گھٹی گھٹی آواز اچانک بند ہو
گئی۔ کیٹی اسے پکارتی رہی مگر اس کے بعد ماریا نے کوئی
جواب نہ دیا اس کی آواز پھر سنائی نہ دی ماریا کی
خوشبو آنی بھی بند ہو گئی۔ کیٹی پریشان ہو کر قبر کے
ارد گرد چکر لگانے لگی۔ وہ برابر ماریا کو پکار رہی تھی۔
ماریا ——— ماریا ——— تم کہاں ہو؟ جواب دو ماریا؟
ایک طرف سے وہی کتا بھاگ کر وہاں آگیا اور کیٹی کی طرف
منہ کر کے زور زور سے بھونکنے لگا۔ کیٹی ڈر کر پیچھے ہٹ
گئی کیونکہ کتے کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور لمبے لمبے
نوکیلے دانت باہر نکلے ہوئے تھے وہ کیٹی کی طرف لپکا
کیٹی نے برج پر سے چھلانگ لگا دی۔ وہ دھپ سے
نیچے مٹی کے ڈھیر پر گر پڑی۔ کتا اوپر برج کے ٹوٹے ہوئے
کنارے پر کھڑا کیٹی کی طرف نیچے دیکھ کر زور زور سے
بھونک رہا تھا۔ کیٹی حیران ہو گئی کہ یہ اچانک کیا انقلاب
آگیا۔ ماریا ابھی اس کے پاس کھڑی اس سے باتیں کر رہی
تھی۔ اسے کسی غیبی طاقت نے اپنی طرف کھینچ لیا؟

کیا اسے شکتی پاروتی کی کالی بلا اپنے پاس لے گئی ہے؟
یہ کتا کہیں اس مردہ عورت کا دوسرا روپ تو نہیں
ہے؟ کیونکہ ہندوؤں میں یہ عقیدہ عام ہے کہ جو انسان
خودکشی کرے یا گناہگار ہو اس کی روح کسی جانور کا
روپ بدل کر دوبارہ دنیا میں آ جاتی ہے ——— کیٹی
ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ اس نے کتے کو ہلاک کرنے
کا فیصلہ کیا۔ مگر کتا اس قدر خونخوار تھا کہ کیٹی ایک عورت
کے روپ میں رہ کر اس کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔
اس نے اپنے ذہن میں چیتے کا تصور کیا۔ وہ چیتا بن کر
اس کتے کو چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتی تھی کیونکہ اسے
یقین تھا کہ یہی کتا پاروتی کا دوسرا جنم ہے اور اسے
ہلاک کر دینے سے ماریا واپس آ جائے گی۔

کیٹی نے ایک خونخوار چیتے کا تصور ذہن میں جمایا اور
چٹکی بجا دی۔ لیکن چٹکی بجانے کے بعد جب اس نے
اپنے سارے جسم پر ایک نگاہ ڈالی تو خوف سے لرز اٹھی
کیونکہ وہ چیتا نہیں بنی تھی بلکہ اس کا سارا جسم ایک
مرد کا جسم بن چکا تھا۔ مرد بھی ایسا کہ جس نے قیدیوں کا
لباس پہن رکھا تھا۔

کیٹی نے گھبرا کر جلدی سے اپنی شکل کا تصور کیا

اور چٹکی بجا دی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کے جسم میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ ویسے ہی جیل کے ایک قیدی کی شکل میں کھڑی تھی۔ یا اللہ! یہ میرے ساتھ کیسا حادثہ ہو گیا ہے اب تو یہ طلسمی چٹکی بھی دھوکہ دینے لگی ہے۔ اس کا بھی کوئی بھروسہ نہیں رہا ہے۔!

کیٹی ایک قیدی مرد کی شکل میں تھی۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ گلے میں تعویذ تھا۔ چارخانے والی قمیض اور نیکر تھی اور پاؤں میں چپل تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کا نام کیا ہے۔ وہ کس جیل کی قیدی ہے اور اسے کس جرم میں قید کی سزا ہوئی تھی!

وہ ماریا کو تو بھول گئی اور اسے اپنی مصیبت پڑ گئی۔ قیدیوں والے کپڑے میں تو اسے ہر کوئی پہچان سکتا تھا کہ یہ قیدی ہے ـــــ ظاہر ہے اگر وہ جیل سے باہر تھی تو قید سے بھاگی ہوئی تھی اور پولیس یقیناً اس کے پیچھے لگی ہوگی۔ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ اس نے آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر زور سے چٹکی بجائی کیٹی نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو اس کی چیخ نکل گئی اس کے حلیے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اسی مرد قیدی

کی شکل میں تھی۔

وہ اس منحوس چوک سے ہٹ کر دونوں بلڈنگوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی پرانی انارکلی کے چوک میں آ گئی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ پرانی انارکلی کا تھانہ بالکل پاس ہی تھا اور سپاہی اس کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ وہ چوک میں سے گزری تو لوگ بھی اس کی طرف منہ اٹھا کر دیکھنے لگے۔ دو ایک نے اس کی طرف اشارہ کر کے بھی کہا کوئی جیل سے بھاگا ہوا قیدی جا رہا ہے۔"

چوک میں کھڑے پولیس کانسٹیبل کی نظر جونہی کیٹی پر پڑی اس نے زور سے سیٹی بجا دی۔ سیٹی کا بجنا تھا کہ ادھر ادھر سے کتنے ہی سپاہی بھاگ کر چوک میں آ گئے۔ تھانے کا انچارج تھانیدار بھی پستول لگائے باہر آ گیا انھوں نے کیٹی کو دیکھتے ہی اس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ تھانے دار نے پستول تان کر کہا!

"احمد خان ـــ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو اپنے آپ کو بڑے آرام سے پولیس کے حوالے کر دو"

کیٹی سمجھ گئی کہ اس کا نام احمد خان ہے۔ مگر اس نے کیا کیا تھا؟ اس کا جرم کیا تھا؟

اس سوال کا جواب بھی اسے مل گیا جب پولیس کے سپاہیوں نے چھلانگیں لگا کر کیٹی کو قابو میں کر کے ہتھکڑی ڈال دی اور تھانے دار نے کہا :

"خدا کا شکر ہے کہ مفرور قاتل احمد خان
پھر سے پکڑ لیا گیا "

اس نے کیٹی کی طرف دیکھ کر کہا :

"احمد خاں — تم ڈاکو اور قاتل ہو
شاید تمہیں پتہ نہیں کہ عدالت نے تمہاری
عدم موجودگی میں تم پر مقدمہ چلا کر تمہیں
پھانسی کی سزا سنا دی ہوتی ہے۔ اور
وہ ایک دلوں میں تمہیں پھانسی دے
دی جائے گی۔"

اب تو کیٹی کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ یہ کیا نئی مصیبت پڑ گئی اب کیا ہوگا۔ اگر انہوں نے احمد خان کی شکل میں مجھے پھانسی دے دی تو میں تو مر جاوں گی وہ سوچنے لگی۔ کیونکہ کیٹی صرف کیٹی کی شکل میں زندہ رہ سکتی تھی۔ اور موت اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن اگر اس نے کوئی دوسرا روپ اختیار کر رکھا ہو تو اسے موت آ سکتی تھی۔

کیٹی نے سر جھکا رکھا تھا۔ چوک میں لوگ اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ سب ڈاکو احمد خاں کو پولیس کے نرغے میں گرفتار دیکھ کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے اخباروں میں لوگ احمد خاں ڈاکو اور قاتل کے جیل سے فرار کے بارے میں ساری خبریں پڑھتے رہے تھے۔ اخبار کے مطابق احمد خان قاتل اور ڈاکو چھ ماہ پہلے جیل توڑ کر فرار ہوا تھا۔ اور آج دوبارہ پکڑ لیا گیا تھا۔

پولیس نے اس کی عدم موجودگی میں عدالت میں اس کا مقدمہ پیش کر دیا گیا۔ کارروائی شروع ہو گئی اور پانچ ماہ چار دن کی عدالتی کارروائی کے بعد اسے موت کی سزا سنا دی گئی۔ اور اس کی رحم کی اپیل بھی صدر کو بھیج دی گئی جو نامنظور ہو گئی —— یعنی اب احمد خاں یا کیٹی کو پھانسی لگنے میں ایک یا دو دن باقی تھے۔

بھٹکی ہوئی روح کی سرگوشی

کیٹی یعنی احمد خان ڈاکو کو پھانسی کی کوٹھری میں بند
کر دیا گیا۔
کیٹی بہت پریشان تھی۔ کیونکہ اگر وہ اپنے اصلی روپ
میں نہ آتی یا وہ کوئی دوسری شکل بدل کر نکلتی
فرار نہ ہو سکی تو اس کی موت یقینی تھی۔ کیونکہ وہ صرف
کیٹی کی اصلی شکل میں ہی موت سے بچ سکتی تھی اور
اسے موت نہیں آ سکتی تھی۔ کسی بھی دوسری شکل میں
اسے ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت وہ قاتل ڈاکو احمد خان
کی شکل میں تھی جس کو پھانسی دینے میں صرف دو دن
باقی رہ گئے تھے۔
پھانسی کی کوٹھری میں زمین پر بچھے ہوئے میلے
کچیلے کمبل پر بیٹھی وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سلاخوں کے
باہر دیوار کے اوپر درخت کی شاخوں کو تک رہی تھی
جن کے پتے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ پھر وہ اٹھ

کر کوٹھری میں ٹہلنے لگی۔ یہ کوٹھری بہت چھوٹی تھی چار
پانچ قدم چلنے کے بعد سامنے دیوار آ جاتی تھی۔ پہریدار
بندوق اٹھائے باہر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔
کیٹی نے ایک بار پھر اپنی اصلی شکل آنکھوں کے
سامنے لا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور چٹکی بجائی۔ اس
نے آنکھیں کھولے بغیر اپنی بانہوں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا
اسے سخت مایوسی ہوئی اس کی بانہیں ایک ڈاکو کی کالے
کالے بال بھری بانہیں تھیں۔ کیٹی نے آنکھیں کھول
دیں۔ چٹکی کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈاکو احمد خان
کی شکل میں ہی تھی وہ اس بات پر بھی بڑی حیران
تھی کہ اس نے پہلے کبھی ڈاکو احمد خان کی شکل نہیں
دیکھی تھی اور ذہن میں اس کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن
چٹکی بجانے کے ساتھ ہی وہ اس کی شکل میں بدل گئی تھی
ایسا کیوں ہونے لگا ہے! کیٹی غور کرنے لگی۔
کیا آگے سے وہ چٹکی جس شکل میں چاہے اسے بدل دیا
کرے گی۔؟
یہ بھی کافی پریشان کر دینے والی بات تھی۔ مگر یہ
سوچ کر کیٹی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اب سارا کھیل
ایک دن بعد ختم ہونے والا تھا۔ اسے پھانسی دے

دی جائے گی۔ اور وہ ناگ عنبر اور ماریا کو پتہ لگے
بغیر ہی زمین کے اندر دفن کر دی جائے گی۔ اور پھر کسی
دوسری شکل میں تبدیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوگا۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

ماریا ۔۔۔ شکتی پاروتی کے برج میں اس
کی قبر پر غائب ہو گئی تھی۔ عنبر اس سے پہلے ہی بچھڑ
چکا تھا۔ ناگ باؤلی پر پانی بھرتے ہوئے پھسل کر نظروں
سے غائب ہو گیا تھا۔ باقی وہ رہ گئی تھی سو وہ بھی پھانسی
کی کوٹھری میں بے یار و مددگار بیٹھی موت کا انتظار کر
رہی تھی۔

کیٹی کو اپنے حال پر رونا آگیا۔ وہ عورت سے مرد
بن گئی تھی۔ اور مرد بھی ایک سزا یافتہ قاتل اور ڈاکو
احمد خان جس کو پھانسی ملنے میں تھوڑی دیر ہی باقی
رہ گئی تھی۔

وہ رات اس نے جاگ کر اور بے چینی سے بسر کی
اسے لاہور کالج کی لڑکی شیبا اور گارڈن ٹاؤن کے
اپنے دوست امجد کا خیال آگیا مگر اس حالت میں وہ
بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ پہلی بات یہ
ہے کہ وہ کیٹی کو اس عالم میں پہچان ہی نہیں سکتے تھے

اور اگر پہچان بھی لیں تو اسے پھانسی کی کوٹھری سے
کوئی طاقت باہر نہیں نکال سکتی تھی۔ کیونکہ عدالت اسے
موت کی سزا سنا چکی تھی۔

دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ شیبا اور امجد ماریا
اور کیٹی کا انتظار کرتے رہے کہ شاید وہ ان سے
ملنے آئیں مگر کوئی نہ آیا۔ دن گزر گیا۔ پھر رات
بھی گزر گئی۔ احمد خان ڈاکو کی زندگی کا آخری دن آگیا
اور ایک طرح سے کیٹی کی زندگی کا بھی آخری دن آ
گیا۔ اس روز ڈاکو احمد خان کے گھر سے ملاقات آگئی
کیٹی کو لا کر آخری ملاقات کے لیے سلاخوں والے برآمدے
میں ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ دو پہرے دار بندوقیں لیے
اس کے قریب کھڑے ہو گئے کیٹی کو ہتھکڑی لگی ہوئی
تھی۔ اور پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔
احمد خان ڈاکو کی ماں اور بیوی اور بہنیں اور بچے
اس کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ کیٹی یعنی
احمد خان ڈاکو ان لوگوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔

اس سے پہلے کیٹی نے ان لوگوں کو کبھی نہیں دیکھا
تھا۔ لیکن وہ احمد خان ڈاکو پر قربان ہوتے جا رہے
تھے۔ کیٹی کو اپنی مصیبت یاد کر کے رونا آرہا تھا۔ اور

یہ کچھ رہے تھے کہ احمد خان گھر والوں کو دیکھ کر آنسو بہا رہا ہے۔

کیٹی یعنی اس وقت کے احمد خان ڈاکو کے گھر والے اس سے آخری ملاقات کر کے روتے پیٹتے واپس چلے گئے کیٹی کو دوبارہ لا کر پھانسی کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا شام کے سائے جیل خانے کی دیواروں پر پھیلنے ہونے لگے۔ یہ کیٹی کی آخری شام تھی۔ آج رات پچھلے پہر دو بجے اس کو پھانسی دی جانے والی تھی۔

ایک بار تو اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ وہ زور زور سے چیخنے چلانے لگی اور سلاخوں کو جھنجھوڑنے لگی ——

سپاہی اور وارڈن ایکدم وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے کیٹی یعنی احمد خان ڈاکو کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ ڈالا۔ کیٹی بے ہوش ہو گئی —— جب اسے ہوش آیا تو کوئی اسے آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے جگا رہا تھا۔

"احمد خان اٹھو اور خدا کو
یاد کرو۔ تمہارا آخری وقت
آ گیا ہے"

کیٹی نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور کہا:

"مولوی صاحب! میں احمد خان ڈاکو نہیں

ہوں۔ میں ایک عورت ہوں۔ میرا نام کیٹی ہے میں
ایک دور دراز کے سیارے کی مخلوق
ہوں۔ مجھے یہاں سے نکال دیں۔

مولوی نے سر ہلایا۔ وہ سمجھ گیا کہ احمد خان کا موت کے خوف سے دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور وہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس نے کیٹی کے سر کے کھردرے بالوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا۔

"احمد خان! خدا کو یاد کرو۔ اب
کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا کو یاد کر۔
وضو کر کے نماز پڑھ اور اپنی بخشش
کی خدا کے آگے دعا مانگ —— میں
بھی تمہارے لیے دعا کرتا ہوں"

کیٹی نے آج تک کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھی جس سیارے کی وہ رہنے والی تھی وہاں کوئی مذہب نہیں تھا اور وہ سائنس کے انتہائی ترقی یافتہ سیارے کی رہنے والی تھی اس نے مولوی سے کہا

"مولوی صاحب! مجھے نماز پڑھنی
نہیں آتی۔ مگر میں خدا کے آگے دعا
کروں گی۔ ضرور کروں گی"

مولوی نے افسوس بھری نگاہوں سے کیٹی کی طرف
دیکھا اور دل میں کہا
"بے چارہ احمد خان ڈاکو جی چھوڑ گیا ہے اور
اپنے آپ کو لڑکی سمجھنے لگا ہے ___ موت نے
اس کے دماغ کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے "
مولوی نے ہاتھ اُٹھا کر کہا
"احمد خان میرے ساتھ تو بھی خُدا سے
دُعا مانگ "
مولوی ہاتھ اُٹھا کر خُدا سے احمد خان ڈاکو یعنی کیٹی کی
بخشش کے لیے دُعا مانگنے لگا۔ کیٹی نے بھی ویسے ہی
ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ناگ عنبر ماریا
کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں ہوں گے اور
اس کے حال سے بے خبر ہیں۔ مولوی دعا مانگ کر چلا
گیا تو کوٹھری میں اندھیرا اور خاموشی چھا گئی۔
کیٹی کو اس جن پر سخت غصّہ آنے لگا تھا جو اُسے
لاہور کے ہوٹل کونٹی نینٹل کے پچھواڑے والے کنوئیں سے
نکل کر ملا تھا۔ اور جس نے اسے چٹکی پر لگا دیا تھا۔
کم بخت نہ وہ جن ملتا اور نہ کیٹی کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔
ابھی کیٹی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک ایک آدمی

اس کی کوٹھری میں داخل ہوا اور بولا۔
"کیا کم بخت کم بخت لگا رکھی ہے تم نے ؟"
کیٹی نے اس کی طرف دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ اس
کی آنکھیں ترچھی تھیں اور اس کا قد لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر
اس کا سر چھت کے ساتھ جا کر لگ گیا اور اس نے جھک
کر کیٹی سے کہا :
"میں نے تمہیں چٹکی پر لگایا تھا کہ تم خود یہی
چاہتی تھیں۔ یاد ہے جب لوگ ہوٹل کے باہر تمہارے
پیچھے لگے ہوئے تھے تو تم گھبراتی ہوئی میرے کنوئیں
کے پاس آئی تھیں۔ اس وقت میں نے چٹکی بجانے کا
کہہ کر تمہارے ساتھ بھلائی کی تھی اور تم اب مجھے کم
بخت کہہ رہی ہو ؟"
کیٹی سمجھ گئی کہ یہ وہی جن ہے جو اُسے ہوٹل کانٹی نینٹل
کے کنوئیں میں سے نکل کر ملا تھا اور جس نے اس کو واقعی
اس وقت لوگوں کے ہجوم سے بچا لیا تھا۔ جو اسے چوکور
آنکھوں کی وجہ چڑیل سمجھ رہے تھے۔
کیٹی نے کہا :
"خدا کے لیے مجھے اس مصیبت سے
نکالو میری چٹکی کام نہیں کرتی "

جنّ بولا۔

"ایسا کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ گھبراتی کیوں
ہو؟ یہ چٹکی تمہیں مزے بھی تو بڑے کراتی
ہے کبھی ہیما مالینی بن جاتی ہو۔ کبھی اندرا گاندھی
بن جاتی ہو —— اب پھانسی ملنے لگی ہے تو
کیوں چلّا رہی ہو"

گیٹی نے پریشان ہو کر کہا:

"تو کیا مجھے پھانسی مل جائے گی؟"

جنّ نے کہا "اور نہیں تو کیا مجھے پھانسی مل جائے"

گیٹی رو پڑی: "خدا کے لیے جنّ بھائی —— میری
مدد کرو۔ میں بے گناہ ہوں"

جنّ نے کہا: "میں کچھ نہیں کر سکتا۔ چڑھ جاؤ پھانسی
چپکے سے —— خدا بخشنے والا ہے۔
ہاں —— میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری
قبر پر جمعرات کی جمعرات آ کر چراغ جلا
دیا کروں گا"

اور جنّ غائب ہو گیا۔ گیٹی تو سر پیٹ کر رہ گئی۔ اس نے
چلّا کر کہا:

"جنّ بھائی —— ارے کم بخت مجھے مصیبت میں پھنسا

کر کہاں غائب ہو گئے ہو؟"

وارڈن اور سپاہی جلدی سے کوٹھری کے پاس آ گئے
انہوں نے احمد خاں کو واویلا کرتے اور شور مچا مچا کر
کسی کو آوازیں دیتے سنا۔ تو اندر آ کر اس کے ہاتھ پیچھے
باندھ کر اس کے منہ کو رومال سے بند کر دیا۔ اتنے
میں گیٹی کو جنّ کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

گیٹی نے دل ہی دل میں کہا:

"جنّ بھائی —— مجھے معاف کر دو اور میری
مدد کرو"

جنّ کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی:

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

گیٹی نے دل کی آواز میں کہا: "مجھے یہاں سے نکالو
میں بے گناہ ہوں"

جنّ کی آواز آئی: "تو چٹکی بجاؤ۔ جاؤ۔ چٹکی بجاؤ"
گیٹی کا خون کھول اٹھا۔ پہلے چٹکی نے کیا کام کیا ہے
جو اب کرے گی۔ چٹکی تو ایک بے کار شے بن کر رہ
گئی ہے اور اسی کی بدولت آج وہ موت کا پھندا گلے
میں ڈالنے والی ہے —— جنّ کی ایک بار پھر
آواز آئی۔ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔ جیسے جنّ

اس سے سیکڑوں میل دُور کسی پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا آواز دے رہا ہو۔

"کم بخت چٹکی کیوں نہیں بجاتی ؟"

اور کیٹی نے چٹکی بجا دی۔

چٹکی کا بجنا تھا کہ کیٹی احمد خان ڈاکو کے اندر سے نکل کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بالکل اپنی اصل حالت میں تھی آنکھوں میں چشمہ لگا ہوا تھا۔ احمد خان ڈاکو اس کے سامنے زمین پر بیٹھا خُدا سے دعا مانگ رہا تھا۔ وہ اپنے سامنے ایک عورت کو اچانک نمودار ہوتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت ڈاکٹر اور جیل کا وارڈن اندر آ گئے۔ انہوں نے جو ایک عورت کو وہاں دیکھا تو حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کہ یہ عورت یہاں کہاں سے آ گئی۔

"کہ ــــ کون ہو تم ؟" وارڈن نے پوچھا یہاں کیسے آ گئی ہو ؟ ارے اسے پکڑو۔ یہ کہاں سے آ گئی ہے ــــ"

وارڈن نے شور مچا دیا۔ کیٹی کو ایک بار پھر جنّی پر سخت غصّہ آیا کہ کم بخت اس کو کہاں پھنسا گیا

ہے۔ اس نے چڑیا کا تصوّر کیا اور چٹکی بجا دی۔

جیل کے وارڈن اور ڈاکٹر اور احمد خان ڈاکو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ کہ وہ عورت جو ابھی ابھی ان کے سامنے کھڑی تھی غائب ہو گئی ہے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ اپنی اپنی آنکھیں مل کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے

ادھر کیٹی نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ کھڑی ہے جہاں اس کی ایک جانب وادی پھیلی ہوئی ہے جس میں ہرے بھرے درخت ہیں اور ایک چھوٹا سا دریا بہہ رہا ہے اور دوسری جانب اس سے چند قدموں کے فاصلے پر پہاڑ کی ایک دیوار ہے جس کو کھود کر تین بُت بنائے گئے ہیں۔ یہ تینوں بُت نوجوان آدمیوں کے ہیں۔ جن کے لباس پرانے زمانے کے شہزادوں کے ہیں۔ کمر کے گرد خنجر لگے ہوئے ہیں اور پتھر کی آنکھیں کھلی ہیں۔

کیٹی نے چونک کر ارد گرد غور سے دیکھا۔ وہ ایک پہاڑی پر کھڑی تھی آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ دُور دُور تک کسی آبادی کا نشان نہ تھا۔ کوئی آدمی نہ آدم زاد تھا۔ یہ میں کہاں سے کہاں آ گئی، یہ کون سا زمانہ ہے ؟

کیٹی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے شہزادوں کے مجسموں کے
قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور انہیں غور سے دیکھنے لگی۔
یہ پتھر کے مجسمے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ کسی
نے بڑی صفائی سے انہیں تراشا ہے۔ وہ بالکل زندہ
لگ رہے تھے۔ مگر پتھر کے بے جان بُت تھے ــــ
کیٹی کو بار بار جن پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اُس سے
بڑا تکلیف دینے والا اور پریشان کر دینے والا
مذاق کر رہا تھا ــــ اس نے ایک بار پھر چڑیا
کی شکل ذہن میں لا کر چٹکی بجائی۔ مگر وہ چڑیا نہ بن سکی
چٹکی ایک بار پھر بے کار ہو گئی تھی۔ کیٹی نے اونچی آواز
میں جن کو کہا:

"او جن! تم مجھ سے کس بات کا بدلہ لے
رہے ہو؟"

پہاڑی میں اس کی آواز گونجنے لگی۔ مگر جن کی طرف سے
کوئی جواب نہ آیا۔ کیٹی اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔ اسے
کچھ معلوم نہیں تھا۔ کہ یہ کون سا ملک ہے۔ کون سا زمانہ
ہے اور وہ کہاں آ گئی ہے۔ لیکن ایک بات کی اُسے
خوشی تھی کہ وہ پھانسی کے پھندے سے بچ گئی ہے اور
قدرت نے اُسے دوبارہ زندگی دی ہے۔ کچھ دیر وہ

وہاں بیٹھی اپنی حالت اور عنبر ناگ ماریا کے بارے میں غور
کرتی رہی مگر غور کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔
کیونکہ وہ ان سے بہت دُور، تاریخ میں بہت پیچھے نکل
آئی تھی۔

بادل آہستہ آہستہ گرجنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا چل پڑی
اور پھر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ کیٹی پتھروں پر
سے اُٹھی اور بارش سے بچنے کے لیے کوئی جگہ تلاش
کرنے لگی۔ جس دیوار پر تینوں شہزادوں کے بُت بنے ہوئے
تھے۔ وہ آگے جا کر بائیں طرف گھوم گئی تھی۔ آگے دو
بڑی بڑی چٹانیں کھڑی تھیں جن کے اوپر جنگلی بیلیں چڑھی
ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان ایک تنگ سا راستہ پہاڑی کے
اندر کو جاتا تھا۔

کیٹی اس تنگ راستے سے گزر کر ایک چھوٹے سے
غار میں داخل ہوئی۔ اس قسم کے غار کیٹی نے پہلے بھی
کئی دیکھے تھے۔ مگر اس غار میں جو سب سے انوکھی بات
کیٹی نے دیکھی وہ یہ تھی کہ غار کی گہری خاموشی میں تھوڑے
تھوڑے وقفے کے بعد ایک بہت ہی دھیمی سی سرگوشی کی
آواز سنائی دیجاتی تھی۔ غار بڑا تنگ و تاریک تھا اور آگے جا
کر بند ہو جاتا تھا۔

پہلی بار کیٹی کو ہلکی سی بارش کے ساتھ سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ تو کیٹی نے کوئی خیال نہ کیا۔ وہ سمجھی کہ یہ اس کے اپنے سانس لینے کی آواز ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی ــــــ سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ کیٹی چونکی ہوئی۔ اس نے سانس روک لیا اور غار کی خاموشی پر کان لگا دیئے۔

دس سیکنڈ بعد پھر وہی سرگوشی سنائی دی۔

کیٹی کا دل ایک بار پھر اجنبی سے خوف کے ساتھ زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ سرگوشی کی آواز اس کے بالکل قریب سے آ رہی تھی۔ اب وہ کان کھڑے کر کے اس کا انتظار کرنے لگی۔ سرگوشی پھر سنائی دی۔ کیٹی کو ایسے لگا جیسے کوئی گہرا سانس لے کر کچھ کہہ رہا ہے۔ لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اگرچہ غار میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مگر کیٹی کی چوکور خلائی آنکھیں اس اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔ غار شروع سے آخر تک اندھیرے میں خالی تھا اور سنسان پڑا تھا۔

پھر یہ سرگوشی کون کر رہا تھا؟ وہ کیا کہنے کی کوشش کر رہا ہے؟

کیٹی کو ایک بار پھر خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم

ہے۔ اور باہر جو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ یہ اس کی آواز ہے۔ وہ غار کے منہ سے ذرا ہٹ کر ایک گول پتھر پر بیٹھ گئی۔ اور سوچنے لگی کہ وہ کہاں آ پہنچی ہے۔

وہی سرگوشی ایک بار پھر سنائی دی۔ اس دفعہ وہ کچھ صاف تھی۔

کیٹی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔
"کون ہے یہاں؟"

غار میں خاموشی ــــ گہری خاموشی چھا گئی۔ باہر بارش کی رم جھم کی مدھم آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ کیٹی دوبارہ بیٹھنے ہی لگی تھی کہ سرگوشی کی آواز پھر سنائی دی۔ اس بار کیٹی نے غور سے اس آواز کو سنا۔ یہ کسی عورت کی آواز لگتی تھی۔ اور وہ کہہ رہی تھی۔ "صندوق ــــــ صندوق ــــ"

یہ لفظ بالکل صاف دو بار سنائی دیا تھا۔ کیٹی نے کہا! ــ "تم کون ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے تم کس صندوق کی بات کر رہے ہو؟ کیا تم کوئی روح ہو؟"

خاموشی ــــ گہری خاموشی ــــ اپنے وقت پر

پر پھر سرگوشی کی آواز آئی۔

"صندوق ــــ صندوق ــــ کھولو ــــ"

کیٹی یہی اندازہ لگا سکی کہ یہ کسی بھٹکی ہوئی روح کی آواز ہے اور وہ اسے کوئی صندوق کھولنے کے لیے کہہ رہی ہے۔ مگر غار تو بالکل خالی پڑا تھا۔ وہاں کسی جگہ پر کوئی صندوق نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیٹی نے کہا:

"کہاں ہے صندوق ؟"

پُر اسرار آواز نے اپنی خاص سرگوشی میں کہا۔

"صندوق ــــ غار ــــ پتھر ــــ"

اور آواز رُک گئی۔ سرگوشی بند ہو گئی۔ کیٹی غار میں آگے بڑھی۔ اس نے اس کی پتھریلی دیواروں کو بڑے غور سے رُک رُک کر دیکھنا شروع کر دیا۔ غار کے فرش پر چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے کیٹی ان کے اوپر سے گزرتی ہوئی غار کی آخری دیوار تک چلی گئی۔ یہاں غار بند ہو جاتی تھی۔

اسے دیوار کے کونے میں ایک بڑا سا پتھر دکھائی دیا جو گول تھا۔ اور لگتا تھا کہ کسی نے باہر سے لا کر یہاں رکھ دیا ہے۔ وہ غار کے اندر کا پتھر نہیں لگ رہا تھا کیٹی اس پتھر کے پاس آ کر جھکی اور اسے غور کر دیکھا

پتھر پر پُرانی عبرانی زبان میں کچھ لکھا تھا۔ کیٹی نے اس پر سے ہاتھ پھیر کر گرد مٹی پرے ہٹائی تو نیچے سے مٹے ہوئے بجھے ہوئے تین لفظ لکھے نظر آئے۔ ان الفاظ کا ترجمہ تھا

صندوق ــــ شہزادے ــــ کتاب

معمّہ اور زیادہ اُلجھ گیا تھا۔ اب سرگوشی کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی کیٹی نے پتھر کو ہلایا تو وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ وہ کافی بھاری تھا۔ کیٹی دماغ لڑانے لگی کہ صندوق ــــ شہزادے اور کتاب کا کیا مطلب ہو سکتا ہے ؟

کیٹی کو غار کے باہر پہاڑی کی دیوار سے لگے تین شہزادوں کے بُت یاد آ گئے۔ کہیں ان شہزادوں کا اس جزیرے سے کوئی تعلق نہیں ؟ مگر سوال یہ تھا کہ اگر ان کا تعلق ہوتا بھی تو وہ پتھر پر لکھے ہوئے ان الفاظ کو کیا کرتی ؟

کیٹی نے سوچا کہ اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہیئے یعنی اگر کسی بڑے سے بڑے اور بھاری سے بھاری پتھر ہٹانا چاہتی تو یہ اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے اپنی طاقت جمع کرتے ہوئے پتھر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور لگایا۔ تو بے حد بھاری پتھر ہلکی سی آواز کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹ کر پرے جا گرا۔

یوں محسوس ہوا کیتھی کو جیسے اس پتھر کی نیچے زمین میں گڑی ہوئی جڑیں تھیں جو ٹوٹ گئیں اور پتھر پرے ہٹ گیا کیتھی نے اندھیرے میں پتھر کے نیچے جھانکا۔ اس کے نیچے ایک چوکور تنگ سا گڑھا تھا۔ جس میں سوکھے پتے اور درختوں کی شاخیں بھری ہوئی تھیں۔ —— کیتھی نے پتوں کو پرے پرے ہٹایا تو نیچے سے ایک چھوٹا سا ابھری ہوئی چھت والا چاندی کا صندوق نکل آیا۔

یہ پرانے زمانے کا صندوق تھا جو ایک بڑی ڈبل ڈبی کی طرح تھا۔ اس کو پرانے زمانے کا تالا لگا ہوا تھا۔ جو اندھیرے میں زنگ کے کھا جانے کی وجہ سے کالا نظر آ رہا تھا۔ کیتھی نے تالا توڑ دیا۔

تالے کے ٹوٹتے ہی غار کی فضا میں ایکدم چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کیتھی ڈر کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ یہ چیخیں ایسی تھیں جیسے بہت سی عورتیں اونچی اونچی آوازوں میں واویلا کر رہی ہوں اور بین کر رہی ہوں ——
کیتھی کا دل خوف سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی اور اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ اندھیرے غار میں اب کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کیتھی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خواہ مخواہ

تالا نہیں کھولے گی۔ کہیں کسی نئی مصیبت میں نہ پھنس جائے وہ واپس غار کے منہ کی طرف جانے لگی تو وہی سرگوشی اسے ایک بار پھر سنائی دی۔ پر اسرار —— درد بھری سرگوشی

"صندوق —— صندق —— "

کسی عورت کی بھٹکی ہوئی روح اسے ایک بار پھر صندوق کی طرف واپس جانے کو کہہ رہی تھی۔ اس آواز میں التجا اور درد تھا۔ کیتھی واپس مڑی اور اس نے صندوق کا ٹوٹا ہوا تالا الگ کر دیا۔ پھر وہی چیخوں کی بھیانک آوازیں بلند ہوئیں۔ کیتھی کا دل دھل گیا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی اس نے صندوق کے راز کو معلوم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔

چیخوں کی آواز گونجتی رہی اور کیتھی نے ایک ہی جھٹکے سے صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔ صندوق کے کھلتے ہی چیخوں کی آواز ایکدم بند ہو گئی۔

جیسے کسی نے ان چیخوں کا گلا دبا دیا ہو۔

دس پندرہ سیکنڈ تک اندھیرے میں کوئی آواز نہ ابھری اور مکمل خاموشی چھائی رہی۔ کیتھی نے جھک کر دیکھا —— صندوق کے اندر ایک چمڑے کا تعویذ تھا۔ جو ایک چوکور کتاب کی جلد کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

کیٹی نے تعویذ اُٹھا لیا۔ اور کتاب کی جلد پر ہاتھ پھیرا۔ کتاب کی جلد پر مخمل کا کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے اوپر سنہری لفظوں میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ کیٹی نے کتاب باہر نکال کر ان لفظوں کو پڑھا۔ لکھا تھا۔ "
"پچھلی رات کو ــــ جب چاند نکلے ــــ تو ــــ
اس کتاب کو کھولو"

یہ ایک اور پُر اسرار بات تھی۔ راز اور زیادہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے تو کیٹی نے سوچا کہ ایسی بھی کیا بات ہے۔ اسے کتاب کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اندر کیا لکھا ہے۔ اور کون سا راز بند ہے۔ لیکن چونکہ وہ اس قسم کی طلسمی باتوں کو خطرناک ماریا کے ساتھ پہلے بھی ہوتا ہوا دیکھ چکی تھی اس لیے اُسے معلوم تھا کہ اُن پر جو ہدایات لکھی ہو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔!

چنانچہ اس نے کتاب نہ کھولی ــــ تعویذ اس نے جیب میں رکھ لیا اور کتاب لے کر غار کے منہ کے پاس آ کر باہر دیکھا۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ کیٹی وہاں پتھروں پر بیٹھ گئی۔ اس نے کتاب کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک عام سائز کی مگر ذرا لمبوتری کتاب تھی۔ جس پر گہرے سبز مخمل

کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ سنہری حرف جگہ جگہ سے کٹ پھٹ گئے تھے۔ مخمل کا کپڑا بھی پرانا ہو گیا ہوا تھا۔ اور زیادہ دبانے سے پھٹ جاتا تھا۔

اس کتاب میں سے مشک کافور کی ہلکی ہلکی بُو آ رہی تھی۔ اس قسم کی بُو اکثر ایسی قبروں سے آیا کرتی ہے جہاں تازہ تازہ مُردہ دفن کیا گیا ہو۔

کیٹی نے جیب سے تعویذ نکال کر دیکھا۔ یہ چمڑے کا چھوٹے سائز کا تعویذ تھا۔ جس کے ساتھ کالا دھاگا بندھا تھا۔ اس دھاگے میں گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ کیٹی نے گنی تو وہ سات گرہیں تھیں۔

اس تعویذ کو کیٹی نے سونگھا تو اس کے اندر سے بھی مشک کافور کی بُو آ رہی تھی ــــ غار میں اب ایسی گہری خاموشی چھا گئی تھی کہ کیٹی کو اپنے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ بارش بھی اب رک گئی تھی کیٹی نے سر غار سے باہر نکال کر آسمان کی طرف دیکھا آسمان پر ابھی تک گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ کیٹی کو معلوم نہیں تھا کہ چاند کی کتنی تاریخ ہے اور چاند نکلے گا بھی یا نہیں نکلے گا؟ اور اگر نکل بھی آیا تو کیا وہ اسے دیکھ سکے گی؟

کیونکہ آسمان کو تو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا
تو کیا وہ آج رات اس کتاب کو نہ کھول سکے گی؟ —
اسی طرح کی باتیں سوچتے سوچتے رات گزرتی چلی گئی۔
غار کی تاریک خاموشی میں اب کیٹی کو کسی بھٹکی ہوئی روح
کی سرگوشی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر ہوا چلنے
لگی۔ جو بادلوں کو آسمان پر اڑانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد
زرد رنگ کا گول چاند دور آسمان کے مشرقی کنارے پر
نکل آیا اور ساری وادی میں اس کی پھیکی پُر اسرار روشنی
پھیل گئی۔ کیٹی اب کتاب کو کھول سکتی تھی۔

یقیناً یہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ کیونکہ قطبی ستارہ شمال
میں چمکنے لگا تھا۔

کیٹی نے کتاب اٹھائی اور غار سے باہر آکر چاندنی
میں کھڑی ہو گئی۔ زرد چاندنی کتاب کے مخملیں غلاف پر
پڑ رہی تھیں۔ کتاب ابھی بند تھی اور کیٹی کے ہاتھوں
میں پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے ابھی اسے کھولا نہیں تھا
کیٹی کو محسوس ہوا کہ کتاب اس کے ہاتھوں میں آہستہ آہستہ
دھڑکنے لگی ہے۔ جس طرح انسان کا دل دھڑکتا ہے
خوف کے مارے کتاب اس کے ہاتھوں سے گرنے ہی لگی
تھی کہ اس نے ہمت کر کے کتاب کو گرنے سے بچا لیا۔
کتاب دل کی طرح دھڑک رہی تھی۔

جیسے اس چاندنی میں آتے ہی جان پڑ گئی ہو
کیٹی نے آہستہ سے اسے کھول دیا۔ اس کے پہلے
ورق پر سُرخ رنگ سے دل کی شکل بنی ہوئی تھی۔ یہ
دل بالکل انسان کے دل کی طرح اوپر نیچے ہو کر دھڑک
رہا تھا۔ اور کتاب کے کھلتے ہی کیٹی کو کتاب کے دل کے
دھڑکنے کی اب آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

دھم — دھم — دھم

یہ آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ بلکہ ایسی تھی۔ جیسے
کسی بند صندوق کے اندر سے آ رہی ہو۔ کیٹی
نے ورق الٹ دیا۔ ورق اس قدر خستہ تھا کہ اُلٹنے سے اس
کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کتاب کے اندر سے
ایسی آواز آئی جیسے کسی نے درد سے آہ بھری ہو۔

کیٹی نے ورق کو گھور کر دیکھا۔ اس پر جیومیٹری کی مختلف
شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک تکون میں عورت کی آنکھیں بنی ہوئی
تھیں۔ جن کی پلکوں پر سونے کی زردی چھڑکی ہوئی تھی کیٹی
نے غور سے دیکھا تو عورت کی آنکھیں زندہ تھیں ان آنکھوں
نے اپنی پلکیں جھپکیں کیٹی نے جلدی سے ورق الٹ دیا۔

اس ورق پر سونے کے لفظوں میں لکھا تھا۔

بارہ ستون — شیر کا فوارہ — سُرخ
محل — سیاہ پہاڑ — ؟؟

اس کے آگے ساری کتاب کے صفحے خالی پڑے تھے۔
کیٹی نے ان لفظوں کو بار بار پڑھا۔ ان کا کیا مطلب ہو سکتا
ہے۔ بارہ ستون —— شیر کا فوارہ —— سُرخ محل ——
سیاہ پہاڑ —— پہلے تو کیٹی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر اس
نے ذرا سوچا تو خیال آیا کہ سیاہ پہاڑ پر کوئی سُرخ محل ہوگا
جس کے اندر بارہ ستون ہوں گے اور شیر کے منہ والا فوارہ
لگا ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے شیر کے منہ والے فوارے کیٹی
نے اپنے صدیوں کے سفر کے دوران پُرانے شاہی محلوں
کے باغوں میں اکثر دیکھے تھے۔

اس نے کتاب بند کر دی۔

کتاب کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا۔

وہ کتاب لے کر غار میں آگئی اور کتاب کو واپس صندوق
میں رکھ کر اوپر پتھر اس طرح جما دیا۔ اُسے تعویذ بھی کتاب کے
ساتھ صندوق میں رکھنے کا خیال آیا لیکن پھر جیسے کسی نے
اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ تعویذ کیٹی کی جیب میں ہی
پڑا رہا۔ وہ غار سے نکلنے لگی تو اُسے پھر وہی سرگوشی
سنائی دی۔

شہزادے —— سُرخ محل —— بارہ ستون ——
آہ۔ آہ —— آہ —— آہ —— مدد کرو ——

اس پُراسرار آواز میں پہلی بار کیٹی کو مدد کے لیے پکارا

تھا۔ اس آواز کا لہجہ بہت ہی دردناک تھا۔ ایسا محسوس ہوتا
تھا کہ یہ بھٹکی ہوئی روح بہت تکلیف میں ہے۔ اور کیٹی
کو مدد کے لیے پکار رہی ہے۔ کیٹی نے آہستہ سے کہا کہ

"کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟"

کوئی جواب نہ آیا۔ گہری خاموشی چھائی رہی کیٹی نے
پھر کہا:

"تم جو کوئی بھی ہو۔ میں تمہاری مدد کو پہنچنے کی
کوشش کروں گی —— کیا تم مجھے جواب
نہیں دو گی۔؟ کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تم کون
ہو؟ تم کیوں اس پہاڑ کے اندھیرے
غار میں آہیں بھرتی پھرتی ہو؟"

کوئی آواز نہ آئی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ خاموشی ——
گہری خاموشی! کیٹی صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ چاند
پھیکا پڑنے لگا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ صبح کی سفید روشنی
آسمان پر طلوع ہو رہی تھی۔ اور پھر سورج نکل آیا۔ کیٹی
نے جیب سے تعویذ نکال کر دیکھا۔ اس پر سُرخ چمڑا
منڈھا ہوا تھا۔ اور کوئی لفظ نہیں لکھا
تھا۔ اس نے تعویذ دوبارہ جیب میں
رکھا اور پہاڑ سے نیچے اُترنے لگی۔

قبر، مرتبان اور ہڈیاں

دن کی روشنی میں کیٹی نے اپنے آپ کو دیکھا۔

وہ اپنی اصلی شکل صورت اور لباس میں نہیں تھی۔ اپنے چہرے پر اس نے انگلیاں پھیر کر محسوس کیا۔ کہ اس کے نقش وہ نہیں ہیں جو اصلی کیٹی کے تھے اور اس کی آنکھیں بھی چوکور نہیں تھیں اس کا لباس ہزاروں سال پرانے زمانے کی عورتوں کا لباس تھا اور سنہری بالوں میں اس زمانے کی عورتوں کی طرح کہیں کہیں سفید موتی پروئے ہوئے تھے۔

کیٹی نے پہاڑ سے اتر کر ارد گرد نظر دوڑائی۔ اس کے سامنے ایک وادی تھی۔ درخت ایسے تھے کہ جیسے ہزاروں سال پہلے ہوا کرتے تھے۔ اونچے لمبے گھنے اور چھریرے بھی — ایک دریا وادی میں بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ یہ دریا زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ اس کے کناروں پہ اونچے چھریرے درختوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ کسی کھیت کا کہیں

کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔ کہیں کوئی آبادی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کوئی انسان بھی، کوئی مسافر بھی آ جاتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کیٹی حیران تھی کہ وہ کس ملک میں آگئی ہے کہ کہیں کوئی انسان تو کیا جانور بھی نظر نہیں آ رہا۔ یہ تو اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ دو ایک ہزار پہلے کے زمانے میں نکل آئی ہے۔ لیکن یہ ملک کون سا تھا اور اگر یہ کوئی ملک تھا تو وہاں کس کی حکومت تھی؟ اس کا علم نہیں تھا۔

پہاڑ سے اتر کر کیٹی ایک کچے رستے پر چلنے لگی۔ اس رستے کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ یہاں سے کبھی کبھار کوئی گھوڑا یا انسان گزرتا رہا ہے بارش نے ریتلی زمین پر کہیں کہیں کسی گھوڑے کے سموں کے نشان کو محفوظ کر دیا تھا۔ کیٹی چلتے چلتے ایک میدان سے گزر کر آگے آئی تو سامنے دریا بل کھاتا گزر رہا تھا۔

کیٹی نے جھک کر پانی کو دیکھا۔ پانی کا رنگ سرخی مائل تھا۔ یہ بارش کی وجہ سے ایسا رنگ ہو گیا تھا۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ تھکاوٹ اور بھوک پیاس کا کیٹی کو زیادہ احساس نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی وہ یونہی کچھ کھا پی لیتی تھی۔ ورنہ اس دنیا کی ہوا میں جو آکسیجن تھی وہ اس کے

جسم کو تر و تازہ اور طاقتور رکھتی تھی اگرچہ دھوپ نکل آئی تھی۔ لیکن اب بھی آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

دریا آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گیا۔

کیٹی بھی اس کے ساتھ ہی مڑ گئی۔ گھاس کا میدان ختم ہو گیا تھا۔ اور اب کہیں ریت کا ٹاپو آ جاتا اور کہیں انجیر کے درخت مل جاتے۔ کیٹی نے ایک درخت پر سے پکی ہوئی میٹھی انجیریں توڑ کر کھائیں۔ اور دریا کا پانی پیا۔ دریا کا پانی میٹھا تھا۔

کیٹی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور کہاں جا کر نکلے گی۔ اس کے دل میں جو مقصد تھا وہ یہاں پہاڑ کے شروع عمل تک پہنچا تھا۔ وہ اس عورت کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ جو دردناک سرگوشیوں میں مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ اور جس نے کیٹی کو بھی مدد کے لیے پکارا تھا وہ کوئی زندہ عورت تھی؟ کوئی بھٹکی ہوئی روح تھی یا کسی جادوگر کے قبضہ میں آئی ہوئی عورت تھی؟ وہ کوئی بھی عورت تھی کیٹی اس کی مدد کرنا چاہتی تھی اور اسے اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتی تھی۔ جس میں وہ گرفتار تھی۔

اس کے علاوہ وہ پُر اسرار دھڑکتی کتاب کا راز بھی حل کرنا چاہتی تھی۔ آخر دھڑکتی ہوئی کتاب اور جھپکتی سنہری پلکوں کا معمہ کیا تھا۔؟ اس کا حل کیا تھا۔ یہ سوال تھے جن کے جواب حاصل کرنے کے لیے کیٹی آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

دریا بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ کیٹی نے دور نگاہ ڈالی۔ اسے دور دور تک کوئی پہاڑ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سیاہ پہاڑ جس کی اسے تلاش تھی ابھی بہت دور تھا۔ کیٹی چلی بھی جا رہی تھی اور ساتھ ہی وہ عنبر ناگ ماریا کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔ کہ انہیں خبر ہی نہیں ہے کہ وہ لاہور کی جیل سے نکل کر کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ کیٹی کو شیبا کا خیال بھی آیا وہ اور ماریا شیبا کو یہ کہہ کر آئی تھیں کہ مقبرہ جہانگیر عنبر کو دیکھنے جا رہی ہیں اور دوسرے روز اس سے پھر ملاقات کریں گی۔ اب جب وہ شیبا سے نہ مل سکیں گی تو وہ ضرور حیران ہو گی۔

ایک بار کیٹی کے دل میں خیال آیا کہ پیدل چلنے کی بجائے کیوں نہ وہ کوئی خوب صورت پرندہ بن کر ہوا میں اڑنا شروع کر دے۔ لیکن کم بخت چڑیل اسے دغا دے جاتی تھی۔ کیٹی نے ایک بار پھر اپنے ذہن میں سفید کبوتر کا خیال کیا اور

اور چٹکی بجا دی۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ اسے چٹکی سے نفرت ہو گئی۔

اس نے یونہی دو تین چار مرتبہ چٹکی بجائی اور تلخ لہجے میں بولی۔

"میں اس چٹکی کو بجا بجا کر پاگل کر دوں گی"

اصل میں وہ چٹکی والے جن کو یہ فقرہ سنانا چاہتی تھی۔ مگر اسے معلوم تھا کہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے کنویں کا جن بھی اب اس کے مذاق کرنے لگا ہے اور اسے ہزاروں سال پیچھے تاریخ کے گزرے ہوئے زمانے میں چھوڑ کر مزے سے اپنے کنوئیں میں آرام کر رہا ہے۔

کیٹی کو اپنے پیچھے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ایک گھوڑا گاڑی چلی آ رہی تھی۔ کیٹی کچے راستے کے کنارے پر ہٹ گئی گھوڑا گاڑی کی رفتار تیز نہیں تھی۔ جب گاڑی قریب آئی تو کیٹی نے دیکھا کہ گاڑی پر ایک خوب صورت عورت ہسپانیہ کے خانہ بدوشوں کے لباس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ بالوں کی مانگ درمیان سے نکلی ہوئی تھی اور اس نے پھولدار کپڑے اور رنگ برنگ منکوں کی مالا پہن رکھی تھی۔

کیٹی نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ قدیم زمانے کے سپین میں پہنچ چکی ہے۔

خانہ بدوش عورت نے کیٹی کے پاس آ کر گھوڑا گاڑی روک لی اور مسکرا کر ہسپانوی زبان میں پوچھا۔

"کہاں جانا ہے۔ آؤ میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ"

کیٹی نے شکریہ ادا کیا اور گاڑی میں بچھے ہوئے پرانے قالین پر بیٹھ گئی۔

"تم کہاں سے آ رہی ہو اور کہاں جانا ہے؟" خانہ بدوش عورت نے پھر پوچھا۔

کیٹی کیا جواب دیتی۔ اسے تو خود نہیں معلوم تھا کہ جہاں سے وہ آ رہی ہے اس کا نام کیا ہے اور جہاں جانا چاہتی ہے اسے کیا کہتے ہیں۔ ویسے وہ ہر بات راز ہی میں رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا:

میرا بھائی پچھلے قصبے میں کام کرتا ہے اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ نہیں ملا۔ اب اپنے گاؤں جا رہی ہوں"

خانہ بدوش عورت نے کہا:

"طلیلی گاؤں جا رہی ہو؟"

"ہاں —" کیٹی نے یونہی کہہ دیا" وہیں جا رہی ہوں"

عورت نے پوچھا۔

"کیا تم وہاں رہتی ہو؟ میں تو اس گاؤں کی ساری عورتوں کو جانتی ہوں۔ میں نے تمہیں وہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

کیٹی نے سوچا کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پھنس گئی ہے وہ اس عورت کی گاڑی میں بیٹھ کر ــــ اس نے کہا:

"اس گاؤں سے میں آگے قرطبہ جاؤں گی۔ میں اصل میں قرطبہ میں رہتی ہوں"

کیٹی نے تاریخ میں پڑھ رکھا تھا کہ ہزار سال پہلے قرطبہ سپین کا بڑا مشہور شہر ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس عورت سے پیچھا چھڑانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ قرطبہ کی رہنے والی ہے۔ خانہ بدوش عورت حیران ہو کر کہنے لگی۔

"مگر قرطبہ تو یہاں سے چار روز کے سفر پر ہے"

کیٹی نے کہا:

"میں گاؤں پہنچ کر کسی قافلے میں شامل ہو جاؤں گی۔"

خانہ بدوش عورت بولی:

"میں تمہیں اپنے بھائی رچرڈ کے ساتھ کر

دوں گی۔ وہ گاؤں سے قافلہ لے کر قرطبہ جاتا رہتا ہے

کیٹی نے پوچھا:

"کیا تم کرسچین ہو؟"

"ہاں ـــ میرا نام ماریانہ ہے۔ اور تمہارا نام کیا ہے؟"

کیٹی نے ماریا سے بہت سے عیسائی نام سن رکھے تھے اس نے کہہ دیا۔

"میڈونا ـــ میرا نام میڈونا ہے"

"بڑا خوب نام ہے۔ میں تمہیں گانا سناؤں؟"

اور اس عورت نے گھوڑا گاڑی چلاتے ہوئے خانہ بدوشوں کا پرانا گیت گانا شروع کر دیا۔ اس گیت میں اسپانیہ کے مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی جنگوں کا ذکر تھا۔ کیٹی سمجھ گئی کہ ہسپانیہ پر مسلمانوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ اور اب اس ملک پر عیسائی بادشاہ حکومت کرتے ہیں۔ خانہ بدوش عورت گلا پھاڑ پھاڑ منہ کھولے گا رہی تھی اور گھوڑا گاڑی دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

باتوں ہی باتوں میں کیٹی نے خانہ بدوش عورت سے پوچھا

"اس علاقے میں کوئی سیاہ پہاڑ بھی ہے ماریانہ؟"

ماریانہ ہنستے ہوئے بولی۔ یہاں تو سب پہاڑ سیاہ ہیں"
کیٹی نے کہا:
میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسا پہاڑ جو ان سب سے بڑھ کر سیاہ ہو"
خانہ بدوش عورت ماریانہ سوچ کر بولی۔
"ہاں ——— ایک پہاڑ ایسا ہے وہ بہت سیاہ ہے شاید اس لیے کہ اس پہاڑ پر کہیں کہیں کالے رنگ کی جھاڑیاں اُگی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے دُور سے دیکھنے پر وہ بہت زیادہ کالا نظر آتا ہے"
کیٹی نے کہا:
"یہ پہاڑ کیا یہیں کہیں ہے؟"
خانہ بدوش عورت سر کو دائیں بائیں ہلا کر بولی۔
بالکل نہیں ——— اری تم قرطبہ کی رہنے والی ہو اور تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ سیاہ پہاڑ تمہارے شہر سے باہر پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے؟"
کیٹی اوپر سے شرمندہ سی ہو گئی اور اندر سے اپنے آپ سے کہنے لگی۔
جانے میری بلا سیاہ پہاڑ کہاں ہے اور قرطبہ کہاں ہے۔ میں تو مصیبت کی ماری پھنس گئی ہوں۔

اس نے خانہ بدوش عورت سے کہا
"ارے ہاں یاد آگیا ——— لو ——— میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں۔"
اب یاد آیا یہ پہاڑ تو ہمارے شہر کے قریب ہی ہے۔ اصل میں ... اگر باپ کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ بڑا امیر آدمی ہے۔ ... شے کی ضرورت نہیں۔ ہر شے گھر پر ہی مل جاتی ہے۔ اس لیے ... شہر سے نکل کر اتنی دُور ...
خانہ بدوش عورت ... بولی۔
"تو ... بھولی لڑکی ... کیا چربی میں
تلی ... کھاؤ گی؟
کیوں نہیں ... ہوئی مونگ پھلی تو مجھے
بہت پسند ...
"تو ...
اور خانہ بدوش عورت نے جیب میں سے تلی ہوئی مونگ پھلی کی ایک مٹھی نکال کر کیٹی کے حوالے کر دی۔ کیٹی بڑے مزے مزے سے کھانے لگی۔
ماریانہ نے پوچھا۔
"کیا تمہاری شادی ہوئی ہے؟ اگر نہیں تو میرے

بھائی سے شادی کر لو۔ اس کی دو بیویاں پہلے بھی ہیں
مگر تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ کیونکہ تم جوان ہو۔"
کیٹی جلدی سے بولی۔ "میری شادی ہونے والی ہے
میرا خاوند فوج میں ہے"
ماریانہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا:
"واہ رے۔ بھلا ایک فوجی تمہیں کیسے خوش رکھ
سکے گا۔ وہ لڑے گا۔ کہ تمہارا خیال رکھے گا۔
اب بھی سوچ لو ——— میں تو کہتی ہوں کر لو
میرے بھائی سے شادی اور ہمارے گاؤں میں
ہی رہ لو کیا کرو گی آگے جا کر ———"
کیٹی نے سوچا کہ یہ عورت تو پیچھے ہی پڑ
گئی ہے۔ اس نے کہا۔
"میں ایسا نہیں کر سکتی ماریانہ ——— میں اپنے
ہونے والے خاوند سے پیار کرتی ہوں"
خانہ بدوش عورت نے چٹکی بجا کر کہا۔
"تو پھر کیا ہوا۔ شادی میرے بھائی سے
کر لو۔ پیار چاہے مجھ سے کرتی رہنا۔"
کیٹی نے جھنجھلا کر کہا "نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی"
خانہ بدوش عورت چپ ہو گئی۔

تمہاری مرضی!
اس کے چٹکی بجانے سے کیٹی کو اپنی چٹکی کا خیال
آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس عورت کی بک بک جھک
جھک سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ وہ چٹکی کو ایک بار
پھر آزمائے۔ اور پرندہ بن کر اڑ جائے۔ اس نے ایک
بار پھر کبوتر کا خیال دل میں لا کر چٹکی بجائی۔
خانہ بدوش عورت نے مسکرا کر کہا
"تم چٹکی بہت اچھی بجاتی ہو ——— ذرا
ایک بار پھر بجا کر دکھاؤ۔"
کیٹی کو سخت غصہ آ گیا۔ اس کی چٹکی نے کوئی کام
نہیں کیا تھا۔ اوپر سے یہ باتونی خانہ بدوش عورت اسے
چٹکی بجانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ کیٹی نے یونہی دو تین
بار چٹکی بجائی اور کہا۔
"اب تو خوش ہو گئی ہو گی تم؟"
خانہ بدوش عورت قہقہہ مار کر ہنسنے لگی۔
"بڑی بھولی ہو تم میڈونا" اور اس کے ساتھ
ہی اس نے گانا شروع کر دیا۔
اس طرح سفر کٹتا چلا گیا۔ اور شام ہو گئی دریا
ان سے پرے ہٹ گیا تھا۔ اور دور ایک گاؤں کے

مکان نظر آنے لگے تھے۔ کئی مکانوں سے ہلکا ہلکا دھواں
اُٹھ رہا تھا۔ چراغ روشن ہو چکے تھے جب کیٹی اس
خانہ بدوش عورت کی گاڑی میں بیٹھی گاؤں پہنچ گئی۔
رات خانہ بدوش عورت نے کیٹی کو اپنے گھر میں
رہنے کے لیے کہا:

"میرے خیمے میں بہت جگہ ہے۔ ہم گاؤں کے
باہر رہتے ہیں۔
میں تمہیں اپنے بھائی سے بھی ملاؤں گی"
اس گاؤں میں اور کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کیٹی
جا سکتی۔ وہ کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ مجبور ہو کر اسے
خانہ بدوش عورت کے ساتھ جانا پڑا۔ کھانا انھوں نے
مل کر کھایا۔ رات کو خانہ بدوش عورت کا بھائی بھی آ
گیا۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ خوفناک چہرہ۔ سُرخ آنکھیں اور
ڈاکو کی طرح لمبا تڑنگا۔ کیٹی کو دیکھ کر بولا۔
"یہ لڑکی تو بڑی خوب صورت ہے ماریانہ!
کیوں نہ میں اس سے شادی کر لوں"
ماریانہ نے کہا:
"اُسے اس کا بیاہ ہونے والا ہے۔"
"اچھا" اس کا بھائی بولا " تو پھر جب اس کا

خاوند مرے گا۔ تب اس سے شادی کر لوں گا"
ماریانہ نے کہا:
"تم قافلہ لے کر کب قرطبہ کی طرف جا
رہے ہو" رچرڈ"
ماریانہ کے بھائی رچرڈ نے کہا:
"پرسوں شام یہاں سے روانہ ہوں گا کیوں؟
کیا قرطبہ جاؤ گی۔؟"
ماریانہ بولی۔ "اس لڑکی میڈونا کو ساتھ لے جانا۔ یہ
قرطبہ کی رہنے والی ہے"
کوئی بات نہیں۔ لے جاؤں گا۔
پھر جیب سے ایک تھیلی نکال کر اس میں سے چاندی کے
دس سکے ماریانہ کی طرف بڑھا کر بولا۔
صبح صبح ایک مسافر کو جنگل میں لوٹا تھا۔ بیس
چاندی کے سکے ملے۔ دس تم لے لو"
کیٹی حیران ہو کر رچرڈ کا منہ تکنے لگی۔ تو کیا یہ
ڈاکے بھی مارتا تھا؟
ماریانہ نے دس سکے لے کر جیب میں رکھ لیے اور
اس سے کہا:
"رچرڈ بھائی! کبھی کسی امیر آدمی کو بھی لوٹ لیا کرو
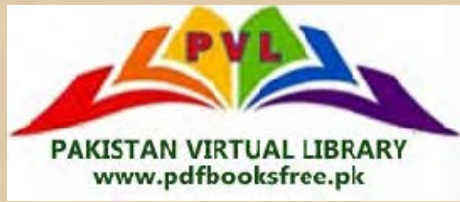
غریبوں کو لوٹنے سے تو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

رچرڈ نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"فکر نہ کرو ماریانہ — اس بار قرطبہ جا کر کسی امیر یہودی کی حویلی میں چوری کروں گا۔ بڑا مال ہاتھ لگے گا۔ وارے نیارے کر دوں گا۔ تمہارے"

ماریانہ کہنے لگی:

میں تمہاری چوری کی کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔

رچرڈ جانے لگا تو کیتھی کی طرف گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

لڑکی! تیار رہنا۔ پرسوں شام ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"

کیتھی نے آہستہ سے کہا۔

"بہت اچھا۔"

عنبر اس وقت ناگ ماریا اور کیتھی کی تلاش میں بزرگ کی ہدایت کے مطابق ملک افریقہ کی طرف ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

ناگ ہندوستان کے جنوبی شہر ترتام سے تھوڑی دور دریا پار، پُرانے قلعے پانڈی چری کی باؤلی میں پھسل کر گرنے کے بعد زمین کے اندر شہزادی سلومی کی قید میں ہے۔ اگرچہ وہ اس کا بادشاہ بن کر شاندار محل میں رہ رہا ہے مگر سلومی کے جادو کی وجہ سے باہر نہیں جا سکتا۔

تیسری جانب ماریا — لاہور کی پُرانی انارکلی کے ایک قدیم تاریخی بُرج میں دفن تین سو سال پہلے لاہور کے مرہٹہ گورنر سندھیا جی کی بیٹی شکتی پاروتی کی قبر کے قریب کھڑے ایک پُر اسرار کشش کے ہاتھوں غائب ہو گئی تھی۔ اور کیتھی اسے آوازیں دیتی رہ گئی تھی۔

اب ناگ اور عنبر کو اپنی اپنی جگہوں پہ تھوڑی دیر کے لیے اور چھوڑتے ہیں۔ اور ماریا کی خبر لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا گزری؟

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ماریا پُرانی انارکلی کے تاریخی برج میں کیٹی کے ساتھ کھڑی وہ تاریخی تحریر پڑھ رہی تھی جس میں لکھا تھا کہ یہ قبر شکتی پاروتی کی ہے جس میں اس کی ہڈیاں ایک مرتبان میں رکھ کر دفن کی گئی ہیں۔ شکتی پاروتی تین سو برس پہلے شہر لاہور کے مرہٹہ گورنر سندھیا جی کی بیٹی تھی۔ لاہور کے ایک پُرانے مندر میں کالی بلا اس کو چمٹ گئی۔ اس نے پاروتی پر جادو کر دیا۔ پاروتی نے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ اس کے باپ نے اسی کنوئیں کے اوپر ایک برج بنا کر اپنی بیٹی کی لاش کو جلانے کے بعد اس کی ہڈیاں مرتبان میں بند کر کے وہاں دفن کر دیں۔

کیٹی بھی ماریا کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ ابھی ابھی لاہور کالج فار ویمن میں شیبا سے مل کر آ رہی تھیں کہ پُرانی انارکلی کی سیر کرتے کرتے یہاں تک آ گئیں۔

اچانک ماریا کو ایسا لگا کہ اس کے پاؤں بھاری ہونے لگے ہیں۔ حالانکہ وہ غائب ہو کر بڑی ہلکی پھلکی رہا کرتی تھی۔ اور زمین کی کشش کا اس پر بہت تھوڑا اثر ہوتا تھا۔ اس نے کیٹی کو آواز دے کر کہا:

کیٹی میرے پاؤں بھاری ہونے لگے ہیں۔

پھر اسے کوئی طاقت قبر کی طرف کھینچنے لگی۔ اس نے کیٹی سے گھبرا کر کہا:

کیٹی کوئی کشش مجھے قبر کی طرف کھینچ رہی ہے

کیٹی نے گھبرا کر ماریا کو آوازیں دیں اور اُسے پکڑنے کے لیے ہاتھ مارے مگر ماریا تو غائب رہا کرتی تھی اسے وہ کیونکر ہاتھ سے پکڑ سکتی تھی۔

ماریا قبر کی طرف اپنے آپ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اسے قبر پر ایک کالے رنگ کا لال لال انگارہ ایسی آنکھوں والا کتا بیٹھا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

ماریا نے چیخ کر کہنا چاہا کہ قبر پر ایک خوفناک کتا بیٹھا اسے گھور رہا ہے۔ مگر پھر ماریا کے حلق سے آواز نہ نکل سکی اور وہ اپنے آپ قبر کی طرف

کھینچتی چلی گئی۔

کالا کتا قبر سے اُتر گیا۔ قبر میں شگاف نمودار ہو گیا اور ماریا اس شگاف کے اندر اُتر گئی۔ قبر کا شگاف اور کتا — یہ چیزیں کیٹی کو دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ اسے صرف پاروتی کی قبر ہی نظر آ رہی تھی وہ ماریا کو آوازیں دیتی رہ گئی۔ پکارتی رہ گئی اور ماریا قبر کے اندر سما گئی۔

ماریا کے دونوں پاؤں اب بھاری بھاری نہیں رہے تھے۔ وہ پہلے کی طرح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ مگر اس کے اندر کی ساری طاقت جیسے کسی نے نکال لی تھی۔ اور وہ ایک مردہ عورت کی طرح قبر کے اندر ایک طرف کھڑی تھی۔ قبر اندر سے کالی پڑی نظر آ رہی تھی قبر کے درمیان میں کالے رنگ کا ایک مرتبان پڑا تھا۔ ماریا کو یاد آ گیا کہ یہ وہی مرتبان ہے جس کے اندر سمندر میں گر کر خودکشی کرنے والی شکتی پاروتی کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں۔

پھر ماریا کو ایک آواز آئی۔ یہ آواز کھنچی کھنچی سی تھی۔ اور کسی ایسی عورت کی آواز لگتی تھی جس کا گلا بیٹھا ہوا ہو۔

مرتبان کا منہ کھول دو۔"

ماریا کسی پُراسرار طاقت کے اثر میں آگے بڑھی اس نے مرتبان کا ڈھکن اُٹھا دیا۔ مرتبان میں سے کسی لڑکی کی چیخ بلند ہوئی۔ ماریا لرز گئی۔ گھٹی گھٹی آواز والی پُراسرار عورت نے مکروہ قہقہہ بلند کیا۔ اور کہا

"تیری ہڈیاں قیامت تک آگ میں
جلتی رہیں گی۔ تو نے میرے مندر
میں آ کر میرے بت کے گلے میں
پھولوں کی مالا کیوں نہیں ڈالی تھی۔
اب اپنے کئے کی سزا بھگت —"

پھر اس آواز نے ماریا سے کہا

"تم غیبی عورت ہو۔ میں جانتی ہوں۔ میں اس شہر کی کالی بلا ہوں۔ میرا ٹھکانہ ایک مندر میں تھا۔ لاہور میں یہ مندر اب اجڑ گیا ہے میں اب اس قبر کے اوپر کالا کتا بن کر رہ رہی ہوں — مجھے تم ایسی عورت کی ضرورت تھی۔"

ماریا نے آہستہ سے کہا:

"اے کالی بلا! تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

کالی بلا کی آواز آئی۔

"میں تمہیں سولہ دن اس ہڈیوں
والے مرتبان میں بند رکھوں گی۔
پھر تمہیں کتے کے روپ میں لا
کر تمہیں ہلاک کر ڈالوں گی اور
تمہاری لاش کو جلا دوں گی پھر
تمہاری ہڈیوں کو پیس کر اس کا آٹا بنا
کر پھر گوندھ کر ایک پتلا بناؤں گی۔
اس تمہارے پتلے کو جادو کے زور
سے زندہ کر دوں گی پھر یہ تمہارا
پتلا لاہور کے میرے اس مندر
میں جا کر وہاں رہنے والے
مسلمانوں کو ایک ایک کر کے قتل کر
دیگا۔ جنہوں نے پاکستان بننے کے بعد
اس مندر پر قبضہ جما رکھا ہے"

ماریا نے کہا:

اے کالی بلا! کیا تم خود ان لوگوں کو
قتل نہیں کر سکتی ؟"

کالی بلا کی آواز آئی، نہیں۔ اگر میں ایسا کر سکتی

ہوتی تو تمہاری تلاش میں کیوں نکلتی میں تیس
برس سے جب سے میرا مندر اجڑا ہے اس برج میں
بیٹھی ایک غیبی عورت کا انتظار کر سکتی تھی۔ کیوں کہ غیبی
عورت ہی میرا یہ کام کر سکتی تھی۔ میں ان لوگوں کو
اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمان
پر میرا جادو بے کار ہو جاتا ہے۔ مسلمان پر تمہارا جادو
چل سکے گا۔ جو میں تمہارے اندر ڈالوں گی۔ — اب
مرتبان میں شکتی پاروتی کی ہڈیوں کے پاس جانے کے
لیے تیار ہو جاؤ"

ماریا نے آہستہ سے پوچھا:

اے کالی بلا! میں اگرچہ اس وقت تیرے
جادو کے اثر میں ہوں اور اپنی مرضی سے کچھ
نہیں کر سکتی۔ لیکن کیا تم مجھے اتنا بتاؤ گی کہ
تم یہ سب کچھ کس لیے کر رہی ہو؟"

کالی بلا نے کہا:

"سنو! میں شکتی پاروتی کے جسم کو پھر سے
زندہ کر کے اس کے جسم میں خود کو داخل کر کے دوبارہ زندہ
ہونا چاہتی ہوں اور لاہور شہر میں ایک ایسی لڑکی بن کر
ابھرنا چاہتی ہوں جو ایک ایک کر کے پاکستان کے سارے

مسلمانوں کو ختم کر دے اور یوں ان سے اپنے مندر کے اجڑنے کا بدلہ لے۔"

ماریا دل میں حیران رہ گئی۔ یہ کالی بلا کس قدر گھناؤنا انتقام لینا چاہتی ہے مگر ماریا اس کا حکم ماننے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ اس مکروہ کالی بلا کے جادو کے اثر میں پھنس چکی تھی ماریا اس کالی بلا کو دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو صرف اس کی گھٹی گھٹی مکروہ آواز ہی سن رہی تھی۔ کالی بلا کی کراہت انگیز آواز بلند ہوئی۔

اے میری غلام ماریا —— اس مرتبان میں داخل ہو جا اور شکتی پاروتی کی ہڈیوں کے ساتھ رہ کر سولہ دن رات بسر کر —— یہ میرا حکم ہے۔ چل چل!

اور ماریا نے اپنے آپ مرتبان کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ مرتبان کے قریب آئی تو جیسے کسی نے اسے اٹھا کر مرتبان کے اندر ڈال دیا۔ اور اوپر سے ڈھکن بند کر دیا۔ اسے دیکھ کر کالی بلا کے مکروہ قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

ماریا مرتبان کے اندر تنگی محسوس کر رہی تھی۔ لیکن کالی بلا کے جادو کی وجہ سے وہ مرتبان میں سے زور لگا کر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ اسے محسوس ہو رہا تھا

کہ اس کی طاقت کسی نے نکال دی ہے اور وہ محض ایک سائے کی طرح حرکت کر رہی ہے۔

مگر ماریا اپنے پورے ہوش و حواس میں تھی۔ اس نے دیکھا کہ مرتبان کے اندر اس کے ارد گرد ہڈیاں پڑی ہیں۔ یہ بازو، ٹانگوں، کہنیوں، گردن، کمر اور سینے کی ہڈیاں ہیں۔ اور ان کے اوپر ایک کھوپڑی پڑی ہے۔ یہ شکتی پاروتی کے جسم کی ہڈیاں تھیں۔ جس کو اسی کالی بلا نے اس کی کسی بات پر ناخوش ہو کر اس کے سر پر سوار ہو کر اسے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب یہ کالی بلا اسی شکتی پاروتی کے جسم کو پھر سے زندہ کر کے اس کے اندر داخل ہو کر پاکستان اور خاص طور پر لاہور کے مسلمان بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں کو باری باری قتل کر کے اپنے لاہور والے مندر کے اجڑنے کا انتقام لینا چاہتی تھی۔!

ماریا کو یہ خیال آیا کہ جب اس نے مرتبان کا ڈھکن کھولا تھا۔ تو اس کے اندر سے ایک لڑکی کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ یہ چیخ صرف شکتی پاروتی کی ہو سکتی تھی۔ کیونکہ مرتبان میں اس کی ہڈیاں دفن تھیں۔

ماریا نے اپنے ہاتھ کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا کر پاروتی کی ہڈیوں میں سے اس کی انگلی کی ایک چھوٹی سی ہڈی کو اٹھا لیا۔ جب سے ماریا پر کالی بلا کے کالے جادو کا اثر ہوا تھا۔ اس کی ہر حرکت سلو موشن میں ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ بولتی تھی اور آہستہ آہستہ فلموں کے سلو موشن سین کی طرح چلتی رہی، اور ہاتھ کو بڑھاتی تھی۔

ماریا نے ہڈی کو ہاتھ میں لیا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ ہڈی اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ ماریا نے پاروتی کی کھوپڑی کی طرف دیکھا۔ کھوپڑی میں سے وہ آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں کہ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔

ماریا نے آہستہ آہستہ دوسرا ہاتھ بڑھا کر کھوپڑی کو پکڑ لیا۔ وہ اُسے اٹھا کر دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے اندر سے آنکھیں کہاں سے آ گئیں۔

اس بار بھی ماریا کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اور کھوپڑی اس کے ہاتھ سے گر کر نیچے ہڈیوں کے اوپر آ کر ٹک گئی۔ کھوپڑی کی دونوں آنکھیں خاموشی سے ٹکٹکی باندھے ماریا کو دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں کے دیکھنے کے انداز

سے صاف معلوم ہو رہا تھا۔ کہ یہ آنکھیں اس کو نیم حالت میں بھی صاف دیکھ رہی تھیں ——

ماریا نے آہستہ آہستہ کہا :

"کیا تم لاہور کے مرشد [illegible] سندھیا جی کی بیٹی [illegible] شکتی پاروتی کی آنکھیں ہو ؟"

آنکھوں نے کچھ نہ کہا۔ آنکھیں بول نہیں سکتی تھیں۔ مگر آنکھوں [illegible] آہستہ سے دو بار جھپک کر گویا ماریا سے کہا :

"ہاں ماریا ! یہ شکتی پاروتی کی بدنصیب آنکھیں ہیں ——"

ماریا [illegible] آئی تھی مگر آنکھوں کے جھپکنے سے وہ سمجھ گئی کہ یہ شکتی پاروتی ہی کی کھوپڑی، آنکھیں اور ہڈیاں ہیں۔ ماریا کو [illegible] اس کی خوشی ہوئی تھی کہ شکتی پاروتی کی روح اس کی دشمن نہیں نکلی تھی۔ وہ بھی ماریا کی طرح کالی بلا کے آگے بے بس اور مجبور تھی۔

ڈھڑکتی ہوئی کتاب سنہری پلکیں

ماریا کو ابھی سولہ دن مرتبان میں بند رہنا تھا۔
اسے مرتبان کے اندر آئے دوسرا دن جا رہا تھا۔ ابھی
تک شکتی پاروتی کی روح نے ماریا سے کوئی بات نہیں
کی تھی۔ وہ اپنی کھوپڑی کی آنکھوں سے ہی اسے
دیکھتی رہی۔ ماریا نے بھی اس سے آگے کوئی بات نہیں
کی تھی۔ وہ اس لیے بھی پاروتی کی روح سے کوئی سوال
نہیں پوچھتی تھی۔ کہ کالی بلا ان کی باتیں ضرور سن رہی
ہوگی۔ ماریا اگرچہ خاموش تھی مگر اس کا ذہن پاروتی
سے وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں پوچھنے کے
لیے ہر وقت بے چین رہتا تھا۔
ماریا کو یقین تھا کہ پاروتی کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ
وہ اس سے ہمدردی رکھتی ہے اور خود بھی پریشان
ہے اور وہاں سے فرار ہونا چاہتی ہے۔ اس بات سے
ماریا کا حوصلہ بڑھ گیا۔

وہ پاروتی کی آنکھوں کو دیکھتی رہتی۔ مرتبان کے
اندر پاروتی کی ہڈیوں کے اوپر ماریا دھوئیں کی لہر کی
طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ ماریا دیکھتی کہ کبھی پاروتی کی آنکھیں
کھوپڑی کے سوراخوں میں اپنی پلکیں بند کر لیتی اور کبھی
کھول کر یوں ماریا کی طرف تکنے لگتی جیسے کہہ رہی ہو۔
"کیا تم مجھے یہاں سے باہر نہیں نکالو گی؟"
ماریا کو ایک بات کا پکا یقین آگیا تھا کہ پاروتی کی
آنکھیں اسے غیبی حالت میں بھی دیکھ رہی ہیں۔ کیونکہ
ایک بار مرتبان کے اندر ہی ماریا کھسک کر کھوپڑی کی
ایک طرف ہو گئی۔ اس نے دیکھا پاروتی کی آنکھیں بھی
اسی طرف گھوم گئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اسے
دیکھ رہی ہے۔ ماریا اس کی آنکھوں کے اشاروں کو
سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔
ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔
ماریا مرتبان میں بوجھل دھوئیں کی طرح بند تھی۔ ان
سات دنوں میں ماریا کچھ کچھ پاروتی کے اشاروں کو سمجھنے
لگی تھی۔ ماریا نے محسوس کیا کہ پاروتی کی آنکھیں کھوپڑی کے
اشاروں میں سے بار بار نیچے کی طرف جھک جاتی ہیں۔
ماریا نے پاروتی سے پوچھا۔

"پاروتی ! تم مجھے کیا کہنے کی کوشش کر رہی ہو ؟"
پاروتی بول تو نہیں سکتی تھی اس نے اپنی آنکھوں کو ایک بار پھر نیچے کی طرف جھکا دیا۔ ماریا نے نیچے دیکھا نیچے سوائے پاروتی کی ہڈیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔
ماریا نے دوبارہ سوال کیا تو پاروتی نے پھر اپنی کھوپڑی کے نیچے کی طرف اشارہ کیا تو
ماریا غور کرنے لگی۔ کہ یہ آنکھیں اسے کیا کہہ رہی ہیں۔ ماریا نے کھوپڑی کے نیچے دیکھا۔ کھوپڑی کے نیچے پاروتی کے جسم کے دو بازوؤں اور انگلیوں کی ہڈیوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ ماریا سلو موشن میں آہستہ آہستہ ایک ایک ہڈی اٹھا کر پاروتی کو دکھاتی اور پوچھتی۔
"کیا تم اس ہڈی کی طرف اشارہ کر رہی ہو ؟"
پاروتی کی آنکھیں ماریا کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتیں کوئی حرکت نہ کرتیں۔ آخر ماریا نے جب ایک انگلی کی سیدھی ہڈی کو اٹھا کر پاروتی سے پوچھا :
"کیا یہ ہڈی تم چاہتی ہو ؟"
پاروتی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دوبارہ جھپکیں گویا کہہ رہی ہو کہ ہاں میرا مطلب اسی ہڈی سے تھا۔
ماریا نے اس ہڈی کو غور سے دیکھا۔ یہ انگلی کی چھوٹی سی

ہڈی تھی۔ اور اس کے ساتھ سیاہ رنگ کا ایک چھلا چپکا ہوا تھا۔ شاید پاروتی اسی چھلے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ پاروتی کا سارا جسم جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ مگر یہ چھلا اس کی انگلی کی ہڈی کے ساتھ چپکا رہا تھا۔
ماریا۔ چھلے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
پھر اس نے پاروتی کی طرف چھلے کا رُخ کر کے کہا۔
"کیا اس چھلے میں کوئی خاص بات ہے پاروتی؟"
پاروتی کی آنکھیں چار بار بند ہوئیں اور پھر اس نے اوپر کی طرف دیکھا۔ چار بار آنکھوں کو بند کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ہاں اسی چھلے میں ایک خاص بات ہے۔ اب یہ آنکھیں اوپر دیکھ کر کیا اشارہ کر رہی تھیں۔ یہ ماریا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دو تین بار اپنے سوال کو دہرایا۔ ہر بار پاروتی کی آنکھوں نے اوپر کو اشارہ کیا اوپر مرتبان کے بند ڈھکن کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ماریا سوچنے لگی کہ اوپر اور کیا ہو سکتا ہے۔
اچانک اسے خیال آیا کہ اوپر کھوپڑی کا ماتھا بھی تو ہو سکتا ہے اس نے جھٹ پاروتی کی آنکھوں سے پوچھا۔!
"کیا تم اپنی کھوپڑی کے ماتھے کی طرف اشارہ کر

رہی ہو ؟"

پاروتی کی آنکھیں تین بار بند ہوئیں۔ ماریا بے حد
خوش ہوئی اُس کی اشاروں کی بات چیت کامیاب ہو
رہی تھی۔ اُس نے پُوچھا۔

"کیا میں تمہارے ماتھے کی ہڈی پر ہاتھ رکھوں؟"
پاروتی کی آنکھوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ جس کا مطلب تھا
کہ نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ ماریا نے دوسرا سوال کیا۔

"کیا میں اس ہڈی کو تمہاری کھوپڑی کے ماتھے
پر رکھ دوں ؟"

پاروتی کی آنکھوں نے پھر بھی کوئی حرکت نہ کی۔ ماریا
پریشان سی ہو گئی۔ آخر پاروتی کی آنکھیں اسے کیا کہہ رہی ہیں
اس سے کیا چاہتی ہیں ؟

اس نے پُوچھا :

"کیا میں تمہاری انگلی کی ہڈی تمہاری کھوپڑی
کے سر پر رکھ دوں ؟"

پاروتی کی آنکھوں نے حرکت کی اور وہ تین بار جھپکیں
ماریا خوش ہوئی اسے اپنے ایک اور سوال کا جواب مل
گیا تھا۔ اس نے انگلی کی کالے چھلے والی ہڈی پاروتی
کی کھوپڑی کے سر پر رکھ دی ___ کھوپڑی کے سر

پر رکھتے ہی وہ ہلنے لگی۔ مرتبان کے اندر ساری ہڈیوں
نے حرکت شروع کر دی۔

ماریا کو محسوس ہوا کہ اس کے پاؤں جو بھاری
بھاری ہو گئے تھے اب ہلکے ہونے لگے ہیں۔ اس نے
اپنا بازو جو غائب تھا اوپر اٹھایا تو وہ سلو موشن میں
نہیں بلکہ عام حالت کی طرح اوپر کو جلدی سے اُٹھ آیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا پر کالی بلا کا ایک جادو
ختم ہو چکا تھا۔ اس نے پاروتی کی آنکھوں کی طرف دیکھا جو
ٹکی ہوئی کھوپڑی کے سوراخوں کے اندر ماریا کی طرف
ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر آنکھوں نے اوپر اپنی
کھوپڑی کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

ماریا نے دیکھا کہ کھوپڑی کے سر کے اوپر انگلی کی ہڈی والا کالا
چھلا ہڈی میں سے نکل کر کھوپڑی کے سر پر ٹک گیا تھا۔ اور
بڑا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہ چھلا بڑا ہوتے ہوتے لڑکی
کے ہاتھ میں پہنے جانے والے کنگن جتنا ہو گیا۔

اب ایک عجیب بات ہوئی پاروتی کی آنکھیں کھوپڑی
کے سوراخوں میں سے غائب ہو گئیں۔ ماریا نے چونک
کر مرتبان کے اندر اوپر نیچے دیکھا۔ اُسے ایک لڑکی
کی ہلکی ہلکی مدھم مدھم آواز سنائی دی۔

"ماریا ___ اس کنگن میں سے گزر جاؤ"

ماریا نے چونک کر پوچھا : "تم — کیا تم پاروتی ہو"
"ہاں" آواز آئی "میں پاروتی ہوں۔ اس میں سے گذر جاؤ۔ میں مرتبان کے باہر تمہارا انتظار کر رہی ہوں"

ماریا دھوئیں کی ایک لکیر بن کر پاروتی کی کھوپڑی کے سر پر رکھے ہوئے کنگن میں سے گزر گئی۔ اس کے گذرتے ہی کھوپڑی اور ہڈیاں مرتبان کے اندر سے غائب ہو گئیں اور مرتبان خالی ہو گیا۔

ابھی ماریا یہ دیکھ ہی رہی تھی کہ اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں۔ ایک اندھیرا سا چھا گیا اور اسے ایسے لگا جیسے وہ ہوا میں اڑ رہی ہو اور اس کے بال ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ اس کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں پھر اس نے اپنے آپ کو فضا میں ہی سیدھا ہوتے اور پھر اپنے پاؤں کو زمین پر لگتے محسوس کیا۔

اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک دریا کے کنارے پُل پر کھڑی ہے۔ یہ پُل کشتیوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی خوبصورت چمکیلی آنکھوں والی نوجوان لڑکی کھڑی ہے۔ جس نے سبز ساڑھی باندھ

رکھی ہے۔ ماتھے پر سُرخ بندیا لگی ہے اور جوڑے میں موتیے کے سفید پھول سجے ہوئے ہیں۔ وہ ماریا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ اس کے گلے میں سونے کا ایک ہار ہے جس کے جواہرات سنہری دھوپ میں چمک رہے ہیں۔

ماریا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا تم پاروتی ہو ؟"

کیونکہ اس لڑکی کی آنکھیں وہی تھیں جو اس نے مرتبان کے اندر کھوپڑی کے سوراخوں میں دیکھی تھیں۔

اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا :

"ہاں ماریا ! میں پاروتی ہوں"

"ہم کہاں آگئے ہیں ؟" ماریا نے پوچھا۔

پاروتی نے دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"یہ لاہور کا راوی دریا ہے ہم دو سو سال پیچھے آگئے ہیں۔ اس وقت لاہور پر میرے باپ سندھیا جی کا راج نہیں ہے۔ یہاں اب مغل بادشاہ کا راج ہے۔"

ماریا نے کہا :

"مگر تم پھر سے زندہ ہو گئی ہو ؟"

پاروتی بولی : "ہاں — اگر تم میرے پاس آکر میری

آنکھوں کی زبان نہ سمجھتیں تو میں کبھی دوبارہ زندہ نہ ہو
سکتی تھی۔ میں اپنے ایک پچھلے جنم میں واپس جا رہی
ہوں۔ جب میں ایک ہزار سال پہلے اس ملک کے
جنوب میں ایک راجہ کی بیٹی تھی۔ اور میرا نام پاروتی
ہی تھا۔

ماریا نے پوچھا:
"کیا تم اب ہزار سال پیچھے اپنے پچھلے جنم میں
چلی جاؤ گی۔؟"

پاروتی بولی: — "نہیں جب تک میں اس کالی بلا
کو ہلاک نہیں کر لیتی جس نے میری روح کو
مرتبان میں بند کر کے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ اس
وقت تک واپس اپنے پچھلے جنم میں نہیں جا سکتی۔ کیونکہ
اگر کالی بلا زندہ رہی تو وہ میرا پچھلے جنم میں بھی پیچھا
کرے گی۔ اور میرے محل میں آ کر مجھے قتل کر ڈالے گی۔
اس لیے میں اسے ہلاک کرنے کے بعد ہی واپس اپنے
پچھلے جنم میں جاؤں گی۔"

ماریا نے کہا: "کیا مجھ پر کالی بلا کا جادو نہیں رہا۔
کیونکہ میں اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا اور
پہلے کی طرح محسوس کر رہی ہوں"

پاروتی بولی۔ — نہیں — اب تم پر کالی بلا کا
اثر نہیں رہا۔"

ماریا کہنے لگی: "لیکن تم کالی بلا کو کیسے ہلاک کرو گی وہ
تو بڑی زبردست جادوگرنی ہے"

پاروتی بولی — "تم میرے ساتھ ہو گی۔ تم دیکھنا کہ میں اسے
کیسے قتل کرتی ہوں" "آؤ میرے ساتھ"

وہ پل پر سے گزرنے لگیں۔ پاروتی نے ماریا کو بتایا
کہ جس کالے بچھو کو اس نے اپنی انگلی میں پہن رکھا تھا
وہ ایک بہت بڑے مسلمان بزرگ نے اس کو دیا تھا اور
آج اس کی وجہ سے وہ پھر زندہ ہو گئی ہے۔

پل پر سے گزر کر ماریا نے دیکھا کہ لاہور کا قلعہ اور شاہی
مسجد دریا کے بالکل ساتھ ہی تھے جب کہ آج کل دریا ان سے
کافی دور چلا گیا ہے۔ دو سو برس پہلے کا لاہور آج کا انارکلی
بازار، لبرٹی مارکیٹ اور گلبرگ والا لاہور نہیں تھا۔ بلکہ
ایک پرانا سا خاموش اور پرسکون لاہور تھا۔ جس کے
بازاروں میں مغلیہ زمانے کے لباس پہنے لوگ گھوڑوں پر
سوار ہو کر گھوم پھر رہے تھے۔ نہ کہیں کسی رکشے کی
آواز تھی۔ نہ موٹر کاریں ٹوں ٹاں کر رہی تھیں۔ نہ ٹرک
شور مچا رہے تھے اور نہ سکوٹروں کا شور اور گھرر گھرر

تھی۔ نہ ریڈیو تھا نہ ٹی وی تھا اور دو منزلیں بسیں
دھواں اڑاتی تھیں۔
ماریا سے یہ لاہور پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے
پاروتی سے پوچھا۔
"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
پاروتی بولی۔ "میں تمہیں پرانی انارکلی والے علاقے
میں اپنی قبر پہ لے جا رہی ہوں"
اپنی قبر پر لے جا رہی ہوں"
ماریا، پاروتی کے ساتھ پرانی انارکلی والے علاقے
میں داخل ہوئی تو وہ اسے بھی نہ پہچان سکی۔ نہ دکانیں تھیں
نہ مکان تھے۔ ایک کھلا میدان تھا جہاں درخت اُگے ہوئے
تھے۔ اور ایک جگہ وہی سفید برج کھڑا تھا جس کے اندر
پاروتی کی قبر تھی۔ مگر یہ برج ٹوٹا پھوٹا نہیں تھا۔ بالکل نیا
تھا اور اس کی دیواروں پہ لگی ہوئی ٹائلیں غروب ہوتے
سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ پاروتی نے کہا:
"یہاں کسی کو یقین نہیں آسکتا تھا کہ اس برج میں جس
لڑکی کی ہڈیاں دفن ہیں وہ یہاں زندہ کھڑی ہے —
اپنی قبر کے پاس"
ماریا کہنے لگی۔ — "یہاں کالی بلا" کو تم کہاں اور

کیسے قتل کرو گی پاروتی! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا
جادو تمہیں پھر اپنی قید میں کرلے"
پاروتی مسکرا کر بولی۔ "اب ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ
بزرگ کے سیاہ چھلے کی برکت کی وجہ سے کالی بلا اور
سب کو دیکھ سکے گی مگر مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ وہ
تمہیں بھی اب نہیں دیکھ سکے گی۔ کیونکہ تم بھی اس
کالے چھلے کے اندر سے گزر کر باہر آئی ہو"
ماریا نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ کالی بلا ہم
دونوں کو نہیں دیکھ سکے گی"
"بالکل نہیں۔" پاروتی نے کہا:
ماریا بولی۔ — "مگر پھر بھی اس کی اتنی زبردست طلسمی
طاقت کو ہم کیسے ختم کر سکیں گے۔ پاروتی؟"
پاروتی برج کے پاس جا کر رک گئی اور ماریا کی طرف
دیکھ کر بولی۔
"اس وقت جب بزرگ نے مجھے کالا چھلا دیا تھا اس
کی طاقت میرے ساتھ ہے اور جب روحانی طاقت کسی
کے ساتھ ہو تو پھر اس پر جادو کا اثر نہیں ہوا کرتا"
اتنے میں پاروتی کی قبر والے برج میں وہی کالا ناگ
نمودار ہوا۔ جس کو ماریا پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ کتے کی

آنکھیں سرخ تھیں اور وہ درختوں کی طرف دیکھ کر بھونک رہا تھا۔ پاروتی نے کہا:

"کال بلا اس کتے کی شکل میں آ گئی ہے۔ وہ دیکھو ـــــ وہ بھونک رہی ہے"

"کہیں اس نے ہمیں دیکھ تو نہیں لیا؟" ماریا نے پوچھا۔ "نہیں" پاروتی بولی۔ "اس نے ہمیں دیکھا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہمیں قیامت تک دیکھ سکتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس نے میری بو سونگھ لی ہے۔ اسی لیے یہ کتا پریشان ہو کر بھونک رہا ہے"

ماریا نے کہا: "اب تم کیا کرو گی؟"

پاروتی نے برج کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا: "میں اس کتے کو ہلاک کرنے جا رہی ہوں"

ماریا بولی "خدا کے لیے ادھر نہ جاؤ۔ یہ کتا بھی آدم خور لگتا ہے۔ وہ تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گا"

پاروتی نے اپنی ساڑھی سے ایک تیز دھار والا خنجر نکال لیا تھا۔ وہ کہنے لگی:

"تم اسی جگہ کھڑی ہو کر تماشا دیکھتی رہو"

پاروتی کے ہاتھ میں آگے سے مڑا ہوا خنجر چمک رہا تھا۔ وہ ایک ایک قدم کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ جوں

جوں وہ برج کے قریب پہنچ رہی تھی۔ سیاہ کتے کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس نے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ وہ برج میں کنارے پر کھڑا اچھل اچھل کر بھونک رہا تھا۔

پاروتی برج کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اس کی بو پا کر کتا اس طرف آ گیا اور اس نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ پاروتی خنجر ہاتھ میں پکڑے ایک ایک سیڑھی اوپر چڑھتی جا رہی تھی۔ کتا پاروتی کی بو پر پیچھے ہٹ رہا تھا۔ جب پاروتی آخری سیڑھی پر پہنچی تو کتا اس سے دس قدم کے فاصلے پر قبر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور بھونکنے لگا۔

پاروتی نے خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ جیسے وہ کتے پر حملہ کرنے والی ہو۔"

کتا زور سے اوپر کو اچھلا۔ اس کا سر برج کی چھت سے ٹکرایا اور ماریا نے دیکھا وہاں اب کتے کی جگہ ایک اژدھا پھنکار رہا تھا۔ اس اژدھا کی زبان بار بار غصے کی حالت میں باہر نکل رہی تھی اور وہ زور زور سے پھنکار رہا تھا۔ جب وہ پھنکارتا تو اس کے نتھنوں سے بھاپ کے بادل باہر نکلتے تھے۔

ماریا ڈر گئی کہ جانے پاروتی کے ساتھ اب یہ اژدہا کیا کرے گا۔ مگر پاروتی بڑے حوصلے اور اطمینان کے ساتھ آخری سیڑھی پر کھڑی تھی۔ اور اس کا خنجر والا ہاتھ اوپر کو اسی طرح اُٹھا ہوا تھا۔

ایکدم سے اژدہا نے اپنا منہ کھول کر زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکل کر پاروتی کے جسم کو چاٹنے کے لیے آگے بڑھا۔ مگر ایسا لگا جیسے پاروتی کے آگے کسی نے دیوار کر دی تھی۔ شعلہ دیوار سے ٹکرا کر بجھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی پاروتی نے پوری طاقت سے بازو گھما کر اژدہے کی طرف خنجر پھینکا۔

خنجر سیدھا اژدہے کے ماتھے پر جا کر لگا اور اس کے اندر کھُب گیا۔

اژدہے کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ درد سے بل کھاتا، لڑکھڑاتا ہوا وہیں قبر کے پاس گر گیا۔

پاروتی نے پیچھے مڑ کر ماریا کو آگے آنے کا اشارہ کیا ــــ ماریا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر برج میں آ گئی۔ پاروتی آگے بڑھ کر برج کے اندر اپنی قبر کے پاس آ گئی۔ اس نے اژدہے کی طرف دیکھ کر کہا:

"ماریا اس اژدہے کو دیکھتی رہنا۔ یہ اژدہا نہیں ہے بلکہ وہی کالی بلا ہے جس نے ہم دونوں کو قید کر رکھا تھا اور جس نے مجھے ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

ماریا کی نگاہیں اژدہا پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کے دیکھتے دیکھتے اژدہا کی جون بدل گئی۔ اور وہ ایک خوفناک شکل والی عورت کے روپ میں ظاہر ہو گئی جس کا رنگ توے کی طرح کالا سیاہ تھا اور جس کی تین سرخ آنکھیں اور سات بازو تھے۔ اور ہاتھوں کے ناخن تلواروں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔

پاروتی نے کہا:

"یہی ہے کالی بلا ــــ اسے دیکھ لو

یہ اس کا آخری وقت ہے۔"

کالی بلا کے ماتھے میں پاروتی کا پھینکا ہوا خنجر گھُسا ہوا تھا۔ اور وہاں سے خون اُبل اُبل کر باہر گر رہا تھا۔ ماریا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس خون کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے جسم سے پگھلی ہوئی تارکول باہر نکل رہی ہو ــــ اس کے بازو ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ جیسے کسی کو پکڑنے کی

کوشش کر رہے ہوں ۔ وہ قبر کے فرش پر تڑپ رہی
تھی۔ پھر اس کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔ اس کی حرکتیں
سست ہو گئیں آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر اس
کا جسم گلنے سڑنے لگا۔

اس کا سارا جسم سیاہ کیڑے مکوڑوں میں تبدیل
ہو گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ لاکھوں کیڑے کالی بلا کے جسم سے
چمٹ گئے ہوں۔ پھر یہ کیڑے بھی مرنے لگے اور مٹی
بنتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد زمین پر کالی بلا
کی لاش کی جگہ سیاہ مٹی پڑی ہوئی تھی۔ پاروتی نے کہا

"ابھی تھوڑی دیر میں یہ سیاہ مٹی
بھی غائب ہو جائے گی۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ ماریا کے دیکھتے دیکھتے وہ سیاہ کالی مٹی
بھی غائب ہونے لگی۔ اور پھر فرش بالکل صاف ہو گیا۔
پاروتی نے ماریا کی طرف دیکھا اور بولی،

اب اس کالی بلا کا منحوس وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو
گیا ہے۔ اب یہ اس دنیا میں کبھی کسی بے گناہ معصوم
لڑکی یا لڑکے کو اپنے ظلم کا نشانہ نہیں بنا سکے گی۔"

ماریا نے کہا،

"کیا اب تم اپنے پچھلے جنم میں اس سے محفوظ
ہو گی پاروتی ؟"

"ہاں" پاروتی بولی " میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں
اس وقت جتنی لڑکیاں ہیں
اور آنے والے زمانے میں جتنی لڑکیاں
پیدا ہوں گی، وہ سب کی سب اس بلا سے محفوظ
ہو گئی ہیں۔

ماریا نے پاروتی کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا:
"اور تمہاری یہ قبر ہمیشہ یہاں بنی رہے گی؟"
"ہاں"

ماریا بولی — "مگر میں نے ۱۹۸۳ء کے لاہور میں —
یعنی آج کے دو سو برس بعد جب کالے کتے کو تمہاری
قبر پر دیکھا تھا۔ وہ کون تھا؟ کیا وہ اب بھی وہیں
پر ہو گا؟

پاروتی نے کہا: — "نہیں — اب اگر تم آگے کے
زمانے یعنی ۱۹۸۳ء کے لاہور میں جاؤ اور پرانی انارکلی
میں میرے اس برج پر جا کر دیکھو تو تمہیں وہ کالا کتا وہاں
دکھائی نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ کتا نہیں تھا بلکہ یہ
کالی بلا تھی جو اب ختم ہو چکی ہے۔"

ماریا نے کہا: — "تمہارے کتبے پر لکھا ہے کہ یہ

کالی بلا لاہور کے ایک مندر میں رہتی تھی۔ کیا وہ مندر اب اس کے وجود سے پاک ہو گیا ہوگا۔"؟

پاروتی بولی: "آؤ میں تمہیں وہ مندر دکھاتی ہوں اس کالی بلا کا ایک بہت بڑا بُت ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے چل کر دیکھ لو کہ اس بُت کا کیا حشر ہوا ہے۔"

پاروتی نے ماریا کو ساتھ لیا اور دو سو برس بعد کے لاہور کے اُس علاقے میں آ گئی جہاں آج کل شاہ عالمی کے باہر شیتلا مندر واقع ہے اور جواب بالکل ویران ہو چکا ہے۔ اس وقت نہ شاہ عالمی دروازہ وہاں پر تھا اور نہ کوئی بانسوں والا بازار تھا۔ ان کی بجائے وہاں ایک باغ تھا جس کے درمیان ایک نہر بہہ رہی تھی

اس نہر کے کنارے ایک اونچے برج والا مندر بنا ہوا تھا۔

اس مندر کے باہر لوگ حیران پریشان کھڑے تھے اور ہاتھوں سے اندر کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ پاروتی بولی۔"

"اس وقت یہ لوگ تمہاری طرح مجھے بھی نہیں دیکھ

رہے ہیں۔ کیوں کہ ابھی مجھ پر بزرگ کے سیاہ چھلے کا اثر ہے رات کے اندھیرے کے بعد یہ ختم ہو جائے گا۔ اور میں لوگوں کو پھر سے نظر آنے لگوں گی۔ اس لیے میرے ساتھ مندر کے اندر آؤ"

دونوں مندر کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر داخل ہو گئیں،

ماریا نے دیکھا کہ کالی بلا کا اسی شکل وصورت کا ایک بُت فرش پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ اور پجاری دہشت کے مارے ایک طرف کھڑے خوف سے کانپ رہے تھے۔ کہ ان کی دیوی کو کس نے پاش پاش کر دیا۔!

پاروتی نے کہا:

"یہ لوگ حیران ہیں کہ بُت کو کس نے توڑ دیا کسی کو معلوم نہیں کہ اسے میں نے اپنے مسلمان بزرگ کی مدد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر دیا ہے۔ یہ نہ ہماری آواز سن رہے ہیں اور نہ ہمیں دیکھ رہے ہیں"

ماریا بولی: لیکن یہ اس بت کو دوبارہ بنا لیں گے۔ کیا یہ کالی بلا کی روح دوبارہ اس بت میں داخل نہیں

ہو جائے گی ۔"

پاروتی نے کہا: نہیں ۔ ایسا اب قیامت تک نہیں ہو سکے گا۔ یہ لوگ جب بھی کالی بلا کا بت بنا کر یہاں رکھیں گے ۔ ایک رات گزرنے کے بعد وہ بت اپنے آپ زمین پر اوندھے منہ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا اس طرح سے یہ مندر اب کبھی آباد نہیں ہوگا۔ ہمیشہ ویران رہے گا۔ جیسا کہ تم نے ۱۹۸۳ء کے لاہور کے شاہ عالمی دروازے کے باہر چوک میں دیکھا تھا۔

ماریا پاروتی کے ساتھ مندر سے باہر آگئی۔

وہ باغ میں نہر کے کنارے آکر ایک جگہ گھاس پر بیٹھ گئیں۔ ماریا نے پاروتی سے پوچھا کہ اب وہ کہاں جائے گی۔؟ پاروتی نے کہا:

"میں صرف ایک رات اس زمانے کے لاہور میں ٹھہروں گی تاکہ اندھیرا اچھا جانے کے بعد میرا جسم غیبی حالت سے ظاہری حالت میں آجائے۔ اس کے بعد مت اندھیرے میں یہاں سے ایک ہزار برس پیچھے کے اپنے پرانے جنم کی دنیا میں داخل ہو جاؤں گی۔ یعنی جنوبی ہند کے راجہ کی

بیٹی شکنتی پاروتی بن کر اپنی پچھلے جنم کی زندگی بسر کرنا شروع کر دوں گی۔"

ماریا نے کہا: کیا تم اپنے اس جنم کے بعد جنم جنم کا سفر کر کے کبھی پھر لاہور آؤ گی؟

پاروتی نے کہا: ہاں — میں اپنے آخری یعنی آج کے دن جنم میں لاہور کے مرہٹہ گورنر سندھیا جی کے گھر شکنتی پاروتی ہی کی شکل میں ایک بار پھر پیدا ہوں گی۔"

ماریا بولی:

اس کا مطلب ہے کہ وہی باتیں پھر دہرائی جائیں گی اور کالی بلا اسی طرح تمہیں قابو میں کر کے تمہارے سر پہ سوار ہو جائے گی۔ اور اس کے بڑے اثر کے تحت تم اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لو گی۔"

پاروتی نے کہا: نہیں — اب ایسا نہیں ہوگا اب میں مروں گی اسی طرح یعنی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر لیکن میں اپنی مرضی سے چھلانگ لگاؤں گی۔ مجھ پر کسی کالی بلا کا آسیب سوار نہیں ہوگا۔"

ماریا نے کہا: مگر پھر تمہیں کنوئیں میں چھلانگ لگانے

کی کیا ضرورت ہو گی ؟"

پاروتی کہنے لگی :۔ "نہیں ماریا۔ ہم تاریخ کے دھارے کو ہرگز نہیں روک سکتے۔ گذرے زمانے میں جو کچھ ہو چکا ہے وہ اسی طرح ایک بار پھر ہوگا۔ ہم اس میں ذرا سا بھی فرق نہیں ڈال سکتے"

ماریا سب کچھ سمجھ رہی تھی۔ وہ خود عنبر اور ناگ کے ساتھ صدیوں کے سفر پہ تھی اور تاریخ کے گزرے ہوئے واقعات اور حادثات کو ایک بار پھر اسی طرح ہوتے دیکھتی تھی مگر ان میں سے کوئی بھی اس میں ذرا سا دخل نہیں دے سکتا تھا۔ اور اس کی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے پاروتی سے کہا:

"پاروتی! کیا تم مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہو کہ میں تم کو تو نظر آ رہی ہوں مگر کسی دوسرے کو نظر نہیں آتی تم نے ابھی تک مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں اور کیسے غیبی حالت میں چل پھر رہی ہوں"

پاروتی مسکرانے لگی:

"ماریا! جب مسلمان بزرگ نے مجھے سیاہ چھلا دیا تھا ان کی برکت سے میں نے تمہیں دیکھتے

ہی پہچان لیا تھا۔ کہ تم صدیوں کے سفر کی مسافر ہو اور تمہارے ساتھ عنبر اور ناگ بھی ہیں اور ایک خلائی لڑکی کیتھی بھی تمہارے ساتھ تھوڑا عرصہ ہوا شامل ہو گئی ہے"

ماریا بڑی حیران ہوئی۔ وہ خوش بھی ہوئی۔ اس خیال سے کہ شاید پاروتی کو عنبر اور ناگ کے بارے میں کوئی معلومات ہوں۔ اس نے کہا:

"پاروتی! اب جب کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان گئی ہو۔ کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ عنبر اور ناگ اس وقت کہاں ہیں۔؟

پاروتی نے کہا: — مجھے افسوس ہے ماریا کہ میں خواہش کے باوجود تمہیں یہ نہیں بتا سکوں گی۔ کیونکہ یہ غیب کا علم ہے۔ میں تمہیں دیکھ کر تو بتا سکتی ہوں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو۔ مگر عنبر ناگ کے بارے میں میں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔ کیوں کہ ان کے بارے میں مجھے خود کچھ بھی علم نہیں ہے"

ماریا ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔

"تم کہتی ہو کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ مجھے اس کا یقین نہیں آ رہا۔ کیا تم مجھے کوئی تجربہ کر کے

دکھاؤ گی۔ کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا؟

پاروتی نے کہا: کیوں نہیں ـــــ ابھی تجربہ کر کے دکھا دیتی ہوں۔ کیوں کہ میں آج رات تک ایسی غائب رہوں گی۔ کل سب لوگ مجھے دیکھ سکیں گے۔"

ایک ہندو پجاری نہر کے کنارے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گنگا جل کا لوٹا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ترشول پکڑا ہوا تھا۔

پاروتی نے کہا:

"دیکھو۔ تمہیں ایک تماشا دکھاتی ہوں
اس سے تمہیں ثبوت مل جائے گا اس بات
کا کہ یہ پجاری مجھے نہیں دیکھ سکتا"

پاروتی ماریا کے پاس سے اٹھی اور ہندو پجاری کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ پجاری آگے ہی بڑھتا آیا اور پاروتی کے اندر سے گزر گیا۔ کیوں کہ پاروتی غائب تھی اس کے لیے ـــــ پاروتی نے ماریا کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"اب ایک اور تماشا دیکھو!"

خفیہ عورت کون تھی؟

پاروتی ہندو پجاری کے پیچھے آ گئی۔

پیچھے آ کر اس نے پجاری کے ہاتھ میں پکڑا ہوا لوٹا چھین لیا۔ پجاری نے پلٹ کر دیکھا کہ اس کا لوٹا کس نے پیچھے سے چھین لیا ہے جب اسے اپنے پیچھے کوئی نظر نہ آیا تو وہ وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا اور بڑی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پاروتی نے ایک اور جھٹکے سے اس کا ترشول بھی چھین لیا۔ پجاری ڈر کر ہکا بکا ہو گیا۔ پاروتی نے اس کے منڈھے ہوئے سر پہ ایک چپت مار کر کہا:

"بھاگ یہاں سے نہیں تو تجھے کھا جاؤں گی"

یہ آواز سن پجاری زور سے اچھلا اور چیخ مار کر بولا ـــــ ہائے رام ـــــ بھوت آ گیا۔ اور ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

پاروتی ہنستی ہوئی ماریا کے پاس آ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں بھی
تمہاری طرح سے غائب ہوں اور مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا
ماریا بھی ہنس رہی تھی۔ کہنے لگی۔
"ہاں پاروتی! اب مجھے پکا یقین ہو گیا ہے"
پاروتی آہ بھر کر بولی " لیکن کل سب لوگ مجھے دیکھ
سکیں گے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک طرح سے اچھا
ہی ہوگا۔ کیوں کہ غیبی زندگی بھی ایک مصیبت ہی ہوتی
ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے ماریا — تم تو ہزاروں سال
سے غیبی زندگی بسر کر رہی ہو؟"
ماریا نے کہا: "کبھی کبھی مجھے بھی غیبی زندگی ایک مصیبت
لگتی ہے لیکن کبھی کبھی اس کا بڑا مزا آتا ہے۔ میں کئی
مصیبت زدہ لوگوں کو اُن کی مصیبت سے چھٹکارا دیتی ہوں
کبھی مظلوم انسانوں کی مدد کر دیتی ہوں۔ کیوں کہ میں غائب
ہوتی ہوں۔"
"ہاں — یہ تو ہے۔"
پاروتی نے کہا: پھر وہ خاموش ہو گئی۔ نہر کے
کنارے لوگ آ جا رہے تھے۔ جندو پجاری بھوت بھوت
کا شور مچاتا وہاں سے "رفو چکر" ہو چکا تھا۔
ماریا نے کہا:

"پاروتی! اب رات کہاں بسر کرنے کا ارادہ ہے؟"
پاروتی کہنے لگی:
"ہمارا کیا ہے ہم کسی جگہ بھی پڑ رہیں گی"
ماریا نے پوچھا: "تم ابھی سے اپنے پچھلے جنم کے
سفر پر روانہ کیوں نہیں ہو جاتیں؟"
پاروتی مسکرانے لگی۔ بولی۔
"مجھے حیرانی ہے کہ تمہیں نے ایسا سوال
کیا ہے۔ کیوں کہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے ایک ہزار
سال پیچھے کے زمانے میں جانا ہے اور ایک ہزار سال
پیچھے جانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور پھر یہ میرے اختیار
میں بھی نہیں ہے۔"
"تو کیا تمہیں کوئی غیبی طاقت ایک ہزار برس پیچھے کے
زمانے میں لے جائے گی؟"
پاروتی بولی — "مجھے وہی بزرگ میرے پچھلے جنم کی
دنیا میں پہنچائیں گے۔ جن کی برکت سے مجھے کالی بلا سے
نجات ملی ہے"
ماریا نے پوچھا: "وہ بزرگ کہاں ہیں؟"
پاروتی نے کہا: "وہ لوگوں کی نظروں میں زندہ نہیں
ہیں۔ مگر میری نظروں میں وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں۔"

ماریا بولی:— "وہ کہاں رہتے ہیں؟"

"اسی شہر لاہور میں — ان کا مزار یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے میں تمہیں رات کو وہاں لے چلوں گی۔ اس مزار کو عقیدت مند ملنگا صاحب کا مزار کہتے ہیں"

ماریا کو یاد آ گیا کہ ۱۹۸۳ء کے لاہور میں رہتے ہوئے اس نے ملنگا صاحب کے مزار کے بارے میں کئی لوگوں سے سنا تھا۔ کہ وہ بہت بڑے بزرگ تھے اور ان کے مزار پر عقیدت مندوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ملنگا صاحب کا مزار شہر کے دروازے کے باہر ہے۔ ماریا نے کہا:

"میں ان کے مزار پر ضرور جاؤں گی"

"تمہیں میرے ساتھ آدھی رات کا انتظار کرنا ہوگا"

ماریا نے کہا: "کیا ہم اسی باغ میں بیٹھے رہیں گے؟"

"نہیں۔ چلو شاہی قلعے میں چل کر شہزادوں اور شہزادیوں کو دیکھتے ہیں"

دونوں عورتیں نہر کے کنارے سے اٹھیں اور شاہی قلعے کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اس زمانے میں لاہور میں شاہی قلعے کی طرف ایک

راستہ جاتا تھا جو لنڈے بازار والے دلی دروازے کی طرف سے سیدھا قلعے کے بڑے گیٹ کی طرف آتا تھا۔ آج کے زمانے میں تو آپ لاہور کے شاہی قلعے میں جا کر جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں وہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔

شاہی قلعے کے آس پاس کے علاقے میں کوئی غیر آدمی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ پاروتی اور ماریا دونوں ہی غائب تھیں اور کسی کو نظر نہیں آتی تھیں۔ اس لیے وہ بڑے آرام سے مغل سپاہیوں اور پہریداروں کے درمیان سے گزرتی ہوئیں شاہی قلعے کے بڑے دروازے کی ڈیوڑھی میں آ گئیں۔ یہاں مغل سپاہی سرخ اور زرد وردیاں پہنے تلواریں اور نیزے سنبھالے پہرہ دے رہے تھے۔

پاروتی اور ماریا قلعے کے اوپر والے حصے میں آ گئیں یہاں سیڑھیوں میں بہت ہی قیمتی ریشمی قالین بچھے تھے جگہ جگہ فوارے چل رہے تھے۔ شام ہو گئی تھی۔ فانوس اور شمعیں روشن کی جا رہی تھیں۔ جس شیش محل میں آج کل چھپکلیاں دوڑتی پھرتی ہیں اس کی شان ہی نرالی ہے فانوسوں کی روشنی میں سارا شیش محل جگ مگ جگ مگ

کر رہا تھا۔ تخت پر قالین اور گاؤ تکیے لگے تھے۔ اور شہزادیاں قیمتی جواہرات والے لباس پہنے بیٹھی ہنسی مذاق میں مشغول تھیں جگہ جگہ قلعے میں ان کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ خواجہ سرا اور غلام اور کنیزیں اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ ستونوں اور چاندی کے گلدانوں میں پھول سجائے جا رہے تھے۔

دیر تک دونوں قلعے کی سیر کرتی رہیں۔

جب قلعے کی نوبت نے رات کے گیارہ بجنے کا اعلان تو پاروتی نے کہا:

میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ملنگا صاحب کے مزار پر چلنا چاہیئے"

اور وہ قلعے سے نکل کر ملنگا صاحب کی درگاہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ملنگا صاحبؒ کی درگاہ اس زمانے میں بھی جگمگا رہی تھی اور چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔ جگہ جگہ لوگ خیمے ڈال کر بیٹھے تھے۔ کوئی قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ کوئی مسجد میں نفل پڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ پرانے زمانے کے رواج کے مطابق قوالی ہو رہی تھی۔ درگاہ شریف کے اندر اگربتیاں سلگ رہی تھیں۔ پھولوں کے ہار پڑے

تھے۔ لوگ آ کر فاتحہ پڑھتے اور دعا مانگ کر وہیں کعبے کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور کلام پاک کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔

پاروتی بھی ماریا کو لے کر وہاں پہنچ گئی تھی۔

ماریا اس جگہ کی روحانی فضا سے بڑی متاثر ہوئی اور بولی۔

"یہ تو بہت بڑے بزرگ کا مزار ہے"

"ہاں ماریا —— ملنگا صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں انہوں نے سادی زندگی غریب اور دکھی انسانوں کی خدمت کی۔ جو اندھیرے میں بھٹک رہے تھے۔ انہیں سیدھی راہ دکھائی اور بے کس انسانوں کو سہارا دیا۔ ان کے دلوں کو ڈھارس بندھائی۔"

ماریا نے کہا "کاش میں کبھی ان کے زمانے میں پہنچ کر ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی"

پاروتی بولی: "ہو سکتا ہے خدا تمہاری یہ خواہش بھی کبھی پوری کر دے۔ اور تم اس زمانے میں پہنچ جاؤ۔ جب ملنگا صاحب زندہ تھے اور لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کو نیکی کی ہدایت دیا کرتے تھے"

ماریا کہنے لگی:—— "تم ان بزرگ سے کہاں ملاقات

کرو گی۔ اور کیا ان کے پاس جاتے ہی تم ایک ہزار
برس پیچھے کی زندگی میں پہنچ جاؤ گی؟"

پاروتی نے کہا!
"میں مزار کے پیچھے ایک باغ میں جا کر چبوترے
پر بیٹھ جاؤں گی۔ اور ملنگ صاحب کو یاد کر کے
اپنے رب سے اپنے خدا سے دعا مانگوں گی،
کہ وہ اپنے فضل سے مجھے میرے پچھلے جنم کے
ماں باپ کے پاس پہنچا دے۔"

پھر وہ ماریا کی طرف دیکھ کر بولی۔
"ماریا! تم بھی میرے ساتھ کیوں نہیں چلتیں
میرے پچھلے جنم کے گھر میں؟"

ماریا نے کہا! "میں تمہارے ساتھ ایک ہزار سال پیچھے
جا کر کیا کروں گی؟"

پاروتی نے کہا: "ہو سکتا ہے وہیں تمہاری ملاقات ناگ
یا عنبر یا لیکھی سے ہو جائے؟"

ماریا کہنے لگی۔ "لیکھی تو ۱۹۸۲ء کے لاہور میں ہے کیونکہ
میں اس کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن ہاں عنبر اور
ناگ سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہزار سال پیچھے جا
کر کسی جگہ ملاقات ہو جائے کیونکہ ہو سکتا ہے

کہ وہ ایک ہزار سال پیچھے کے زمانے میں چلے
گئے ہوں۔"

پاروتی نے پوچھا: "تو پھر کیا خیال ہے تمہارا؟ تمہارے
لیے بھی ملنگ صاحب کے [illegible] سے خدا سے دعا
مانگوں؟"

ماریا نے تھوڑی دیر غور کیا۔ پھر کہنے لگی "ہاں بے شک
[illegible] میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

پاروتی بڑی خوش ہوئی۔ وہ ماریا کو ساتھ لے کر مزار
کے پیچھے والے باغ میں آ گئی۔ یہاں درختوں کے درمیان
ایک خاموش جگہ پر چبوترہ بنا ہوا تھا۔ پاروتی اس
چبوترے پر جا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر کے منہ ہی
منہ میں کچھ پڑھنے لگی۔ ماریا ایک طرف بیٹھی اسے دیکھ
رہی تھی۔ مزار کی [illegible] سے قوالی کی آواز آ رہی تھی۔

پاروتی دیر تک آنکھیں بند کئے کچھ پڑھتی رہی۔ پھر
اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی۔ دعا مانگنے
کے بعد اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ بڑے ادب سے
چبوترے پر سے اٹھی اور ماریا کے پاس آ کر بولی۔
"آؤ ماریا ۔۔۔۔ تم بھی میرے ساتھ ہی جاؤ گی۔"

دونوں مزار کے باغ میں سے نکل کر دریا کی طرف

چل پڑیں۔

ماریا نے اس سے کچھ نہ پوچھا۔ اس نے سوچا کہ یہ راز کی باتیں ہیں۔ کیا جانے پاروتی اسے نہ بتانا چاہتی ہو۔ دریا سے وہ کر س پہنچے ایک حسین باغ آگیا۔ یہ ایک مغلیہ شہزادی کا باغ تھا اور اس میں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ باغ اس جگہ پر تھا جہاں آج کل موہنی روڈ پی ہول ہے باغ کے دروازے پر دو مغل سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

پاروتی اور ماریا چونکہ غیبی حالت میں تھیں اس لیے ان کو کوئی نہ دیکھ سکا۔ اور وہ باغ میں داخل ہو گئیں یہ بڑا ہی خوب صورت باغ تھا اور جگہ جگہ فوارے بلند ہو رہے تھے۔ اور گلاب چنبیلی کے پھول مہک رہے تھے۔

یہاں ایک جگہ پر گلاب کے پھولوں کے درمیان سنگ مرمر کا ایک ہاتھی بنا ہوا تھا۔ اس ہاتھی پر چڑھ کر مغل شہزادوں کے بچے کھیلا کرتے تھے پاروتی اس ہاتھی پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ پاروتی نے کہا:

"آنکھیں بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں

مت کھولنا ——— اچھا ؟"

"اچھا" ماریا نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھیں بند کرنے کے تھوڑی دیر بعد ماریا کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے ہاتھی اسے لے کر اوپر اٹھ رہا ہو۔ پھر وہ ہوا میں ہاتھی کے ساتھ اڑنے لگی پھر اسے لگا کہ وہ ٹھنڈے بادلوں میں سے گزر رہی ہے۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے گرم دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی ہے اس کے بعد اس کے بادلوں کی گرج سنائی دی اور اس کے چہرے پر بارش کی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ ماریا نے آنکھیں بند رکھیں۔ وہ حیران اس لیے نہ ہوئی کہ اس سے پہلے بھی وہ اس قسم کے تجربوں سے گزر چکی تھی۔

ایک بار پھر اس کے چہرے پر دھوپ پڑنے لگی پھر ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا۔ اور اسے ایک گھنے جنگل کی خوشبو آئی جس میں صندل کی مہک تھی۔ ماریا کو لگا کہ وہ کسی صندل کے درختوں کے جنگل میں سے گزر رہی ہے اسے اپنے ہاتھی کے جسم کی گرمی محسوس ہونے لگی تھی تو کیا ہاتھی زندہ ہو گیا تھا ؟ اس خیال کے ساتھ ہی اسے ہاتھی کی آواز سنائی دی۔

اور پھر پاروتی نے کہا۔

"ماریا آنکھیں کھول دو۔"

ماریا نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ایک جنگل میں سے گزر رہی ہے۔ ہاتھی زندہ تھا اور سونڈ اٹھائے اپنے بڑے بڑے کان لہراتا تیز تیز قدم اٹھاتا جنگل کے درختوں کے نیچے سے آگے بڑھ رہا تھا۔

ماریا نے پوچھا:

"پاروتی! کیا ہم ایک ہزار برس پیچھے آ گئے ہیں؟"

پاروتی بولی: "ہاں ماریا بہن — یہ میرے راجہ باپ کے ملک کا جنگل ہے۔ میرا پچھلا جنم شروع ہو چکا ہے میں جب چھوٹی تھی تو اپنے راجہ باپ کے ساتھ ان جنگلوں میں شکار کھیلنے کے لیے آیا کرتی تھی۔"

ماریا نے پاروتی کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کی شکل ویسی ہی تھی۔ مگر اس کا لباس پہلے سے زیادہ خوبصورت اور شہزادیوں ایسا ہو گیا تھا۔ اس نے سونے کا زیور بھی پہن رکھا تھا۔ اور سر پہ سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"پاروتی تم تو سچ مچ شہزادی بن گئی ہو؟"

پاروتی مسکرائی! شہزادی نہیں راجکماری کہو — میں اس ملک کے راجہ کی بیٹی راجکماری ہوں — میرا ایک بھائی بھی ہے جو مجھ سے بڑا ہے۔ وہ راجکمار ہے اور میرے باپ کے مرنے کے بعد وہی تخت پر بیٹھے گا اس وقت تم جس ہاتھی پہ بیٹھی ہو وہ میرے راجہ باپ کے شاہی محل کا خاص ہاتھی ہے۔ اور میں اس وقت جنگل کی سیر کر کے واپس اپنے محل میں جا رہی ہوں"

ماریا نے پوچھا: "کیا تمہیں اپنا وہ جنم یاد ہے جہاں سے اس وقت ہم دونوں آ رہی ہیں۔ یعنی لاہور کی زندگی؟"

"کیوں نہیں" پاروتی بولی "میں اس جنم کو کیسے بھلا سکتی ہوں۔ لیکن یہاں کسی کو معلوم نہیں ہے۔ تم بھی کسی سے لاہور والے میرے جنم کا ذکر نہ کرنا۔ یہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں راجہ کی بیٹی ہوں۔ ان کے شاہی محل میں پیدا ہوئی اور اب راجکماری بن کر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔"

ماریا نے کہا: "نہیں میں کسی سے تمہارے آنے والے جنم کے بارے میں بات نہیں کروں گی۔"

پاروتی بولی: "لوگوں کو اپنے پچھلے جنم کا پتہ نہیں ہوتا اور آنے والے جنم کا پتہ لگانا تو بڑا ہی مشکل کام

ہے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے۔ کہ لاہور کے
عظیم بزرگ کی دعاؤں سے مجھے اپنے دونوں جنموں کا علم
ہو گیا ہے۔"

ہاتھی جنگل سے نکل کر باہر آیا تو ماریا نے دور شہر
کی ایک فصیل دیکھی جس کے اندر شاہی محل کے چاندی کے
کلس اور برج دن کی روشنی میں چمک رہے تھے پاروتی
نے شاہی محل کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

وہ دیکھو میرا شاہی محل۔ میں اس محل کے راجہ کی
بیٹی ہوں۔ میری ماں مر چکی ہے اور راجہ باپ نے
دوسری شادی کر لی ہوئی ہے۔"

پھر اس نے ماریا کی طرف دیکھا اور بولی۔

"اب میں غائب حالت میں نہیں ہوں۔ اب مجھے ہر
کوئی دیکھ سکے گا۔ ہاں تم ابھی تک غائب ہو اور تمہیں
کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

وہ اسی طرح باتیں کرتی رہیں اور ہاتھی شہر کی دیوار
کے پاس پہنچ گیا۔ شہر کے دروازے میں کھڑے سپاہی
لپک کر راجکماری کی طرف بڑھے۔ وہ ادب سے جھک
گئے۔ ایک سپاہی نے بگل بجا کر راجکماری کے آنے کا
اعلان کر دیا۔ اسی وقت ہاتھی کے ساتھ سیڑھی لگا دی

گئی ہے۔

پاروتی نے آہستہ سے کہا:

"ماریا۔ میرے ساتھ رہنا"

پاروتی کے ساتھ ماریا بھی سیڑھی سے اتر کر نیچے آ گئی۔ فصیل
کے دروازے میں سے دس بارہ غلام ایک تخت اٹھائے
ہوئے آ گئے۔ اس تخت پر سونے کی ایک کرسی
رکھی تھی۔ پاروتی اس کرسی پر بیٹھ گئی۔ غلاموں نے
وہ کرسی اپنے کاندھے پر اٹھا لی اور شہر کے دروازے
میں سے اندر داخل ہو کر شاہی قلعے کی جانب روانہ
ہو گئے۔

چار غلام آگے آگے ہٹو۔ بچو۔ ہٹو۔ بچو۔ کے نعرے
لگاتے جا رہے تھے۔ لوگ راجکماری کے تخت کو آتا
دیکھ کر ایک دم پرے پرے ہٹ جاتے اور جھک
کر تعظیم بجا لاتے اور راجکماری کے نعرے لگاتے۔

پاروتی نے کہا:

"ماریا۔ تم میرے ساتھ ہو ناں؟"

کیونکہ پاروتی کو عنبر ناگ اور کیٹی کی طرح ماریا کی خوشبو
نہیں آتی تھی۔

ماریا نے کہا: "ہاں پاروتی! میں تمہارے ساتھ ہی

ہوں"

پاروتی نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

"میں نے تمہیں سچ کہا تھا تاکہ میں پچھلے جنم
میں ایک شہزادی کے روپ میں زندگی بسر کر رہی ہوں
اب تم نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے"

"ہاں پاروتی ـــــ مجھے تمہیں راجکماری کی شکل میں
دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے"

راجکماری کی سواری جب شاہی محل میں داخل ہوئی
تو اس کا باپ راجہ اپنے وزیروں اور امیروں کے
ساتھ خود شاہی محل کی سیڑھیوں پر اس کا استقبال کرنے
کے لیے کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی بیٹی راجکماری
پاروتی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا سر چوم کر کہا
"بیٹی! تم ابھی اس طرح جنگل میں سیر کرنے نہ
جایا کرو۔

تم صبح سے گئی ہوئی ہو اور میں صبح سے پریشان تھا"

پاروتی نے کہا: "پتا جی! آپ کی بیٹی بڑی ہو گئی
ہے۔ اور پھر سپاہیوں کا ایک خاص دستہ خفیہ طور پر
میری حفاظت بھی تو کر رہا ہوتا ہے"

راجہ بولا: "وہ تو ٹھیک ہے بیٹی لیکن پھر بھی

میرا دل تمہاری طرف سے پریشان ہوتا ہے۔ آئندہ تم
اپنے راجکمار بھائی کے ساتھ جنگل میں جایا کرو"

"بہت اچھا پتا جی"

اور راجکماری پاروتی اپنے باپ کے ساتھ چلتی
شاہی محل میں داخل ہو گئی۔ اس کی سوتیلی ماں بڑے
کمرے میں چاندی کے بنے ہوئے دیوی کے بت کے
آگے کھڑی تھی۔ اس نے مسکرا کر پاروتی کو دیکھا اور
دور سے ہاتھ آگے بڑھا دیئے:

پاروتی نے ماریا سے کہا:

"یہ سب دکھاوا ہے ماریا۔ یہ میری سوتیلی ماں ہے
میری اور میرے بھائی کی جانی دشمن ہے۔ اس کا
ایک ہی لڑکا ہے جو چھوٹا ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ
کسی طرح میرے راجکمار بھائی کو قتل کرا کر اپنے بیٹے
کو راج گدی پر بٹھا دے اور یہ کسی ایسی ترکیب
کی تلاش میں ہے کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور
لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ـــــ"

ماریا نے کہا: "میں سمجھ گئی ہوں پاروتی ـــــ"

سوتیلی ماں یعنی راج رانی نے پاروتی کو سینے سے
لگا لیا اور کہا:

"بیٹی ! یہ تم کس سے باتیں کر رہی تھیں"

راجکماری نے مسکرا کر کہا: "کسی سے نہیں ماتا جی"

راج رانی نے کہا:

"مگر تمہارے ہونٹ ہل رہے تھے۔ میں نے خود دیکھے ہیں۔

کیا تم اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"نہیں تو ماتا جی!"

پاروتی نے کہا اور جب راج رانی اسے ساتھ لے کر شاہی محل کے اندر ہی بنے ہوئے چاندی اور ہاتھی دانت کے ایک چھوٹے سے مندر میں داخل ہوئی تو پاروتی تھوڑا سا پیچھے رہ گئی۔ اس نے سرگوشی کی۔

"دیکھا ماریا —— میری سوتیلی ماں کی نظر کس قدر تیز ہے۔"

"ہاں —— دیکھ رہی ہوں"

پاروتی کی سوتیلی ماں یعنی راج رانی نے پیچھے مڑ کر کہا

"پاروتی —— ادھر آؤ اور بھگوان کرشن کے آگے آرتی اتارو ——"

پاروتی کا اب ان باتوں پر عقیدہ نہیں رہا تھا۔ اسے بتوں کی پوجا سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔

لاہور میں ملنگ صاحب کی برکت سے پاروتی کے دل میں اسلام کی شمع آہستہ آہستہ روشن ہو رہی تھی۔ مگر ابھی اس نے کھل کر اسلام قبول نہیں تھا اور مجبور ہو کر اپنے ماں باپ کے مذہب پر قائم تھی۔

چنانچہ اس نے کانسی کی تھالی میں گھی کے چار دیئے روشن کئے۔ پھول رکھے۔ اور کرشن کی مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر تھالی کو مورتی کے سامنے گول دائرے میں چکر دیتے ہوئے اس کی آرتی اتارنے لگی

وہ رات ماریا نے شاہی محل کے ایک شاندار کمرے میں گزاری۔ راجکماری پاروتی کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔ وہ دروازہ بند کرکے باتیں کرتی رہیں۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ شہر میں گھوم پھر کر صبح عنبر اور ناگ کو تلاش کرنے جائے گی۔ پاروتی نے کہا:

"لیکن رات کو واپس شاہی محل میں ضرور آجانا۔ اگر عنبر ناگ تمہیں مل بھی گئے تو بھی شاہی محل میں آجانا بے شک ان کو ساتھ لے کر آجانا۔"

ماریا نے کہا: "تمہارے پاس نہیں آؤں گی تو اور کہاں جاؤں گی پاروتی —— تم تو اب مجھے سہیلی سے بڑھ کر اپنی بہن کی طرح پیاری ہو گئی ہو۔"

پاروتی نے کہا: "اچھا اب میں جاتی ہوں۔ خدا حافظ"
"خدا حافظ!"
جونہی راجکماری پاروتی ماریا کے کمرے سے باہر نکلی
ایک درباری جلدی سے دیوار کے ساتھ والے ستون
کے پیچھے ہو گیا۔ پاروتی شاہی محل کے برآمدے سے
گزر گئی۔ تو وہ آدمی ستون کے پیچھے سے باہر نکلا۔ اس کی
لمبی لمبی مونچھیں تھیں اور آنکھوں کے اوپر گھنی بھنویں تھیں
اس شاہی محل کے خاص نوکروں ایسا لباس پہن رکھا
تھا۔ پاروتی کے جانے کے بعد اس آدمی نے دروازے
کی درز میں سے اندر دیکھا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس نے
دروازے کو آہستہ سے اندر کو دھکیلا مگر دروازہ اندر
سے بند تھا۔ وہ حیران ہوا کہ جب اندر کوئی نہیں ہے
تو پھر دروازہ اندر سے کس نے بند کیا ہے؟
ضرور یہ وہی عورت ہوگی جس کے ساتھ پاروتی تنہائی
میں باتیں کر رہی تھی۔ اور وہ عورت اب چھپ گئی ہے
یہ آدمی بھاگ کر پاروتی کی سوتیلی ماں کے کمرے
میں آیا اور اسے ساری بات سنائی۔ رانی کے
ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے کہا:
"کیا تم نے خود کسی عورت کے ساتھ پاروتی

کو باتیں کرتے دیکھا ہے؟"
وہ درباری جاسوس بولا۔ "راج رانی! میں نے دیکھ
نہیں لیکن کمرے میں ایک عورت کی آواز ضرور سنی ہ
جو راجکماری پاروتی سے باتیں کر رہی تھی۔"
"پھر؟"
پھر جب راجکماری کمرے سے نکل گئی تو میں نے
درز میں سے جھانک کر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔
"پھر؟" راج رانی نے پوچھا۔
درباری جاسوس بولا:
جب میں نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا کہ
اندر جا کر خفیہ عورت کو تلاش کروں جو چھپ کر ہمارے
شاہی محل میں آگئی ہے تو دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند تھا
"کیا اندر سے کنڈی لگی تھی؟"
"ہاں راج رانی جی"
"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"
"بالکل سچ کہہ رہا ہوں راج رانی! اگر یقین نہ آئے
تو آپ خود کسی وقت چھپ کر اس خفیہ عورت کی آواز
سن سکتی ہیں۔ میرا خیال ہے کل رات اسی وقت راجکماری
پھر اسی کمرے میں جائے گی اور اس خفیہ عورت

سے باتیں کرے گی۔"

راج رانی بولی: "ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اور سنو۔ خبردار کسی سے بات نہ کرنا۔"

"جو حکم راج رانی جی!"

اور وہ درباری جاسوس تعظیم بجا لا کر راج رانی کے کمرے سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد راج رانی سوچ میں پڑ گئی کہ یہ راجکماری پاروتی چھپ چھپ کر کس عورت سے راتوں کو باتیں کرتی ہے؟ چونکہ راج رانی کے دل میں خود چور تھا اس لیے اسے شک ہوا کہ کہیں اسے اس کی سازش کا پتہ تو نہیں چل گیا ہے اور اس نے کہیں کسی ایسی عورت کو ایک کمرے میں بند تو نہیں رکھ لیا۔ جو چھپ چھپ کر راجکمار کی حفاظت کرے گی؟"

راج رانی نے راجکمار کو قتل کر کے اپنے بیٹے کو راج گدی پر بٹھانے کی جو خونی سازش تیار کی تھی اس میں اس کا ساتھی دربار کا وزیر بھی تھا۔ جس کو راج رانی نے یہ لالچ دیا تھا کہ اپنے بیٹے کو راج گدی پر بٹھانے کے بعد راجہ کا بھی کام تمام کر دے گی۔ اور پھر وزیر سے شادی کر کے اسے راجہ بنا دے گی۔ وزیر اس

جھانسے میں آ گیا تھا۔

راج رانی اسی وقت چھپ کر وزیر کے کمرے میں گئی۔ اور اسے جا کر ساری بات بیان کی۔ وہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ خفیہ عورت کون ہو سکتی ہے؟"

ماریا دریا میں کود گئی

راج رانی نے کہا:

"ہمیں کل رات خود اس معاملے کی تحقیق کرنی ہوگی۔ ہم چھپ کر اس کمرے میں دیکھیں گے۔ کہ راجکماری کس کے ساتھ باتیں کرتی ہے اور کیا باتیں کرتی ہے۔ اگر اسے کسی طرح ہماری سازش کا علم ہو گیا تو یہ بہت بُری بات ہوگی۔ ہمارا سارا کام چوپٹ ہو جائے گا۔"

وزیر نے کہا "راج رانی! آپ پریشان نہ ہوں آپ کو میرے ساتھ کمرے میں چھپنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود رات کو وہاں اکیلا چھپ کر بیٹھوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔

اگر کوئی باہر کی عورت ہوئی تو میں اسے وہیں قتل کر دوں گا۔"

راج رانی نے کہا کر: "راجکماری کو اس کا علم

نہیں ہونا چاہیے۔

ہرگز علم نہیں ہوگا۔ میں اس کے جانے کے بعد اس خفیہ عورت کو قتل کروں گا۔

راج رانی واپس چلی گئی۔

دوسری رات شام ہونے سے پہلے ہی وزیر ماریا کے کمرے میں دیوار کے بھاری پردوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ ماریا اس وقت پاروتی کے ساتھ باغ میں سیر کر رہی تھی۔ وہ سارا دن شہر میں گھومتی رہی تھی اور عنبر ناگ کی تلاش میں رہی تھی۔ اسے عنبر اور ناگ کہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔"

جب رات گہری ہو گئی تو ماریا نے پاروتی سے کہا کر

"میں اب اپنے کمرے میں جاتی ہوں"

پاروتی بولی: "کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

ماریا نے کہا:

"نہیں میں خود ہی چلی جاؤں گی۔ اب مجھے محل میں اپنے کمرے کا راستہ آ گیا ہے۔"

راجکماری پاروتی سے الگ ہو کر ماریا شاہی محل کے برآمدے سے گزرتی۔ سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ

کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ اس کے کمرے کی دیوار کے پردے کے پیچھے وزیر چھپا ہوا ہے۔

وزیر بھی چوکس ہو گیا تھا۔ پردے میں اس نے چھوٹا سا سوراخ کر لیا تھا جس میں سے اسے کمرے کا سارا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا دی۔

کیا دیکھتا ہے کہ دروازہ اپنے آپ کھل کر اپنے آپ بند ہو گیا ہے۔ پھر اپنے آپ ہی اس کی کنڈی لگ گئی وزیر ڈر گیا۔ حیران ہوا پریشان بھی ہوا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دروازے پر کنڈی لگانے والا نظر کیوں نہیں آتا۔؟

اس نے کان کھڑے کر لیے۔ اسے کمرے میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کمرے میں کونے والی شمع روشن تھی۔ اچانک دوسرے کونے والی شمع بھی اپنے آپ روشن ہو گئی یہ شمع ماریا نے روشن کی تھی کیوں کہ اسے کمرے میں اندھیرا سا لگ رہا تھا۔

ماریا پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی وزیر نے دیکھا کہ پلنگ کا گدیلا ایک جگہ سے نیچے ہو گیا ہے جیسے کوئی اس پر آ کر بیٹھ گیا ہے۔ ماریا کو ہلکی سی پیاس محسوس ہوئی پلنگ کے پاس ہی چاندی کی تپائی پر صراحی اور گلاس رکھا تھا۔

وزیر نے دیکھا کہ تپائی پر رکھا ہوا گلاس اپنے آپ اوپر کو اٹھا ہوا میں ایک جگہ پہنچ کر سیدھا ہو گیا۔ پھر پانی کی صراحی اپنے آپ اٹھی اور اس میں سے گلاس میں پانی گرنے لگا۔ گلاس بھر گیا تو صراحی واپس تپائی پر آ گئی۔ اور پھر گلاس ایک طرف کو جھکا اور اس کا سارا پانی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ جیسے کوئی غیبی حلق اس پانی کو پی گیا ہو۔ وزیر کا خوف کے مارے جسم ٹھنڈا پڑ گیا ضرور اس کمرے میں کوئی بھوت یا چڑیل آ گئی۔ ہے ماریا کو گرمی سی لگی وہ اٹھی اور کھڑکی کی طرف آ گئی

وزیر پردے کے سوراخ میں آنکھ لگائے برابر کمرے میں دیکھ رہا تھا۔ اب اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے سامنے کمرے کی کھڑکی اپنے آپ ہی کھل گئی اور تازہ ہوا اندر آنے لگی۔ اور ریشمی پردہ لہرانے لگا۔

"ہے بھگوان میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

اس کے منہ سے نکل گیا۔ اتنے میں کسی نے دروازے
پر دستک دی۔ وزیر چونکا ہو کر پردے کے سوراخ
میں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

دروازہ خود بخود کنڈی اترنے سے کھل گیا۔ اور
راجکاری پاروتی اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں
ایک سرخ سیب تھا۔

اس نے آتے ہی کہا!
دیکھو ماریا میں تمہارے لیے ایک بڑا
سیب میٹھا سرخ لائی ہوں"
وزیر کو ایک دوسری عورت کی آواز سنائی دی
"شکریہ پاروتی —— یہاں رکھ دو۔ میں
رات کو سونے سے پہلے کھاؤں گی۔
پاروتی نے کہا —"کیا کل صبح بھی عنبر ناگ کو تلاش
کرنے جاؤ گی ؟"
"ہاں ضرور جاؤں گی۔ مجھے سارے شہر میں انہیں
ڈھونڈھنا ہوگا۔ جب تک کہ مجھے یقین نہیں ہو جاتا
کہ وہ یہاں نہیں ہیں"
پاروتی نے کہا" میری دعا ہے کہ وہ تمہیں مل جائیں"
وزیر نے خفیہ عورت کی آواز سنی۔"

راج رانی کس حال میں ہے ؟
پاروتی نے کہا" ابھی اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی"
وزیر کے کان کھڑے ہو گئے۔ خفیہ عورت کی آواز
نے کہا!
"جب بھی کوئی ایسی ویسی بات ہوئی مجھے بتا دینا"
تمہیں سب سے پہلے بتاؤں گی۔ اچھا اب تم آرام
کرو۔ خدا حافظ!"
ماریا نے کہا۔ "خدا حافظ"
راجکاری جاتے جاتے رک گئی۔
"ماریا —— کیا تم چاندنی رات میں تھوڑی دیر شاہی باغ
کی سیر نہ کرو گی۔ ؟ آؤ تمہیں دکھاؤں"
چاندنی رات میں سفید مور ناچ رہے ہیں۔"
ماریا نے کہا! اچھا۔ تھوڑی دیر کو سیر کر لیتی ہوں"
اور وزیر نے دیکھا کہ راجکاری باہر نکل گئی۔ اس کے بعد
کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی یقیناً خفیہ عورت بھی اس
کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھی۔
وزیر نے موقع غنیمت جانا اور پردے کے پیچھے سے
نکل کر جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر آگیا
اس نے دروازہ بند کر دیا اور سیدھا راج رانی کے

کمرے کی طرف چلا۔ اس کا دماغ اس حیران کر دینے والے
واقعے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ راج رانی جاگ رہی تھی۔
وزیر نے پیغام بھجوایا۔ راج رانی نے فوراً اسے بلا
لیا۔ اور ساری کنیزوں کو کمرے سے نکال دیا۔ جب وہاں
تنہائی ہو گئی تو اس نے وزیر سے پوچھا

"کیا آپ نے کوئی نئی بات دیکھی وزیر صاحب؟"

وزیر نے لمبا سانس بھر کر کہا:

"راج رانی! میں نے ایک ایسی بات دیکھی ہے
جو اگر کوئی دوسرا آدمی دیکھ لیتا تو غش کھا کر گر پڑتا"

"کیا مطلب ہے آپ کا، آپ نے کیا دیکھا ہے"؟

راج رانی نے پوچھا۔ وزیر نے شروع سے آخر تک
جو کچھ دیکھا تھا۔ سارے کا سارا واقعہ بتا دیا۔ راج رانی
کا چہرہ بھی اتر گیا۔ وہ نظر آنے والے دشمن کو قتل بھی
کرا سکتی تھی۔ مگر جو دشمن نظر ہی نہ آتا ہو اس کے خلاف
کیا کارروائی کر سکتی تھی بھلا؟ وزیر نے کہا:

"یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہے جو راجکماری کی دوست
بن کر شاہی محل میں آ کر رہنے لگی ہے۔ وہ اس شہر
میں اپنے ساتھی بھوتوں کی تلاش میں آئی ہے۔ جن میں
سے ایک بھوت کا نام عنبر اور دوسرے بھوت کا نام

ناگ ہے۔"

راج رانی نے کہا: "مگر وہ راجکماری کی دوست کیسے
بن گئی۔؟"

وزیر نے کہا: "راجکماری کو جو دوپہر کو جنگل کی سیر
کرنے کی عادت ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا
ہے۔ شاید آپ نہیں جانتیں راج رانی کہ جنگل میں
دوپہر کے وقت چڑیلیں سیر کرنے نکل آیا کرتی ہیں وہ
یا تو اپنے سامنے آنے والے انسان کو کھا جاتی ہیں اور
یا پھر ان کی دوست بن جاتی ہیں مجھے یقین ہے کہ
راجکماری نے بھی جنگل میں دوپہر کو سیر کرتے وقت اسی
چڑیل کو اپنی دوست بنا لیا ہے۔"

راج رانی نے پوچھا۔ "کیا وہ میرے بارے میں
بھی کوئی بات کر رہی تھی؟"

وزیر بولا: "جی ہاں ـــ چڑیل نے خود پوچھا تھا
کہ راج رانی کا کیا حال ہے؟"

"پھر؟" راج رانی کے چہرے پر پریشانی تھی۔

وزیر نے کہا: پھر راج کماری نے کہا:
کہ ابھی تک راج رانی نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔

"پھر ـــ اس خبیث عورت نے کیا کہا؟"

اُس نے کہا کہ اگر وہ کوئی ایسی ویسی حرکت کرے
تو مجھے ضرور خبر کر دینا۔
راج رانی نے دونوں ہاتھ زور سے بھینچ لیے۔ اس کا
چہرہ غصّے سے سُرخ ہو رہا ہے۔
اس نے دانت پیستے ہوئے کہا:
"بہت بُرا ہوا۔ ہماری سازش کا راجکماری کو علم
ہو گیا ہے۔ مگر یہ کیسے ہوا؟"
وزیر نے کہا: "ہم نے تو کسی سے کوئی بات نہیں
کی۔ ہو سکتا ہے
راجکماری پاروتی نے کہیں سے کسی وقت
ہمیں محل میں باتیں کرتے سن لیا ہو"
راج رانی کہنے لگی:
"مگر اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔؟ اب تو
ایک غیبی عورت جو ہو سکتا ہے۔ چڑیل ہو اس کے
ساتھ ہے"
وزیر جو وہاں ڈر گیا تھا۔ یہاں راج رانی کے سامنے
سینہ پھلا کر بولا:
"مہارانی! آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ آخر میں
کس لیے ہوں؟"

راج رانی نے کہا: "آپ کیا کریں گے۔ آپ ایک
چڑیل کا کیسے مقابلہ کریں گے وزیر صاحب؟"
وزیر بولا: "میں چڑیل کا مقابلہ بھوت سے کروں گا"
"کیا مطلب؟" راج رانی نے تعجب سے
پوچھا۔
وزیر نے کہا: "آخر ہم نے راج دربار کے شاہی پروہت
کو کس لیے پال پوس کر اتنا موٹا کیا ہے اس کو بڑے
ٹونے ٹوٹکے یاد ہیں۔ وہ اپنے جادو کے زور سے اس
چڑیل کو قابو میں کر کے ضرور ہلاک کر دے گا"
راج رانی کا چہرہ ایکدم خوشی سے کھل اٹھا۔
"آپ نے بڑی اچھی ترکیب سوچی ہے وزیر صاحب
ہم ایسا ہی کریں گے۔ مگر شاہی پروہت کو یہی کہا جائیگا
کہ شاہی محل کے ایک کمرے میں کوئی بھوت آ گیا ہے
اس کو قابو میں کر کے نیست و نابود کر دیا جائے"
وزیر نے کہا "میں ابھی اس سے جا کر بات ہوں گا"
"لیکن یاد رکھیں۔ اس کے علاوہ اسے کسی بات کی خبر
نہ ہو" راج رانی نے کہا۔ "اور راجکماری پاروتی
کو بھی یہی کہا جائے کہ کسی نوکر نے اس کمرے میں
قدموں کے چاپ کی آواز سنی ہے اور اپنے آپ ہی ہوں

کو اوپر اٹھتے دیکھا ہے۔ اس لیے ہم بھوت کو
شاہی محل سے پاک کرنا چاہتے ہیں"
"ایسا ہی ہوگا۔ آپ گھبرائیں نہیں"
وزیر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ راجہ رانی کو علم نہیں
تھا۔ وزیر نے بھی اسے نہیں بتایا تھا۔ کہ اس نے شاہی
پروہت کو بھی اپنی خونی سازش میں شریک کر رکھا
تھا۔ اور وہ شاہی پروہت کے نجوم کے مشوروں سے
کوئی کام کرتا تھا۔ اس نے شاہی پروہت کو یہ لالچ دیا
تھا کہ وہ اسے راجہ بننے کے بعد اپنا وزیر بنا لے گا۔
اپنی خواب گاہ میں آتے ہی وزیر نے ایک ملازم
بھیج کر شاہی پروہت کو بلایا۔ شاہی پروہت اپنی باہر
کو نکلی ہوئی توند کو سنبھالتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور
جھک کر سلام کرکے بولا۔
"مہاراج نے کس لیے یاد کیا اس خاکسار کو؟"
وزیر نے ہاتھ کے اشارے سے شاہی پروہت کو بیٹھنے
کے لیے کہا۔
شاہی پروہت ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اتنا موٹا تھا
کہ اس کے بیٹھنے سے کرسی بھی بیٹھ گئی۔
وزیر نے کہا: "سنو شاستری جی!"

اور پھر اس نے شروع سے لے کر آخیر تک شاہی پروہت
کو بھی ساری کہانی بیان کر دی۔ شاہی پروہت کی
آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آ گئی۔
ساری بات سن کر اس نے کہا:
"منتری جی! یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔ میں
نے بڑے بھوتوں اور چڑیلوں کو ایک پل میں بھاگنے
پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ چڑیل تو میرے تالی بجانے سے
ہی بھاگ جائے گی"
"وزیر بولا: نہیں چڑیل کو بھگانا نہیں ہے بلکہ
اسے ہلاک کرنا ہے۔ کیا آپ اسے ہلاک کر سکتے ہیں؟
یاد رکھیں۔ اگر اس چڑیل کو ہلاک نہ کیا گیا تو نہ تو آپ
وزیر بن سکیں گے اور نہ ہی میں راجہ بن سکوں گا"
شاہی پروہت بولا "منتری جی! میرے پاس ایسا
ایسا منتر ہے کہ میں اسے پڑھ کر پھونکوں گا تو چڑیل
جہاں کہیں بھی ہوگی جل کر بھسم ہو جائے گی"
وزیر نے خوش ہو کر کہا: "یہی ہم چاہتے ہیں
اب آپ تیار ہو جائیں۔ ہم رات کے وقت جب سب
سو رہے ہوں یہ کام کریں گے"
شاہی پروہت نے کہا: "اس کے لیے رات کا

پچھلا پہر یعنی جب رات ڈھل رہی ہو تو ٹھیک رہیگا کیوں کہ جادو کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پچھلی رات کو چڑیلوں کی طاقت آدھی رہ جاتی ہے"

بالکل ٹھیک ہے۔ آپ اپنے سارے منتر یاد کر لیں اور رات کے پچھلے پہر کو میرے کمرے میں آ جائیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔ یہاں سے میں آپ کو محل کے اُس کمرے میں لے چلوں گا۔ جہاں چڑیل نے بسیرا کر رکھا ہے"

"کوئی بات نہیں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر میں رات کے پچھلے پہر یہاں پہنچ جاؤں گا۔"

شاہی پروہت چلا گیا تو وزیر سیدھا واپس راج رانی کے کمرے میں آ گیا۔ اس نے شاہی پروہت کے ساتھ جو باتیں ہوئی تھیں راج رانی کو بتا دیں۔ راج رانی نے کہا:

"یہ کام تم دونوں کو بڑی راز داری سے کرنا ہوگا اگر کسی کو پتہ چل بھی گیا تو یہی کہنا کہ شاہی محل کے اس کمرے میں کوئی بھوت آ گیا ہے تم اس کو نکال رہے ہو لیکن یاد رہے۔ اس چڑیل کو قابو نہیں کرنا بلکہ جلا کر راکھ کر دینا ہے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری — اور ہمارے لئے راستہ صاف ہو جائے"

بھگوان نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا راج رانی جی! اب میں جاتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے آپ کو چڑیل کے ہلاک کر دیئے جانے کی خوش خبری سناؤں گا"

راج رانی نے کہا: "میں آپ کی خوش خبری کا بے چینی سے انتظار کروں گی"

رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔

شاہی محل میں سب لوگ سو رہے تھے۔ صرف پہرے دار جاگ کر محل میں پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا بھی اپنے کمرے میں سو گئی تھی۔ اگرچہ اسے سونے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ لیکن شاہی محل میں چونکہ اسے آرام بہت تھا۔ اس لئے وہ سو گئی تھی۔

محل کی دوسری منزل کے برآمدے میں کہیں کہیں شمع جل رہی تھی۔ اس ہلکی روشنی اور ہلکے اندھیرے میں دو سائے ماریا کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان میں ایک وزیر تھا۔ اور دوسرا شاہی پروہت تھا۔ وزیر ماریا کے کمرے کے پاس آ کر رُک گیا۔ اس نے شاہی پروہت کے کان میں کہا:

"یہ ہے وہ کمرہ جس کے اندر بھوت یا چڑیل رہتی ہے جو ہماری دشمن ہے اور ہمارے راستے کی سب سے

بڑی رکاوٹ ہے"

شاہی پروہت نے کمرے کو اوپر سے لے کر نیچے تک
دیکھا پھر آہستہ سے بولا:

"منتری جی! مجھے اس کمرے کی چھت پر
جانا ہوگا، آپ بھی میرے ساتھ۔ میں نے اس کی چھت
دیکھی ہوئی ہے۔ وہاں ایک خفیہ روشندان بنا ہوا ہے۔
جس میں سے باہر کی تازہ ہوا کمرے میں آیا کرتی ہے"
اور شاہی پروہت وزیر کو ساتھ لے کر محل کی سیڑھیاں
چڑھ کر بادیا کے کمرے کی چھت پر آگیا۔ آسمان پر
تارے ٹمٹمانے لگے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔
کہیں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی آج سے ایک ہزار
سال پہلے اتنے کتے بھی نہیں ہوا کرتے تھے کہ وہ راتوں
کو بھونک بھونک کر لوگوں کی نیند حرام کریں۔

شاہی پروہت اپنے ساتھ ہینگ اور سیندھور
اور ہرمل بھی لایا تھا۔ اصل میں یہ ایک ایسا پروہت تھا
جس کو چڑیلوں اور بھوتوں کو قابو کرنے کے ٹونے یاد تھے
وہ کسی بھوت یا چڑیل کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو
اس نے وزیر کے سامنے یونہی ڈھینگ ماری تھی۔ کہ
وہ چڑیل کو جلا کر بھسم کر دے گا۔

اس نے وزیر سے کہا:

"اس کونے میں چھت کا روشندان ہے"

کونے میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا چوکھٹا لگا ہوا تھا
جس میں سنگ مرمر کی باریک جالی لگی تھی۔ شاہی پروہت
نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہی وہ روشندان ہے۔ میرے پاس
یہاں بیٹھ جائیں۔ میں منتر پڑھنے
لگا ہوں جب تک میں منتر پڑھوں
مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے"

یہ کہہ کر وزیر بھی شاہی پروہت کے ساتھ اندھیرے
میں بیٹھ گیا۔ شاہی پروہت نے آلتی پالتی ماری اور منہ
میں منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر تک وہ منتر
پڑھتا رہا۔ پھر اس نے دو پتھروں کو رگڑ کر اس میں سے
آگ پیدا کی۔ تھالی میں سیندھور، ہرمل اور ہینگ ڈالی
اور اوپر ایک سفید سفوف ڈال کر اس میں آگ لگا دی۔
تھالی میں سے بڑا تیز اور آنکھوں کو چبھنے والا دھواں
نکلنا شروع ہو گیا۔

شاہی پروہت نے روشن دان میں سے جھانک کر

نیچے دیکھا۔ کمرے میں شمع روشن تھی۔ اس کی روشنی
میں پلنگ خالی تھا۔ مگر اس پر ماریا سو رہی تھی جو کسی کو
نظر نہیں آ رہی تھی۔ پروہت نے تھالی میں سے جلتا
ہوا ہرمل اور سیندھور اٹھا کر جالی میں سے نیچے پھینک
دیا۔ اس وقت سچ مچ ماریا کی آنکھ لگ گئی تھی۔

کمرے میں ہرمل اور سفید سفوف کا بہت ہی
تیزی سے پھیلنے والا خطرناک اور کڑوا دھواں پھیل گیا
شاہی پروہت نے وزیر سے کہا:

اس دھوئیں کا بڑی سے بڑی چڑیل اور بھوت
مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ صرف دھواں ہی نہیں ہے بلکہ اس
میں میرے منتروں کا جادو بھی شامل ہو گیا ہے"

ماریا بے سُدھ ہو کر پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔
اچانک اس کو کھانسی آنے لگی۔ اس کی آنکھ کھلی تو
کمرے میں چاروں طرف دھواں بھرا ہوا تھا۔ یہ دھواں
اس قدر کڑوا اور زہریلا تھا کہ اس کا سانس لینا مشکل
ہو رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا دم گھٹ
رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہونے ہی والی تھی کہ اسے کمرے
کی کھڑکی کا خیال آ گیا۔ جو شاہی باغ کی طرف کھلتی تھی
ماریا سے اور کچھ نہ ہوا تو وہ پلنگ سے چھلانگ لگا کر

اٹھی اور اندازے سے سیدھی کمرے کی کھڑکی کی طرف
بھاگی۔ کھڑکی بند تھی اس نے زور سے کھڑکی پر ہاتھ ا
کھڑکی ٹوٹ گئی۔

اور ماریا نے کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا دی۔
کھڑکی دوسری منزل پر تھی۔ ماریا ہوا میں تیرتی ہوئی بڑے
آرام سے نیچے باغ میں گر پڑی۔ تازہ ہوا کی وجہ سے ا
کی سانس تھوڑی ٹھیک ہوئی تھی مگر ابھی تک ہرمل او
سیندھور کی وجہ سے اس کے جسم کے اندر جیسے کسی نے
آگ لگا دی تھی۔ اسے ٹھنڈے پانی کی ضرورت تھی۔ مگر
ٹھنڈا پانی وہاں کہیں بھی نہ تھا۔ اسے دریا کا خیال
آ گیا جو شاہی محل سے تھوڑے فاصلے پر بہتا تھا

ماریا زمین سے اچھلی اور دریا کی طرف اڑنے لگی
اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں اور اس کا جسم ایس
جل رہا تھا جیسے کسی نے اس کے خون میں آگ کے
انگارے بھر دیئے ہوں۔

اس نے اڑتے اڑتے اپنی رفتار تیز کر دی۔ سامنے
شہر کی فصیل آ گئی۔ اس نے شہر کی دیوار کو پھلانگا اور
باہر آ کر ستاروں کی روشنی میں تھوڑی سی آنکھ کھول کر
دیکھا کہ سامنے دریا دودھ کی نہر کی طرح بہہ رہا تھا۔

ماریا زمین سے دس فٹ کی بلندی پر اڑتی ہوئی دریا کی طرف تیز رفتاری سے آئی اور اس نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ دریا میں گرتے ہی اس کو ٹھنڈ پڑ گئی۔

شاہی محل کی چھت پر روشندان کے پاس بیٹھے بیٹھے شاہی پروہت اور وزیر نے کھڑکی کے ٹوٹنے کی آواز سنی تو ایکدم چونک پڑے۔

شاہی پروہت نے کہا:

"چڑیل کو آگ لگ گئی ہے۔ وہ کھڑکی توڑ کر باہر کو بھاگی ہے۔ وہ دریا کی طرف بھاگی ہوگی۔ مگر دریا پہ پہنچنے سے پہلے ہی جل کر بھسم ہو جائے گی۔"

وزیر نے جلدی سے اٹھ کر کہا:

"میرے ساتھ نیچے چلو"

ماریا کے کمرے سے سارا دھواں نکل چکا تھا۔ وزیر اور پروہت ٹوٹی ہوئی کھڑکی کو غور سے دیکھنے لگے۔ شاہی پروہت کے چہرے پر فتح مندی اور غرور تھا۔ اس نے وزیر کی طرف دیکھ کر کہا:

"منتری جی! ہمارے منتر کبھی خالی نہیں جاتے دیکھا۔ چڑیل کو کیسے بھگا دیا۔ وہ کھڑکی توڑ کر بھاگی

ہے۔ مگر وہ دریا کے راستے میں ہی جل کر بھسم ہو گئی آیئے چل کر دیکھتے ہیں"

وہ دونوں خاموشی سے محل سے باہر آ گئے۔

سب سے پہلے وہ شاہی محل کے ماریا والے کمرے کی کھڑکی کے نیچے آ گئے۔ وہاں گھاس پر کسی کے گرنے یا جلنے کا نشان نہیں تھا شاہی پروہت نے کہا

"چڑیل کو جب آگ لگ جاتی ہے تو وہ زمین سے بلند ہو کر ہوا میں اڑتی ہے۔ آیئے دریا تک اس کا سراغ لگاتے ہیں"

وزیر اور شاہی پروہت باغ میں سے گزر کر شہر کی فصیل کو ٹھیک اسی سیدھ میں پار کر کے دریا کی طرف چلے۔ اب صبح ہو رہی تھی اور پچھلے پہر کی روشنی میں ہر شے نکھر کر نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔

شاہی پروہت کی خوش قسمتی یہ کہیے کہ دریا کے کنارے ایک جگہ دو روز پہلے کچھ خانہ بدوش اپنا ڈیرا اٹھا کر کوچ کر گئے تھے۔ جہاں وہ آگ جلایا کرتے تھے وہاں زمین پر ابھی تک جلی ہوئی گھاس اور راکھ دیکھ کر نعرہ لگایا۔

"مہا منتری! یہ دیکھیے چڑیل جل کر یہاں بھسم

ہوئی تھی ۔"

وزیر نے جھک کر دیکھا تو واقعی وہاں جلی ہوئی گھاس اور راکھ پڑی تھی ۔ وہ بہت خوش ہوا ۔ اس نے شاہی پروہت کو بے اختیار گلے سے لگانا چاہا، مگر بیچ میں پروہت کا بڑھا ہوا موٹا پیٹ آ گیا جس کی وجہ سے وزیر اس کو گلے نہ لگا سکا ۔ صرف ان کے بازو ہی ایک دوسرے سے مل سکے ۔

" شاستری جی ! تم نے آج وہ کام کر دکھایا ہے کہ جس نے تمہیں میری اور راج رانی کی نظروں میں بے حد اونچا کر دیا ہے اور ہمارے راستے کے سارے کانٹے صاف ہو گئے ہیں ۔ آؤ چل کر راج رانی کو یہ خوش خبری سناتا ہوں " مگر تمہیں محل میں جاتے ہی الگ ہو جانا ہوگا ۔"

وہ دونوں وہاں سے واپس پلٹے اور فصیل کے دروازے میں سے گزر کر سیدھے راج محل میں راج رانی کے کمرے کے باہر آ کر رک گئے ۔ وزیر نے پہرہ دینے والی کنیز کے ہاتھوں اندر پیغام بھجوایا راج رانی بڑی بے چینی سے وزیر کے آنے کا انتظار کر رہی تھی ۔ بھلا اسے کہاں نیند آ سکتی تھی ۔ اس نے

کنیز سے کہا کہ وزیر صاحب کو فوراً اندر بلاؤ ۔ وزیر نے شاہی پروہت کو وہیں سے الگ کر دیا تھا ۔ کیونکہ اس نے راج رانی کو یہی کہہ رکھا تھا کہ شاہی پروہت ان کی خونی سازش میں شریک نہیں ہے ۔

راج رانی بے تابی سے ٹہل رہی تھی ۔

" کیا ہوا منتری جی ؟"

وزیر کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر کچھ حوصلہ ہو گیا تھا ۔ وہ کہنے لگا :

" راج رانی کی جے ہو ۔ شاہی پروہت کے منتروں نے شاہی محل میں گھسی ہوئی چڑیل اور ہماری دشمن کو جلا کر بھسم کر ڈالا ہے ۔"

راج رانی نے جلدی سے پوچھا ۔

" کیا آپ نے اس کی جلی ہوئی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ؟"

" جی ہاں راج رانی ___ میں نے اپنی ان آنکھوں سے چڑیل کی لاش کی راکھ اور اس کے جسم کی جلی ہوئی ہڈیاں اور بھسم ہوئی کھال دیکھی ہے ۔ وہ تو جل کر ایسی راکھ ہو گئی ہے کہ اب کسی جنم میں بھی زندہ نہ ہو سکے گی ۔"

راج رانی نے سکھ کا سانس لیا اور بولی ۔

وزیر صاحب! آپ نے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے مگر ہمیں راجکماری کی حرکتوں پر کڑی نظر رکھنی ہوگی، ہو سکتا ہے آگے چل کر وہ ہمارے لیے کوئی اور مصیبت کھڑی کر دے۔ کیوں کہ اس کو ہماری خونی سازش کا علم ہو چکا ہے۔

وزیر نے کہا: آپ بالکل بے فکر رہیں راج رانی جی! میں اسے ایک پل کے لیے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔ اب اجازت دیجیے۔ اور آپ آرام سے سو جائیے۔"

یہ کہہ کر وزیر راج رانی کی خواب گاہ سے نکل گیا۔ ادھر ماریا کی جب دونوں آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ وہ دریا کی لہروں پر بہتی چلی جا رہی ہے۔
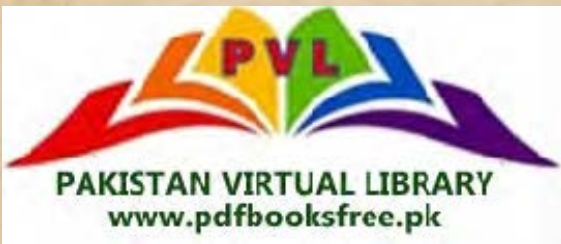
مغرور قیدی
ہینڈز اپ
شاہی تاج کی چوری
خونی راز
پیرس کے جاسوس
کے جی بی کے جاسوس
موت کی چٹانیں

سیاہ کفن پوش بلا
اے حمید
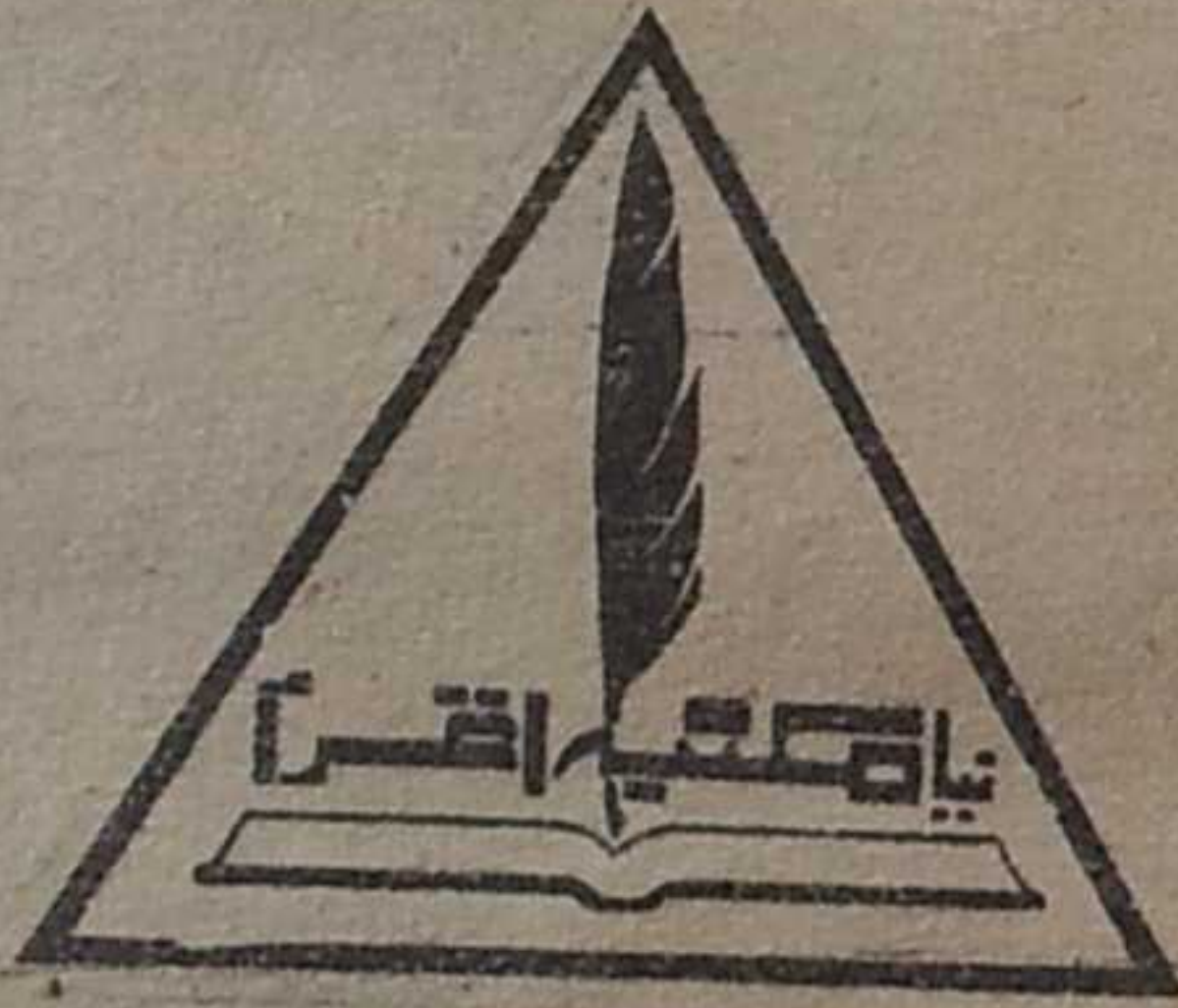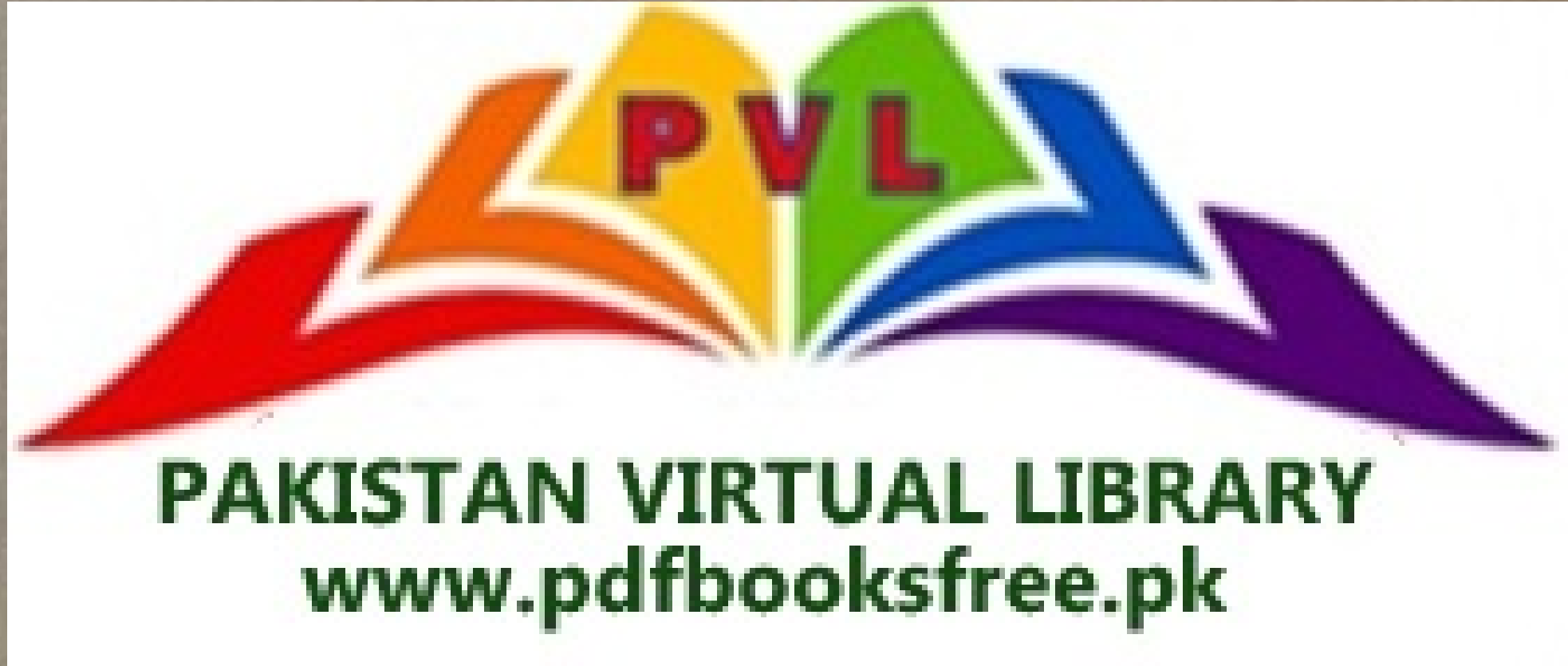
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

سیاہ کفن پوش بلا

اے۔ حمید

قیمت: ۵۰/- روپے

بار اول ——

ناشر: نیا مکتبہ اقرا۔ ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے بچو! سلام خلوص!

عنبر ناگ ماریا کی قسطوں کو آپ جس محبت اور دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہے ہیں اور مجھے خلوص بھرے معصوم خط لکھ رہے ہیں اس کے لیے میں آپ سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں مجھ سے میرے دوست اکثر پوچھتے ہیں کہ عنبر ناگ ماریا آپ کے امریکہ کے دورے کے بعد دلچسپ ہو گیا ہے اس کا مقصد ہے میں اس کے جواب میں صرف یہی کہوں گا کہ خود عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا سفر بے حد دلچسپ ہو گیا ہے کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بھی کہا کرتا ہوں کہ مجھے تو عنبر ناگ ماریا خود اپنے سفر کا حال لکھواتے ہیں میں خود نہیں لکھتا اس لیے جوں جوں ان کی واپسی کا سفر پراسرار اور دلچسپ ہو رہا ہے میری قسطیں بھی مزے دار اور دلچسپ ہو رہی ہیں مثلاً اس بار عنبر ناگ ماریا۔ اور کیٹی چاروں ہی ایک سیاہ کفن پوش بلا کے پنجے میں جکڑے جاتے ہیں سارے سفر میں یہ پہلی بار ایسا ہوتا ہے کہ چاروں دوست ایک جگہ قید ہو جاتے ہیں بے بس ہو جاتے ہیں ان کی ساری طاقتیں ختم کر دی جاتی ہیں پھر ان کے ساتھ کیا گزرتی ہے۔ یہ آپ خود پڑھیں گے تو معلوم ہو گا۔

آپ کا دوست

اے حمید
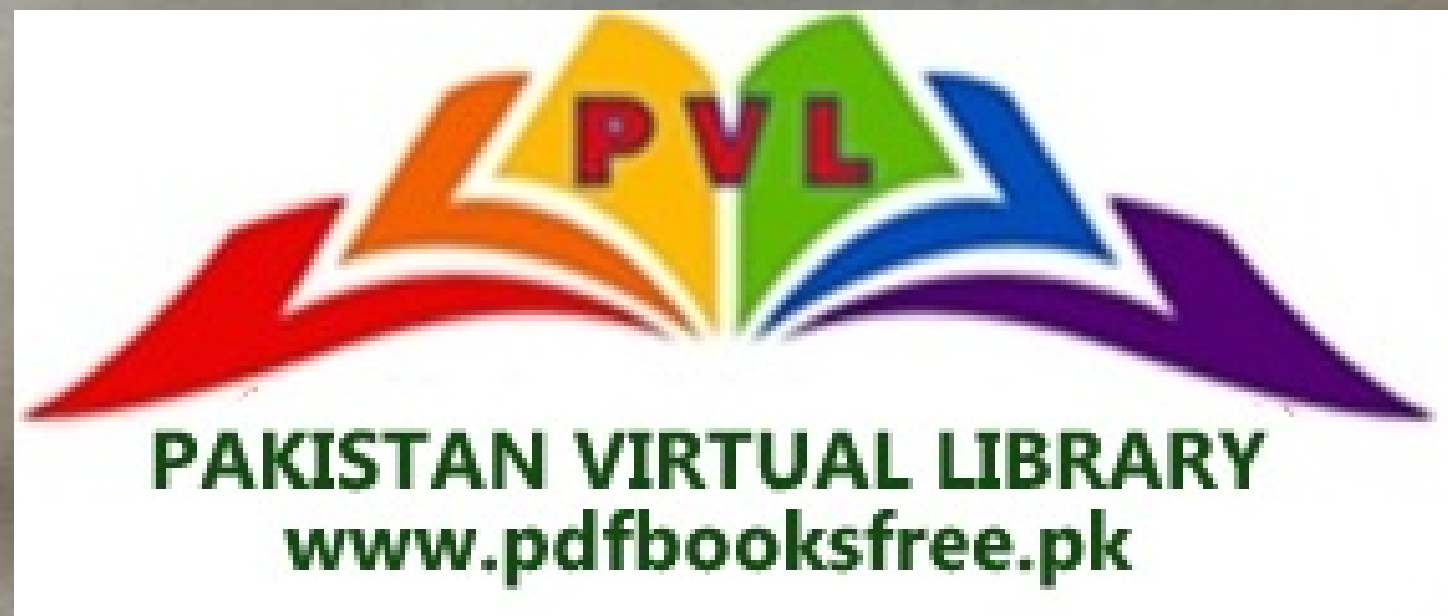
فہرست

ٹوٹا ہوا، عبرانی جادوگر

ماریا دریا میں سے نکل کر دریا پر آ گئی۔

شاہی پروہت کے ہربل اور لوبان کے دھوئیں کا اب اس کے جسم پر کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا رات ڈھل رہی تھی، وہ سیدھی راج کماری۔ پاروتی کے محل کی طرف چل پڑی اسے معلوم تھا کہ اُس کی سوتیلی ماں راج رانی اور وزیر اعظم ملک کے شاہی پروہت کے ساتھ مل کر راج کماری اور اس کے راج بھائی کے خلاف سازش کر رہی ہے تاکہ وہ انہیں ہلاک کر کے اپنے بیٹے کو تخت پر بیٹھا دے۔

ماریا نے راج کماری پاروتی کے محل میں جا کر اُسے جگایا اور سارے واقعات بتائے کہ اسے چڑیل سمجھ کر شاہی پروہت اور وزیر اعظم نے راج رانی کے اشارے پر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی

راج کماری پاروتی نے کہا۔

"میری سوتیلی ماں اچھا کام نہیں کر رہی۔ کیونکہ مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے خود اس میں گر جاتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

لیکن تمہاری سوتیلی ماں کو یہ بات یاد نہیں رہی وہ راج گدی اپنے بیٹے کو دلانے کے لیے پاگل ہو رہی ہے اور تمہارا اور تمہارے بڑے راجہ بھائی کا خون کرنا چاہتی ہے۔

پاروتی بولی۔

خدا دیکھ رہا ہے وہ بُرے آدمی کا کبھی ساتھ نہیں دیتا اور برائی کرنے والے کو ہمیشہ ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب پاروتی کو سوتیلی ماں راج رانی کو یقین ہو گیا کہ پُراسرار چڑیل کو ہلاک کر دیا جا چکا ہے تو اس نے دوسری رات سازش کر کے ایک غلام کو راجہ کے قتل کرنے کے لیے بھیجا اتفاق سے اس روز راجہ شکار کھیلنے چلا گیا۔ غلام نے راج رانی سے کہا کر جونہی راجہ شکار سے واپس آئے گا وہ اُسے قتل کر دے گا۔

ایک ہفتے بعد راجہ رات کے وقت شکار کھیل کر واپس آیا

تو راج رانی یعنی راجہ کی سوتیلی ماں اس کے کمرے میں آکر اُسے دعائیں دینے لگی کہ وہ خیریت سے واپس آگیا ہے اس رات راجہ کی سوتیلی ماں اُس سے دیر تک باتیں کرتی رہی۔ راج رانی کو نیند آگئی۔ اور زیادہ رات گزر جانے کی وجہ سے وہ وہیں راجہ کے محل میں ہی پلنگ پر سو گئی۔

اس رات غلام خنجر لے کر راجہ کو قتل کرنے اس کے محل میں داخل ہوا اس وقت راجہ دوسرے کمرے میں سو رہا تھا اور راجہ کے پاس ہی جو پلنگ بچھا تھا اس پر اس کی سوتیلی ماں سو رہی تھی محل میں اندھیرا تھا غلام یہ سمجھا کہ پلنگ پر راجہ سو رہا ہے اس نے جاتے ہی حملہ کر دیا اور راجہ کی بجائے راج رانی کو قتل کر دیا راج رانی کی چیخوں سے راجہ اور دربان جاگ اُٹھے غلام کو پکڑ لیا گیا۔ راج رانی مر چکی تھی دربانوں نے غلام کو بھی ہلاک کر ڈالا

صبح سارے ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ راج رانی قتل ہو گئی ہے غلام نے مرتے مرتے سارا راز فاش کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ اسے راج رانی نے راجہ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا اور اس سازش میں وزیر اعظم اور شاہی پروہت بھی شریک ہیں۔

راجہ اور پاروتی اس وقت وزیر اعظم اور شاہی پروہت

کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھجوا دیا اور راج سکون سے
راج کرنے لگا۔

ماریا نے راج کماری سے کہا۔

پاروتی اب مجھے اجازت دو تاکہ میں اپنے بھائی عنبر
ناگ اور بہن کیٹی کی تلاش میں نکلوں۔

پاروتی نے اداس آنکھوں کے ساتھ ماریا کو رخصت کیا۔
وہ آدھی رات کو ماریا کو چھوڑنے محل کے پچھلے دروازے
تک آئی۔ ماریا کو اس نے ایک کالا گھوڑا دیا جس پر سوار ہو کر
ماریا پاروتی کے شاہی محل سے نکل کر دریا کے ساتھ ساتھ
روانہ ہو گئی۔

اس وقت ناگ زتلام شہر کے قریب قلعے پانڈی چری کے
پاس باؤلی کے نیچے شہزادی سلومی کی قید میں بادشاہ بنا بیٹھا
ہے اور پراسرار موکلہ کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا ہے
دوسری طرف عنبر بزرگ کی ہدایت پر افریقہ کے جنگلوں کی طرف
چلا جا رہا ہے۔ کیونکہ بزرگ نے اسے کہا ہے کہ ان جنگلوں میں
ہی اس کی ملاقات ماریا یا ناگ سے ہوگی۔

کیٹی خانہ بدوش عورت کے بھائی کے ساتھ قرطبہ کی طرف
جانے کی تیاریاں کر رہی ہے اسے دھڑکتی کتاب کی سرگوشی کے
مطابق سرخ محل میں شہزادوں کی تلاش کرنا ہے۔ جو کسی

پراسرار جگہ پر کسی ان جانی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔
جب اس نے دھڑکتی ہوئی کتاب کو غار سے باہر نکل کر چاندنی
رات میں دیکھا تھا تو اس کے اندر سے سرگوشی کی آواز آئی تھی۔
"شہزادے۔ سرخ محل۔ مدد کرو۔
کتاب میں ایک عورت کی آنکھ تھی جس کی پلکوں پر زرد سونے
کا برادہ چھڑکا ہوا تھا کیٹی اس سرخ محل کا پتہ چلانا چاہتی تھی
جہاں شہزادوں کا کوئی گہرا راز تھا اور وہ کسی کی مدد چاہتے
تھے۔ کتاب میں یہ بھی اشارہ دیا گیا تھا کہ یہ سرخ محل ایک سیاہ
پہاڑ کے دامن میں ہے اور اس کے اندر جو محل ہے اس میں
بارہ ستون ہیں اور شیر کا فوارہ ہے خلائی لڑکی کیٹی نے یہ سبز
مخمل والی پرانی کتاب اور اس کا تعویذ صندوق میں دوبارہ بند
کر کے غار کے اندر گڑھے میں رکھ کر اوپر پتھر لگا دیئے تھے
اور خود سیاہ پہاڑ اور سرخ محل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی
تھی راستے میں اسے ایک خانہ بدوش عورت مل گئی تھی جس کو
کیٹی نے اپنا نام میڈونا بنایا تھا۔ خانہ بدوش عورت کے بھائی
کا نام رچرڈ تھا اور وہ دونوں یہ کیٹی کو اپنے ساتھ لے جا رہا
تھا۔ وہ قرطبہ جا رہا تھا اسے راستے میں کیٹی کو طلیلی نام کے
گاؤں کے قریب چھوڑ دینا تھا کیونکہ خانہ بدوش عورت کے کہنے
کے مطابق سیاہ پہاڑ اور سرخ محل کے کھنڈرا

قریب تھی کیٹی کی چٹکی کی طاقت وقتی طور پر ایک بار پھر ختم ہو گئی تھی
وہ چٹکی بجا کر کچھ نہیں بن سکتی تھی اور اس کی نیلی آنکھیں جو کہ
ہی تھیں جس کے بارے میں کیٹی نے خانہ بدوش عورت اور اس
کے بھائی کو یہ بتایا تھا کہ اس کی آنکھیں پیدائشی طور پر ہی ایسی
ہیں۔"

چنانچہ ایک روز شام کے وقت وہ خانہ بدوش رچرڈ کے
ریڑھے میں بیٹھ کر قرطبہ کی طرف روانہ ہو گئی اس علاقے میں۔
دن کے وقت سخت گرمی پڑتی تھی۔ اس لیے لوگ زیادہ تر راتوں
کو سفر کرتے تھے ساری رات سفر کرنے کے بعد صبح کے وقت
یہ لوگ ایک سیاہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ رچرڈ نے کہا۔
یہی وہ سیاہ پہاڑ ہے جس کا تم ذکر کرتی ہو اس کے پاس
ہی طلیلی گاؤں ہے اور سرخ محل کے کھنڈر دوسری جانب
ہیں تم اس ویرانے میں جا کر کیا کرو گی۔
میڈونا! کیا تم میرے ساتھ قرطبہ نہیں چلو گی۔
کیٹی نے کہا۔
نہیں بھائی رچرڈ۔
رچرڈ نے ناراض ہو کر کہا۔

خبردار جو مجھے بھائی کہا۔ اب تم یہاں اتر جاؤ۔ جلدی کرو۔
کیٹی نے مسکراتے ہوئے ریڑھے پر سے نیچے چھلانگ لگا دی۔
خانہ بدوش رچرڈ آگے روانہ ہو گیا۔ کیٹی سیاہ پہاڑ کی طرف چل
پڑی۔ سیاہ پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہا تھا کیٹی کئی تنگ و تاریک
راستوں پر سے گزرتی ہوئی پہاڑ کی دوسری طرف پہنچی تو اسے ایک
بہت بڑے پرانے محل کے کھنڈر دکھائی دیئے۔

پیارے بچو۔ سپین پر مسلمانوں نے نو سو سال حکومت کی تھی۔
مسلمانوں کی تاریخ میں یہ ایک سنہری دور تھا اور مسلمانوں نے سائنس
طب اور فلسفے میں بڑا یادگار کام کیا مگر آخر مسلمانوں کی یہ عظیم
الشان سلطنت آپس کی پھوٹ کی وجہ سے تباہ ہو گئی۔ کیونکہ
مسلمانوں نے اخوت یعنی یہ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کے
سنہری اصول کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی بجائے انہوں
نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مصری مسلمان مصری ہیں۔ میں شام
کا مسلمان ہوں تو میں شامی ہوں۔ یمن کا مسلمان یہ کہتا کہ میں یمنی
کا ہوں انہوں نے ایک دوسرے کو مسلمان کہنے کی بجائے، مصری
شامی۔ یمنی اور عربی کہنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ان میں
پھوٹ پڑ گئی۔ یورپ کے عیسائی تاک میں بیٹھے تھے
یعنی سپین پر مسلمانوں کی حکومت ان کی آنکھوں میں
کھٹکتی تھی۔ اب جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں

پڑ گئی ہے تو انہوں نے اس پھوٹ اور نا اتفاقی کا فائدہ اٹھایا اور سپین کے غدار مسلمانوں کو ساتھ ملا کر حملہ کر دیا اور پھر سپین پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے اس بُری طرح سے نکال دیا کہ آج وہاں ایک بھی مسلمان نہیں ہے چنانچہ قرطبہ میں مسلمان بادشاہوں کی بنائی ہوئی ایک بہت بڑی مسجد قرطبہ بھی سپین میں موجود ہے جہاں جا کر علامہ اقبال نے خاص اجازت لے کر نماز پڑھی تھی

چنانچہ کیٹی نے جس محل کے کھنڈر کو دیکھا وہ بھی سپین کے قدیم مسلمان بادشاہوں کا بنایا ہوا تھا مگر اب وہاں خاک اڑتی تھی۔

محل کے دروازے کے باہر سنگ مرمر کا ایک شیر کا بت بنا ہوا تھا کیٹی محل کے کھنڈر میں داخل ہو گئی آگے ایک اجڑا ہوا باغ تھا جس کی روشوں پر سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے۔

محل کے درمیان میں بھی ایک باغ تھا اس باغ میں بھی جگہ جگہ جنگلی گھاس اُگی ہوئی تھی اور ہر طرف ویرانی برس رہی تھی۔

اچانک کیٹی کی نظر درمیان میں بنے ہوئے فوارے پر پڑی۔ اس فوارے کے درمیان میں بھی ایک سُرخ شیر بنا ہوا تھا۔ یہاں [illegible] کچھ آس پاس بارہ ستون کھڑے تھے اور محل کی دیواریں [illegible] سُرخ تھا یہی وہ جگہ تھی جس کا اشارہ دھڑکتی

ہوئی کتاب کی آواز نے کیا تھا کتاب میں سے نکلتی سرگوشی نے کیا تھا۔

شہزادے؛ سرخ محل۔ مدد کرو۔

کیٹی اب اس راز کو حل کرنا چاہتی تھی کہ سرخ محل کے وہ شہزادے کون ہیں جن کو اس کی مدد کی ضرورت ہے۔ کیٹی فوارے کے پاس بیٹھ گئی اس نے دیکھا کہ محل کی سرخ ڈھلائی چھتوں کے نیچے گول برآمدے کے سُرخ ستونوں پر جگہ جگہ شیروں کے بُت بنے ہوئے تھے کونے پر ایک بُرج تھا۔ جس کے دو ستون ٹوٹے ہوئے تھے دیواروں پر سُرخ اور سیاہ ٹائیلیں جگہ جگہ سے لوگ اکھاڑ کر لے گئے تھے فوارے کے حوض میں بھی پانی بالکل نہیں تھا اور خشک سُوکھے پتے ہوا میں اُڑ رہے تھے۔

کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد کیٹی اُٹھ کر محل کے اندر چلنے پھرنے لگی سارے کا سارا محل ویران تھا اور اس کے فرش کا سنگ مرمر اکھڑ چکا تھا محرابی چھتوں میں سوراخ پڑے ہوئے تھے ان جگہوں پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے جو دشمن فوجیں اکھاڑ کر لے گئی تھیں۔

محل کی تاریک سیڑھیوں میں مکڑیوں نے جالے بن [illegible] ایک جگہ شاہی حمام بنا ہوا تھا۔ یہاں کبھی بادشاہ [illegible]

کرتے تھے مگر اب وہاں چھت کے ساتھ چمگادڑ الٹے لٹکے ہوئے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ ہمیں عبرت کا درس دیتی ہے۔ تاریخ ہمیں سب سے بڑا درس یہ دیتی ہے کہ سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے فانی ہے بادشاہ آتے ہیں مر جاتے ہیں محل آباد ہوتے ہیں اور اجڑ جاتے ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھے اور اللہ ہی کے ساتھ اپنا معاملہ رکھے اسی کے آگے سجدہ کرے۔ اسی سے جو مانگنا ہے مانگے اور اسی کے آگے اپنی بخشش کی دعا مانگے۔

کیٹی ان ہی خیالوں پر غور کرتی محل کی چھت پر پہنچ گئی۔ محل کی دوسری جانب زیتون اور انجیر کے درختوں کے باغ تھے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ان کی دھندلی روشنی میں ان گہرے سبز باغوں میں کبھی کبھی کسی بلبل کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

شام ہونے لگی کیٹی وہاں سے جا نہیں سکتی تھی کیونکہ اس نے شہزادے اور سرخ محل کا معمہ حل کرنا تھا اور اسی معمے کو حل کرنے کے لیے اس نے اتنا لمبا اور مشکل سفر طے

[illegible]ندھیرا چاروں طرف پھیل گیا پھر رات ہو گئی محل

پر سناٹا اور تاریکی چھا گئی۔ محل کے پیچھے کے انجیر اور زیتون کے باغ چپ ہو گئے جیسے درختوں نے سانس روک لیے ہوں شیر اور بارہ ستونوں والا فوارہ دھندلا نظر آنے لگا۔ کیٹی فوارے کے سامنے ایک ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ خاموش رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھا جانے کی وجہ سے کوئی ستارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور سوکھے پتے ویران باغ اور خشک حوض میں اڑنے لگے ان پتوں کی سرسراہٹ سے ایسا لگتا کہ جیسے نیک روحیں آپس میں سرگوشیاں کر رہی ہوں۔

آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔

کیٹی کو گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی وہ ستون کے پاس بیٹھی تھی یہ آواز سن کر چوکنی ہو گئی آواز محل کے اندر شیر کے فوارے والے حوض کی طرف سے آ رہی تھی کیٹی اٹھ کر ستون کے پیچھے چھپ گئی وہ سوچنے لگی کہ آدھی رات کے بعد اس ویران محل میں کون گھوڑ سوار آ سکتا ہے۔

اس کی نظر محل کے بڑے دروازے کی طرف لگی تھی۔

کیا دیکھتی ہے کہ ایک گھوڑ سوار سیاہ گھوڑے پر سوار سیاہ لباس پہنے منہ اور سر سیاہ ریشمی رومال میں چھپائے درواز[illegible] میں سے نکل کر گھوڑے کو دلکی چال چلاتا فوارے کی طرف [illegible]

فوارے کے پاس آ کر وہ رُک گیا اور محل کی طرف دیکھنے لگا
پھر اس نے فوارے کے حوض کے گرد گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے
ایک گول چکر لگایا اور ایک بار پھر محل کی طرف دیکھنے لگا۔
کیٹی ستون کے پیچھے چھپی ہوئی تھی وہ بھی محل کی طرف
دیکھنے لگی۔ محل کے دروازے میں روشنی ہوئی اور کیٹی
نے دیکھا کہ ایک جلاد کالے کپڑے پہنے۔ ایک ہاتھ میں کلہاڑا
اٹھائے اور دوسرے ہاتھ میں جلتا ہوا چراغ لئے چلا آ رہا ہے
گھوڑ سوار کے پاس آ کر اس نے سر جھکا کر تعظیم کی۔ گھوڑ
سوار نے اشارہ کیا اور آگے چلا۔ جلاد اس کے پیچھے پیچھے چلنے
لگا۔

جب وہ ذرا آگے نکل گئے تو کیٹی بھی ان کے تعاقب میں
لگ گئی۔ گھوڑ سوار نے محل کے مشرقی دروازے پر جا کر گھوڑا
ایک ستون کے ساتھ کھڑا کر دیا خود گھوڑے سے اُترا اور جلاد
کو ساتھ لے کر مشرقی دروازے میں داخل ہو کر ایک ڈھلانی راستہ
اُترنے لگا۔

کیٹی بھی پیچھے پیچھے تھی۔ ڈھلانی راستہ چوڑا تھا۔ لگتا تھا
کہ یہاں سے ہاتھی نیچے تہہ خانوں میں جایا کرتے تھے۔ عربی گھوڑ
[illegible] اور جلاد ہاتھیوں کے اصطبل سے گذر کر ایک تہہ خانے
[illegible] اس تہہ خانے کے درمیان میں ایک کنواں تھا جس

کا منہ بہت بڑے پتھر سے بند تھا گھوڑ سوار نے اشارہ کیا
اور پتھر پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری پتھر اپنے آپ پرے
ہٹ گیا۔

کنوئیں کے اندر سے دردناک آوازیں آئیں۔
اے خدا ہمارے گناہ معاف کر دے ہماری روحوں
کو بخش دے۔

گھوڑ سوار نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔
"یہ مسلمان شہزادوں کی روحیں ابھی تک اپنے خدا کو
یاد کر رہی ہیں۔ کنوئیں میں آگ لگا دو۔"

جلاد نے جلتے ہوئے چراغ کو کنوئیں کی منڈیر پر رکھ کر
اُس نے کلہاڑا مارا چراغ دو ٹکڑے ہو کر کنوئیں کے اندر گر
پڑا اور کنوئیں میں آگ لگ گئی اس کے ساتھ ہی کنوئیں کے اندر
سے مسلمان شہزادوں کی چیخیں بلند ہونے لگیں گھوڑ سوار
نے دوبارہ منتر پڑھ کر پھونک ماری بھاری پتھر دوبارا کنوئیں
کے اُوپر آ گیا۔ گھوڑ سوار نے جلاد کو ساتھ لیا اور تہہ خانے
سے باہر نکل گیا۔

کیٹی یہ سارا تماشہ ایک ستون کے پیچھے چھپی دیکھ رہی تھی
جب گھوڑ سوار اور جلاد وہاں سے نکل گئے تو وہ لپک کر [illegible]
کے پاس آئی کنوئیں میں سے شہزادوں کی چیخوں کی [illegible]

آوازیں آ رہی تھیں کنوئیں کا پتھر اتنا بھاری تھا کہ کیٹی اسے
نہیں اُٹھا سکتی تھی۔

اس نے بہت کوشش کی مگر پتھر تو چٹان کا ٹکڑا تھا اور
اتنا بھاری کہ ذرا سا بھی نہیں ہلتا تھا کیٹی نے چٹکی بجائی اور
کہا۔

"میرے دوست جن! تمہارا کیا فائدہ اگر تو اس وقت
میرے کام نہ آیا۔ ٹھیک ہے چٹکی بجانے سے میں اپنی
شکل تبدیل نہیں کر سکتی مگر کم از کم یہ پتھر پرے ہٹا
دے۔

اس وقت جن کی آواز آئی۔

"کیٹی! خدا کا نام لے کر اس پتھر کو اپنی جگہ سے اٹھا

کیٹی نے کہا۔

کیا یہ اپنی جگہ ہٹ جائے گا۔

جن کی آواز نہ آئی۔ وہ جا چکا تھا کیٹی نے کنوئیں کے پتھر
کو ذرا سا زور لگایا اور اپنی جگہ سے ہل گیا۔ پتھر کے ہٹتے ہی
کنوئیں میں سے آگ کی روشنی باہر آنے لگی اور شہزادوں کی
رو[illegible] سنائی دیں۔

"[illegible]ے گناہ معاف کر دے۔ ہماری روحوں

[illegible]

کیٹی نے کنوئیں کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

میں تمہاری مدد کرنے کے لیے آئی ہوں مجھے بتاؤ
میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟

شہزادے کی ایک روح نے کہا۔

"اے نیک لڑکی! اس سُرخ محل کے پیچھے زیتون
اور انجیروں کا باغ ہے اس باغ میں ایک ٹوٹا ہوا
بُرج شمال کی طرف ہے اس بُرج میں سے تیسرے
سُتون کے پاس پتھر کے نیچے ایک صندوقچہ دفن ہے
اس صندوقچے میں ایک نقش چاندی کے پترے پر بنا
ہوا ہے اس نقش کو لا کر اس کنوئیں میں پھینک دو
خدا ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔

کیٹی نے کہا۔

میں نقش لینے جا رہی ہوں۔

اور کیٹی تہہ خانے سے نکل کر رات کے اندھیرے میں سُرخ
محل کے پیچھے انجیر اور زیتون کے باغ میں آ گئی۔ یہاں شمالی
جانب ایک پُرانا بُرج تھا جس کے تین ستون تھے۔ تیسرے ستون
کے نیچے کیٹی نے ایک پتھر اُبھرا ہوا دیکھا اُس نے پتھر کو کھینچا
تو نیچے گڑھے میں ایک صندوقچہ مِلا کیٹی نے صندوقچے کو کھولا
اُس میں سے ایک چمگادڑ چیختا ہوا اڑ گیا۔

کیٹی نے صندوقچے میں چاندی کا ایک تکونا پترا اٹھایا اس
پر عبرانی زبان میں ایک نقش بنا ہوا تھا پرانے زمانے میں
عبرانی جادوگر اس قسم کے طلسم بنایا کرتے تھے کیٹی نقش لے
کر بھاگ کر تہہ خانے میں واپس آ گئی اور اس نے نقش کو
کنوئیں میں پھینک دیا اس کے ساتھ ہی کنوئیں میں جلتی ہوئی آگ
بجھ گئی۔

پھر کنوئیں میں گہری پر سکون خاموشی چھا گئی تھوڑی دیر بعد
کنوئیں میں سے دو انسانی ہیولے باہر نکل آئے ان ہیولوں نے
عربی لباس پہن رکھے تھے اور ان کے چہروں پر روشنی تھی
وہ دونوں شہزادے لگ رہے تھے کیٹی ان کی طرف دیکھ رہی
تھی دونوں شہزادے کنوئیں کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے
ایک شہزادے نے کہا۔

نیک دل لڑکی خدا نے ہمارے گناہ معاف کر دیئے
اور تمہیں ہمارے پاس بھیج دیا۔

کیٹی نے پوچھا۔

تم نے کیا گناہ کیا تھا شہزادے۔

شہزادہ بولا۔

ہم [illegible] بھائی ہیں نیک دل لڑکی۔ ہم بڑے اچھے
[illegible] ایک برائی تھی کہ ہم اپنے ماں باپ

کی نافرمانی کرتے تھے ہم نے اپنے ماں باپ کا حکم
کبھی نہیں مانا تھا اور ہمیشہ ان کی بے ادبی کی تھی۔
چنانچہ ہمیں اس کی سزا ملی اور مرنے کے بعد ایک عیسائی
راہب نے ہمیں ایک طلسم میں قید کر کے اس کنوئیں میں
بند کر دیا۔ ہم نو سو سال سے اس کنوئیں میں اپنے
ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی سزا بھگت رہے تھے
خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے گناہ بخش دیئے
اور تمہیں یہاں بھیج دیا۔

کیٹی نے کہا۔

اب تم کہاں جاؤ گے۔

دوسرا شہزادہ بولا۔

نیک دل لڑکی! ہم اب تم سے اجازت لے کر سیدھے
جنت میں جائیں گے جس کے دروازے خداوند کریم
نے اپنی بخشش اور کرم سے ہم پر کھول دیئے ہیں
اور ہمارے پیارے ماں باپ کی روحیں جنت میں ہمارا
انتظار کر رہی ہیں۔

پہلا شہزادہ بولا۔

ہم اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے [illegible]
تمہارا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خدا تمہیں [illegible]

رکھے۔ آمین۔

دوسرے شہزادے کی روح نے کہا۔

ہماری ایک بات ضرور یاد رکھنا ہماری نیک دل بہن! اپنے ماں باپ کی ہمیشہ عزت کرنا ان کا ہر حکم ماننا اور کبھی ان کے آگے اُونچی آواز میں نہ بولنا اللہ تعالیٰ نگہبان ہو۔ خدا حافظ۔

اور کیٹی کی آنکھوں کے سامنے دونوں شہزادوں کی رُوحیں چھت کی طرف اُوپر اُٹھنے لگیں چھت میں ایک شگاف بن گیا اور روحیں ہنستی مسکراتی اس شگاف میں سے باہر نکل گئیں۔ کیٹی بہت خوش تھی کہ اس نے شہزادوں کی عذاب میں گرفتار روحوں کو خداوند کریم کے حکم سے آزاد کر دیا۔

وہ تہہ خانے سے باہر نکل کر سُرخ محل کے صحن میں آگئی۔ جونہی وہ صحن میں آئی ایک بجلی سی چمکی اور اس نے دیکھا کہ وہی عیسائی گھوڑ سوار جادوگر گھوڑا دوڑائے اس کے پاس آکر رُک گیا اور چیخ مار کر کہا۔

"تم نے میرے شکار کو بھگا دیا۔ میں تجھے اس کی ایسی سزا [illegible]ں گا جیسے تم ساری زندگی یاد رکھو گی۔

[illegible] پوش جلاد عیسائی گھوڑ سوار کے پیچھے تھا اس نے جلاد [illegible]

اسے زندہ تابوت میں بند کر دو۔

کیٹی نے چٹکی بجائی۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جلاد نے لپک کر کیٹی پکڑ لیا۔ کیٹی نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ عیسائی گھوڑ سوار جادوگر کی وجہ سے اس کے جسم کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہے۔

وہ کیٹی کو رسیوں سے جکڑ کر محل کے صحن کی ایک کوٹھڑی میں لے گئے جہاں لکڑی کے پُرانے تابوت رکھے ہوئے تھے انہوں نے کیٹی کی ایک تابوت میں بند کر کے سیخیں ٹھونک دیں گھوڑ سوار نے کہا۔

"اسے دریا میں پھینک دو۔ یہ بھوکی پیاسی تابوت کے اندر دریا کی لہروں پر ہی مر جائے گی۔

صبح ہو رہی تھی۔ ابھی سورج پوری طرح سے نہیں نکلا تھا۔ گھوڑا سوار اور جلاد نے کیٹی کا تابوت سرخ محل سے کچھ فاصلے پر بہنے والے دریا میں جا کر پھینک دیا کیٹی خوش قسمت تھی کہ وہ خلائی لڑکی ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندے تھے وہ تابوت میں [illegible] لیٹی تھی اور تابوت دریا کی لہروں پر کسی نامعلو[illegible] کی طرف بہا جا رہا تھا۔

راج کماری پاروتی کے محل سے نکل کر ماریا بھی چلی جا
رہی تھی۔

وہ عنبر ناگ اور کیٹی کی تلاش میں تھی عنبر تو بزرگ کی
ہدایت پر افریقہ کے جنگلوں کی طرف سفر کر رہا تھا اور ناگ
پانڈی چری قلعے کے پاس باؤلی کے اندر زمین کے نیچے
سلومی کے محل میں قید تھا اگرچہ وہاں وہ شہزادی سلومی
کے ساتھ بادشاہ بن کر حکومت کر رہا تھا اور صرف شہزادی
سلومی کے نوکر چاکر اور کنیزیں ہی وہاں رہتی تھیں
ناگ کی طاقت سلومی نے واپس کر دی تھی مگر محل کے
گرد جادو کا ایسا دائرہ کھینچ دیا تھا کہ ناگ اس میں سے باہر
نہیں نکل سکتا تھا وہ خود بھی عنبر ماریا اور کیٹی کے لیے
پریشان تھا۔ اسے ان سے جدا ہوئے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی
ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر سلومی کی قید سے اپنے
آپ کو آزاد کر کے رہے گا۔

پیارے دوستو! جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہو گا
[illegible] محل میں صرف ایک عورت یعنی پُراسرار موکلہ ہی ایسی
تھی جو ناگ کو جادو کے اس طلسم سے باہر نکال سکتی
تھی، جب [illegible] کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر
[illegible] نے کوئی بات نہ کی۔ ناگ نے ایک بار عہاشیش ناگ

کو بھی وہاں بلانے کی کوشش کی تھی مگر شہزادی سلومی نے زمین
کے اندر اپنے محل کے ارد گرد طلسم کا ایسا دائرہ تیار رکھا تھا کہ وہاں عہاشیش ناگ
بھی ناگ کی مدد سے کو نہیں آ سکتا تھا آخر ناگ کو ایک ترکیب
سوجھی۔ یہ اس کے دماغ کی آخری ترکیب تھی۔ اور اس
ترکیب پر ناگ نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر عمل کیا۔

ایک رات جب ملکہ سلومی اپنی خواب گاہ میں گہری نیند سوئی
ہوئی تھی ناگ چپکے سے خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔ زمین
کے اندر گہرائی میں بنے ہوئے اس طلسمی محل میں گہری خاموشی
چھائی تھی۔ کنیزیں اور غلام بھی سو رہے تھے۔ صرف رات
کو پہرہ دینے والے غلام جاگ رہے تھے۔ ناگ کو معلوم
تھا کہ آدھی رات کو پُراسرار موکلہ سلومی کو سلانے کے بعد
اپنے خفیہ کمرے میں جاتی ہے اس نے اس کا پیچھا کرنے کا
فیصلہ کر لیا تھا۔

خواب گاہ سے باہر آتے ہی اس نے ایک گہرا سانس لیا
اور ایک سبز رنگ کے باریک اور چھوٹے سے سانپ میں تبدیل
ہو کر دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا پُراسرار موکلہ کے کمرے
کی طرف چل پڑا۔ اسے پُراسرار موکلہ ایک محل سے [illegible] کر بیٹھ
ہوئی مل گئی وہ اپنے خفیہ کمرے کی طرف جا رہی [illegible]
اس کے پیچھے پیچھے رینگتا ہوا چل پڑا۔ پُراسرار [illegible]
محل کے آخری کونے پر تھا۔ اس کے دروازے [illegible]

تھا۔ پراسرار موکلہ تالا کھول کر کمرے میں چلی گئی۔ اندھیرے
میں ناگ بھی دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔
یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے طاق میں ایک چراغ
جل رہا تھا اس کی روشنی دھیمی تھی پُراسرار مؤکلہ نے
دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر ایک الماری کھول
کر اس میں سے شیشے کی ایک صراحی نکال کر سامنے رکھ
لی اور منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ دیکھتے دیکھتے پُراسرار
موکلہ کا سارا جسم دھوئیں کا ایک چھوٹا سا گولہ بن گیا۔
پھر یہ گولہ دھوئیں کی ایک لکیر کی شکل میں شیشے کی صراحی
میں داخل ہوگیا ناگ دیوار کے ساتھ چپکا یہ سارا طلسمی کھیل
دیکھ رہا تھا اس کے بعد صراحی اپنے آپ الماری کے
کونے میں کھسک گئی اور الماری بند ہوگئی۔
ناگ دوبارہ انسانی شکل میں آگیا۔
وہ جلدی سے الماری کے پاس گیا اس نے الماری کھولی
صراحی باہر نکالی اور بڑی تیزی سے صراحی کے اُوپر لکڑی کا
ڈھکنا دے کر اسے پوری طاقت سے کس کر بند کر دیا۔
صراحی پر ڈھکنا لگتے ہی صراحی کے اندر کا دھواں کھولنے
[illegible] دھواں بے چین ہو کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ مگر
[illegible] بند ڈھکن سے ٹکرا کر واپس نیچے آجاتا

پھر صراحی کے دھوئیں میں پراسرار مؤکلہ کی شکل نمودار
ہوئی وہ ہانپ رہی تھی اور چہرہ پریشان تھا۔ اس نے سُرخ
سُرخ آگ برساتی غصیلی آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھا اور
ناگ کو پراسرار مؤکلہ کی بیٹھی ہوئی آواز سنائی دی۔
مجھے باہر نکالو نہیں تو میں تمہیں پھونک مار کر ہلاک
کر دوں گی۔
ناگ نے کہا۔
اگر تم میں اتنی ہی طاقت ہے تو پھونک مار کر اس
صراحی کو توڑ کر باہر کیوں نہیں نکل آتیں۔
مؤکلہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی جیسے کوئی اس
کا گلا دبا رہا ہو اس کا منہ کھلا تھا۔
اس نے کہا۔
میں تم کو جلا کر بھسم کر دوں گی۔
ناگ نے کہا۔
سنو پُراسرار موکلہ۔ تم کسی معمولی انسان سے بات
نہیں کر رہی ہو۔ میں ناگ ہوں۔ زمین کے اُو[illegible]
اور زمین کے اندر رہنے والے سارے [illegible]
کا دیوتا اور بادشاہ
میں تمہارے جھانسے میں نہیں آسکتا

اس شیشے کی مراحی سے کبھی باہر نہیں نکل سکو گی
میں اسی وقت تمہیں اٹھا کر محل کے اندھے کنوئیں
میں نیچے لے جا کر دفن کر دوں گا جہاں سے تم قیامت
تک باہر نہ آ سکو گی
پُراسرار موکلہ نے منہ کھول کر ہانپتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں۔ تمہیں سامری کی قسم ہے ایسا مت کرنا
" تو پھر مجھے اس طلسمی محل کے حصار سے باہر
نکالو۔

پُراسرار موکلہ اب زور زور سے سانس لے رہی تھی
صاف لگتا تھا کہ بند مراحی کے اندر اس کا دم گھٹنے لگا ہے
اور اسے سانس لینے میں سخت تکلیف ہو رہی ہے اس
نے کہا۔

میرے کمرے کی مشرقی دیوار کا صندوق ہٹاؤ۔ اس
کے نیچے ایک سیڑھی ملے گی آگے سرنگ آ جائے
گی اس سرنگ میں آہستہ آہستہ پانی بھر جائے گا
اگر تم پانی کی یہ سرنگ پار کر گئے تو اس طلسمی محل
کے جادوئی دائرے سے باہر نکل جاؤ گے۔ مگر پہلے
مجھے آزاد کر دو مراحی کا ڈھکن اٹھا دو۔
ناگ نے کہا۔

کیٹی ڈاکوؤں کے نرغے میں

پُراسرار موکلہ نے کہا
تم کیا چاہتے ہو۔
ناگ بولا
تم سب جانتی ہو میں کیا چاہتا ہوں۔ مجھے اس زمین
دوز محل کے طلسمی دائرے سے باہر نکلنے کا راستہ
بتاؤ۔
وہ چیخ کر بولا۔
یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میں ملکہ سلومی کی خاص کنیز ہوں
اس کی محافظ ہوں میں اس کے بادشاہ کو یہاں سے
[illegible]ر ہونے میں مدد نہیں دے سکتی۔
[illegible] نے کہا۔
[illegible]ے اگر میں اس محل میں قید ہوں تو پھر تم بھی

کیٹی ڈاکوؤں کے نرغے میں

پُراسرار موکلہ نے کہا
تم کیا چاہتے ہو۔
ناگ بولا
تم سب جانتی ہو میں کیا چاہتا ہوں۔ مجھے اس زمین دوز محل کے طلسمی دائرے سے باہر نکلنے کا راستہ بتاؤ۔
وہ چیخ کر بولا۔
یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میں ملکہ سلومی کی خاص کنیز ہوں اس کی محافظ ہوں میں اس کے بادشاہ کو یہاں سے [illegible]ر ہونے میں مدد نہیں دے سکتی۔
[illegible] نے کہا۔
[illegible]ے اگر میں اس محل میں قید ہوں تو پھر تم بھی

اس شیشے کی صراحی سے کبھی باہر نہیں نکل سکو گی میں اسی وقت تمہیں اٹھا کر محل کے اندھے کنوئیں میں نیچے لے جا کر دفن کر دوں گا جہاں سے تم قیامت تک باہر نہ آ سکو گی
پُراسرار موکلہ نے منہ کھول کر ہانپتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں۔ تمہیں سامری کی قسم ہے ایسا مت کرنا"
"تو پھر مجھے اس طلسمی محل کے حصار سے باہر نکالو۔"
پُراسرار موکلہ اب زور زور سے سانس لے رہی تھی صاف لگتا تھا کہ بند صراحی کے اندر اس کا دم گھٹنے لگا ہے اور اسے سانس لینے میں سخت تکلیف ہو رہی ہے اس نے کہا۔
میرے کمرے کی مشرقی دیوار کا صندوق ہٹاؤ۔ اس کے نیچے ایک سیڑھی ملے گی آگے سرنگ آ جائے گی اس سرنگ میں آہستہ آہستہ پانی بھر جائے گا اگر تم پانی کی یہ سرنگ پار کر گئے تو اس طلسمی محل کے جادوئی دائرے سے باہر نکل جاؤ گے۔ مگر پہلے مجھے آزاد کر دو صراحی کا ڈھکن اٹھا دو۔
ناگ نے کہا۔

"جب میں سرنگ سے نکل جاؤں گا تو تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

ناگ نے صراحی کو اپنے لبادے کی لمبی جیب میں رکھا اور مشرقی دیوار کے ساتھ لگا ہوا صندوق پیچھے کھسکا دیا۔ اس کے نیچے سیڑھیوں کو جاتا راستہ دکھائی دیا۔ ناگ سیڑھیاں اتر کر اندھیری سرنگ میں آگیا۔ سرنگ میں اس کے ٹخنوں تک پانی تھا جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا پانی اس کے گھٹنوں تک آگیا۔ ناگ سرنگ کے اندر چلتا چلا گیا۔ سرنگ اِدھر اُدھر سے سانپ کی طرح بل کھاتی چلی جا رہی تھی پانی بڑھتا چلا گیا اب پانی اس کے بازوؤں تک آگیا تھا پھر اس کے کندھے پانی میں ڈوب گئے اور پانی اس کی گردن تک آگیا۔

ناگ نے جب دیکھا کہ پانی اب اُس کے سر سے اُوپر ہو جائے گا تو اُس نے لمبا گہرا سانس لیا اور مچھلی بن گیا اُس نے پانی میں ڈبکی لگادی اور مچھلی کی طرح تیرنے لگا۔

سرنگ بہت لمبی تھی اور خدا جانے کون کون سے پہاڑوں کے نیچے سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔ کافی دیر تک تیرنے کے بعد آخر پانی گھٹنا شروع ہو گیا [illegible] سر نکال لیا اور گہرا سانس لے کر اپنے ناگ کے وجود میں آگیا۔

اس نے دیکھا کہ سرنگ بہت تنگ ہوگئی تھی اور ایک پائپ کی شکل اختیار کر رہی تھی پانی اس کے گھٹنوں سے بھی نیچے ہو گیا تھا۔ اسے پہلی بار سرنگ کے آخر میں روشنی دکھائی دی۔ جب وہ اس روشنی کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یہ روشنی چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دیوار کے ایک گول سوراخ میں سے آرہی تھی اور وہاں جھاڑیاں اور پتھر پڑے تھے ناگ پتھریلی سیڑھیاں چڑھ کر اس سوراخ میں سے باہر نکل آیا۔

باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک سرسبز وادی پھیلی تھی جہاں جگہ جگہ انجیر اور زیتون کے درختوں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ کھڑے تھے اسے پراسرار مؤکلہ کی آواز سنائی دی۔

"مجھے سرنگ کے اندر آزاد کر کے چلے جاؤ۔ تم طلسمی حصار سے نکل آئے ہو۔"

ناگ نے شیشے کی منہ بند صراحی کو زور سے سرنگ کے [illegible] پتھریلی سیڑھی پر پھینک دیا چھنکار کی آواز کے ساتھ [illegible] ٹوٹ گئی اور اس میں سے پراسرار مؤکلہ دھوئیں [illegible] باہر نکلنے لگی۔

ناگ نے غار کا گول سوراخ پتھروں سے بند کر دیا اور خود
سنہری دھوپ میں ہری بھری وادی کے درختوں کی طرف روانہ
ہو گیا۔

اب ہم واپس کیٹی کی طرف آتے ہیں۔

کیٹی کی مشکیں کس کر اسے لکڑی کے تابوت نما صندوق
میں بند کر کے عیسائی گھوڑ سوار جادوگر نے دریا میں پھینک دیا
تھا اس کا خیال تھا کہ کیٹی بھوکی پیاسی رہ کر صندوق کے اندر
ہی مر جائے گی اور پھر ایک روز دریا کے ساتھ ہی اس کی
لاش سمندر میں جا گرے گی۔ لیکن وہ اپنے جادو کے زور
سے بھی کیٹی کا یہ خلائی راز معلوم نہیں کر سکا تھا کہ وہ کچھ کھائے
پیئے بغیر بھی جتنی دیر چاہے زندہ رہ سکتی ہے۔

کیٹی کی چوکور نیلی آنکھیں صندوق کے اندر کھلی تھیں مگر اس
کے ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے اور عیسائی جادوگر نے
[illegible] کوئی ایسا طلسم پھونک دیا تھا کہ اس کی ساری خلائی
[illegible] ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ لات
[illegible] کو توڑ سکتی تھی بلکہ وہ عیسائی جادوگر کے قابو

میں نہیں آ سکتی تھی۔

لیکن اب وہ ایک عام کمزور عورت کی طرح صندوق کے
اندر پڑی تھی اور صندوق دریا کی لہروں کے ساتھ سمندر
کی طرف بہہ رہا تھا۔ مگر ابھی سمندر بہت دور تھا۔ یہ سپین
کا دریائے کبیر تھا اور یہ دریا سارے سپین یعنی ہسپانیہ میں
سے ہو کر گزرتا تھا

پیارے بچو۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہو گا کہ پرانے
زمانے میں سپین کو ہسپانیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

دریائے کبیر قرطبہ کی وادی سے نکل کر غرناطہ کی اونچی پہاڑیوں
کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک میدان میں پہنچ گیا اور دریا کی
لہروں نے صندوق کو دھکیلتے دریا کے کنارے کی
طرف کر دیا صندوق اب دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بہہ
رہا تھا یہاں کنارے پر گھنی جھاڑیاں اور نرسل اُگے ہوئے
تھے بچو نرسل جانتے ہو کس کو کہتے ہیں۔

سپین میں نرسل اس کانٹے کو کہتے ہیں جن کی یہاں تم
قلم بنایا کرتے ہو اور پھر اس سے تختی پر لکھتے ہو۔ لیکن
آج کل تو یہ تختیاں غائب ہو گئی ہیں اور شاید پاک[illegible]ن کر بیٹھ
گاؤں میں کہیں بچے قلم دوات سے تختی پر لکھتے [illegible]
بہرحال نرسل کی جھاڑیاں بڑی گھنی ہوتی ہیں اور [illegible]

عام طور پر دریا کے کنارے اُگی ہوتی ہیں۔ کیٹی کا صندوق
ان جھاڑیوں میں ایک جگہ اٹک کر رُک گیا اتفاق سے وہاں
قریب ہی کچی سڑک پر سے دو ڈاکو گھوڑوں پر سوار گذر رہے
تھے ان کی نگاہ صندوق پر پڑی تو وہ بیک کر وہاں رُک
گئے۔

اس صندوق میں خزانہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک ڈاکو
نے کہا۔

وہ گھوڑوں سے اُتر کر صندوق کے پاس آئے اور اسے
کھینچ کر کنارے پر لے گئے یہ سنسان جگہ تھی اور دور دور
تک کوئی انسان نہیں دکھائی دیتا تھا۔

ڈاکوؤں نے فوراً صندوق کو توڑ ڈالا کیا دیکھتے ہیں کہ
صندوق کے اندر ایک خوبصورت لڑکی لیٹی ہوئی ہے۔ جس
کے ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہیں پہلے تو وہ یہ دیکھ کر ڈر گئے
کہ لڑکی کی نیلی آنکھیں چوکور ہیں۔

"اس کی آنکھیں چوکور ہیں سانچو!
...ئی بہشت کی حور لگتی ہے"
...یچ کر بڑا مال کمائیں گے ایسی چوکور آنکھوں
...کبھی کسی نے نہ دیکھی ہوگی اس کو زیادہ
... فروخت کریں گے۔

کیٹی ان کی باتیں سن رہی تھی اس نے کہا۔
"مجھے آزاد کر دو۔ میں کنیز نہیں ہوں"
کیٹی کے بولنے پر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ڈاکو
سانچو نے کہا۔
"پیڈرو۔ یہ بولتی بھی ہے اس کی آواز بھی سریلی
ہے۔
کیٹی نے کہا۔
میں جادوگرنی ہوں۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔
مگر وہ دونوں بڑے سنگ دل ڈاکو تھے کیٹی کی اس دھمکی
کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ان میں سے ایک ڈاکو نے کیٹی کے منہ
پر ایک طمانچہ مارا اور گرج کر بولا۔
"بکواس بند کرو۔ ہم ڈاکو ہیں۔ ہم پر کسی کے جادو
کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش
کی تو ہماری تلواریں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں
گی"
انہوں نے کیٹی کو اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور ساتھ
لے کر روانہ ہو گئے۔
کیٹی کی ساری طاقت عیسائی جادوگر کے طلسم کی وجہ ...
چکی تھی وہ خاموشی کے ساتھ ان کے ساتھ چل پڑی ...

اسے معلوم تھا کہ یہ سنگ دل بے رحم ڈاکو ہیں اور اگر اس نے ان کا حکم نہ مانا تو وہ اسے ہلاک کر ڈالیں گے اور چونکہ اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

جب شام کے سائے گہرے ہو گئے تو ڈاکوؤں نے ایک جنگل میں پڑاؤ ڈال لیا انہوں نے کیٹی کو گھوڑے سے اتار کر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اسے کھانے کو تھوڑا سا سوکھا گوشت اور پانی دیا کیٹی کو بھوک پیاس تو نہیں تھی۔ مگر اس نے ان کو دکھانے کے لیے کھالیا۔

رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف پھیل گیا۔ تو ڈاکوؤں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ یہاں ایک لڑکی کے ساتھ جنگل میں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہاں کوئی ڈاکوؤں کا دوسرا ٹولہ آکر ان سے لڑکی چھین سکتا تھا۔ اس زمانے میں سپین کے جنگلوں میں ڈاکو اکثر گھوما پھرا کرتے تھے اور قافلوں کو لوٹ کر عورتوں کو ساتھ لے جاکر فروخت [illegible]تے تھے۔

[illegible] انہوں نے وہاں سے ڈیرا اٹھایا اور کچھ فاصلے پر [illegible] غار میں کیٹی کو بند کر کے غار کے منہ پر پتھر رکھ [illegible] اس کے آگے کوئی پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر

زمین پر پرانے کمبل بچھا کر آگ جلا کر سوکھا گوشت روٹی کے ساتھ کھانے لگے۔ گوشت کھانے کے بعد انہوں نے ٹین کے میلے کچیلے ڈونگوں میں کافی بنائی اور اس کے گرم گرم گھونٹ پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے

"وہ سانچو ایسی چوکور آنکھیں کسی عورت کی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھیں۔

دوسرا ڈاکو کہنے لگا۔

اسے اس نے اپنی آنکھیں ایسی کر لی ہیں۔ خدا کی قسم اس کے دس ہزار درہم سے کم وصول نہیں کریں گے۔

پہلا ڈاکو بولا۔

اسے تو کسی نواب کے ہاں فروخت کریں گے۔

رات کے گیارہ بجے چاند پہاڑی کے اوپر نکل آیا اور وادی میں اس کی دھیمی دھیمی زرد پُراسرار روشنی پھیل گئی۔

ناگ بھی سارا دن سفر کرتے رہنے کے بعد رات کو اس وادی کی طرف نکل آیا تھا اُس نے جو ایک پہاڑی کے پاس آگ جلتی دیکھی تو یہ سوچ کر اِدھر آگیا کہ یہ آگ ضرور کسی انسان نے جلائی ہوئی ہوگی اور وہ اس سے پوچھے گا کہ وہ کس ملک میں ہے اور یہ کون سا زمانہ ہے ایک ڈاکو ٹین کا ڈ[illegible] کر بیٹھ[illegible] کے پاس [illegible] کافی پی رہا تھا اور دوسرا گٹا[illegible] پ[illegible]

پرانا گیت گا رہا تھا ناگ کو گٹار پر گانے کی آواز سنا[illegible]
دی تو وہ تیز تیز قدموں سے آگ کی طرف چلا
اچانک دوسرے ڈاکو نے گٹار بجانے اور گانے والے
کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے بھا[illegible]
کر درختوں میں چھپنے کے لیے کہا۔
دوسرا ڈاکو فوراً سمجھ گیا کہ کوئی شخص اِدھر آ رہا ہے
دونوں درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گئے اور خنجر نکال [illegible]
پہلے ڈاکو نے ناگ کے قدموں کی آواز سن لی تھی۔ اس نے [illegible]
ڈاکو کے کان میں کہا۔
"سانچو! کوئی ادھر آ رہا ہے۔ شی۔ آواز نہ نکالنا۔"
رات گہری خاموش تھی۔ آگ مدھم پڑ گئی تھی۔ ان دو[illegible]
ڈاکوؤں کے کمبل اور ٹین کے ڈبے وہیں آگ کے الاؤ کے پا[illegible]
ہی پڑے تھے درختوں کے پیچھے اندھیرے میں ڈاکوؤں کی آنکھیں
چمک رہی تھیں انہوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان آگ کے پاس [illegible]
کر کھڑا ہو گیا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔ ڈاکوؤں
نے اندھیرے میں ہی ایک دوسرے کا ہاتھ دبا کر کوئی بات کی
[illegible] بے پاؤں جھک کر چلتے ہوئے ناگ کو پیچھے سے آ کر د[illegible]
[illegible]
[illegible] کو نے خنجر ناگ کی گردن پر رکھ دیا اور کہا۔

"خبردار۔ اگر ذرا ہلے تو گردن اتار دوں گا"
"کون ہو تم؟"
ناگ نے کہا
"مسافر ہوں۔ پیاس لگی تھی۔ آگ دیکھ کر ادھر آ گیا
ہوں۔"
"جھوٹ بکتے ہو۔ تم بادشاہ سپین فرڈانڈ کے
سپاہی ہو اور بھیس بدل کر ہماری تلاش میں یہاں
آئے ہو۔"
ناگ سمجھ گیا کہ یہ دونوں ڈاکو ہیں اسے شاہ فرڈانڈ کا نام
سن کر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے دور کے بعد کے
سپین میں پہنچ گیا ہے اور یہ یقیناً قرطبہ اور غرناطہ کے آس
پاس کا علاقہ ہے اس نے کہا۔
"تم نے مجھے ناحق پکڑ رکھا ہے میں بادشاہ کا
جاسوس نہیں ہوں ایک مسافر ہوں تم میری تلاشی
لے سکتے ہو میرے پاس کوئی خنجر نہیں ہے۔"
مگر ڈاکوؤں کو اس پر شک ہو گیا تھا کہ یہ آدھی رات کو
وہاں ان کی تلاش میں ہی وہاں آیا ہے اس کی و[illegible]
ان ڈاکوؤں نے ایک دن پہلے قرطبہ کے ایک امی[illegible] کر بیٹھ
حویلی میں ڈاکہ مار کر قیمتی جواہرات چرائے [illegible]

ناگ کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسّی سے کس کر باندھ دیے
اور آگ کے پاس زمین پر بیٹھا دیا ایک ڈاکو نے اسے تھوڑا
سا خشک گوشت کھانے کو دیا اور کہا۔
اگر تم نے ہمیں سچ سچ بتا دیا کہ ہمارے پیچھے
کون کون سے سرکاری جاسوس اور سپاہی لگے
ہیں اور وہ اس وقت کہاں ہیں تو ہم تمہیں چھوڑ دیں
گے نہیں تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔
ناگ نے کہا۔
"بھائی میں سرکاری جاسوس نہیں ہوں میں تو مسافر
ہوں۔ آگ دیکھ کر ادھر آگیا تھا"
ڈاکو سانچو نے کہا۔
"بکواس کرتے ہو"
دوسرے ڈاکو نے جلتی ہوئی لکڑی آگ کے الاؤ میں سے اٹھا
لی اور کہا۔
"سانچو۔ یہ اس طرح نہیں بکے گا"
وہ آگ کی جلتی ہوئی لکڑی ناگ کے پاس لے آیا اور بولا۔
"[illegible] نے سچ سچ نہ بکا تو میں اس آگ سے تمہاری آنکھیں
[illegible]الوں گا۔
[illegible] لکڑی ناگ کی آنکھوں کے اتنی قریب کر دی

کہ اس کی تپش سے ناگ کا چہرہ جھلسنے لگا۔ اب تو ناگ کو
اپنی جان بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑ گیا پھر بھی اس نے
ایک بار پھر ڈاکوؤں سے کہا۔
"بھائیو۔ میں مسافر ہوں اور اس ملک میں اجنبی
ہوں۔ مجھے تنگ نہ کرو۔ نہیں تو تم پچھتاؤ گے"
ڈاکو قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ پیڈرو ڈاکو نے ناگ کو
گالی دی اور کہا۔
"تم کیا کر لو گے ہمارا۔"
اور آگ والی لکڑی اس کے منہ کے بالکل قریب لے آیا
ناگ کو گالی کی وجہ سے سخت غصّہ آگیا اس نے سانس اندر
کو کھینچ کر ایک پھنکار ماری اور دوسرے لمحے وہاں ایک سیاہ
ناگ پھن اٹھائے پھنکار رہا تھا۔
ڈاکوؤں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے خوف کے مارے ان
کی زبان بند ہو کر رہ گئی ایک انسان کو سانپ بنتے انہوں
نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناگ کو سانپ بن کر پھنکاریں
مارتے دیکھتے دیکھتے غش کھا کر گر پڑے۔
اب ناگ کا جی نہ چاہا کہ ان کو بے ہوشی میں ڈس کر بیٹھ
کر دے۔ آخر ان کے ساتھ اس کی دشمنی ہی کیا تھی [illegible]
وہاں سے پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر پہاڑ [illegible]

اندر کیٹی رسیوں میں جکڑی پڑی تھی اور ڈاکوؤں نے را
پڑتے ہی اس کے منہ پر رومال باندھ دیا تھا تاکہ وہ بول
نہ سکے۔ کیٹی نے باہر کچھ آوازیں سن لی تھیں اور محسوس
کیا تھا کہ ڈاکو کسی مسافر سے باتیں کر رہے ہیں اس کے
بعد کوئی آواز سنائی نہ دی پندرہ بیس قدموں کے فاصلے
سے ان کی آوازوں کا وہ کوئی مطلب نہیں سمجھ سکی تھی
اور ناگ کی آواز بھی اسے بہت دھیمی آ رہی تھی۔ جس کی
وجہ سے وہ اسے پہچان نہ سکی تھی۔

ناگ ڈاکوؤں کے بے ہوش ہونے کے بعد دوبارہ انسانی
شکل میں آگیا جس رسّی سے ڈاکوؤں نے ناگ کو باندھا تھا
اسی رسّی سے ناگ نے دونوں ڈاکوؤں کے پاؤں اور ہاتھ
کس کر باندھ دیئے وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی ڈاکو ہیں۔ اس
نے ان کی تلاشی لی تو ایک ڈاکو کی جیب سے چمڑے کی
چھوٹی سی تھیلی نکلی جو بڑے قیمتی ہیرے جواہرات سے
بھری ہوئی تھی ظاہر ہے یہ جواہرات وہ شہر میں کسی جگہ ڈاکہ
مار کر لائے تھے ناگ نے تھیلی اپنی جیب میں رکھ لی اور وہاں
سے آگے چل پڑا۔ چاندنی رات میں اردگرد گہری خاموشی

[illegible] وہ غار کے قریب سے گزرا تو اسے ایسی آواز آئی

جیسے کسی کا منہ زور سے بند کر دیا گیا ہو اور وہ آواز
نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ناگ رُک گیا اس نے آواز
دی۔

"کون ہے اِدھر؟"

ویسی ہی گھٹی گھٹی آواز پھر آئی۔ چاندنی بڑی مدھم تھی
دوسرے غار کا منہ پتھر سے بند کر دیا گیا تھا ناگ نے سوچا
کہ شاید یہ کوئی بھٹکتی ہوئی بدروح ہے؟"

اس نے کوئی دھیان نہ دیا اور آگے کو روانہ
ہو گیا۔

ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ اسے پتھر گرنے کی آواز
سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے پہاڑ کے اندر سے آ رہی
ہو ناگ ایک بار پھر رُک گیا اب وہ پہاڑ کی دیوار کے قریب
آ گیا۔ کیٹی نے بھی غار کے اندر کسی کے قریب آتے قدموں
کی چاپ سُن لی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ غار کے منہ پر کسی نے بڑا سا پتھر رکھ دیا
ہوا ہے اور گھٹی گھٹی آواز اندر سے آ رہی ہے اس [illegible]
پتھر پرے ہٹا دیا جونہی پتھر پیچھے ہٹا اسے کیٹی کی [illegible] کر بیٹھ
ناگ کی خوشبو آنے لگی۔

کیٹی نے رومال سے بندھے ہوئے منہ میں [illegible]

ایک بار پھر نکالی۔ ناگ نے بے اختیار کہا۔ "کیٹی تم کہاں ہو۔"
اور وہ بھاگ کر غار کے اندر چلا گیا۔ اندر جاتے ہی اس
نے کیٹی کو سامنے پڑے دیکھا کہ مشکیں کسی ہوئی ہیں اور منہ رومال
سے بند کیا ہوا ہے ناگ نے جلدی سے اس کے منہ پر سے رومال
کھول ڈالا۔ کیٹی نے سانس بھر کر کہا۔
"اُف۔ خدا کا شکر ہے ناگ تم آگئے۔"
ناگ نے کہا۔
"مگر کیٹی تمہارے اندر تو اتنی طاقت تھی کہ تم رسی
کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتیں پھر تم آرام سے کیوں
بیٹھی رہیں۔
کیٹی نے کہا
یہی تو مصیبت تھی ناگ بھیا کہ میری طاقت ختم ہو
گئی ہے۔
"وہ کیسے؟"
اور کیٹی نے سارے واقعات ناگ کو سنا دیئے کہ کس
طرح وہ عذاب میں گرفتار شہزادوں کی روحوں
کی مدد کرنے سُرخ محل میں گئی اور وہاں ایک عیسائی
[illegible] نے اس کی طاقت سلب کر کے اسے باندھ کر
[illegible] پھینک دیا اور یہ ڈاکو اسے نکال کر یہاں

لے آئے۔ ناگ نے کیٹی کی رسیاں کھول ڈالی تھیں
اس نے کہا۔
فکر نہ کرو۔ تمہاری طاقت بھی واپس آجائے گی
یہ بتاؤ عنبر ماریا کہاں ہیں کیا ان سے ملاقات
ہوئی۔
کیٹی نے کہا۔
ماریا تو آج سے چھ سات سو سال بعد کے آنے
والے دور میں مجھ سے مل کر بچھڑ گئی تھی وہ
وہ کسی راجکماری کی قبر پر گئی اور پھر وہاں سے
غائب ہو گئی اس کے بعد اس سے ملاقات نہیں
ہو سکی اور عنبر بھیا کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے۔
ناگ نے کہا۔
ظاہر ہے وہ بھی ہماری تلاش میں ہو گا۔ لیکن یہ اچھا
ہوا کہ کم از کم ہماری ملاقات ہو گئی اگر تم پاؤں سے
پتھر پر سے نہ ٹکراتیں تو میں آگے نکل گیا ہوتا۔
ناگ اور کیٹی غار سے باہر نکلنے ہی لگے تھے کہ کسی [illegible] کر بیٹھ
سے بھاری پتھر سے غار کا منہ بند کر دیا اور پھر ڈاکو
[illegible] آواز آئی۔
تم جادوگر ہو۔ مگر اس بھاری پتھر کو ہٹا کر با[illegible]

سکو گے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو ہمارے جواہرات
واپس کر دو نہیں تو ہم غار میں آگ لگا دیں گے
ہم نے باہر غار کے منہ پر لکڑیاں بچھا دی ہیں۔
کیٹی نے کہا۔
ناگ بھیا۔ اب کیا کریں۔
ناگ مسکرایا اور بولا۔
یہ لوگ خود موت کو آواز دے رہے ہیں تم
یہاں ٹھہرو۔ پہلے میں ان سے نمٹ لوں۔
ناگ نے آخری بار انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا۔
"احمق ڈاکوؤ! کیوں جان بوجھ کر موت کے منہ
میں جا رہے ہو یہ جواہرات تم نے لوٹے ہیں اور
ہم اس کے مالک کو پہنچا دیں گے۔ میں اب بھی
تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔
مگر ڈاکو خر دماغ تھے ان میں سے ایک ڈاکو نے ایک بار
پھر ناگ کو گالی دے ڈالی۔
ناگ کو سخت غصہ آگیا وہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر
…دہا بن کر غار کے پتھر کو ٹکر مار کر گراتا ہوا باہر
… غار کے سامنے رکھی ہوئی خشک لکڑیوں
… مگر ناگ اچھل کر آگے کود گیا اور اس

نے دونوں ڈاکوؤں کو بھاگتے ہوئے باری باری ڈس لیا
ڈاکو چیخیں مارتے اٹھ کر دوڑے مگر دو قدم دوڑنے کے بعد
گر گئے اور اژدہا کے زہر نے اس کے جسم نیلے کر ڈالے اور
وہ مر گئے اور امن پسند لوگوں کو ان سے نجات بھی مل
گئی۔
ناگ نے مڑ کر دیکھا کہ غار کے منہ پر آگ لگی ہوئی تھی اور
دھواں اندر غار میں جا رہا تھا کیٹی اندر سے ناگ کو زور
زور سے پکار رہی تھی۔
"ناگ۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔ ناگ۔ ناگ۔
ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور غار کے منہ کے
اوپر باہر کو نکلی ہوئی چٹان پر چڑھ کر کیٹی کو اوپر اٹھا
لیا اور دونوں نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ اب آگ
غار کے اندر داخل ہو گئی تھی۔
کیٹی اور ناگ دوڑ کر آگ کی زد سے دور چلے گئے
ناگ نے کہا۔
میں ڈاکوؤں کے گھوڑے لانا تو بھول ہی گیا ان کے
گھوڑے ایک جگہ درختوں میں بندھے ہوئے تھے۔ …ن کر بیٹھ
انہیں کھول کر لے آیا ایک پر کیٹی اور دوسرے گھوڑے …
ناگ سوار ہو گیا اور وہ پکی سڑک پر گھوڑے دو…

آگے کو روانہ ہو گئے۔

وہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ کیٹی نے کہا۔
تمہیں پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ ہسپانیہ کا ملک ہے۔"
ناگ نے کہا۔
ہاں جس پر مسلمانوں نے نو سو برس تک حکومت
کی تھی اور جس کو وہ اندلس کہا کرتے تھے۔
کیٹی نے پوچھا۔
کچھ اندازہ ہے ناگ کہ اب ہم کس طرف جا رہے
ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آگے کون سا شہر ہو گا۔
ناگ نے کہا۔
کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بہت عرصہ ہوا میں ماریا اور عنبر
کے ساتھ ادھر سے گزرا تھا میرا خیال ہے کہ کوئی
بڑا شہر آئے گا کیونکہ میں دور ایک دریا کی لکیر دیکھ
رہا ہوں وادی میں اور بڑے شہر دریاؤں کے
کناروں پر ہی ہوا کرتے ہیں۔
ساری رات ناگ اور کیٹی گھوڑوں پر سفر کرتے رہے
[illegible]شنی پھیلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے
[illegible]رے پایا جس کا پانی کنارے کی چٹانوں کو کاٹتا ہوا
[illegible] تھا وہ دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔

راستے میں ایک جگہ انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا اور
پھر سفر شروع کر دیا شام ہونے والی تھی کہ انہیں دور ایک
بڑے شہر کی دیوار کے بُرج دکھائی دیئے یہ شہر ایک
خوبصورت وادی میں تھا اور اس کی فصیل پر جگہ جگہ
دروازوں کے اوپر چوکی پہرے کے لیے بُرج بنائے گئے
تھے۔
کیٹی! میرا خیال ہے کہ یہ شہر قرطبہ ہو گا۔
کیٹی بولی۔
میں اس شہر کو پہلی بار دیکھوں گی۔
یہ شہر قرطبہ ہی تھا وہ دونوں شہر کے ایک دروازے
میں سے اندر داخل ہو گئے شہر کے مکانوں میں چراغ
روشن ہو گئے تھے گلیوں کے کونوں پر بھی لیمپ جلنے لگے
تھے گرجا گھروں میں سے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ناگ
نے کہا۔
"کبھی اس شہر میں اس وقت مسجدوں میں سے
شام کی اذان کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ جب
اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ آج تم اس
ملک میں جتنی ترقی دیکھ رہی ہو۔ یہ ساری مسلمانوں
کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مگر عیسائیوں نے ان کو [illegible]

بعد ان کی مسجدوں کو تباہ کر دیا اور جو بچ گئیں
ان کو گرجا گھروں میں تبدیل کر لیا ہے۔
وہ ایک پکی گلی کے کونے والی سرائے میں جا کر اتر گئے
ناگ نے سرائے والے کو سونے کا ایک سکہ دیا جو اس کے
پاس کہیں سے نکل آیا تھا ناگ کے پاس جواہرات کی تھیلی
بھی تھی مگر وہ اس کی اپنی نہیں تھی اسے ڈاکوؤں نے کسی
کے گھر ڈاکہ مار کر لوٹا تھا اور وہ کسی کی امانت تھی۔ سرائے
والا سونے کا سکہ غور سے دیکھ کر بولا۔
سینور — یہ تو چھ سو سال پرانا سکہ ہے تمہارے پاس
کہاں سے آ گیا۔
ناگ نے کہا۔
تمہیں اس سے کیا۔ یہ خالص سونا ہے اور پرانا بھی
ہے۔ تمہیں اس کے زیادہ پیسے ملیں گے۔ ہمیں ایک
کمرہ دے دو اور کھانے کو نان اور ہرن کا گوشت
دے دو۔
[illegible] والا خوش ہو کر بولا۔
[illegible] سینور
[illegible]
[illegible] یہ ہرن کا گوشت اور نان کون کھائے

گا۔
ناگ نے مسکرا کر کہا۔
اری پگلی! ان لوگوں کے ساتھ دنیا داروں کی
طرح نہ رہیں تو یہ تنگ کرنے لگتے ہیں ابھی تمہاری
چوکور آنکھیں کسی نے نہیں دیکھیں ورنہ یہاں بھیڑ
لگ جاتی۔ میرا تو خیال ہے کہ تم چہرے پر باریک
جالی دار نقاب پہن کر یہاں رہو کہیں یہ لوگ یہ
نہ سمجھ لیں کہ چوکور آنکھوں والی کوئی چڑیل یہاں
آ گئی ہے۔
کیٹی نے کہا۔
تمہارا خیال ٹھیک ہے ناگ بھیا۔ میرے ساتھ پہلے
ایسا ہو چکا ہے۔ بلکہ کئی بار ہو چکا ہے۔
سرائے کے کمرے میں آ کر کیٹی اور ناگ نے منہ ہاتھ دھویا
اور زمین پر بچھے ہوئے قالین پر دیوار سے ٹیک لگا کر
بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے کیٹی کو اپنی طاقت کے ختم ہو
جانے کی بڑی فکر تھی۔ کہنے لگی
ناگ بھیا! کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طاقت واپس [illegible]ن کر بیٹھ
نہ آئے۔
ناگ نے کہا۔

ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے کیٹی کہ ہم میں سے کسی نہ کسی کی طاقت تھوڑی دیر کے لیے جاتی رہتی ہے اور پھر واپس آجاتی ہے اس لیے تم فکر نہ کرو تمہاری طاقت بھی واپس آجائے گی۔

ناگ نے جیب سے تھیلی نکال کر جوہرات کو دیکھا اور کہا۔

کیٹی بہن ! یہ بڑے قیمتی جوہرات ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر اسی شہر سے چرائے گئے ہیں تو یہ اس شہر کے سب سے امیر آدمی کے ہوں گے۔

کیٹی بولی۔

تو کیا اب تم اس وقت اس کی تلاش میں نکلو گے

ناگ بولا۔

ارے نہیں پگلی - اس وقت میں کہاں جاؤں گا - ہاں کل پتہ کروں گا تاکہ امانت اس کے مالک کو پہنچا دی جائے کیونکہ امانت میں خیانت بہت بڑا گناہ ہے اور ہم میں سے کسی نے کبھی ایسا گناہ کرنے کی کوشش

...بھی بات ہے۔ جس سیارے سے میں آئی

ہوں وہاں بھی کوئی شخص نہ جھوٹ بولتا ہے نہ امانت میں خیانت کرتا ہے اور نہ چوری کرتا ہے۔

ابھی وہ یہ بات کر ہی رہی تھی کہ نوکر ہرن کا بھنا ہوا گوشت اور نان لے کر اندر آگیا۔

"صاحب - گوشت آگیا ہرن کا - نان بھی آگیا۔

کیٹی نے جلدی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ ناگ نے بھی جلدی سے جوہرات تھیلی میں ڈال کر اسے جیب میں رکھا اور کہا۔

ٹھیک ہے - یہاں رکھ دو اور تم جاؤ۔

بہت اچھا سینور - صاحب !

نوکر باہر نکل گیا مگر اس نے جوہرات کی تھیلی دیکھ لی تھی اس نے جاتے ہی سرائے کے مالک کو خبر کر دی کہ یہ جو شام کو مسافر آیا ہے اس کے پاس بڑے قیمتی ہیرے جوہرات ہیں۔ سرائے کے مالک نے اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کس کا انتظار ہے - آج رات ان دونوں کا کام تمام کر دو - ہم جوہرات آدھے آدھے بانٹ لیں گے یہ لو خنجر۔

اور سرائے کے مالک نے اسے خنجر نکال کر پکڑا دیا اور کہا۔

"خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ تم اپنا کام کر کے میرے گھر چلے جانا۔ لاشوں کو میں خود ہی سنبھال لوں گا۔

نوکر نے خنجر اپنے کپڑوں میں چھپا لیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ اِدھر ناگ اور کیٹی نے تھوڑا بہت ہرن کا گوشت کھایا اور پھر قہوہ پی کر عنبر اور ماریا کی باتیں کرنے لگے کہ وہ نہ جانے اس وقت کہاں ہوں گے اور پھر ان سے کب اور کہاں ملاقات ہو گی۔ ناگ نے کہا۔

کیٹی تم نے چٹکی بجا کر نہیں دیکھا۔ ہو سکتا ہے چٹکی بجانے سے تمہاری طاقت واپس آجائے۔

○

ویران آسیبی جہاز

کیٹی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

یہی تو ساری مصیبت ہے کم بخت چٹکی کے پرزے پھر ڈھیلے پڑ گئے ہیں ورنہ میں عیسائی جادوگر کے کب ہاتھ لگ سکتی تھی عین موقع پر چٹکی دغا دے گئی اب اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ناگ نے کہا۔

بھلا بجا کر تو دیکھو

کیٹی بولی۔

کہیں میری شکل ہی نہ بدل جائے۔

ناگ بولا۔

لیکن تم تو کسی کی شکل دماغ میں لاتی ہو ت[illegible]ں کر بیٹھ[illegible] شکل بنتی ہے تم ایسا کرو کہ اپنی ہی شکل کا [illegible]

ذہن میں لاکر چٹکی بجاؤ۔ ظاہر ہے تمہاری شکل تو بدلے گی نہیں مگر ہو سکتا ہے تمہاری طاقت واپس آ جائے اور تم پھر سے پہلے والی کیٹی بن جاؤ۔

کیٹی نے کہا

کوشش کر کے دیکھ لیتی ہوں۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ ایسا ہو۔ میرا جو چٹکی والا جن ہے نا۔ بڑا شرارتی ہے۔

تم چٹکی بجاؤ تو سہی" ناگ نے کہا۔

کیٹی نے آنکھیں بند کر کے اپنی شکل کا تصور آنکھوں میں کیا [illegible]ٹکی بجا دی۔ وہ ویسی کی ویسی ہی رہی۔

"دیکھا کوئی فرق نہیں پڑا۔

ناگ نے کہا۔

"اپنی خلائی طاقت کو آزماؤ۔

کیٹی نے دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر تھوڑا سا باہر نکلا ہوا تھا اس نے اس پتھر کو دو انگلیوں سے پکڑ کر ذرا سا جھٹکا دیا۔ تو [illegible] دیوار سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ کیٹی کا چہرہ [illegible] چمکنے لگا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

[illegible] سچ مچ میری طاقت واپس آگئی ہے۔"

[illegible]ش ہو کر کہنے لگا۔

"میں کہتا تھا کہ تمہاری طاقت ضرور تمہیں واپس مل جائے گی بھلا اتنا مضبوط پتھر کوئی عام آدمی دیوار سے اکھاڑ سکتا ہے۔

کیٹی نے کہا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس منحوس جادوگر کا جادو ٹوٹ گیا۔

ناگ بولا۔

"اب ایک بار چٹکی بجا کر یہ دیکھو کہ تمہاری شکل بھی تبدیل ہوتی ہے کہ نہیں۔

کیٹی نے کہا۔

"دیکھتی ہوں"

"کیٹی نے کچھ سوچ کر کہا۔

میں سرائے کے مالک کی شکل ذہن میں لاکر چٹکی بجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کوشش کر کے دیکھو۔

کیٹی نے سرائے کے مالک کی شکل کا تصور ذہن میں جمایا اور چٹکی بجا دی دوسرے لمحے وہ عورت سے سرائے کا مالک بن گئی۔ اب اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور وہ پوں کر بیٹھ کر ناگ کے سامنے بیٹھی تھی ناگ حیران ہو کر بولا۔

"کیٹی۔ کیا تم کیٹی ہو کر سرائے کا مالک ہو"

کیٹی کی آواز مردوں کی طرح بھاری ہو گئی تھی کہنے لگی۔
"میں کیٹی ہی ہوں ناگ مگر اس وقت اس سرائے
کے مالک کے روپ میں ہوں۔ چٹکی بجا کر واپس
اپنی اصلی شکل میں آ جاتی ہوں۔
ناگ نے کہا۔
نہیں کیٹی! اس شکل میں رہو یہ اچھی لگتی ہے مجھے
کم از کم ایک رات اسی طرح گزار دو صبح اپنی اصلی
شکل میں آ جانا۔
"جیسے تمہاری مرضی"
کیٹی نے مسکرا کر کہا اور قالین پر سونے کے لیے کمبل اوڑھ
کر لیٹ گئی۔ ناگ نے کہا۔
میرا خیال ہے کہ تم آرام کرو میں چاندنی رات میں
باہر جا کر جنگل کی سیر کرتا ہوں کیونکہ تم مرد بن
چکی ہو اب تمہیں میری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے
کیٹی نے کمبل اوپر لے کر کہا۔
مگر جلدی واپس آ جانا زیادہ رات باہر نہ گزارنا
ناگ نے کہا۔
"بے فکر ہو کر آرام کرو۔ میں یہاں سے دور نہیں
جاؤں گا۔

ناگ نے جواہرات کی تھیلی کیٹی کو دے دی۔
"اس کو اپنی جیب میں رکھ لو"
اور خود باہر نکل گیا۔
تھوڑی دیر بعد کیٹی کو نیند آنے لگی اور وہ سو گئی۔
اس وقت رات بہت گہری ہو گئی تھی اور شہر پر گہری
خاموشی چھا چکی تھی ناگ شہر سے باہر کھیتوں میں نکل گیا۔
اور چاندنی رات میں اِدھر اُدھر سیر کرنے لگا۔
جب رات نے سب کو سلا دیا تو سرائے کے مالک کا چور
نوکر خنجر سنبھال کر کوٹھڑی سے باہر نکلا اور ناگ کیٹی
کی کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کیٹی نے ناگ کی
وجہ سے اندر سے بند نہیں کیا تھا۔ دروازے کو کھلا دیکھ
کر چور نوکر بہت خوش ہوا اور آہستہ سے دروازہ کھول
کر اندر داخل ہو گیا۔
کوٹھڑی کے طاق میں دیا مدھم ہو کر جل رہا تھا۔
چور نوکر نے دیکھا کہ کوئی کمبل اوڑھے سو رہا ہے۔ اس نے
پہلے تو اِدھر اُدھر جواہرات کی تھیلی کو تلاش کیا۔ جب
اسے تھیلی کہیں نہ ملی تو کیٹی کے پاس آ کر خنجر نکال کر بیٹھ
گیا اور پھر آہستہ سے کیٹی کو ناگ سمجھ کر اس کی [illegible]
پر خنجر رکھ کر آہستہ سے بولا۔

چپکے سے جوہرات کی تھیلی میرے حوالے کر دو
نہیں تو یہ خنجر تمہاری گردن میں گھونپ دوں گا
اور ذرا سا بھی شور مچایا تو جان سے ہاتھ دھو
بیٹھو گے۔
کیٹی نے کمبل منہ پر سے ہٹا دیا۔
اب جو چور نوکر نے اپنے سرائے کے مالک کو لیٹے ہوئے
دیکھا تو مارے حیرت کے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
"میرے آقا! تم یہاں کہاں۔
کیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ
پھیر کر مردانہ آواز میں بولی۔
حرام خور۔ کیا کرنے آئے ہو یہاں!
چور نوکر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔
میرے آقا۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ جوہرات کی تھیلی
چُرا کر لاؤں۔ مگر تم یہاں کیسے آ گئے۔ وہ دونوں
کہاں ہیں۔
اب کیٹی سارا ماجرا سمجھ گئی کہنے لگی۔
دوستو۔ میں نے جوہرات کی تھیلی اپنے قبضے میں کر
لی ہے۔
اور وہ دونوں کہاں ہیں میرے آقا۔

کیٹی نے کہا۔
میں نے اُن کو قتل کر کے دونوں کی لاشیں سرائے
کے باہر پھینک دی ہیں میرے ساتھ آؤ۔ ہم ان
کی لاشوں کو دریا میں ڈال آتے ہیں نہ رہے گا بانس
نہ بجے گی بانسری۔
کیٹی نے چور نوکر کو ساتھ لیا اور سرائے سے باہر
نکل آئی۔
ادھر سرائے کے مالک کو اپنے نوکر پر اعتبار نہیں تھا۔
اس خیال سے کہ کہیں وہ ہیرے جوہرات چرا کر فرار نہ ہو
جائے سرائے کا اصلی مالک سرائے کے باہر ایک جگہ چھپ کر
بیٹھا ہوا تھا جونہی اس نے ہلکی چاندنی میں دو سایوں کو سرائے
سے باہر نکلتے دیکھا وہ خنجر تان کر ان کے سامنے آگیا
اس نے اپنے نوکر کو پہچان لیا مگر اس کے ساتھ اپنا
ہی ہم شکل انسان دیکھ کر دنگ رہ گیا وہ بار بار آنکھیں
جھپک رہا تھا ادھر چور نوکر نے جب دیکھا کہ اس کا ایک
مالک اس کے پاس کھڑا ہے اور دوسرا اس کی شکل صورت کا
مالک اس کے سامنے خنجر تانے کھڑا تھا اس کے ہاتھوں
کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ
ماجرا کیا ہے کیا جادوگری ہے اصلی مالک کون ہے او

مالک کون ہے سرائے کا اصلی مالک بھی خوفزدہ ہوگیا
تھا کیونکہ بالکل اسی کی شکل کا قد کاٹھ کا اس کی مونچھوں
والا ایک دوسرا سرائے کا مالک اس کے سامنے کھڑا تھا۔
کیٹی نے کہا۔
کون ہو تم بدبخت!
سرائے کے مالک نے جب بالکل اپنی ہی آواز سنی تو اس
کی ہمت جواب دے دی اور غش کھا کر دھڑام سے گر
پڑا۔ اسے گرتا دیکھ کر نوکر بھی چیخ مار کر سر پر پاؤں
رکھ کر اٹھ دوڑا۔ کیٹی کھڑی مسکرانے لگی بلکہ مسکرانے لگا
کیونکہ اس وقت وہ سرائے کا مالک کی شکل میں تھی اور اس کی
بڑی بڑی مونچھیں تھیں وہ چٹکے سے واپس اپنے کمرے میں
آکر لیٹ گئی۔
اتنے میں ناگ بھی واپس آگیا اس کو کیٹی نے سارا واقعہ
سنایا تو وہ بہت ہنسا اور پھر کہنے لگا۔
میرا خیال ہے کہ اب تم چٹکی بجا کر کسی دوسری شکل
میں آ جاؤ کیونکہ ہمارے جوہرات تو چوری ہونے
سے بچ گئے ہیں۔
کیٹی نے جھٹ چٹکی بجائی اس نے اپنے دماغ میں اپنی
[illegible] تصور کیا تھا۔

وہ سرائے والے آدمی سے دوبارہ کیٹی بن گئی۔
دن چڑھا تو سرائے کا مالک ناگ کی کوٹھڑی میں ڈرتا
ڈرتا داخل ہوا مگر اندر اس کے ہم شکل کی بجائے کیٹی اور
ناگ بیٹھے تھے۔ ناگ نے پوچھا۔
"کیا بات ہے بھائی۔ ہم نے تو کوٹھڑی کا کرایہ
رات کو ہی ادا کر دیا تھا۔
سرائے والا بولا۔
یہاں تمہارے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا وہ کون تھا
کیٹی نے کہا۔
یہاں تو ہمارے سوائے اور کوئی نہیں رہتا۔
سرائے والا حیرانی سے آنکھیں گھماتا واپس چلا گیا۔ تھوڑی
دیر بعد ناگ نے کیٹی سے کہا۔
میں شہر میں جا کر پتہ کرتا ہوں کہ ان ہیرے جوہرات
کا اصل مالک کون ہے تاکہ اس کی امانت اسے واپس
لوٹا دوں۔ تم اتنی دیر یہیں سرائے میں ہی میرا انتظار
کرنا۔
کیٹی نے کہا۔
"ناگ تم زیادہ دیر نہ لگانا۔
ناگ نے کیٹی کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ وہ شہر میں ہی جا

جلدی واپس آجائے گا۔ وہ سرائے سے نکل کر شہر کے
بازار میں آگیا۔ یہاں ہیرے جواہرات کے سوداگروں کی دکانیں
تھیں ناگ نے ایک دکاندار کو جواہرات دکھائے اور پوچھا۔
بھائی کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ جواہرات یہاں کون سوداگر
اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

دکاندار نے جواہرات فوراً پہچان لیے وہ شہر کے گورنر
کے جواہرات تھے اور دو روز پہلے چوری ہو گئے تھے۔ اس
نے ناگ سے کہا۔

"بھائی۔ تم یہاں ٹھہرو میں ساتھ والے دکاندار سے
پوچھتا ہوں۔

دکاندار نے باہر جا کر پولیس کو خبر کر دی کہ گورنر کے جو
ہیرے جواہرات چوری ہو گئے تھے وہ چور سمیت مل گئے
ہیں پولیس نے اسی وقت ناگ کو گرفتار کر لیا ناگ نے بہت
کہا کہ یہ جواہرات اس نے چوری نہیں کئے بلکہ ایک ڈاکو سے
حاصل کئے ہیں اور وہ اسے اس کے مالک کے پاس لوٹانے
آیا ہے مگر پولیس اسے پکڑ کر لے گئی اور حوالات میں بند
کر دیا۔

ناگ کو سخت غصہ آیا کہ وہ تو نیکی کرنے چلا تھا اور الٹا
مصیبت میں پھنس گیا ہے اس نے کوتوال سے کہا۔

"مجھے گورنر کے سامنے پیش کرو۔
کوتوال بڑا ظالم آدمی تھا اس کی شکل دیکھ کر ہی بڑے
بڑے چور ڈاکو ڈر جاتے ہیں۔ اس نے ناگ کو سخت لہجے
میں کہا۔
خاموش ہو کر بیٹھے رہو جب وقت آئے گا تو خود
تمہیں گورنر کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔
کوتوال نے الٹا ناگ سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ
اس کے ساتھی ڈاکو کہاں ہیں اور اس نے اور کہاں کہاں
ڈاکہ مارا ہے۔ ناگ بولا۔
"میں ڈاکو نہیں ہوں۔ نہ کوئی میرا ساتھی ہے"
کوتوال نے ناگ کو تہہ خانے میں پہنچا دیا جہاں دو جلاد تلواریں
لیے کھڑے تھے ناگ کو ایک شکنجے میں جکڑ دیا گیا۔
"ناگ نے کہا۔
"تم لوگ خواہ مخواہ ایک شریف انسان کو تنگ کر رہے
ہو۔ میں ڈاکو نہیں ہوں۔
کوتوال نے ناگ کو گالی دے کر کہا۔
"بکواس بند کرو"
ناگ سے گالی کبھی برداشت نہیں ہوئی تھی اسے ایک دم
غصہ آگیا اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھنکار ماری

کالا سانپ بن کر شکنجے میں سے باہر نکل آیا کوتوال دہشت زدہ
ہو کر باہر کو بھاگا جلادوں نے ایک انسان کو سانپ بنتے دیکھا
تو تلواریں ہاتھوں سے پھینک کر باہر بھاگ گئے۔
ناگ کوتوال کے پیچھے لپکا اور اسے سیڑھیوں میں جا کر پکڑ
لیا۔ ناگ اس کی گردن میں جا کر لپٹ گیا اور اپنا پھن اس کے
منہ کے آگے لہراتا ہوا زبان باہر نکالنے لگا کوتوال کا رنگ
فق ہو گیا تھا اور اس کا موٹا جسم کانپنے لگا تھا ناگ نے
اس کی گردن کے گرد شکنجہ کسنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کوتوال
کی آنکھیں باہر نکل آئیں اور اس کا سانس رکنے لگا۔
ناگ نے بڑے غصے کے عالم میں کوتوال کی آنکھوں کے
درمیان ڈس لیا اور اس کی گردن سے نیچے اتر آیا کوتوال
نے اپنی گردن پکڑ لی اور سیڑھیوں پر چکر کھا کر گر پڑا ناگ
سیڑھیوں کی دیوار پر رینگتا ہوا باہر آ گیا۔
یہ کوتوالی کی چھت تھی جہاں دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ناگ
چھت سے اتر کر پچھلی طرف سنگتروں کے ویران باغ میں
چلا گیا اور دوبارہ اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ یہاں سے وہ سیدھا
سرائے میں پہنچا اور کیٹی سے کہا۔
[illegible] جواہرات اس [illegible] کے مالک کو واپس کر دیتے ہیں
[illegible] شہر سے نکل چلیں۔

پھر اس نے ساری کہانی کیٹی کو بیان کی کیٹی نے کہا۔
گورنر کے سپاہی تمہاری تلاش میں ہوں گے ہمیں
اس وقت یہاں سے کوچ کر جانا چاہیئے۔
ناگ اور کیٹی نے سرائے کو الوداع کیا اور قرطبہ شہر کے
دروازے کی طرف روانہ ہو گئے شہر سے باہر نکلنے کے لیے اس
کے کسی نہ کسی دروازے میں سے گزرنا لازمی تھا اور ہر
دروازے پر پہرے داروں کو ناگ کا حلیہ بتا کر خبردار کر دیا
گیا تھا مگر ناگ کے لیے حلیہ بدلنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔
وہ بڑی آسانی سے شہر سے باہر آ گیا اور کیٹی کو ساتھ لے کر
چٹانوں والے میدان سے ہوتا ہوا عنبر اور ماریا کی تلاش
میں روانہ ہو گیا۔

O

اب ہم ماریا کی طرف آتے ہیں۔
وہ راجکماری پاروتی کو اس کے محل میں خیر خیریت سے
چھوڑ کر اور اس کا تاج و تخت اسے واپس دلا کر دریا کے
ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی وہ بھی عنبر ناگ اور کیٹی کی تلاش
میں تھی۔

چلتے چلتے اسے رات ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ رات کا
اندھیرا پھیل گیا ہے۔ کسی جگہ رات بھر آرام کرے اور دوسرے
دن پھر سفر پر روانہ ہو۔ یہ سوچ کر وہ ایک ٹیلے پر چھوٹی
سی بارہ دری دیکھ کر آ گئی اس بارہ دری میں آ کر اس
کی نگاہ دوسری طرف گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ دریا میں ایک
بادبانی جہاز آہستہ آہستہ بہتا چلا جا رہا ہے۔

ماریا کو خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اس جہاز پر سوار ہو جائے
اس طرح سے وہ سفر کرتی رہے گی اور رات بھی گزار دے
گی پس وہ ٹیلے سے اتر کر دریا کے کنارے پر آ گئی۔ اس
دریا کا پاٹ یہاں آ کر بہت چوڑا ہو گیا تھا۔ شاید وہ سمندر
میں گر رہا تھا اور آگے جا کر سمندر شروع ہو جاتا تھا۔

ماریا نے دریا کی لہروں سے پانچ فٹ بلند ہو کر اڑنا
شروع کر دیا اور سیدھی بادبانی جہاز کے عرشے پر آ گئی
رات کے اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی
ہوئی تھی اس روشنی میں بادبانی جہاز بڑا پراسرار لگ
رہا تھا اس کے دو بادبان تھے دونوں ہوا میں پھولے ہوئے
تھے اور جہاز سمندر کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

مگر ماریا نے دیکھا کہ جہاز کے عرشے پر کوئی ملاح نہیں
تھا [illegible] موسم سرد نہیں تھا اور رات کو ملاح لوگ اکثر

جہاز کے عرشے پر ہی سوتے ہیں اس نے خیال کیا کہ ہو سکتا
ہے ملاح نیچے ہوں وہ جہاز کی نچلی منزل پر آ گئی۔ یہاں
چھ سات کیبن بنے ہوتے تھے مگر سب کے، دروازے
کھلے تھے اور اندر کوئی انسان نہیں تھا ماریا نے سارا جہاز
گھوم پھر کر دیکھا۔ جہاز چل رہا تھا مگر وہاں کوئی انسان
نہیں تھا۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ کس قسم کا جہاز ہے کہ بغیر ملاحوں
اور جہازیوں کے چل رہا ہے۔ چونکہ ہوا جہاز کے بادبانوں
میں پھولی ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے آپ ہوا کے رخ پر
بہا چلا جا رہا تھا۔ ماریا جہاز کے کپتان کے کیبن میں آ
گئی۔ یہاں قطب نما، کمپاس اور سمندری نقشے پڑے تھے۔
کپتان کا بستر بھی لگا تھا مگر کپتان کہیں نہیں تھا۔

ماریا کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس جہاز پر کوئی وبا پھیل
گئی ہو اور جہاز کا سارا عملہ باری باری ہلاک ہو گیا ہو۔
لیکن وہاں کسی بیماری کے بھی کوئی آثار نہیں تھے۔ جہاز کی
لاگ بک میں بھی کسی بیماری کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لاگ بک
کپتان کی ڈائری ہوتی ہے اور وہ اس پر روز کے حالات اور
واقعات لکھتا رہتا ہے۔

جہاز پر موت ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی ہر [illegible]

ہی اندھیرا تھا کسی کیبن یا راہ داری میں کوئی چراغ نہیں جل رہا تھا ماریا اکیلی اس ویران آسیبی جہاز کی دوسری منزل میں گھوم رہی تھی کہ اسے اچانک نیچے کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی یہ سٹور روم تھا اور یہاں تجارت کا مال بھرا ہوا تھا کپڑے اور دوسرے مال کی بڑی بڑی گانٹھیں دیوار کے ساتھ لگی تھیں کونے میں ایک چراغ روشن تھا ماریا سانس روک کے سیڑھیوں کے پاس آکر رک گئی۔

اسے قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی پھر یہ آواز دور ہو گئی جیسے کوئی غیبی آدمی چلتے چلتے دوسری طرف دیوار کے پاس چلا گیا ہو آواز رک گئی۔ پھر کسی نے دیوار کی کھڑکی کھول دی باہر دریا کا چوڑا پاٹ تھا اور آسمان پر ستارے چمکتے دکھائی دے رہے تھے اچانک ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی اور جیسے کوئی کھڑکی میں سے دریا میں کود گیا دریا میں کسی انسانی جسم کے گرنے اور پانی کے اچھلنے کی آواز بلند ہوئی۔

ماریا بھاگ کر کھڑکی کے پاس آگئی۔ اس نے باہر جھانک کر [illegible] دریا کی لہریں سکون سے بہہ رہی تھیں۔ ایک دم سے

اس کے کانوں میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ ماریا نے پلٹ کر دیکھا اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا وہ چراغ کی روشنی میں آگئی۔ یہاں اسے کاغذ کا ایک پرزہ پڑا ہوا ملا۔ ماریا نے اسے اٹھا کر پڑھا اس پر کٹے پھٹے انداز میں لکھا تھا۔

"دریا میں چھلانگ لگا کر بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ اس آسیبی جہاز سے بھاگ جاؤ۔۔۔ دریا میں چھلانگ لگا دو۔"

ماریا کاغذ ہاتھ میں لیے غور کر رہی تھی کہ یہ کس نے لکھا ہے اور ابھی جس نے چھلانگ لگائی تھی وہ کون تھا کہ جہاز کی رفتار تیز ہوتی محسوس ہوئی اور پھر اسے ملاحوں کے ایک دردناک گیت کی آوازیں سنائی دینے لگیں وہ جلدی سے جہاز کے عرشے پر آگئی اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ جہاز کی رسیاں اپنے آپ ادھر ادھر ہو رہی تھیں اور جہاز کے بادبان خود بخود آگے پیچھے ہو رہے تھے۔ ملاحوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ یہ ایک درد بھرے گیت کی آوازیں تھیں۔

جہاز کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی اور جہاز نے ڈولنا شروع کر دیا تھا ماریا نے بلند آواز میں پکار کر کہا۔

"تم لوگ کون ہو؟ اس جہاز پر کیا گزر رہی ہے"

اس کی آواز کے بلند ہوتے ہی جہازیوں کے گیت کی آواز رک گئی ہر طرف ایک بار پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔ مگر جہاز اسی طرح تیز تیز دریا میں سمندر کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا دریا کی لہریں تیزی سے پیچھے ہٹ رہی تھیں اور جہاز انہیں چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

ماریا عرشے پر ایک جگہ بیٹھ گئی

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اس جہاز پر رات بسر کر کے صبح ہوتے ہی کسی دوسری طرف پرواز کر جائے گی۔ اسے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ جانے وہ کتنی دیر سوئی ہو گی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے دیکھا کہ آسمان پر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں اور جہاز سمندر میں کسی پہاڑی جزیرے کے کنارے کھڑا ہے۔ وہ ایک دم سے اٹھی اور اس نے چاروں طرف نظر ڈالی اس کے تینوں طرف سمندر ہی سمندر تھا اور سامنے ایک بہت بڑا پہاڑ منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ وہ جہاز سے اتر کر خشکی پر آ گئی یہ ایک غیر آباد جزیرہ تھا پہاڑ کے سامنے پتھریلے میدان [illegible] جگہ جگہ چٹانیں اور ٹیلے کھڑے تھے کہیں کوئی درخت نہیں [illegible] کسی طرف سے کسی پرندے کی آواز بھی نہیں آ رہی

تھی۔

اس نے ایک ٹیلے کے اوپر جا کر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ جس کو وہ جزیرہ سمجھ رہی تھی وہ جزیرہ نہیں تھا بلکہ آگے زمین اور جنگل جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ وہاں تک پھیلے ہوئے تھے وہ کسی اجنبی ملک کی سرزمین پر آ گئی تھی اچانک اس کی نگاہ جہاز پر گئی تو یہ دیکھ کر دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی کہ جہاز کھڑے کھڑے سمندر میں ڈوب رہا تھا۔

ماریا کے دیکھتے دیکھتے جہاز سارے کا سارا سمندر میں ڈوب گیا۔ وہ پریشان سی ہو گئی کہ یہ کیا ماجرہ ہے اور وہ کسی خاص جادو یا طلسم کے اثر میں وہاں تو نہیں لائی گئی۔

اب وہ اس جگہ بالکل اکیلی تھی۔ کالے بادل آسمان کو ڈھانپے ہوئے تھے بادلوں میں جہاز کے ڈوبتے ہی بجلی چمکنے لگی اور بادل گرجنا شروع ہو گئے پھر بارش شروع ہو گئی۔

ماریا پہاڑی ٹیلے سے اتر آئی اور بارش سے بچنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے لگی وہاں نہ کوئی غار تھی اور نہ ہی کوئی گھنا درخت تھا کہ جس کے نیچے [illegible] بارش سے بچ کر تھوڑی دیر بیٹھ سکتی

بارش بہت تیز ہو گئی اگرچہ ماریا غائب تھی مگر بارش
اور پھر تیز بارش میں اسے تکلیف محسوس ہوا کرتی
تھی اور اس کے جسم کی لہریں بار بار جھنجھانے لگتی تھیں
وہ اِدھر اُدھر کوئی جگہ ڈھونڈھ رہی تھی کہ اس کی
نگاہ پتھر کے ایک تنور پر پڑی۔ یہ تنور گول پتھروں کو
جوڑ کر بنایا گیا تھا اور پرانے زمانے میں لوگ اسی میں
روٹیاں لگایا کرتے تھے اور اکثر جنگلوں میں ایسی جگہ
پر بنا دیا جاتا تھا جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ تاکہ
مسافروں کو روٹیاں پکانے میں آسانی رہے۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اس کے اندر اتر کر بیٹھ
جائے اور جب بارش رکے تو باہر نکل آئے تنور بہت بڑے
گول مرتبان کی طرح کا تھا ماریا تنور میں اتر کر اس کے
پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی بارش تنور کے اندر بھی گر رہی
تھی مگر ماریا بارش سے محفوظ تھی۔

ماریا کا خیال تھا کہ بارش تھوڑی دیر بعد رک جائے گی
مگر بارش اور زیادہ تیز ہو گئی۔ بادل زور زور سے
گرجنے لگے بجلی رہ رہ کر چمکتی اور کڑکتی۔ ایسا لگ رہا
تھا کہ آسمان ابھی پھٹ پڑے گا ماریا حیران ہوئی کہ یہ کون
سا علاقہ ہے کون سی سرزمین ہے کہ جہاں اتنی خوفناک بارش
کے طوفان آتے ہیں۔

اچانک ایک گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہوئی۔
جیسے کسی پہاڑ سے کوئی پتھر ٹوٹ کر گر پڑا ہو۔ ماریا
باہر نکلنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک دم
سے بھاری پتھر تنور کے منہ پر آ کر لگ گیا اور تنور
کے اندر گہرا اندھیرا چھا گیا۔ تنور میں جیسے بھونچال سا آ
گیا ماریا غائب حالت میں تھی اُسے دھچکا وغیرہ تو نہ لگا
لیکن تنور دائیں بائیں ہل گیا ماریا نے اس مصیبت سے
باہر نکلنے کا فیصلہ کیا اور تنور کی دیوار میں سے باہر گزرنے
لگی تو اس کے غیبی جسم کی لہریں تنور کی دیوار سے ٹکرا کر
واپس آگئیں اور باہر نہ نکل سکیں۔

ماریا نے دوسری بار کوشش کی تو وہ پھر ناکام ہو گئی
اور باہر نہ نکل سکی اس نے بلند ہو کر تنور کے منہ پر گرا
ہوا بھاری پتھر ہاتھ سے پرے ہٹانا چاہا تو وہ پتھر بھی
اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ اب تو ماریا سچ مچ پریشان
ہو گئی اسے احساس ہوا کہ وہ کسی مشکل میں پھنس
گئی ہے اور کسی طلسم کے اثر میں آگئی ہے۔ اب تنور نے
لڑھکنا شروع کر دیا۔

اسے ایسے لگا جیسے تنور زمین پر لڑھکتا چلا [illegible] ہے

کافی دور تک لڑھکنے کے بعد تنور رُک گیا اور ماریا نے
محسوس کیا کہ وہ زمین کے اندر جا رہا ہے ماریا تنور کی
دیوار کے ساتھ لگے خاموش بیٹھی رہی۔ اچانک ایک دھماکے کی آواز
کے ساتھ تنور رُک گیا۔ اس کے ساتھ ہی تنور کی دیوار میں شگاف پیدا
ہوا اور کھڑکی کھل گئی۔ اس کھڑکی میں سے ایسی ہوا آنے لگی جیسی گہرے
اندھیرے زمین کے اندر غاروں سے آیا کرتی ہے۔

ماریا کھڑکی سے باہر نکل آئی اس نے خدا کا شکر
ادا کیا کہ کم از کم وہ تنور کی قید سے تو آزاد ہوئی۔ اب
اس نے یہ دیکھا کہ وہ کہاں آ گئی ہے یہ ایک پتھروں کی
بنی ہوئی کوٹھڑی تھی جس کی چھت میں کسی جگہ سے ہلکی
ہلکی روشنی آ رہی تھی ماریا اُچھل کر چھت کی روشنی والی
جگہ کے پاس آ گئی اس کا خیال تھا کہ شاید یہ کوئی سوراخ
ہو گا جہاں باہر سے روشنی آ رہی ہو گی اور وہ اس سوراخ
میں سے باہر نکل جائے گی مگر ایسا نہیں تھا یہ روشنی
ایک سفید شیشے ایسے پتھر میں سے نکل رہی تھی اور ماریا
کے جسم کی لہریں اس شیشے ایسے پتھر سے باہر نہیں نکل
سکتی تھیں۔

ماریا نے پیچھے آ کر پتھریلی دیواروں سے بھی گزرنے کی
کوشش کی مگر ایسا نہ کر سکی چھت سے جو ہلکی روشنی
آ [illegible] تھی اس میں ماریا نے دیکھا کہ دیواروں کے پتھروں

ہی کہیں کہیں سے پانی "ٹپک" رہا ہے وہ ان پتھروں کو غور
سے دیکھنے لگی۔ ایک جگہ سے پتھر پیچھے کو ہٹا ہوا تھا۔ ماریا
نے اسے زور سے دھکیلا تو وہ پیچھے کو گر پڑا اور وہاں
ایک چوکور شگاف بن گیا وہ جلدی سے اس شگاف میں سے
گزر کر دوسری طرف آ گئی یہ بھی ایک چھوٹی سی پتھریلی دیواروں
اور چھت والی کوٹھڑی تھی۔ مگر اس کوٹھڑی میں ایک دیا جل رہا تھا۔
دیئے کی روشنی میں ماریا نے دیوار کے ساتھ ایک صندوق
پڑا دیکھا وہ چلتی ہوئی صندوق کے پاس آئی صندوق پر
زنگ سے بھرا ہوا پرانا تالا لگا تھا ماریا نے تالا توڑ ڈالا
صندوق میں سے کسی کی ہلکی سی کراہنے کی آواز آئی۔

ماریا نے جلدی سے صندوق کھول دیا۔
اس کے منہ سے چیخ نکل گئی صندوق میں اس کے صدیوں
کے ساتھی اور بھائی ناگ کی لاش پڑی تھی اس کا سر کٹا
ہوا تھا اور اس کی چھاتی پر پڑا تھا ناگ کی لاش کو دیکھ
کر ماریا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اس کا دل ناگ کی
موت سے بھر آیا اس نے آج تک ناگ کو اس حالت میں
نہیں دیکھا تھا وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ناگ کا اگر جسم کاٹ دیا
جائے تو چھ ماہ کے اندر اندر اسے کیلاش پربت کی مقدس
جھیل کے پانی میں نہ ڈالا جائے تو وہ مر سکتا ہے۔
ناگ کی لاش کافی خراب حالت میں تھی اور صاف

تھا کہ اسے مرے ہوئے چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا
ہے۔ اب اسے دنیا کی کوئی طاقت زندہ نہیں کر سکتی تھی
مگر یہ کیسے ہو گیا ناگ کو کس نے قتل کر کے اس کی لاش
صندوق میں ڈال کر اس غار میں لا کر رکھ دی۔ اس نے
ایک بار پھر چراغ کی روشنی میں ناگ کی لاش کو غور
سے دیکھا اس کی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں یہ ناگ ہی
کی لاش تھی۔

O
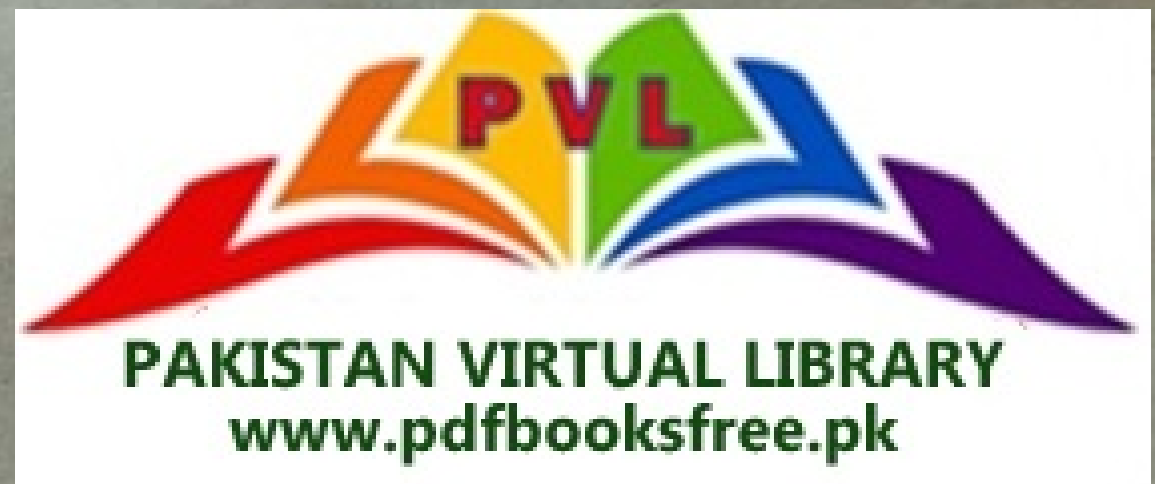
صندوق سے نکلتی کراہنے کی آواز

ماریا کو ایک اور بات کی بھی حیرانی تھی
اگر ناگ مر چکا تھا تو پھر بند صندوق کے اندر سے
کراہنے کی آواز کس کی تھی؟ ماریا نے ایک بار پھر غور سے
ناگ کی لاش کو دیکھا لاش کی حالت بہت خراب تھی۔ سر
گردن سے بالکل الگ تھا ناگ کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ
گلنے سڑنے لگا تھا ماریا نے صندوق بند کر دیا ناگ کی لاش
دیکھنے کے بعد ماریا کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ رہے تھے
وہ خود اس کوٹھڑی میں بے بس ہو کر قید کر دی گئی تھی۔
وہ لوہے کی دیواروں میں سے نکل جایا کرتی تھی مگر اس
وقت وہ پتھر کی ایک دیوار بھی پار نہیں کر سکتی تھی ا
طاقت کس نے چھین لی تھی اور اسے وہاں کس نے قید
دیا تھا۔

ناگ کو کس نے قتل کیا تھا یہ معمہ ماریا کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا طاق میں دیا جل رہا تھا خدا جانے کتنا وقت گزر
گیا چراغ کی لو مدہم ہونے لگی کوٹھڑی میں روشنی کم ہو گئی
ماریا دیوار کے ساتھ لگی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی اسے
بار بار عنبر اور کیٹی کا خیال آ رہا تھا کہ انہیں معلوم ہی نہیں
ہے کہ ناگ ہلاک ہو چکا ہے ماریا کو کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا
کہ یہ کون سی جگہ ہے کون سا ملک ہے ناگ کو کس نے قتل
کیا ہے اور اسے وہاں کس نے قید کر رکھا ہے اور اسے وہاں
قید کرنے اور اس کی طاقت چھین لینے کا مقصد کیا ہے۔

طاقچے میں جلتے ہوئے چراغ کی لو مدھم ہوتے ہوتے
بجھنے لگی تو ماریا اُٹھ کر اس کے پاس گئی تاکہ چراغ کی
بتی اونچی کرے مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی چراغ گُل
ہو گیا اور کوٹھڑی میں اندھیرا چھا گیا۔ ماریا کے لیے اندھیرے
میں دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں تھی اس کی یہ طاقت ابھی
اس کے پاس ہی تھی۔

وہ واپس مڑنے ہی لگی تھی کہ اُس نے دیکھا چراغ کے
طاق میں ایک ننھے سے سوراخ میں سے روشنی آ رہی ہے
پھر یہ [illegible]نی بڑھنے لگی اور طاق میں سے ایک جگہ سے پتھر
پر[illegible]ٹ گیا۔ ماریا نے چراغ اُٹھا کر ایک طرف کیا اور

خود طاق کے شگاف میں سے دوسری طرف آ گئی۔

یہ جگہ کسی قلعے کا بہت بڑا تہہ خانہ لگ رہا تھا۔ بڑے بڑے
اُونچے ستونوں پر مصر کی ملکہ اور فرعون) مصر کی تصویریں بنی ہوئی
تھیں یہاں روشنی ایک لالٹین سے آ رہی تھی جو دیوار کے
پاس ایک ستون کے قریب پتھر کی اُونچی سِل پر رکھی ہوئی
تھی یہ لالٹین یہاں کس نے روشن کر رکھی تھی لالٹین کی
چمنی پر کالک لگی ہوئی تھی لگتا تھا کہ وہ نہ جانے کب سے وہاں
جل رہی ہے اور اس کی چمنی کسی نے صاف نہیں کی۔

دیواروں پر پتھروں کی چھوٹی چھوٹی نیلی ٹائلیں لگی ہوئی
تھیں فرش پر مٹی اور گرد پڑی تھی ماریا ایک ستون کے
پاس گئی تو اس نے دیکھا کہ وہاں ایک لکڑی کا مُردے لے
جانے والا تابوت سیدھا دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کیا ہوا
ہے تابوت کے باہر پرانی مصری زبان میں لکھا تھا۔

میں مصر کا جابر حکمران تھا میرے حکم کے بغیر
ایک پرندہ بھی پر نہیں مارتا تھا میں نے ایک ہزار
انسانوں کو زندہ زمین میں دفن کرا دیا۔

ماریا کانپ اُٹھی کہ یہ شخص کس قدر ظالم تھا مگر ساتھ ہی
اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ ظالم حکمران مر چکا [illegible] دنیا
کو اس کے ظلم سے نجات مل چکی تھی اس نے آگے [illegible]

غور سے تابوت کے ڈھکن کو دیکھا ڈھکن کی لکڑی خراب ہو چکی تھی اور اس کی درزوں میں نسواری رنگ کے کیڑے رینگ رہے تھے یہ بڑا عبرت دلانے والا منظر تھا جس ظالم حکمران نے ایک ہزار انسانوں کو زمین میں زندہ دفن کر دیا تھا آج اس کی اپنی لاش کی ہڈیوں کو کیڑے کھا رہے ہیں یہ ساری جگہ کسی قلعے کا تہہ خانہ لگ رہی تھی۔

ماریا نے چل پھر کر دیکھا وہاں اوپر جانے والا کوئی راستہ نہیں تھا کافی تلاش کے بعد اس نے دیکھا کہ کونے میں بڑے بڑے خالی مرتبان رکھے ہیں اس نے ان مرتبانوں کو پیچھے ہٹایا تو دیکھا کہ پتھر کی پرانی سیڑھیوں کا راستہ اوپر جا رہا تھا مگر دس بارہ سیڑھیوں کے بعد ایک دروازہ آ جاتا تھا جو بند تھا۔

اس دروازے پر لوہے کا ایک کافی وزنی تالا پڑا تھا جس پر مکڑی نے جالا تان رکھا تھا ماریا نے دیکھا کہ سارے مرتبان خالی تھے وہ واپس مڑنے لگی تھی کہ اسے گھنگھروؤں کی چھن چھن کی آواز سنائی دی

اس نے چاروں طرف دیکھا تہہ خانے کی پُراسرار فضا خاموش ہو گئی۔ لالٹین کی لو مدھم ہوتے ہوتے ایک جگہ آن کر رک گئی تھی [illegible] فرعون کا تابوت ستون کے ساتھ اسی طرح لگا تھا

پھر یہ گھنگھروؤں کی چھنکار کی آواز کہاں سے آئی تھی ماریا چھپنے لگی۔

اچانک گھنگھروؤں کی جھنکار کی آواز پھر سنائی دی۔ اس دفعہ وہ قریب آ رہی تھی جیسے کوئی رقاصہ رقص کرتی چلی آ رہی ہو ماریا ایک خالی مرتبان میں داخل ہو گئی اور ذرا سا سر باہر نکال کر دیکھنے لگی اگرچہ اس کا سر غائب تھا پھر بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی اس کا سر دیکھ لے۔ کیونکہ وہ خود ایک طلسم کی قید میں آ چکی تھی اور اس کی طاقت چھین چکی تھی۔

ماریا کی نظریں اس طرف لگی تھیں جدھر لالٹین جل رہی تھی کیونکہ گھنگھروؤں کی آواز اس طرف سے آ رہی تھی لالٹین کی چمنی کے اندر لو کانپی اور پھر دیوار کے قریب اندھیرے میں ستونوں کے پیچھے سے ایک رقاصہ نکل کر باہر آئی اور اس نے جابر فرعون کے تابوت کے آگے رقص کرنا شروع کر دیا۔ اس رقاصہ نے زرق برق ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سیاہ کھلے بالوں میں ہیرے جواہرات اور سفید موتی پروئے ہوئے تھے اس کے گلے میں کنول اور گلاب کے سفید اور سُرخ پھولوں کے ہار تھے کلائیوں پر بھی پھولوں کے گجرے بندھے تھے وہ گول دائرے میں رقص کر رہی تھی اور اس کے ہیرے جواہرات والے سیاہ بال لہرا رہے تھے

اور رقص کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں اور گلے کے پھولوں
کے ہار میں سے پھول ٹوٹ ٹوٹ کر تہہ خانے کے گرد آلود
فرش پر گر رہے تھے

ماریا نے محسوس کیا کہ رقاصہ کے رقص اور گھنگھروؤں
کی جھنکار کے ساتھ تہہ خانے کی فضا میں ایک گہری اور
بوجھل خوشبو پھیل گئی تھی۔ ایسی خوشبو ماریا نے قدیم مصر
کے شاہی قبرستانوں میں سونگھی تھی جہاں بادشاہوں کی لاشوں
پر خوشبوئیں مل کر انہیں دفن کیا جاتا تھا

رقاصہ کی شکل خوبصورت تھی اور وہ ناچتی ہوئی بار بار
تابوت کے آگے جاکر جھک کر تعظیم بجا لاتی اور پھر پیچھے ہٹ
جاتی اور رقص کرنے لگتی ماریا حیران تھی کہ یہ عورت کوئی
زندہ رقاصہ ہے یا کوئی چڑیل یا بدروح ہے کہ رقص کرنے
والی کا بھیس بدل کر وہاں آکر ناچ رہی ہے۔

وہ خالی مرتبان میں سے سر تھوڑا سا باہر نکالے یہ پراسرار
رقص دیکھ رہی تھی اب رقاصہ رقص کرتے کرتے ایک جگہ کھڑی
ہو گئی تھی اس کے پاؤں ایک ہی جگہ کھڑے تھرک رہے تھے
اور گھنگ[illegible] جھن جھنا رہے تھے اس کا منہ فرعون مصر کے
تابوت [illegible] طرف تھا اور وہ اپنا سر جھکائے ہوئے تھی اور
ہاتھ [illegible] بندھے تھے۔ ماریا کو ایک ایسی آواز سنائی

دینے لگی جیسے کوئی چیز اپنی جگہ سے اکھڑ رہی ہو۔ ٹوٹ رہی
ہو اس نے جو غور سے دیکھا تو لرز سی گئی۔ ستونوں کے پاس
دیوار سے جو فرعون مصر کا تابوت لگا تھا۔ اس کا ڈھکنا خود بخود
ٹوٹ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اندر سے مردہ زور
لگا کر تابوت کے ڈھکنے کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہے رقاصہ
اسی طرح سر جھکائے ایک ہی جگہ کھڑی رقص کیے جا رہی تھی
تابوت پر جو تالا لگا تھا سب سے پہلے اس کی لوہے کی پتری
ٹوٹ کر اکھڑ گئی اور پھر ڈھکنے کا اوپر والا لوہے کا قبضہ
الگ ہو گیا ماریا آنکھیں کھولے حیرت سے یہ تماشہ دیکھ رہی
تھی اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

رقاصہ نے رقص کرتے کرتے ایک جگہ سے جھکولا کھایا اور
لپک کر تابوت کے آگے جا کر جھک گئی اور دونوں بازو
آگے پھیلا دیئے۔

اس کے ساتھ ہی تابوت کا ڈھکنا کھل گیا اور جس طرح
الماری کا دروازہ کھل کر الگ ہو جاتا ہے اس طرح الگ
ہو گیا مگر اس کا اوپر والا قبضہ ٹوٹ چکا تھا ماریا نے دیکھا
کہ تابوت کے اندر سے ایک ایسا اونچا لمبا انسانی ڈھانچہ
نکلا جس کے جسم پر جگہ جگہ سے گوشت گل سڑ کر جھڑ چکا
تھا اور ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ کھوپڑی پر [illegible] سیاہ

رنگ کے بال تھے مگر سارا چہرہ ایک کھوپڑی بن چکا تھا ناک اور ہونٹ غائب تھے اور دانت باہر نکلے ہوئے تھے اس لاش کے ڈھانچے کے سارے جسم پر میلے کچیلے رنگ کی کپڑے کی پٹیاں لٹک رہی تھیں یہ وہ پٹیاں تھیں جو قدیم زمانے میں بادشاہوں کی لاشوں پر حنوط کرنے کے بعد لپیٹ دی جاتی تھیں

کپڑے کی یہ میلی کچیلی پٹیاں لاش کے ڈھانچے کے ساتھ لٹک رہی تھی یہ بڑا خوفناک منظر تھا۔ ماریا کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک چیخ مار کر بے ہوش ہو چکا ہوتا۔

یہ جابر فرعون مصر کی لاش کا ڈھانچہ تھا۔

لاش کے ڈھانچے کی کھوپڑی کا منہ کھلا تھا وہ تابوت میں سے باہر نکل آیا جابر فرعون کے ڈھانچے کو باہر آتا دیکھ کر رقاصہ نے رقص کرنا شروع کر دیا اور بار بار رقص کرتے ہوئے لاش کے ڈھانچے کے سامنے آکر جھک کر تعظیم کرتی اور پھر رقص کرنے لگی۔

اچانک لاش کے ڈھانچے نے اپنا لٹکتے چیتھڑوں اور سفید ہڈیوں والا بازو اونچا کیا اور اس کی کھوپڑی کے منہ [illegible] ایک ایسی آواز نکلی جیسے زور سے سانس لینے پر کس[illegible] خرخرہ بولتا ہے۔ یہ آواز خشک اور بیٹھے ہوئے سانس کی آواز تھی۔

اس آواز پر رقاصہ نے رقص بند کر دیا اور رُک گئی۔

پھر وہ لاش کی طرف بڑھنے لگی لاش کے ڈھانچے نے اپنا ہڈیوں والا ہاتھ رقاصہ کی گردن پر رکھ دیا اور اسے آہستہ آہستہ کھینچتا ہوا اپنے تابوت کی طرف لے جانے لگا ماریا یہ خوفناک کھیل دیکھ رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ رقاصہ اس لاش کے ساتھ تابوت کے اندر نہیں جانا چاہتی مگر وہ بے بس اور مجبور تھی لاش کی پراسرار قوت اسے کھینچے لیے جا رہی تھی۔

لاش کا ڈھانچہ رقاصہ کو تابوت کے اندر لے گیا اور تابوت کا ڈھکنا بند ہو گیا اس کے بعد تہہ خانے میں گہری موت ایسی خاموشی چھا گئی اور لالٹین کی لو بار بار کانپنے اور لرزنے لگی۔ ماریا مرتبان کے اندر بیٹھی سر باہر نکالے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں تابوت پر جمی ہوئی تھیں ایک دم سے تابوت کو جھٹکا سا لگا وہ زور سے ہلا رقاصہ کی چیخ کی آواز تابوت کے اندر سے نکل کر تہہ خانے میں گونج اٹھی پھر وہی سناٹا چھا گیا۔

کیا فرعون مصر کی لاش نے رقاصہ کو ہلاک کر [illegible] تھا۔

اب ماریا کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ہتھ[illegible] فرش پر

لکڑی کی کھڑاویں پہنے چلا آرہا ہو۔ کھٹ ۔ کھٹ ۔ کھٹ ۔ کھٹ ۔ آواز آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی۔ ایک اونچا لمبا سیاہ کفن پوش سایہ ستونوں کے درمیان سے باہر نکل آیا اس پر لالٹین کی دھیمی روشنی پڑ رہی تھی جس میں وہ اور بھی زیادہ بھیانک اور پُراسرار دکھائی دے رہا تھا

یہ کفن پوش بلا کا سایہ فرعون مصر کے تابوت کے پاس آکر رُک گیا پھر سائے کا بازو تابوت کی طرف اٹھا اور اس کے سیاہ کفن میں سے ہڈیوں ایسی انگلیاں باہر نکل آئیں یہ انگلیاں تابوت کی طرف اشارہ کر رہی تھیں تابوت کا ڈھکنا ایک بار پھر اپنے آپ کھل گیا اور اس میں سے وہی رقاصہ باہر نکلی مگر اب صرف اس کی لاش کا ڈھانچہ ہی باقی رہ گیا تھا اس کے جسم پر کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ سر یہ کھوپڑی تھی جس پر بال اسی طرح لٹک رہے تھے۔ پاؤں کے گھنگھرو ٹوٹ چکے تھے تابوت کے اندر فرعون مصر کی لاش اسی طرح تابوت کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی سیاہ کفن پوش بلا نے رقاصہ کے ڈھانچے کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور جدھر سے یہ کفن پوش بلا آئی تھی ادھر کو چل پڑی۔

رقاصہ کا ڈھانچہ اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ دونوں اندھیرے میں جاکر غائب ہو گئے تابوت کا ڈھکنا دوبارہ بند ہو گیا۔ ماریا خاموشی کے ساتھ مرتبان سے باہر نکلی اور جدھر وہ کفن پوش بلا گئی تھی ادھر چل دی اس کا خیال تھا کہ شاید وہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔

دو بڑے ستونوں کے درمیان اندھیرا تھا۔ ماریا اس اندھیرے میں گئی تو جیسے کسی نے اسے وہیں جکڑ دیا۔ ماریا نے پاؤں آگے اٹھانے کی کوشش کی مگر اس کے پاؤں جیسے زمین پر جم گئے تھے وہ اپنا پاؤں نہیں اٹھا سکتی تھی اس نے پوری طاقت لگا کر اُوپر کو اچھلنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ کر سکی وہ زمین سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہ ہو سکی۔

پھر اندھیرے میں سامنے دیوار میں زرد آنکھیں اس کی طرف گھورنے لگیں

ماریا نے کہا۔

وہ تم کون ہو۔ مجھے یہاں کس لیے لایا گیا ہے۔

آنکھیں غائب ہو گئیں اس کے ساتھ ہی وہی سیاہ کفن پوش بلا اندھیرے میں سے نکل کر ماریا کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور ماریا کو اس کی پھٹے ہوئے بانس ایسی [illegible] آواز سنائی دی۔

"تم اب میری قید میں ہو۔ تم قیامت تک یہاں سے باہر نہیں نکل سکو گی۔"

ماریا نے کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔ تم کون ہو۔"

سیاہ کفن پوش بلا نے کہا۔

"میں کون ہوں؛ میں کیا چاہتی ہوں۔ یہ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا میرے ساتھ آؤ۔"

ماریا بولی۔

"میں اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی"

کفن پوش بلا نے کہا۔

"قدم اٹھاؤ۔"

ماریا نے قدم اٹھایا تو وہ چل سکتی تھی۔ سیاہ کفن پوش بلا ماریا کو ساتھ لے کر اندھیرے میں سیڑھیاں اتر کر ایک ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں آ گئی جہاں دیوار کے ساتھ تین انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے دیوار کے ساتھ کھڑے تھے ان میں ایک ڈھانچہ اس رقاصہ کا بھی تھا جو ابھی تھوڑی دیر پہلے وہاں رقص کر رہی تھی اور جسے تابوت کے فرعون مصر نے کھا کر ہڈیاں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا۔

ان ڈھانچوں کے آگے پتھر کا ایک گول ڈبہ پڑا تھا۔ سیاہ کفن پوش بلا نے اس ڈبے کا ڈھکن اٹھا دیا اور کہا۔

"اس میں داخل ہو جاؤ۔"

ماریا نے کہا

"میں اس میں داخل نہیں ہوں گی۔"

کفن پوش بلا نے ایک قہقہہ لگایا پھر اس کا بازو آگے بڑھا اس کی ہاتھ کی ہڈیوں نے ماریا کے جسم کو ایسے پکڑ لیا جیسے کوئی ریشم کا گچھا پکڑ کر اٹھا لیتا ہے پھر ماریا کو اس نے پتھر کے گول ڈبے میں بند کر کے اوپر ڈھکن رکھ دیا۔

ماریا نے ڈبے کے اندھیرے میں چیخ کر کہا۔

"میرا بھائی عنبر اگر مجھے یہاں سے آزاد کرائے گا۔ اور تمہیں جلا کر بھسم کر دے گا۔"

کفن پوش بلا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میں نے ناگ کو قتل کر ڈالا ہے۔ میں تمہارے دوسرے بھائی عنبر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کروں گی۔"

ماریا نے کہا۔

"عنبر مر نہیں سکتا۔ وہ تمہیں جہنم میں پہنچا دے گا۔"

کفن پوش بلا نے کہا۔

"ناگ بھی نہیں مر سکتا تھا۔ میں نے اسے بھی مار دیا ہے میں عنبر کو بھی اپنے جادو کے زور سے [illegible] کر دوں گا۔"

ماریا نے چلا کر کہا۔

تم کیا چاہتی ہو؟ تم ہماری دشمن کیوں بن گئی
ہو؟"

کفن پوش بلا کی آواز آئی

"میں تم کو، عنبر اور ناگ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر
کے خود ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔
یاد رکھو۔ میری طاقت بے پناہ ہے۔ میرے جادو
اور میری طاقت کے آگے دنیا کی کوئی طاقت نہیں
ٹھہر سکتی۔

اور پھر کفن پوش بلا کھڑائیں کھٹ کھٹ کرتی وہاں
سے چلی گئی ماریا گول ڈبے کے اندھیرے میں سمٹ کر بیٹھ
گئی اور عنبر اور کیٹی کو یاد کرنے لگی اب وہ دل میں دعا
مانگ رہی تھی کہ خدا کرے وہ اِدھر نہ آئیں کیونکہ اسے علم ہو
گیا تھا کہ اس کفن پوش بلا کے جادو کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں
گے۔

○

اب ناگ اور کیٹی کی طرف آتے ہیں۔
وہ دونوں قرطبہ شہر سے نکل کر چٹانوں والے سنگلاخ

میدان میں عنبر اور ماریا کی تلاش میں سفر کر رہے تھے
ماریا تو ایک گمنام ملک کی سرزمین میں ایک ہیبت اور دہشت
[illegible] قلعے کے نیچے کفن پوش بلا کی قید میں تھی اور عنبر سفر
کرتا ہوا افریقہ کے ملک پہنچ گیا تھا
ناگ اور ماریا سنگلاخ میدان سے نکل کر ساحل سمندر
پر آگئے اور بحیرہ روم تھا اور اس کی نیلی لہریں دور تک پھیلی
ہوئی تھیں ناگ نے کہا۔
کیٹی اس سمندر کی دوسری طرف افریقہ کا ملک آباد
ہے میرا خیال ہے کہ ہمیں ملک افریقہ کی طرف چلنا
چاہیے ہو سکتا ہے وہیں کسی جگہ عنبر اور ماریا سے
ملاقات ہو۔
کیٹی نے سمندر کی طرف دیکھ کر کہا۔
لیکن ہم اس سمندر میں کیسے سفر کریں گے یہاں
تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی نظر نہیں آرہی۔
ناگ بولا۔
ہو سکتا ہے آگے جا کر کوئی جہاز یا کشتی مل جائے
اور وہ سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ ناگ نے
ایک جگہ رک کر کہا۔
"کیٹی تمہاری چٹکی کی طاقت واپس آچکی ہے

کیوں نہ ایسا کریں کہ تم چٹکی بجا کر باز بن جاؤ اور
میں بھی باز بن جاتا ہوں اور ہم دونوں اڑتے ہوئے
سمندر کو پار کر لیں۔
کیٹی نے کہا۔
ناگ بھیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میری چٹکی کی طاقت واپس
آ چکی ہے مگر سچ پوچھو تو میں اب چٹکی بجاتے
ہوئے گھبراتی ہوں کیونکہ مجھے اپنے چٹکی والے
جن پر بھروسہ نہیں رہا وہ مجھ سے عجیب عجیب قسم
کی شرارتیں کرنے لگا ہے۔
ناگ بولا۔
نہیں۔ میرا خیال ہے کہ چٹکی والا جن اب کوئی شرارت
نہیں کرے گا۔ تم چٹکی بجا کر دیکھو مجھے یقین ہے کہ
تم جو چاہو گی بن جاؤ گی۔
کیٹی کا دل نہیں مان رہا تھا۔ اس نے کہا۔
اور اگر میں چٹکی بجا کر غائب ہی ہو گئی تو پھر کیا
ہو گا۔
ناگ ہنسنے لگا
یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم پہلے کبھی چٹکی بجانے سے
غائب نہیں ہوئیں تم چٹکی بجاؤ۔

کیٹی نے کہا
"میرا دل نہیں مانتا ناگ۔"
ناگ نے کہا۔
تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔ دیکھو نا۔ ہم اتنا بڑا سمندر
بغیر کشتی کے کیسے پار کریں گے۔
کیٹی نے کہا۔
"اچھا جیسے تم کہتے ہو کر لیتی ہوں۔"
اور کیٹی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر چٹکی بجا دی۔
آخر وہی ہوا جس کا کیٹی کو ڈر تھا۔ چٹکی بجاتے ہی کیٹی
غائب ہو گئی۔ ناگ نے گھبرا کر آواز دی۔
کیٹی۔ کیٹی تم کہاں ہو۔
کوئی جواب نہ آیا ناگ نے دو قدم آگے بڑھ کر جہاں ایک
سیکنڈ پہلے کیٹی کھڑی تھی وہاں کیٹی کو ٹٹول کر دیکھا کہ شاید
کیٹی غائب ہونے کے باوجود وہاں موجود ہو۔ مگر وہاں کوئی
نہیں تھا۔ کیٹی سر سے پاؤں تک بالکل ہی غائب ہو چکی تھی۔
ناگ کو سخت افسوس ہوا کہ اس نے کیٹی کو چٹکی بجانے پر
کیوں مجبور کیا وہ بے چاری تو بار بار کہہ رہی تھی کہ میں چٹکی
نہیں بجاؤں گی۔ اس جن نے اس کے ساتھ ایک بار [illegible]
خطرناک مذاق کیا تھا اور اس کی شکل تبدیل کرنے کی [illegible]

اسے سالم کا سالم ہی غائب کر دیا تھا ناگ وہیں بیٹھ گیا اس
کے دل میں ایک ہلکی سی اُمید تھی کہ شاید کیٹی واپس آجائے
اس نے ایک بار چٹکی والے کو آواز بھی دی اور کہا۔
"خدا کے لیے ہمیں معاف کر دو اور کیٹی کو واپس
لا دو۔"

مگر وہاں نہ کوئی چٹکی والا جن تھا اور نہ کیٹی تھی کہ ناگ
کی بات کا جواب ملتا کافی دیر وہاں بیٹھے رہنے کے بعد جب
کیٹی واپس نہ آئی تو ناگ بجھے ہوئے بوجھل دل کے ساتھ اٹھا
اور سمندر کے کنارے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ کافی دور
نکل آیا تو اس نے سوچا کہ اس طرح اکیلا چلتے رہنے سے
کوئی فائدہ نہ ہو گا کیوں نہ وہ پرندہ بن کر سمندر پار کر کے
افریقہ کے ساحل پر چلا جائے۔ ہو سکتا ہے وہاں اس کی ملاقات
عنبر ماریا سے ہو جائے اور شاید کیٹی کا معمہ بھی حل
ہو جائے۔ یہ سوچ کر ناگ نے اوپر کی طرف ایک گہرا سانس
کھینچا اور وہ دوسرے لمحے سفید پروں والا بڑا باز بن گیا۔
اس نے ایک اڑان لگائی اور سمندر کے اوپر افریقہ کی طرف پرواز
کرنے لگا۔

اب ہم عنبر کی طرف چلتے ہیں۔
آپ کو یاد ہو گا کہ عنبر کے بزرگ کی ہدایت پر عمل کرتے
ہوئے افریقہ کی طرف سفر شروع کیا تھا اور وہ ایک جہاز
میں سوار ہو کر ملک افریقہ کے ایک ساحل پر جا اترا تھا۔
یہاں ایک چھوٹی سی بندرگاہ بنی ہوئی تھی اور پرانے
زمانے کا ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا کالے کالے حبشی
چاروں طرف چل پھر رہے تھے عنبر ایک سفید چمڑی والے
آدمی کو دیکھا اس کی پرانے زمانے کی گول پائنچوں والی
پتلون پہن رکھی تھی اور سر پر تنکوں والا ہیٹ تھا وہ سمجھ
گیا کہ اس ملک پر پرتگالیوں کا قبضہ ہے۔
عنبر کے پاس سینکڑوں برس پہلے کی ایک سونے کی اشرفی
تھی۔ اس نے ایک دکاندار کو جا کر اشرفی دی اور کہا۔
مجھے پہننے کے لیے کپڑے چاہئیں۔
دکاندار نے اشرفی کو دیکھا اور کہا۔
نوجوان! یہ اشرفی تو سات سو برس پرانی ہے یہ تم نے
کہاں سے حاصل کی ہے۔
عنبر نے کہا۔
مجھے یہاں پہاڑوں میں ایک جگہ سے مل گئی تھی۔
عنبر نے دکاندار سے پیچھا چھڑانے چاہا تھا تاکہ وہ فضول

باتوں کو چھوڑ کر اسے کپڑے دے دے کیونکہ عنبر کے پرانے
کپڑے پھٹ چکے تھے اس دکان میں ایک پکی عمر کا پرتگالی
بھی بیٹھا تھا اس نے خاکی پتلون اور جیکٹ پہن رکھی تھی اور
شکل صورت ہی سے کوئی سیاح لگتا تھا اس نے دکاندار سے
اشرفی لے کر اسے غور سے دیکھا اور پھر عنبر کی طرف دیکھ کر
مسکراتے ہوئے کہا۔

"نوجوان! یہ اشرفی تم اپنے پاس رکھ سکتے ہو تمہارے
لیے کپڑے میں دے دوں گا میرے ساتھ میرے مکان
پر چلو میرے پاس تمہارے لیے کپڑے موجود ہیں۔

عنبر نے بہت کہا کہ وہ اشرفی فروخت کر کے کپڑے حاصل
کرنے کا خواہش مند ہے مگر پرتگالی سیاح نے مسکراتے ہوئے
عنبر کے کاندھے پر بازو رکھ کر کہا۔

"تم میرے چھوٹے بھائی ہو ایسی کوئی بات نہیں آؤ
میرے ساتھ۔

یہ پرتگالی سیاح عنبر کو اپنے مکان پر لے آیا۔ یہ شہر کے
باہر ایک جھیل کے کنارے چھوٹا سا بالنس کا بنا ہوا مکان
تھا جس کے باہر ایک حبشی عورت بیٹھی بطخ کا گوشت کاٹ
رہی تھی۔ پرتگالی سیاح عنبر کو مکان کے اندر کمرے میں
لے آیا یہاں دو تین کرسیاں بچھی تھیں اور میز پر ایک نقشہ

کھلا پڑا تھا پاس ہی چاقو اور پرکار رکھی تھی۔
پرتگالی سیاح نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے
کہا۔

"میرا نام ہونری ہے میں ایک سیاح ہوں لیکن اصل
میں پرانے بادشاہوں کے دفینے اور نوادرات تلاش
کرتا ہوں تم دوسرے کمرے میں جاؤ وہاں تمہیں الماری
میں کپڑے مل جائیں گے کپڑے پہن کر آؤ پھر ہم آپس
میں باتیں کریں گے۔

عنبر نے دوسرے کمرے میں جا کر ایک پتلون اور کوٹ
پہن لیا اور باہر آ کر پرتگالی سیاح ہونری کے پاس
بیٹھ گیا پرتگالی سیاح نے اپنی جیب سے عنبر کی دی
ہوئی سونے کی اشرفی نکال کر اسے غور سے دیکھا اور
کہا۔

دوست۔ پہلے تو یہ بتاؤ۔ کہ تمہارا نام کیا ہے؟"

"عنبر" عنبر نے کہا۔

"بہت خوب! اب یہ بتاؤ کہ تمہیں اشرفی کس جگہ سے
ملی تھی۔

عنبر نے کہا۔
اصل میں بات یہ ہے کہ یہ اشرفی مجھے یہاں سے بہت

دور ملک مصر میں میرے ایک دوست نے مجھے دی
تھی۔"
پرتگالی سیاح ہوزی بولا۔
"یہ بڑی قیمتی ہے۔ اسے تم اپنے پاس رکھ لو۔"
عنبر نے کہا۔
"نہیں مسٹر ہوزی۔ میں یہ اشرفی واپس نہیں لوں گا۔
اب یہ تمہاری ہے۔"
پرتگالی سیاح نے شکریے کے ساتھ اشرفی اپنی جیب
میں رکھ لی اور بولا۔
"مسٹر عنبر۔ تم بھی سیاح ہو۔ میں بھی سیاح ہوں اور
میں بادشاہوں کے پرانے خزانے اور نوادرات تلاش
کرتا ہوں اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم اکٹھے مل کر
یہ دفینے تلاش کریں گے اور آدھا آدھا بانٹ لیا
کریں گے کیا تم راضی ہو۔ اس طرح ہم سیریں بھی
کیا کریں گے۔"
عنبر نے کہا۔
"ٹھیک ہے میں تیار ہوں"
کیونکہ عنبر بھی افریقہ میں گھوم پھر کر ماریا اور ناگ وغیرہ
کا پتہ چلانا چاہتا تھا سیاح ہوزی خوش ہو کر بولا۔
"تمہارے ساتھ مل کر کام کرنے سے مجھے خوشی ہو

گی اب ایسا ہے کہ اس وقت ہم مغربی افریقہ میں ہیں
اور میں نے یمن میں ایک پرانا نقشہ کہیں سے حاصل
کیا تھا اس نقشے کے مطابق یہاں سے پچاس میل
دور ایک بہت بڑے کالے پہاڑ کے دامن میں سمندر
کے کنارے ایک غار ہے جہاں قدیم بادشاہوں کے
تابوت دفن ہیں نقشے کے مطابق ان تابوتوں میں
بادشاہوں کی لاشوں کے ساتھ قیمتی ہیرے جواہرات
بھی دفن ہیں اگر ہم کسی طرح اس غار میں پہنچ جائیں
تو ہم دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند انسان
بن جائیں گے۔"
اور پرتگالی سیاح نے الماری میں سے نقشہ نکال کر عنبر
کو دکھایا۔ یہ ایک پرانا سا نقشہ تھا جو چمڑے کے ایک چر مڑ
ہو چکے ٹکڑے پر آڑی ترچھی لکیروں سے بنایا گیا تھا پرتگالی
سیاح ان نقشوں کو پڑھنے میں بڑا ماہر تھا اس نے نقشے
کی لکیروں پر انگلی پھیر کر عنبر کو بتایا کہ یہ جنگل ہے۔ یہ پہاڑی
راستے ہیں اور یہ وہ کالا پہاڑ ہے جو سمندر کے کنارے
پر ہے اور اسی جگہ وہ غار ہے دوسرے روز پرتگالی
سیاح نے ضروری کھانے پینے کا سامان ایک خچر پر لادا
عنبر اور وہ الگ الگ گھوڑوں پر بیٹھے اور کالے پہاڑ
والے غار کی طرف روانہ ہو گئے۔

مُردے کو قبر سے نہ نکالو

وہ تین راتیں اور چار دن تک سفر کرتے رہے۔
بیچ میں رات کو وہ دو چار گھنٹے آرام بھی کر لیتے۔ چوتھے
روز سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے انہیں دریا کا
کنارہ نظر آیا جس کی مشرق کی طرف ایک وادی میں انگوروں
کا باغ تھا باغ میں ایک قدیم قبرستان تھا پرتگالی سیاح نے
اپنا نقشہ کھول کر دیکھا اور بولا۔
ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں لیکن میں اس قبرستان
میں بھی قسمت آزمانا چاہتا ہوں یہاں پرانے زمانے
میں بادشاہ کے درباری اور وزیر اپنے مُردے
ہیرے جواہرات کے صندوقچوں کے ساتھ دفن کیا کرتے
تھے۔
عنبر نے قبرستان میں بکھری ہوئی ٹوٹی پھوٹی قبروں
کو دیکھ کر کہا۔
"لیکن یہاں تو ایک بھی قبر سلامت نہیں ہے۔

سیاح نے کہا۔
میں قبر سونگھ کر پہچان لیتا ہوں کہ کس قبر میں خزانہ ہوگا۔
انہوں نے گھوڑے ایک درخت کے ساتھ باندھے اور سیاح
قبروں میں گھومنے لگا۔ یہاں قبروں کے درمیان اُونچی اُونچی کانٹے
دار جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور کئی قبروں میں سوراخ ہو گئے
تھے سیاح نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"مجھے لگتا ہے کہ اس قبر میں ضرور خزانہ ہوگا۔
اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا بڑھ رہا تھا
قبرستان میں تاریکی چھانے لگی تھی عنبر نے سیاح ہوزی کو
منع کیا کہ وہ قبر کھود کر میت کو بے آرام نہ کرے
"محض دولت حاصل کرنے کے لیے کسی مُردے کو
قبر سے نکال کر اس کی بے حرمتی کرنا بُری بات ہے
مگر پرتگالی سیاح پر تو دولت کا بھوت سوار تھا اس نے کہا۔
اگر تم کو مردے کے آرام کا بہت خیال ہے تو تم خزانے
میں برابر کے حقدار نہیں ہو گئے
عنبر نے کہا۔
میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ میں الگ جا کر بیٹھتا
ہوں مگر تمہیں ایک بار پھر خبردار کرتا ہوں کہ دولت
حاصل کرنے کے لئے مردوں کی قبریں کھودنا اچھی
بات نہیں ہے۔

مگر سیاح نہ مانا۔ عنبر ذرا پرے جا کر قبر کے پاس پتھر پر
بیٹھ گیا۔ اور پرتگالی سیاح پھاوڑے سے قبر کھودنے لگا وہ
کافی دیر تک قبر میں سے مٹی اور پتھر باہر نکالتا رہا اب رات کا
اندھیرا چاروں طرف قبرستان میں پھیل گیا تھا پرتگالی سیاح
نے لالٹین جلا کر قبر کے اوپر ایک طرف رکھ لی تھی۔ عنبر اسے
قبر میں سے مٹی اور پتھر باہر پھینکتے دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسے سیاح کی چیخ سنائی دی۔ عنبر بھاگ کر قبر کے پاس
آیا اس نے دیکھا کہ قبر میں کافی بڑا گڑھا بنا ہوا ہے اور سیاح
قبر کے گڑھے کے اندر مٹی پر سیدھا لیٹا ہے اور اس کے اوپر
قبر کا مردہ سوار ہے مردے کے ہاتھ میں ایک زہریلا سیاہ بچھو
ہے جس کو وہ بار بار سیاح کے منہ پر ڈسا رہا ہے اور سیاح
کی چیخیں نکل رہی ہیں۔

مردے کی کھوپڑی نے عنبر کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا اور
اس کے کان میں آواز آئی۔

"عنبر! اس دولت کے پجاری کو اس کے لالچ کی سزا
مل رہی ہے تم اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہو جاؤ۔ میں
تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

عنبر اب سیاح کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اس
کے دیکھتے دیکھتے بچھو کے زہر اور مردے کے خوف کی وجہ
سے مر گیا اور اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا عنبر قبر سے پرے ہٹ

گیا۔ درخت کے پاس آ کر اس نے گھوڑے کو کھولا
اس پر سوار ہوا اور قبرستان سے باہر نکل آیا۔
اسے پرتگالی سیاح کے انجام پر بہت افسوس ہوا تھا مگر
اس نے اپنے پانچ ہزار سالہ سفر میں ایسا اکثر ہوتے دیکھا تھا
دولت کا لالچ کرنے والوں کا ایسا ہی انجام ہوا تھا۔

عنبر قبرستان سے نکل کر رات کے اندھیرے میں ایک طرف
روانہ ہو گیا۔ اب اس کے دل میں ماریا اور ناگ اور کیٹی کا
خیال تھا کہ کاش ان میں سے کوئی اسے مل جائے اور وہ مل کر
اپنا واپسی کا سفر جاری رکھیں۔

دریا دور رہ گیا تھا وہ وادی سے نکل کر ایک سنسان
میدان میں سے گزرنے لگا اندھیرے میں اس کے ارد گرد
سوائے اونچے نیچے پتھریلے ٹیلوں اور خاردار گھنے درختوں
کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس کا گھوڑا سست رفتار کے
ساتھ چل رہا تھا وہ ایک سوکھے نالے کے پل پر سے گزرنے
لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ پل کے اوپر ایک عورت بال کھولے
بیٹھی ہے افریقہ کی عورتیں کالے رنگ کی ہوتی ہیں مگر یہ عورت
گورے رنگ کی تھی اور اس نے بہت بناؤ سنگار کر رکھا تھا
عنبر قریب سے گزرا تو عورت نے مسکرا کر ہاتھ کے اشارے
سے کہا۔

"کیا تم میرے گھر چل کر کھانا نہیں کھاؤ گے؟ میں ایک

بہت بڑے جاگیردار کی بیوی ہوں۔ میرا خاوند مر چکا
ہے میں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک کسی مسافر کو
اپنے ساتھ دسترخوان پر نہیں بٹھاؤں گی میں کھانا
نہیں کھاؤں گی۔

عنبر کا گھوڑا ابھی تھک گیا تھا اس نے سوچا کہ اس کے گھر
چل کر گھوڑے کو چارہ وغیرہ مل جائے گا اور وہ اس گوری
عورت کے ساتھ اس کے گھر آگیا یہ ایک ویران ویران سی
حویلی تھی جس کی دیواروں پر سوکھی گھاس جگہ جگہ اُگی ہوئی
تھی عنبر کو اس عورت کے جسم سے آسیب کی بو آرہی تھی
مگر اسے اپنا تو کوئی ڈر نہیں تھا وہ گھوڑے کو تازہ دم کرنا
چاہتا تھا۔ اسی وقت گھوڑے کو پانی پلایا گیا، اس کے آگے
چارہ ڈال کر عنبر سفید عورت کے ساتھ ویران حویلی کے
ایک بڑے کمرے میں آگیا۔

اس کمرے کی حالت بھی بہت خستہ تھی۔ دیوار کے پلستر اکھڑ
رہے تھے چھت سے جالا لٹک رہا تھا ایک پرانی میز پر بھنے ہوئے
مرغ کا تھال رکھا تھا پاس ہی دو چھریاں اور ایک کلہاڑی
بھی پڑی تھی سفید عورت نے کہا۔

"کیا تم کھانے سے پہلے میرے خاوند کی قبر نہیں دیکھو
گے جو کوئی مہمان یہاں آتا ہے اسے میرے خاوند کی
قبر پر دعا ضرور کرنی پڑتی ہے۔

عنبر نے کہا۔
تمہارے خاوند کی قبر کہاں ہے۔
عورت بولی۔ اس کمرے کے نیچے تہہ خانے میں ہے
مگر ہم بہت جلدی واپس آجائیں گے میں خود وہاں
زیادہ دیر ٹھہرنا پسند نہیں کرتی۔
عنبر نے کہا "چلو"

وہ عنبر کو لے کر ایک پُراسرار تنگ زینے سے گزر کر نیچے
تہہ خانے میں آگئی یہاں اندھیرا تھا مگر عنبر سب کچھ دیکھ رہا
تھا یہاں ایک پرانی قبر سی بنی ہوئی تھی جس پر ایک چراغ جل
رہا تھا۔ سفید عورت نے کہا۔

تم یہاں میرے خاوند کے حق میں دعا کرو میں کچھ پھول
لے کر آتی ہوں

عنبر خاموشی سے کھڑا رہا۔ قبر کے سوراخ میں سے ایک
کھوپڑی کا سر نظر آرہا تھا جونہی عنبر کھوپڑی کو دیکھنے کے لیے
جھکا اس کے سر پر کسی نے پیچھے سے کلہاڑی کا بھرپور وار کیا
اگر عنبر کوئی عام انسان ہوتا تو اس کا سر دو ٹکڑے ہوگیا ہوتا
مگر وہ عنبر تھا جس کو موت ابھی نہیں آسکتی تھی۔ اس کے سر
کے ساتھ ٹکراتے ہی کلہاڑی ٹوٹ گئی عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔
اس کے پیچھے ایک سیاہ حبشی کلہاڑی کا خالی دستہ لئے کھڑا
اسے خونی نظروں سے گھور رہا تھا۔

عنبر نے اس کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا۔
"کیا تمہیں اس چڑیل نے مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے؟"
حبشی پہلے ہی ڈرا ہوا تھا اس نے اپنی آنکھوں سے کلہاڑی کے ٹکڑے ہوتے دیکھے تھے اس نے کہا۔
مجھے معاف کر دو۔ میں غلام ہوں مجھے معاف کر دو۔
اتنے میں وہی سفید عورت غلام کو برا بھلا کہتی وہاں آگئی
اس بدبخت نے پھر وہی حرکت کی۔ اف میرے خدا!
میں نے تو اسے کوٹھڑی میں بند کر رکھا تھا۔ یہ کہاں سے نکل آیا۔
پھر عنبر کی طرف دیکھ کر بولی۔
میرے معزز مہمان تم تو خیریت سے ہو نا! یہ میرا پاگل غلام ہے اور میرے گھر جب بھی کوئی مہمان آتا ہے یہ اس کو قتل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے بند کر رکھا ہے مگر نہ جانے یہ کیسے نکل آیا۔
پھر سفید خوبصورت عورت نے حبشی غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کر وہاں سے نکال دیا۔ اور عنبر کو ساتھ لے کر کھانے والی میز پر آگئی۔ دونوں نے مل کر مرغ کھایا۔ عنبر نے کہا۔
"اب میں جاتا ہوں"
اس کا گھوڑا تازہ دم ہو گیا تھا اس لیے عنبر وہاں سے

چلے جانا چاہتا تھا۔
سفید عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا تم میرے ہاتھ کے بنے ہوئے قہوے کی ایک پیالی نہیں پیو گے مسافر؟ میں بہت خوش ہوں گی۔"
عنبر نے کہا۔
چلو "تمہارا قہوہ بھی پی لیتا ہوں"
سفید پر اسرار عورت کیتلی میں قہوہ بنا کر لے آئی۔ اس نے پیالی میں قہوہ ڈال کر عنبر کو دیا اور کہا۔
"اس قہوے میں میں نے زعفران بھی ڈالا ہے"
عنبر اس کی ایک ایک حرکت کو سمجھ رہا تھا وہ اب صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت کیا کرنا چاہتی ہے عنبر نے سارا قہوہ پی لیا اس قہوے میں نیند لانے والی دوا ڈالی گئی تھی اور کافی مقدار میں ڈالی گئی تھی ایک بار تو عنبر کا سر بھی چکرا گیا مگر اسے نیند بالکل نہ آئی لیکن اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں اور کرسی پہ یوں گردن نیچے کر لی جیسے سو گیا ہو اور وہ خراٹے بھی لینے لگا۔
اسے خراٹے لیتے دیکھ کر عورت نے تالی بجائی۔ وہی کالا حبشی ایک بار پھر نمودار ہوا۔ سفید عورت نے اسے کوستے ہوئے کہا۔
تمہارا وار ٹھیک نہیں پڑا تھا بدبخت۔ اب

اسے جلدی سے اُٹھا کر ساتھ والی کوٹھڑی میں
رسیوں سے جکڑ دو۔ جلدی کرو۔

کالے حبشی نے عنبر کو کاندھے پر ڈالا اور ساتھ والی کوٹھڑی
میں لا کر جلدی سے ایک تختے پر لیٹا کر اس کے ہاتھ پاؤں
رسی کے ساتھ کس کر باندھ ڈالے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ عنبر
سے خوف کھائے ہوئے تھا کیونکہ اس نے صاف دیکھا تھا
کہ اس کی کلہاڑی عنبر کے سر پر لگی تھی مگر اس کی کھوپڑی
ٹوٹنے کی بجائے کلہاڑی ٹوٹ گئی تھی چنانچہ وہ عنبر کو باندھ
کر جلدی سے باہر نکل گیا۔

عنبر نے جلدی سے آنکھیں کھول کر دیکھا اسے تختے کے ساتھ
باندھ دیا گیا تھا اور وہ اپنا ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ اب
وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت اس کے ساتھ کیا سلوک
کرتی ہے دراصل عنبر اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا تاکہ
وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکے۔

اسے عورت کے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی وہ کوٹھڑی
میں آ رہی تھی اس نے اپنے گلے میں ایک سفید رومال ایپرن کی
طرح ڈال رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک چاقو تھا جس کا پھل چمک
رہا تھا اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک جلتا ہوا چراغ تھا۔
اس نے چراغ ایک طاق میں رکھ دیا کوٹھڑی بند کر دی

اور عنبر کے قریب آ کر اسے ہلایا عنبر نے کوئی حرکت نہ کی۔
جھوٹ موٹ بے ہوش رہا دو تین بار ہلانے جلانے کے
بعد جب اس عورت کو یقین آ گیا کہ عنبر بے ہوش ہو چکا
تو اس نے چھت کی طرف منہ کر کے کہا۔

اے کالے سیاہ جنگل کی چڑیلو! میں تمہارے نام
پر اس شخص کا خون پینے لگی ہوں جس طرح میں ہمیشہ
مردوں کا خون پیتی ہوں۔

اس کے بعد سفید عورت نے اپنا سر نیچے گرا دیا اس کے
بال آبشار کی طرح آگے کو گر کر لٹک گئے عنبر ذرا سی آنکھ کھول
کے دیکھ رہا تھا عورت کے حلق سے ایک دبی دبی غراہٹ
نکلی اور اس نے منتر پڑھنے شروع کر دیئے آخری
منتر پڑھ کر اس نے ایک چیخ ماری اور اب جو اس نے بالوں
کو پیچھے جھٹک کر اپنا سر اوپر اُٹھایا تو عنبر پر دہشت چھا گئی۔
سفید عورت ایک سیاہ بدروح چڑیل بن چکی تھی اس کی آنکھوں
کے ڈیلے باہر کو نکلے ہوئے تھے دانت لمبے اور نوکیلے ہو گئے
تھے چہرہ بے حد بدصورت اور بھیانک ہو گیا تھا اور ہاتھوں پر
بھی بال اُگے ہوئے تھے وہ مکمل طور پر ایک خونخوار چڑیل
بن چکی تھی۔

اس نے عنبر کی گردن پر زور سے چاقو مارا۔

مگر عنبر کی گردن میں شگاف پڑنے کی بجائے چاقو ٹوٹ کر
دو ٹکڑے ہو گیا چڑیل حیران سی ہو کر رہ گئی اس نے ایک
بھیانک چیخ ماری اور عنبر کی گردن میں اپنے تیز ناخن چلانے
شروع کر دیئے اب بھی عنبر کی گردن پر کوئی اثر نہ ہوا بد صورت
چڑیل رک گئی اس نے منہ اوپر اٹھا کر ایک وحشت انگیز ڈراؤنی
چیخ بلند کی اور کہا۔

"اے چڑیلوں کے شہنشاہ! میری مدد کر کیا میری طاقت
ختم ہو گئی ہے۔

عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور کہا۔

"اے سفید چڑیل۔ تیری طاقت ختم نہیں ہوئی لیکن میری
طاقت بیدار ہو گئی ہے۔

چڑیل عورت نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے ایک
ہی جھٹکے سے رسی توڑ ڈالی اور تختے پر سے اٹھتے ہوئے بولا
تمہاری بد قسمتی ہے تمہارا ایک ایسے آدمی سے پالا پڑا
ہے جو تمہاری موت بن کر یہاں آیا ہے۔

چڑیل ایک دم پیچھے ہٹ گئی اس نے عنبر کو دیکھ کر ایک
ڈرا دینے والی آواز نکالی یہ آواز ایسی تھی کہ جیسے سنسان جنگلوں
میں سن کر لوگ غش کھا کر گر پڑتے تھے۔ عنبر نے اب دیکھا
کہ اس عورت کے دونوں پاؤں الٹے تھے یہ ایک چڑیل کی سب

سے بڑی نشانی تھی اس کی آنکھوں سے آگ کے سرخ شعلے
نکل کر عنبر کے چہرے پر پڑنے لگے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر بد صورت چڑیل کا بازو پکڑ کر اسے
زور سے جھٹکا دیا اس کا بازو اس کے جسم سے الگ ہو گیا
وہ چیخ مار کر پیچھے کو دوڑی عنبر نے اس کا دوسرا بازو
بھی الگ کر دیا چڑیل نے ایک دم سے اپنا روپ بدل لیا
اور وہ ایک ریچھ بن گئی اور عنبر پر غراتے ہوئے حملہ کر دیا
عنبر نے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر چھت کی طرف زور
سے اچھال دیا وہ چھت سے ٹکرا کر زمین پر گری تو اس کی
ایک ایک ہڈی پسلی ٹوٹ گئی۔ ریچھ کی جگہ وہ اصلی شکل میں
آگئی اس کے دونوں بازو الگ ہو چکے تھے عنبر نے اپنا پاؤں
چڑیل کی گردن پر رکھ دیا اور کہا۔

"بتا اس سے پہلے تو کتنے بے گناہ انسانوں کا خون کر
چکی ہے۔

چڑیل نے حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکالتے ہوئے
کہا۔

"بہت سے آدمیوں کا خون کر چکی ہوں مجھے معاف
کر دے تو کوئی بڑا جادوگر ہے۔

عنبر بولا۔

"میں جادوگر نہیں ہوں مگر ظلم کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتا کیونکہ انسانوں پر ظلم کرنے والے لوگ، جن اور چڑیلیں میری دشمن ہیں اور قاتل ہیں اور قاتل کی سزا موت ہے۔

اور عنبر نے چڑیل کی گردن پر اپنے پاؤں کا پورا زور ڈال دیا عنبر کے جسم اور اس کی طاقت کا بوجھ ہزاروں چڑیلیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں اور اکیلی چڑیل بھلا کیسے برداشت کرتی اس کی ایک آخری چیخ نکلی اور وہ مر گئی۔ مرتے ہی اس کی شکل بگڑتی بگڑتی ایک سور کی شکل اختیار کر گئی اور پھر مٹی بن کر زمین پر بکھر گئی۔

عنبر کوٹھڑی سے باہر نکلا تو حبشی غلام تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے عنبر کو چڑیل کو ہلاک کرتے دیکھ لیا تھا اس نے عنبر کی طرف ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"حضور۔ جادوگروں کے بادشاہ مجھے معاف کر دو۔ میں نے جو کچھ کیا اس چڑیل مالکن کے کہنے پر کیا۔

عنبر نے اس کو گردن سے پکڑ کر تھوڑا سا جھنجھوڑا اور اسے پیچھے دھکا دے کر کہا

"یہاں سے بھاگ جا اور خبردار جو پھر کبھی ادھر کا رخ کیا۔

حبشی غلام اسی وقت تہہ خانے سے باہر نکلا اور حویلی سے باہر
آکر جنگل کی طرف بھاگ اٹھا۔
عنبر نے باہر آکر گھاس پھوس اور لکڑیاں جمع کرکے حویلی کے
ارد گرد اور اندر لگا کر انہیں آگ لگا دی دیکھتے دیکھتے حویلی کو
آگ لگ گئی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اس برائی کی
جگہ کو جلا کر راکھ کرنے کے بعد عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور
آگے روانہ ہو گیا۔
افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں دو دن تک سفر کرتے
رہنے کے بعد تیسرے روز عنبر ایک ٹیلے کے پاس ایک کنوئیں کے
قریب پہنچا اس کے گھوڑے نے صبح سے پانی نہیں پیا تھا وہ گھوڑے
سے اتر کر کنوئیں کے پاس آیا کہ کسی ترکیب سے اس میں سے
پانی نکال کر گھوڑے کو پلائے جونہی وہ گھوڑے کو کنوئیں کے پاس
لایا تو اسے کنوئیں کے اندر سے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔
"مجھے بچاؤ۔ مجھے باہر نکالو۔"
عنبر نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا کہ ایک آدمی کنوئیں کے پانی
میں گردن تک ڈوبا ہوا ہے عنبر نے آواز دی۔
کون ہو تم۔ تمہیں کس نے یہاں پھینکا ہے۔"

فوراً ہی کنوئیں کے اندر سے آواز آئی۔
عنبر! عنبر۔ کیا تم عنبر ہو۔ ضرور تم عنبر ہو میں نے
تمہاری آواز پہچان لی ہے۔
عنبر حیران ہوا کہ یہ کون ہے جس کی آواز کو وہ نہیں پہچان سکا
مگر اس نے اس کی آواز کو پہچان لیا ہے۔ عنبر نے کہا۔
تم نے میری آواز کیسے پہچان لی۔ کیا تم مجھے جانتے
ہو۔"
کنوئیں میں سے آدمی کی آواز آئی
عنبر بھیا۔ میں کیٹی ہوں خدا کے لیے مجھے باہر نکالو"
عنبر کا دماغ چکرا گیا۔
کیٹی مگر تم تو مرد ہو۔"
کیٹی نے کنوئیں سے آواز دی۔
عنبر بھیا۔ خدا کے واسطے مجھے کسی طرح باہر نکالو
میں سارا کچھ سمجھا دوں گی یہ سب میری کمبخت چٹکی
کی کارستانی ہے۔
عنبر نے کہا
ٹھہرو۔ میں رسی نیچے لٹکاتا ہوں۔"
کنوئیں میں سے کیٹی کی آواز آئی
رسی پھینکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا مجھے زنجیر کے ساتھ

باندھ دیا گیا ہے اور میری طاقت ختم کر دی گئی ہے تم
خود نیچے اتر کر مجھے یہاں سے باہر نکالو۔
عنبر نے سوچا اگرچہ آواز کسی مرد کی ہے مگر ہو سکتا ہے یہ کیٹی
ہی ہو کیونکہ کبھی کبھی وہ چٹکی بجا کر مرد بن جایا کرتی تھی اس نے رسی
باہر ایک پتھر سے باندھی اور کنوئیں میں اتر گیا کیا دیکھتا ہے کہ کنوئیں
میں ایک کالا حبشی مرد جس کی بڑی بڑی مونچھیں ہیں پانی میں ڈوبا
ہوا ہے اور اس کی گردن میں ایک زنجیر بندھی ہے ایک تختہ
بھی اس کے بازوؤں میں پھنسا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس
کا سر پانی سے باہر رہتا ہے
عنبر نے کہا۔ کیا تم کیٹی ہو۔
ہاں عنبر۔ میری مردانہ آواز اور مردانہ حبشی ایسی کالی
صورت کو نہ دیکھو۔ مجھے باہر نکالو میں تمہیں سب کچھ
بتا دوں گی۔
عنبر نے ایک ہی وار سے اس کی گردن کی زنجیر اور تختہ
توڑ ڈالا اور اسے رسی کی مدد سے کنوئیں سے باہر نکال لایا
وہ کوئی پورا مرد تھا کسی طرح سے کیٹی نہیں لگ رہا تھا اس کی
کالی شکل اور بڑی بڑی مونچھیں دیکھ کر تو شک ہو رہا تھا
کہ وہ کوئی ڈاکو ہے مگر عنبر نے سوچا کہ کسی ڈاکو کو کیا پڑی ہے
کہ وہ اپنی گردن میں زنجیر ڈال کر کنوئیں میں لٹک جائے۔ کیٹی نے
کہا۔
"عنبر بھیا اگر تم اسوقت نہ آتے تو خدا جانے کل میں
کہاں ہوتی کیونکہ جس آدمی نے میری گردن میں زنجیر
ڈال کر اس پر جادو پھونکا ہے اور مجھے کنوئیں میں
پھینک دیا ہے وہ کوئی بڑا ہی پراسرار جادوگر ہے۔
عنبر کالے حبشی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔
اگر تم کیٹی ہو تو مجھے بتاؤ کہ ہمارے ساتھ اور کون
کون سفر کر رہا ہے اور ہم کب سے سفر کر رہے
ہیں۔
کیٹی نے کہا۔
ہمارے ساتھ ناگ اور ماریا بھی ہے اور تم لوگ
پانچ ہزار سال سے سفر کر رہے ہو اور اب واپسی
کے سفر پر ہو اور تم پر موت اثر نہیں کرتی۔ ماریا
نظر نہیں آتی اور ناگ اپنی جون بدل کر سانپ اور جو
بھی چاہے بن جاتا ہے اور میں ایک خلائی لڑکی ہوں
جو کچھ عرصہ ہوا تمہارے ساتھ شامل ہوئی ہوں کیا
اب بھی تمہیں یقین نہیں آئے گا۔
عنبر کو پورا یقین آ گیا کہ یہ کالا حبشی کیٹی ہی ہے اس نے
کیٹی کی بڑی بڑی مونچھوں کو انگلی سے چھو کر کہا۔

مگر کیٹی یہ تمہاری مونچھیں کیسے نکل آئیں۔
کیٹی بولی۔

عنبر بھیا کیا بتاؤں۔ میں اور ناگ بھیا سپین سے نکل کر دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ جب ہم سمندر کے پاس پہنچے تو ناگ نے تجویز پیش کی کہ میں چٹکی بجا کر باز بن جاؤں گا تاکہ اس کے ساتھ اڑتے ہوئے سمندر کو عبور کر لیا جائے اور افریقہ پہنچیں کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ شاید افریقہ میں تم سے اور ماریا سے ملاقات ہو جائے میں چٹکی بجاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ لیکن ناگ نے مجھے مجبور کر دیا آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ میں چٹکی بجاتے ہی ناگ کے پاس سے غائب ہو گئی اور اس علاقے کے ایک کالے حبشی کی شکل میں نمودار ہو گئی میں اس جنگل میں سے گزر رہی تھی کہ ایک جگہ پرانا مقبرہ دیکھ کر اندر گئی تو وہاں ایک سر منڈا حبشی بیٹھا ہڈیاں آگے پھینکے منتر پڑھ رہا تھا مجھے دیکھتے ہی شاید وہ جادو کے ذریعے سمجھ گیا کہ میں ایک عورت ہوں اس نے میرے ساتھ بڑی ہمدردی کا سلوک کیا اور کھانا کھلایا پھر مجھے کوئی دوا پلا کر بے ہوش کر دیا جب مجھے ہوش آیا تو اس نے میری گردن میں زنجیر ڈال رکھی

تھی اور میرے بازوؤں میں لکڑی کا تختہ پھنسا ہوا تھا میری طرف دیکھ کر وہ سر منڈا حبشی قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں تم ایک عورت ہو اور کسی جن کے قبضے میں ہو مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی تاکہ تمہارے جن کو قابو میں لا سکوں اور پھر تمام لوگوں پر اس جن کے ذریعے حکومت کر دوں اس نے مجھے کہا کہ چٹکی بجا کر جن کو حاضر کرو نہیں تو میں تمہیں ویران کنوئیں میں ڈال دوں گا میں نے کئی بار چٹکی بجائی مگر میری بدقسمتی کہ جن ایک بار بھی نہ آیا اب میں کیا کرتی مجبور تھی اس نے مجھے کنوئیں میں پھینک دیا اب وہ ہر روز آدھی رات کو آتا ہے اور مجھے کنوئیں میں آواز دے کر کہتا ہے چٹکی بجاؤ اگر جن آگیا تو تمہیں باہر نکال لوں گا نہیں تو اسی کنوئیں میں پڑی پڑی گل سڑ جاؤ گی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے

عنبر نے کہا۔

فکر نہ کرو اس جادوگر کو آج رات ہی دیکھ لیں گے مگر سب سے پہلے ہمیں اس گھوڑے کو پانی پلانا ہو گا۔"

انہوں نے درختوں کے پتے توڑ کر ایک ڈونگا سا بنایا اور

رسی کی مدد سے کنوئیں میں سے بار بار پانی نکال کر گھوڑے کو
پلایا۔ کیٹی نے عنبر سے ماریا کے بارے میں پوچھا۔ عنبر نے کہا۔
"میں خود اس کی تلاش میں ہوں
پھر بولا۔
"میرا خیال ہے کہ ناگ تو ہسپانیہ میں ہی ہو گا
کیٹی کہنے لگی۔
وہ اڑ کر سمندر پار کر کے افریقہ آنا چاہتا تھا کیا یہ
افریقہ ہے ناں؟"
"ہاں۔ ہم افریقہ میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں
ماریا اور ناگ سے ہماری ضرور ملاقات ہو جائے گی
پھر عنبر نے کیٹی کی مونچھوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔
بھائی کیٹی۔ تمہاری مونچھیں دیکھ کر ناگ اور ماریا کیا
کہیں گے۔
کیٹی نے کہا۔
خدا کے لیے تم میرا مذاق نہ اڑاؤ عنبر بھیا۔ میں کیا
کر سکتی ہوں۔ چٹکی نے مجھے فائدہ بھی بہت پہنچایا ہے
مگر پریشان بھی بہت کیا ہے اور اگر وہ میرا دوست
جن مجھے مل جائے تو میں اس سے پوچھوں گی کہ آخر وہ
مجھے تنگ کس لیے کرتا ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔
"ایسا لگتا ہے جن کو تم سے پیار ہو گیا ہے۔"
اتنے میں جنگل سے ایک گونج دار آواز سنائی دی۔
"کیا پیار پیار لگا رکھی ہے۔ بک بک بند کرو۔
کیٹی نے چیخ کر کہا۔
عنبر! یہ اس دوست جن کی آواز ہے۔
پیارے جن! تم کہاں ہو۔ میری مدد کرو۔ مجھے آدمی
سے پھر کیٹی بنا دو۔
مگر جن کی آواز دوبارہ سنائی نہ دی۔ کیٹی نے اسے کئی
بار پکارا۔ اسے بڑے واسطے دیئے مگر جن ایک بار اپنی گونج
دار آواز سے عنبر کو ڈانٹ کر غائب ہو چکا تھا۔
کیٹی نے کہا۔ اب کیا کریں عنبر بھیا
عنبر نے کہا۔
میرا خیال ہے۔ ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔
اب سر منڈے جادوگر سے مل کر بھی کیا کر لیں گے۔
کیٹی نے کہا۔
میرا دل کہتا ہے کہ ابھی ہمیں یہاں سے نہیں جانا چاہیئے
آدھی رات کو سر منڈے حبشی جادوگر کو آ لینے دو ہو
سکتا ہے میری شکل میں تبدیلی آ جائے۔

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔
"وہ جادوگر ہے۔ مگر وہ تو خود تمہارے دوست جن
کی تلاش میں ہے اور اسے قابو میں کرنا چاہتا ہے وہ
تمہاری شکل کیسے بدلے گا۔
کیٹی نے کہا۔
میرا دوست جن بھی اس جگہ پر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی
وقت میری مدد کو آ جائے۔
عنبر نے کہا۔
چلو ٹھیک ہے۔ ویسے بھی اب رات ہو رہی ہے۔
ہم یہ رات اسی جگہ گزار لیتے ہیں۔
کیٹی نے کہا۔
"عنبر! وعدہ کرو کہ تم مجھے آدمی کی شکل میں دیکھ
کر میرا مذاق نہیں اڑاؤ گے۔
عنبر ہنسنے لگا اور بولا
اچھا ایک بار مجھے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیر لینے دو
اور عنبر نے جلدی سے کیٹی کی بڑی بڑی کالی مونچھوں
پر ہاتھ پھیر دیا۔ اور ہنستے ہوئے بولا۔
"اب وعدہ کرتا ہوں آئندہ مذاق نہیں کروں گا۔
کیٹی نے غصے سے کہا۔

"بُرا ہوا اس کم بخت جن کا۔ مجھے مرد بنایا اور پھر
اتنی بڑی بڑی مونچھیں بھی چپکا دیں۔
عنبر نے کہا۔
ویسے تمہیں بُری نہیں لگ رہیں کیٹی۔ بالکل جرام ڈاکو
لگ رہے ہو۔
کیٹی نے ناراض ہو کر کہا۔
"لگ رہی ہو۔ میں عورت ہوں"۔ تم مرد ہو۔ عورت
کہاں ہو۔ بھلا عورتوں کی اتنی بڑی بڑی مونچھیں ہوتی
ہیں۔
کیٹی نے اپنی مونچھیں نوچ لیں اور کہا۔
"خدایا مجھے جلدی سے عورت بنا دے"۔
اس طرح باتیں کرتے اور لڑتے جھگڑتے رات گہری ہو گئی۔
کیٹی نے کہا۔
"ہمیں یہاں کہیں جگہ چھپ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ وہ سر
منڈا جادوگر آدھی رات کو آئے گا۔
عنبر اور کیٹی کنوئیں کے پاس ہی ایک جگہ جھاڑی کے پیچھے بیٹھ
گئے۔ جب رات آدھی گزر گئی اور جنگل میں گہرا اندھیرا اور
سناٹا چھا گیا تو کیٹی نے ایک طرف اشارہ کرکے سرگوشی کی
"عنبر" ادھر دیکھو"

دور ٹیلے کے پیچھے سے ایک سایہ نکل کر کنوئیں کی طرف چلا
آ رہا ہے ۔ جب یہ سایہ ذرا آگے آیا تو کیٹی نے عنبر کے کان میں کہا
"یہی ہے وہ سرمنڈا جادوگر۔"
عنبر نے دیکھا کہ ایک سیاہ کالا ناٹے قد کا بھاری بھرکم
سرمنڈا حبشی کنوئیں کی طرف آیا اور رک کر ادھر ادھر دیکھنے
لگا پھر اس نے کنوئیں کے اندر منہ ڈال کر کہا۔
"چٹکی بجا کر جن کو بلاؤ۔ میں تمہیں پھر سے عورت بنا
دوں گا۔"
کنوئیں کے اندر سے کوئی جواب نہ آیا سرمنڈے جادوگر
نے پھر آواز دی۔
"کیٹی! میری بات کا جواب دو۔ چٹکی بجا کر جن کو ایک
بار پھر بلاؤ۔ میں تمہیں مرد سے عورت بنا دوں گا
میرے پاس ایسا منتر ہے۔"
کنوئیں میں گہری خاموشی تھی۔ جادوگر نے کنوئیں میں جھانک
کر غور سے دیکھا اور پھر چیخ مار کر اچھل پڑا۔
"تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتیں اس سارے علاقے
میں میرا جادو چلتا ہے میں تمہیں پاتال سے بھی کھینچ لاؤں
گا۔"
اور وہ ادھر ادھر تلاش کرتا ہوا جھاڑی کے پیچھے آیا تو

س کی نظر کیٹی اور عنبر پر پڑی وہ گرج دار آواز میں چیخا۔
"ور ہیں تمہیں پھونک ڈالوں گا اور تمہیں تمہارے ساتھی کو
بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
عنبر اور کیٹی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سرمنڈے حبشی جادوگر
کوئی زور دار منتر پڑھ کر پھونک ماری تو اس کے ہاتھوں
شعلے بلند ہونے لگے اس نے چیخ کر کہا۔
"اے اگنی دیوی! اے آگ کی دیوی۔ ان دونوں کو
جلا دے۔ جلا دے۔ جلا دے۔"
لیکن اس وقت سارے جنگل میں ایک آواز گونج اٹھی
"کیا جلا دے۔ جلا دے۔ لگا رکھی ہے تم نے۔"
اور اچانک ایک اونچے لمبے قد کا سفید پوش لمبے بالوں لمبے
بازوؤں اور لمبی ٹانگوں والا آدمی ظاہر ہو گیا۔ کیٹی نے
وش ہو کر کہا۔
"میرے دوست جن تم آ گئے"
عنبر نے دیکھا کہ اس جن کی انگلیاں اس کی پنڈلیوں سے بھی
ٹی موٹی تھیں جن کو دیکھ کر سرمنڈا جادوگر اچھل کر پرے
ٹ گیا اور پکار اٹھا۔
"اے سامری۔ اے جادوگروں کے بادشاہ! میں
تیرا چیلا ہوں اپنے جادو کی طاقت سے اس جن کو میرے

قبضے میں کر دے۔

جن نے سر منڈے جادوگر کو دو انگلیوں سے گردن سے پکڑ کر اوپر اُٹھا لیا اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر بولا۔

"کیا سامری سامری لگا رکھی ہے۔ کون ہے یہ سامری"

○

سیاہ کفن پوش بلا

جادوگر کے خوف کے مارے ہوش گم ہو رہے تھے۔

مگر اس نے ایک بار پھر جن کو دوست بنانے کے لیے کہا۔

اے سامری۔ جادوگروں کے بادشاہ اس جن کو میرا دوست بنا دے۔

جن نے غصے میں آ کر جادوگر کو اپنی مٹھی میں لے کر اس طرح مسل ڈالا کہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ اور وہ زندہ نہ رہا

جن نے جادوگر کی لاش کو وہیں کنوئیں کے پاس پھینک دیا۔

یہ سارا منظر عنبر اور کیٹی جھاڑیوں میں چھپے دیکھ رہے تھے

اب کیٹی نے باہر نکل کر کہا۔

"میرے دوست جن"! خدا کے لیے مجھے پھر سے عورت بنا دو میں مرد نہیں بنوں گی"

جن نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔

کیوں شور مچاتی ہو۔ جاؤ چٹکی بجاؤ۔

یہ کہہ کر جن غائب ہو گیا۔ کیٹی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
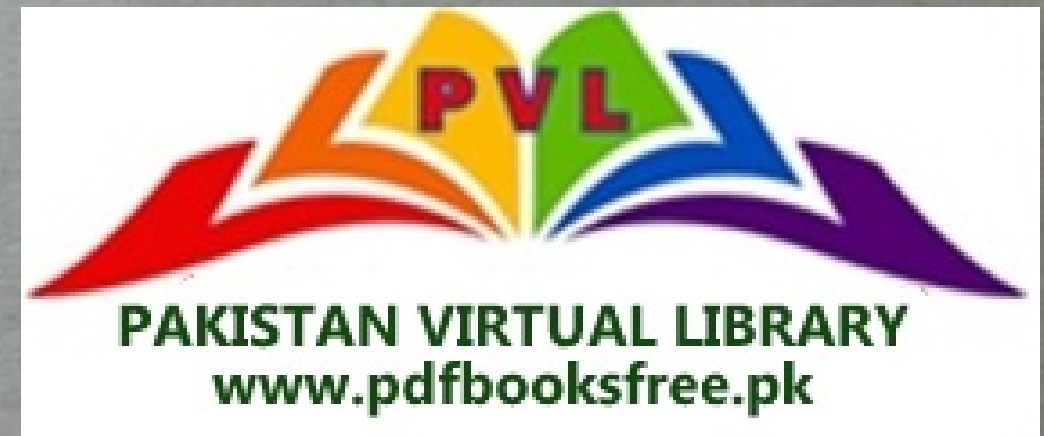
"کمبخت پھر مجھے چٹکی بجانے کے لیے کہہ گیا ہے اور
اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ خدا جانے اب میں نے چٹکی
بجائی تو مرد سے کہیں جانور نہ بن جاؤں۔
عنبر نے کہا۔
کیٹی تم ایک بار آزماؤ۔ جن کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے"
ارے عنبر بھائی کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مجھے خطرہ ہے کہیں
میں مرغا نہ بن جاؤں۔
"چلو مرغا ہی ہوگی۔ مرغی تو نہیں بنو گی"
پھر مذاق کرنے لگے تم۔ جاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔
عنبر نے کہا۔
اچھا بابا۔ معافی مانگتا ہوں۔ لیکن خدا کے لیے ایک بار
اپنی شکل سامنے لاکر چٹکی تو بجاؤ۔
کیٹی نے آنکھیں بند کر کے اپنی شکل کا تصور کیا اور چٹکی
بجا دی۔ عنبر نے چیخ کر کہا۔ کیٹی تم عورت بن چکی ہو۔
کیٹی نے جلدی سے آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو دیکھا وہ عورت
بن چکی تھی۔ پھر سے کیٹی بن گئی تھی اس نے خدا کا شکر ادا کیا
اور کہا۔
"اف میرے خدا۔ میں بھی کس مصیبت میں پھنس گئی تھی
خدا کا شکر ہے کہ اس مونچھوں والے حبشی سے تو پیچھا چھوٹا

عنبر نے مسکرا کر کہا۔
آہستہ بولو جن نے سن لیا تو پھر سے تمہیں مونچھوں والا
حبشی بنا دے گا۔
کیٹی بولی۔
یہاں سے نکل چلو عنبر۔ یہ جگہ بڑی منحوس ہے اور
اس کمبخت سر منڈے جادوگر کی لاش بھی وہیں پڑی ہے
وہ دونوں گھوڑے پر بیٹھے اور آگے روانہ ہو گئے۔

○

دن بھر جنگل میں سفر کرنے کے بعد شام ہو گئی۔
عنبر اور کیٹی نے دیکھا کہ سامنے ایک بنجر ویران پہاڑی آ
ئی ہے جس کی ایک طرف دامن میں اوپر کو اٹھی ہوئی چٹانوں
یں ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت کھڑی ہے جس کی دیواریں جگہ جگہ
ے ٹوٹ گئی ہیں۔
"کیٹی یہ کون سی عمارت ہے؟"
کیٹی نے کہا۔
"کوئی پرانی عمارت کا کھنڈر ہے۔ ہمیں یہاں کیا لینا ہے
چلو آگے چلتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہ یہاں تھوڑی دیر آرام کر لیں رات بھی ہو رہی ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی"

اور وہ گھوڑے سے اتر کر پرانی عمارت کے کھنڈر میں ایک دیوار کے پاس پتھروں پر بیٹھ گئے گھوڑے کو انہوں نے چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا سورج دور پہاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ اور شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

اگر تمہیں بھوک لگی ہوئی ہو تو جنگل سے پھل وغیرہ ڈھونڈ کر لے آتا ہوں۔

کیٹی نے کہا۔

نہیں عنبر بھائی۔ تم تو جانتے ہو کہ مجھے بھوک نہیں لگتی

"وہ تو میں جانتا ہوں پھر بھی میں نے سوچا کہ شاید تم منہ کا مزہ بدلنا چاہو۔

کیٹی بولی۔

"نہیں۔ بلکہ میں کچھ تھک گئی ہوں میرا خیال ہے میں کچھ دیر کے لیے سو جاتی ہوں۔

"بے شک تم سو جاؤ میں جاگ رہا ہوں۔ تم آرام کرو۔"

کیٹی وہیں پتھروں پر جگہ بنا کر سو گئی۔

عنبر کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ گھوڑے کو ایک جگہ باندھ دینا چاہیے وہ گھوڑے کو ایک پتھر کے ساتھ باندھ کر واپس آ گیا کیٹی گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی وہ گہری نیند میں تھی عنبر بھی ایک طرف دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ماریا اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے ناگ کے بارے میں تو کیٹی نے بتایا تھا کہ وہ اس سے سپین میں بچھڑ گئی تھی اور اس کا ارادہ افریقہ کی طرف آنے کا تھا عنبر اور کیٹی چونکہ افریقہ میں ہی تھے اس لیے عنبر کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز ناگ سے ضرور ملاقات ہو جائے گی مگر ماریا کے بارے میں اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے۔

عنبر ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ رات گہری ہوتی چلی گئی اور پہاڑی کے آس پاس چٹانوں میں اندھیرا چھا گیا۔ عنبر کو ایک آواز سنائی دی یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی ٹھک ٹھک کر رہا ہو۔ آواز دور سے قریب آ رہی تھی۔ عنبر نے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ پہلے تو اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا پھر اسے روشنی کا ایک غبار سا دکھائی دیا جو پہاڑی والے چٹانوں کے نیچے ایک طرف ابھر رہا تھا وہ اٹھ کر دیوار کی اوٹ میں ہو کر دیکھنے لگا۔ روشنی کا غبار صاف ہو گیا اور

کھٹ کھٹ کی دھیمی آواز بھی قریب سے سنائی دینے لگی۔
اچانک عنبر نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش سایہ ہاتھ میں
جلتی ہوئی موم بتی کی پرانی طرز کی شمع لیے کھنڈر کی طرف بڑھ
رہا ہے عنبر اسے غور سے دیکھ رہا تھا سیاہ پوش بلا
کا سایہ ذرا قریب آیا تو عنبر کو اس سائے کی گردن کے اوپر
لگی ہوئی کھوپڑی دکھائی دی جس کی سیاہ آنکھوں میں ڈیلوں کی
جگہ گہرے سوراخ پڑے ہوئے تھے عنبر نے سوچا کہ یہ تو کوئی
سیاہ پوش بلا ہے جو کھنڈر کی طرف جا رہی ہے عنبر کو دیکھتے
دیکھتے وہ سیاہ پوش بلا کھنڈر کی دیواروں میں گم ہو گئی اور
وہاں روشنی کی جگہ اندھیرا ہو گیا۔

ایسا لگ رہا تھا کہ سیاہ پوش بلا کھنڈر میں کہیں غائب
ہو گئی ہے کیٹی ابھی تک سو رہی تھی عنبر نے اسے جگانا مناسب
نہ سمجھا اور اس کے قریب دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا
اور سیاہ پوش بلا کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ کوئی آسیب
تھا یا کوئی چلتی پھرتی لاش تھی۔

سیاہ پوش بلا کو کھنڈر کی دیواروں میں غائب ہوئے۔
تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک اسے ماریا کی خوشبو کا
ایک جھونکا محسوس ہوا وہ چونک کر اٹھ بیٹھا اس نے دو
تین بار لمبے لمبے سانس لیے۔ ہوا میں ماریا کی خوشبو آ رہی
تھی عنبر نے جلدی سے کیٹی کو جگایا اور کہا۔

"کیٹی۔ ماریا کی خوشبو آ رہی ہے۔"

کیٹی نے بھی سانس لے کر کہا۔

ہاں۔ عنبر بھائی۔ یہ تو ماریا کی خوشبو ہے۔ اس کا مطلب
ہے کہ وہ یہیں کہیں ہے مگر کہاں ہو سکتی ہے کہیں وہ
اس کھنڈر میں تو نہیں ہے

عنبر بولا۔

جب تم سو رہی تھی تو میں نے ایک سیاہ کفن پوش بلا
کو کھنڈر میں چراغ ہاتھ میں لیے جاتے دیکھا تھا۔

سیاہ کفن پوش بلا۔ کیٹی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں" عنبر نے کہا۔ اس نے ایک سیاہ لمبا لبادہ پہن
رکھا تھا۔ بالکل کفن کی طرح کا تھا اس کے ہاتھ میں ایک
شمع تھی۔ اور چلتے ہوئے کھٹ کھٹ کی آواز آ رہی
تھی جیسے اس نے پاؤں میں لکڑی کی کھڑائیں پہن رکھی
ہوں اور اس کی گردن پر سر کی جگہ ایک کھوپڑی تھی۔

اُف میرے خدایا۔ یہ تو ضرور کوئی چڑیل ہوگی۔ اس
کا مطلب ہے کہ ماریا کو کسی چڑیل نے اپنے قبضے میں
کر رکھا ہے کیونکہ اگر وہ آزاد ہوتی تو ہماری خوشبو
سونگھ کر ضرور باہر نکل آتی

کیٹی نے بڑی ٹھیک بات کی تھی۔ عنبر نے کہا۔
"بس کھنڈر میں چل کر دیکھتا ہوں تم اسی جگہ ٹھہرو"
کیٹی نے کہا۔
"نہیں عنبر بھائی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا"
وہ دونوں وہاں سے اٹھے اور اندھیرے میں آہستہ آہستہ چلتے
کھنڈر کی دیواروں کے اندر آگئے اس قسم کے کھنڈر وہ پہلے بھی
بہت دیکھ چکے تھے عنبر کی نظریں زمین پر پتھروں کے درمیان مٹی
پر سیاہ کفن پوش بلا کی کھڑاؤں کے نشان دیکھ رہی تھی جو اسے
دھندلے دھندلے نظر آرہے تھے۔
"کیٹی! یہ نشان اسی کفن پوش بلا کے ہیں ہمیں ان نشانوں کے
تعاقب میں جانا ہے"
کھڑاؤں کے پراسرار نشان کھنڈر کے پچھلے راستے سے
ہوتے ہوئے ایک جگہ دیوار کے ساتھ پہنچے ڈھلان میں چلے
گئے تھے یہ ڈھلان ایک تنگ راستے کی شکل میں کھنڈر کے نیچے
تہہ خانے میں جاتی تھی عنبر اور کیٹی اس پر چلنے لگے کیٹی پیچھے تھی
اور عنبر آگے آگے تھا وہ دونوں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے
تھے ماریا کی خوشبو زیادہ ہوگئی تھی کیٹی نے کہا۔
ماریا کی خوشبو!
یہ تنگ راستہ انہیں ایک کھلے چوکور تہہ خانے میں لے گیا

جہاں ایک گول ستون کے اوپر انہیں ایک جلتی ہوئی لالٹین کی
طرح کی شمع دکھائی دی۔ عنبر نے کہا۔
یہ لالٹین ہمیں آگے راستے میں راستہ دکھلائے گی
اور اس نے لالٹین ہاتھ میں لے لی تہہ خانے میں چھت تک
بڑے بڑے گول ستون بنے تھے جن پر فرعون مصر کی تصویریں
لکیروں کی شکل میں بنی ہوئی تھیں وہ تیسرے ستون کے پاس
سے گزر رہے تھے کہ انہیں اپنی دائیں جانب ایک تابوت دیوار
کے ساتھ لگا ہوا نظر آیا۔ عنبر نے کہا۔
یہ کسی پرانی ممی کا تابوت لگتا ہے۔
کیٹی نے تابوت کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ
نکل گئی۔
"عنبر"
عنبر نے گردن موڑ کر دیکھا تو تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ
کھل رہا تھا وہ لالٹین لے کر ایک دم ستون کے پیچھے ہو گیا اتنے
میں تابوت کا ڈھکنا کڑاک کی آواز کے ساتھ کھل گیا اور اس
میں سے جابر فرعون کی لاش کا ڈھانچہ جس کے بازوؤں کے
ساتھ ممی کی پٹیوں کے پرانے چیتھڑے لٹک رہے تھے باہر نکل
آیا اور عنبر اور کیٹی کی طرف بڑھا اس کے حلق سے خرخراہٹ
کی دہشتناک نکل رہی تھیں۔

عنبر نے لالٹین کو پھونک مار کر بجھا دیا اور کیٹی کو لے کر واپس
بھاگا۔ مگر پیچھے وہ جس راستے سے آئے تھے اب وہ بند ہو
چکا تھا عنبر نے کہا۔

"اس طرف کیٹی۔ سامنے سیڑھیاں تھیں۔
وہ لالٹین وہیں پھینک کر سیڑھیوں کی طرف بھاگے۔ سیڑھیاں
نیچے کسی اور تہہ خانے میں جا رہی تھیں عنبر اور کیٹی نیچے اتر گئے
یہاں دیوار کے ساتھ تین انسانی ڈھانچے لٹک رہے تھے اور
درمیان میں پتھر کا ایک گول ڈبہ پڑا تھا ماریا کی خوشبو یہاں بے
حد تیز تھی۔

عنبر نے کہا

"کیٹی ماریا یہیں کہیں موجود ہے۔

اس نے آہستہ سے ماریا کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا
لیکن سیڑھیوں پر سے وہی کھٹ کھٹ کی آواز آنے لگی۔ عنبر
بولا۔

"یہ وہی کفن پوش بلا ہے۔"
کیٹی نے کہا۔

"اُف! اب کیا ہوگا۔ میں چٹکی بجا کر کبوتری بن
رہی ہوں
عنبر نے جلدی سے کیٹی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"یہ غلطی نہ کرنا۔ ان آسیبی ہیولوں کا پرندوں پر
بڑا جلدی اثر ہو جاتا ہے تم میرے ساتھ رہو۔
سیڑھیوں میں وہی روشنی کا غبار پھیل رہا تھا۔ سیاہ پوش
بلا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سیڑھیاں اتر رہی تھی اور پھر وہ
ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ کیٹی کے منہ سے چیخ سی نکل
گئی سیاہ کفن پوش بلا کے ہاتھ میں چراغ جل رہا تھا اور
گردن کے اوپر انسانی کھوپڑی تھی جس کی آنکھوں کے سوراخوں
میں سے زرد زرد روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے کیٹی کو اپنے پیچھے کر لیا اور بولا۔
"تم کون ہو؟"
سیاہ پوش کفن پوش بلا نے کہا۔
"جس کو تمہاری تلاش تھی۔"
"میری تلاش تھی؟ کیا تم مجھے جانتی ہو۔
ہاں۔ کفن پوش بلا نے کہا "تم عنبر ہو۔ جو پانچ ہزار
سالوں سے زندہ ہے میں ماریا کو پہلے ہی اپنے قبضے
میں کر چکی ہوں اور ناگ کو میں نے قتل کر دیا ہے اس
کی لاش ساتھ والی کوٹھڑی میں پڑی ہے
اتنا سنتا تھا کہ کیٹی اور عنبر کے پاؤں تلے کی زمین
نکل گئی۔

سیاہ کفن پوش بلا نے کہا۔
ماریا تمہارے سامنے والے پتھر کے ڈبے میں
قید ہے۔ وہ یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی۔ ناگ
کی لاش گل سڑ رہی تھی اب تم دونوں کی باری
ہے۔ تم اب اسی تہہ خانے میں پڑے رہو گے
اور میں اپنے عمل سے ایک طلسم بناؤں گی اور وہ
طلسم مجھے تمہاری جگہ ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر
دے گا۔
اور سیاہ کفن پوش بلا نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اس
کی کھوپڑی کا جبڑا اوپر نیچے ہلنے لگا اور چراغ اس کی ہتھیلی
میں کانپنے لگا وہ واپس مڑی اور سیڑھیاں چڑھ کر غائب
ہو گئی۔ عنبر نے کیٹی سے کہا۔
"ناگ نہیں مر سکتا یہ بکواس کرتی ہے۔ اور۔ اور
ماریا اس ڈبے میں بند ہے کیا۔
اس نے اور کیٹی نے پتھر کے گول ڈبے کا ڈھکنا اٹھایا تو
اندر سے ماریا کی تیز خوشبو باہر آئی۔
"ماریا! ماریا! عنبر نے زور سے کہا۔
"عنبر! عنبر! خدا کا شکر ہے تم آ گئے۔"
ماریا کی کمزور آواز سنائی دی۔ لگتا تھا کہ وہ کسی گہرے کنوئیں

کے اندر سے بول رہی ہے۔ عنبر اور کیٹی نے ڈبے میں جھک
کر دیکھا۔ انہیں ماریا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی کیٹی نے کہا۔
"ماریا بہن! ہم تمہیں یہاں سے کیسے نکالیں؟"
ماریا کی آواز آئی۔
"کیٹی بہن۔ تمہاری آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ مگر
افسوس۔ عنبر بھائی۔ ناگ کی لاش ساتھ والی کوٹھڑی
میں ایک صندوق میں پڑی ہے۔
عنبر نے کہا۔
نہیں نہیں ماریا۔ ناگ کبھی نہیں مر سکتا۔
ماریا نے کہا۔
وہ تو مر چکا ہے عنبر بھیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے
اس کی لاش دیکھی ہے اس کا سر کٹا ہوا تھا اور اب
وہ اتنی خراب ہو چکی ہے کہ اگر اسے کیلاش پربت
کی جھیل میں بھی لے جا کر رکھا جائے تو اس میں دوبارہ
جان نہیں پڑ سکتی۔
"اف۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ ماریا۔
ماریا ہنسنے لگی۔
میں سچ کہہ رہی ہوں عنبر بھیا۔ تم خود جا کر دیکھ
لو۔"

عنبر بولا۔
مجھے تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تم یہاں کیسے قید کر دی
گئی ہو۔
ماریا بولی۔
مجھے ایک سیاہ کفن پوش بلا نے اپنے طلسم میں قید
کر دیا ہے میری ساری طاقت ختم کر دی گئی ہے اور
میں نہ اوپر اُٹھ سکتی ہوں اور نہ کسی دیوار میں سے
گزر سکتی ہوں۔
عنبر نے کیٹی سے کہا۔
کیٹی! تم اس جگہ ٹھہرو۔ میں ساتھ والی کوٹھری میں ناگ
کی لاش خود اپنی نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔
عنبر تہہ خانے کی تنگ و تاریک سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اچانک
اسے ایک زبردست دھکا لگا اور وہ پیچھے کی طرف گر پڑا۔ کیٹی
نے بھاگ کر اسے اٹھایا انہوں نے ایک بار پھر سیڑھیاں چڑھنے
کی کوشش کی مگر کفن پوش بلا نے وہاں جادو کا ایک ایسا
حصار کھینچ رکھا تھا کہ وہ دھکا کھا کر دونوں پیچھے گر پڑے
ماریا نے برتن میں سے آواز دی۔
"عنبر بھیا۔ تم بھی میرے ساتھ یہاں قید کر دیئے گئے
ہو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میرے خدا! ہمارے

اتنے لمبے سفر میں یہ پہلا منحوس موقع آیا ہے کہ ہم
چاروں ایک جگہ طلسمی حصار میں قید کر دیئے گئے ہیں
عنبر نے کہا۔
"ماریا بہن! تم گھبراؤ نہیں۔ ہم یہاں سے نکلنے کی
اور تمہیں ساتھ نکال لے جانے کی کوشش کریں گے
کیٹی بولی۔
"لیکن عنبر بھائی۔ ناگ کا کیا بنے گا؟"
ماریا نے کہا۔
"مجھے اس کا بہت غم لگا ہے۔"
عنبر بولا۔
میرا دل اب بھی گواہی دے رہا ہے کہ ناگ زندہ ہے۔"
پھر صندوق میں لاش کس کی ہے؟" ماریا نے آواز
دے کر پوچھا۔
عنبر نے کہا۔
وہ لاش ایک معمہ ہے ہو سکتا ہے کفن پوش بلا نے
ہمیں پھانسنے کے لیے کسی دوسرے کی لاش کو ناگ کی
شکل دے کر صندوق میں ڈال دیا ہو۔
ماریا نے کہا۔
کاش ایسا ہو۔ لیکن میرا دل ناگ کی لاش کا خیال کر کے

ڈوبنے لگتا ہے۔

عنبر بولا۔

یہ معمہ بھی حل ہو جائے گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ بہر حال میرا دل کہہ رہا ہے کہ ناگ زندہ ہے۔"

عنبر نے کیٹی سے کہا۔

کیٹی کیا یہاں تمہارا جن دوست ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا

کیٹی بولی۔

اس کا کوئی بھروسہ نہیں اوّل تو وہ میرے بلانے پر کبھی نہیں آیا اور اگر آ بھی جائے تو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کفن پوش بلا کے ساتھ مل کر ہمیں ہی تنگ کرنا شروع کر دے

عنبر نے کہا۔

تم اسے چٹکی بجا کر بلاؤ تو سہی۔

"میں چٹکی بجاؤں گی تو خدا جانے کیا بن جاؤں گی مجھے تو اب اپنی چٹکی پر بھی بھروسہ نہیں رہا۔

ماریا نے پتھر کے مرتبان ہی سے آواز دی۔

"کیٹی بہن! تم اپنے دوست جن کو بلا کر تو دیکھو ہو سکتا ہے وہ یہاں کہیں ہو اور ہماری کچھ مدد کر سکے۔"

کیونکہ اس کفن پوش بلا کا طلسم بڑا سخت ہے ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

عنبر بولا۔

اس کا مقابلہ تو کوئی جن ہی کر سکتا ہے۔"

کیٹی نے کہا۔

"میری مانو۔ اسے بلانا فضول ہے بالکل فضول۔

"اچانک جن کی آواز گونجی۔"

کیا فضول فضول لگا رکھی ہے تم نے۔"

عنبر اور کیٹی نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر کیٹی نے آواز بلند کی۔

"میرے دوست جن یہاں ایک کفن پوش بلا ہے جس نے ہمیں یہاں اپنے زبردست طلسم میں قید کر رکھا ہے ہماری مدد کرو اور ہمیں یہاں سے باہر نکالو۔

جن کی آواز گونجی۔

"میں تمہارا چاچا لگتا ہوں جو تمہیں یہاں سے نکالوں جاؤ اپنے چاچے کو جا کر کہو۔

کیٹی نے عنبر کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔

"میں پہلے نہ کہتی تھی کہ یہ جن بے اعتبارا ہے۔"

جن کی آواز پھر گونجی۔

"بے اعتباری ہو گی تم۔ تمہارا چاچا۔

کیٹی نے بڑی میٹھی آواز بنا کر کہا۔

میری مدد کرو نا جن - تم میرے دوست بھی تو ہو
کیا میرے دوست نہیں ہو۔
جن کی آواز ایک بار پھر گونجی
کیا دوست دوست کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے - بس
کرو - میں تمہیں اگربتیوں کا ایک دستہ پھینک رہا ہوں
اس کی دھونی میں سے تم دونوں ایک بار نکل جاؤ
تم پر یہاں کسی کا جادو اثر نہیں کرے گا۔
کیٹی نے کہا۔
اور ماریا کو مرتبان سے کیسے نکالیں گے۔
جن کی کرخت آواز آئی
زیادہ ٹرٹر نہ کرو اب - اس کو بھی دھونی دے
دینا اب مجھے نہ بلانا میں ٹمبکٹو کے جن ہاؤس میں
سالگرہ کی دعوت پر جا رہا ہوں۔
کیٹی نے جلدی سے کہا۔
ناگ کا کیا بنے گا جن دوست۔
مگر جن کی آواز نہ آئی۔ وہ ٹمبکٹو پہنچ چکا تھا - اتنے
میں دھپ سے سلگتی اگربتیوں کا ایک دستہ فرش پر آن گرا
اس دستے میں سے خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا۔ دھوئیں
کا ایک مرغولہ سا بن گیا عنبر اور کیٹی جلدی سے اس دھوئیں

ں سے گذر گئے پھر عنبر نے اگربتیاں اٹھا کر ماریا کے
مرتبان میں بھی اس کی دھونی دی۔
اچانک ماریا کی آواز آئی۔
میرے خدا! میں باہر آچکی ہوں اور اپنی پوری طاقت
محسوس کرنے لگی ہوں
عنبر نے کہا۔
اس کا مطلب ہے کہ اب ہم پر کفن پوش بلا کے
جادو کا بھی اثر نہیں ہوگا آؤ تہہ خانے سے باہر
نکلتے ہیں۔
ماریا عنبر اور کیٹی تہہ خانے کی سیڑھیوں پر آگئے اور پھر
انہوں نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا اب انہیں کوئی طلسمی
دھکا نہ لگا وہ طلسم کا حصار ان پر بے اثر ہو چکا تھا ماریا
انہیں لے کر اس کوٹھڑی میں آ گئی جہاں ایک صندوق میں
ناگ کی لاش پڑی تھی ماریا نے صندوق کا ڈھکن کھول دیا
ماریا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ صندوق میں سے ناگ کی لاش
غائب تھی اور اس کی جگہ ایک کالے رنگ کا مرا ہوا سانپ پڑا
تھا۔
ماریا نے کہا۔
دعنبر بھائی میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس صندوق میں

ناگ کی لاش پڑی تھی۔ یہ سانپ ضرور ناگ ہی
ہے کسی نے جادو کے زور سے اسے سانپ بنا دیا
ہے۔
عنبر بولا۔
ہم اس مردہ سانپ کو یہاں سے نکال لے چلیں گے۔
کیٹی نے کہا۔
کوئی آ رہا ہے۔
عنبر نے جلدی سے مردہ سانپ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا
کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جو دروازے کی طرف
بڑھ رہی تھی ماریا نے کہا۔
"تم لوگ صندوق کے پیچھے چھپ جاؤ میں باہر جا کر دیکھتی
ہوں کہ یہ کون ہے۔"
عنبر اور کیٹی صندوق کے پیچھے چھپ گئے ماریا پر چونکہ
اب جادو اثر نہیں کر رہا تھا اس لیے وہ بڑے آرام کے ساتھ
بند دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف آ گئی۔
اس نے دیکھا کہ ایک انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ جس کی کھوپڑی
پر ایک دیا جل رہا تھا کوٹھڑی کے بند دروازے کے پاس
آ کر رک گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑی تھی اس
نے زور سے دروازے پر کلہاڑی کا وار کیا دروازہ ٹوٹ کر گر پڑا

ماریا نے انسانی ڈھانچے کے ہاتھ سے کلہاڑا چھین کر اس پر حملہ
کر دیا۔ انسانی ڈھانچہ دو ٹکڑے ہو کر فرش پر گر پڑا ایک بھیانک
چیخ بلند ہوئی اور ڈھانچے کا دیا بجھ گیا اور اس کی ہڈیاں غائب
ہو گئیں۔
ماریا نے عنبر اور کیٹی کو آواز دے کر باہر بلا لیا۔
یہاں سے جلدی نکل چلو۔"
وہ دروازے میں سے نکل کر اس بڑے کمرے میں آ گئے جہاں
جابر فرعون مصر کی ممی کا تابوت دیوار کے ساتھ سیدھا کھڑا تھا۔
عنبر ماریا اور کیٹی اس تابوت سے قریب سے گزر کر باہر نکلنے کے لیے
سیڑھیوں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک دم سے تابوت کا ڈھکنا کھلا
اس میں سے ایک جابر فرعون کی لاش کے ہاتھ نے باہر
نکل کر کیٹی کو تابوت کے اندر کھینچ لیا کیٹی کی چیخ نکل گئی۔ عنبر اور
ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا کیٹی کو فرعون کی لاش تابوت میں
بند کر چکی تھی وہ تابوت کی طرف لپکے عنبر نے تابوت کو دھکا دے
کر زمین پر گرا دیا زمین پر ٹوٹنے کی بجائے تابوت غائب ہو گیا
ماریا اور عنبر دنگ رہ گئے۔ عنبر نے کہا۔
"تابوت کہاں چلا گیا۔
اس نے کیٹی کو آوازیں دیں مگر وہاں نہ تابوت تھا اور نہ
کیٹی تھی ماریا گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔"

عنبر بھائی۔ کیٹی کہاں چلی گئی۔ یہ تو غضب ہو گیا۔

اس پر جادو نے اثر کر دیا۔

اچانک ایک ہولناک زلزلے کی آواز سے سارا کمرہ گونج اٹھا اور پھر ستون ہلنے لگے۔ چھت میں سے ایک بھاری پتھر ٹوٹ کر نیچے گر پڑا عنبر نے کہا۔

"یہ کھنڈر گرنے لگا ہے یہاں سے نکل چلو ماریا۔

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر سرنگ میں آگئے اور وہاں سے دوڑتے ہوئے نکل کر کھنڈر کے باہر نکل آئے زلزلہ شدید تھا اور کھنڈر کی دیواریں تنکوں کی طرح ہل رہی تھیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ یہ زلزلہ صرف اسی علاقے میں تھا جہاں چٹانوں میں کھنڈر کی ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی عنبر اور ماریا جلدی جلدی چٹانوں سے ہٹ کر نیچے اتر آئے اور ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس کھڑے ہو کر چاندنی رات میں کھنڈر کی دیواروں اور ستونوں کو زلزلے کی وجہ سے جھولتے اور ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے دیکھنے لگے ان کے دیکھتے دیکھتے ساری عمارت ڈھے گئی اور پھر ایک کڑاک دار آواز کے ساتھ پہاڑی کے اندر زمین میں دھنس گئی دوسرے لمحے وہاں سوائے چٹانوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

ماریا نے اداس آواز میں کہا۔

"عنبر! کیٹی کو اب ہم کہاں تلاش کریں گے؟"

عنبر نے کہا۔

ماریا بہن! اس سوال کا جواب تو وقت ہی دے گا پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ میری جیب میں جو مردہ سانپ ہے کیا یہ واقعی ناگ کی لاش ہے یا کوئی جادو کا کرشمہ ہے عنبر نے جیب میں سے کالے سانپ کی لاش کو نکال کر چاندنی رات میں غور سے دیکھا عنبر کی ہتھیلی میں پڑے پڑے سانپ کا مردہ جسم سوکھ کر ہڈیوں میں بدل گیا اور پھر یہ ہڈیاں بھی غائب ہو گئیں

"ماریا تم دیکھ رہی ہو۔ میرا خیال ہے یہ جادو تھا۔ ناگ کی لاش نہیں تھی مجھے اب بھی یقین ہے کہ ناگ کہیں نہ کہیں ضرور زندہ ہے۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

عنبر اور ماریا پہاڑی ڈھلان سے اتر کر خشک پہاڑیوں اور بکھرے ہوئے پتھروں کے درمیان ایک طرف روانہ ہو گئے اب انہیں ناگ کے ساتھ ساتھ کیٹی کے تابوت میں غائب ہو جانے کا معمہ بھی حل کرنا تھا۔ چلتے چلتے جب وہ کافی دور نکل آئے تو انہیں کچھ فاصلے پر ایک جگہ سرخ روشنی ابھرتی ہوئی دکھائی دی۔ عنبر نے کہا کہ شاید وہاں کوئی بستی ہے اور وہ دونوں اس روشنی کی طرف چل پڑے۔

○

یہ روشنی کس چیز کی تھی۔
کیپٹن جابر فرعون کے تابوت میں جانے کے بعد کہاں پہنچ گئی۔
ناگ جب افریقہ میں اُترا تو اُس کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟
اور عنبر اور ماریا کو آگے جا کر کن پراسرار واقعات اور حالات سے دوچار ہونا پڑا۔
ان سوالوں کے جواب آپ کو عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی اگلی قسط نمبر ۶۹ میں ملیں گے جس کا عنوان "پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ" ہے۔

پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK
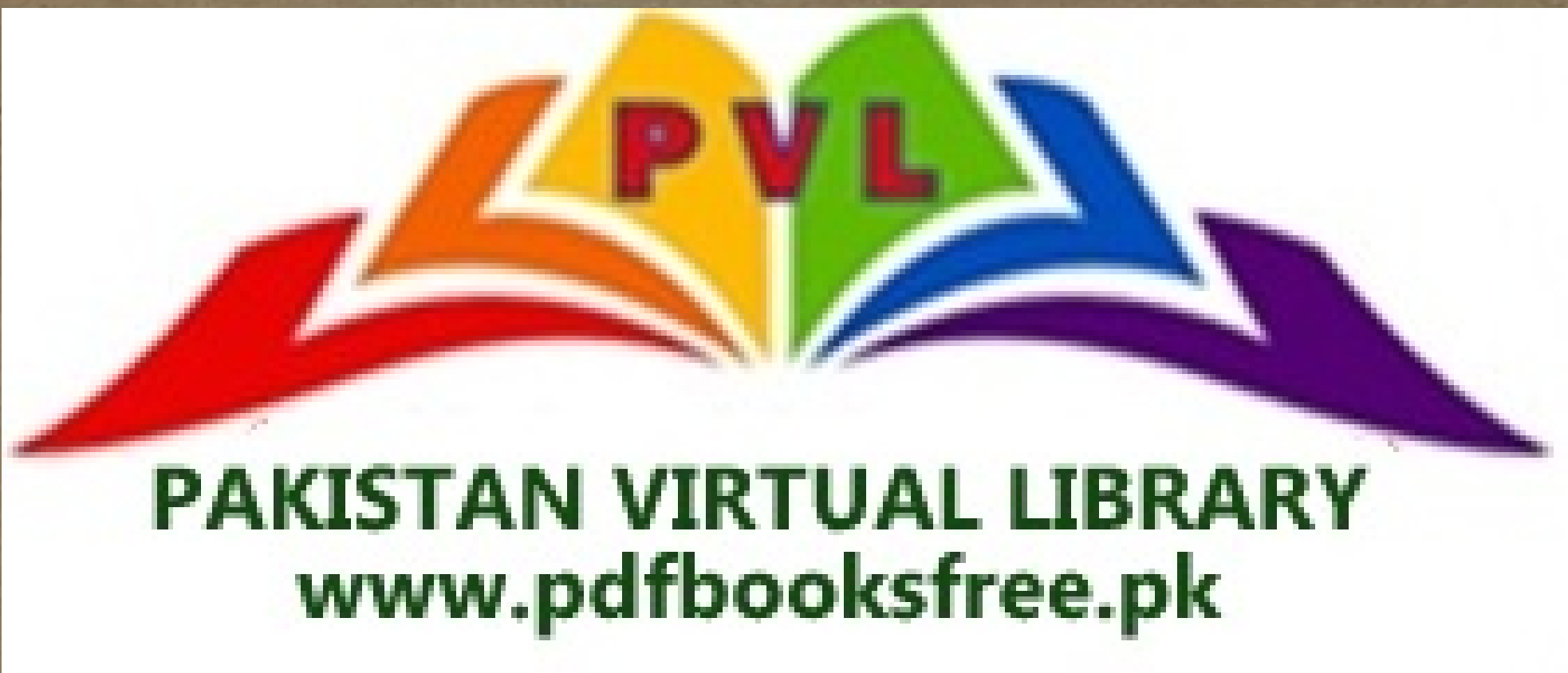
PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ

اے۔ حمید

قیمت : ۵۰/۷

بار اوّل ـــــ

ناشر: نیا مکتبہ اقرا۔ ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز۔ لاہور
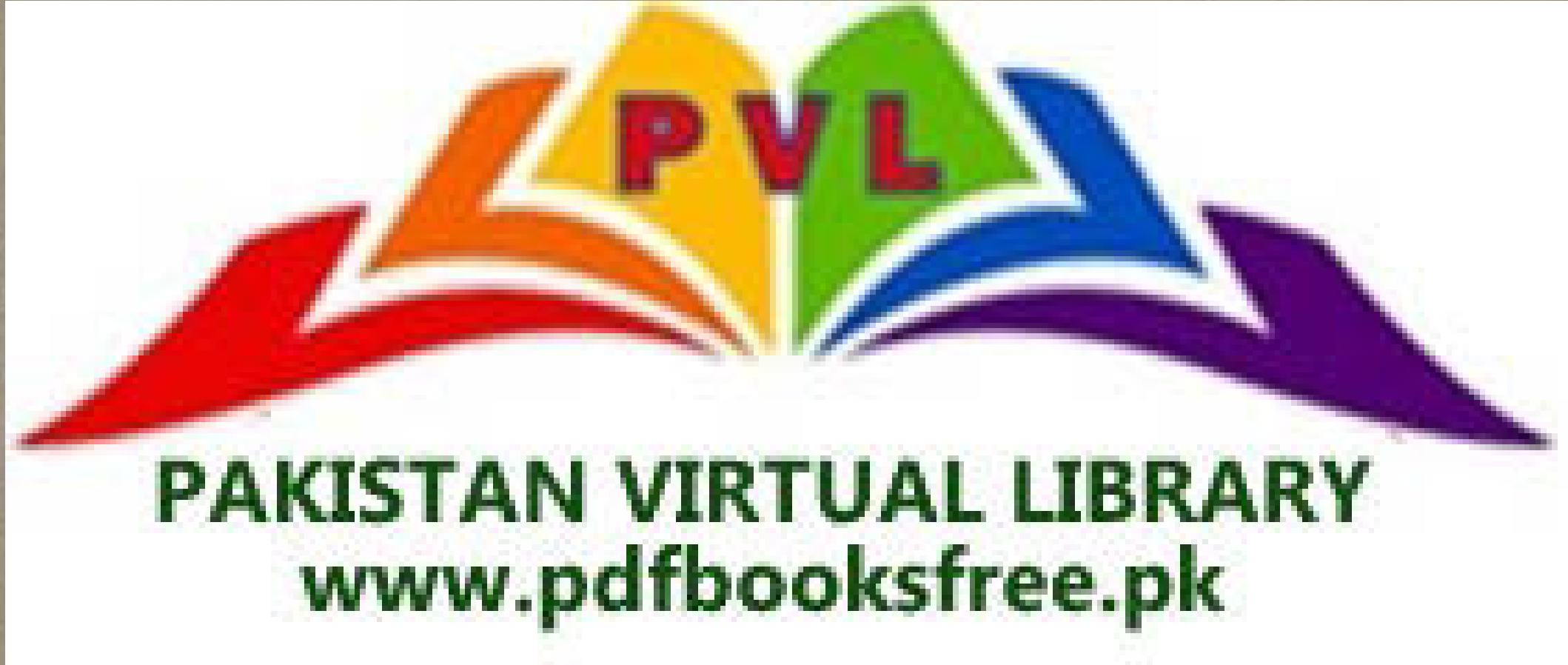
پیارے ساتھیو!

سلامِ خلوص

یوں تو آپ نے عنبر ناگ ماریا کے سلسلہ کی ہر کتاب کو پسند کیا اور حوصلہ افزائی کے لیے مجھے بے شمار خطوط بھی لکھے۔ ان ساتھیوں کا میں نے خود بذریعہ خط شکریہ ادا کیا۔ میں اس صفحہ کے ذریعے ان تمام ساتھیوں کا بے حد شکر گذار ہوں جنہوں نے پلاٹینم جوبلی نمبر "بدروح اور سانپوں والے بہن بھائی" کی بے پناہ پسندیدگی کا اظہار کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کا شکریہ صرف اس صفحہ کے ذریعے ہی کر دوں گا۔ میں اپنے ان ساتھیوں کا فرداً فرداً بذریعہ خطوط بھی شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ اس صفحہ کے ذریعے میں اپنے ان ساتھیوں کا شکریہ ادا کر رہا ہوں جنہوں نے اس کہانی کو ذوق شوق کے ساتھ پڑھا۔

اب آپ "پراسرار فرعون کا ڈھانچہ" پڑھیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ آپکے اپنے محبوب کردار عنبر ناگ اور ماریا کن مشکلات سے دوچار ہیں اور کس طرح اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آپ کا

اے۔ حمید
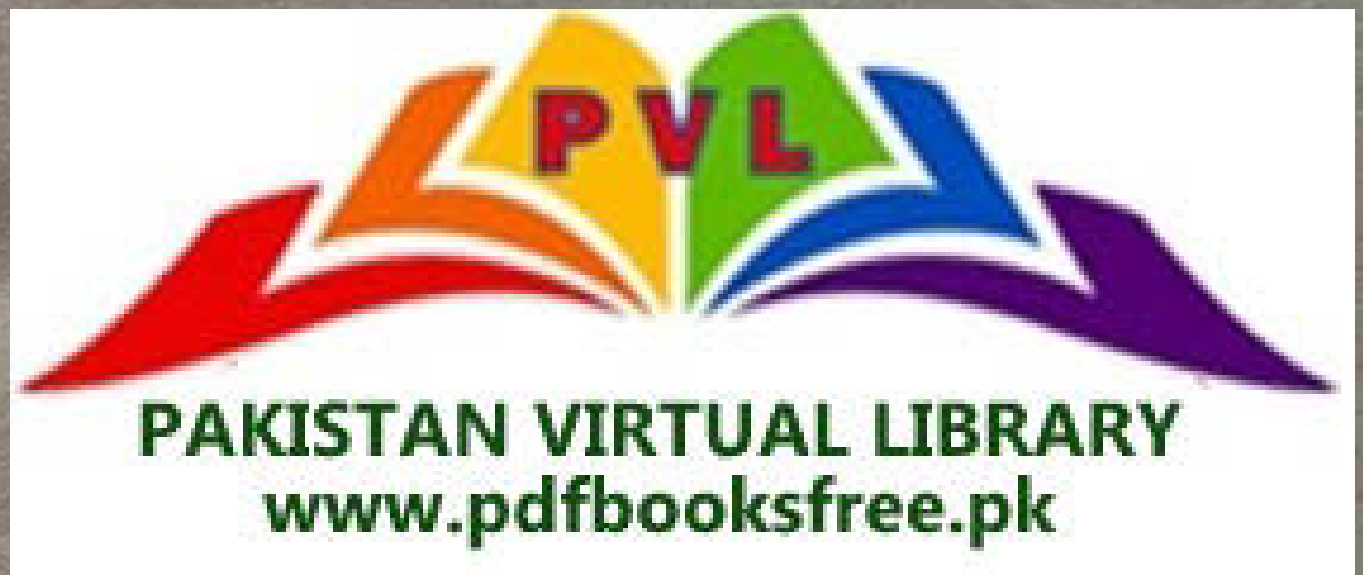
فہرست

سانپ نے کہا۔ ناگ زندہ ہے

عنبر اور ماریا روشنی کی طرف بڑھ رہے تھے۔
ناگ جو کہ مردہ سانپ کی شکل میں تھا۔ عنبر کی ہتھیلی سے غائب ہو چکا تھا کیٹی کو پراسرار کھنڈر میں جا کر فرعون کی لاش نے تابوت میں کھینچ کر تابوت سمیت غائب کر دیا تھا کھنڈر کو ایک زبردست بھونچال نے زمین کے اندر غرق کر دیا تھا اور اب انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ کیٹی کہاں چلی گئی ہے اور فرعون کی لاش اسے کہاں لے جا چکی ہے۔

عنبر اور ماریا دونوں اکیلے اس روشنی کی طرف جا رہے تھے جو انہیں دور ایک جنگل میں درختوں کے اوپر آسمان پر پھیلی دکھائی دے رہی تھی رات کا وقت تھا چاند آسمان پر کہیں نہیں تھا صرف نیلے نیلے تارے آسمان پر چمک رہے تھے۔ یہ افریقہ کا مشرقی علاقہ تھا اور یہاں یہ دونوں جس جنگل کی طرف جا رہے تھے اور جہاں انہیں روشنی کا غبار پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا وہ جنگل بڑے خطرناک تھے اور یہاں خطرناک

زہریلے سانپوں اور بچھوؤں اور آدم خور شیروں کے علاوہ
ایسی جنگلی قوم کے قبیلے بھی آباد تھے جن کے بارے میں مشہور
تھا کہ ان کے پاس ایسے ایسے زبردست جادوگر ہیں کہ وہ انسان
کو بندر اور مگرمچھ بنا کر قید میں ڈال لیتے ہیں اور پھر چاند
کی پندرھویں رات کو اپنے دیوتا کی مورتی کے آگے اسے قربان
کر دیتے ہیں۔

عنبر اور ماریا کو ان باتوں کی کوئی خبر نہیں تھی۔ یہ آگ
بھی انہی قبیلوں نے پہاڑی کے اوپر روشن کی تھی تاکہ اسے
دیکھ کر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر آ جائے اور وہ اسے پکڑ
کر قید کر لیں۔

عنبر اور ماریا گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ ماریا نے کہا۔
"یہ آگ کی روشنی تھی عنبر بھائی اور خیال ہے کہ کسی
نے گاؤں میں جلا رکھی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ ماریا ہمیں وہاں سے ناگ کا کوئی سراغ
مل جائے میرا دل اب بھی کہتا ہے کہ ناگ زندہ ہے
اور جس ناگ کی لاش تم نے دیکھی اور جس کو میں نے
مردہ سانپ کے روپ میں غائب ہوتے دیکھا ہے وہ سیاہ
کفن پوش بلا کے جادو کا کرشمہ تھا۔"
ماریا نے کہا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔"

وہ عنبر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جنگل میں شدید اندھیرا
تھا مگر ماریا اور عنبر کو اس اندھیرے میں چلنے میں کوئی دقت
محسوس نہیں ہو رہی تھی ابھی وہ جنگل میں تھوڑی دور ہی گئے
تھے کہ اچانک اُن پر جنگل کے وحشی لوگوں نے حملہ کر دیا۔
ماریا کو تو وہ پکڑ ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ اسے دکھائی ہی
نہیں دے رہی تھی لیکن انہوں نے عنبر کو پکڑ لیا اور اس کے
ہاتھ رسیوں میں جکڑ کر اسے آگے گھسیٹتے ہوئے لے چلے
ماریا نے کہا۔

"عنبر! میں انہیں ختم کرنے لگی ہوں۔"
عنبر نے کہا۔

"ابھی نہیں ماریا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں
میرے ساتھ۔"

ماریا کی آواز تو وحشی لوگوں کو بالکل نہیں سنائی دی
تھی مگر عنبر کی آواز پر انہوں نے عنبر کی گردن پر مکے مارنے
شروع کر دیئے۔ ایک جنگلی نے اپنی زبان میں کہا۔

"ای جا تو مُو بھا۔"

جس کا مطلب عنبر فوراً سمجھ گیا وہ اسے چپ رہنے کو کہہ
رہا تھا وہ عنبر کو گھسیٹتے ہوئے ایک ایسی جگہ پر لے آئے جہاں

زمین پر کئی جگہوں پر لوہے کی لمبی لمبی میخیں ٹھکی ہوئی تھیں
اور کیلے کے گھنے جھنڈوں کے درمیان گھاس پھونس کی تکونی
چھتوں والی جھونپڑیاں بنی تھیں۔ جنگلیوں کے شور کی آواز
سُن کر قبیلے کی عورتیں اور مرد باہر نکل آئے یہ کالے سیاہ
اور ٹھگنے قد کے تھے اور ان کے جسم پتوں کے لباس سے
ڈھکے ہوئے تھے وہ سب ایک ہی نعرہ بلند کر رہے تھے
کہ دیوتا کی قربانی آگئی ماریا عنبر کے ساتھ ساتھ تھی عنبر کو
لوہے کے ایک بڑے ستون کے ساتھ کھڑا کر کے رسی سے
باندھ دیا گیا ماریا نے عنبر سے کہا، "یہ لوگ تمہیں کسی دیوتا
پر قربان کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں عنبر ——— اور کیا پتہ
کرنا ہے تمہیں۔ میں انہیں بھگانے لگی ہوں۔"
عنبر نے آہستہ سے کہا،
"نہیں ماریا! ابھی انتظار کرو۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں
سے ناگ کے بارے میں کوئی سراغ ——"
ابھی جملہ عنبر نے پورا ادا نہیں کیا تھا کہ ایک جنگلی نے
زور سے عنبر کے سر پر ہاتھ مارا اور چیخ کر اسے چپ رہنے
کا حکم دیا عنبر کو غصہ آ گیا اور اس جنگلی کو ہلاک کرنے ہی
لگا تھا کہ اچانک سامنے والی جھونپڑی میں سے جنگلیوں کا سردار
گلے میں ہڈیوں کا ہار پہنے باہر نکل آیا اس کے ساتھ اس قبیلے

کا جادوگر بھی تھا جس کے ہاتھ میں انسانی کھوپڑی تھی۔
سردار نے گھور کر عنبر کو دیکھا اور اپنی زبان میں کہا،
"بہت اچھا شکار ملا ہے ہم اسے چاند کی پندرہ تاریخ
کو اپنے دیوتا کے آگے قربان کریں گے۔"
عنبر ان کی زبان پوری طرح سمجھتا تھا مگر اس نے
یہ ظاہر کیا کہ وہ ان کی زبان نہیں جانتا اور ان جانا بنا رہا
ماریا نے کہا،
"یہ منحوس جانگلی تمہیں قربان کرنے کا منصوبہ بنا رہا
ہے عنبر۔"
عنبر نے آہستہ سے کہا،
"جانتا ہوں تم خاموش رہو۔"
"کیا کہہ رہے ہو تم؟"
سردار نے چلا کر پوچھا اور پھر جادوگر سے کہا،
"اسے بند رہا مگر مجھے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"
ہم اسے انسان کی صورت میں ہی قربان کریں گے۔
ماریا نے کہا،
"جانگلی! اس سے پہلے میں تمہیں ہلاک کر ڈالوں گی۔"
سردار ماریا کی آواز نہیں سن سکتا تھا اس نے جادوگر
سے کہا،

اس کو تہہ خانے میں پھینک دیا جائے گا۔"
جادوگر انسانی کھوپڑی لے کر عنبر کے قریب آگیا۔
عنبر کے پاس ہی کھڑی تھی جادوگر کی کھوپڑی ہلنے لگی اس
چونک کر عنبر کی طرف دیکھا پھر اپنی ہلتی ہوئی کھوپڑی کو د
"یہ ہل رہی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔
سردار بھی جادوگر کے قریب آگیا اور اس کے ہاتھ
میں پکڑی ہوئی کھوپڑی کو غور سے دیکھنے لگا۔ کھوپڑی آ
آہستہ ہل رہی تھی جادوگر نے کہا۔
سردار! یہ کوئی خاص آدمی ہے۔"
"پھر تو ہم اس کی ضرور قربانی دیں گے دیوتا بہت
خوش ہوگا۔"
جادوگر نے کہا۔
میرا خیال ہے ہمیں کچھ انتظار کرنا چاہیے۔
وہ کس لیے۔" سردار نے پوچھا۔
جادوگر بولا۔
میرا جادو کہتا ہے کہ اس آدمی کے اندر کوئی طلسم
چھپا ہوا ہے میں اس طلسم کو باہر نکالنا چاہتا ہوں
تم اسے میری جھونپڑی میں بھیج دو۔
سردار نے کہا۔

11

"تم اسے ایک دن اور ایک رات اپنی جھونپڑی میں
رکھ سکتے ہو اس کے بعد ہم پرسوں چاند رات کو
اسے دیوتا کے آگے قربان کر دیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں اسے لے جا رہا ہوں۔"
جادوگر نے عنبر کو کھمبے سے کھلوایا اور اپنے ساتھ اپنی
جھونپڑی میں لے گیا یہ جھونپڑی چھوٹی سی تھی مگر اس میں
جگہ جگہ انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں درمیان
میں ایک جگہ چولہا بنا کر اس میں آگ جلائی گئی تھی اوپر ایک
کڑاہی رکھی تھی جس میں پانی ابل رہا تھا ماریا بھی عنبر کے
ساتھ ہی یہاں آئی تھی۔
اس کمبخت کی کھوپڑی میری وجہ سے ہلنے لگی تھی
اور یہ منتر تم پر پھونک رہا ہے عنبر"
عنبر نے کہا۔
"خاموش"
جادوگر نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔
"کیا کہا"
"یہ اس نے اپنی زبان میں کہا تھا عنبر نے کوئی جواب نہ دیا
جادوگر پھر منتر پڑھنے لگا۔ ماریا نے کہا۔
"عنبر بھائی تم میری بات کا جواب نہ دینا میں جو کہوں

سنتے جانا۔ بات یہ ہے کہ ہم کس بک بک میں پھنس
گئے ہیں۔ یہ کم بخت جادوگر کہیں سچ مچ تم پر کوئی
جادو نہ کر دے اس لیے میں اس کے ہاتھ سے کھوپڑی
اڑانے لگی ہوں۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ ماریا نے جادوگر کے ہاتھ سے
کھوپڑی اٹھالی کھوپڑی غائب ہو گئی جادوگر حیران رہ گیا
اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کھوپڑی کہیں نہیں تھی اس نے
عنبر کی طرف دیکھا اور اپنی زبان میں کہا۔
"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور تم پر کس نے طلسم کیا
ہوا ہے۔"

اب عنبر نے اس کی جنگلی زبان میں کہا۔
سنو احمق جادوگر! تمہارے جادو کا مجھ پر کوئی اثر
نہیں ہو گا میں تم سے بڑا جادوگر ہوں۔
جادوگر نے جب عنبر کو اپنی زبان میں بات کرتے سنا تو اور
زیادہ پریشان ہو گیا۔
تم..... تم ہماری زبان بھی جانتے ہو۔"
عنبر نے کہا۔
"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔"
جادوگر کہنے لگا۔

یہاں کا ہر جادوگر ایسا کر سکتا ہے۔ میں خود ایسا کر
سکتا ہوں اگر تم خود جادوگر نہ ہوتے تو میں تمہیں
بندر بنا سکتا تھا۔

عنبر بولا۔
مجھے تو تم ساری زندگی بندر نہیں بنا سکتے۔ ہاں میں
تمہیں ہاتھ ہلائے بغیر الٹا لٹکا سکتا ہوں۔"
یہ ایک طرح سے ماریا کو اشارہ تھا ماریا نے اسی وقت
دوگر کو زور سے دھکا دیا وہ منہ کے بل گر پڑا۔ ماریا نے
سے دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر الٹا کر دیا جادوگر نے شور
چا دیا۔

مجھ پر رحم کرو۔ اے سامری۔ مجھ پر رحم کرو۔"
وہ عنبر کو سامری جادوگر سمجھنے لگا تھا جو بغیر کوئی منتر
ے اور ہاتھ ہلائے اسے اُٹھا کر زمین پر گرا سکتا تھا۔
ر پھر الٹا کر سکتا تھا ماریا نے اسے چھوڑ دیا۔
عنبر بولا۔
"میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"
جادوگر ہاتھ باندھ کر عنبر کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے
لگا۔

میں آج سے تمہیں اپنا گورو استاد مانتا ہوں تم جو کہو

لگے ہی کروں گا۔ اگر تم کہو تو میں اس قبیلے کے سردار
کو مگرمچھ بنا کر دریا میں پھینک دوں،،
عنبر نے کہا۔
نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں اسے خود ہی ختم
کردوں گا تاکہ یہ کسی اور مسافر کو قربان نہ کر سکے۔ میں
اس کے دیوتا کو تہس نہس کروں گا۔
جادوگر نے کہا۔
ایسا نہ کرنا۔ ہمارا دیوتا بہت بڑی طاقت والا ہے۔
تم اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ وہ تمہیں
زندہ نہیں چھوڑے گا۔
عنبر نے کہا۔
"تم دیکھ لینا میں اس کی طاقت کو ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے ختم کردوں گا اور اگر تم نے بیچ میں دخل
دیا تو میں تم کو بھی ختم کر دوں گا۔
ماریا نے کہا۔
اس کو تو میں ابھی ختم کر دیتی ہوں عنبر"
عنبر بولا
"نہیں۔ اس کو ابھی معاف کرتا ہوں"
جادوگر جھونپڑی سے نکل کر سیدھا سردار کے پاس گیا اور

اور اسے کہنے لگا۔
"سردار! اس آدمی کو قربان کرنے کا خیال دل
سے نکال دو۔ یہ بڑا خطرناک آدمی ہے"
سردار بولا۔" ہرگز نہیں۔ اسے ہمارے عظیم دیوتا
نے خود اپنی قربانی کے لیے چن کر ہمارے پاس بھیجا
ہے۔ میں اسے ضرور قربان کروں گا نہیں تو دیوتا
میرے قبیلے پر اپنا عذاب نازل کر دے گا۔
جادوگر نے سردار کو بہت سمجھایا مگر وہ بالکل نہ مانا۔
عنبر کو جادوگر کی جھونپڑی میں ہی قید میں ڈال دیا گیا
ا بھی اس کے ساتھ ہی تھی وہ عنبر سے بار بار کہہ رہی
کہ ہمیں یہاں سے آگے چل دینا چاہیے "آخر ہمیں ان کے
نا کو توڑنے پھوڑنے کی کیا ضرورت ہے"
عنبر نے کہا۔
اس لیے کہ کوئی اور بے گناہ آدمی اس پر قربان
نہ کیا جا سکے میں دوسرے انسانوں کی بھلائی کے
لیے کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ روشنی کریں گے اور مسافر
اس روشنی کو دیکھ کر ادھر ضرور آئیں گے۔
چاند کی پندرھویں رات آ گئی۔
اس روز دیوتا کو ایک گمنام تہہ خانے سے نکال کر اس

اس کے بت کو چبوترے پر لاکر سجا دیا گیا۔ عنبر اسی وقت
کا انتظار کر رہا تھا۔ سارا قبیلہ جشن منانے لگا اور دیوتا
کے آگے رقص کرنے لگا سردار درمیان میں ایک تخت پر آ
بیٹھ گیا جب چاند ٹھیک جنگل کے اوپر آگیا تو سردار نے
ایک آواز بلند کی۔ ہر کوئی خاموش ہوگیا سردار نے کہا۔

دیوتا کے شکار کو لایا جائے۔

عنبر کو دیوتا کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا اس کے
جسم پر زنجیریں پڑی تھیں سردار کے پاس جادوگر خاموش
کھڑا تھا وہ دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر عنبر نے دیوتا کو ناراض
کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ماریا
بھی عنبر کے پاس ہی کھڑی تھی اس نے عنبر کے کان میں
کہا۔

"اس دیوتا کی شکل بڑی منحوس ہے۔ مجھے تو یہ
زہر لگتا ہے اگر تم کہو تو میں ابھی جاکر اس کا سر
پھوڑ ڈالوں۔

عنبر نے کہا۔

"انتظار کرو۔"

سردار نے دونوں بازو فضا میں بلند کر دیئے۔ چار جانگلی
آگے بڑھے اُن کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے۔ انہوں

نے عنبر کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دیئے اور
اسے دیوتا کے بالکل سامنے لے جاکر زبردستی پتھر کی سل پر
لیٹا دیا پھر ایک آدمی جو قبیلے کا سب سے طاقتور آدمی تھا۔
ہاتھ میں چھرا لئے عنبر کی طرف بڑھا وہ سردار کی طرف
دیکھ رہا تھا سردار نے اشارہ کر دیا اس آدمی نے چھرا
زور سے عنبر کے سینے پر مارا وہ چھرے کو عنبر کے سینے
میں اتارنا چاہتا تھا مگر چھرا اس کے ہاتھ میں ہی ٹوٹ
گیا اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھا عنبر نے مسکرا
کر کہا۔

"ایک اور چھرا لے آؤ۔ اس کا بھی یہی حشر
ہوگا۔"

سردار نے چلا کر کہا۔

دوسرا چھرا مارو۔ دیوتا کو ناراض نہیں کرنا ہمیں
جلدی کرو۔ نہیں تو میں اس کی جگہ تمہیں قربان کر
دوں گا۔

جلاد جانگلی نے فوراً دوسرا چھرا نکال لیا اور اس بار
عنبر کی گردن پر وار کیا ایک بار پھر چھرا ٹوٹ کر دو ٹکڑے
ہوگیا سردار پریشان ہوگیا۔

جادوگر نے کہا۔

سردار "اب بھی اس آدمی کو چھوڑ دو۔ یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔"

سردار کڑک کر بولا۔

"بکواس بند کرو۔"

سردار خود کلہاڑا لے کر آگے بڑھا اور اس نے عنبر کے سر پر پوری طاقت سے وار کر دیا عنبر کی کھوپڑی کا تو کچھ نہ بگڑا مگر سردار کا کلہاڑا ٹوٹ کر دور جا گرا۔

اب عنبر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے اپنے ہاتھوں سے بندھی ہوئی زنجیر توڑ ڈالی اور دیوتا کے پاس چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔

"سنو! قبیلے والو!

عنبر کو اپنی زبان میں بات کرتے دیکھ کر سردار سمیت سارے جانگلی دنگ سے ہو کر رہ گئے۔ وہ منہ اٹھا کر اسے تکنے لگے۔ عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے دیوتا کا دیوتا ہوں اور تمہارے قبیلے میں اس لیے آیا ہوں کہ اس دیوتا کے بُت کو پاش پاش کر دوں

اور اس کے ساتھ ہی اس نے دیوتا کے بت کو اٹھا کر پوری طاقت سے نیچے پھینک دیا بت ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے

ہو گیا قبیلے کے لوگ دہشت زدہ ہو گئے۔ سردار غصے سے لرزنے لگا۔ اس نے چیخ ماری۔

"اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دو۔"

قبیلے کے لوگ عنبر کی طرف نیزے اُچھالے، تیز تلواریں لے کر بڑھے عنبر نے آگے آنے والے دو آدمیوں کو اٹھا کر گھمایا اور دوسرے جانگلیوں پر زور سے پھینک دیا۔ دوسری طرف ماریا نے بھی تین چار وحشیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ عنبر نے سردار کو گردن سے دبوچ لیا۔ سردار جب بے بس ہو گیا۔ تو سارے قبیلے کے باقی لوگوں نے بھی ہتھیار پھینک دیئے۔ عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے دیوتا کا بھی دیوتا ہوں۔ میرا حکم مانو آج سے اگر تم نے کسی انسان کو قربان کیا تو میں تمہاری جھونپڑیوں میں آگ لگا دوں گا۔ تمہارے گھروں میں طاعون کی بیماری پھیلا دوں گا۔"

سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"اے عظیم دیوتا! ہم قسم کھاتے ہیں کہ آئندہ کبھی انسان کی قربانی نہیں دیں گے۔"

عنبر نے سردار کی گردن کو زور سے جھٹکا دیا اس کا منکا ٹوٹ گیا اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ سارے لوگ

خوفزدہ ہو گئے انہیں ثبوت مل گیا تھا کہ یہ دیوتاؤں
کا دیوتا ہے اور اس کی طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا
عنبر نے جادوگر کو آگے بڑھا کر کہا۔

"آج سے یہ تمہارا سردار ہے"

پھر اس نے جادوگر سے کہا۔

سنو۔ اگر تم نے کبھی کسی بھولے بھٹکے مسافر کو
پکڑ کر اسے قربان کرنے کا حکم دیا تو میں جہاں
بھی ہوں گا مجھے پتہ چل جائے گا اور میں وہیں
سے جادو کر کے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

جادوگر نے کہا۔

"عظیم دیوتا! میں تمہاری طاقت کو مان گیا ہوں
اور میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا کبھی
نہیں ہو گا۔

عنبر نے کہا۔

"پہاڑی پر جلنے والی آگ کو روشن رکھنا اور اس
آگ کو دیکھ کر اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر
آ نکلے تو اس کی خاطر داری کرنا۔

جادوگر بولا۔

جو حکم دیں گے میں ایسا ہی کروں گا عظیم دیوتا۔

عنبر نے سردار کا کھوپڑی کا ہار اتار کر جادوگر کے
گلے میں ڈال دیا۔ وحشی خوشی سے نعرے لگانے لگے
اس رات اور اگلے دن نئے سردار کی خوشی میں جشن
ہوتا رہا عنبر نے انہیں یہ بھی کہہ دیا کہ آئندہ سے کسی
بت کی پوجا نہیں کی جائے گی۔

ماریا بڑی خوش تھی کہ اس جھنجھٹ سے نجات
ملی اس نے کہا۔

"عظیم دیوتا صاحب۔ اب آگے چلنے کا کیا پروگرام
ہے ہمیں ابھی ناگ کو بھی تلاش کرنا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہم کل یہاں سے کوچ کر جائیں گے"

ماریا مسکرا کر بولی"

کوچ کریں آپ کے دشمن عنبر بھائی ہم تو یہاں
سے روانہ ہوں گے۔

اور دوسرے روز ابھی سورج کی روشنی پوری طرح
نہیں پھیلی تھی کہ وہ دونوں اس جنگلی وحشیوں کے قبیلے سے
رخصت ہو گئے افریقہ کے اس جنگلی علاقے میں ماریا اور عنبر
کا سفر کئی روز تک جاری رہا ایک روز بڑی موسلا دھار
بارش شروع ہو گئی۔ وہ بانس اور مہاگنی کے گھنے درختوں کے

ایک جنگل کے درمیان سے گزرنے والی نہر کے کنارے
کنارے جا رہے تھے۔ ابھی رات نہیں ہوئی تھی مگر
گھنے بادلوں اور گھنے درختوں کی وجہ سے جنگل میں روشنی
کم ہو گئی تھی۔ انہیں ابھی تک کسی جگہ سے بھی ناگ یا کیٹی
کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا کیٹی کے بارے میں تو عنبر کا خیال
تھا کہ اسے فرعون کی ممی نے اپنے تابوت میں گم کیا ہے
وہ ضرور ملک مصر کی طرف نکل گئی ہو گی اب صرف ناگ کی
انہیں امید تھی کہ وہ افریقہ میں کہیں نہ کہیں انہیں ضرور مل
جائے گا بلکہ کیٹی اور ناگ دونوں ہی افریقہ آنے کی تیاریاں
کر رہے تھے۔ عنبر کو دل میں ناگ کی لاش کے بارے
میں ضرور تشویش تھی۔ اگرچہ اس نے ماریا کو کئی بار حوصلہ
دیا تھا کہ اس کا دل کہہ رہا ہے کہ ناگ زندہ ہے لیکن
اندر سے اسے بھی فکر تھی کہ کہیں ناگ سچ مچ ہلاک ہی نہ
کر دیا گیا ہو۔

"عنبر بھائی بارش بڑے زور سے ہو رہی ہے
میرا خیال ہے تم بالکل بھیگ گئے ہو۔ کسی جگہ
رک نہ جائیں۔

عنبر کہنے لگا۔

"یہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں ہم تھوڑی

دیر بارش میں آرام کر سکیں۔

ماریا نے کہا۔

"جھاگنی کے گھنے درختوں تلے چلے جاتے ہیں وہاں
بارش کا پانی رکا ہوا ہے۔"

جیسے تمہاری مرضی۔ ورنہ مجھے بارش تنگ نہیں
کر رہی تھی۔

وہ دونوں نہر کنارے سے اتر کر جھاگنی کے ایک بہت
بڑے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئے یہاں زمین گیلی تھی۔
اور گھنے درختوں کی شاخوں میں سے بارش کا پانی ٹپ ٹپ
گر رہا تھا کچھ دیر وہ وہاں بیٹھے ناگ اور کیٹی کے بارے
میں باتیں کرتے رہے عنبر نے اچانک دیکھا کہ ایک سانپ
جس کے کالے جسم پر سفید دھبے تھے گیلی گھاس میں سے
نکل کر بڑی تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
عنبر نے کہا۔

ماریا! ایک سانپ آ رہا ہے۔ کہیں یہ ناگ نہ ہو!
ماریا نے بھی سانپ کو دیکھا تو بولی۔

"خدا کرے کہ یہ ناگ ہی ہو"

سانپ عنبر کے پاس آ کر رک گیا اور کنڈلی مار کر بیٹھ
گیا ماریا اور عنبر سانپ کی زبان میں بات کر لیتے تھے اور ان

کی بات سمجھ بھی لیتے تھے ناگ کے ہزاروں برس کے ساتھ
نے اور اس کے ساتھ سفر کرتے رہنے کی وجہ سے ان
دونوں کو سانپوں کی زبان آگئی تھی عنبر نے آنکھیں بند کر
کے اپنے ہوش و حواس ایک جگہ مرکوز کئے اور سانپ سے
کہا۔

"کیا تم ناگ ہو؟"
سانپ نے کہا۔
نہیں عظیم ناگ کے مقابل رتنک دوست، میں ناگ نہیں
ہوں مگر مجھے ناگ کی خوشبو آرہی ہے۔
عنبر نے کہا۔
یہ خوشبو تمہیں میرے جسم سے آتی محسوس ہو رہی
ہے کیونکہ میں ناگ کا بھائی ہوں۔
سانپ نے سر جھکا دیا اور بولا۔
میں معافی چاہتا ہوں مجھے حکم کریں۔ میں آپ کے لیے
کیا کر سکتا ہوں؟
عنبر نے کہا۔
"کیا تم بتا سکتے ہو کہ عظیم ناگ دیوتا اس وقت
کہاں ہوگا؟"
سانپ نے کہا۔

یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ مجھے اتنا علم نہیں
ہے کہ میں عظیم ناگ دیوتا کے بارے میں اتنا کچھ
جان سکوں۔
ماریا نے کہا۔
"کیا تم اتنا بتا سکتے ہو کہ تمہارا ناگ دیوتا زندہ ہے؟"
سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور کہا۔
عظیم دیوتا کے بارے میں آپ کو ایسا نہیں کہنا
چاہیے ناگ دیوتا کبھی نہیں مر سکتا وہ امر ہے اور
غیر فانی ہے۔"
عنبر بولا۔
یہ بات نہیں ہے لیکن ہمیں کسی جادوگر نے کہا
تھا کہ اس نے ناگ کو ہلاک کر دیا ہے۔ ہمیں
بھی یقین نہیں آتا لیکن پھر بھی ہم تسلی کرنا چاہتے
ہیں۔
سانپ خاموش ہو گیا۔ پھر اُس نے کہا۔
"میں آپ کو ابھی معلوم کیے دیتا ہوں"۔
سانپ نے ایکدم اپنا پھن کھول لیا اور ریڈار کی
طرح اپنے پھن کو جنگل میں چاروں طرف گھما کر زور زور سے
پھنکاریں ماریں اور سانس اندر کو کھینچے وہ دو منٹ تک ایسا

کرتا رہا پھر اس نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور بولا
ناگ دیوتا زندہ ہے مجھے جنوب کی طرف سے
اس کے جسم سے نکلنے والی لہروں کا احساس ہو
رہا ہے۔
ماریا نے خوش ہو کر کہا۔
خدا کا شکر ہے کہ ناگ بھیا زندہ ہے۔"
عنبر بولا۔ میں نہ تمہیں کہتا تھا کہ ناگ کو کفن پوش
بلا کا باپ بھی ہلاک نہیں کر سکتا۔
عنبر نے سانپ کا شکریہ ادا کیا۔ سانپ ادب سے تعظیم
بجا لا کر واپس چلا گیا۔ بارش تھم گئی تھی جھاگنی کے نیچے
آرام کرنے کے بعد ماریا اور عنبر دوبارا اپنے سفر پر روانہ
ہوگئے۔ اس وقت انہوں نے جنوب کی طرف چلنا شروع کر
دیا کیونکہ سانپ نے انہیں جنوب کی طرف ناگ کی خوشخبری
دی تھی اب انہوں نے نہر کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ نہر مغرب
کی طرف گھوم گئی تھی۔
چلتے چلتے جب رات گہری ہو گئی تو بادل گرجنے لگا
اور بجلی بار بار چمکنے لگی ایک بار پھر بارش شروع ہو گئی۔
ماریا نے کہا۔
"یہ کمبخت بارش آج پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

عنبر بولا۔
"تم تو نظر ہی نہیں آتی ہو تمہیں کیا فکر ہے۔ تم تو
بھیگ ہی نہیں سکتی ہو۔"
ماریا نے کہا۔
"بھیا مجھے تمہاری فکر ہے اگر چہ تمہیں نمونیہ وغیرہ
تو نہیں ہو سکتا مگر تمہارے کپڑے بھیگ رہے
ہیں۔
عنبر نے کہا کمبخت یہ کپڑے بھی اب کافی پرانے ہو گئے
ہیں خدا جانے کس بادشاہ کا زمانہ تھا جب پہنے تھے
بس ان ہی کو دھو دھو کر پہن رہا ہوں۔"
"ماریا نے کہا" عنبر بھیا۔ اتنی بھی کنجوسی نہ کیا کرو۔ کچھ پیسے
خرچ کر کے اب نئے کپڑے خرید ہی ڈالو۔
"عنبر بولا، ماریا بہن! اچھا خیال ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ
اس وقت ہمیں کسی ایسی چھت کی ضرورت ہے جس
کے نیچے جا کر میں اپنے یہ کپڑے اور زیادہ گیلے ہونے
سے بچا سکوں۔
ماریا نے کہا۔
ابھی دیکھتی ہوں شاید اس جنگل میں کوئی ٹوٹی پھوٹی
پرانی عمارت ہو۔"

ماریا زمین سے بلند ہونے لگی اور درختوں سے اوپر
پہنچ کر اس نے جنوب کی طرف دور نگاہ دوڑائی تو اسے
اندھیرے میں ایک اونچی جگہ پر چراغ کی لو چمکتی ہوئی دکھائی
دی اس نے نیچے آکر عنبر سے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک
جگہ چراغ جل رہا ہے شاید وہاں کوئی آبادی ہو عنبر نے کہا
کہ کہیں وہاں بھی آدم خور ہمارا انتظار تو نہیں کر رہے؟
ماریا بولی۔ ہم اس وقت آدم نہیں ہیں بلکہ آدمی کی جون سے
بہت آگے کسی دوسرے جون میں تبدیل ہو گئے ہیں ہمیں آدم خور
کچھ نہیں کہیں گے بہر حال تم اپنے کپڑے گیلے ہونے سے بچا
سکو گے۔

"تو پھر چلو۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میرے کپڑے
تو بارش میں نچڑ گئے ہیں۔

اور وہ دونوں چراغ کی چمکتی لو کی طرف چلنے لگے۔

○

آتشدان کی چمنی میں انسانی سایہ

درختوں کے نیچے بارش کا پانی کم گر رہا تھا۔
وہ تیز تیز چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک
کالے پتھروں کا بنا ہوا پرانا سا قلعہ تھا جس کے دروازے
کے اوپر ایک مشعل جل رہی تھی یہی وہ مشعل تھی جو دور
سے چراغ لگ رہی تھی ماریا نے کہا۔

"یہ جو مشعل باہر روشن ہے اس سے تو لگتا
ہے کہ اس پرانے قلعے کے اندر کوئی رہتا ہے

قلعے کا دروازہ بند پڑا تھا۔ انہیں اپنے پیچھے گھوڑوں
کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ عنبر اور ماریا نے گھوم کر دیکھا۔
ایک گھوڑ سوار جس نے تلوار لٹکا رکھی تھی اور جو سپاہی
لگتا تھا گھوڑے پر بیٹھا عنبر کے قریب آکر رک گیا۔
یہ گھوڑ سوار پکی عمر کا تھا اور چہرہ گدرا تھا۔ وہ
افریقہ کا نہیں بلکہ کسی سرد ملک کا رہنے والا لگتا تھا
عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! میں اس سے بات کروں گا۔ تم بالکل خاموش رہنا۔"

گھوڑ سوار نے سر پر تانبے کا جنگی کن ٹوپ پہن رکھا تھا۔ وہ کوئی سپہ سالار معلوم ہوتا تھا۔ وہ عنبر کے قریب آکر گھوڑے سے اتر پڑا اور بڑے اخلاق کے ساتھ مسکراتا ہوا عنبر کی طرف بڑھا اور بولا۔

میرے دوست! تم بارش میں کیوں بھیگ رہے ہو اندر قلعے میں کیوں نہیں آجاتے میرے ساتھ یہ میرے باپ دادا کے وقتوں کا قلعہ ہے میں اس قلعے میں اپنی دادی کے ساتھ رہتا ہوں کیا تم مجھے مہمان نوازی کا موقع نہیں دو گے

عنبر نے کہا۔

آپ مجھے افریقہ کے نہیں لگتے"۔

گھوڑ سوار بولا"

تم نے میرے گورے رنگ سے ٹھیک اندازہ لگایا میں ملک سپین کا رہنے والا ہوں ایک عرصہ گزرا میرے دادا کے والد یہاں آئے۔ انہوں نے یہاں کاروبار شروع کیا پھر یہ قلعہ خرید لیا۔ میں اب اس قلعے کا مالک ہوں میرے ساتھ اندر آؤ

اندر چل کر باتیں کریں گے۔

عنبر اس کے ساتھ قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا گھوڑ سوار نے کہا۔

"تم مجھے کارلو۔ ڈان کارلو کہہ سکتے ہو یہی میرا نام ہے"

ڈان کارلو نے قلعے کے دروازے کے چھوٹے طاق کو چابی لگا کر کھولا اور عنبر کو ساتھ لے کر قلعے میں داخل ہو گیا عنبر نے دیکھا کہ قلعے کی ڈیوڑھی میں بھی ایک مشعل دیوار کے ساتھ روشن تھی اور اس کی روشنی میں دیواریں کالی نظر آرہی تھیں یہ کالے پتھروں کی بنی ہوئی تھیں ماریا نے کہا۔

"عنبر تم میری بات کا جواب نہ دینا کیونکہ یہ ڈان کارلو سن لے گا مگر میں تمہیں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ جگہ مجھے بڑی پراسرار لگ رہی ہے"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا ڈان کارلو نے گھوڑے کو ڈیوڑھی میں ایک طرف باندھا۔ پیتل کا ٹوپ اتار کر وہیں ایک دیوار سے لٹکا دیا۔ عنبر نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ ڈان کارلو کے سر کے بال کانٹوں کی طرح کھڑے تھے اور چھوٹے چھوٹے تھے اس کی آنکھیں باریک

تھیں اور ان میں ایک خاص قسم کی چمک تھی ایسی چمک
جو بلی کی آنکھوں میں چوہا دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے ڈان
کار لو نے کہا۔
"یہ بہت بڑا قلعہ ہے میرے دوست مگر میں اور
میری دادی جان یہاں اکیلی رہتی ہیں ہم اس
کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے نوکر چوریاں کرتے
تھے اس لیے ہم نے انہیں جواب دے دیا۔
میرے ساتھ آؤ دوست ..... میں تمہیں اپنی دادی
سے ملاتا ہوں اس نے ضرور گرم گرم کھانا تیار
کر رکھا ہو گا اصل میں میں اپنی زمینوں پر گیا ہوا
تھا وہاں رات زیادہ ہو گئی ۔ اور پھر بارش
نے بھی مجھے یہاں دیر سے پہنچایا ۔ تم نے اپنا
نام نہیں بتایا دوست!
"عنبر۔" عنبر نے کہا۔
"بہت خوب ۔ اچھا نام ہے۔"
وہ عنبر کو لے کر قلعے کی کالی سیاہ اندھیری سیڑھیاں
چڑھتا ہوا سنسان ویران کمرے میں آگیا جس کے ننگے
فرش پر بھاری بھاری چوڑی پتھر کی سلیں لگی تھیں
اور دیواروں پر کہیں کہیں سرخ رنگ کے پردے ٹنگ رہے

تھے ۔ یہاں کالے پتھر کا لومڑی کا ایک بت تھا۔
جس کے سر پر ایک شمع دان روشن تھا اس شمعدان
کے قریب سیاہ لکڑی کا ایک لمبا چوڑا میز بچھا تھا۔
آمنے سامنے چھ کرسیاں تھیں میز کے درمیان میں بھی
ایک لومڑی کے مجسمے کے سر پر شمع روشن تھی۔
عنبر کو ڈان کار لو نے بیٹھنے کے لیے کہا اور بولا۔
"میں اپنی دادی جان کو بلاتا ہوں۔"
اس نے دیوار کے ساتھ لگی ایک رسی کو زور سے کھینچا
قلعے کے کسی کمرے میں لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھی ہو گی
چند منٹ گزر گئے ڈان کار لو بڑا باتونی تھا اور خوب
لچھے دار باتیں کرتا تھا عنبر نے پوچھا۔
"یہ آپ نے لومڑیوں کے بت کیوں لگا رکھے ہیں
میرا مطلب ہے شیر کا مجسمہ کیوں نہیں لگایا۔
ڈان کار لو قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا۔
"تم بہت ذہین انسان ہو بڑا اچھا سوال کیا
تم نے ۔ یہاں آج تک جتنے بھی مہمان آئے ہیں
کسی نے ایسا سوال نہیں کیا ۔ بات دراصل یہ ہے
کہ میرے والد صاحب نے عمر کے آخری دنوں
میں لومڑیوں کی کھالوں کا کاروبار شروع کر دیا

تھا چنانچہ یہ میں نے اُن کی یاد میں یہاں لومڑیوں کے
بُت خاص طور پر بنوا کر لگا رکھے ہیں۔

دروازے کا پردہ ہٹا ایک بوڑھا حبشی نوکر آگے آگے
جلتی ہوئی موٹی موم بتی تھالی میں رکھے داخل ہوا اس
کی روشنی میں ایک بوڑھی عورت اندر آگئی جس کے
بال سفید ہو رہے تھے مگر جسم ابھی تک مضبوط تھا
چہرے پر بھی سفید جھریاں زیادہ نہیں تھیں یہ عورت
ڈان کارلو کی دادی نہیں بلکہ ماں لگ رہی تھی ڈان نے
اُٹھ کر تعظیم کی اور عنبر سے کہا۔

عنبر! میری دادی جان کاونٹس سے ملو!

عنبر نے اُٹھ کر ادب سے دادی کو سلام کیا۔ اس
نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور ہاتھ کے اشارے سے
بیٹھنے کو کہا پھر اس نے عنبر کے ساتھ سپین کی باتیں
شروع کر دیں۔

یہ میرا پوتا اس جگہ کو نہیں چھوڑتا میرا تو یہاں اب
دل نہیں لگتا جی چاہتا ہے کہ واپس سپین اپنے
پرانے گھر میں چلی جاؤں مگر کیا کروں یہ مجھے
نہیں جانے دیتا۔

ماریا نے کہا۔

عنبر! تم میری بات کا جواب نہ دینا لیکن یہ
بوڑھی عورت مجھے ایک مکار چڑیل لگتی ہے۔

عنبر ماریا کی اِس بات پر مسکرایا ڈان کارلو نے کہا
مجھے خوشی ہے کہ تم مسکرا رہے ہو دوست! ورنہ
میرا جو بھی مہمان آتا ہے۔ یہاں پہلے پہل گھبرا
جاتا ہے لیکن جب کھانا آتا ہے تو اسے کھا کر
خوش ہو جاتا ہے تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں کھانا
دادی جان کی نگرانی میں تیار ہوتا ہے۔ دادی جان
تو سپین کے اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے پکانا جانتی ہیں

عنبر بولا۔

بڑی خوشی کی بات ہے۔"

اتنے میں نوکر نے میز پر کھانا لگا دیا کھانا واقعی بڑا شاندار
تھا۔ جانوروں کا بُھنا ہوا گوشت تھا ہرن کے کباب تھے
دہی کا رائیتہ تھا اگرچہ عنبر کو بھوک نہیں لگتی تھی مگر
اتنا اچھا کھانا دیکھ کر اس کو بھی بھوک لگ گئی ماریا نے
کہا۔

بڑے ندیدے ہو عنبر بھیا۔ ایسے کھانا کھا رہے ہو
جیسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

عنبر ہنسنے لگا۔"

وہ بڑے مزے سے ڈٹ کر کھانا کھا رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"تم مجھے جواب مت دینا مگر میں تمہیں یوں احمقوں کی طرح کھانا کھاتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں ذرا محل کی چھت پر ٹہلنے جا رہی ہوں۔"

عنبر نے ہرن کا کباب منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "جاؤ۔ جاؤ"

ڈان کارلو نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جاؤ جاؤ کیا؟"

عنبر جلدی سے سنبھل گیا۔ کہنے لگا۔

"میں کہہ رہا تھا کھاؤ کھاؤ۔ اصل میں جب کبھی مزیدار کھانا ملتا ہے تو میں اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا ہوں۔"

ڈان کارلو اور اس کی دادی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے ماریا قلعے کی چھت پر چلی گئی تھی عنبر نے کھانا کھاتے ہوئے سامنے نگاہ ڈالی تو اسے دو کالے سیاہ ستونوں کے درمیان شمع کی دھندلی روشنی میں ایک انسانی سایہ جھکا جھکا ایک طرف جاتے دکھائی دیا اور ساتھ ہی ایسی آواز آئی جیسے کسی انسان نے بڑے درد اور دکھ کے ساتھ ایک سرد آہ بھری ہو اس آہ کی آواز پر ڈان کارلو اور

دادی بھی تھوڑی سی چونکی ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی بات کی اور ڈان کارلو جلدی سے اٹھا اور مسکرا کر بولا۔

"دوست عنبر! میں تمہارے لیے کوئی میٹھی چیز لانے جاتا ہوں۔ جانے یہ نوکر کہاں جا کر مر گیا ہے۔"

اور وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا سامنے والے ستونوں کے پیچھے غائب ہو گیا عنبر ڈان کارلو کی دادی سے باتیں کرنے لگا کھانا ختم ہو چکا تھا اور میٹھی ڈش کا انتظار تھا نوکر کھیر لے آیا عنبر اور دادی کھیر کھانے لگیں۔ دادی بار بار عنبر کی طرف دیکھ لیتی تھی اسے لگتا تھا کہ شاید اسے کسی بات کا انتظار ہے اتنے میں ڈان کارلو بھی مسکراتا ہوا آ گیا کہنے لگا۔

"کیوں عنبر دوست۔ کیسی ہے میٹھی کھیر؟"

"بہت مزے دار۔"

عنبر نے محسوس کیا کہ لفظ اس کے ہونٹوں سے آہستہ آہستہ ادا ہو رہے ہیں اسے پہلی بار اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں کیا گیا کہیں اسے کھانے میں ایسی ویسی شے

تو نہیں کھلا دی ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی
آنکھیں بند ہونے لگیں وہ جلدی سے اٹھا اس نے ماریا کو
آواز دینے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا
اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی اس نے دیکھا کہ ڈان
کارلو اور اس کی دادی اسے غور سے تک رہے تھے
اس کے بعد عنبر کی آنکھوں کے پپوٹے بند ہو گئے اور
اسے کچھ ہوش نہ رہا عنبر کے بے ہوش ہوتے ہی ڈان کارلو
کی دادی نے کہا۔

"اسے نیچے لے چلو!"

ڈان کارلو اور حبشی نوکر نے عنبر کو اٹھایا اور ڈولی
ڈنڈا کرتے ہوئے قلعے کی تاریک سیڑھیاں اتر کر اسے
ایک اندھیرے اور چھوٹے سے تہہ خانے میں لے جا کر ایک
پتھر کے صندوق میں لیٹا کر ڈھکنا بند کر دیا اس صندوق
میں چار سوراخ تھے جن میں سے تازہ ہوا اندر داخل ہو
رہی تھی۔ ڈان کارلو اور مکار دادی کوٹھڑی بند کر کے چلے
گئے۔

ان کے جانے کے بعد وہی سایہ ایک بار پھر ابھرا
جسے عنبر نے کھانا کھاتے ہوئے ستونوں کے پاس گزرتے
دیکھا تھا یہ انسانی سایہ کوٹھڑی کے اندھیرے کونے میں سے

نکل کر صندوق کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہی ٹھنڈی
آہ بھرنے کی آواز سنائی دی اور سایہ صندوق کے ارد گرد
چکر لگانے لگا وہ صندوق پر جھک گیا ایک بار پھر ٹھنڈی
آہ بھرنے کی آواز سنائی دی انسانی سائے کی انگلیاں
صندوق کے اوپر پھیل گئیں پھر پیچھے ہٹ گئیں۔ ایک
لومڑی کے بولنے کی آواز آئی اور سایہ تیزی سے پیچھے
مڑا اور کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ چپک گیا اور اندھیرے
میں اندھیرا بن کر گم ہو گیا ادھر ماریا قلعے کی چھت پر ٹہل
رہی تھی۔

بارش اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی۔ قلعے کی
چھت جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی یہ قلعہ ایک کھنڈر بن
رہا تھا ماریا نیچے آ گئی اس نے دیکھا کہ کھانے کی میز
خالی ہے عنبر بھی وہاں نہیں ہے نہ ڈان کارلو اور اس
کی دادی وہاں پر ہے وہ قلعے میں عنبر کو آوازیں دے
کر اسے تلاش کرنے لگی اسے معلوم تھا کہ اس کی
آواز کو جب تک اس کی اپنی مرضی نہ ہو کوئی دوسرا
نہیں سن سکتا تھا۔ وہ بار بار پکار رہی تھی۔

"عنبر بھیا! تم کہاں ہو۔ مجھے جواب دو تم
کہاں ہو!"

مگر عنبر کا جواب کسی طرف سے بھی نہیں آ رہا تھا
اب اسے فکر ہوا کہ عنبر کہاں غائب ہو گیا اگرچہ اسے
معلوم تھا کہ عنبر کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا مگر پھر
بھی کوئی بڑا جادوگر شخص اسے قید ضرور کر سکتا
ہے ماریا کو یاد تھا کہ عنبر کو ایک بار گیس کی مدد سے
بے ہوش کر دیا گیا تھا اور وہ کتنے دن ایک غار میں
بے ہوش پڑا رہا تھا ماریا قلعے کی دیواروں میں
سے گزرتی ایک ایک کمرے کی تلاشی لے رہی تھی حیرانی
کی بات تھی کہ نہ صرف عنبر بلکہ اسے ڈان کارلو اور اس
کی مکار دادی بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی یا خدا!
یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ ماریا نے سارا قلعہ
اور قلعے کے سارے کمرے چھان مارے مگر اسے عنبر
کہیں نہ ملا

اسے ایک جگہ اندھیری سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں
ماریا جلدی سے سیڑھیاں اترنے لگی نیچے ایک تاریک تہہ
خانہ تھا اس تہہ خانے میں ایک پتھر کا بڑا صندوق پڑا تھا
جس میں سوراخ بنے ہوئے تھے ماریا نے جلدی سے
اس صندوق کا بھاری ڈھکن اٹھا دیا صندوق اندر سے خالی
تھا ماریا نے صندوق بند کر دیا اسے کسی انسان کے آہ بھرنے

کی آواز سنائی دی۔
"کون ہو تم؟"
ماریا نے پکار کر کہا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ ٹھنڈی آہ بھرنے
کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ ماریا نے پھر آواز دی
"کون ہو تم؟" کوئی جواب نہ ملا ماریا نے دیکھا کہ دیوار میں
سے ایک انسانی سایہ نکلا اور جھکا جھکا دوسری دیوار
کے اندھیرے میں جا کر اندھیرے کے ساتھ گھل مل گیا۔
"کون ہو تم؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟"
کوئی جواب نہ آیا اب ٹھنڈی سانس بھرنے کی آواز
بھی نہیں آ رہی تھی ماریا حیران تھی کہ یہ کیا معمہ ہے اور
وہ کس مشکل میں پھنس گئی رہی ہے۔ عنبر اچانک کہاں غائب
ہو گیا ہے اور یہ لوگ کہاں چلے گئے ہیں۔ وہ تہہ خانے
سے نکل کر اوپر قلعے کے بڑے کمرے میں واپس آ گئی
یہ کمرہ بالکل ویران اور سنسان پڑا تھا بارش کی آواز
صاف آ رہی تھی۔ اس آواز نے رات کے اندھیرے کے
ساتھ مل کر ماحول کو اور زیادہ پر اسرار بنا دیا تھا۔ ماریا
نے ایک بار پھر عنبر کو اونچی آواز میں پکارا۔
"عنبر! تم کہاں ہو؟ تم جواب کیوں نہیں دیتے"
کوئی جواب نہ آیا۔ اس کی جگہ ماریا کو پھر دی ٹھنڈی آہ

بھرنے کی آواز سنائی دی اس نے ادھر ادھر نگاہ ڈ
ویران کمرہ سنسان اور خالی تھا۔ کھلی اونچی لمبی کھڑ
میں سے بارش اور بادلوں کے گرجنے کی آواز آرہی
تھی ماریا کی نگاہ آتشدان کی طرف گئی یہ کافی بڑا
آتشدان تھا جس کے اندر سردیوں میں آگ جلا کرتا تاپی
جاتی تھی اس وقت یہ آتشدان ٹھنڈا پڑا تھا ماریا
نے دیکھا کہ وہی انسانی سایہ ایک ستون کے پیچھے سے
نکل کر آتشدان کی طرف گیا وہاں تھوڑی دیر کے لیے
رکا اور پھر آتشدان میں غائب ہو گیا۔

ماریا لپک کر آتشدان کے پاس آگئی اس نے آتشدان
کے اندر داخل ہو کر سر جھکا کر اوپر دیکھا آتشدان کے اند
ہی اندر سے ایک سرنگ سی اوپر جا رہی تھی۔ یہ چمنی تھی
اور اس لیے بنائی گئی تھی تاکہ جب آتشدان میں لکڑیاں
جلائی جائیں تو ان کا دھواں کمرے میں پھیلنے کی بجائے
اس چمنی اور دیوار کے اندر بنی ہوئی سرنگ کے راستے سے
اوپر چھت کی طرف نکل جائے۔

انسانی سایہ اسی سرنگ میں چلا گیا تھا کیونکہ ماریا کو اس
سرنگ میں سے ٹھنڈی آہ بھرنے کی آواز بھی سنائی دی
ماریا اس انسانی پراسرار سائے کے معمے کو حل کرنا چاہتی

اسے تو یوں لگنے لگا تھا جیسے کسی نے جادو کے زور
سے عنبر کو ایک سائے میں تبدیل کر دیا ہے چنانچہ ماریا
آتشدان میں سے اچھل کر دھواں باہر نکالنے والی چمنی کے
اندر آگئی اور آہستہ آہستہ اوپر جانے لگی اس کا خیال
تھا کہ وہ اوپر جا کر چھت پر لگے ہوئے دود کش یعنی دھواں
باہر پھینکنے والے سوراخ میں سے باہر نکل جائے گی مگر ایسا
نہ ہو سکا اس نے اوپر جا کر دیکھا کہ سوراخ ایک بھاری
پتھر سے بند تھا مگر ماریا کے لیے پتھر کی کوئی حیثیت نہیں
تھی وہ تو پتھروں سے بھی گزر جایا کرتی تھی۔

لیکن ماریا یہ دیکھ کر پریشان سی ہو گئی کہ وہ پتھر میں
سے نہیں گزر سکتی تھی اس کا ہلکا پھلکا لہروں کا بنا ہوا
جسم پتھر کے ساتھ ٹکرا کر واپس چمنی میں گھوم گیا وہ
تیزی سے نیچے کی طرف لپکی کہ آتشدان کی چمنی سے باہر
نکل کر اوپر جائے اور انسانی پراسرار سائے کو تلاش کرے
جونہی وہ نیچے آئی تو معلوم ہوا کہ نیچے سے بھی کسی نے
آتشدان کو پتھر کی سل جوڑ کر بند کر دیا ہے اس نے
پورا زور لگا کر اس پتھر کی سل میں سے باہر نکلنے کی
کوشش کی مگر پرے نہ ہو سکی۔ ایک بار پھر اس کا ہلکا
پھلکا شعاعوں والا جسم پتھر کی سل سے ٹکرا کر چمنی میں

واپس آگیا اور وہ چمنی کے اندھیرے میں گھوم گئی۔
ماریا سخت پریشان ہو گئی۔ وہ اندھیری چمنی میں
دیواروں کے ساتھ ٹکریں مار کر باہر نکلنے کی کوشش کر
رہی تھی کہ اسے پھر ٹھنڈا سانس بھرنے کی آواز سنائی
دی۔ اس نے ٹھٹھک کر کہا۔

"کون ہو تم۔"

وہی پر اسرار انسانی سایہ اس کے سامنے آگیا۔ چمنی میں
گہرا اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں اب وہ انسانی سایہ
ماریا کو صاف نظر آرہا تھا۔ سائے کی آواز آئی۔

"میں ایک انسانی سایہ ہوں میں اپنے جسم سے جدا
کر دیا گیا ہوں مگر تم کون ہو۔ تم نہ سایہ ہو نہ
انسان ہو۔"

ماریا نے کہا۔

میرا نام ماریا ہے میں ایک انسان ہوں مگر بہت
مدت گزری ایک طلسم کے زور سے غائب کر دی
گئی تھی اب میرا جسم نظر نہ آنے والی شعاعوں میں
تبدیل ہو چکا ہے لیکن میں یہاں سے باہر کیوں نہیں
نکل سکتی؟ میں تو لوہے کی دیواروں سے بھی گزر جایا
کرتی ہوں یہ سب کچھ کیا ہے۔ تم کون ہو؟ تمہارا

جسم کہاں ہے۔"

انسانی سائے نے سرگوشی ایسی آواز میں کہا۔

"ماریا۔ تم شیطان جادوگر سالوس کے طلسم میں
پھنس چکی ہو۔" سنو سالوس جادوگر کے پاس کالا
جادو تھا وہ ڈان کارلو کا دادا تھا وہ مر چکا ہے
مرنے کے بعد اس کی بیوی کو اپنے جادوگر خاوند کی
ڈائری ملی جس میں درج تھا کہ اگر میرے تابوت
میں ایسے سات انسانوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ
دی جائیں جن کے جسموں سے ان کے کالے سائے
الگ کر دیئے گئے ہوں تو سات روز کے اندر
اندر میں دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا اسی دن سے
ڈان کارلو اور اسکی دادی جادو کے زور سے انسانو
کے جسموں سے ان کے سائے الگ کرنے کی کوشش
میں لگے ہوئے ہیں ان کے پاس شیطان جادوگر
سالوس کے کالے جادو کے ٹونے ٹوٹکے ہیں جن کی
مدد سے ان انسانوں کے جسموں سے ان کے سائے
الگ کر دیتے ہیں میں ایک ہسپانوی سیاح تھا اور
سیر و سیاحت کرنے اس جنگل میں آنکلا تھا کہ ان
لوگوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے اپنے قابو

میں کر کے میرے جسم سے میرا سایہ الگ کر دیا انہوں
نے میرے جسم کی گردن کاٹ کر اس بوڑھے مردہ
شیطان جادوگر کے تابوت میں رکھ دی ہے۔
یہ اب تک چھ آدمیوں کے سائے ان کے جسموں
سے الگ کر کے ان کی گردنیں کاٹ کر تابوت
میں رکھ چکے ہیں تمہارا ساتھی ساتواں انسان ہے
جو ان کے چنگل میں پھنسا ہے۔
ماریا حیرت کے عالم میں انسانی سائے کی باتیں سن رہی
تھی اس نے کہا۔
لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ میرا ساتھی عنبر ایک طاقتور
انسان ہے اور اس کی گردن اس کے جسم سے الگ
نہیں کی جا سکتی وہ خود جادو کے اثر میں آیا ہے۔"
سائے نے کہا۔
"خواہ کتنا بڑا جادوگر کیوں نہ ہو جب وہ ان لوگوں
کے کالے جادو کے اثر میں آ کر ایک بار بیہوش ہو
جاتا ہے تو پھر اس کی ساری طاقت اور جادو
ختم ہو جاتا ہے اس لیے یقین کرو اب تک ڈان
کارلو اور اس کی جادوگر دادی نے تمہارے دوست
عنبر کی گردن کاٹ ڈالی ہو گی۔

ماریا تو خوفزدہ ہو گئی اسے یاد آیا کہ عنبر بے ہوش
ہونے کے بعد اپنی طاقت کھو بیٹھتا تھا اور اس کے جسم کو کاٹا
جا سکتا تھا یہ الگ بات ہے کہ اس کے اگر جسم کے دو ٹکڑوں
کو سنبھال کر رکھا جائے تو اسے جوڑا بھی جا سکتا تھا۔ اس
نے سائے سے کہا۔
"یہ لوگ کس جگہ عنبر کو لے گئے ہیں کیا میں کسی طرح
یہاں سے نہیں نکل سکتی۔
سائے نے کہا۔ تم ڈان کارلو کی دادی کے اثر میں ہو
یہ سارا قلعہ اس کے جادو کے اثر میں ہے یہاں جو کوئی ایک
بار داخل ہو جاتا ہے وہ باہر نہیں نکل سکتا میں خود یہاں ایک
عرصے سے بھٹک رہا ہوں مگر قلعے سے باہر نہیں نکل سکتا
مجھ سے پہلے جن پانچ بے گناہ انسان کے سائے الگ کر کے
انہوں نے ان کی گردنیں کاٹی تھیں ان کے سائے اس قلعے
کی سیاہ دیواروں سے ٹکریں مارتے مارتے اندھیرے میں
گم ہو چکے ہیں صرف میں باقی رہ گیا ہوں کیونکہ میں ایک
بہادر انسان تھا اور مجھے یقین ہے کہ ایک روز میں اپنے
جسم کو واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔
ماریا نے کہا۔
"لیکن تمہارے جسم سے تمہاری گردن کو الگ کر دیا گیا

ہے اور تمہارا باقی کا دھڑ تو گل سڑ گیا ہو گا۔"
سائے نے کہا۔
" سایہ انسان کے اندر کا اندھیرا ہوتا ہے جب
انسان کے جسم سے اس کا سایہ کسی زبردست طلسم
کے زور سے جدا کر دیا جاتا ہے تو اس کا جسم
پھر کبھی نہیں گلتا سڑتا وہ اسی طرح رہتا ہے
اگر کسی طریقے سے اس جسم کے سائے کو اس کے
ساتھ ملا دیا جائے تو وہ مردہ جسم پھر سے زندہ
ہو سکتا ہے۔"
ماریا نے کہا۔
" کیا تم میرے دوست عنبر کی کوئی مدد نہیں کر سکتے
سائے نے کہا۔
کاش میں مدد کر سکتا لیکن میں مجبور ہوں میں انسانی جسم
نہیں بلکہ اپنے جسم کا سایہ ہوں اور سایہ کچھ نہیں کر سکتا
ماریا بولی۔ کیا تم مجھے یہاں سے باہر بھی نہیں نکال سکتے
سائے نے کہا۔
مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا تم ڈان کارلو
کے دادا سالوس کے کالے جادو کے حصار میں قید
کر دی گئی ہو تمہیں یہاں سے باہر نکالنے کا جادو بھی
اُن لوگوں کے پاس ہی ہے۔"

ماریا کہنے لگی۔
اس کا مطلب ہے انہیں میرا پتہ چل گیا ہے کہ میں
ایک ایسی لڑکی ہوں جو غائب ہوں۔
" بے شک " سائے نے کہا۔ انہیں جادو کے ذریعے
سب کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا
ہو گا کہ تمہارے عنبر پر بھی جادو کا اثر ہے
اور اس میں زبردست طاقت ہے اور وہ آسانی
سے نہیں مر سکتا لیکن وہ عنبر کے جسم سے اس کا
سایہ الگ کر کے بڑی آسانی سے اس کی گردن
اتار کر شیطان جادوگر سالوس کے تابوت میں اس
کی لاش کے ساتھ رکھ دیں گے۔
ماریا تو بے حد پریشان ہو گئی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا
تھا کہ وہ عنبر کو اس مصیبت سے بچانے کے لیے کیا کرے
اب اُسے احساس ہونے لگا کہ اس نے عنبر کو یہاں لا کر کس قدر
حماقت کی ہے نہ وہ اُسے یہاں لاتی اور نہ وہ اس مصیبت
میں پھنستے لیکن اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
ماریا نے سائے سے کہا۔
" کیا تم مجھے یہ پتہ کر کے بتا سکتے ہو کہ عنبر کے ساتھ
کیا بیت رہی ہے؟"

رہاں۔ یہ میں تمہیں ابھی معلوم کئے دیتا ہوں اگرچہ
مجھے قلعے میں ادھر اُدھر پھرنے سے منع کر دیا گیا
ہے مگر میں یہاں دن رات بھٹکتا رہتا ہوں چونکہ
ان لوگوں کو معلوم ہے کہ میں انہیں کوئی نقصان نہیں
پہنچا سکتا اور اسی طرح بھٹکتے بھٹکتے دوسرے پانچ
سایوں کی طرح ایک روز اندھیرے کے ساتھ
اندھیرا بن جاؤں گا اس لیے وہ مجھے کچھ نہیں کہتے
میں ابھی جا کر معلوم کرتا ہوں کہ تمہارا دوست کس
حال میں ہے۔"

ماریا چمنی کی تاریک سرنگ میں ہی رہی اور سایہ وہاں سے
باہر نکل گیا۔

انسانی سایہ آتشدان کی چمنی سے نکل کر اندھیرے میں
سے ہوا کی لہر کی طرح گزرتا۔ ٹھنڈی آہیں بھرتا سیدھا
قلعے کے نیچے۔ زمین میں بہت گہرائی میں بنے ہوئے ایک
تہہ خانے میں آ گیا۔ جہاں کارلو کے بوڑھے دادا شیطان
جادوگر سالوس کا تابوت پڑا تھا۔ انسانی سایہ بند دروازے
کے اندھیرے سوراخ میں سے نکل کر دیوار کے ساتھ اندھیرے
میں لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھے شیطان جادوگر
سالوس کا تابوت کھلا ہے اس کی لاش کے ساتھ دونوں

...ب چھ انسانی سر پڑے ہیں ان میں اُس سائے کا اپنا بھی ایک
...پڑا تھا سامنے والی دیوار کے ساتھ چھ انسانوں کے سر
...بغیر جسم پڑے ہیں ان میں اس سائے کا اپنا ایک جسم بھی
...ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔

درمیان میں لکڑی کی ایک میز پر عنبر کا بے ہوش جسم
...تھا ڈان کارلو اور اس کی بوڑھی دادی اس پر جھکے ہوئے
...۔ ڈان کارلو کے ہاتھ میں ایک تیز دندانے دار آری تھی
...ر چڑیل دادی اپنے خاوند یعنی شیطان کالے جادوگر
...وس کی خفیہ جادوئی ڈائری پڑھ رہی تھی کارلو نے

"دادی! یہ تو کمال کا آدمی ہے اس کے جسم میں
زبردست طاقت ہے اور کسی جگہ سے خون کا ایک
قطرہ بھی نہیں نکل رہا۔"

دادی نے کہا۔

"لیکن یہاں ایک ایسا جادوئی ٹوٹکا لکھا ہے کہ
جس کی مدد سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں
گے۔"

مکار بڑھیا نے جادوئی ڈائری بند کر دی اور آنکھیں بند کر کے
...بر پر منتر پڑھ پڑھ کر پھونکیں مارنے لگی یہ کالا جادو تھا۔

عنبر کا جسم اس زبردست کالے جادو سے ایک بار
سے ہلا اور پھر خاموش پتھر کی طرح ہو گیا دادی نے
کہا "کارلو! اس کو اٹھا کر سیدھا کھڑا کرو۔"
کارلو نے عنبر کو لکڑی کی میز پر سے اٹھا کر زمین پر
کھڑا کر دیا عنبر بالکل سیدھا ایک بت کی طرح کھڑا
ہوش تھا اس کی آنکھیں بند تھیں مکار بڑھیا نے کہا
"اب الگ ہو جاؤ کارلو۔"
کارلو پرے ہٹ گیا۔ عنبر اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا
نے اشارہ کیا ڈان کارلو نے ایک شمع دان روشن
عنبر کی ایک جانب میز پر رکھ دیا عنبر کا سیاہ سایہ
پڑنے لگا دادی نے دوبارا آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنا
کر دیئے۔
وہ عنبر کے سائے کو اس کے جسم سے الگ کر رہی
تھی۔

عنبر کی کٹی لاش

مکار بڑھیا منتر پڑھ رہی تھی
ایک بار اس نے منتر پڑھ کر پھونک ماری تو عنبر کا سایہ
روشن سیاہ ہو گیا اور عنبر کے جسم کا رنگ زرد پڑ گیا پھر بوڑھیا
نے کارلو سے کہا
"اس کو میز پر لٹا دو۔"
جونہی ڈان کارلو نے عنبر کے بے ہوش جسم کو لکڑی کی
میز پر لٹایا اس کا سایہ اس کے جسم سے الگ ہو گیا عنبر کا جسم
میز پر پڑا تھا اور اس کا سایہ اس سے الگ ہو کر دیوار کے
ساتھ جا لگا تھا اس کے بعد بوڑھی دادی نے کارلو سے کہا
"اس کی گردن الگ کر دو۔"
کارلو نے آری لے کر عنبر کی گردن پر چلانی شروع کر دی
دیکھتے دیکھتے عنبر کی گردن اس کے جسم سے الگ ہو گئی کارلو
نے عنبر کی گردن اٹھائی اور اپنے دادا شیطان جادوگر سالوس

کے تابوت کے اندر اس کی لاش کے پاس رکھ دی
نے کہا۔

"آج سات کی سات گردنیں پوری ہو گئی ہیں۔ اب
یہ گردنیں سات روز تک اس تابوت میں بند رہیں
گی اور آٹھویں روز تمہارا دادا زندہ ہو کر تابوت
سے باہر آجائے گا۔

بوڑھیا اور ڈان کارلو بڑے خوش تھے انہوں نے
کو بند کر دیا عنبر کا سایہ دیوار کے ساتھ لگا تھا کارلو نے
سے کہا۔

دادی جان۔ یہ سایہ بھی ہمیں خوامخواہ پریشان کرے
گا جس طرح پہلے والا سایہ قلعے میں بھٹکتا پھرتا ہے
ان دونوں کو یہاں قید کر دیں۔

پہلا انسانی سایہ گھبرا کر باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ دادی
اس پر نگاہ پڑ گئی اس نے منتر پڑھ کر چاروں دیوار
کی طرف پھونک ماری اور کہا۔

تم دونوں سائے اب یہاں سے کبھی باہر نہیں جا سکو گے
اور قہقہہ لگا کر اپنے پوتے کارلو کو ساتھ لے کر کوٹھڑ
سے باہر نکل گئی۔ انہوں نے تہہ خانے کی کوٹھڑی سے باہر
لگا دیا۔

ان کے باہر جاتے ہی عنبر نے اپنے سائے کو غور سے
دیکھا پھر دوسرے انسانی سائے کو غور سے دیکھا اور ٹھنڈی
آہ بھر کر پوچھا۔

"یہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میرا جسم کہاں ہے؟"
پہلے سائے نے کہا۔

"عنبر! تمہارے ساتھ ایک بے حد دردناک حادثہ
ہو چکا تھا وہ دیکھو دیوار کے ساتھ تمہارا اکٹ
ہوا دھڑ پڑا ہے تمہاری گردن تمہارے جسم سے
الگ کر کے میری گردن کی طرح اس تابوت کے اندر
شیطان جادوگر سالوس کی لاش کے ساتھ رکھ دی
گئی ہے۔" لیکن یہ سب کچھ کیا ہے۔ انہوں نے میری
گردن کیسے میرے جسم سے الگ کی۔
پہلے سائے نے کہا۔

اس لیے کہ تم جادو کے اثر میں تھے

"تم میرا نام کیسے جانتے ہو عنبر کے سائے نے کہا
پہلے سائے نے اسے ماریا کے ساتھ اپنی ملاقات اور کی
گئی ساری گفتگو کھول کر بیان کر دی اس نے عنبر کے سائے کو
بتا دیا کہ اس کے سائے کو اس کے جسم سے کیوں الگ کیا گیا ہے
اور اس کی گردن کاٹ کر کس غرض کے لیے شیطان جادوگر

سالوس کے تابوت میں دوسری کٹی ہوئی انسانی گردنوں کے
ساتھ رکھی گئی ہیں۔

عنبر کا سایہ یہ سُن کر پریشان و حیران ہو کر رہ گیا۔
"کیا اب ہم کبھی اس کوٹھڑی سے باہر نہیں نکل
سکتے ہو؟"

پہلے سائے نے کہا۔

"کبھی نہیں۔ پہلے ہم اس منحوس قلعے میں ضرور
بھٹک سکتے تھے اب اس خبیث بوڑھا جادوگرنی
نے ہمیں جادو کے زور سے اس کال کوٹھڑی میں
تابوت کے ساتھ بند کر دیا ہے اب ہم یہاں سے
بھی باہر نہیں جا سکتے۔"

عنبر کے سائے نے پوچھا۔ "کیا ماریا بھی آتشدان کی
چمنی سے باہر نہیں نکل سکتی۔"

"وہ بھی ہمارے ساتھ ہی چمنی کے اندر قید کر دی
گئی ہے یہ تم دونوں کی بدقسمتی تھی کہ تم اس طرف
نکل آئے اور دوسری بدقسمتی یہ ہے کہ اتنی طاقت
کے ہوتے ہوئے بھی تم بے بس کر دیئے گئے ہو اور
کچھ نہیں کر سکتے۔"

عنبر کا سایہ کمرے میں ٹہلنے لگا پھر اس نے اپنے کٹے ہوئے

دھڑ کو دیکھا اس کے بعد تابوت کو دیکھا جس کا ڈھکنا
بند تھا عنبر کا سایہ اس ڈھکنے کو اُٹھا نہیں سکتا تھا۔ عنبر
کے سائے کو اپنی زبردست بے بسی کا احساس ہوا مگر وہ ہمت
ہارنے والا نہیں تھا اس نے بڑی سے بڑی مشکل میں ہمت نہیں
ہاری تھی اور پوری جواں مردی کے ساتھ ہر مشکل سے باہر
نکلنے کی کوشش کی تھی وہ اب بھی اس ادھیڑ بن اور کوشش
میں تھا اس مصیبت سے کیوں کر چھٹکارا مل سکتا ہے اتنا
اسے معلوم تھا کہ اگر اس کی کٹی ہوئی گردن اس کے دھڑ
کے ساتھ لگا دی جائے اور اسے دو روز رات کو کھلے
آسمان کے نیچے رکھ دیا جائے تو وہ پھر سے زندہ ہو جائے
گا لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ اپنا سایہ بن کر
اپنے جسم سے الگ ہو چکا تھا اس کی سمجھ میں یہ نہیں
آ رہا تھا کہ وہ دوبارہ اپنے جسم میں کس طرح سے داخل
ہو گا۔ عنبر نے جھک کر تابوت کے ڈھکن کو غور سے دیکھا
اس پر کالے سانپ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ سانپ کنڈل
مار کر پھن اُٹھائے بیٹھا تھا نیچے عبرانی زبان میں سانپ
دیوتا کے حضور ایک دعا لکھی ہوئی تھی جس کا مطلب
یہ تھا۔

"اے سانپ دیوتا! مجھ پر رحم کر مجھے نئی زندگی دے۔"

میں سات گردنیں جمع کروں گا۔
تو میرے اندر نئی زندگی داخل کر دے!"
ان گردنوں کے سائے نہیں ہوں گے!"
تو میرے مردہ جسم میں نئی روح پھونک دے!"
عنبر کا سایہ غور کرنے لگا اس کے دل میں اُمید کی
کرن جاگ اُٹھی یہ بوڑھیا جادوگر اور اس کی لاش سانپ
دیوتا کے ماتحت ہے عنبر کے سائے کو اچانک ناگ کا خیال
آگیا اگر کسی طرح سے وہ ادھر آ نکلے تو انہیں اس بھیانک
مصیبت سے نجات مل سکتی ہے مگر ناگ کا کسی کو کچھ پتہ
نہیں تھا خدا جانے وہ کہاں تھا اور اگر وہ اس جنگل سے
گزرا بھی تو اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس قلعے میں آئے
گا اب تو اس قلعے کے مالک ڈان کارلو اور اس کی
چڑیل دادی کو بھی کسی دوسرے مسافر کی گردن کاٹنے اور
اس کے جسم سے سایہ الگ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔
سات گردنیں پوری ہو چکی ہوئی ہیں عنبر خود قید تھا۔
ماریا بھی وہاں پابند ہو چکی تھی اور وہ اسی منحوس
جگہ سے باہر جا کر ناگ کو تلاش نہیں کر سکتے تھے۔
پہلے سائے نے عنبر سے پوچھا۔
"تم کیا پڑھ رہے ہو عنبر؟"

عنبر نے سائے کو وہ سب کچھ ترجمہ کر کے سنا دیا جو
تابوت کے اوپر لکھا تھا۔ پہلے سائے نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا
"اس سے کیا ہوتا ہے۔ چاہے یہ بدبخت مُردار
بوڑھا جادوگر سانپ کی پوجا کرے چاہے لومڑ
کی پوجا کرے اس نے ہماری گردنیں اتار دی
ہیں اور ہمارے جسموں سے سائے الگ کر دیئے ہیں
عنبر کے سائے نے کہا۔
کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ ہم یہاں سے باہر
نکل جائیں۔
پہلا انسانی سایہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا
مجھے اس منحوس قلعے میں اپنے جسم سے الگ ہو کر
بھٹکتے ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے میں
نے ایک بار اس بڑھیا کو کہتے سُنا تھا کہ ایک سال
گزر جانے کے بعد سایہ اگر کسی طرح دادا کے تابوت
کے اندر داخل ہو کر لاش کے پاس ایک رات گزار
دے تو اسے اتنی آزادی مل سکتی ہے کہ وہ قلعے
کے جادو کے دائرے سے باہر نکل کر جہاں چاہے
آزادی سے چل پھر سکتا ہے مگر اپنے جسم میں دوبارہ
داخل نہیں ہو سکتا۔

عنبر کے سائے نے کہا۔
کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"
انسانی سایہ بولا
مگر اس سے فائدہ کیا ہوگا مجھے اگر باہر جا کر بھی
بھٹکنا ہی ہے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں یہاں
اپنے مردہ جسم کے پاس بیٹھا رہوں کم از کم مجھے یہ
تو تسلی ہوگی کہ میرا جسم میرے قریب ہے؟"
عنبر کے سائے نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا۔
"میرے دوست سائے۔ تم نہیں جانتے۔ ہمارا ایک
تیسرا ساتھی بھی ہے جس کا نام ناگ ہے۔ وہ اصل
میں ایک سانپ ہے ناگ دیوتا ہے مگر انسانی شکل
میں گھومتا پھرتا ہے؟"
سائے نے حیرت سے پوچھا۔ کیا کہا۔ وہ سانپ ہے؟"
"ہاں۔ ناگ اصل میں سانپ ہے اور انسان بن گیا
ہے۔ وہ اب بھی سانپ بن سکتا ہے وہ جس
جانور یا پرندے کا چاہے روپ دھار سکتا ہے
انسانی سائے نے پوچھا۔ وہ کہاں ہے
عنبر کا سایہ بولا۔

"یہی تو ہمیں پتہ کرنا ہے اسی لئے میں چاہتا ہوں
کہ تم یہاں سے نکل کر باہر جاؤ اور میرے بھائی
ناگ کو کسی طرح سے تلاش کر کے یہاں لے آؤ
مجھے پورا یقین ہے کہ ناگ کے یہاں آجانے سے
ہماری بگڑی ہوئی بات بن سکتی ہے؟"
انسانی سایہ ایک پھر گہری سوچ میں پڑ گیا پھر بولا
میں اس بدبخت شیطان جادوگر کی لاش کے ساتھ
ایک رات بسر کرنے کو تیار ہوں"
عنبر بڑا خوش ہوا اس نے کہا۔
تم تابوت کے اندر کیسے داخل ہو گئے وہاں کوئی
سوراخ نہیں ہے؟"
انسانی سائے نے کہا۔
میں تابوت کے قبضے کی درز میں سے اندھیرے کی باریک
لکیر بن کر اندر چلا جاؤں گا تم بالکل بے فکر رہو
تمہارے دوست ناگ کا ذکر سن کر میرے دل
میں بھی پھر سے زندہ ہونے کی امید پیدا ہو گئی ہے
انسانی سائے نے شیطان جادوگر کے تابوت کے ڈھکن
کے قبضوں کو غور سے دیکھا ان میں ایک جگہ چھوٹی سی درز
تھی انسانی سائے نے کہا۔

میں اس کے اندر داخل ہو رہا ہوں۔ تم احتیاط رکھنا۔
اور انسانی سایہ ایک باریک سیاہ لکیر بن کر تابوت کے ڈھکنے
کی درز میں سے اس کے اندر داخل ہونا شروع ہو گیا وہ دیکھتے
دیکھتے تابوت میں چلا گیا اور لاش کے ساتھ لیٹ گیا۔
عنبر کے سائے نے اسے آواز دے کر پوچھا۔
"تم اندر گھبرا تو نہیں رہے؟"
انسانی سائے کی اندر سے آواز آئی۔
"بالکل نہیں گھبرا رہا۔ تم فکر نہ کرو۔"
اس کے بعد انسانی سائے نے کوئی بات نہ کی۔ وہ ساری
رات شیطانی جادوگر سالوس کے تابوت کے اندر اس کی لاش
کے ساتھ پڑا رہا کمال کی بات یہ تھی کہ اس کے قریب ہی اس
کا اپنا کٹا ہوا سر بھی پڑا تھا عنبر کا سر بھی وہیں تھا اور
دوسرے پانچ بدنصیب انسانوں کے سر بھی وہیں تابوت
کے اندر تھے جن کے سائے شاید ہمیشہ کے لیے تاریک اندھیروں
میں گم ہو چکے تھے عنبر کا سایہ تابوت کے باہر کوٹھڑی میں
دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا رہا۔
جب ساری رات گزر گئی تو تابوت کے اندر انسانی سائے
کی خاص حس نے اسے خبر کر دی کہ صبح ہو گئی ہے وہ تابوت
کی اسی باریک درز سے باہر نکل آیا عنبر کا سایہ اسکا انتظار

کر رہا تھا جونہی وہ باہر آیا عنبر کے سائے نے کہا۔
دوست! تمہارے خیال میں اب تم اس کوٹھڑی
اور قلعے سے نکل سکو گے؟"
انسانی سائے نے کہا "ابھی آزما کر دیکھ لیتا ہوں"
انسانی سائے نے کوٹھڑی کے بند دروازے کی طرف
جا کر اپنی ایک ٹانگ بند دروازے سے باہر کر لی اور عنبر کے
سائے سے کہا۔
"میرا عمل کامیاب رہا میں طلسمی حصار سے باہر
نکل سکتا ہوں"
عنبر کا سایہ اس کے قریب آ گیا اس نے ناگ کی شکل صورت
اور اس کی ساری خاص خاص باتیں سائے کو بتا دیں اور کہا۔
"تمہارے پاس صرف سات دن ہیں کیونکہ سات
دنوں کے بعد اس تابوت کے اندر شیطانی سالوس
بڈھے کی لاش زندہ ہو جائے گی اور خدا جانے زندہ
ہو کر یہ دنیا میں کیسی تباہی مچا دے اس لیے کوشش
کرنا کہ تم سات دنوں کے اندر اندر ناگ کو تلاش
کر کے یہاں واپس آ جاؤ۔
انسانی سائے نے کہا۔
میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا دوست عنبر!

تمہیں شاید پتہ نہیں کہ قلعے سے باہر نکل کر میری
رفتار بجلی کی رفتار کے برابر ہو جائے گی۔ میں جنوب
کا سارا علاقہ کھنگال ڈالوں گا اور ناگ کو ہر جگہ تلاش
کروں گا۔

انسانی سایہ سالوس کے پُراسرار تہہ خانے سے باہر نکل آیا
کارلو اور اسکی دادی اپنا سات انسانی گردنوں والا کام پورا
کر کے قلعے میں کسی جگہ مزے سے سو رہے تھے باقی سارا قلعہ
خالی تھا۔ انسانی سایہ سیدھا ماریا کے پاس چمنی کے اندر گیا
اور ماریا کو عنبر کے بارے میں اور اپنی نئی مہم کے بارے میں
سب کچھ بتا دیا عنبر کی گردن الگ ہونے کا سُن کر ماریا کا
دل غم سے بوجھل ہو گیا مگر وہ خود بے بس تھی اور چمنی
کے اندر طلسم میں قید تھی وہ عنبر کے لیے اور اس کے سائے
کے لیے کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی اس نے بھی انسانی سائے
کو ناگ کے بارے میں ضروری باتیں بتائیں۔

اور انسانی سایہ قلعے سے نکل کر دن کی روشنی میں ایک
طرف روانہ ہو گیا بارش نہیں ہو رہی تھی دن نکل آیا تھا مگر
آسمان پر بادل چھائے تھے وہ دن کی روشنی میں کھلے دھاگے
کی ایک لکیر کی طرح آسمان پر اُڑا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت
تیز تھی وہ جنگلوں صحراؤں پر سے گزرتا ہوا جنوبی افریقہ کے

جنگل پر سے گذرنے لگا۔ یہ جنگل سرسبز تاریک اور گھنے اور پُراسرار
تھے یہاں پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی انسانی سایہ ایک مندر دیکھکر نیچے
اُتر آیا اندھیرے میں وہ دکھائی نہیں دیتا تھا کچھ لوگ مندر میں پوجا
کرنے جا رہے تھے کچھ باہر آ رہے تھے۔

انسانی سایہ دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں چلتا مندر کے
اندر آگیا یہ ناگ مندر تھا اور یہاں سانپ کے بت کی پوجا ہوتی تھی
انسانی سایہ روشنی میں آیا تو ایک پجاری کی اس پر نظر پڑ گئی اس نے
ایک انسانی سائے کو بغیر جسم کے اکیلے چلتے دیکھا تو دنگ رہ گیا
اس نے شور مچا دیا مندر میں شیطان آگیا ہے مندر میں شیطان آگیا ہے
لوگ سائے کی طرف لپکے مگر انسانی سایہ وہیں روشنی میں ایک جگہ
رک گیا سب اسے حیرانی سے تکنے لگے ایک آدمی نے شمع پر ہاتھ
رکھ دیا انسانی سایہ جونہی اندھیرے میں آیا وہ بھاگ کر مندر کے
پیچھے جہاں تاریکی تھی وہاں جاکر غائب ہو گیا۔ پجاری اور دوسرے
لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگے کیونکہ شمع کی روشنی ہوتے ہی
انہوں نے دیکھا کہ انسانی پُراسرار سایہ جس کو وہ شیطان کا سایہ
کہتے تھے غائب تھا۔

انسانی سایہ اب سانپ کی مورتی کے پاس جو دیوار کھڑی تھی
اس کے پیچھے اندھیرے میں چھپا رہا۔ یہاں وہ اس لیے آیا تھا۔
کہ شاید ناگ یہاں پر ہو۔ جب لوگ چلے گئے اور مندر بالکل خالی ہو

گیا تو انسانی سایہ اندھیرے میں سے نکل کر سانپ کی مورتی کے
قریب آیا اور بولا۔

"اے سانپ کی مورتی! اگر تو سن سکتی ہے تو سن!
مجھے ناگ دیوتا کی تلاش ہے کیا تو بتا سکتی ہے کہ ناگ کہاں ہے"
سانپ کی مورتی تو ایک پتھر کی مورتی تھی بھلا وہ کیا جواب
دیتی لیکن ایک سُرخ سانپ مورتی کے نیچے سے نکل کر انسانی سائے
کے سامنے آگیا اس نے انسانی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔ تمہارا جسم کہاں ہے"
انسانی سائے نے تعجب سے سانپ کی طرف دیکھا اور کہا۔
میں اپنے جسم کا سایہ ہوں ایک شخص نے مجھ پر جادو
کر کے میرے جسم سے میرے سائے کو الگ کر دیا ہے
میں ناگ دیوتا کی تلاش میں اپنے طلسمی قلعے سے نکلا
ہوں کیونکہ ناگ کا ایک بھائی اور بہن بھی وہیں جادوگر
کی قید میں ہے اور اُن کے سائے بھی الگ ہو چکے ہیں
سُرخ سانپ نے کہا۔ کیا کہہ رہے ہو کیا ناگ دیوتا کا
بھائی اور بہن بھی وہاں جادوگر کی قید میں ہیں۔
انسانی سائے نے کہا

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ سخت مشکل میں ہیں ناگ
کے بھائی کی گردن اس کے جسم سے سائے کے ساتھ

ہی الگ ہو چکی ہوئی ہے"
سرخ سانپ نے ایک پھنکار ماری جیسے اسے سخت غصہ آگیا
اور بولا

"وہ کون بدنصیب جادوگر ہے جس نے ناگ دیوتا کی زبردست
طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور اس کے بھائی کی گردن الگ
کرنے کی حماقت کی کیا اسے معلوم نہیں کہ افریقہ کا ایک ایک
سانپ اپنے دیوتا پر قربان ہونا جانتا ہے"
انسانی سائے نے کہا۔
اسوقت ناگ دیوتا پر قربان ہونے کی نہیں بلکہ اس کے
بھائی اور بہن کو جادوگر کی مصیبت سے چھٹکارا دلانے
کی ضرورت ہے"
سرخ سانپ بولا"

"میں جانتا ہوں۔ تم مجھے سکھانے کی کوشش نہ کرو
میری بات غور سے سنو تم اس مندر سے نکل کر نیچے
جاؤ گے تو ایک کالی چٹانوں والا دریا آجائے گا۔ اس
دریا کے دوسرے کنارے سے دو کوس کے فاصلے پر ایک
لال پتھروں کی باولی ہے اس باولی کے پاس سرخ چٹانوں
میں ایک کالا سانپ رہتا ہے اسے جا کر میرا سلام کہنا۔
سرخ سانپ خاموش ہو گیا انسانی سائے نے پوچھا۔

"کیا میں اسے ساری بات بیان کر دوں"

سرخ سانپ نے کہا۔

"نہیں تمہیں ناگ کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اسے ہوا کی لہروں پر تمہارے جانے کے بعد سب کچھ بتا دونگا تم وہاں جاؤ گے تو وہ تمہاری راہ دیکھ رہا ہو گا۔

انسانی سائے نے پوچھا۔ کیا وہ ناگ دیوتا ہو گا؟"

سرخ سانپ بولا۔

"نہیں۔ وہ ناگ نہیں ہو گا بلکہ ناگ کا ایک غلام ہو گا جو تمہارے ساتھ قلعے میں جائے گا اور ناگ کا بھائی اور بہن کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لے گا اور دونوں بہن بھائی کو آزاد کرائے گا۔

انسانی سایہ بولا۔

"قلعے کا جادوگر بہت طاقتور ہے تم ایک بار پھر غور کر لو دوست!

سرخ سانپ نے زور سے پھنکار کر کہا۔

"اے انسانی سائے۔ تم فوراً کالے سانپ کے پاس جاؤ۔ ہم ناگ کی بہن اور بھائی کو زیادہ دیر تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔"

انسانی سائے نے سرخ سانپ کو خدا حافظ کہا اور مندر سے نکل کر ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اندھیری رات میں سایہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر شے دیکھ سکتا تھا دریا کے دوسرے کنارے دو میل کے سفر کے بعد اسے ایک سرخ

پتھروں کے پاس بادلی نظر آئی یہ ان کے قریب ہی چھوٹی چھوٹی بے شمار سرخ چٹانیں باہر نکلی ہوئی تھی انسانی سایہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ ایک سیاہ کالا سانپ پھوں پھوں کرتا ہوا چٹانوں میں سے نکل کر اس کے پاس آگیا اور انسانی آواز میں بولا۔

"میرے اوپر بیٹھ جاؤ ہم اس قلعے کی طرف جا رہے ہیں جہاں گستاخ جادوگر نے ہمارے دیوتا کے بھائی اور بہن کو قید کر رکھا ہے۔

انسانی سائے نے کہا۔ کیا آپ اڑ کر جائیں گے۔

کالے سانپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں سے سرخ کرنوں کی مقناطیسی شعاعیں نکل رہی تھیں کالے سانپ نے انسانی سائے کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جلدی کرو۔ وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ لپٹ جاؤ جلدی کرو۔"

انسانی سایہ جلدی سے سانپ کی دم کی طرف۔ اس کے جسم سے لپٹ گیا اس کے ساتھ ہی سانپ نے ایک پھنکار ماری اور وہ شوں کی آواز کے ساتھ ہوا میں اچھلا اور اس نے اڑنا شروع کر دیا انسانی سایہ اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا راتوں رات وہ کارلو اور اس کی مکار جادوگرنی دادی کے قلعے میں پہنچ گئے کالے سانپ نے قلعے کے اندر ایک بڑے کمرے میں اترتے ہوئے انسانی سائے سے کہا۔

"مجھے یہاں ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی ہے
یقیناً یہ ناگ دیوتا کے بھائی اور بہن کی خوشبو ہے مجھے
بتاؤ وہ کہاں ہیں۔
انسانی سائے نے کہا۔
ناگ دیوتا کی بہن اس سامنے والے آتشدان کے اندر چمنی
میں جادو کے زور سے قید کر دی گئی ہے
کالا سانپ آتشدان کی طرف رینگتا ہوا آ گیا اس نے اپنا سر اوپر
اٹھا کر چمنی کے اندر لگے ہوئے بھاری پتھر کو دیکھا پھر اپنی دم پر
کھڑا ہو گیا اور اتنی زور سے گھوما کر اس کے جسم سے سرخ رنگ
کے شرارے گرنے لگے جس طرح پھل جھڑی میں سے گرا کرتے ہیں
یہ سارے شرارے ستارے بن کر گھومنے لگے اور گول دائرے
میں گردش کرتے ہوئے آتشدان کے اندر چمنی میں گھس گئے
اور پتھر ایک کڑاک کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا اور ماریا نیچے
آ گئی اس نے انسانی سائے اور سانپ کو دیکھا اور بولی۔ تم آ گئے
ناگ کہاں ہے؟"

کالے سانپ کو ماریا کے جسم سے بھی ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی
خوشبو آ رہی تھی اس نے ادب سے سر جھکا دیا انسانی سائے نے
ساری کہانی ماریا کو سنائی اور کہا۔ یہ کالا سانپ ہماری مدد کریگا۔
کالے سانپ نے کہا "اے مقدس ناگ دیوتا کی بہن۔ تم بے فکر ہو جاؤ

اب تم پر اس قلعے میں کسی جادوگر کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔
پھر اس نے انسانی سائے سے پوچھا کہ ناگ کا بھائی کس
جگہ پر ہے۔ انسانی سایہ اسے اپنے ساتھ سیڑھیوں میں سے گزار
کر اس کوٹھڑی کے باہر لے آیا جس کے اندر عنبر کا سایہ قید
تھا اور تابوت کے اندر اس کی گردن لاش کے ساتھ پہلو میں پڑی
تھی۔ ماریا اور انسانی سایہ بند کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئے
کالا سانپ بھی جادو کے زور سے اندر آ گیا۔ ماریا نے سامنے
دیوار کے ساتھ عنبر کے سائے کو دیکھا تو بے اختیار بول اٹھی
"عنبر بھائی"۔
عنبر نے کہا۔ ماریا بہن! گھبرانا بالکل نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔
"مگر تمہارا جسم کہاں ہے عنبر"
عنبر نے کہا "ماریا یہاں دیوار کے ساتھ پڑا ہے اور میری
گردن اس تابوت کے اندر پڑی ہے"
"اف میرے خدا" ماریا کی آواز بھرا گئی۔
عنبر کے سائے نے اسے حوصلہ دیا اور انسانی سائے سے پوچھا!
"کیا ناگ سے ملاقات ہو گئی تمہاری!
انسانی سائے نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔
ناگ سے ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن یہ کالا سانپ اپنے مقدس
دیوتا کے بھائی اور بہن کی مدد کے لیے آیا ہے اور اس نے ماریا
کو آتشدان کی چمنی سے آزاد کرا دیا ہے

عنبر کے سائے نے کالے سانپ کی طرف دیکھا۔ کالے
سانپ کو عنبر کے جسم سے اپنے مقدس ناگ دیوتا کی خوشبو برابر
آ رہی تھی اس لیے وہ ادب سے کنڈلی مارے سر جھکائے زمین
پر بیٹھا تھا۔ اس نے عنبر کے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔
"مقدس ناگ دیوتا کے عظیم بھائی! مجھے معاف کر دینا
کہ تمہیں یہاں ہمارے ملک میں آ کر تکلیف پہنچی۔ لیکن
میں تمہیں تکلیف دینے والوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا
خواہ وہ دنیا کے سب سے بڑے جادوگر ہی کیوں نہ ہوں
عنبر نے کہا۔
اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو سب سے پہلے میرے سائے کو
میرے جسم میں داخل کرو اور میری گردن کے ساتھ میرا
سر جوڑ دو۔

کالے سانپ نے کہا۔
کیا تمہارا سر اس تابوت میں ہے؟

وہاں ہے۔" عنبر کے سائے نے جواب دیا
ماریا اور انسانی سایہ خاموش کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔
کالا سانپ رینگتا ہوا سالوس جادوگر کی لاش والے تابوت
کی طرف بڑھا اس نے تابوت کے پاس جا کر اپنی دم گھما کر زور
سے تابوت پر ماری تابوت کا ڈھکن کھڑاک کی آواز کے ساتھ کھل

کر پرے گر پڑا۔ اور اس میں لاش دکھائی دینے لگی
ماریا نے لاش کے پاس عنبر کا کٹا ہوا سر دیکھا تو اس
کی چیخ نکل گئی
عنبر نے کہا۔ خاموش ماریا۔
کالا سانپ لاش کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔
ناگ دیوتا کے مقدس بہن اور بھائی! تھوڑی دیر کے لیے آپ
سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جائیں۔
ماریا۔ عنبر کا سایہ اور انسان کا سایہ یہ تینوں سامنے والی
دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا
تھا سالوس کی لاش اور تابوت کے اوپر چھت میں سے ہلکی ہلکی
روشنی پڑ رہی تھی تہہ خانے کا دروازہ زور سے کھل گیا اور
کارلو اور اس کی دادی اندر داخل ہوئے ان کے چہرے غصے
سے سرخ ہو رہے تھے۔
کارلو کی دادی نے فوراً ایک منتر پڑھ کر سانپ پر پھونکا
سانپ کے گرد آگ کا ایک ہالہ بن گیا مگر سانپ اس ہالے
میں سے اچھل کر باہر نکل آیا اور اڑتا ہوا کارلو کی دادی کی
گردن سے جا کر لپٹ گیا اس نے اس کی شہ رگ پر ڈس دیا
دادی کا منتر اس کے منہ میں ہی رہ گیا اور سانپ کے زہر نے اسے
وہیں پتھر کر کے اس کے خون کو جما دیا وہ مر کر گر پڑی۔

ڈان کارلو باہر کو بھاگا مگر سانپ نے اسے بھی پیچھے
جاکر پکڑ لیا اور اس کی گردن پر بھی جھپٹا مار کر اسے اپنی گرفت
میں لے کر ڈس دیا۔ ڈان کارلو کے منہ میں سے ایک چیخ نکالی
یہ اس کی زندگی کی آخری چیخ تھی عنبر کا سایہ انسانی سایہ اور
ماریا دیوار کے ساتھ کھڑے یہ خوفناک تماشہ خاموشی سے
دیکھ رہے تھے ان دونوں کو ہلاک کرنے کے بعد سانپ تیزی
سے رینگتا ہوا آیا اس کے منہ سے پھنکاریں نکل رہی تھیں
اور آنکھوں میں سے سرخ شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔
سانپ اب سالوس جادوگر کی لاش کی طرف بڑھ رہا تھا
اس نے لاش کے گرد سات چکر لگائے اور پھر عنبر کے
سائے کی طرف اپنا پھن اٹھا کر بولا۔
عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! اپنے دھڑ کے ساتھ
جاکر لیٹ جاؤ۔
عنبر کا سایہ اپنی سر کٹی لاش کے پاس جاکر لیٹ گیا سانپ نے
دوسرے انسانی سائے سے کہا۔ عنبر کے دوست! تم بھی اپنی سر کٹی
لاش کے ساتھ لیٹ جاؤ۔
انسانی سایہ بھی دیوار کے ساتھ فرش پر پڑی اپنی سر کٹی لاش
کے پاس جاکر لیٹ گیا سانپ نے ماریا سے مخاطب ہو کر کہا۔
عظیم ناگ دیوتا کی بہن ماریا! تابوت کی طرف آؤ اور ان

سر کٹی لاشوں کے سر تابوت میں سے اٹھا کر ان کی
لاشوں کی کٹی ہوئی گردنوں کے ساتھ جاکر لگا دو!
ماریا جلدی سے آگے بڑھی پہلے اس نے عنبر اور پھر انسانی
سائے کے کٹے ہوئے سر تابوت سے نکال کر ان کی سر کٹی لاشوں
کے ساتھ جاکر لگا دیئے اب سانپ ان لاشوں کی طرف آگیا۔
دونوں لاشوں کے گرد اس نے سات چکر لگائے اور لاشوں
کی طرف منہ کر کے ان پر پھنکاریں مارنی شروع کر دیں ماریا
نے دیکھا کہ عنبر اور دوسرے انسان کا سایہ آہستہ آہستہ
فرش پر رینگتا ہوا اپنی اپنی لاش کے ساتھ جاکر لیٹ گیا اور
پھر یہ سائے ان لاشوں کے اندر جذب ہو گئے۔
سانپ نے لاشوں کو اٹھنے کا حکم دیا۔ عنبر اور دوسرا
انسان اپنے زندہ جسموں کے ساتھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ
ایک دوسرے کی طرف خوشی اور حیرت سے دیکھ رہے تھے سرخ سانپ
نے کہا۔
اب تم دونوں پھر سے زندہ ہو گئے ہو۔ تمہارے سائے
تمہارے جسموں کو واپس مل گئے ہیں اگر دوسری لاشوں
کے سائے بھٹک کر گم نہ ہو گئے ہوتے تو اس وقت ان کی
جسم بھی زندہ ہو جاتے اب میں جاتا ہوں
ماریا نے عنبر کو خوش ہو کر کہا۔

"عنبر! خدا کا شکر ہے کہ تم اس کے حکم سے پھر زندہ ہو گئے"
عنبر نے سانپ سے ناگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔
"عظیم ناگ دیوتا کے بارے میں ہم کچھ نہیں جان سکتے
وہ عظیم دیوتا ہے ہم اس کی رعایا ہیں۔
یہ کہکر سانپ غائب ہو گیا۔
عنبر نے اپنے دوست انسانی سائے سے پوچھا۔
"دوست تمہارا نام کیا ہے اور اب تم کہاں جاؤ گے"
وہ بولا۔ میں تمہیں شاید پہلے بھی اپنا نام بتا چکا ہوں
میں پانچو ہوں اور سپین کا رہنے والا ہوں۔ اب میں
یہاں سے واپس اپنے وطن چلا جاؤں گا۔
عنبر نے کہا۔
ہم جنوب کی طرف ناگ کی تلاش میں جائیں گے
ماریا نے پوچھا۔ سالوس کی لاش کا کیا حال ہو گا
انہوں نے تابوت میں جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گئے کیونکہ
سالوس جادوگر کی لاش تابوت کے اندر گل سڑ کر مٹی ہو گئی تھی
اور اب وہاں صرف چند ایک ہڈیاں ہی باقی تھیں
"ہمیں یہاں سے اب نکل جانا چاہیئے۔ پانچو نے کہا۔
وہ قلعے سے باہر نکل آئے۔ پانچو نے عنبر اور ماریا کا شکریہ
ادا کیا اور کہا۔

"یہ خوفناک تجربہ مجھے ساری زندگی یاد رہے گا"
وہ رخصت ہو کر چلا گیا عنبر اور ماریا جنوب کی طرف ناگ
کی تلاش میں روانہ ہو گئے عنبر اپنے سائے کی شکل میں اس سارے
علاقے میں گھوم چکا تھا اسے معلوم تھا کہ آگے صحرا اور جنگل ہے
اور اس کے بعد ایک دریا ہے جس کے پرلے کنارے سرخ سانپ
رہتا تھا یہ ساری باتیں پانچو کے انسانی سائے نے اسے بتادی
تھیں اب ان کی منزل دریا پار کا علاقہ ہے کئی دنوں کے خطرناک
سفر کے بعد وہ دونوں سرخ چٹانوں والے دریا کے دوسرے
طرف پہنچ گئے اب وہ افریقہ کے جنوبی علاقے میں داخل ہو چکے
تھے اور عنبر اور ماریا۔ دونوں کو پورا پورا یقین تھا کہ اس
علاقے میں ان کی ناگ سے ملاقات ضرور ہو گی۔

ناگ بین کی آواز پر بے بس ہو گیا

اب ہم ناگ کی طرف چلتے ہیں
کبھی ڈ کے پہلی بار غائب ہونے کے بعد ناگ پرندہ بن کر افریقہ
کے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا تھا وہ بھی عنبر اور ماریا کی تلاش
میں تھا سپین سے اُڑتے ہوئے ناگ افریقہ کے جنوبی ساحل پر جا کر
ایک جگہ زمین پر اُتر آیا۔ یہاں آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی وہ
جنگل میں داخل ہونے کی بجائے اس کے کنارے کنارے اُگے ہوئے
درختوں میں آگے چل پڑا وہ سارا دن سفر کرتا رہا شام کے وقت اسے
ایک شہر کی فصیل دکھائی دی اس نے کھیتوں میں کسانوں کو سبزیاں
گدھوں پر لادے شہر کی طرف جاتے دیکھا یہ کوئی اچھا خاصا شہر
تھا اس شہر کے دروازے پر ایک ہاتھی کا بُت بنا ہوا تھا مکانوں
اور دکانوں میں چراغ روشن تھے۔
ناگ شہر کے اندر جا کر بازاروں میں گھومنے لگا۔ یہ افریقہ کا ایک
شہر تھا اس کے بازار اور گلیاں گنجان تھیں اور مکان قلعوں کی طرح
کے تھے کوئی کوئی مکان حویلی کی طرح تھا اور اس کے دروازے

پر مشعل جل رہی تھی اور پہرے دار حبشی بھی پہرا دے رہا تھا
ناگ نے سارے شہر میں گھوم پھر کر عنبر اور ماریا کی خوشبو پانے
کی کوشش کی مگر ان کی خوشبو اُسے کہیں پر بھی محسوس نہ ہوئی
اسی طرح شہر میں گھومتے پھرتے اسے رات ہو گئی وہ ایک چھوٹی
سی دکان کے باہر تخت پر بیٹھ گیا وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے کھانا
کھا رہے تھے ناگ نے بھی تھوڑا سا کھانا منگوا لیا اور لوگوں سے
باتیں کرنے لگا وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون سا شہر ہے اور
یہاں کس بادشاہ کی حکومت ہے۔
ایک آدمی نے ناگ کو بتایا کہ اس شہر کا نام گوگاش ہے
اور اس شہر میں ایک سردار کی حکومت ہے ان لوگوں کی باتوں
سے ناگ کو اندازہ ہو گیا کہ سردار کوئی ظالم شخص ہے لیکن اس نے
کوئی خیال نہ کیا کیونکہ اسے سردار سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی وہ تو
عنبر ماریا اور کیٹی کی تلاش میں تھا۔
رات کافی گزر چکی تھی ناگ ابھی تک شہر کے گلی کوچوں
میں آوارہ گردی کر رہا تھا اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کسی سرائے
میں جا کر باقی رات گزارنی چاہیئے کیونکہ آدھی رات کو اسطرح
شہر میں گھومنا پھرنا شریف آدمیوں کا کام نہیں ہوتا۔
ناگ نے بازاروں میں دو ایک مندر بھی دیکھے جہاں ان لوگوں
کے دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی تھیں اور لوگ ان کی پوجا کر رہے تھے

ناگ کسی سرائے کی تلاش میں تنگ و تاریک گلی میں سے گزر رہا تھا
کہ اسے اندھیرے میں ایک مکان کی چوتھی منزل سے رسی کے ساتھ
بندھا ہوا ایک ٹوکرا جو زنبیل کی شکل کا تھا آہستہ آہستہ نیچے آتا
دکھائی دیا۔

ناگ اندھیرے میں ہو کر کھڑا ہو گیا اور اس ٹوکرے کو نیچے
آتے دیکھنے لگا اس ٹوکرے کی رسی کو کسی نے اوپر سے پکڑ رکھا تھا
اور وہ اسے آہستہ آہستہ نیچے کھسکا رہا تھا ناگ نے دیکھا کہ
جونہی ٹوکرا اندھیری گلی کے فرش کے ساتھ لگا مکان کی ڈیوڑھی
سے ایک سایہ لپک کر اس کی طرف آیا اس نے ٹوکرے کے ساتھ
بندھی ہوئی رسی کو کھول دیا اوپر والے نے رسی اوپر کھینچ لی پھر
یہ آدمی مکان کی ڈیوڑھی میں سے ایک گھوڑے کو نکال کر لایا اور
ٹوکرا بڑی مشکل سے اٹھا کر اس نے گھوڑے کے اوپر رکھا اور
گھوڑے کو لے کر گلی سے باہر نکل آیا۔

ناگ کو یہ ساری بات بڑی پراسرار اور کچھ خطرناک لگی اس
نے اس پراسرار آدمی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

شہر کے باہر گہرا اندھیرا چھایا تھا پراسرار آدمی باہر نکلتے ہی
گھوڑے پر سوار ہو گیا اور جنگل کی طرف گھوڑے کو ڈال دیا جنگل
وہاں سے کافی دور تھا اور گھوڑا کافی تیز دوڑ رہا تھا۔ ناگ انسانی
شکل میں اسکا پیچھا نہیں کر سکتا تھا وہ ایک بار پھر باز بن گیا اور فضا میں
غوطہ لگا کر اڑا اور گھوڑ سوار کے اوپر اندھیری رات میں اڑنے لگا۔

پراسرار گھوڑ سوار جنگل میں ایک پتلی پگ ڈنڈی پر چلنے لگا
جو اونچے اونچے درختوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہی تھی
ناگ بھی اس کے اوپر اس کے ساتھ ساتھ اڑ رہا تھا لیکن درخت
اس کی پرواز کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے تھے لیکن وہ انسان
کی شکل میں نیچے نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طریقے سے
اس کے راز کے کھل جانے کا خطرہ تھا۔ ناگ تو چھپ کر یہ معلوم
کرنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی کون ہے اور آدھی رات کو ٹوکرے
میں کیا شے لے کر شہر سے نکلا تھا۔

گھوڑ سوار ٹوکرے کو لیے جنگل میں داخل ہو گیا۔ ناگ ایک
پرندے کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ اڑتا جا رہا تھا جنگل
میں ایک بہت۔ بڑے گھنے درخت کے پاس جا کر وہ آدمی گھوڑے
سے نیچے اتر آیا اس نے ٹوکرا ابھی اتار کر ایک طرف رکھ دیا
پھر اس نے گھوڑے کے جھولے میں سے پھاوڑا نکالا اور زمین
کھودنے لگا ناگ درخت کی شاخ پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا
ناگ کو ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ ٹوکرے میں کیا ہے کیونکہ اس
کے اوپر کپڑا پڑا تھا ناگ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص
زمین میں گڑھا کھود کر اس ٹوکرے کو اس میں دفن کرنے والا ہے
جب گڑھا کھد گیا تو اس آدمی نے ٹوکرے کو اسی طرح اٹھا کر
گڑھے میں رکھا اور اوپر سے مٹی ڈالنی شروع کر دی جب گڑھا مٹی
سے بھر گیا تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی ناگ شاخ پر سے نیچے اتر آیا اس نے اسی وقت انسان کی شکل اختیار کی اور گڑھے کی مٹی جلدی جلدی کھود کر ٹوکرے کو باہر نکال لیا جونہی اس نے اس کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس ٹوکرے میں ایک دس گیارہ برس کی ایک لڑکی بے ہوش پڑی تھی اس کا سانس بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

ناگ نے فوراً لڑکی کو ٹوکرے میں سے نکال کر زمین پر لٹا دیا اور اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے تلوؤں کو ملنے لگا تھوڑی دیر میں لڑکی کو ہوش آگیا اور وہ چیخ مار کر بولی۔

مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو!"

بڑی مشکل سے ناگ نے اس لڑکی کو تسلی دی اور سمجھایا کہ وہ اسے کچھ نہیں کہے گا لڑکی کی آنکھوں سے خوف و دہشت ٹپک رہی تھی اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہیں میری ماں نے مجھے زمین میں دفن کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ خدا کے لیے مجھے زمین میں دفن نہ کرو۔"

ناگ نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی اسے پیار سے پچکارا اور کہا۔ "بیٹی میں نے تو تمہیں زمین کے اندر سے نکالا ہے ایک آدمی تمہیں زمین میں زندہ دفن کر کے چلا گیا تھا لڑکی نے اب چاروں طرف دیکھا پھر گڑھے کو دیکھا پھر ناگ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کیا وہ چلا گیا"

"وہ کون تھا" ناگ نے پوچھا۔

لڑکی نے کہا۔ "وہ ہمارا غلام تھا"

لیکن وہ تمہیں کیوں زندہ دفن کر گیا تھا"

لڑکی نے کہا۔ "میری ماں — میری سوتیلی ماں نے اسے کہا تھا میری سوتیلی ماں مجھ پر بڑے ظلم کرتی ہے اس نے مجھے مارا بھی تھا پھر اس نے غلام سے کہا کہ اس کو جنگل میں لے جا کر زندہ گاڑ دو میں رونے لگی میری سوتیلی ماں نے مجھے پھر مارا اور زبردستی شربت پلایا جس سے میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔ مگر تم کون ہو!

ناگ نے کہا "میں تمہارا بھائی ہوں میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ کسی چیز کو زمین میں دفن کر کے جا رہا تھا تمہارا نام کیا ہے۔

لڑکی نے کہا۔ میرا نام شیلی ہے"

"مگر شیلی۔ تمہاری سوتیلی ماں تمہیں کیوں زندہ دفن کرنا چاہتی ہے"

شیلی کہنے لگی۔ میرا باپ مر چکا ہے وہ بہت امیر آدمی تھا اس کی لاکھوں کی جائیداد ہے۔ میری سوتیلی ماں

کی بھی ایک لڑکی ہے وہ مجھے مار کر میری جائیداد کے
حصے پر بھی قبضہ کرنا چاہتی ہے۔
ناگ نے کہا۔ "یہ تو اچھی بات نہیں ہے اچھا یہ بتاؤ
تم واپس اپنے گھر جانا چاہتی ہو شیلی؟"
"نہیں نہیں۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی میری سوتیلی ماں
مجھے مار ڈالے گی۔"
ناگ بولا۔ "شیلی! کیا تمہاری اپنی ماں مر چکی ہے؟"
شیلی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے کہا۔
نہیں۔ میری ماں مری نہیں۔ وہ زندہ ہے!
"زندہ ہے؟" ناگ نے پوچھا۔ "مگر وہ کہاں ہے؟"
شیلی نے کہا۔ میری اصلی ماں کو میری سوتیلی ماں
نے حویلی کی ایک کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے۔ وہ
اُسے کھانے کو نہیں دیتی میری ماں مر جائے گی۔"
اور شیلی رونے لگی ناگ نے اسے پیار کیا اور حوصلہ دیتے
ہوئے کہا۔
فکر نہ کرو شیلی! میں تمہاری ماں کے پاس جاؤں گا اُسے
کھانا کھلاؤں گا اور اُسے تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔
پھر تم خوش ہو جاؤ گی۔
شیلی نے مسکرا کر کہا۔

ہاں۔ تم میری ماں کو لے آؤ۔ میرے پاس لے آؤ۔ میری
سوتیلی ماں اُسے مار ڈالے گی۔ وہ اسکی دشمن ہے۔
ناگ نے لڑکی کو ساتھ لیا اور جنگل میں اس گڑھے سے
دور لے گیا پھر اُس نے ایک پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ
چھوٹا سا غار دیکھا جو پہاڑی کے اندر بنا ہوا تھا ناگ نے
شیلی کو اس غار میں جا کر ایک طرف بٹھا دیا اور کہا۔
میں تمہارے لیے کچھ پھل جنگل سے توڑ کر لاتا ہوں
تم اسی جگہ رہنا"
ناگ رات کے اندھیرے میں کچھ جنگلی پھل توڑ کر لایا اس نے
پھل معصوم لڑکی کو کھلائے اور اسے اپنے قریب ہی آرام سے
سُلا دیا صبح ہوئی تو ناگ نے لڑکی سے کہا۔
"بیٹی شیلی! تم اسی غار میں رہنا یہاں پھل میں نے
رکھ دیئے ہیں اور پہاڑی کے پیچھے پانی کا ایک چشمہ
بھی ہے تم یہاں سے اور کسی طرف مت جانا میں
تمہاری امی کو لینے جا رہا ہوں۔"
شیلی بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔
"آپ میری ماں کو ضرور ساتھ لائیں میں کہیں نہیں
جاؤں گی۔ اسی جگہ رہوں گی۔
ناگ وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگل سے نکلتے ہی

اس نے ایک پرندے کا روپ بدلا اور اڑتا ہوا شہر کے اندر شیلی
کی حویلی کے اوپر جا کر بیٹھ گیا یہی وہ مکان تھا جہاں سے
آدھی رات کو ٹوکرا نیچے لٹکایا گیا تھا اور جس کی ایک خفیہ
کوٹھڑی میں شیلی کی ماں کو قید میں رکھ کر اسے بھوکا پیاسا
مارا جا رہا تھا ناگ نے دیکھا کہ چھت پر سے ایک سیڑھی نیچے مکان
میں جا رہی تھی ناگ نے روپ بدلا اور ایک سبز رنگ کا باریک
سانپ بن گیا اور سیڑھیوں کی دیوار کے ساتھ لگا رینگتا حویلی
کی چوتھی منزل پر آگیا یہاں کوئی نہیں تھا وہ تیسری اور پھر
دوسری منزل میں آیا تو اسے ایک کمرے میں ایک مرد اور ایک عورت
کے بولنے کی آوازیں سنائی دی عورت کہہ رہی تھی۔

تم نے اچھی طرح اس بدبخت کو زمین میں دفن کیا تھا۔

مرد نے کہا۔ ہاں بیگم صاحبہ۔ اب تک تو وہ مر چکی ہوگی۔"

ناگ سمجھ گیا کہ یہ عورت شیلی کی سوتیلی ماں ہے اور مرد اس
کا غلام ہے جس نے رات کو شیلی کو زمین کے اندر دفن کیا تھا۔

سوتیلی ماں نے کہا۔ "اب شیلی کی ماں کی موت کا انتظار رہے

غلام بولا۔ بیگم صاحبہ! یہ بوڑھیا بڑی سخت جان ہے
دو تین روز سے بھوکی پیاسی ہے مگر ابھی تک زندہ ہے
میں تو کہتا ہوں کہ اسے بھی جنگل میں لے جا کر زندہ گاڑ
دیتا ہوں۔"

سوتیلی ماں نے کہا

"نہیں اس طرح سے لوگوں کو شک پڑ جائے گا اسے
اپنی موت مرنے دو۔ ہم کچھ دن اور دیکھ لیتے ہیں اس
کے بعد یہ ساری جائیداد کی مالک میں اور میری بچی
ہوگی۔

غلام بولا "بیگم صاحبہ میرا انعام مت بھول جائیے گا"

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارا انعام تمہیں ضرور ملے گا۔
جاؤ جا کر دیکھو وہ بوڑھیا ابھی مری ہے کہ نہیں"

"بہت اچھا بیگم صاحبہ"

غلام باہر نکلا ناگ تیزی سے ایک لکڑی کی چوکی کے پیچھے ہو
گیا تھا اس نے غلام کو پہچان لیا۔ یہی وہ آدمی تھا جو رات کو
معصوم شیلی کو جنگل میں دفن کر کے آگیا تھا ناگ کو سخت غصہ
آیا اس پر۔ اس کا جی چاہا کہ ابھی اسے کھڑے کھڑے
ڈس کر ہلاک کر ڈالے مگر وہ خاموش رہا غلام ایک اندھیری
کوٹھڑی میں گھوم گیا تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور سوتیلی ماں
سے کہا کہ ابھی بڑھیا زندہ ہے سوتیلی ماں کی آواز سنائی دی
اگر کل تک یہ عورت نہ مری تو ہم اسکا گلا گھونٹ کر اسے مار دیں گے:
بالکل درست فیصلہ کیا آپ نے بیگم صاحبہ میں خود اس کا
گلا گھونٹوں گا۔

ناگ یہ سب کچھ چھت کے ایک طرف لگا دیکھ اور سن رہا تھا
جب غلام اور سوتیلی ماں نچلی منزل پر چلے گئے تو ناگ رینگتا ہوا
اس کوٹھڑی کی طرف گیا جس کے اندر شیلی کی سگی ماں کو قید میں
ڈال رکھا گیا تھا اس کے دروازے پر تالا پڑا تھا ناگ ایک سوراخ
میں سے اندر چلا گیا اندر کوٹھڑی میں ایک کمزور سی عورت زمین
پر لیٹی تھی ایک دیا اس کے سرہانے جل رہا تھا ناگ فوراً انسانی
شکل میں آگیا شیلی کی سوتیلی ماں نے آنکھیں کھول کر ناگ کو دیکھا
اور آہستہ سے کہا۔

"تم مجھے ایک ہی بار کیوں نہیں مار دیتے مگر خدا کے
لیے مجھے میری بیٹی شیلی سے ایک بار ملا دو۔ میں مرنے
سے پہلے ایک بار اپنی بیٹی کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں
ناگ نے کہا "بہن۔ میں تمہاری سوتن کا غلام نہیں ہوں
میں تمہیں تمہاری بیٹی شیلی کے پاس لے جانے کیلئے آیا ہوں
وہ عورت اٹھ کر بیٹھ گئی اگرچہ وہ دو دن کے فاقے سے
بہت کمزور ہو رہی تھی مگر بیٹی سے ملنے کی خوشی میں اس کے
اندر ایک نئی طاقت آگئی تھی۔
کہاں ہے میری بیٹی! اس ڈائن نے میری بیٹی کو زندہ
کیسے چھوڑا؟"
ناگ نے کہا۔

اس ڈائن نے تمہاری بیٹی کو زمین میں زندہ دفن کرا
دیا تھا مگر میں نے اسے بچا لیا اور اب وہ جنگل میں
ایک محفوظ جگہ پر تمہارا انتظار کر رہی ہے لیکن
پہلے میں تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کو لاتا ہوں
کیونکہ تم بہت کمزور ہو گئی ہو بہن!
ناگ کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آکر اندھیرے میں ایک
بار پھر سانپ بن گیا اور باہر نکل آیا شیلی کی سوتیلی ماں اندھیرے
میں اسے سانپ بنتے نہ دیکھ سکی تھی ناگ نے باہر کمرے میں
جا کر ایک تھالی میں چاول اور پانی کا گلاس لیا اور کوٹھڑی
کے دروازے کا تالا آہستہ سے مروڑ کر کھولا اور اندر آگیا۔
اس نے شیلی کی ماں کو چاول کھلائے پانی پلایا اور بولا۔
میں آدھی رات کو آؤں گا۔ تم تیار رہنا بہن"
یہ کہہ کر ناگ خالی برتن لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔
اس نے کوٹھڑی کے دروازے کو بند کر کے پھر سے تالا لگا دیا
اور ایک بار پھر سانپ کی شکل اختیار کر کے کمرے کی دیوار میں
ایک جگہ لکڑی کی الماری کے پیچھے چلا گیا وہ رات کا اندھیرا
چھا جانے تک اسی جگہ بیٹھا رہا جب رات ہو گئی تو شیلی کی
سوتیلی ماں اور غلام اوپر آئے وہ کچھ دیر شیلی کی ماں کے
بارے میں باتیں کرتے رہے۔
"بیگم صاحبہ! صبح تک یہ عورت مر چکی ہو گی آپ بالکل فکر نہ کریں۔

وہ دوسرے کمرے میں چلے گئے جب رات آدھی گزر گئی تو
دیوار پر سے رینگتا ہوا نیچے اترا اچانک کمرے کا دروازہ
اور شیلی کی سوتیلی ماں کو ناگ نے دیکھا کہ ہاتھ میں رسّی کا ٹکڑا
کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہی ہے اس نے تالے کو ہاتھ لگایا تو
کھل گیا وہ حیران ہوئی کہ تالا اتنی آسانی سے کیسے کھل گیا لیکن
دل میں شیلی کی سگی ماں کو ہلاک کرنے کا ارادہ لے کر آئی تھی
جلدی سے کوٹھڑی میں داخل ہو گئی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی کو
میں آگیا اندر دیا جل رہا تھا شیلی کی ماں خاموش لیٹی تھی کھانا
اور پانی پینے کی وجہ سے اس میں توانائی واپس آچکی تھی سوتیلی ماں
اندر آتے ہی اس پر جھپٹی اور اس کے گلے میں رسی ڈال کر اسے
گھونٹنے لگی شیلی کی ماں بیچاری دبلی پتلی تھی بے بس ہو کر چیخنے لگی
ناگ نے ایکدم انسان کا روپ بدلا اور سوتیلی ماں کو پکڑ کر پیچھے
گرا دیا وہ ایک اجنبی مرد کو دیکھ کر حیران ہو گئی ناگ نے فوراً اس
کی مشکیں کس دیں اس نے چیخ مار کر غلام کو بلایا غلام بھاگ کر اندر
آگیا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی ناگ نے فوراً سانپ کی شکل بدلی
اور لپک کر غلام کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ غلام بھی چیخ مار کر پیچھے ہٹا
اور زہر نے اس کا کام تمام کر دیا۔
ایک جیتے جاگتے انسان کو سانپ بنتے دیکھ کر دونوں عورتیں
دنگ سی ہو کر رہ گئیں ناگ فوراً انسان کی شکل میں آگیا اور شیلی کی
سوتیلی ماں کی طرف دیکھ کر بولا

حویلی میں تمہارے ساتھ رہے گی۔
شیلی کی ماں نے کہا۔
نہیں دیوتا بھائی! اب میں بھی اس حویلی میں نہیں رہنا چاہتی!
ناگ نے پوچھا۔ پھر تم کہاں جاؤ گی۔
شیلی کی ماں نے کہا۔
یہاں سے جنوب کی طرف ایک رات اور ایک دن کے سفر
کے فاصلے پر میرے بھائی کے انگوروں کے باغ ہیں میں اپنی
بچی کو لے کر اس کے پاس چلی جاؤں گی اور اس حویلی کو بعد میں
فروخت کر دوں گی۔
جیسے تمہاری مرضی بہن۔ تم ضروری سامان باندھ کر میرے ساتھ
روانہ ہو جاؤ کیونکہ شیلی جنگل میں اکیلی ہے۔
شیلی کی ماں نے کہا۔
مجھے اپنی بیٹی کے پاس جلدی لے چلو خدا کا شکر ہے کہ وہ اس
چڑیل کے ہتھکنڈوں سے بچ گئی۔
اس نے جلدی جلدی اپنا قیمتی سامان ایک گٹھڑی باندھا اور
کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکل کر جنگل کی
روانہ ہو گئی۔
جنگل میں وہ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ گئی اور
ماں بیٹی روتی رہیں۔ جب ان کے دل کا غبار ہلکا ہو گیا تو ناگ

نے کہا۔

"اب میرا خیال ہے تم آرام کرو۔ صبح سفر روانہ ہوں گے۔"

باقی رات انہوں نے آرام کیا۔ صبح اُٹھ کر چشمے پر منہ ہاتھ دھویا تازہ پھل کھائے اور جنوب کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد شیلی کے ماموں کا انگور کا باغ آگیا ناگ نے ان دونوں کو وہاں چھوڑا اور خود اکیلا گھوڑے پر سوار ہو کر جنوب مغرب کی طرف ایک کچی سڑک پر چل پڑا۔ اسے عنبر اور ماریا نہیں ملے تھے اس لئے ناگ نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی بحری جہاز پر سوار ہو کر ایک بار پھر ملک سپین کی طرف روانہ ہو جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسی ملک میں عنبر اور ماریا سے اس کی ملاقات ہو جائے۔

دو دن کے سفر کے بعد ناگ سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچ گیا اُسے معلوم ہوا کہ وہاں سے مہینے میں ایک بار بادبانی جہاز ملک عرب اور سپین کی طرف جاتا ہے ابھی جہاز کے روانہ ہونے میں دس روز باقی تھے ناگ وہیں ایک کارواں سرائے میں رُک گیا اتفاق کی بات تھی کہ اس کے پاس اُس زمانے کی کرنسی یعنی دینار ختم ہو گئے تھے اور پیسوں کے بغیر وہ سفر نہیں کر سکتا تھا اس نے سوچا کہ شہر کے باہر کسی ویران جگہ پر جا کر یہاں کے کسی سانپ کو طلب کرے اور اس سے مالی امداد حاصل کرے۔

گھوڑے کو کارواں سرائے میں ہی چھوڑ کر ناگ شہر سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک سنگلاخ میدان میں آگیا جہاں دھوپ خوب تیز چمک رہی تھی اور کہیں جگہ کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا ایک جگہ زمین میں ایک کافی بڑا گڑھا بن گیا تھا ناگ نے دیکھا کہ گڑھے میں ایک چار دیواری کھڑی ہے جس کی اینٹیں کئی جگہوں سے اکھڑی ہوئی ہیں ناگ نے سمجھا کہ یہ ضرور کوئی پرانا کھنڈر ہے اور خزانے عام طور پر ایسی ہی جگہوں پر ہوا کرتے ہیں چنانچہ وہ اس چار دیواری میں آگیا اس کے اوپر چھت نہیں تھی۔ ناگ ایک جگہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور منتر پڑھ کر اس نے علاقے کے کسی بھی سانپ کو اپنی زبان میں آواز دی۔ بدقسمتی سے اسوقت اس علاقے میں ایک بھی سانپ نہیں تھا مگر وہاں سے تھوڑی دور ایک جگہ گھنے درخت کے نیچے ایک بہت عیار اور مکار سپیرا آرام کر رہا تھا اس سپیرے کا نام باہبی تھا باہبی سپیرے نے بیس برس تک افریقہ کے سب سے بڑے جادوگر سپیرے کی خدمت کی تھی اور اس کے استاد سپیرے نے مرتے وقت اسے اپنی بین دے کر کہا۔

"باہبی! میں یہ اپنی بین تمہیں دیئے جا رہا ہوں تم نے میری بڑی خدمت کی ہے تم جب اس بین کو بجاؤ گے تو اگر سانپوں کا بادشاہ ناگ دیوتا بھی ہوا تو اس کی آواز پر کھنچتا چلا آئے گا

اور اگر تم نے اسے اس بین کے اندر بند کر لیا تو وہ تمہارا
غلام ہو جائے گا اور تم جو کہو گے وہ تمہاری خواہش پوری
کرے گا مگر یاد رکھنا اس سے ایسی خواہش کرنا کہ جس سے
انسانوں کی بھلائی ہو۔

یہ بین اس عیار سپیرے بابمی کے پاس ہی تھی اور وہ اس
وقت سے سانپوں کے بادشاہ ناگ دیوتا کی تلاش میں تھا کیونکہ صرف
ناگ دیوتا کو ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دفن شدہ خفیہ خزانے
کا پتہ تھا۔ عیار سپیرا بابمی اپنے سانپوں کا جھولا سامنے رکھے درخت
کے نیچے خاموش بیٹھا تھا کہ ایکدم سے اس کے کان کھڑے ہو گئے
یہ سپیرا سانپ کی بولی سمجھ لیتا تھا اس کے کان میں ایک آواز پڑی

"میں ناگ دیوتا بول رہا ہوں اگر یہاں کوئی سانپ زمین کے
اندر ہے تو میری خدمت میں حاضر ہو۔

سپیرا بابمی ایک دم اچھل پڑا جس ناگ دیوتا کی اسے برسوں
کی تلاش تھی وہ خود چل کر اس کے پاس آ گیا تھا اس کے
جھولے میں پڑی ہوئی ٹوکری میں بند سانپ ناگ دیوتا کی
آواز سن کر بے چین ہو گئے اور باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے
سپیرے کو معلوم تھا کہ یہ سانپ باہر نکل کر ناگ دیوتا کی طرف
چل پڑیں گے اس نے ٹوکری کا منہ رسی سے لپیٹ کر بند کر دیا
اور خود بین اٹھا کر بجانی شروع کر دی اور جدھر سے ناگ
دیوتا کی آواز آئی تھی ادھر چل پڑا۔

جونہی بین کی آواز ناگ کے کانوں تک پہنچی اس پر ایک عجیب
سی کیفیت طاری ہو گئی چونکہ وہ اصل میں ایک سانپ تھا اس لیے
اس پر کسی نہ کسی بہت بڑے سپیرے جادوگر کے جادو کا اثر
ہو سکتا تھا ناگ کا جسم بین کی آواز پر زمین کی طرف جھکتا چلا گیا
اس نے بہت روکنے کی کوشش کی مگر بین کی آواز کے جادو
کا اثر بہت شدید تھا ناگ زمین پر لیٹتے ہی اپنی مرضی کے خلاف
سانپ بن گیا اور پھر بے خود ہو کر اپنے آپ بین کی آواز کی طرف
رینگنے لگا۔

حضرت سلیمان کا خفیہ خزانہ

سپیرا اب بھی بین بجاتا چلا آ رہا تھا۔
اس نے دیکھا کہ کلر زمین پر جھاڑیوں میں ایک سفید تاج والا
سانپ اس کی طرف رینگتا چلا آ رہا تھا اس کا پھن کھڑا ہے اور وہ بین
کی آواز پر جھوم رہا ہے۔ عیار سپیرے کی آنکھیں کھل گئیں اس نے
فوراً پہچان لیا یہی سانپوں کا بادشاہ ناگ دیوتا تھا سپیرا بین بجاتے ہوئے
ناگ کو اپنے پیچھے پیچھے لگائے اسے درخت کے نیچے لے گیا اور بین
بجاتا رہا۔ ناگ کو اپنا کچھ ہوش نہیں رہا تھا جوں جوں بین بج رہی تھی
ناگ کے سارے جسم پر سپیرے جادوگر کے جادو کا اثر گہرا ہوتا چلا جا
رہا تھا عیار سپیرا ایک گھنٹے تک بین بجاتا رہا کیونکہ ناگ دیوتا کو
پوری طرح اپنے استاد سپیرے کی بین کے جادو ہی جکڑنے کے لیے
اتنی دیر بین بجانا ضروری تھا۔
ناگ ناچتے ناچتے جھومتے جھومتے تھک کر چور ہو گیا تو عیار سپیرے
نے اچانک بین بجانی بند کر دی اور اسے ناگ دیوتا کے آگے پھینک
کر اپنے استاد جادوگر سپیرے کی زبان میں کہا۔

"اے ناگ دیوتا! اب تم میرے غلام ہو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس بین کے
اندر چلے جاؤ۔"
ناگ کا ذہن پوری طرح اس عیار سپیرے کے جادو میں آ چکا تھا۔
اسے اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا اس نے فوراً سپیرے کا حکم مانا اور تھکے
ہارے طلسم زدہ جسم کے ساتھ رینگتا ہوا بین کی سوراخ میں سے داخل
ہو کر اس کے پیٹ میں چلا گیا سپیرے کا سانس پھولا ہوا تھا مگر خوشی
سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اس نے بین کے منہ پر کپڑا ٹھونس
کر اسے بند کر دیا اور خوشی سے اچھل پڑا اور آسمان کی طرف منہ
کر کے بولا "میرے استاد کی روح میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں میں
نے ناگ دیوتا کو اپنی بین میں قید کر لیا ہے۔"
ناگ عیار سپیرے کی بین کے اندر سانپ کی شکل میں قید تھا اور
اس کا دماغ ایک ایسے سانپ کا دماغ بن چکا تھا جو اپنے اوپر عمل
کرنے والے اور جادو کرنے والے کا پابند تھا اسے اب نہ عنبر کا خیال
آ رہا تھا اور نہ ماریا کا ڈکیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ اس وقت
صرف سانپ تھا ایک مطیع اور غلام سانپ جو سانپوں کا بادشاہ بھی تھا
اور اپنے آقا کا حکم ماننے پر تیار بھی تھا۔
عیار سپیرے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اس نے ناگ دیوتا کو
بین میں بند کر کے جھولے میں رکھ لیا اور اسے کاندھے پر ڈال کر ایک
طرف روانہ ہوا وہ جب ایک دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے بین کو جھولے
میں سے نکالا اور اپنے گرد ایک دائرہ باندھ کر بیٹھ گیا اس نے اپنے

استاد کے بتائے ہوئے منتر کو پڑھا اور پڑھ پڑھ کر بین پر پھونک مارتا
رہا ایک سو ایک بار منتر پڑھنے اور بین پر پھونکیں مارنے کے بعد پیبرے
باہمی نے سانپ کی آواز میں بین کے اندر ناگ دیوتا سے کلام کیا۔

"اے ناگ دیوتا! مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خفیہ خزانے
کی تلاش ہے کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ ان کا خزانہ کس مقام پر زمین
کے اندر دفن ہے"

ناگ نے عیار پیبرے کی خواہش کو غور سے سنا اور کہا۔

"اے میرے آقا پیبرے! حضرت سلیمانؑ کا خزانہ زمین کے اندر دفن نہیں ہے"
پیبرے نے پوچھا۔ تو پھر اتنا بڑا خزانہ کس جگہ پر ہے"
ناگ نے کہا۔ "وہ خزانہ یہاں سے پچاس کوس کے فاصلے پر سیبے
رامس کی پہاڑی غاروں میں سے ایک غار کے دوسرے طبق میں ایک
دیوار کے اندر دفن ہے"

پیبرے نے کہا۔ کیا تو مجھے بتائے گا کہ اس غار کی نشانی کیا ہے
ناگ بولا۔ اس غار کے دروازے پر تانبے کی تختی پر لکھا ہوا
ایک طلسم لٹک رہا ہے جو سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد پتھر
ہو گیا ہے"

پیبرا بولا کیا اس خزانے پر کسی اژدہا کا پہرہ ہے
ناگ نے کہا۔ ہاں میرے آقا پیبرے! اس اژدہا کی سات زبانیں
ہیں۔ مگر وہ میرا غلام ہے"

پیبرے باہمی نے خوشی سے چہک کر کہا۔
"بس یہی میں چاہتا تھا کیونکہ اس خزانے کے اژدہا کو غلام بنانے
کا میرے پاس کوئی منتر نہیں ہے"

پیبرے باہمی نے بین کو جھولے کے اندر ڈالا اور دریا کو ایک
کشتی پر پار کر کے سیبے رامس کی پراسرار پہاڑیوں کی طرف اپنا خطرناک سفر
شروع کر دیا۔ یہ پیبرا لالچی تھا اور محض دولت کی خاطر ناگ دیوتا کو
استعمال کر رہا تھا جس کے لیے اس کے استاد پیبرے نے اسے منع کیا
تھا لیکن پیبرے باہمی کی آنکھوں پر لالچ اور دولت کی ہوس نے پٹی باندھ
رکھی تھی اسے صرف دولت اور حضرت سلیمان کا خزانہ حاصل کرنے کی خواہش
تھی تاکہ وہ کروڑپتی بن جائے اور شاندار محل بنا کر غلاموں اور کنیزوں
کے جھرمٹ میں شاندار زندگی بسر کرے اسے اتنا بھی خیال نہیں رہا تھا
کہ حضرت سلیمانؑ کا خزانہ ان کی امانت ہے اور اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا
سکا آج تک کتنے لوگ اسے تلاش کرنے کے لیے نکلے واپس نہیں آئے
کئی لوگوں کی لاشیں پہاڑی غاروں میں پائی گئیں اور کئی لاشیں آج
تک نہیں مل سکیں۔ لیکن پیبرے باہمی کے سر پر حرص و ہوس اور طمع
کا بھوت سوار تھا جو ان کو ایک نہ ایک دن مزدور ذلیل و خوار کرتا
ہے وہ دولت کی ہوس میں اندھا ہو کر خزانہ حاصل کرنے کے لیے
پہاڑیوں کی طرف بڑھا جا رہا تھا سیبے رامس کی پہاڑیاں وہاں سے زیادہ
دور نہیں تھیں یہی وہ علاقہ تھا جہاں کسی زمانے میں حضرت سلیمانؑ

کا ایک شاندار محل بنا ہوا تھا مگر آج اس کا صرف کھنڈر رہ گیا تھا
چار دن کے سفر کے بعد سپیرا بامبی سیدھے راماس کی پہاڑیوں میں پہنچ
گیا یہ چھوٹی چھوٹی سیاہ بنجر پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا جو دور تک پھیلتا
چلا گیا تھا ان پہاڑیوں میں درّے بنے ہوئے تھے یعنی وہ راستے جو
دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتے تھے یہ بڑے تنگ راستے تھے
اور کہتے ہیں کہ جب دشمن کی فوجیں ان کے درمیان سے گزرنے لگتی
تھیں تو حضرت سلیمانؑ کی فوج کے جن اوپر سے بڑے بڑے پتھر
گرا کر دشمن کی فوجوں کو کچل کر رکھ دیتے تھے۔

بامبی سپیرے کو پہاڑی غار کا راستہ نہیں مل رہا تھا اس نے
ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ منتر پڑھے اور ناگ سے پوچھا کہ خزانے والے
غار کا دروازہ کس مقام پر ہے ناگ نے کہا۔

"اے میرے آقا سپیرے! خزانے کے غار کا دروازہ جہاں
تم بیٹھے ہو وہاں سے دائیں ہاتھ سو قدم کے فاصلے پر ایک ڈھلان پر سے
گزر کر آئے گا۔"

سپیرے نے جھولا کاندھے پر ڈالا اور دائیں ہاتھ کو چلنے لگا سو قدم
چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک ڈھلانی راستہ غاروں کے اندر جا رہا
ہے وہ بڑا خوش ہوا ناگ جو جو کچھ کہہ رہا تھا سچ ثابت ہو رہا تھا وہ
ڈھلان پر سے گزرتے ہوئے پہاڑیوں کے درمیان ایک تنگ درّے میں
آگیا اب وہ غار کے دروازے کو ڈھونڈ رہا تھا اچانک اس کی نظر ایک
جگہ اُگی ہوئی جھاڑیوں پر پڑ گئی وہ آگے آیا اس نے جھاڑیوں

کو پرے ہٹایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان کے پیچھے ایک غار کا دروازہ ہے
وہ بھاگ کر دروازے میں آ گیا اب اسے سلیمانی طلسم کی تختی کی تلاش تھی
آخر اسے یہ تختی بھی مل گئی۔ یہ تانبے کی ایک چوکور تختی تھی جس پر
گہری سیاہ لکیروں میں نقش بنا ہوا تھا اور چھ کونوں والے ستارے
کی شکل تھی اس تختی کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا یہ کبھی زمانے میں تانبے
کی تختی تھی مگر اب پتھر کی ایک سِل میں لگی لگی بالکل پتھر بن چکی تھی
سپیرا بامبی بڑا خوش ہوا آخر اس کے دل کی امید بر آئی تھی
اور اُسے حضرت سلیمانؑ کے خفیہ خزانے کا غار مل گیا تھا وہ غار میں
داخل ہو گیا ابھی وہ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ اسے سانپ کی سسکار سنائی
دی سپیرے نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا یہ سانپ کہاں سے آ گیا تھا
وہ غور کر رہا تھا کہ اسے اپنے استاد سپیرے کی آواز سنائی دی
جو سانپ کی آواز میں بول رہا تھا۔

"بامبی اب بھی وقت ہے واپس چلے جاؤ۔"

"استاد! یہ تم ہو۔ یہ تمہاری روح ہے۔" اس نے جلدی سے کہا

"ہاں۔ میں تمہارے استاد کی روح ہوں میں نے جب تمہیں ناگ دیوتا
کو قابو میں کرنے کا منتر بتایا تھا اور اپنی بین تمہارے حوالے کی تھی
تو تمہیں سخت تاکید بھی کر دی تھی کہ دنیا کی دولت کے لیے ناگ دیوتا
کو ہرگز استعمال نہ کرنا تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس بات کا خیال رکھوں گا
مگر تم اپنے وعدے سے پھر گئے ہو میں اب بھی تمہیں خبردار کرتا ہوں
کہ اپنی جان سلامت لے کر اس غار سے نکل جاؤ اور حضرت سلیمانؑ

کے خزانے کا خیال دل سے نکال دو نہیں تو تمہارا انجام بڑا ہولناک ہوگا
لیکن سپیرے پر تو دولت کا بھوت سوار تھا وہ اپنے سپیرے استاد
کی روح کی ہدایت کب ماننے والا تھا اس نے کہا۔
استاد! میں اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا ہوں اب واپس نہیں جا
سکتا جس روز تم نے مجھے یہ طلسمی بین دی تھی اسی دن سے میرے
دل میں یہ خواہش جاگ اُٹھی تھی کہ اگر کبھی زندگی میں مجھے ناگ
دیوتا مل گیا تو میں اس سے حضرت سلیمانؑ کا خزانہ ضرور حاصل
کروں گا۔ آج دیوتاؤں نے میری بات سُن لی ہے اور میری
خواہش پوری کرنے والے ہیں بھلا میں کس طرح یہاں سے
واپس جا سکتا ہوں
سپیرے استاد کی روح نے کہا۔
بامبی باز آ جاؤ ۔۔ خطا کھا گئے ہو ناگ دیوتا کو آزاد نہیں کر
سکتا کیونکہ [illegible] روح جسم کو
نہیں مٹا سکتی میں آج تمہیں منتر بتانے پر پچھتا رہا ہوں کاش
یہ منتر تمہیں کبھی نہ بتاتا اور یہ بین تمہیں دینے کی بجائے کسی دریا
میں پھینک دیتا۔ میں اپنی دنیا میں واپس جا رہا ہوں لیکن جاتے جاتے
تمہیں ایک بار پھر ہدایت کرتا ہوں بلکہ حکم دیتا ہوں کہ ناگ دیوتا
کو آزاد کر دے اور سلیمانؑ کے خزانے کا خیال دل سے نکال کر
یہاں سے واپس چلے جاؤ۔

سپیرے بامبی نے کہا "ہرگز نہیں استاد! میں دولت کے دروازے پر
آ کر خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتا میں کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔
اُستاد سپیرے کی روح کی آواز آئی۔
"اے لالچی انسان! تو پھر اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا!
اور سپیرے کی روح کی آواز غائب ہو گئی یہ ساری گفتگو بین
کے اندر بند ناگ نے بھی سنی تھی مگر اسکی سمجھ میں زیادہ نہیں آ رہا تھا
کیونکہ اب اسکا دماغ ایک انسان کا دماغ نہیں تھا بلکہ ایک سانپ کا
دماغ تھا وہ بہت بری طرح منتروں کے طلسم میں پھنس چکا تھا اُسے
یہ بھی خیال نہیں آ رہا تھا کہ عنبر اور ماریا اس کے بھائی بہن ہیں
دوست ہیں اور وہ اُن کی اور کیٹی کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔
سپیرے بامبی نے جب دیکھا کہ اس کے استاد سپیرے کی روح
واپس اپنی دنیا میں چلی گئی ہے تو خوش ہو کر بولا۔
[illegible]
بھلا اب میں خزانے کے پاس پہنچ کر کبھی واپس جا سکتا ہوں۔"
وہ غار میں آگے چل پڑا۔
یہ غار تنگ و تاریک تھا کہیں سے بھی اس کے اندر روشنی نہیں
آ رہی تھی وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا
ایک جگہ اس کے پاؤں کسی شے سے ٹکرائے اس نے جھک کر دیکھا تو
یہ کسی انسان کی لاش کا پنجر پڑا تھا وہ جلدی سے پرے ہٹ کر آگے

نکل گیا اس انسانی ڈھانچے کو دیکھ کر بھی اس کے دل نے عبرت نہ
پکڑی غار ایک طرف گھوم گیا یہاں غار کھلا ہو گیا اور ہلکی ہلکی روشنی
بھی کسی طرف سے آنے لگی تھی زمین پر چھوٹے بڑے پتھروں کے ٹکڑے
بکھرے ہوئے تھے۔ آگے ایک بہت بڑی چٹان سی آگئی جس کے درمیان
میں راستہ بنا ہوا تھا وہ اس میں سے گزرنے لگا تو ڈر کر پیچھے ہٹ
گیا اس کے سامنے ایک اور انسانی پنجر پتھر کے ساتھ لٹک رہا تھا۔
اس کی گردن میں رسی بندھی ہوئی تھی اور سارے جسم پر کالے رنگ کی
خونخوار چیونٹیاں چڑھی ہوئی تھیں اور اس کی کھوپڑی پر مکڑیوں نے
جالا بن رکھا تھا

کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس جگہ سے واپس ہو جاتا مگر سپیرا
دولت کے لالچ میں اندھا ہو چکا تھا اسے اپنی زندگی کا بھی خیال نہیں
رہا تھا جونہی وہ ڈھانچے کے نیچے سے گزرا رسی ٹوٹ گئی اور ڈھانچہ
اس کے اوپر گر پڑا سپیرا چیخ مار کر ایک طرف چھلانگ لگا گیا اس کا
سانس پھول گیا تھا خوف سے رنگ سفید ہو گیا تھا مگر اپنی ہٹ پر
اڑا ہوا تھا اور خزانے کا خیال دل سے نہیں نکال رہا تھا اس نے
دیکھا کہ انسانی پنجر کی ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ جلدی جلدی
قدم اٹھاتا اس چٹان سے آگے نکل گیا یہاں آگے غار بند ہو گیا تھا
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے؛ اس
نے ایک بار پھر زمین پر بیٹھ کر منتر پڑھے اور ناگ دیوتا سے منتر

حاصل کرنے کے لیے اسے سانپ کی زبان میں آواز دی۔
ناگ دیوتا! میں غار کے اندر پہنچ گیا ہوں مگر غار آگے
سے بند ہے مجھے بتا اب کہاں جانا ہو گا خزانہ کس مقام پر ہے
ناگ دیوتا نے بین کے اندر سے جواب دیا۔
میرے آقا سپیرے! تم ٹھیک جگہ پر آ گئے ہو۔ یہاں
سے حضرت سلیمان کا خزانہ دور نہیں تم اس کے قریب
پہنچ چکے ہو سامنے والی دیوار کو غور سے دیکھو۔
اس میں درمیان میں ایک چوکور نشان لگا ہے اس نشان
میں بارہ پتھر لگے ہوئے ہیں ان میں سے درمیان والا پتھر
کھوکھلا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے باہر کھینچو تم خزانے کے
پاس پہنچ جاؤ گے۔
لالچی سپیرے بابی نے اٹھ کر دیوار کو غور سے دیکھا سچ مچ
اس پر ایک چوکور کا نشان بنا ہوا تھا اور اس کے اندر بارہ بڑے
بڑے پتھروں کی اینٹیں بنا کر جکڑ دی گئی تھیں ان کے بالکل درمیان
میں ایک اینٹ کا ذرا سا کونا باہر کو نکلا ہوا تھا سپیرے نے دونوں
ہاتھوں سے اینٹ کے کونے کو پکڑ کر زور لگایا تو پتھر کی اینٹ
اپنی جگہ سے اکھڑ کر باہر آ گئی۔ وہاں ایک سوراخ بن گیا۔ سپیرے نے
اندر جھانک کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اندر ایک
چھوٹا سا غار تھا جو فرش سے لے کر چھت تک ہیرے جواہرات

قیمتی ہاروں۔ سونے کی اشرفیوں اور شاہی تاج اور جڑاؤ کنگنوں
اور لعل و جواہر سے بھرا ہوا تھا۔ لوہے کے بڑے بڑے صندوقوں
میں سے ہیرے جواہرات کے ہار باہر لٹک رہے تھے سارا غار لعلوں
اور ہیرے جواہرات کی روشنی سے چمک رہا تھا۔

سپیرے کے منہ سے خوشی کی ایک چیخ نکل گئی۔ وہ دیوانہ ہو کر
رقص کرنے لگا۔ یہ حضرت سلیمان کا خزانہ تھا وہ خزانہ دولت کا کوئی
حساب نہیں تھا اور جس کی تلاش میں آج تک جو بھی آیا واپس نہ گیا
سپیرے نے دوسرے پتھروں کو بھی اکھاڑ کر وہاں اندر جانے
کا راستہ بنا لیا اور پھر اندر داخل ہو گیا اس نے خزانے کے چمکتے
دمکتے غار میں ہیرے موتیوں پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک غضبناک
پھنکار سے اس کی روح فنا ہو گئی یہ خزانے کے رکھوالے سات
زبانوں والے اژدہا کی پھنکار تھی سپیرے نے فوراً منتر پڑھ
کر پھونک ماری اور ناگ دیوتا سے کہا۔

"اے ناگ دیوتا خزانے کے اژدہا کو اپنے قابو میں کرو۔"

ناگ نے کہا۔ جس بین میں تم نے مجھے بند کیا ہوا ہے اس کا
منہ اژدہا کی طرف کر دو۔

سپیرے نے ایسا ہی کیا جونہی بین کا منہ اژدہا کی طرف ہوا اس کی
باہر نکلی ہوئی زبانیں منہ کے اندر چلی گئیں اور اس کا سر جھک گیا اور وہ
گردن لٹکا کر جس شگاف میں سے باہر نکلا تھا بھیگی بلی کی طرح واپس

بھاگ گیا اب میدان صاف تھا۔

عیار سپیرے نے اپنا جھولا اتارا اور اس کا منہ کھول کر اس کے
اندر ہیرے جواہرات اور سونے کے ہار بھرنے لگا جب سارا جھولا بھر
گیا تو اس نے اُسے کاندھے پر لٹکا لیا۔ وہ اتنا بھاری ہو گیا تھا۔
کہ سپیرے سے چلا نہیں جاتا تھا مگر لالچ
اور دولت کی ہوس اسے چلنے پر مجبور کر رہی تھی وہ جھولے کو کسی
نہ کسی طرح کھینچ کر ٹوٹی ہوئی دیوار کے شگاف کے پاس لے آیا
یہاں سے وہ جھولا دوسری طرف پھینک کر خود بھی باہر آنا چاہتا
تھا اس نے جھولے کو ایک بار پھر اٹھا کر دیوار کے شگاف میں
سے دوسری طرف پھینکنے کی کوشش کی مگر جھولا اس کے ہاتھ
سے گر پڑا اور اس کا منہ کھل گیا اور سارے ہیرے جواہرات لعل
زمرد زمین میں بکھر گئے۔ سپیرے نے سوچا کہ اس جھولے کی
بجائے کیوں نہ جواہرات کے خزانے سے بھرا ہوا ایک صندوق
گھسیٹ کر لے جایا جائے۔

وہ ایک چھوٹے صندوق کے پاس آ گیا یہ صندوق نیلم، کندن
اور سرخ رنگ کے یاقوتوں سے بھرا ہوا تھا اور ستاروں کی طرح
جگمگا رہا تھا سپیرے نے اس کا ڈھکنا بند کر کے اسے اپنی جگہ
سے ہلا کر گھسیٹا تاکہ شگاف میں سے باہر نکال کر لے جائے جونہی صندوق
اپنی جگہ سے ہلا ایک زلزلہ سا آ گیا زمین ہلنے لگی سپیرا زمین پر گر پڑا

چھت میں سے ایک بھاری پتھر گڑگڑاہٹ کے ساتھ ٹوٹ کر زمین
پر گرا اور اس نے غار میں سے باہر جانے کا راستہ بند کر دیا۔ سپیرا
پریشان ہو کر اٹھا مگر پھر گر پڑا کیونکہ زمین ابھی تک ہل رہی تھی پھر
اچانک زمین ہلنی بند ہو گئی اور سپیرا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اس نے
گھبرا کر دیوار کے شگاف کو دیکھا جو اب بند ہو چکا تھا اور اس کے
آگے بھاری پتھر آگیا تھا اس نے منتر پھونک کر گھبرائی ہوئی آواز میں
ناگ دیوتا سے کہا۔

"میرے خزانے کو یہاں سے باہر نکالنے میں مدد کرو
اس دیوار کے شگاف کو کھول دو۔"

ناگ نے کہا "یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے"
سپیرے نے غصے سے کہا "میں تمہیں کچل کر رکھ دوں گا مجھے
خزانے کے ساتھ یہاں سے باہر نکالو۔"
ناگ دیوتا بولا۔ میرے آقا سپیرے! میرا کام آپ کو خزانے
تک لانا تھا۔ سو میں لے آیا ہوں اب خزانہ لے کر واپس
جانا آپ کا کام ہے میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا
سپیرے کو چکر سا آگیا اس نے شگاف کے منہ سے بھاری پتھر ہٹانے
کی کوشش کی مگر یہ پتھر اس قدر بھاری تھا اور اتنا بڑا تھا کہ اگر
بیس آدمی بھی لگ جاتے تو وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا تھا سپیرے
کو اب خزانے کی بجائے اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"ناگ دیوتا! مجھے یہاں سے باہر نکالو"
"میں مجبور ہوں میرے آقا سپیرے!"
اور اس کے ساتھ ہی زمین پر کسی شے کی دھمک پڑنے لگی۔
سپیرے نے چونک کر دیکھا کہ خزانے سے بھرے ہوئے صندوق کے
پیچھے سے ایک بہت بڑا بچھو ایک زہریلی دم اوپر اٹھائے باہر
نکل رہا تھا یہ بچھو سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے اگلے دونوں
بازو درانتی کی طرح چل رہے تھے جیسے شکار کو پکڑنے اور پھر
اسے ڈسنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے سپیرے نے اتنے بڑے
بچھو کو دیکھا تو اس کی جان ہوا ہو گئی وہ اپنا جھولا۔ ناگ دیوتا
والی بین اور ہیرے جواہرات کا صندوق وہیں پھینک کر دیوار کے
بند شگاف کی طرف بھاگا مگر شگاف کے آگے بھاری پتھر پڑا تھا۔
پیچھے بھیانک بچھو اپنے درانتی ایسے لمبے بازو کٹکٹاتا اس کی طرف
بڑھ رہا تھا سپیرے کا رنگ فق ہو گیا موت اسے اپنے سامنے نظر آنے
لگی اس نے چیخ مار کر اپنے استاد سپیرے کی روح کو پکارا کہ میری
مدد کرو مگر اب اس کی مدد کو کوئی نہیں آسکتا تھا اس نے ناگ دیوتا
کو آواز بھی دی مگر ناگ دیوتا بھی اب اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا
کالا بھیانک بچھو لالچی سپیرے کے سر کے اوپر پہنچ گیا۔
سپیرا اس کے آگے ایک خوف زدہ چوہے کی طرح سمٹ گیا۔ بچھو نے
اسے اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا سپیرے نے جان

کوشش کرتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر سے سانپوں کی ایک ٹوکری کھول
دی اس میں سے تین زہریلے سانپ باہر نکل آئے مگر وہ بچھو کی طرف
جانے کی بجائے اس بین کے سامنے آکر سجدے میں گر گئے جس کے
اندر ناگ دیوتا بند تھا کیونکہ ان سانپوں کو ناگ دیوتا کی خوشبو آرہی تھی
سپیرے نے چیخ مار کر اپنے سانپوں کو مدد کے لیے پکارا مگر سانپ
ناگ کے آگے جھکے ہوئے تھے اور اس کی تعظیم کر رہے تھے بچھو
نے اپنی شعلے برساتی آنکھوں سے سپیرے کو دیکھا اور اسے اپنے
دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا اور پھر اپنی پیچھے کو اٹھی ہوئی زہریلی
دم کو اوپر سے آگے لاکر سپیرے کے سر میں ڈنگ مار دیا سپیرے کا
رنگ ڈنگ کھاتے ہی پہلے سبز اور پھر سیاہ پڑ گیا اور اس کے سارے
جسم سے کالا پانی بہنے لگا۔ بچھو نے اپنے درانتی ایسے بازوؤں سے سپیرے
کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور پھر انہیں وہی ہیرے جواہرات
کے ڈھیر میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

بین کے اندر ناگ دیوتا خاموش لیٹا تھا۔ سپیرے کے مرتے
ہی اس کے استاد کا جادو ٹوٹ گیا اور ناگ کو ہوش آگیا اب اسے
احساس ہوا کہ اسے جادو کے زور سے سپیرے نے بین میں بند کر دیا
تھا اس نے اپنے آپ کو بین سے باہر نکالنے کی کوشش کی لیکن
وہ ایسا نہ کر سکا اس کی وجہ یہ تھی کہ بین ایک ماہر جادوگر سپیرے
کی تھی اور اس پر کیا ہوا جادو ابھی ختم نہیں ہوا تھا ناگ چونکہ اپنی

اپنی اصلی حالت میں آچکا تھا اس لیے اس نے باہر والے سانپوں
کو آواز دی کہ وہ بین کے منہ میں پھنسے ہوئے کپڑے کو باہر کھینچیں
تینوں سانپوں نے باری باری زور لگایا مگر وہ ناکام رہے
کیونکہ یہ جادو کی بین تھی اور ان کی طاقت جواب دے جاتی تھی
ناگ نے بین کے اندر سے آواز دے کر انہیں کہا کہ وہ اس غار
سے باہر نکل کر اس کے دروازے پر پہرہ دیں اور اگر اس
کا بھائی اور بہن عنبر اور ماریا کا ادھر سے گزر ہو تو انہیں
غار میں لے آئے

سانپ تعظیم بجا لاکر باہر غار کے منہ پر جاکر بیٹھ گئے وہ
سارا دن اس جگہ بیٹھے پہرہ دیتے رہے لیکن رات کو ادھر
سے ایک اژدہا کا گزر ہوا اژدہا چھوٹے سانپوں کا دشمن
ہوتا ہے اژدہا نے ان سانپوں پر حملہ کر دیا۔ سانپوں نے
اپنا بچاؤ کرنے کی بہت کوشش کی مگر اژدہا کے آگے ان کی
ایک نہ چلی اور اژدہا نے تینوں سانپوں کو ہلاک کر دیا اژدہا
پہاڑی بل میں دور نکل گیا۔

اب وہاں کوئی سانپ نہیں تھا غار کے اندر حضرت سلیمانؑ
کے خزانے کے درمیان سپیرے کی جادو کی بین کے اندر ناگ بند
تھا ناگ نے ایک چیونٹی بن کر بھی بین سے نکلنے کی کوشش کی
مگر کامیاب نہ ہو سکا بین کا منہ جس رومال سے بند کیا گیا تھا

اس میں طلسم تھا اور اس کے قریب جاتے ہی ناگ کو جھٹکا لگتا
تھا اس نے کوئی بڑا جانور بننے کے لیے بھی سانس اندر کھینچا
لیکن وہ اپنے سے بڑا جانور نہ بن سکا۔

دوسری طرف عنبر اور ماریا افریقہ کے جنوبی علاقوں میں
سفر کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ یونہی سفر کرتے کرتے وہ
ایک انگور کے بہت خوبصورت باغ میں پہنچے جہاں ایک لڑکی
انگور کے خوشوں کو توڑ توڑ کر ٹوکرے میں رکھ دی تھی عنبر
گھوڑے پر سوار تھا وہ لڑکی کے پاس چلا گیا اور پوچھا۔

"بیٹی۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"شیلی"

یہ وہی لڑکی تھی جس کو ناگ نے زندہ دفن ہونے کے بعد
زمین سے نکال لیا تھا اور پھر اس کو اس کی ماں کے ساتھ
انگور کے اس باغ میں اپنے ماموں کے پاس پہنچا دیا تھا۔ عنبر
نے کہا۔

"یہ باغ کس کا ہے بیٹی۔"

شیلی نے کہا۔ میرے ماموں کا ہے۔ کیا تم انگور کھاؤ گے؟"
عنبر مسکرایا اور شکریہ ادا کرکے بولا۔ بیٹی اس علاقے کا
نام کیا ہے؟"

شیلی [illegible] معلوم۔ مگر میری امی تمہیں بتا سکے گی

کیا تم میری امی سے ملو گے؟"

"ضرور بیٹی"

شیلی عنبر کو باغ کے ایک جھونپڑے کی طرف لے گئی جہاں
شیلی کی ماں انگوروں کو سکھانے کے لیے دھوپ میں ڈال رہی
تھی عنبر کے ساتھ ساتھ ماریا بھی تھی عنبر نے گھوڑے سے اتر
کر شیلی کی ماں کو سلام کیا اور علاقے کے بارے میں پوچھا۔
تم تھکے ہوئے ہو۔ بیٹھو۔ شیلی تمہارے لیے دودھ
لاتی ہے"

پھر شیلی کی ماں نے عنبر کو بتایا کہ وہ علاقہ کوگوش
شہر سے کئی کوس کے فاصلے پر ہے"

"تمہیں یہاں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ یہ میرے
بھائی کا باغ ہے میں شہر کوگوش میں رہتی تھی
عنبر نے پوچھا۔ پھر آپ وہاں سے گاؤں کیوں آگئیں؟"
شیلی کی ماں نے کہا۔

یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ تم دودھ پیو۔ میں اور کیا
خاطر کر سکتی ہوں تمہاری۔ میرا بھائی انگوروں کے
ٹوکرے لے کر شہر گیا ہوا ہے

عنبر نے کہا۔ تمہارا شکریہ بہن"

شیلی عنبر کے لیے کچھ انگور بھی پلیٹ [illegible]

بلیٹ رکھ کر اس نے اپنی امی کی طرف دیکھا اور شرارت سے کہا۔

"امی! میں چڑیا بن جاؤں"

اس کی امی مسکرانے لگی۔ عنبر نے کہا۔ کیا شیلی چڑیا بھی بن جاتی ہے۔"

شیلی کی ماں نے کہا

"نہیں۔ یہ یونہی مذاق کر رہی ہے بھلا کبھی کوئی انسان چڑیا بن سکتا ہے۔"

شیلی نے جھٹ کہا۔

"مگر امی وہ تو چڑیا بن جاتا ہے"۔ یاد نہیں ہمارے سامنے وہ باریک سانپ بن گیا تھا

ماریا اور عنبر چونک پڑے

وہ ــ کون تھا وہ بیٹی، کیا تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ گی۔"

شیلی کی ماں نے کہا۔

مگر تمہیں یہ سب کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عنبر بولا۔

میری بہن! ہم اس شخص کی تلاش میں ہیں

ہم [illegible] تم تو اکیلے ہو۔"

اب عنبر کو خیال آیا کہ وہ جوش میں ماریا کو بھی اپنے ساتھ شامل کر گیا تھا جو اگرچہ اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ مگر جو ان لوگوں کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

میرا مطلب ہے میری ایک بہن بھی اس آدمی کی تلاش میں ہے۔"

ماریا نے کہا۔

عنبر۔ ضرور ناگ ہوگا۔ ان سے پوچھو وہ کہاں ہے

عنبر نے شیلی کی ماں سے پوچھا کہ وہ شخص کون تھا اور انہیں کہاں ملا اور اب وہ کہاں ہے شیلی کی ماں کہنے لگی

"وہ ہمیں خوش قسمتی سے مل گیا تھا۔

پھر اس نے عنبر کو شیلی کی سوتیلی ماں کی خونی سازش کی ساری کہانی اور بعد کے سارے واقعات سنا ڈالے

اب عنبر اور ماریا کو ذرا سا بھی شک نہیں رہا تھا وہ ناگ ہی تھا شیلی کی ماں نے بتایا کہ ناگ ان کو اس انگوروں کے باغ میں چھوڑ کر تم لوگوں کی تلاش میں ہی شاید جنوب کی پہاڑیوں کی طرف نکل گیا تھا ناگ نے کہا۔

وہ ہمارا بھائی ہے بہن! اور میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں اب میں جنوب کی طرف روانہ

ہوتا ہوں۔"

عنبر نے شیلی کو پیار کیا۔ اس کی ماں کا شکریہ ادا کیا اور اس کے اصرار کے باوجود وہاں نہ ٹھہرا اور ماریا کو ساتھ لے کر آگے پہاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ یہ پہاڑیاں بہت دور تھیں اور ان کی چوٹیاں دھند میں ڈوبی ہوئی تھیں تین روز کے سفر کے بعد عنبر اور ماریا ان پہاڑیوں کے دامن میں ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔

○

پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ

عنبر اور ماریا نے رات اس گاؤں میں بسر کی۔ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ عنبر نے اس گاؤں کے ایک بوڑھے آدمی سے سامنے والی پہاڑیوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ان پہاڑیوں کی طرف کبھی کوئی نہیں جاتا۔ عنبر نے کہا۔

"کیا ان پہاڑیوں میں جن بھوت رہتے ہیں"

بوڑھے نے جواب دیا۔

"نہیں۔ لیکن وہاں سے کبھی کبھی آدھی رات کو چیخوں کی آوازیں آتی ہیں۔

"وہ کیوں" عنبر نے پوچھا۔

بوڑھے نے بتایا۔

ہم نے بھی اپنے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ اِن پہاڑیوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خفیہ خزانہ دفن ہے پہلے لوگ اس خزانے کی تلاش میں پہاڑیوں

بس گئے اور واپس نہ آئے کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں
کی روحوں کی چیخوں کی آوازیں ہوتی ہیں۔
عنبر کے پاس ماریا بھی خاموش بیٹھی تھی بوڑھے کو ماریا
کا احساس نہیں تھا کیونکہ وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عنبر
نے کہا۔
کیا ان پہاڑیوں میں سانپ بھی ہوتے ہیں۔
بوڑھا بولا۔
کہتے ہیں خزانے پر ایک اژدہا کا پہرہ ہے پچھلے کچھ دنوں
سے ایک عجیب بات ہونے لگی ہے۔
"وہ کون سی بات ہے؟"
"کسی وقت رات کو ان پہاڑیوں سے بین کی آواز
آتی ہے۔ یہ بین سپیرے بجایا کرتے ہیں۔ سمجھ میں
نہیں آتا کہ ان پہاڑیوں میں آدھی رات کو کون سپیرا
ہے۔ جو بین بجاتا ہے۔ بہر حال تم اِدھر کا رُخ نہ
کرنا نہیں تو پچھتاؤ گے۔"
ماریا نے عنبر سے کہا۔
عنبر بھیا ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ان پہاڑیوں میں جا کر ناگ
کو تلاش کرنا ہو گا۔
عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اُس نے بوڑھے سے پوچھا۔

بابا! کیا تم نے کبھی سپیرے کو پہاڑیوں میں جاتے
دیکھا ہے کبھی۔
نہیں بیٹا! میں نے دیکھا تو نہیں۔ لیکن یہاں
کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چند روز ہوئے ایک سپیرا
ان پہاڑیوں کی طرف جاتا دیکھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے
وہی رات کو بین بجاتا ہو۔
عنبر اور ماریا نے پہاڑیوں میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔
شام کے وقت وہ گاؤں سے نکل کر حضرت سلیمانؑ کے
خزانے کی پراسرار سیاہ کالی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے
عنبر نے گھوڑا گاؤں میں ہی جھیل کنارے چھوڑ دیا تھا وہ ماریا
کے ساتھ پہاڑی دروں میں سے گزرتا ہوا ایک جگہ پہنچ
کر رُک گیا۔ ماریا نے کہا۔
"یہاں دو راستے آگے جاتے ہیں۔"
عنبر بولا۔ یہی میں سوچ رہا ہوں۔ لیکن ایک بات
ہے ہم یہاں تک آگئے ہیں مگر ناگ کی خوشبو
ابھی تک نہیں آئی۔
ماریا نے کہا۔
ہمیں ان ساری پہاڑیوں کو دیکھنا ہو گا ہو سکتا
ہے کسی جگہ اس کی خوشبو آجائے۔

وہ پھر آگے چل پڑے۔ ایک راستے سے گزرتے ہوئے
اچانک ایک طرف سے سبز رنگ کا ایک سانپ نکل کر سامنے
آگیا اور اس نے عنبر کے آگے اپنا سر جھکا دیا اس لیے کہ
اسے عنبر کے جسم سے ناگ دیوتا کی خوشبو آ رہی تھی عنبر نے
سانپوں کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اس سے ناگ دیوتا کے
بارے میں پوچھا سانپ کو ناگ دیوتا کی خوشبو نہیں آ رہی
تھی کیونکہ ناگ جادوئی بین کے اندر بند تھا جہاں سے اس
کے جسم کی ہریں طلسم کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں
اس نے کہا۔

"اگر آپ مقدس ناگ دیوتا نہیں ہیں تو پھر ہم نے
کسی دوسرے ناگ دیوتا کو یہاں نہیں دیکھا۔
عنبر نے کہا۔

میں ناگ دیوتا کا بھائی ہوں اور اس کی بہن ماریا
بھی میرے ساتھ ہے مگر تم اسے دیکھ نہیں سکتے"
سانپ نے کہا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی لیکن ناگ دیوتا
تو کبھی گم نہیں ہو سکتا پھر آپ اس کی تلاش میں
کیوں پھر رہے ہیں۔
عنبر نے بتایا کہ ناگ دیوتا پر کسی نے طلسم کر دیا ہے اور وہ

گم ہو گیا ہے سانپ نے پھن اٹھا کر چاروں طرف کی خوشبو لی
اور بولا۔

مجھے ناگ دیوتا کی تیز خوشبو کسی طرف سے نہیں آ
رہی یہ خوشبو صرف آپ لوگوں کے جسموں سے آ
رہی ہے"

ہاں۔ مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ یہاں سے کچھ دور
کسی جگہ مردہ سانپ پڑے ہیں۔
عنبر کے کان کھڑے ہو گئے اس نے کہا۔
کیا تم ہمیں ان مردہ سانپوں کے پاس لے چلو گے
"کیوں نہیں۔ میرے پیچھے پیچھے آئیں
سانپ آگے آگے روانہ ہو گیا۔ عنبر اور ماریا اس
کے پیچھے پیچھے تھے۔ سبز سانپ انہیں پہاڑیوں کے تنگ
راستوں میں سے گزارتا ہوا آخر ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔
عنبر نے دیکھا کہ وہاں زمین پر تین سانپوں کے ٹکڑے بکھرے
ہوئے تھے یہ وہی جگہ تھی جہاں عیار سپیرے کے تین
سانپوں کو اژدہا نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

سبز سانپ ایکدم گھبرا گیا اور بولا
"ان سانپوں کے ایک اژدہا نے ٹکڑے کیے ہیں
آپ یہاں سے چلے جائیں ایسا لگتا ہے کہ اژدہا اس

طرف آ رہا ہے۔"

یہ کہکر سانپ وہاں سے روپوش ہو گیا۔ ماریا نے کہا
ناگ کا تو پھر بھی پتہ نہیں چلا اب اژدہا سے مقابلہ
کرکے ہمیں کیا مل جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

تم ٹھیک کہتی ہو ماریا۔ ہمیں واپس چلنا چاہیئے

وہ واپس مڑنے ہی والا تھا کہ اسے بین کی آواز سنائی
دی۔ یہ سپیرے کی بین کی آواز تھی اور پہاڑی کے اندر
سے آ رہی تھی عنبر نے چونک کر کہا۔

یہ آواز بین کی ہے ماریا۔
اس پہاڑی کے اندر سے آ رہی ہے۔"

وہاں۔ بوڑھے بابا نے کہا تھا کہ اس پہاڑی کے
اندر حضرت سلیمانؑ کا خفیہ خزانہ دفن ہے۔"

ماریا بولی۔"

لیکن عنبر بھیا ہمیں خزانے سے کیا دلچسپی ہو سکتی
ہے ہمیں تو ناگ کی تلاش ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہو سکتا ہے اس پہاڑی کے اندر جانے سے ناگ
کا کچھ سراغ مل جائے کم از کم یہ تو معلوم کریں۔

کہ اندر کون سپیرا یہ بین بجا رہا ہے۔"

ماریا بولی۔

مگر پہاڑی کے اندر جانے کا تو کوئی راستہ نہیں
ہے۔

عنبر نے کہا۔

راستہ مل جائے گا۔"

عنبر اور ماریا نے پہاڑی کے اندر جانے والے راستے
تلاش شروع کر دی انہوں نے ایک جگہ سے جھاڑیوں
پرے ہٹایا تو انہیں غار کا ایک منہ دکھائی دیا جس کی
دیوار پر حضرت سلیمانؑ کا طلسمی نقش لگا ہوا تھا۔ عنبر
نے کہا۔

"ماریا۔ یہی راستہ حضرت سلیمانؑ کے خفیہ خزانے
کو جاتا ہے اور بین کی آواز بھی اندر ہی سے آ رہی
ہے۔"

ماریا نے کہا۔

چلو اندر چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ بین کون بجا رہا ہے

وہ دونوں غار میں داخل ہو گئے جوں جوں وہ آگے
بڑھ رہے تھے بین کی آواز زیادہ صاف سنائی [illegible]
وہ غار کے تنگ راستے سے نکل کر ایک

گرے جہاں سامنے والی دیوار میں شگاف پڑا ہوا تھا۔ عنبر
نے جھانک کر کہا۔ بین کی آواز اندر سے آ رہی تھی اور
اندر خزانے کھلا پڑا تھا ماریا نے کہا۔
"میں اندر جاتی ہوں"
ماریا شگاف میں سے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے
کہا۔
عنبر! یہاں کچھ انسانی ہڈیاں اور ایک سپیرے کی
بین پڑی ہے جس میں سے آواز آ رہی ہے۔
عنبر بھی اندر آ گیا انہوں نے بین اٹھائی تو اندر سے
ناگ کی آواز آئی۔
کیا تم مجھے باہر نکال سکتے ہو؟
عنبر نے ناگ کی آواز پہچان لی اس نے کہا۔
ناگ! میں عنبر ہوں ماریا بھی میرے پاس ہے
اس اندر تمہیں کس نے بند کیا۔
"عنبر! بین کے آگے لگا ہوا کپڑا کاٹ ڈالو۔
عنبر نے کپڑا پھاڑ ڈالا اندر سے ناگ سانپ کی شکل میں
باہر آ گیا اس کے سر پر سفید کلغی تھی عنبر اور ماریا بہت
خوش ہوئے باہر نکلتے ہی بین کے جادو کا اثر ختم ہو گیا
ناگ [illegible] شکل میں آ گیا اور بولا۔

"اُف! اس کم بخت سپیرے نے خزانے کے لالچ
میں آ کر مجھ پر زبردست جادو کر دیا تھا۔
ناگ نے کہا۔
یہ ہڈیاں یقیناً اسی کی ہیں کیونکہ مجھے بین کے اندر
اس کی چیخوں کی آوازیں سنائی دی تھیں اُسے
کسی بلا نے مار ڈالا ہو گا خدا کا شکر ہے کہ تم
سے ملاقات ہو گئی یہ بتاؤ کہ کیٹی کہاں ہے۔
عنبر نے ساری کہانی سنائی کہ کس طرح سپین سے
ے ہوئے وہ لوگ کفن پوش بلا کے غار میں پھنس گئے
ر پھر جابر فرعون کے تابوت میں سے اس کی ممی نے
ل کر کیٹی کو دبوچ لیا اور تابوت کے ساتھ غائب ہو
ا ناگ نے عنبر اور ماریا کو اپنی پچھلی داستان کے واقعات
سنائے ماریا نے کہا۔
میرا خیال ہے ہمیں اس مقدس خزانے کو بند
کر دینا چاہیئے تاکہ اس امانت میں کوئی خیانت
نہ کر سکے۔
وہ خزانے کے غار میں سے باہر نکل آئے۔ باہر آ کر
انہوں نے دیوار کے شگاف کو پتھروں سے بند کر دیا۔
ر خود غار میں سے باہر آ کر پہاڑی [illegible]

ہوئے واپس گاؤں میں آگئے گاؤں میں بوڑھے بابا نے
عنبر کے ساتھ ناگ کو دیکھا تو کہا۔
تم کہاں چلے گئے تھے یہ تمہارے ساتھ کون ہے
عنبر نے کہا۔
میں پہاڑیوں کی طرف سیر کرنے چلا گیا تھا
یہ میرا ساتھی ہے مجھے اتفاق سے پہاڑیوں
میں مل گیا۔
بوڑھے نے کہا۔
دیوتاؤں کا شکر ادا کرو کہ تم ان پراسرار پہاڑیوں
میں سے بچ کر آگئے ورنہ وہاں جو کوئی گیا دوبارہ
واپس نہیں آیا اب کبھی ادھر کا رُخ نہ کرنا۔
بوڑھا عنبر اور ناگ کو لے کر اپنے جھونپڑے میں آگیا
ماریا بھی اس کے ساتھ ہی تھی بوڑھے نے اُس کے سامنے
دودھ اور پھل رکھے اگرچہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت
تو نہیں تھی لیکن انہوں نے بوڑھے میزبان کا دل رکھنے کے
لیے تھوڑا سا پھل کھا لیا اتنے میں ایک دیہاتی پریشان ہو کر
اندر آیا اس نے بوڑھے سے کہا۔
"بابا۔ میری بیوی کو کالے سانپ نے کاٹ لیا ہے
اس کی بڑی بُری حالت ہے۔"

بوڑھا ایکدم اُٹھ کھڑا ہوا ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا
وہ بھی بوڑھے کے ساتھ ہی باہر نکل آئے وہاں سے تھوڑی
دور ایک جھونپڑی کے باہر ایک عورت زمین پر پڑی تھی۔
سانپ کا زہر اس کے جسم میں پھیل رہا تھا بوڑھے نے اس
کی حالت دیکھ کر سر ہلایا اور کہا۔
بیٹا! اب یہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ سانپ کا زہر اپنا
اثر کر چکا ہے۔
بے چارہ دیہاتی رونے لگا۔ ناگ نے کہا۔
فکر نہ کرو میں تمہاری بیوی کا علاج کرتا ہوں۔
ناگ نے پوچھا کہ ناگ کس طرف گیا تھا دیہاتی نے ایک
طرف اشارہ کیا۔ ناگ نے اس طرف منہ کر کے منہ ہی منہ میں
کچھ پڑھا اور پھر سانپ کو آواز دی۔ بوڑھا بابا اور دوسرے
دیہاتی حیران تھے کہ یہ نوجوان کیا پڑھ رہا ہے عنبر نے
آہستہ سے کہا
"میرے دوست کو سانپ کے منتر آتے ہیں۔ وہ
اس سانپ کو بلا رہا ہے جس نے اس عورت کو
ڈسا ہے۔"
سارا گاؤں وہاں آکر جمع ہو گیا۔ وہ ناگ کو غور سے
تک رہے تھے ناگ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں پھر اس
نے آنکھیں کھول دیں لوگ یہ دیکھ کر دہشت کے مارے

پیچھے پرے ہٹ گئے کہ سامنے جنگل میں سے ایک کالا سانپ
پھن اُٹھائے چلا آرہا ہے۔ وہ ناگ کے پاس آکر جھک گیا
ناگ نے سانپوں کی خاموش سرگوشیوں والی زبان میں کہا۔
اس عورت کا زہر واپس لے لو!
کالے سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور لیٹی ہوئی عورت
کی پنڈلی پر اس جگہ منہ لگا دیا جہاں اُس نے کاٹا تھا
اس نے عورت کے جسم سے سارا زہر چوس لیا۔ عورت
کو ایک دم ہوش آگیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ لوگوں نے
خوشی سے نعرے لگائے۔ ناگ نے سانپ سے کہا۔
"خبردار! آئندہ اِس گاؤں کی طرف مت آنا
سانپ نے ادب سے کہا۔
جو حکم ناگ دیوتا! میں ادھر کبھی نہیں آؤں گا۔
کالا سانپ واپس جنگل کی طرف چلا گیا۔ لوگوں نے
ناگ کو گھیر لیا اور اس کی تعریفیں کرنے لگے بوڑھے بابا
نے ناگ کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
"بیٹا۔ اگر تم نہ ہوتے تو یہ عورت زندہ نہ بچتی
ناگ نے کہا۔
بابا! میں نے سانپ کو کہہ دیا ہے اب وہ آئندہ
کبھی اس طرف نہیں آئے گا
اس روز [illegible] نے عنبر اور ناگ کی زبردست

دعوت کی۔
رات کو عنبر ناگ اور ماریا ایک جھونپڑی میں اکٹھے بیٹھے
تھے اور کیٹی کے بارے میں غور کر رہے تھے اور کہ اسے
کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے ماریا نے کہا۔
وہ جابر فرعون کے تابوت سمیت گم ہوئی ہے
ضرور فرعون کی ممی اُسے اپنے ساتھ مصر کے
کسی اہرام میں سے لے گئی ہوگی اس لیے میرا تو
خیال ہے کہ ہمیں مصر کی طرف جانا چاہیئے۔
یہ خیال عنبر اور ناگ کو بھی پسند آیا آخر انہوں نے فیصلہ
کر لیا کہ وہ مصر کی طرف روانہ ہو جائیں گے مصر کو جانے
کا ایک راستہ افریقہ کے خطرناک جنگلوں اور صحراؤں سے
ہوتا ہوا اُوپر کو جاتا تھا اور دوسرا راستہ سمندری تھا
ناگ نے کہا۔
میری رائے یہ ہے کہ ہمیں سمندری راستے سے سفر
کرنا چاہیئے۔
عنبر بولا۔
"اس کے لیے ہمیں افریقہ کی مغربی گھاٹ پر کسی
بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہونا ہوگا۔
ماریا نے کہا
"یہی اچھا خیال ہے۔ ہم یہاں سے مغربی گھا

کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے عنبر ناگ اور ماریا اگلے روز اس گاؤں سے رخصت ہو گئے ان کی منزل افریقہ کے مغربی گھاٹ کی بندرگاہ تھی چار روز کے خطرناک سفر کے بعد جنگلوں اور گھاٹیوں میں سے گزرتے ہوئے وہ افریقہ کے مغربی ساحل کی ایک بندرگاہ پر پہنچ گئے جہاں سے اسکندریہ کی جانب چھوٹے بادبانی جہاز جاتے تھے اسکندریہ مصر کی ایک بندرگاہ تھی یہ بندرگاہ سکندر اعظم نے بنائی تھی جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ سکندر اعظم کے بعد کے زمانے میں سفر کر رہے تھے ایک ہفتہ اس بندرگاہ پر رہنے کے بعد عنبر ناگ اور ماریا ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو گئے اور جہاز نے بادبان کھول دیئے اور مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

اب ضروری ہے کہ ہم کیٹی کی خبر لیں۔

دیکھیں کہ جب کفن پوش بلا کے پراسرار کھنڈر میں اس کو جابر فرعون کی ہڈیوں کے ڈھانچے نے اپنے تابوت میں کھینچ لیا تھا تو پھر وہ اسے لے کر کہاں غائب ہو گئی تھی۔

کیٹی کو جب فرعون کی ممی نے تابوت میں کھینچا تو اس نے ایک زبردست چیخ ماری تھی اس چیخ کی آواز پر عنبر اور ماریا ا[illegible] لپکے بھی تھے مگر اس دوران

میں فرعون کی ممی کا تابوت غائب ہو چکا تھا۔

کیٹی تابوت میں بند ہوتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اسے غائب کرنے کے بعد کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ جانے کتنی دیر تک وہ بے ہوش رہی جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو دیکھا کہ وہ ایک خالی تابوت میں دیوار کے ساتھ لگی کھڑی ہے۔ اس کے پاس ہی ایک دوسرا خالی تابوت دیوار کے ساتھ لگا ہوا ہے جس کے اندر اسی جابر فرعون کی ممی کا ہڈیوں کا ڈھانچہ موجود ہے وہ ایک اہرام کے اندر ہیں۔ سامنے ایک بڑے کڑاہ میں کوئی بدبودار مسالہ تیار ہو رہا ہے۔

فرعون کی ممی نے ہڈیوں کی طرح کھڑکھڑاتی آواز میں مسالہ تیار کرنے والے دو حبشی کاہنوں سے کہا۔

جلدی کرو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ میں جتنی جلدی ہو سکے اس عورت کے جسم میں داخل ہو کر پھر سے زندہ ہو جانا چاہتا ہوں۔"

ایک حبشی کاہن نے سر جھکا کر کہا۔

"فرعون اعظم! مسالہ تیار ہونے ہی والا ہے تھوڑی دیر بعد ہم اس مسالے کو آپ کے اور اس عورت کے جسم پر مل دیں گے۔ پھر آپ کی روح اس عورت کے جسم میں داخل ہو کر مرد بن جائے گی اور آپ کی

شکل اختیار کرے گی۔ اور آپ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے
کیٹی سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اسے
اپنے جن دوست کی چٹکی کا خیال آ گیا اس نے اپنے ہاتھ کی
انگلیوں کو ہلایا یہ معلوم کر کے اسے خوشی ہوئی کہ وہ چٹکی
بجا سکتی تھی۔ خطرہ صرف یہ تھا کہ اگر پہلے کی طرح اب بھی
چٹکی نے کام نہ کیا تو اس کی موت یقینی تھی اس نے دل
میں خدا کو یاد کیا پھر اپنے جن دوست کو دل ہی دل میں آواز
دی اور چٹکی بجا دی۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک چڑیا
کی شکل جما کر چٹکی بجائی تھی تاکہ وہ چڑیا بن کر اس اہرام
سے فرار ہو جائے لیکن جن دوست نے ایک بار پھر شرارت
کی اور وہ چٹکی بجاتے ہی وہ غائب ہو گئی۔

جونہی حبشی کاہنوں کی نگاہ خالی تابوت پر گئی وہ دم بخود
ہو کر رہ گئے انہوں نے چیخ کر کہا۔

"فرعون اعظم! عورت غائب ہو گئی ہے۔"

فرعون کی ممی کا ڈھانچہ تابوت سے باہر نکل آیا اس
نے غور سے تابوت کو دیکھا پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر تابوت
کو ٹٹولا غصے سے اس کے جسم کی ساری ہڈیاں کانپنے لگیں
اس نے غضب ناک کھڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"کہاں غائب ہو سکتی ہے یہ عورت۔ اس کو تلاش
کرو

حبشی کاہنوں نے کیٹی کو سارے اہرام میں تلاش کیا مگر
وہ انہیں نہ ملی۔ فرعون کی ممی سخت غصے میں تھی اس نے چیخ
کر کہا۔

"تم بھی اس اہرام سے باہر نہیں نکل سکو گے۔ میں
تم دونوں کو ایک بار پھر اس اہرام میں دفن کرتا ہوں

حبشی کاہن باہر کی طرف بھاگنے لگے تو فرعون کی ممی نے
اپنا ہڈیوں والا ہاتھ اٹھا کر ان کی طرف اشارہ کیا۔ اس
کی انگلیوں کی ہڈیوں میں سے روشنی کی شعاعیں نکل کر ان
دونوں پر پڑیں اور وہ دونوں مردہ بے جان ہو کر زمین پر
گر پڑے۔ فرعون کی ممی کے اہرام کا سوراخ بند کر دیا اور خود
اپنے تابوت میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر
لیں۔ آنکھوں کے بند ہوتے ہی اس کے تابوت کا ڈھکنا مل گیا
اور وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔

دوسری طرف جب کیٹی کو دوبارہ ہوش آیا اور غائب
ہونے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں تو دیکھا کہ وہ عورتوں
کے پاگل خانے میں ہے پاگل عورتیں پاگلوں جیسے کام کر رہی
ہیں کوئی درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہی ہے کوئی دیوار
سے باتیں کر رہی ہے کوئی تھالی بجا کر گا رہی ہے اور کہہ رہی
ہے

میں ملکہ ترنم نور جہاں ہوں میرا گانا سنو

ایک عورت کیٹی کے پاس آکر کہنے لگی۔
پھوپھی شاداں!۔ تو چوہڑ کانے سے آئی ہے وہاں
میرا کانا ماموں رہتا ہے اس نے مجھے زہر دے
دیا تھا اور میں مرگئی میں چوہڑ کانے کے قبرستان
میں رہتی ہوں آجکل۔
دوسری عورت نے کیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"پتر گاماں۔ مت رو۔ اگر تیرا ایک باپ مرگیا
ہے تو خدا اور باپ دے دے گا۔ گھبرا نہ پتر گاماں
ایک اور عورت کیٹی کے سامنے ایک پلیٹ لاکر بولی
"چاچی غفوراں۔ دیکھ میں تیرے لیے گنڈیریوں کے
پکوڑے بنا کر لائی ہوں۔
ایک بوڑھی عورت نے کیٹی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔
"میری پھوپھی خدابخش تو کہاں تھا۔ اچھا ہوا کہ
تو یہاں آگیا۔
ایک اور عورت بھاگی بھاگی کیٹی کے پاس آکر بولی
مامی جہراں۔ سپاہی میرے پیچھے لگے ہیں یہ لے اُسترا
میری ٹنڈ کر کے میرا میک اپ کردے
اتنے میں ایک عورت گرج کر بولی۔
"بکواس بند کرو۔ ملکہ نور جہاں آرہی ہے"
اور ایک [illegible] یہ شوربے کا پیالہ الٹا رکھے بڑی شان

سے چلتی کیٹی کے سامنے آکر بولی۔
اے میری وسن پورے کی کوڑ کریلی۔ تو یہاں کیا
کر رہی ہے۔ چل بھاگ یہاں سے۔ دیکھتی نہیں ہو کہ
گلہریوں کی بادشاہ راوی آگئی ہے
اور وہ ڈانس کر کے گانے لگی۔
"آپ جیسا کوئی بکرا
میری زندگی میں آئے تو بات بن جائے۔
کیٹی نے سر تھام لیا کہ یا خدا یہ میں کس مصیبت میں پھنس
گئی ہوں۔ اس کم بخت جن نے پھر میرے ساتھ یہ کیسی شرارت
کی ہے کہ مجھے پاگل خانے پہنچا دیا کیٹی نے محسوس کیا کہ اس
کی شکل نہیں بدلی تھی اس کا لباس بدل گیا تھا۔ اس نے
یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ وہ ماڈرن زمانے کے کسی شہر میں
ہے۔ اُس نے ایک پاگل عورت سے پوچھا۔
"یہ کون سا شہر ہے"
اس پاگل عورت نے بڑی رازداری سے کیٹی کی طرف
جھک کر کہا۔
"کسی کو بتانا مت چاچی جہراں۔ یہ شہر نہیں ہے بندر
گاہ ہے"
دوسری عورت نے پوچھا۔
"اری نور جہاں ملکہ کی پھوپھی یہ بندرگاہ [illegible]

"جہاں باندر بہت رہتے ہیں اسے بندر گاہ کہتے ہیں
میری کمینی ماسی!
اتنے میں ایک نرس اندر آگئی یہ ایک ہسپتال کی طرح کا بڑا
کمرہ تھا نرس کو دیکھ کر ساری پاگل عورتیں اپنے اپنے بستر
پر دبک گئیں نرس نے کیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تو میری طرف کیا بڑ بڑ دیکھ رہی ہے ری۔ چل
اپنے بستر پر۔
کیٹی نے اُس کو کہا۔
نرس! میں پاگل نہیں ہوں"
اُس نے کڑک کر کہا۔
"اری تو گیا۔ تیری ماں بھی پاگل ہے تیرا باپ بھی
پاگل ہے۔ تو پاگل۔ تیرا چاچا پاگل۔ تیرا ابا پاگل۔
کیٹی نے محسوس کیا کہ یہ نرس بھی کچھ کچھ پاگل ہو چکی
ہے۔ وہ چپکے سے اپنے بستر پر چلی گئی اُس نے دیکھا کہ
ڈولی پر ایک اخبار پڑا ہے اس نے جلدی سے اسے دیکھا
اس پر تاریخ کی جگہ لکھا تھا۔ ۱۲ دسمبر۔ لاہور ۱۹۸۳ء
کیٹی کا دل دھک سے رہ گیا تو گیا وہ ایکدم ۱۹۸۳ کے لاہور
شہر میں پہنچ چکی ہے اور وہ بھی ایک پاگل خانے میں! اُف
خدایا! یہ میرے ساتھ کیا ظلم ہو گیا ہے اتنے میں نرس اس کے
پاس آئی اور جیب سے تھرمامیٹر نکال کر اس نے کیٹی کے منہ

کے پاس لا کر کہا۔
"منہ کھول پاگل کی اولاد"
کیٹی نے منہ کھول دیا۔ نرس نے جلدی سے گھڑدم کر کے تھرمامیٹر
اس کے منہ میں ڈال دیا اور کہا۔
منہ بند کر دے مگرمچھ کی ماسی۔ کیا پہاڑ کی سرنگ ایسا
منہ کھول رکھا ہے"
کیٹی نے منہ بند کر لیا اور نرس کی طرف تکنے لگی اس نے
اسے ڈانٹ کر کہا۔
میری طرف کیا بڑے بڑے بھینس کے ڈھیلے نکال کر دیکھ رہی ہو۔
کیٹی کو اس کے اس فقرے سے معلوم ہو گیا کہ اس کی
آنکھیں بھوکو نہیں ہیں نرس نے کیٹی کے منہ سے تھرمامیٹر نکال
کر دیکھا اور چیخ مار کر بولی۔
"اوئی۔ تمہیں تو ایک سو سات درجے کا بخار ہے
اور پھر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنسی اور باہر نکل گئی
کیٹی نے بڑی مشکل اور عذاب کے ساتھ وہاں دن گزارا
جب رات کا اندھیرا ہو گیا اور ہال کمرے میں دھیمی دھیمی بتیاں
جل اٹھیں تو پاگل عورتوں کو روٹی کے ساتھ پتلا پتلا شوربہ
کھلایا گیا اور پھر روشنیاں بجھا دی گئیں۔ نرس نے چیخ کر
کہا۔
سو جاؤ باندری کی اولاد سو جاؤ۔

کیٹی نے چٹکی بجا کر دو تین بار وہاں سے دوسری شکل
بدل کر بھاگنے کی کوشش کی مگر اس بار بھی اس کی چٹکی میں
کوئی اثر نہیں رہا تھا اور چٹکی بیکار گئی۔ اس نے ایک پاگل
عورت سے چھوٹا سا شیشہ لے کر اپنی شکل بھی دیکھ لی تھی
اس کی آنکھیں چوکور نہیں تھیں اور اس کی شکل بھی نہیں
بدلی تھی اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی نرس نے قریب آ کر کہا

کیوں ری ایما مالنی۔ تو کیوں پلسے مار رہی ہے کیا تجھے
نیند نہیں آ رہی باندری کی اولاد۔

کیٹی نے کہا۔ نرس یقین کرو میں پاگل نہیں ہوں مجھے
بڑے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔

نرس نے کیٹی کے بال پکڑ کر کہا۔

اری باندری! میں تجھے ملک الموت کے پاس نہ لے چلوں
سو جا نہیں تو میں تیری گت مروڑ کر پٹ دوں گی۔
چل سلیپ سو جا۔ سو جا

اور پھر نرس نے لوری گانا شروع کر دی۔

سو جا میری اکھیوں کے تارے۔ میں واری تیرے سو جا۔

سو جا میری باندری دیا پترا
سو جا میرے سور دیا پترا سو جا
سو جا مگر مچھ دیا پترا سو جا

اور نرس لوری گاتے گاتے کمرے سے باہر نکل گئی

نے جاتے وہ کمرے کی باقی بچی ہوئی ایک بتی کو بھی بجھا گئی
ہال کمرے میں اندھیرا چھا گیا تھوڑی دیر بعد جب ہر طرف
موشی ہو گئی تو کیٹی اپنے بستر سے اٹھ کر دبے پاؤں دروازے
ف جانے لگی تو ایک بستر سے پاگل عورت نے آہستہ سے
ہا۔

ماسی مہراں کیا بانو بازار دہی بھلے کی چاٹ کھانے جا رہی ہو؟
دوسری پاگل عورت بولی۔ وہ ادھر نہیں۔ یہ لبرٹی مارکیٹ
سری پائے اور حلیم کھانے جا رہی ہے۔"

کیٹی نے ان کی باتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور چپکے
باہر نکل گئی۔ باہر برآمدے میں بھی اندھیرا تھا ایک عورت
کا جگ لے کر آ رہی تھی جب وہ قریب سے گزر گئی تو کیٹی
ے سے نکل کر سامنے والی دیوار کے پاس آ گئی دسمبر
ت بڑی ٹھنڈی تھی اور دھند پھیلی ہوئی تھی مگر کیٹی
خلائی لڑکی تھی اس لیے اسے نہ ٹھنڈ لگی تھی اور نہ گرمی
ھی دیوار کافی اونچی تھی کیٹی نے ایک جگہ سے دیوار پر چڑھنے
شش کی تو گر پڑی اس کے گرنے سے مرغیاں اپنے ڈربوں
ڑاتی ہوئی بھاگیں تو اس کے شور سے وہیں پاگل نرس
ی روشنی مارتی وہاں آ گئی اس نے کیٹی کو دیکھا تو شور مچا دیا
پکڑو۔ پکڑو۔ پاگل عورت بھاگ رہی ہے پکڑو پکڑو
دو چار آدمی ادھر ادھر سے نکل کر

لگے کیٹی نے سخت غصے میں آکر زور سے چٹکی بجا دی اور وہ عورت سے ایکدم شیرنی بن گئی اس نے زور سے دھاڑ ماری تو نرس تو وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑی اور دوسرے آدمی بھاگ گئے کیٹی نے چھلانگ لگائی اور پاگل خانے کی دیوار پھلانگ کر دوسری طرف کھیتوں میں آگری وہاں کتے بھونکنے لگے شیرنی ایک بار پھر گرجی۔ کتے دم دبا کر بھاگ گئے سارے علاقے کی کوٹھیوں میں لوگ باہر نکل آئے۔ انہوں نے ایک شیرنی کو دیکھا تو چیخیں مارتے واپس کوٹھیوں میں چلے گئے اور کمرے بند کر کے اندر سے کنڈیاں چڑھالیں فوراً ٹیلیفون کیے جانے لگے کہ شیر آگیا ہے کیٹی شیرنی کے روپ میں چھلانگیں مارتی شادمان کالونی کے سوکھے ہوئے نالے پر آگئی۔ ٹریفک رک گیا لوگ شیرنی کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے سارا علاقہ سنسان ہوگیا۔ ایکدم پولیس کی گاڑیاں آگئیں اور پولیس نے نالے میں فائرنگ شروع کردی کیٹی گھبرا کر نالے میں سے باہر نکلی اور ایک کوٹھی کی دیوار پھاند کر دوسری طرف اندھیری گلی میں آگئی۔

یہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے ہوش سنبھالے اور ذہن میں اپنی شکل کا خیال جما کر خیال ہی خیال میں چٹکی بجائی وہ شیرنی سے ایکدم ایک بار پھر کیٹی بن گئی وہ گلی میں سے نکلی اور شمع سینما کو جانے والی سڑک پر آگئی سڑک سنسان ہو گئی تھی ایک سپاہی رائفل سنبھالے اس کی طرف آیا اور بولا۔

بی بی تم کہاں اکیلی گھوم رہی ہو جانتی نہیں ہو کہ یہاں ایک شیر آگیا ہے چڑیا گھر سے کھل کر جلدی سے کہیں چھپ جاو۔

کیٹی دل ہی ہنس دی اور بولی۔ اچھا بھائی میں جاتی ہوں اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتی شمع سینما کے پاس آگئی اور پھر سمن آباد کی طرف سے چلنے لگی۔ سمن آباد سے اسے اچانک ل آگیا کہ اس علاقے میں وہ شخص رہتا ہے جس کا نام اے ہے اور جو عنبر ناگ ماریا کی داستان لکھ رہا ہے اور اس بیں قسط وار چھپوا رہا ہے اسے اے حمید کے گھر کا نمبر معلوم تھا شمع سینما والی سڑک پر سے گزرتی ہوئی کیٹی سمن آباد داخل ہوگئی سخت سردی رات کا اندھیرا۔ سمن آباد کی سڑکیں سنسان پڑی تھیں دو گشت کرتے ہوئے سپاہیوں نے ایک ت کو اکیلے جاتے دیکھا تو پہلے گول چکر کے پاس بڑی مارکیٹ روک لیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور رات کے وقت کہاں ی ہے کیٹی نے کہا کہ میں کراچی سے آئی ہوں گاڑی بہت لیٹ تھی ے حمید کے گھر جانا چاہتی ہوں سپاہی نے سوچ کر کہا وہی و لکھتے ہیں عنبر ناگ ماریا کے؟ ہاں ہاں وہی کیٹی نے کہا کیٹی کو لے کر اے حمید کے مکان کے گیٹ پر لے آئے اور یہ ہے عنبر ناگ ماریا کے مصنف کا گھر۔ جب سپاہی چلے گئے نے گھنٹی بجائی تین چار بار گھنٹی بجانے

کی بتی روشن ہو گئی پھر ایک شخص شال اوڑھے باہر نکلا! کون صاحب ہیں اس نے گیٹ کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ گیٹی نے کہا مجھے اے حمید صاحب سے ملنا ہے اس آدمی نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کر گیٹی کو غور سے دیکھا اور پوچھا آپ آپ کون ہیں محترمہ گیٹی مسکرائی۔ مجھے پہچانا نہیں؟ میں گیٹی ہوں۔ تمہارے عنبر ناگ ماریا کے ناولوں کی ایک خلائی لڑکی۔ آپ ہی اے حمید ہیں کیا؟ ہاں۔ اس آدمی نے کہا اور حیرانی سے گیٹی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گیٹی سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اندر آجاؤ گیٹی۔

اور گیٹی، عنبر ناگ ماریا کے مصنف کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہو گئی۔

○

گیٹی کی وجہ سے عنبر ناگ ماریا کا مصنف اے حمید کس مصیبت میں پھنس گیا۔

عنبر ناگ ماریا جب بادبانی جہاز میں سوار ہو کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ کیا گزری۔

ان سوالوں کے دلچسپ اور حیرت انگیز جواب حاصل کرنے کے لیے عنبر ناگ ماریا کی اگلی قسط نمبر پڑھیے جس کا عنوان "طلسمی تختی اور سانپوں کا [illegible]" ہے

مصنف: اے حمید

عنبر ناگ ماریا

۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائنا سورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بم ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادوگر کی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-
۲۴۔ آسیب کی رات ۵/-
۲۵۔ ۹۹ ہزار صدی کا راز (سلور جوبلی خصوصی) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدروحیں ۵/-
۳۰۔ قبر کی دلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۶/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہونٹ اور ماریا ۱۰/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدروحیں ۶/-
۴۴۔ ممباطوش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہوگیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی خصوصی) ۱۵
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہوگئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور پُر اسرار بین ۷/۵۰
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس ۷/۵۰
۵۵۔ ناگ اور ناگن زنگا متی ۷/-
۵۶۔ چار پُراسرار لٹیرے ۷/-
۵۷۔ اپسرا دیوی کی مورتی ۶/-
۵۸۔ خفیہ منتر کی تلاش ۷/-
۵۹۔ موت کا وعدہ ۷/۵۰
۶۰۔ اور قبر کھل گئی ۷/۵۰
۶۱۔ لاش کا دوسرا جنم ۶/-
۶۲۔ ماریا قتل ہوگئی ۷/-
۶۳۔ خیالی تابوت یاقوتی سانپ ۶/-
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش ۷/۵۰
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ ۷/۵۰
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا ۶/-
۶۷۔ عنبر اور ڈسکو مردے ۷/۵۰
۶۸۔ کیٹی پھانسی کے تختے پر ۷/۵۰
۶۹۔ عنبر انگوٹھی میں اتر گیا ۶/-
۷۰۔ دیوی روشنک کے اژدہا
۷۱۔ عنبر کا سر کٹ گیا
۷۲۔ چنگیز خان لاہور میں
۷۳۔ دیوتا قتلام پر قربان کردو
۷۴۔ ماریا سانپ بن گئی
۷۵۔ روح اور سانپوں والے بہن بھائی
۷۶۔ ماریا انار کلی میں
۷۷۔ قبر مرتبان اور ہڈیاں
۷۸۔ سیاہ کفن پوش بلا
۷۹۔ پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
۸۰۔ طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
۸۱۔ قفل الا پُراسرار چہرہ
۸۲۔ ڈاکو سیاپتا اور عابدہ کا پتلا
۸۳۔ روتی آنکھوں والا چراغ
۸۴۔ کھوپڑی پر جلتی موم بتی

نیا مکتبہ اقبال نمبر ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸

طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
اے حمید
ماریا
عنبر
٨٠

ترتیب

ہسپتال کا خطرناک کمرہ

رات کے دو بج رہے تھے۔

کیٹی اس وقت عنبر ناگ ماریا کے مصنف یعنی میرے کمرے میں سامنے والے صوفے پر بیٹھی مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا،

"تمہاری آنکھیں تو چوکور تھیں کیٹی!"

کیٹی نے اپنے انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"کیا تم بھول گئے؟ یہ میری اس چٹکی کی وجہ سے کبھی کبھی چوکور نہیں رہتیں۔ لیکن مجھے میرے جن دوست نے بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسی شرارت کرتا ہے کہ میں عاجز آ جاتی ہوں۔ ابھی ابھی جب میں پاگل خانے سے بھاگی تو چٹکی بجائی۔ شکر ہے کہ میں بیٹری بن گئی۔ ورنہ میرا جن دوست مجھے سوئی بھی بنا دیتا تو میں اس کا کیا بگاڑ لیتی؟"

میں نے کہا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم ابھی ابھی میٹرنی بن گئی تھیں اور تم عنبر ناگ ماریا سے الگ ہو کر ۱۹۸۲ء کے لاہور میں نکل آئی ہو۔"

کیٹی نے کہا:

"مگر تم تو سو رہے تھے۔ تم تاریخی کہانی کہاں لکھ رہے تھے؟"

میں نے جواب دیا:

"جب میں عنبر ناگ ماریا کی کہانی نہیں لکھ رہا ہوتا اور سو رہا ہوتا ہوں تو تم لوگوں کو خواب میں دیکھتا رہتا ہوں۔ تم جہاں جہاں جا رہے ہوتے ہو، جو جو کر رہے ہوتے ہو۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔"

کیٹی نے جھٹ سوال کیا:

"تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ عنبر ناگ ماریا اس وقت کہاں ہوں گے؟ مجھے تو فرعون کی ممی کا ڈھانچہ اپنے تابوت میں گھسیٹ کر لے گیا تھا اور پھر میں اس وقت غائب ہو گئی جب"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا:

"جب جابر فرعون کی ممی تمہاری روح کو اپنے جسم میں داخل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"ہاں۔ تمہیں تو سب کچھ معلوم ہے۔"

میں نے کہا:

"کیوں نہ ہو کیٹی۔ میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں سوتے ہوئے بھی تم لوگوں کے خواب دیکھتا ہوں اور کبھی کبھی تو تم میں سے کوئی نہ کوئی خود آ کر مجھے اپنی کہانی بیان کر جاتا ہے۔"

کیٹی کہنے لگی:

"میں نے تم سے پوچھنا تھا کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ عنبر ناگ اور ماریا اس وقت کہاں ہوں گے؟"

میں نے کہا:

"کیٹی! شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ کون کس جگہ ہے اور کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ مثلاً اس وقت مجھے معلوم ہے عنبر ناگ ماریا کس طرف کو سفر کر رہے ہیں مگر عنبر ناگ ماریا کی داستان کے کچھ اصول ہیں۔ یہ ایک سچی اور تاریخی کہانی ہے اور پراسرار بھی ہے۔ مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں وقت سے پہلے اس کہانی کے کسی راز کو فاش کر دوں۔ اس لیے مجھے

افسوس ہے کہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ عنبر ناگ ماریا
اس وقت کہاں ہیں۔"
کیٹی ناامید ہو کر بولی:
"خیر — تمہارے اصول تمہیں سلامت رہیں، لیکن
تمہاری باتوں سے اتنا تو پتہ چل گیا کہ عنبر ناگ
ماریا اس وقت سفر میں ہیں کسی مشکل میں کسی مصیبت
میں نہیں پھنسے ہوئے۔"
میں نے کہا:
"اگر تم نے اتنا اندازہ لگا لیا ہے تو تمہیں اس کا
حق پہنچتا ہے۔ اس سے زیادہ نہ میں تمہیں کچھ
بتا سکتا ہوں اور نہ تم مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔"
کیٹی نے چپ ہو کر سر جھکا لیا۔
میں نے کہا:
"مجھے معلوم ہے کہ تم کھانے پینے اور سردی گرمی کی
محتاج نہیں ہو۔ لیکن پھر بھی تم میری مہمان ہو اور
میرا فرض ہے کہ تم سے پوچھوں کہ تم چائے
پیو گی؟"
کیٹی نے کہا:
"تمہاری بیوی کو پتہ چل گیا کہ تمہارے کمرے میں

ایک غیر عورت بیٹھی ہے تو وہ کیا کہے گی؟"
میں نے جواب دیا:
"میری بیوی دوسرے کمرے میں سو رہی ہے۔ اس کو
تمہارے بارے میں علم نہیں ہوا۔"
لیکن میرا خیال غلط تھا۔ اچانک ساتھ والے سے میری
بیوی کی آواز آئی:
"آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟"
اس طرح کے حالات ایک بار واشنگٹن میں بھی پیدا ہو
گئے تھے جب ناگ مجھ سے ملنے وہاں میرے اپارٹمنٹ
میں آیا تھا۔ اس وقت میں نے اپنی بیوی کو جو جواب دیا
تھا وہی جواب اس وقت میں نے دیا اور کہا:
"میں عنبر ناگ ماریا کی کہانی لکھ رہا ہوں اور تمہیں
معلوم ہے کہ کبھی کبھی میں لکھتے لکھتے اپنے کرداروں
سے باتیں بھی کرنے لگ جاتا ہوں۔ اس وقت میں
کیٹی سے باتیں کر رہا ہوں۔"
بیوی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی:
"آرام کریں اس وقت۔ رات بہت ہو گئی ہے۔"
میں نے کہا:
"او کے ڈارلنگ۔ نو پرابلم۔ سو رہا ہوں۔"

میں نے سرگوشی میں کیٹی سے کہا:

"تم بھی آرام کرو کیٹی۔ صبح کوئی فیصلہ کریں گے کہ تم عنبر ناگ ماریا سے ملنے سے پہلے کہاں رہو۔"

میں نے کیٹی کو اپنے پلنگ پر لٹا دیا اور خود قالین پر کمبل لے کر سو گیا۔ تھوڑی سی رات باقی رہ گئی تھی۔ مگر مجھے گہری نیند آ گئی اور جب آنکھ کھلی تو دن کے سات بج رہے تھے اور کیٹی پلنگ پر سے غائب تھی۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا باتھ روم میں سے کیٹی کے منہ دھونے اور دانت صاف کرنے کی آواز سنائی دی۔

اتنے میں میری بیوی اندر آ گئی اور مجھے قالین پر لیٹے دیکھ کر بولی:

"یہ آپ قالین پر کس لیے سو رہے ہیں؟"

میں نے کہا:

"اصل میں میں یہیں بیٹھا عنبر ناگ ماریا کی کہانی رات کو لکھ رہا تھا بس یہیں سو گیا۔"

غسل خانے میں سے پانی کے چھینٹوں کی آواز آئی تو میری بیوی نے چونک کر دیکھا اور کہا:

"اندر کون ہے؟"

میں تو سُن ہو کر رہ گیا۔ باتھ روم میں بھی کیٹی نے میری بیوی کی آواز سن لی تھی۔ وہ بھی خاموش ہو گئی۔ پانی کے چھینٹوں کی آواز آنی بند ہو گئی۔ میری بیوی نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا:

"کون ہے اندر؟"

میں نے کہا:

"بیگم تمہیں تو یونہی وہم ہو رہا ہے۔ اندر کوئی نہیں ہے۔"

"لیکن ابھی ابھی اندر سے آواز آ رہی تھی جیسے کوئی منہ دھو رہا ہے۔"

پھر اس نے باتھ روم کا دروازہ ایک دم سے کھول دیا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں جانتا تھا کہ اندر سے کیٹی نکلے گی اور بیوی کے سامنے مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا کہ میں نے یہاں کیٹی کو چھپایا ہوا تھا اور بیوی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ مگر بیوی کے چلانے کی آواز نہ آئی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو باتھ روم خالی تھا۔ کیٹی کی چٹکی کام آ گئی تھی۔ وہ چٹکی بجا کر ننھی سی مکھی بن کر باتھ روم کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

میری بیوی نے سر جھٹک کر کہا:

"حد ہو گئی ہے۔ جب سے آپ نے عنبر ناگ ماریا کا سلسلہ لکھنا شروع کیا ہے یہ گھر آسیب زدہ ہو گیا ہے اور آپ بھی عنبر ناگ ماریا کا ایک کردار بن گئے ہیں۔ گھر میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔ آپ راتوں کو اَن دیکھے انسانوں سے باتیں کرتے ہیں۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں۔"

میں نے ہنس کر کہا:

"تمہیں وہم ہو رہا ہے بیگم۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

بیگم بڑبڑاتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئیں۔ میں جلدی سے اٹھ کر باتھ روم میں آ گیا اور دیکھا کہ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک مکھی میری طرف غور سے دیکھ کر اپنی دونوں اگلی ٹانگیں رگڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں انسانی آنکھوں کی چمک تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہی کیٹی ہے۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بالکل نہ اڑی۔ میں نے اسے مٹھی میں لے کر اپنی الماری کے اندر کتابوں کے پیچھے چھپا دیا اور آہستہ سے کہا:

"کیٹی! تم اسی جگہ تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں نہا کر تیار ہو لوں۔"

جونہی میں نے الماری میں سے سر باہر نکالا میری بیگم پیچھے کھڑی تھیں۔

"یہ آپ کس سے الماری میں منہ ڈالے باتیں کر رہے تھے؟"

میں شرمندہ ہو کر مسکرایا اور بولا:

"ہی ہی ہی۔ دراصل میں ناگ کے کردار کو کہہ رہا تھا کہ اب ہرگز ہرگز کتاب میں سے باہر نہ نکلنا نہیں تو میری بیگم تمہیں پکڑ کر بھون کر کھا جائے گی۔"

"اللہ معافی! خدا بچائے اس سانپ کے بچے سے یہ ناگ واگ اپنے پاس ہی رکھیں آپ۔"

اور میری بیگم دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

میں نے غسل کر کے ناشتہ کیا۔ کپڑے بدلے اور کیٹی کو مکھی کی شکل میں اپنے گرم کوٹ کی جیب میں ڈال کر گھر سے نکل دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے ریڈیو سٹیشن جانے سے پہلے ٹی وی سٹیشن ایک ضروری کام سے جانا تھا۔ کیٹی میری جیب میں مکھی بن کر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی اور میں ٹی وی سٹیشن میں اپنے دوست کے کمرے میں بیٹھا چائے پیتے ہوئے اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ کیٹی مکھی کی شکل میں میرے کوٹ کی جیب سے نکل کر

میری چائے کی پیالی کے پاس بیٹھی مجھے شرارت سے تک رہی تھی۔ میرے دوست نے مکھی کو دیکھا تو اخبار تہہ کر کے زور سے میز پر مارا۔ میں اسے منع کرتے ہی رہ گیا۔ میرا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا لیکن خدا کا شکر ہے کہ مکھی مری نہیں تھی، وہ اڑ گئی تھی۔

میرے دوست نے کہا:

"یہاں بھی اب مکھیاں آنے لگی ہیں۔ مگر تم مجھے اسے مارنے سے کیوں منع کر رہے تھے؟"

میں نے کہا:

"یار میں مکھیاں نہیں مارتا۔ جب ماروں گا تو شیر کو ماروں گا۔"

میرا دوست ہنس دیا۔ مگر مجھے اب کیٹی کی فکر پڑ گئی تھی کہ وہ کہاں ہے؟ کیونکہ کمرے میں وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اپنے دوست سے اجازت لے کر باہر نکلنے لگا تو میں نے ایک مکھی کو اڑ کر ٹیلی ویژن سٹوڈیوز کی طرف جاتے دیکھا۔ میں مکھی کے پیچھے بھاگا۔ ایک دوست نے مجھے دیکھا اور دور سے آواز دی:

"حمید صاحب! خیر تو ہے۔ کہاں بھاگے جا رہے ہیں؟"

میں رک کر آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کھسیانا سا ہو کر بولا:

"یار قریشی کے کمرے میں میرا فون آیا ہے۔ اس لیے جلدی جا رہا تھا۔"

اس نے کہا:

"مگر قریشی کے کمرے پر تو تالا پڑا ہوا ہے۔"

اب میں اسے کیا جواب دیتا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ آدمی اگر ایک جھوٹ بول دے تو پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اور جھوٹ پر جھوٹ بولنا چلا جاتا ہے۔ میں نے ترچھی آنکھ سے دیکھا کہ وہی مکھی سٹوڈیوز کی طرف اڑتی ہوئی جا رہی ہے۔ میں بھی لپک کر سٹوڈیوز میں آ گیا۔ یہاں پنجابی ڈرامے "کاغذ دا دیوا" کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ اس ڈرامہ سیریز کا پروڈیوسر میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے اپنے قریب کرسی پر بٹھایا اور خوش ہو کر بولا:

"ذرا یہ سین دیکھیں۔ میں اسے بڑی محنت سے شوٹ کر رہا ہوں۔"

مگر میں تو مکھی کی تلاش کر رہا تھا۔ سین شروع ہو گیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میری مکھی یعنی کیٹی ٹی وی ڈرامے "کاغذ دا دیوا" کی اللہ معافی کہنے والی لڑکی کی ناک پر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ اس لڑکی نے ناک پر سے مکھی اڑانے [illegible]

"اللہ معافی! ایہہ مکھی کتھوں آ گئی اے۔ میں نے کدی نک تے مکھی نہیں بہن دتی۔"

کیپٹ مکھی اس کی ناک پر سے اُڑ گئی۔ پروڈیوسر نے ہنس کر میرے کان میں کہا:

"اس مکھی کی وجہ سے بڑا اچھا مکالمہ ہو گیا ہے۔"

سین شوٹ کیا جا رہا ہے۔ اداکاروں پر روشنیاں پڑ رہی تھیں۔ کیمرہ سین کی فلم اتار رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بکری اللہ معافی کہنے والی لڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی ہے اور اس کا کرتہ منہ میں ڈال کر چبانے لگی ہے۔ وہ لڑکی بھی حیران رہ گئی کہ یہ بکری کہاں سے آ گئی۔ پروڈیوسر، کیمرہ مین اور دوسرے آرٹسٹ بھی حیران تھے کہ یہ بکری پہلے تو وہاں نہیں تھی۔ اچانک کہاں سے آ گئی! مگر میں جانتا تھا کہ یہ سب کیپٹ کی چٹکی کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں بھی خاموش رہا۔ پروڈیوسر شوٹنگ روکنے کا اشارہ کرنے ہی والا تھا کہ لڑکی نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں کہا:

"اللہ معافی! پہلے مکھی آئی سی ہن ایہہ بکری کتھوں آ گئی اے۔ میرا کرتہ کھان لگی اے۔"

اور اس نے جلدی سے بکری کے منہ سے اپنے کُرتے کا کونا چھڑوا لیا۔ پروڈیوسر نے وہیں کٹ کہہ کر شوٹنگ رکوا

دی۔ سب اس بکری کے پیچھے پڑ گئے۔ بکری بھاگ کر میرے پاس آ گئی۔ کیوں کہ وہ تو کیپٹ تھی اور مجھے پہچانتی تھی۔ بکری میری طرف منہ کر کے زور زور سے مے مے کرنے لگی۔ سب ہنسنے لگے۔

اللہ معافی والی لڑکی نے کہا:

"اللہ معافی! حمید صاحب تسی کہدوں توں بکری رکھنی شروع کر دتی اے۔"

میں نے کھانس کر کہا:

"بالکل نہیں۔ میں تو اس بکری کو نہیں جانتا خدا جانے کہاں سے آ گئی ہے۔"

بکری نے زور سے مجھے ٹکر ماری اور باہر کو نکل بھاگی۔ سب قہقہہ لگا کر ہنسے۔

لڑکی نے کہا:

"اللہ معافی! بکری نے آپ کی گل سن لئی اے۔"

میں اُٹھ کر بکری کے پیچھے بھاگا۔ سارا ٹیلی ویژن سٹیشن ڈھونڈ مارا مگر بکری یعنی کیپٹ کا کہیں پتہ نہ چل رہا تھا۔ بکری تو ایسے غائب ہوئی تھی کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔ میں پریشان ہو گیا کہ اگر بکری کسی قصائی کے ہاتھ لگ گئی اور عین وقت پر کیپٹ کی چٹکی دھوکہ دے

گئی تو کیا ہو گا؟ قصائی تو بکری کو ذبح کر کے اس کا
گوشت چالیس روپے سیر کے حساب سے بیچ ڈالے گا
اور کھال یتیم خانہ والوں کو دے دے گا یا خود اس کا
کوٹ بنا کر پہن لے گا۔ ریلوے سٹیشن سے نکل کر میں
کیٹی یعنی بکری کو تلاش کرتا ہوا ملہ پہاڑی کی طرف آ گیا۔
ایک دم میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو شکل صورت سے
ہی قصائی لگتا تھا اس نے ایک بکری کو اٹھا رکھا تھا۔
بکری زور زور سے مے مے کر رہی تھی اور وہ لے کر
تیز تیز چل رہا تھا۔ میں بھاگ کر اس کے پاس پہنچا۔
میں نے بکری کو پہچان لیا۔ یہ کیٹی ہی تھی۔ کیوں اس کی
آنکھوں میں انسانی آنکھوں ایسی چمک تھی۔ میں نے اس قصائی
کی گود سے بکری چھیننی چاہی تو اس نے شور مچا دیا۔

"لوگو! یہ بابو صاحب مجھ سے میری بکری چھین
رہے ہیں۔"

میں نے کہا:

"یہ تمہاری نہیں میری بکری ہے۔ لاؤ اسے میرے
حوالے کرو۔ نہیں تو میں تمہیں تھانے لے چلوں گا۔"

قصائی نے لوگوں کو اکٹھا کر لیا اور بولا:

"بھائیو! یہ میری بکری ہے۔ میں نے چند روز پہلے

اسے خریدا تھا۔ یہ بابو صاحب پاگل ہو گئے ہیں۔
بھلا کوئی سوٹ بوٹ والا آدمی بکری کو ساتھ لے کر
چلتا ہے۔"

سب لوگ مجھے الٹا شرمندہ کرنے لگے کہ کیوں اس
غریب پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں آپ۔ یہ بکری اسی
کی ہے۔ میں لاجواب ہو گیا۔ کیا جواب دیتا۔ سارے لوگ
قصائی کے ساتھ ہو گئے تھے۔ قصائی بھی بڑا مکار اور ہوشیار
تھا۔ اس نے فوراً ایک خالی رکشے کو کھڑا کیا۔ اس میں
بکری کو لے کر بیٹھا اور رکشہ گڑھی شاہو کی طرف روانہ ہو گیا
بکری کے رونے اور زور زور سے مے مے کرنے کی
آوازیں ابھی تک مجھے آ رہی تھیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ
کیٹی کی چٹکی میں ایک بار پھر نقص پیدا ہو گیا ہے اور
وہ چٹکی بجا کر دوبارہ مکھی یا انسانی شکل اختیار نہیں کر
سکتی تھی۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھی جلدی سے ایک خالی
رکشے میں بیٹھا اور اسے کہا:

"اس اگلے رکشے کا پیچھا کرو، جلدی۔"

رکشہ ڈرائیور بولا:

"بابو صاحب کیا وہ آپ کی جیب کاٹ کر بھاگ
گیا ہے؟"

میں نے کہا:

"نہیں۔ وہ میری بکری لے کر بھاگ رہا ہے۔"

رکشے والا ہنسا اور بولا:

"بابو جی! آپ بکری لے کر بازار میں کیوں آ گئے تھے؟"

میں نے کہا:

"تم زیادہ باتیں نہ کرو اور رکشے کا پیچھا کرو۔ میں تمہیں دس روپے دوں گا۔"

رکشا والا شوں کر کے بکری والے رکشے کی تلاش میں نکل پڑا۔ کوینز میری کالج کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ بکری والا رکشا آگے آگے جا رہا تھا۔ اب میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ قصائی ریلوے پل پر سے گذر کر ایک غریب آبادی میں آ کر رُک گیا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ایک بار پھر لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا۔ میں کہہ رہا تھا بکری میری ہے۔ قصائی کہہ رہا تھا بکری میری ہے اور بکری مے مے کر رہی تھی۔ میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شور مچا رہی تھی۔ لیکن وہ اس قصائی کا اپنا محلہ تھا۔ میری کوئی نہیں سن رہا تھا۔ سب مجھے جھوٹا کہہ رہے تھے۔ آخر مجھے وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ میں پرے ہٹ کر ایک جگہ دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور بڑی

بے بسی کے ساتھ کیٹی یعنی اپنی بکری کو دیکھنے لگا کہ خدا جانے اب اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس کا جو حشر ہونے والا تھا اس کا مجھے علم تھا۔ قصائی نے بکری کو یعنی کیٹی کو مکان کے باہر نلکے کے نیچے کھُرے میں لٹا دیا اور بیٹے سے کہا:

"جیرا! اوئے جیرا! چھری لاؤ۔ آج تمہیں بکری کے پائے کھلاؤں گا۔"

اس کا بیٹا جیرا چھُری لے کر آ گیا۔ قصائی چھُری کو تیز کرنے لگا۔ بکری کو اس نے اپنے گھٹنے کے نیچے دبا رکھا تھا جس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں بھاگ کر اس کے پاس گیا اور گھبرا کر کہا:

"خدا کے لیے اس بکری کو ذبح نہ کرو۔ میں اس کے بدلے تمہیں پانچ سو روپے دینے کو تیار ہوں۔"

قصائی نے چھری لہرا کر کہا:

"بابو یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو میں تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی حلال کر دوں گا۔"

میں پریشان ہو گیا۔ قصائی نے چھُری کیٹی بکری کی گردن پر رکھی اور کلمہ شریف پڑھ کر چھری چلا دی۔ میں نے جلدی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ لیکن بکری کی بجائے قصائی کی بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے جلدی سے گردن

گھما کر دیکھا اور خوف سے میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نکلے کے پیچھے کھڑے میں جہاں قصائی نے بکری کیٹی کو دبوچ رکھا تھا وہاں اب ایک دہشت ناک مگرمچھ نے اپنے لمبے لمبے دانتوں والے جبڑے میں قصائی کو دبوچ رکھا ہے اور قصائی چیخیں مار رہا ہے اور مگرمچھ کے حلق سے شوں شوں کی خوفناک غصیلی آوازیں نکل رہی ہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کیٹی کی جان بچ گئی تھی اور کیٹی کی چھلکی عین وقت پر ٹھیک ہو گئی تھی، لیکن اب مجھے قصائی کی جان کی فکر پڑ گئی۔ میں لپک کر مگرمچھ کے پاس گیا۔ لوگ ڈر کر بھاگ گئے تھے عورتوں نے چیخیں مارتے ہوئے مکانوں کے دروازے بند کر لیے تھے۔

میں نے مگرمچھ سے کہا:

"کیٹی! کیٹی! اسے چھوڑ دو۔ چھوڑ دو اسے۔"

مگرمچھ نے اپنے جبڑوں میں قصائی کو زور سے اوپر اچھالا اور پرے گرا دیا۔ قصائی کا جسم زخمی ہو گیا تھا پھر بھی وہ اٹھا اور خوف کے مارے بھاگ کھڑا ہوا۔ میں بھی مگرمچھ سے ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ مجھے بھی زخمی نہ کر دے۔ اگرچہ مجھے یقین تھا کہ یہ کیٹی ہی ہے لیکن پھر بھی مجھے خطرہ تھا کہ وہ غصے کی حالت میں ہے اور کہیں مجھ پر حملہ نہ کر دے۔ مگرمچھ یعنی کیٹی ہانپ رہا تھا۔ اب سوال یہ تھا

کہ اتنے بڑے مگرمچھ کو لے کر میں اپنے گھر کیسے جا سکتا تھا اور میں کیٹی کو اکیلا بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

مگرمچھ رینگتا ہوا درختوں کی طرف چلنے لگا۔ ادھر ایک چھوٹی سی نہر بہہ رہی تھی۔ مگرمچھ یعنی کیٹی نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ اب وہاں بہت لوگ جمع ہو گئے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ یہ مگرمچھ اس طرف کہاں سے آ گیا۔ پولیس کی گاڑی بھی آ گئی۔ سپاہیوں نے باہر نکل کر رائفلوں کے نشانے باندھ لیے۔ میں پریشان ہو گیا۔ کیوں کہ ان رائفلوں کی گولیاں کیٹی کو ہلاک کر سکتی تھیں۔ اتنے میں مگرمچھ میں ایک اور تبدیلی آ گئی۔ مگرمچھ سب کی نظروں کے سامنے پہلی گولی کے چلتے ہی غائب ہو گیا۔ سپاہی دیکھتے ہی رہ گئے۔ لوگ سہم کر بھاگ گئے۔ وہ مگرمچھ کو کوئی بھوت پریت سمجھ رہے تھے جو اچانک غائب ہو گیا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا کیوں کہ کیٹی کی چھلکی نے ایک بار پھر اسے بچا لیا تھا۔ مگر اب مجھے یہ فکر لگا ہوا تھا کہ کیٹی غائب ہو کر کہاں گئی ہے۔

میں اسی فکر میں تھا کہ اچانک بِھیں بِھیں کی آواز آئی اور میں نے دیکھا کہ ایک شہد کی چھوٹی مکھی میرے کوٹ کے کالر پر آ کر بیٹھ گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں انسانی

آنکھوں کی چمک تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کیبٹی ہے۔ میں نے
آہستہ سے کہا:

"کیبٹی! اب روپ نہ بدلنا۔ میں تمہیں گھر لیے جا
رہا ہوں۔"

شہد کی مکھی نے اپنا سر آگے پیچھے ہلایا۔ اس کا مطلب
تھا کہ شہد کی مکھی میری بات سن رہی تھی مگر وہ انسانی
آواز میں جواب نہیں دے سکتی تھی۔ میں وہاں سے نکل
کر ریلوے کے پل پر آ گیا اور پیدل چلنے لگا۔ جب میں
ریلوے کی کوٹھیوں کے قریب سے گزرا تو وہاں سوکھے پتوں
کو کسی نے آگ لگا رکھی تھی اور دھوئیں کے بادل اٹھ
رہے تھے۔ میں نے خیال ہی نہ کیا کہ مکھی دھوئیں کو
برداشت نہیں کر سکتی۔ میں دھوئیں میں سے گزر گیا۔ آگے
جا کر دیکھا تو میرے کوٹ کے کالر پر شہد کی مکھی کے
روپ میں بیٹھی ہوئی کیبٹی غائب تھی۔ میں جلدی سے پیچھے
مڑا۔ ساری سڑک پر دھواں ہی دھواں پھیلا ہوا تھا۔ شہد
کی مکھی کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کہاں چلی گئی
تھی۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا مگر کیبٹی مجھے نہ
مل سکی۔

میں ناکام ہو کر واپس اپنے گھر سمن آباد کی طرف
روانہ ہو گیا۔

ادھر شہد کی مکھی کی شکل میں کیبٹی دھوئیں کے بادل
میں گھبرا کر اڑی تو دھوئیں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس
کا سانس بند ہونے لگا۔ وہ اڑتی چلی گئی۔ آخر جب وہ
کھلی ہوا میں آئی اور اس کا سانس درست ہوا تو اس نے
دیکھا کہ وہ ایک باغ میں اڑی جا رہی ہے۔ اتفاق سے
اس باغ کے ایک گنجان درخت میں شہد کی مکھیوں کا چھتہ
تھا۔ جونہی اس چھتے کی مکھیوں نے ایک اجنبی مکھی کو
اپنے علاقے میں داخل ہوتے دیکھا انہوں نے اس پر حملہ
کر دیا۔

کیبٹی گھبرا گئی۔ وہ اتنی زیادہ شہد کی مکھیوں کے خوفناک
حملے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ غوطہ کھا کر نیچے کی
طرف آ گئی اور اس نے دل میں اپنی ہی شکل کا خیال
لا کر دل ہی دل میں چٹکی بجائی۔ اسے بہت کم امید تھی
کہ وہ اپنی اصلی شکل میں واپس آ جائے گی۔ مگر وہ یہ
دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ اپنی اصلی شکل میں آ گئی
تھی۔ یعنی وہ خلائی لڑکی کیبٹی بن گئی تھی۔ اس نے اپنی
آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو چونک پڑی۔ اس کی آنکھیں
چوکور ہو گئی تھیں۔ چوکور آنکھیں لاہور شہر میں اس کے
لیے پریشانی پیدا کر سکتی تھیں۔ شہد کی مکھیوں نے کیبٹی پر
حملہ کر دیا۔ مگر کیبٹی نے کوئی جوابی حملہ نہ کیا اور شہد

کی مکھیوں سے بچنے کی کوشش نہ کی۔ کیوں کہ وہ جانتی
تھی کہ خلائی لڑکی بن جانے سے اس کے خون میں جو
خلائی سیارے کے خاص تیزابی مادے ہیں وہ شہد کی
مکھیوں کو ہلاک کر دیں گے۔

اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی شہد کی مکھیوں نے کیٹی کو کاٹا
وہ مر مر کر گرنے لگیں۔ اپنی ساتھی مکھیوں کو مرتے دیکھ
کر دوسری شہد کی مکھیاں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔
کیٹی کو مکھیوں کے کاٹنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی
تھی۔ مگر اب اس کی چوکور آنکھیں اس کے لیے مصیبت
بن سکتی تھیں۔ وہ باغ میں سے گزرتی ہوئی باہر سڑک
پر آ گئی۔ یہ سڑک شالا مار باغ کے سامنے سے گزرتی
تھی۔ یہاں ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ کیٹی اپنی آنکھوں
کے آگے ہاتھ کا چھجا سا بنائے چل رہی تھی۔ ایک تو
وہ نوجوان تھی اور پھر اس کا لباس بھی سفید چمکیلا خلائی
تھا۔ لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ تو اس کے پیچھے
لگ گئے۔

کیٹی گھبرا گئی۔ مگر وہ چلتی چلی گئی۔ شالا مار باغ کا
دروازہ بند تھا۔ وہ باغبانپورے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ایک
آدمی نے کیٹی کی چوکور آنکھوں کو دیکھ کر شور مچا دیا۔
ارے اس کی آنکھیں چوکور ہیں۔ یہ چڑیل ہے

یہ چڑیل ہے۔"

لوگوں نے چڑیل چڑیل کا شور مچا دیا۔ کیٹی پریشان ہو
کر بھاگنے لگی۔ لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے
لگے۔ بچوں نے اس پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ اب
کیٹی کو سخت غصہ آگیا۔ اس نے اپنے دل میں ہاتھی کا
خیال جمایا اور چٹکی بجا دی۔ وہ ہاتھی بن کر ان لوگوں کو
وہاں سے مار بھگانا چاہتی تھی۔ لیکن اس بار پھر
چٹکی دھوکا دے گئی۔

کیٹی ہاتھی بننے کی بجائے دوبارا ایک چڑیا بن
گئی۔ چٹکی نے پھر گڑ بڑ کر دی تھی۔ لیکن کیٹی نے شکر
کا سانس لیا کہ وہ ان لوگوں سے تو بچ گئی اور وہ بھی
اس کے ہاتھوں زخمی ہونے سے بچ گئے۔ کیوں کہ اگر
وہ ہاتھی بن جاتی تو ایک آدھ کو تو ضرور زخمی کر دیتی۔
لوگ کیٹی کو غائب ہوتے دیکھ کر دم دبا کر وہاں سے
ایسے بھاگے کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ کیٹی چڑیا کے روپ
میں اڑتے ہوئے شہر لاہور کے شمال کی طرف اڑنے لگی۔

اڑتے اڑتے وہ ریلوے سٹیشن، میکلوڈ روڈ اور گوالمنڈی
کے اوپر سے ہو کر میو ہسپتال کے اوپر آ گئی۔ یہاں اس
نے گھنے سرسبز درخت دیکھے تو سوچا کہ کچھ دیر یہاں
آرام کر کے سوچنا چاہیے کہ آگے کیا کیا جائے۔ وہ

ہسپتال کے ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گئی۔ اس کے نیچے ایمرجنسی وارڈ تھا اور یہاں زخمی اور شدید بیمار لوگوں کو لایا جاتا تھا اور انہیں فوراً طبی امداد دی جاتی تھی۔ اتنے میں ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس میں سے چند گھبرائی ہوئی عورتوں اور مردوں نے ایک بے ہوش نوجوان کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر نکالا اور اندر لے گئے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ کیپٹی نے سنا۔ ایک عورت کہہ رہی تھی:

"خدا میرے بھائی کو بچا لے۔ میرا ایک ہی بھائی ہے۔"

ایک عورت نے پوچھا:

"بہن! کیا ہو گیا تھا تمہارے بھائی کو؟"

وہ کہنے لگی:

"کیا بتاؤں بہن! دعوت پر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو گھر میں داخل ہوتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کہا اس کے جسم میں زہر پھیل گیا ہے اسے جلدی سے ہسپتال لے جاؤ۔"

اور وہ بے چاری بہن رونے لگی۔ اسے اپنے بھائی سے بہت محبت تھی۔ جن بہنوں کا ایک ہی بھائی ہوتا ہے ان کی محبت کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے اور اگر خدا نہ کرے بھائی کو کچھ ہو جائے تو بہنوں کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ یہی حال اس بہن کا ہو رہا تھا جس کا اکلوتا بھائی

زندگی اور موت کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔

کیپٹی درخت کی ٹہنی سے اتر کر ایمرجنسی وارڈ میں آگئی۔ نوجوان لڑکا بے ہوش پڑا تھا۔ ڈاکٹر اسے ہوش میں لانے کا ٹیکہ لگا رہے تھے۔ پھر اس نوجوان کو ہسپتال کی پہلی منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ کمرہ پرائیویٹ تھا۔ دوپہر کے بعد جا کر کہیں نوجوان کو ہوش آیا۔ اس کی بہن اور ماں اور باپ نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ کیپٹی بھی خوش ہو گئی۔ وہ کمرے میں سے نکل کر برآمدے میں آگئی اور پھر سامنے والے چھوٹے سے باغ میں ایک درخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی شکل بدلنے کی ایک بار پھر کوشش کرے اور اپنی شکل تبدیل کر کے عنبر ناگ ماریا کے مصنف سے اجازت لے اور لاہور سے کسی دوسرے شہر کی طرف کوچ کر جائے۔

دو آدمی جنہوں نے آدھے چہرے گلوبند سے ڈھانپ رکھے تھے وہاں آ کر دھوپ میں بیٹھ گئے۔

ایک آدمی نے کہا:

"اسے تو ہوش آ گیا ہے۔"

دوسرا بولا:

"پھر کیا ہوا ہم اسے دوبارا ہلاک کر سکتے ہیں۔"

پہلا کہنے لگا:

"مگر اب ہسپتال میں ایسا کرنا بہت مشکل ہے اب تو یہی ہے کہ وہ ٹھیک ہو کر گھر واپس آئے تو اسے موقع پا کر قتل کر دیں گے۔"

کیپٹی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ دوسرا آدمی بولا:

"ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔ میں اسے ہسپتال میں بھی ہلاک کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" پہلے آدمی نے پوچھا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں آج رات ہی اس کا کام تمام کر دوں گا۔"

"مگر اس کے سارے گھر والے کمرے میں موجود ہیں۔"

"دیکھ لوں گا۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ہسپتال سے باہر نکلے اور ایک گاڑی میں بیٹھ کر کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئے کیپٹی ان کی گاڑی کے اوپر اڑتے ہوئے ان کا برابر پیچھا کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ اسی نوجوان کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں جو اپنی بہن کا اکلوتا بھائی ہے اور جسے ابھی ابھی ہسپتال لایا گیا ہے۔ کیپٹی نے اسے ان قاتلوں سے بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا!!

زہر کا ٹیکہ

قاتلوں کی گاڑی ایک ویران جگہ پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ یہاں ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ جس میں دونوں آدمی داخل ہو گئے۔ کیپٹی باہر ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ کر ان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں باہر نکل آئے۔ ان میں سے اس آدمی نے ڈاکٹر والا سفید لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ جس نے کہا تھا کہ میں آج ہی رات کو ہسپتال میں نوجوان کا کام تمام کر دوں گا۔ اس نے چھوٹی سی ڈاڑھی لگا کر اپنا حلیہ بھی بدل لیا تھا۔ مگر کیپٹی نے اسے صاف پہچان لیا تھا۔ کیوں کہ اس کی آنکھیں خلائی تھیں۔ دونوں گاڑی میں سوار ہو کر واپس ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیپٹی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ ہسپتال سے تھوڑی دور مال روڈ کی طرف یہ لوگ گاڑی سے اتر کر ایک ہوٹل میں جا کر چائے پینے گئے۔ ہوٹل کا دروازہ شیشے کا تھا اور بند تھا۔

کیٹی چڑیا کے روپ میں اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ باہر ہی ایک جگہ دکان کے اوپر لگے بورڈ پر بیٹھ کر
ان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ اتنی دیر میں شام
ہو گئی۔ جب اندھیرا پھیل گیا تو دونوں آدمی باہر نکل کر
گاڑی میں بیٹھے اور میو ہسپتال میں آ گئے۔ گاڑی ایک طرف
اندھیرے میں کھڑی کر کے نقلی ڈاکٹر باہر نکل آیا۔ وہ نقلی
داڑھی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔ وہ گاڑی کی کھڑکی
میں منہ ڈال کر اپنے ساتھی سے کہنے لگا:

"تم یہاں سے سیدھے گوجرانوالہ چلے جاؤ۔ میں بعد میں
وہیں ملوں گا۔ گاڑی اسی جگہ رہنے دینا۔ تم بس میں
سوار ہو کر چلے جانا۔"

گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا:

"کام ہوشیاری سے کرنا۔ ویسے تم پہچانے نہیں
جاتے۔ بالکل ڈاکٹر لگتے ہو۔"

نقلی ڈاکٹر بولا:

"تم فکر نہ کرو۔"

"تمہارے پاس زہر کا ٹیکہ موجود ہے نا؟"

"ہاں۔ اسے میں کس طرح بھول سکتا ہوں۔"

اور نقلی ڈاکٹر اپنے لمبے سفید کوٹ کی جیب میں ہاتھ

ڈالے ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ کیٹی اب اڑ کر ہسپتال کے
اندر چلی گئی اور برآمدے میں سے گزرتے ہوئے سیدھی بہن
کے اکلوتے بھائی کے پرائیویٹ کمرے کے باہر آ گئی۔ کمرہ
بند تھا۔ کیٹی چڑیا کی شکل میں تھی اس لیے اندر نہیں
جا سکتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں اپنی اصلی شکل کا
تصور کر کے چٹکی بجانے کا خیال کیا مگر وہ چڑیا ہی بنی
رہی۔ وہ اندر جا کر بہن کے اکلوتے بیمار بھائی کو خبردار
کرنا چاہتی تھی کہ وہ خبردار ہو جائے ایک آدمی نقلی
ڈاکٹر کے بھیس میں اسے قتل کرنے آ رہا ہے مگر وہ
اپنی شکل پر نہیں آ رہی تھی۔ چڑیا کی شکل میں وہ کسی
سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ کیٹی یہی کچھ سوچ رہی تھی کہ
اس نے دیکھا کہ اندھیرے برآمدے میں وہی قاتل نقلی
ڈاکٹر چلا آ رہا ہے۔ اس کی جیب میں زہر کا ٹیکہ تھا۔
کیٹی پریشان ہو گئی۔ وہ ہر حالت میں پرائیویٹ کمرے
میں نیم بے ہوش نوجوان کو بچانا چاہتی تھی مگر اس کی
چٹکی کام نہیں کر رہی تھی۔ قاتل نقلی ڈاکٹر پرائیویٹ کمرے
کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر
دستک دی۔

اندر سے نوجوان کی بہن نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا

نقلی ڈاکٹر نے کہا:

"محترمہ! میں مریض کو چیک کرنے آیا ہوں"

بہن نے کہا:

"آ جائیے ڈاکٹر صاحب"

اب تو کیٹی بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔ اس کو معلوم تھا کہ یہ نقلی ڈاکٹر اندر جاتے ہی بہن کے اکلوتے بیمار بھائی کو زہر کا ٹیکہ لگا دے گا اور اس کی بہن اسے منع بھی نہیں کر سکے گی۔ کیوں کہ وہ تو اسے اصلی ڈاکٹر سمجھ رہی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ڈاکٹر کی شکل میں ایک قاتل اندر آ گیا ہے۔

کیٹی نے دل میں اپنے جن دوست کو یاد کر کے اسے درخواست کی کہ خدا کے لیے میری مدد کرو۔ یہاں ایک معصوم بہن کے اکلوتے بھائی کی زندگی کا سوال ہے اور اس کے ساتھ ہی کیٹی نے اپنے ذہن میں ایک فوجی کیپٹن کا تصور جمایا اور دل ہی دل میں چٹکی بجا دی اس دفعہ چٹکی نے اسے دھوکہ نہیں دیا تھا۔ شاید اس کے جن دوست کے دل میں رحم آ گیا تھا اور وہ بھی بہن کے اکلوتے بھائی کو بچانا چاہتا تھا۔ چٹکی کے بجانے کے خیال کے ساتھ ہی کیٹی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی کہ

وہ ایک فوجی کیپٹن کی وردی میں کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ پستول اس کی پیٹی کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ کیٹی وقت ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دھڑاک سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ نوجوان بستر پر لیٹا ہوا ہے اور اس کی آنکھیں بند ہیں اس کی بہن پاس ہی کھڑی اس کی صحت کے لیے دعا مانگ رہی ہے اور نقلی ڈاکٹر نوجوان کے بازو پر سے قمیص ہٹا کر زہر کا ٹیکہ لگانے ہی والا ہے۔

کیپٹن کیٹی نے اندر جاتے ہی پستول نکال کر للکارتے ہوئے کہا:

"ہینڈز اَپ! خبردار جو ٹیکہ لگایا"

نقلی ڈاکٹر نے اپنے سامنے ایک فوجی کیپٹن کو اپنے سامنے پستول تانے کھڑے دیکھا تو وہ گھبرا گیا۔ جلدی سے ٹیکہ لگانا چاہتا ہی تھا کہ کیپٹن کیٹی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے زہریلے ٹیکے کا سرنج چھین لیا۔

نوجوان کی بہن کا رنگ اڑ گیا تھا:

"کیا بات ہے جناب"

بے چاری نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"ابھی بتاتا ہوں:"

پھر اس نے نقلی ڈاکٹر کی گردن پر زور سے مکا مارتے ہوئے کہا:

"ہاتھ اوپر۔ اور اوپر اٹھا کر خاموشی سے دیوار کے ساتھ لگ جاؤ۔"

نوجوان ابھی تک آنکھیں بند کیے بے ہوش تھا۔ اس کی زندگی خدا نے بچا لی تھی۔ اور نقلی ڈاکٹر اسے زہر بھرا ٹیکہ نہیں لگا سکا تھا۔ کیپٹن کیٹی نے نوجوان کی بہن سے کہا:

"جلدی سے ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے ڈاکٹروں کو یہاں بلاؤ۔ جلدی جاؤ۔"

بے چاری ڈری ہوئی لڑکی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر ایک فوجی کیپٹن کو سامنے دیکھ کر وہ جلدی سے باہر چلی گئی۔ اب کمرے میں نقلی قاتل ڈاکٹر اور کیپٹن کیٹی رہ گئے تھے۔

کیپٹن کیٹی نے اسے گھورتے ہوئے کہا:

"تم نے اپنے ساتھی سے مل کر پہلے بھی اس نوجوان کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر بچ گئے۔ لیکن اس بار تم بچ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔ یہ زہر والا ٹیکہ اور تمہارا نقلی ڈاکٹر کا لباس

اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ تم اس بے گناہ نوجوان کو قتل کرنے آئے تھے۔"

نوجوان کی بہن نے جب ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ اور اور دوسرے ڈاکٹروں کو جا کر بتایا کہ ان کے کمرے میں ایک فوجی کیپٹن پستول لے کر آیا ہوا ہے اور اس نے ایک ڈاکٹر کو ہینڈز اپ کرایا ہوا ہے اور وہ لوگ بھاگتے ہوئے کمرے میں آ گئے۔

کیپٹن کیٹی نے ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ سے کہا:

"یہ لیجئے ٹیکے کا سرنج۔ دیکھیں چیک کریں کہ اس کے اندر کیا ہے؟ باقی بات میں آپ کو پھر بتاؤں گا۔"

بڑے ڈاکٹر نے پوچھا:

"مگر سر۔ یہ ڈاکٹر کون ہے؟ اس کو پہلے تو میں نے یہاں نہیں دیکھا۔"

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"یہ نقلی ڈاکٹر ہے اور ٹیکے میں زہر ڈال کر اس نوجوان مریض کو یہاں قتل کرنے کے لیے آیا تھا۔ بتائیے اس ٹیکے میں کیا ہے؟"

سپرنٹنڈنٹ بھی ڈاکٹر تھا۔ اس نے سرنج میں سے دوائی کا ایک قطرہ پلیٹ پر ڈال کر دیکھا دوسرے ڈاکٹروں کو بھی دکھایا

انہوں نے کہا:

"یہ تو زہر ہے۔ اس میں سائی نائیٹ زہر ملا ہوا ہے جو بے حد خطرناک زہر ہوتا ہے۔"

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"فوراً پولیس کو بلوائیں اور اس نقلی ڈاکٹر کو اس نوجوان مریض کو قتل کرنے کی کوشش میں گرفتار کریں۔"

اسی وقت پولیس آ گئی اور نقلی ڈاکٹر کو ہتھکڑی لگا کر ساتھ لے گئی۔

نوجوان کی بہن نے کیپٹن کیٹی سے کہا:

"بھائی جان! میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے میرے بھائی کی جان بچا کر ہم سب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

کیپٹن کیٹی نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا:

"یہ میرا فرض تھا بہن"

کیپٹن کیٹی نے پولیس کو جا کر یہ بھی بتا دیا کہ اس کا ایک ساتھی گوجرانوالہ میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔

تھانیدار نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"سر! آپ فکر نہ کریں۔ اس کا باپ بھی بتا دے گا کہ اس کا ساتھی گوجرانوالہ میں کہاں اس کا

انتظار کر رہا ہے۔ ہم اسے بھی گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیں گے۔"

کیپٹن کیٹی بے حد خوش تھی۔ اس سے کوئی نہیں پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں سے آ گیا تھا۔ اور اسے کیسے پتہ چلا کہ یہ آدمی نقلی ڈاکٹر ہے اور نوجوان کو زہر دینے والا ہے۔ یہ بھی اچھی بات ہوئی تھی۔ کیونکہ اس سوال کا کیٹی کے پاس کم از کم ان لوگوں کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ کیٹی وہاں سے کھسک کر ہسپتال کے باہر آ گئی۔ یہاں رات کے وقت بتیاں روشن تھیں۔ ملٹری پولیس کے دو آدمی پھر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ملٹری پولیس والے نے کیٹی کے پاس آ کر سلیوٹ کیا اور پوچھا:

"سر! کوئی خدمت ہو تو حکم کریں؟"

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"شکریہ جوان! سب ٹھیک ہے۔ فکر نہیں۔"

دوسرے ملٹری پولیس والے نے آہستہ سے کہا:

"سر! کیا ہم آپ کے کاغذات دیکھ سکتے ہیں؟"

کیپٹن کیٹی کے پاس تو کوئی کاغذات نہیں تھے۔ مثلاً نہ اس کے پاس پے بک تھی اور نہ فوجی شناختی کارڈ تھا۔ جب کہ حکم ہے کہ فوجی یہ دونوں چیزیں ہمیشہ اپنی جیب میں رکھیں گے۔

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"کوئی فکر نہیں جوان۔ ہمارے کاغذات گھر پر پڑے ہیں۔"

فرض شناس ملٹری پولیس کے جوانوں نے کیپٹن کیٹی سے کہا کہ انہیں ان کے ساتھ ملٹری ہیڈ کوارٹر جانا ہوگا۔

کیپٹن کیٹی نے کہا:

"کوئی فکر نہیں جوان۔ ہم تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

ملٹری پولیس کے جوان کیپٹن کیٹی کو لے کر اپنی فوجی گاڑی کی طرف بڑھے تو کیٹی نے آنکھیں بند کر کے چٹکی بجا دی۔ اس نے اپنے دماغ میں چڑیا کی شکل کا نقشہ جما لیا تھا۔ چٹکی اس وقت بالکل ٹھیک کام کر رہی تھی۔ کیٹی کیپٹن سے ایک دم چڑیا بن کر پھر سے اڑ گئی۔ ملٹری پولیس کے جوانوں نے جب اپنے درمیان ایک جیتے جاگتے فوجی جوان کو گم ہو کر چڑیا بنتے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

کیٹی چڑیا بن کر میو ہسپتال کی فضاؤں سے نکل کر مال روڈ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

اسے اپنے نیچے لاہور کی سڑکوں کی روشنیاں دکھائی

دے رہی تھیں۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک ہلکا ہو گیا تھا۔ کیٹی نے اڑتے اڑتے سوچا کہ اسے عنبر ناگ ماریا کے رائٹر کے گھر سمن آباد میں واپس چلے جانا چاہیے۔ مگر اندھیرے میں اڑتے ہوئے اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ سمن آباد کدھر ہے۔ ایک جگہ اس نے بہت سی روشنیاں دیکھیں۔ وہ سمجھی کہ یہ سمن آباد ہے مگر وہ میکلوڈ روڈ پر رائل پارک کا علاقہ تھا جہاں بے شمار فلم کمپنیوں کے دفتر ہیں اور جو رات کو دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ جہاں رات کو جرائم پیشہ بڑے لوگ بھی رہتے ہیں۔

کیٹی ایک جگہ بلڈنگ کی چھت پر اتر آئی۔ یہاں سے وہ سڑک پر آ گئی۔ یہاں ایک اونچی بلڈنگ کے پاس اندھیرا سا تھا۔ کیٹی وہاں آ کر کونے میں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے دماغ میں اپنی اصلی شکل کا تصور جمایا اور خیال ہی خیال میں چٹکی بجا دی۔ چٹکی اس بار بھی کام آ گئی۔ وہ چڑیا سے جیتی جاگتی نوجوان خوبصورت خلائی لڑکی کیٹی بن گئی۔ اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ وہ بہت خوش ہوئی کہ اس کی دونوں آنکھیں چوکور نہیں تھیں بلکہ عام عورتوں کی طرح تھیں۔ وہ اندھیرے سے نکل کر گلی کی روشنی میں آ گئی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ وہ سمن آباد

میں نہیں ہے۔ کیوں کہ سمن آباد میں اس قسم کی گلیاں نہیں تھیں۔ ایک آدمی اس کی طرف آیا تو کیٹی نے اس سے پوچھا

"بھائی! سمن آباد کہاں ہے؟"

اس آدمی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی بھولی بھٹکی عورت ہے اور بڑا اچھا شکار ہے۔

اس نے کہا:

"بی بی! آپ کو سمن آباد جانا ہے؟"

"ہاں بھائی!" کیٹی نے کہا۔

وہ آدمی بولا:

"میں بھی سمن آباد میں ہی رہتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں سمن آباد ہی جا رہا ہوں۔"

کیٹی کو اس آدمی کی شکل پر کچھ شک سا ہوا کہ یہ اچھا آدمی نہیں بلکہ کوئی بدمعاش ہے۔ مگر اسے اپنی چھڑی پر بڑا بھروسہ تھا۔ سوچا کہ یہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ کیونکہ وہ جلد سے جلد عنبرناگ ماریا کے دانش کے گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ بدمعاش آدمی کیٹی کو لے کر ایک مکان کی تنگ سی ڈیوڑھی کے پاس آ گیا اور بولا:

"بی بی! میں اپنی بہن کو بھی ساتھ لے لوں۔ اس نے بھی سمن آباد جانا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ گھر میں آ جاؤ یہاں میری بہن رہتی ہے۔"

کیٹی کو اپنی چھڑی پر بڑا اعتماد تھا چنانچہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کے ساتھ مکان میں داخل ہو گئی۔ یہ بڑا پراسرار مکان تھا۔ اور وہاں سے عجیب سی بدبو آ رہی تھی۔ بدمعاش آدمی نے کیٹی کو ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا اور بولا:

"بی بی تم یہاں بیٹھو۔ میں اپنی بہن کو لے آؤں۔"

بدمعاش چلا گیا اور کیٹی کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ گندا سا کمرہ تھا۔ پرانا صوفہ پڑا تھا۔ دیواروں پر فلمی ایکٹرسوں کی تصویریں لگی تھیں۔ ایک کمزور سا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی بہت ہی مدھم تھی۔ اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا:

"بیٹی! میرا نام داراں ہے۔ یہ لو چائے پی لو۔ پھر اکٹھے سمن آباد چلتے ہیں۔"

کیٹی کو محسوس ہو رہا تھا کہ کمرہ بہت ٹھنڈا ہے۔ اس نے سوچا کہ چائے پینے میں کیا حرج ہے۔ اس نے شکریہ کے ساتھ کپ لے لیا اور چائے پینے لگی۔ وہ عورت باہر نکل گئی۔ کیٹی چائے بھی پی رہی تھی اور سوچ بھی رہی تھی کہ اسے جلدی سمن آباد پہنچ جانا چاہیے۔ ابھی

اس نے آدھی چائے پی تھی کہ اسے اپنا سر چکراتا ہوا
محسوس ہوا۔ اس نے پیالی میز پر رکھ دی اور اپنے سر
کو ہاتھ کی انگلیوں سے دبایا چکر زیادہ ہو گئے تھے۔
وہ فوراً سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اور یہ
یہ لوگ اسے اپنے جال میں پھانس رہے ہیں۔ اس نے
پہلے تو وہاں سے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا اور دروازے کی
طرف قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس کے دوسرے قدم نے اٹھنے
سے انکار کر دیا۔ اس کے دونوں پاؤں ایک ایک من
کے بھاری ہو گئے تھے۔ اسے چائے میں کوئی خطرناک دوائی
ملا کر پلا دی گئی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ چل نہیں
سکتی اور قدم بھی اٹھا نہیں سکتی تو اس نے چٹکی سے کام
لینے کا فیصلہ کر لیا اور ذہن میں ایک فوجی کیپٹن کا تصور
کر کے چٹکی بجا دی۔ مگر میرے خدا! یہ کیا ہو گیا تھا۔
چٹکی کام نہیں کر رہی تھی۔ اس نے دوسری بار، تیسری بار
چوتھی بار چٹکی بجائی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ اسی طرح کیٹی
کی کیٹی ہی رہی۔ اب وہ گھبرا گئی۔ کیوں کہ اس نے
محسوس کر لیا تھا کہ چائے میں اسے جو دوا دی گئی ہے اس
کا اثر سارے جسم میں پھیل گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر
چٹکی بجائی کچھ نہ ہوا۔
کیٹی نے منہ اوپر اٹھا کر کہا:

"میرے جن دوست! خدا کے لیے میری مدد کرو۔ یہ
لوگ خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔
میں بے ہوش ہو رہی ہوں۔ میری مدد کرو۔"
مگر جن شاید امریکہ یا ٹمبکٹو چلا گیا ہوا تھا۔ اس نے
نہ تو کوئی جواب دیا اور نہ اس کی چٹکی میں اثر پیدا کیا۔
کیٹی بے بس ہو کر صوفے پر گر گئی۔ اس کا سارا جسم
سن ہو گیا تھا اور آنکھوں کے آگے دھند چھا رہی تھی۔
اتنے میں وہی بدمعاش آدمی اور عیار عورت دالان اندر
آ گئے۔ انہوں نے کیٹی کو ہلا جلا کر دیکھا۔ کیٹی نے انہیں
غصے میں کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔ کیٹی
کی زبان بھی بے ہوش اور بند ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ
ہی کیٹی کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

○

کیٹی کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک
پلنگ پر لیٹے ہوئے پایا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پلنگ کے
ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کے پاس وہی عورت بیٹھی
ہوئی تھی۔ اس نے کیٹی کو ہوش میں آتے دیکھا تو کسی
آدمی کو آواز دی:
"سکندر رے! اس کو ہوش آ گیا ہے۔"
سکندرا اندر آ گیا۔ یہ وہی بدمعاش آدمی تھا جو کیٹی کو

پھسلا کر ایک گندے مکان میں لے گیا تھا۔ اس نے آتے ہی ایک صندوق میں سے میلا کچیلا سرنج نکالا اور کیٹی کو لگانے کے لیے بے ہوشی کی دوائی ٹیکے میں بھرنے لگا۔

کیٹی نے کہا:

"تم لوگ مجھے کیوں بے ہوش کر رہے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

سکندرا بدمعاش بولا:

"بک بک بند کرو۔ خاموشی سے لیٹی رہو۔ نہیں تو ہم تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش ایسی جگہ پھینک دیں گے جہاں سے کوئی اسے نہ اٹھا سکے گا۔"

کیٹی نے آنکھیں بند کر کے دل میں اپنے جن دوست کو یاد کیا اور دل ہی دل میں کہا:

"میرے جن دوست! کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر کے میری لاش دریا میں پھینک دیں گے۔ کیا تو میری مدد نہیں کرے گا۔ مدد نہیں کرے گا؟"

اس کے ساتھ ہی جن کی آواز کمرے میں گونجی:

"کیا مدد کرے گا مدد کرے گا لگا رکھی ہے۔ چلو چٹکی بجاؤ۔"

بدمعاش سکندرا اور وہ عورت جن کی آواز سن کر سکتے میں آ گئے۔ بے ہوشی والا ٹیکہ سکندرے کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا۔ وہ کیٹی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یہ آدمی کی آواز اس عورت کے منہ سے کیسے نکلی ہے۔ اتنے میں کیٹی نے چٹکی بجا دی۔ چٹکی کے بجتے ہی کیٹی سکس ملین ڈالر مین بن گئی۔ خوبصورت بھرا بھرا طاقتور مردانہ جسم، گھنے سیاہ بال، نیلی آنکھیں اور چوڑے چکلے شانے۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے رسی تڑائی اور پلنگ پر سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ سکندرا نے ایک عورت کو مرد بنتے دیکھا تو جیب سے پستول نکال کر کیٹی پر گولی چلا دی۔ مگر گولی کا کیٹی پر کوئی اثر نہ ہوا۔

کیٹی نے سکندرے بدمعاش کو گردن سے پکڑ کر زور سے سامنے والی دیوار کے ساتھ دے مارا۔ دیوار سے سکندرا اتنے زور سے ٹکرایا کہ اس کی ساری ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ اور وہ نیم مردہ ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ عورت وہاں بھاگنے لگی تو کیٹی نے اسے پکڑ لیا اور کہا:

"بتا یہاں اور کون کون عورتیں ایسی موجود ہیں جن کو تم لوگوں نے اٹھا کر رکھا ہے؟"

عورت نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"صرف ایک لڑکی اور ہے۔ ساتھ والے کمرے

یں ہے۔"

"چلو۔ مجھے ساتھ لے کر چلو۔"

عورت داراں کا خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔
ساتھ والے کمرے میں جا کر کیٹی نے دیکھا کہ ایک دُبلی پتلی
نازک لڑکی جس کے بال سنہرے تھے۔ پلنگ کے ساتھ بندھی
ہوئی تھی۔ کیٹی نے اس لڑکی کو آزاد کر کے اپنے ساتھ
لیا اور کہا:

"گھبراؤ نہیں، میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر آؤں گا۔"

پھر اس نے داراں کو پکڑ کر مکان سے باہر لا کر ایک
ٹیکسی میں اپنے ساتھ بٹھایا۔ لڑکی کو بھی لیا اور سیدھا پولیس
سٹیشن آ گئی۔ یہاں کیٹی نے داراں کو پولیس کے حوالے کرتے
ہوئے تھانیدار کو بتایا کہ یہ عورت لڑکیوں کو اغوا کر کے
فروخت کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی ہے جو
اس کے اڈے پر بے ہوش پڑا ہے۔ تھانیدار نے اسی
وقت پولیس کے سپاہیوں کو داراں کے گھر سکندرے کو
گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس سنہری بالوں والی لڑکی
نے بھی بیان دیا کہ یہ عورت مجھے میرے کالج سے پھسلا
کر لے گئی تھی۔

داراں نے تھانیدار کو ہاتھ جوڑ کر کہا:

"تھانیدار جی! یہ آدمی اصل میں ایک جن ہے۔

میں نے اسے اغوا ضرور کیا تھا۔ مجھے جو چاہے سزا
دے لیں مگر اس سے خبردار رہیں۔ یہ اصل میں
ایک عورت ہے۔"

تھانیدار ہنسنے لگا:

"مجھے تو عورت نہیں لگ رہا۔"

اس نے سپاہی سے کہا:

"اس عورت کو لے جا کر حوالات میں بند کر دو۔"

تھانیدار نے کیٹی اور سنہری بالوں والی لڑکی کا بیان لیا
اور کہا:

"اب آپ جا سکتے ہیں۔"

کیٹی نے لڑکی کو ساتھ لیا اور تھانے سے باہر آ کر پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں رہتی ہو؟"

لڑکی نے کہا:

"میرا نام یاسمین ہے اور میں گلبرگ میں اپنے ڈیڈی
امی کے پاس رہتی ہوں۔"

کیٹی بولی:

"چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔"

کیٹی نے یاسمین کو رکشے میں بٹھایا اور اسے لے کر گلبرگ
روانہ ہوا۔ یاسمین نے گلبرگ پہنچ کر ایک کوٹھی کی طرف
اشارہ کر کے کہا:

"یہ ہماری کوٹھی ہے۔"

کیٹی نے رکشے والے کو رخصت کر دیا اور خود یاسمین کو لے کر کوٹھی کے اندر داخل ہوا۔ ایک کتا اس کی طرف لپکا مگر یاسمین کو دیکھ کر اس کے ساتھ پیار سے لپٹنے لگا۔ کوٹھی میں شور مچ گیا کہ یاسمین واپس آ گئی ہے۔ یاسمین کا باپ اور ماں اور بہن بھائی آ گئے۔

کیٹی نے لڑکی ان کے حوالے کر دی اور کہا:

"اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو خدا جانے بردہ فروش آپ کی بیٹی کو کہاں لے جا کر فروخت کر دیتے۔"

یاسمین کی والدہ اور باپ نے کیٹی کا شکریہ ادا کیا۔

ڈیڈی نے کہا:

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

کیٹی مردانہ شکل میں تھی کہنے لگی:

"میں کراچی میں کاروبار کرتا ہوں۔"

کیٹی اجازت لے کر کوٹھی سے باہر آ گئی۔ اس نے شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کے پاس اب پاکستانی کرنسی کے روپے ختم ہو گئے تھے۔ اسے لاہور میں رہنے کے لیے روپوں کی ضرورت تھی۔ وہ یہ روپے محنت کر کے کمانا چاہتی تھی۔ گلبرگ کے چوک میں آ کر وہ ایک دفتر میں داخل ہو گئی۔ یہ ایک بینک تھا۔ اس نے منیجر سے

مل کر کہا کہ مجھے نوکری چاہیے۔ ابھی وہ یہ بات ہی کر رہی تھی کہ بینک میں شور سا اٹھا کہ ڈاکو آ گئے۔ لوگ بھاگ گئے۔ بینک کے ملازم خوف سے ادھر ادھر چھپنے لگے۔ تین نقاب پوش پستولیں تانے اندر داخل ہو چکے تھے۔ دو نقاب پوش پیچھے دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اور ایک نقاب پوش نے خزانچی کے پاس جا کر کہا:

"اس تھیلے میں جتنے روپے تمہارے پاس ہیں بھر دو۔"

خزانچی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اچانک ایک کلرک نے پیچھے سے نقاب پوش کو پکڑ لیا۔ دوسرے نقاب پوش نے فائرنگ کر کے کلرک کو زخمی کر دیا۔ بینک کا منیجر بھی گھبرایا ہوا تھا اور میز کے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ کیٹی سکس ملین ڈالر مین کے روپ میں وہیں سے چھلانگ لگا کر اچھلا اور سیدھا اگلے نقاب پوش کے اوپر جا گرا۔ اس نے اس کے جبڑے پر اتنی زور سے مکا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ دوسرے نقاب پوشوں نے کیٹی پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر کیٹی پر ان گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر دونوں نقاب پوشوں کو پکڑ کر زمین پر گرا لیا اور ان کے اوپر اپنا بھاری پیر رکھ دیا۔ نقاب پوش ڈاکوؤں کو یوں لگا جیسے ان پر کسی ہاتھی نے پاؤں رکھ دیا ہو۔ اتنے میں پولیس اندر آ گئی۔

اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بینک کے مینجر نے کیٹی کا زبردست شکریہ ادا کیا اور اندر کمرے میں لے جا کر اس کی خاطر مدارت کی اور کہا:

"میں تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔"

اور اس نے میز کی دراز میں سے سو روپے کے پانچ نوٹ نکال کر کیٹی کو دیئے اور کہا:

"اس کے ساتھ ہی تم آج سے اس بینک کے خاص ملازم ہو گئے ہو۔ میں تمہیں دو ہزار روپے مہینہ تنخواہ دوں گا۔"

کیٹی نے انعام کی رقم واپس کرتے ہوئے کہا:

"مجھے انعام کی ضرورت نہیں نوکری کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

کیٹی بینک میں ملازم ہو گئی۔ بینک کے پاس ہی ایک بلڈنگ میں اس نے ایک کمرہ لے لیا جہاں وہ رات کو سوتی تھی۔ وہ "مرد کی شکل میں تھی اس لیے سب لوگ اسے شاہ صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ کیوں کہ کیٹی نے اپنا نام انہیں دلدار شاہ بتایا تھا۔ کیٹی کو اس بینک میں کام کرتے دوسرا مہینہ جا رہا تھا کہ ایک روز دو آدمی بینک میں آئے اور بینک کے مینجر کے پاس بیٹھ کر دیر تک سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ وہ بڑی

شاندار گاڑی میں آئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد مینجر نے کیٹی کو اپنے کمرے میں بلایا اور کہا:

"دلدار شاہ جی! آج رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

کیٹی نے مسکرا کر کہا:

"اس کی کیا ضرورت ہے جناب۔"

مینجر بولا:

"یہ ہماری خواہش ہے۔ میں آپ کو فلیٹ سے لے لوں گا۔ پورے سات بجے آ جاؤں گا۔"

بینک مینجر جس کا نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ سب لوگ اسے ملک صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ ملک صاحب ٹھیک سات بجے اپنی ٹویوٹا گاڑی میں کیٹی کو لینے آ گئے اور اسے ساتھ لے کر ایک چینی ریسٹورنٹ میں آ گئے۔ کیٹی کو کھانے کی حاجت نہیں تھی مگر اس نے سوپ پیا اور ایک سویٹ ڈش بھی کھائی۔ کھانے کے بعد وہ قہوہ پینے لگے۔ قہوہ پیتے ہوئے بینک کے مینجر ملک صاحب نے کیٹی سے بڑی رازداری کے ساتھ کہا:

"شاہ جی! آپ میرے بھائی ہیں۔ مجھے آپ پر بڑا بھروسہ ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل دو ہزار روپے یا چار ہزار روپے مہینے کی تنخواہ سے

کیا ہوتا ہے۔ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ گزارہ
ہی نہیں ہوتا۔ لیکن میرے پاس ایک پروگرام ہے۔
اگر آپ میرے ساتھ مل جائیں تو لاکھوں روپے
کما سکتے ہیں۔"

کیٹی نے تعجب سے پوچھا:

"ایسا کون سا پروگرام ہے ملک صاحب؟"

بینک مینجر نے کہا:

"کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ
کسی سے اس کا ذکر نہیں کریں گے تو میں بتا دیتا ہوں۔"

"جی ہاں۔ بتا دیں۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ میرا تو یہاں
جاننے والا بھی کوئی نہیں ہے۔"

کیٹی کے اتنا کہنے پر بینک مینجر نے آہستہ سے کہا:

"آپ کو زیادہ بک بک نہیں کرنی پڑے گی۔ بس ایک
بریف کیس لے کر یہاں سے کراچی پہنچانا ہوگا۔"

کیٹی نے پوچھا:

"اس بریف کیس میں کیا ہوگا؟"

ملک صاحب بولے:

"یہ آپ نہ پوچھیں۔ اس میں بم نہیں ہوگا۔ لیکن جب
آپ بریف کیس کراچی والے آدمی کے حوالے کر دیں
گے تو وہ آپ کو ایک لاکھ روپیہ ادا کر دے گا

جس میں سے پچاس ہزار میرے ہوں گے اور پچاس
ہزار آپ کے ہوں گے۔ کیا آپ تیار ہیں؟ بڑا سستا
سودا ہے۔ کچھ لگے گا نہیں اور پچاس ہزار روپے مفت
میں آپ کے پاس آ جائیں گے۔"

کیٹی نے کہا:

"بہت اچھا۔ مجھے کب یہاں سے روانہ ہونا ہوگا؟"

"کل شام کی فلائٹ میں۔" ملک صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیار رہوں گا۔" کیٹی نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

شام کے وقت بینک کے مینجر نے کیٹی کو اپنے
ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور ایئرپورٹ کے باہر گاڑی
روک کر اسے ایک کالے رنگ کا بریف کیس
دے کر کہا:

"یہ بریف کیس کراچی ایئرپورٹ پر ایک خاص آدمی کو
دے دینا۔ وہ آدمی خود تمہارے پاس آ جائے گا۔ تم
ایئرپورٹ کے لاؤنج میں ہی ٹھہرنا۔"

کیٹی نے بریف کیس لیا اور ایئرپورٹ کے لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

دوست جن کی کارستانیاں

مسافروں کے سامان کی چیکنگ ہو رہی تھی۔

کسٹم کے آدمی ہر مسافر کے بریف کیس کو کھول کر دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب کیپٹی کی باری آئی تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور کیپٹی کو جانے دیا۔ کیپٹی سمجھ گئی کہ یہ لوگ بھی بینک کے مینجر کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور مل کر سمگلنگ ایسا مکروہ دھندا کرتے ہیں اور ملک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

وہ جہاز میں آ کر بیٹھ گئی۔ جہاز کراچی کی طرف اڑ گیا۔

کراچی پہنچ کر کیپٹی بتائی ہوئی خاص جگہ پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ ایک آدمی جس نے سوٹ پہن رکھا تھا اس کے پاس آیا اور بولا:

"آج بینک بند ہے سر؟"

یہ کوڈ جملہ تھا۔ کیپٹی سمجھ گئی کہ یہی وہ آدمی ہے جس کو بریف کیس دینا ہے۔ کیپٹی نے کہا:

"ہاں بینک بند ہے مگر ایک لاکھ روپیہ کیش نکلوایا جا سکتا ہے۔"

کیپٹی نے بھی کوڈ لفظوں میں جواب دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک لاکھ روپیہ میرے حوالے کر کے بریف کیس لے لو۔ وہ سمگلر بولا:

"کیش میری گاڑی میں چل کر نکلوا لیں۔"

اور وہ کیپٹی کو ساتھ لے کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا:

"بنگلے پر چلو۔ انہیں کیش دینا ہے۔"

اور کیپٹی کی طرف دیکھ کر بولا:

"معاف کیجیے گا۔ اتنا زیادہ کیش ساتھ لانا آج کل مناسب نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ میرے بنگلے پر چل کر روپیہ لے لیں۔"

کیپٹی نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ بریف کیس بھی آپ کو وہیں ملے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

سمگلر نے کہا اور گاڑی اس کے گھر کی طرف چل پڑی۔ خدا جانے وہ کہاں کہاں سے گاڑی کو لے کر نکلا کہ ایک ویران علاقہ آ گیا۔ جہاں گاڑی ایک اُجڑے ہوئے

دو منزلہ مکان کے آگے جا کر رُک گئی۔ سمگلر نے جیب
سے پستول نکال کر کیٹی سے کہا:
"مسٹر! یہ بریف کیس اسی جگہ گاڑی میں چھوڑ کر
باہر نکل جاؤ اور دوبارہ ادھر کا رُخ نہ کرنا۔"
کیٹی سمجھ گئی کہ سمگلر وعدے سے پھر گیا ہے اس
نے کہا:
"اگر میں بریف کیس تمہارے حوالے نہ کروں تو
تم کیا کر لو گے؟"
سمگلر نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہا:
"کیوں بھئی شیدے! تم کیا کر لو گے؟"
ڈرائیور شیدے نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور جیب
سے خنجر نکال کر کہا:
"سر! آپ گولی کیوں ضائع کرتے ہیں۔ یہ خنجر ہی کافی
ہے اس سوٹ بوٹ والے بابو کے لیے۔"
اس نے کیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا:
"لاؤ بابو یہ بریف کیس مجھے دے دو اور اپنی جان
بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔"
کیٹی نے بریف کیس اس کے حوالے کر دیا اور گاڑی
سے باہر نکل آئی سمگلر ہنسنے لگا:

"شاباش! اچھے بچے اسی طرح کیا کرتے ہیں اب
تم اپنا منہ شہر کی طرف کر کے چل پڑو۔"
ڈرائیور نے قہقہہ لگا کر کہا:
"اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔ نہیں تو پتھر ہو جاؤ گے۔"
کیٹی نے کہا:
"تم جیسا کہتے ہو میں ویسے ہی کروں گی۔"
اور وہ گہری ہوتی ہوئی شام کے اندھیرے میں شہر کو
جانے والی کچی سڑک پر پیدل روانہ ہو گئی۔ سمگلر اور ڈرائیور
بریف کیس لے کر مکان کے اندر چلے گئے۔ کیٹی نے
اپنے جن دوست کو یاد کر کے کہا:
"میرے جن دوست! یہ لوگ ناجائز کاروبار کر کے
اپنے وطن کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں اور نشہ
لانے والی چیزیں فروخت کر کے قوم کے نونہالوں
کی زندگیاں تباہ کر رہے ہیں۔ کیا تم میری مدد نہیں
کرو گے؟"
جن دوست کی کوئی آواز نہ آئی۔ اس نے کوئی جواب
نہ دیا۔ کیٹی کو جن پر سخت غصہ آیا۔ اس نے دو تین بار
اسے پکارا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ کیٹی نے غصے میں آکر
چٹکی بجا دی اور چٹکی بجاتے ہی وہ سکس ملین ڈالر مین

کی بجائے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بن گئی جس کی نوکیلی ڈاڑھی تھی۔ اس نے کالا سوٹ پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر سنہری فریم والی عینک لگی تھی۔ ہاتھ میں چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ کیٹی حیران ہوئی یہ اس نے کیا شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ جن دوست نے اس بار اس کے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا ہے۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ شہر کی طرف کچی سڑک پر چلنے لگی۔

تھوڑی دیر میں پیچھے سے سمگلر کی گاڑی آئی۔ کیٹی ایک طرف ہٹ گئی۔ گاڑی قریب سے گذر گئی مگر اچانک تھوڑی ہی دور جا کر بریک لگا کر رک گئی۔ پھر اس کا دروازہ کھلا اور وہی سمگلر جس نے کیٹی سے بریف کیس چھینا تھا۔ جلدی سے نکل کر بھاگتا ہوا کیٹی کے پاس آیا اور ادب سے جھک کر بولا:

"سیٹھ صاحب! آپ نے کیوں زحمت کی ہم تو خود آپ کی طرف آ رہے تھے۔"

ڈرائیور بھی باہر نکل کر ادب سے کھڑا ہو گیا تھا۔ کیٹی سمجھ گئی کہ اس وقت میں ان سمگلروں کے کسی بڑے سیٹھ سمگلر کے روپ میں آ گئی ہوں۔ اس نے بڑی شان اور رعب کے ساتھ گردن اٹھا کر چھڑی ہلاتے

ہوئے پوچھا:

"کیا بریف کیس آ گیا لاہور سے؟"

سمگلر نے فوراً کہا:

"جی سیٹھ جی آ گیا ہے۔ گاڑی میں پڑا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"ایک لاکھ روپے آدمی کو ادا کر دیئے گئے ہیں؟"

سمگلر جلدی سے بولا:

"جی ہاں سیٹھ صاحب۔ ایک لاکھ روپے آپ کے حکم کے مطابق اس آدمی کو دے دیئے گئے ہیں۔"

کیٹی دل میں ہنسی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ انہوں نے ایک پائی بھی ادا نہیں کی، کہنے لگی:

"گاڑی یہاں لاؤ اور شہر چلو اپنے اڈے پر"

ڈرائیور ایک منٹ میں بھاگ کر گاڑی لے آیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ کیٹی اس میں سوار ہو گئی اور گاڑی شہر کی طرف چل دی۔ کیٹی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ کس چیز کی سمگلنگ کرتے ہیں اور ان کا اڈہ کہاں ہے اور کون کون لوگ اس گروہ میں شامل ہیں۔ وہ خود اپنا نام بھی نہیں جانتی تھی۔ اسے یہ لوگ سیٹھ کہہ کر ہی بلا

رہے تھے۔

گاڑی کراچی شہر کی مختلف سڑکوں کا چکر کاٹتی ہوئی
ایک جگہ سمندر کے کنارے بہت بڑی کوٹھی میں داخل
ہو گئی۔ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر اندر سے دو نوکر
جلدی سے باہر نکل آئے۔ سمگلروں کے سردار سیٹھ جمشید
دیکھ کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ایک بولا:

"سیٹھ کو تو ابھی ابھی ہم گھر پر چھوڑ کر آئے تھے
یہ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

دوسرا بولا:

"خدا ہی جانے۔ سیٹھ ہیلی کاپٹر میں آیا ہے شاید۔"

"مگر ہیلی کاپٹر یہاں مجھے تو کہیں نظر نہیں آتا۔"

"بہرحال سیٹھ تمہارے سامنے ہے۔ اب بک بک
بند کرو۔"

دونوں نوکروں نے جلدی سے بھاگ کر سمگلروں
سردار سیٹھ جمشید کو جھک کر سلام کیا۔ کیٹی ان کے ساتھ
کمرے میں آ گئی۔ یہاں سامان ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا
چھت سے لگا بلب جل رہا تھا۔ چمڑے کے صوفے
لگے ہوئے تھے۔ سمگلر نے جو کیٹی کے ساتھ آیا تھا
سے بریف کیس کھول کر دکھایا۔ اس میں پلاسٹک کی تھیلی

میں ہیروئن بند تھی۔ اس نے کہا:

"سیٹھ صاحب۔ سارا مال بالکل ٹھیک ہے۔ میں
نے چیک کر لیا ہے۔"

کیٹی بولی:

"میں آرام کروں گا تھوڑی دیر۔ میرے لیے قہوہ بناؤ۔"

"او کے سر! آپ بیڈ روم میں چلیں۔ میں قہوہ
بنوا کر ابھی لاتا ہوں۔"

کیٹی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ بیڈ روم کہاں ہے۔ وہ
یونہی کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف چل دی۔ سمگلر
پیچھے سے بھاگ کر آیا اور ادب سے بولا:

"سیٹھ جی! آپ کا بیڈ روم تو دوسری طرف ہے۔"

"اوہ۔ ہاں ۔۔ میں جانتا ہوں۔ یونہی ذرا ٹہلنے کو
جی چاہتا تھا۔"

سمگلر نے کیٹی کو بیڈ روم میں چھوڑا اور خود کچن میں
جا کر نوکر سے بولا کہ سیٹھ کے لیے قہوہ تیار کرو۔

"خدا جانے آج سیٹھ کو قہوے کا شوق کہاں سے
آ گیا ہے۔ وہ تو ہمیشہ چائے پیا کرتا ہے۔"

نوکر نے کہا:

"سر ایک بات عرض کروں۔"

"ہاں ہاں کہو۔" سمگلر بولا۔
نوکر کہنے لگا:
"عجیب بات ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی سیٹھ صاحب
اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے گھر کی طرف روانہ
ہوئے تھے اور ابھی واپس بھی آ گئے۔ میرے خیال
میں تو ابھی سیٹھ گھر بھی نہیں پہنچا ہوگا۔"
سمگلر نے حیران ہو کر پوچھا:
"تم کیا کہہ رہے ہو؟"
نوکر بولا:
"حضور میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سیٹھ صاحب
ابھی ابھی یہاں سے اپنی کوٹھی کی طرف گئے تھے۔"
سمگلر سوچ میں پڑ گیا۔
نوکر کہنے لگا:
"بے شک دوسرے نوکروں سے پوچھ لیں سرا مجھے
تو ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی جعلی سیٹھ ہے جس نے
ہمارے سیٹھ کا بھیس بدل رکھا ہے۔"
سمگلر نے چونک کر نوکر کی طرف دیکھا اور بولا:
"میں ابھی فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔"
سمگلر فوراً کوٹھی کے خاص کمرے میں آ گیا۔ یہاں اس

نے ایک خفیہ فون کا نمبر گھمایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی
اور پھر سمگلروں کے سردار اصلی سیٹھ جمشید کی آواز آئی:
"ہیلو! کون بول رہا ہے؟"
سمگلر نے کہا:
"میں ہوں پرویز سیٹھ جی۔ آپ اپنی کوٹھی پر
ہی ہیں؟"
سیٹھ نے جھنجھلا کر کہا:
"تو اور کیا تمہارے باپ کے گھر پر ہوں کیا
بات ہے؟"
سمگلر پرویز نے سیٹھ جمشید کو بتایا کہ ایک سیٹھ جمشید
اس وقت ہمارے پاس بھی ہے اور آپ کے بیڈ روم
میں آرام کر رہا ہے۔ دوسری طرف سے اصلی سیٹھ نے
گھبرا کر کہا:
"وہ کوئی پولیس کا آدمی ہے۔ اس نے میرا بھیس
بدلا ہوا ہے۔ اسے جانے مت دینا۔ میں آ رہا ہوں۔"
سمگلر پرویز فون بند کر کے تیزی کے ساتھ بیڈ روم میں
آ گیا جہاں کیٹی نقلی سیٹھ جمشید کے روپ میں پلنگ پر بیٹھی
قہوہ پی رہی تھی۔
سمگلر پرویز نے کہا:

"سیٹھ جی! فنوہ ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہمارے گروہ میں کتنے آدمی شامل ہیں اس وقت؟"

سمگلر پرویز کو پکا یقین ہو گیا کہ یہ پولیس کا آدمی ہے اور سمگلروں کی تعداد معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یونہی کہہ دیا:

"آپ تو جانتے ہیں سیٹھ جی۔ کوئی پچاس ایک آدمی اس وقت کام کر رہے ہیں۔"

سمگلر پرویز نے کیٹی کو باتوں میں لگائے رکھا۔ یہاں تک کہ باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔

کیٹی نے پوچھا:

"یہ کون آیا ہے؟"

سمگلر پرویز نے کہا:

"شاید ہمارا کوئی ساتھی ہو گا۔ میں ابھی جا کر معلوم کرتا ہوں۔"

سمگلر پرویز باہر نکل گیا۔ کیٹی نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اسے کوٹھی کے پورچ کی روشنی میں گاڑی میں سے اپنی ہی شکل صورت کا ایک اور سیٹھ جمشید باہر نکلتا دکھائی دیا۔ وہ چونک اٹھی۔ اصلی سیٹھ آ گیا تھا۔ اس کی

ساری سکیم فیل ہونے والی تھی۔ وہ ان سارے سمگلروں کو گرفتار کرانا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے جن دوست کو یاد کر کے التجا کی وہ اس کی مدد کرے اور چٹکی بجا دی۔ مگر چٹکی نے کوئی کام نہ کیا۔ وہ سیٹھ جمشید ہی بنی رہی۔ کیٹی نے کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا دی اور باغ کے نیچے درختوں کے اندھیرے میں چھپ گئی۔ اس نے دیکھا کہ سمگلر پرویز اور اصلی سیٹھ جمشید گاڑی کے پاس کھڑے ہیں۔ اصلی سیٹھ پوچھ رہا ہے۔

"نقلی سیٹھ بھاگا تو نہیں؟"

"نہیں سیٹھ جی! وہ آپ کے بیڈ روم میں ہے۔"

اصلی سیٹھ بولا:

"چلو — میں ابھی اس کو اپنے ہاتھ سے ختم کرتا ہوں۔"

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ کیٹی نے دیکھ لیا تھا کہ اصلی سیٹھ نے بھی بالکل اسی جیسا لباس پہن رکھا ہے اور ان دونوں کے چہرے اور لباس میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہے۔ وہ لپک کر گاڑی کے پاس آ گئی اور گاڑی کے اندر جھانکا۔ اس نے دیکھا کہ گاڑی کے ڈیش بورڈ پر اصلی سیٹھ کی قیمتی سنہری گھڑی پڑی

ہوئی تھی۔ کیٹی نے وہ گھڑی اٹھا کر اپنی کلائی میں پہن
لی۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا بیڈ روم میں آ گیا۔ سامنے سمگلر
پرویز اور اصلی سیٹھ کمرے میں اسے تلاش کر رہے تھے۔

کیٹی نے کڑک کر سمگلر پرویز سے کہا:

"پرویز! الو کے پٹھے یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تمہیں
معلوم نہیں کہ جس نقلی سیٹھ کو تم ڈھونڈ رہے ہو
وہ تمہارے پاس کھڑا ہے۔"

اصلی سیٹھ نے چلا کر کہا:

"یہ بکواس کرتا ہے۔ میں نقلی نہیں اصلی سیٹھ ہوں
پرویز اس کو گولی مار دو۔ یہ پولیس کا آدمی ہے۔"

شور کی آواز سن کر سارے نوکر اور دوسرے سمگلر
بھی وہاں آ گئے۔ سمگلر پرویز پریشان ہو کر کبھی ایک
سیٹھ کو دیکھتا۔ کبھی دوسرے سیٹھ کو دیکھتا۔ دونوں کی شکلیں
اور حلیے بالکل ایک جیسے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا کہ اصلی کون ہے اور نقلی کون ہے۔

کیٹی نے غصے سے کہا:

"ارے کیا سوچ رہے ہو۔ اس نقلی سیٹھ کو پکڑ
کر باندھ لو۔"

اصلی سیٹھ نے بھی گرج دار آواز میں کہا:

"یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اصلی سیٹھ میں ہوں۔ یہ نقلی
سیٹھ ہے۔ اس کو گولی مار دو۔"

سمگلر پرویز پریشان ہو کر بولا:

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

اچانک کیٹی کو اپنی سنہری گھڑی کا خیال آ گیا۔ اس نے
اپنی کلائی دکھاتے ہوئے کہا:

"دیکھو میری یہ قیمتی گھڑی میری کلائی پہ بندھی ہوئی
ہے۔ اگر یہ اصلی سیٹھ ہے تو اسے کہو کہ اپنی
گھڑی دکھائے۔"

سارے نوکر اصلی سیٹھ کی طرف شک کی نگاہوں سے دیکھنے
لگے۔ اصلی سیٹھ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اس نے کلائی باہر
نکالی تو وہاں گھڑی نہیں تھی۔ بس پھر کیا تھا۔

کیٹی یعنی نقلی سیٹھ نے کہا:

"پکڑ کر اس کی ٹھکائی کرو سب مل کر۔"

سمگلر پرویز اور دوسرے نوکروں نے اصلی سیٹھ کو پکڑ
لیا اور اسے نقلی سمجھتے ہوئے اس کی ٹھکائی شروع کر دی۔
پھر اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے باندھ کر اسے پلنگ
پر ڈال دیا۔ وہ چیختا چلاتا ہی رہ گیا کہ میں اصلی سیٹھ ہوں
میں اصلی جمشید سیٹھ ہوں مگر کیٹی یعنی نقلی سیٹھ اتنا شور مچا

رہا تھا کہ اصلی سیٹھ کی آواز کسی کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ویسے بھی نوکر اسے گالیاں دے دے کر مار رہے تھے۔ جب اصلی سیٹھ مار کھا کھا کر بے ہوش ہو گیا تو کیپٹی نے کہا۔

"بس کرو۔ چھوڑ دو اسے۔ اب اس کو اُٹھا کر میری گاڑی میں رکھ دو۔ میں خود اسے سمندر میں لے جا کر غرق کر دوں گا۔ جلدی کرو۔"

سمگلر پرویز اور دوسرے نوکروں نے مل کر اصلی سیٹھ کو جو بے ہوش ہو چکا تھا اٹھا کر کیپٹی کی گاڑی میں ڈال دیا۔ کیپٹی نے کہا،

"اب ہوشیار رہنا۔ میں اسے سمندر میں پھینک کر اپنی کوٹھی چلا جاؤں گا۔ تم لوگ ساری رات اس جگہ پر چوکنے ہو کر بیٹھے رہنا۔ پولیس کے چھاپے کا خطرہ ہے۔ اپنا بھیس بدل لینا اور ہیروئن کے سارے مال کی پوری پوری حفاظت کرنا۔"

"او کے باس — آپ بالکل فکر نہ کریں۔" سمگلر پرویز بولا۔

نقلی سیٹھ یعنی کیپٹی گاڑی کو کوٹھی میں سے نکال کر سمندر کی طرف چل پڑی۔ لیکن وہ سمندر کی طرف جانے کی بجائے سیدھی شہر میں داخل ہو گئی اور ایک بڑے پولیس

سٹیشن پہنچ کر رُک گئی۔ اس نے بے ہوش سمگلر سیٹھ کو اٹھا کر تھانے میں ڈال دیا اور تھانیدار سے کہا،

"یہ شخص پاکستان میں ہیروئن کے ناجائز کاروبار کا سب سے بڑا سمگلر ہے۔ اسے گرفتار کریں اور میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو دوسرے سمگلر بھی گرفتار کر کے دیتا ہوں۔"

تھانے دار نے بے ہوش سیٹھ جمشید کی شکل دیکھی اور پھر کیپٹی کی شکل دیکھی اور بولا:

"سوال یہ ہے کہ تم دونوں میں سے اصلی کون ہے؟ کیوں کہ اس وقت تو تم دونوں ہی مجھے سمگلر سیٹھ جمشید لگتے ہو۔"

کیپٹی کو اپنا خیال آیا کہ اس کا تو اپنا حلیہ سیٹھ جمشید کا ہے۔ وہ جلدی سے بولی:

"میں — میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں۔ وطن دشمن لوگوں کی جاسوسی کرتا ہوں۔ میں نے اس کا میک اپ کیا ہوا ہے۔ ابھی اپنی اصل شکل آپ کو دکھاتا ہوں۔ آپ کا باتھ روم کہاں ہے؟"

کیپٹی کو معلوم تھا کہ ابھی باتھ روم میں جا کر اس نے چٹکی بجانی ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا سے کیا بن

جائے گی۔ اس لیے احتیاط کے طور پر اس نے سیٹھ جمشید
کے خفیہ ٹھکانے کا پورا پتہ بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ
وہاں ناجائز منشیات کا کروڑوں روپے کا سامان موجود ہے
تھانے دار نے اسی وقت پولیس کے خاص دستے کو سمگلروں
کے اڈے کی طرف روانہ کر دیا۔ کیٹی باتھ روم میں گھس
گئی۔ اس نے اندر جاتے ہی جن دوست کو کہا:

"تو میری مدد نہیں کرتا تو نہ کر۔ میں چٹکی بجانے
لگی ہوں۔ میں اگر بندریا بھی بن گئی تو مجھے منظور
ہے۔"

اتنا کہہ کر کیٹی نے چٹکی بجا دی۔ وہ کانپ اٹھی۔
وہ سچ مچ ایک بندریا بن گئی تھی اور باتھ روم میں خوخو
کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے کھڑکی میں سے باہر چھلانگ
لگائی اور سڑک پر آ گئی۔ اس سڑک پر ایک جگہ بچے
کرکٹ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے بندریا کو دیکھا تو کرکٹ
چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگے۔

"ابے پکڑو۔ بندریا کو پکڑو۔"

کیٹی بھاگ کر ایک مکان کی دیوار پر چڑھ گئی۔ پھر
اس نے اندر آنگن میں چھلانگ لگا دی۔ آنگن میں نوکرانی
برتن دھو رہی تھی۔ بندریا کیٹی اس کے سر کے اوپر جا کر

گری۔ نوکرانی چیخ مار کر برتن چھوڑ کر بھاگ اٹھی:

"ارے یہ کم بخت بندریا کہاں سے آ گئی۔ اللہ ماری۔"

کیٹی دیوار پھاند کر دوسری طرف گلی میں کود گئی۔ یہ
کوٹھیوں کے درمیان والی گلی تھی۔ لڑکے یہاں بھی اس کے
پیچھے لگ گئے اور اسے پتھر مارنے لگے۔ کیٹی پریشان
ہو کر گلی میں سے نکل کر بازار میں آ گئی۔ یہاں ٹریفک
زور شور سے جاری تھی۔ وہ ایک ٹرک کے نیچے آتی
آتی بچی۔ لپک کر سامنے والے فٹ پاتھ پر آ گئی۔
یہاں بھی کچھ لوگوں نے اسے دھتکار کر مارنے کی کوشش
کی تو کیٹی ایک بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر ایک فلیٹ
کے دروازے کو کھلا دیکھ کر اندر چلی گئی۔ ڈرائینگ روم
میں ایک آدمی ٹیبل لیمپ جلائے کسی کو فون کر رہا تھا۔
اس نے بندریا کو نہ دیکھا اور فون کرنے میں لگا رہا۔
کیٹی اس کے بیڈ روم میں جا کر اس کے پلنگ کے
نیچے گھس کر بیٹھ گئی۔

وہ آدمی ٹیلی فون کر کے بیڈ روم میں آ کر کپڑے
بدلنے لگا، پھر وہ بستر پر لیٹ گیا۔ کیٹی بندریا پلنگ
کے نیچے سے نکل کر سامنے دیوار کے ساتھ لگی میز کے
نیچے اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ وہ یہاں کچھ دیر آرام

کر کے سوچنا چاہتی تھی کہ اب وہ کیا کرے۔ اس نے
اس عرصے میں دو تین بار دل ہی دل میں اپنی اصلی شکل
کا تصور کر کے چٹکی بجائی تھی مگر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

بیڈ روم میں ایک عورت داخل ہوئی جس نے ریشمی
لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔
مسکراتی ہوئی آئی اور بولی:

"آج چائے نہیں پیئں گے کیا؟"

اس آدمی نے مسکرا کر کہا:

"شکریہ بیگم۔ میں بھول ہی گیا تھا۔ آؤ تم بھی
میرے پاس بیٹھو۔"

وہ چائے پینے اور اپنی بیگم سے باتیں کرنے لگا۔ ان
کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس آدمی کی بیوی نے بچوں
کو اپنی خالہ کے گھر پہنچا دیا ہوا ہے۔ اس کا خاوند بچوں
کو یاد کر رہا تھا۔

"بیگم! آج بچوں کے بغیر گھر کتنا سونا لگ
رہا ہے تم نے خوامخواہ بچوں کو خالہ کے ہاں بھجوا دیا!"

بیگم بولی:

"وہ خود جانے کے لیے ضد کر رہے تھے۔ میرا اپنا
جی ان کے بغیر اداس ہے۔"

خاوند نے چائے کی پیالی میز پر رکھی تو اس کو دیکھ
کر بیگم نے کہا:

"اتنی چائے کس لیے چھوڑ دی۔ پوری چائے پئیں
ناں میں نے اتنی محبت سے تیار کی تھی۔"

خاوند نے مسکرا کر کہا:

"اچھا بابا۔ تم نے محبت سے بنائی ہے تو میں ساری
چائے پی لیتا ہوں۔"

اور اس عورت کے خاوند نے پیالی بالکل خالی کر دی۔ کیٹی
بندریا میز کے نیچے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ بیگم نے خالی پیالی
اٹھائی اور کہنے لگی:

"اب آپ آرام سے اخبار پڑھیں۔ میں ذرا کپڑے
استری کر لوں۔ صبح دفتر ذرا جلدی جانا ہے مجھے۔"

"او کے بیگم۔"

بیوی چلی گئی اور خاوند پلنگ پر لیٹ کر اخبار پڑھنے
لگا۔ کیٹی بندریا خاموش بیٹھی تھی۔ میز کے نیچے اندھیرا تھا
اور اس طرف کسی کی نظر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کیٹی نے
ایک بار پھر چٹکی بجائی کہ شاید وہ کوئی دوسری شکل اختیار
کر کے وہاں سے بھاگ سکے مگر چٹکی نے اس بار بھی
کوئی کام نہ دیا۔ کیٹی سخت ناامید ہو گئی اور اس نے سوچا

کہ اسے یہاں سے بھی نکل جانا چاہیے۔ کہیں یہ لوگ اسے دیکھ کر مارنا نہ شروع کر دیں۔

وہ میز کے نیچے نکلنے ہی والی تھی کہ بیگم ایک بار پھر بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ بولی:

"اپنا دوپٹہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ کہیں یہاں تو نہیں ہے۔"

بیگم چوری چوری نظروں سے اپنے خاوند کو بھی تک رہی تھی۔ کیٹی کو محسوس ہوا کہ یہ عورت کسی بات کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ بات کیا ہو سکتی تھی؟ کیٹی بندریا کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن بیگم نے خود ہی یہ راز کھول دیا کہ وہ کس بات کا انتظار کر رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے خاوند نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو وہ آہستہ سے پلنگ کے پاس آئی۔ اخبار اس کے خاوند کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا تھا اور وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ بیگم نے خاوند کے جسم کو دو تین بار ہلایا اور آوازیں دیں۔ خاوند نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مسکرائی اور بولی:

"بے ہوش ہو چکا ہے۔ دوائی نے اپنا کام کر دیا ہے۔"

کیٹی بندریا کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس عورت نے اپنے اتنے اچھے خاوند کو کس لیے بے ہوش کیا تھا؟ وہ کیا کرنا چاہتی تھی؟ کیٹی نے وہاں سے فرار ہونے کا

خیال بھول کر اب اس ٹوہ میں لگ گئی کہ یہ عورت کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ میز کے نیچے چوکنی ہو کر بیٹھی رہی۔

بیگم کو جب پوری تسلی ہو گئی کہ اس کا خاوند بے ہوش ہو چکا ہے تو اس نے دیوار کی بتی بجھا دی اور ٹیبل لیمپ روشن کر دیا جس کی روشنی بہت دھیمی دھیمی تھی۔ پھر وہ بیڈ روم سے باہر نکل گئی۔ کیٹی سوچنے لگی کہ یہ عورت کیا کرنے والی ہے؟ آخر اس نے اپنے خاوند کو کس لیے بے ہوش کیا ہے؟ اچانک کیٹی کے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ عورت کسی دوسرے آدمی کی مدد سے اپنے خاوند کو قتل تو نہیں کروانا چاہتی؟ اس نے لاہور کے ایک اخبار میں اس قسم کی خبر پہلے بھی پڑھی تھی۔ کیٹی بندریا میز کے نیچے سے باہر نکل آئی۔ اس نے دل میں جن دوست کا خیال لا کر کہا:

"کچھ تو خیال کرو میرے جن دوست کہ ایک شریف اور اپنے بچوں سے محبت کرنے والے باپ کے خلاف خونی سازش ہو رہی ہے۔ کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گے؟"

جن کی آواز آئی:

"اچھا اچھا ــ اب زیادہ شور نہ مچاؤ۔ جاؤ بتی بجھا دو۔ اور اس کی جگہ لیٹ جاؤ۔ سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ خبردار۔ اب مجھے آواز نہ دینا۔"
کیٹی نے چٹکی بجائی تو اس نے دیکھا کہ اس کی
شکل صورت کا سارا حلیہ اس آدمی کا بن چکا ہے جو پلنگ
پر بے ہوش پڑا تھا۔ یعنی وہ سازش کرنے والی بیگم کا
خاوند بن چکی تھی۔ وہی ناک نقشہ وہی لباس وہی سر کے
بال، ہو بہو وہی شکل تھی۔ ذرا سا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔
کیٹی نے فوراً بے ہوش اصلی خاوند کو اٹھایا اور اسے پلنگ
کے نیچے چھپا دیا اور خود اس کی جگہ پلنگ پر بے ہوش بن
کر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

اتنے میں دروازے کے پاس ایک عورت اور مرد کی باتیں
کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا اور خاوند کی بیوی
یعنی وہی عورت ایک بدشکل آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل
ہوئی جس کے ہاتھ میں لمبا چمکتا ہوا چھرا تھا۔ کیٹی کا تو سارا
جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ وہ خلائی لڑکی ہے
اور دنیا والوں کا کوئی ہتھیار اسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ لیکن
اتنے عرصے سے وہ اس دنیا میں رہ رہی تھی کہ اب اسے
موت سے خوف آنے لگا تھا اور اسے کبھی کبھی وہم ہونے لگتا
تھا کہ وہ یہاں مر بھی سکتی ہے۔

بیوی اب اس آدمی کے ہاتھ جوڑ رہی تھی اور کہہ
رہی تھی:

"مجھ سے بھول ہو گئی اختر ۔۔۔ خدا کے لیے مجھے
معاف کر دو۔ میرے خاوند کو نہ مارو۔ میں تمہارے
پاؤں پڑتی ہوں۔"

قاتل اختر کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ بولا:
"ذلیل عورت۔ اگر یہ بات تھی تو تم نے اپنے
خاوند کو بے ہوش کیوں کیا۔ تم ہی نے تو یہ
ساری سکیم بنائی تھی۔"

بیوی رونے لگی:
"ہاں اختر ۔۔۔ میں نے ہی یہ سکیم بنائی تھی مگر اب
میں نے خدا کے آگے توبہ کر لی ہے۔ خدا نے
میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اپنے خاوند کو ہلاک
ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔"

اس بدمعاش شخص اختر پر بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اس
نے اس عورت کو پرے دھکا دے دیا اور بولا:
"میں اب تمہارے خاوند کو قتل کر کے ہی چھوڑوں
گا اور پھر دیکھوں گا تم مجھ سے کیسے شادی
نہیں کرتی ہو۔ میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور اس نے بیوی کی چیخوں کے درمیان کیٹی پر آ کر
چھرے کے وار کرنے شروع کر دیئے۔ کیٹی خاموش لیٹی رہی۔
"اب تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہو گی۔ میں نے

تمہارے خاوند کا کام تمام کر دیا ہے۔ اگر تم نے پولیس کو رپورٹ کی تو تم بھی اس قتل کے جرم میں گرفتار ہو جاؤ گی اور تمہیں بھی میرے ساتھ عمر قید کی سزا ہو گی۔ سوچ لو۔ اچھی طرح سے۔ اس قتل میں تم بھی برابر کی شریک ہو۔ میں جا رہا ہوں۔"

اور قاتل بیڈ روم سے نکل کر بھاگ گیا۔ بیوی اپنی خاوند یعنی کیٹی کی لاش کے اوپر گر کر رونے لگ گئی۔

"میرے سرتاج! مجھے معاف کر دینا۔ میں بہت بڑی غلطی کر بیٹھی ہوں۔ یا اللہ مجھے معاف کر دینا۔ اس بدمعاش نے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔ میں اس کی باتوں میں آ گئی تھی۔ اے خدا! مجھے معاف کر دینا۔ میں اپنے کیے پر پچھتا رہی ہوں۔ آہ! اب مجھے میرا پیارا خاوند کہاں سے ملے گا۔ یہ میں نے اپنے اوپر کیا ظلم کر دیا!"

کیٹی نے آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"میں زندہ ہوں بیگم۔"

اس کی بیوی یوں ایک دم سے پرے ہٹ گئی جیسے کسی نے اسے دھکا دے دیا ہو اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے خاوند کو دیکھنے لگی۔ کیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:

"میں مرا نہیں بیگم زندہ ہوں۔ اور میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

اس کی بیوی کیٹی سے لپٹ گئی اور رونے لگی:

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ میرا خاوند زندہ ہے۔ تو نے میری فریاد سن لی۔ تو نے میرا گناہ معاف کر دیا۔"

پھر کیٹی یعنی اپنے خاوند کے جسم کو دیکھ کر حیرت سے بولی:

"لیکن میرے سرتاج اس بدمعاش نے تو میرے سامنے کتنے وار کیے تھے۔ تمہارا تو ذرا سا خون بھی نہیں نکلا۔ یہ کیا معجزہ ہے؟"

کیٹی پلنگ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی:

"میں تمہارا اصلی خاوند نہیں ہوں بی بی۔ تمہارا اصلی خاوند ابھی تک بے ہوش ہے اور اس پلنگ کے نیچے پڑا ہے۔"

بیوی تو خوف کے مارے کانپنے لگی۔ کیٹی نے اس کے اصلی بے ہوش خاوند کو پلنگ کے نیچے سے نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ بیوی کا رنگ دہشت کے مارے سفید ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اس کے سامنے دو خاوند موجود تھے جن کی ایک ہی شکل، ایک ہی آواز اور ایک ہی حلیہ تھا۔

کیٹی نے کہا:

"سنو! پریشان نہ ہو۔ میں تمہارا خاوند نہیں ہوں۔
میں کون ہوں؟ اسے تم نہ سمجھ سکو گی۔ بس تم
اتنا ہی سمجھ لو کہ میں تمہارا دوست جن ہوں جو
اتفاق سے اس وقت یہاں موجود تھا جب تم
نے اپنے خاوند کو بے ہوشی کی دوائی چائے میں
گھول کر پلائی تھی اور میں نے تمہارے خاوند کو
بچانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کی شکل بنا کر پلنگ
پر لیٹ گیا۔ میں تمہیں کبھی زندہ نہ چھوڑتا اگر یہ نہ
دیکھتا کہ تم اپنے گناہوں پر شرمسار ہو اور اپنے
کیے پر نادم ہو۔ پشیمان ہو اور خدا سے گناہ
معاف کرنے کی دعائیں مانگ رہی ہو۔"

بیوی نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"نیک دل جن! میں نے دل سے توبہ کر لی ہے۔
اب میں کبھی اپنے خاوند سے الگ نہیں ہوں
گی۔ کبھی گناہ کا خیال دل میں نہیں لاؤں گی ہمیشہ
خدا سے ڈرتی رہوں گی اور اپنے بچوں اور خاوند
کی وفادار رہوں گی کیوں کہ جو لوگ گناہ کرتے
ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ وہ
جہنم کی آگ میں پھینک دیئے جاتے ہیں اور
پھر قیامت تک اسی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

میں اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ
اس نے میری فریاد سن لی اور میرے گناہوں کو
معاف کر دیا۔"

کیپٹ نے کہا:

"اللہ میاں نے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے
اور تمہیں ایک بار پھر اپنے خاوند اور بچوں کے
ساتھ نیک زندگی بسر کرنے کا موقع دیا ہے۔ اگر
اب تم سیدھی راہ سے بھٹک گئیں تو پھر تمہارا
ٹھکانہ جہنم ہو گا جہاں سے تمہیں کوئی نہیں بچائے گا۔"

بیوی نے کہا:

"اے نیک دل جن! میں ہمیشہ نیک رہوں گی۔
کبھی سیدھے راستے سے نہیں بھٹکوں گی۔ خدا کی
رسی کو ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رکھوں گی۔"

اتنے میں اس کی اصلی خاوند نے اپنی گردن ہلائی اور دوسری طرف کر لیا۔

بیوی نے کہا:

"خدا کے بیٹے اب تم میری مدد کرو۔ یہ بدمعاش
جو میرے خاوند کو اپنی طرف سے قتل کر کے چلا
گیا ہے۔ اب میری زندگی عذاب بنانے کی کوشش
کرے گا۔ کسی طرح مجھے اس سے بچا لو۔"

کیپٹن نے کہا:

"وہ جہاں رہتا ہے تم مجھے اس کا ایڈریس بتا دو
میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب وہ ساری زندگی تمہارے
پاس کبھی نہیں آئے گا۔ تمہارے خاوند کو ہوش آ
رہا ہے۔ تم اس کے پاس بیٹھو اور یہی ظاہر کرنا
کہ وہ گہری نیند سو گیا تھا۔ میں جا رہا ہوں۔"

بیوی نے جن یعنی کیپٹن یعنی اپنے نقلی خاوند سے ہاتھ
ملایا اور بولی:

"خدا تمہیں اس نیک کام کی جزا دے گا۔ اور خدا
مجھے ایک بار پھر معاف کر دے۔"

کیپٹن نے قاتل اختر کے گھر کا ایڈریس لیا اور بولی:

"کیا تمہارے پاس کوئی برقعہ ہے؟ میں تمہارے
خاوند کی شکل میں تمہارے گھر سے نہیں نکلنا چاہتا۔"

بیوی نے اسی وقت ایک کالا برقعہ لا کر کیپٹن کو دے
دیا۔ کیپٹن نے برقعہ پہنا اور اس فلیٹ سے نکل کر نیچے
سڑک پر آ گئی۔ اس وقت رات کے تین ساڑھے تین بج
رہے تھے اور کراچی کی سڑکیں بالکل سنسان اور خالی خالی تھیں۔

صحرا میں پُراسرار سگنل کی آواز

کیپٹن برقعہ پہنے صدر کی ویران سڑک پر جا رہی تھی۔
ایک خالی رکشا اس کے قریب سے گزرا۔ اس نے
رکشا ڈرائیور کو قاتل اختر کے گھر کا پتہ بتایا اور کہا کہ
مجھے وہاں لے چلو۔ رکشا رات کے پچھلے پہر کراچی صدر
کی خاموش سڑکوں پر سے گزرتا ہوا ایک سات آٹھ منزلہ
والی بلڈنگوں کے باہر جا کر رُک گیا۔ کیپٹن برقعہ پہنے ہوئے
عورت بنی رکشا میں سے نکل کر بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھنے
لگی۔ قاتل اختر کا کمرہ ساتویں منزل پر تھا جو کہ اس
بلڈنگ کی سب سے آخری منزل تھی۔ کیپٹن کا چونکہ سانس
نہیں پھولتا تھا اس لیے وہ بڑے آرام سے ساری سیڑھیاں
چڑھ کر آخری منزل میں آ گئی۔ کیپٹن نے قاتل کے کمرے
کے باہر کھڑے ہو کر دروازے پر دستک دی۔ قاتل اختر
قتل کی واردات کرنے کے بعد ابھی تھوڑی دیر گزری آیا
تھا اور جاگ رہا تھا۔ بھلا گناہ کرنے کے بعد بھی کبھی کوئی

چین کی نیند سو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ گناہگار کو کبھی
چین کی نیند نہیں آتی۔ وہ بھی جاگ رہا تھا۔ اس نے
اندر سے آواز دے کر پوچھا:

"کون ہے؟"

اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

کیپٹی نے عورتوں کی آواز بنا کر کہا:

"میں ہوں زرینہ۔"

زرینہ اس عورت کا نام تھا جس کے خاوند کو وہ اپنے
خیال میں قتل کر کے آیا تھا۔ دروازہ جلدی سے کھل گیا۔
کیپٹی نے برقعے کا کالا نقاب منہ پر ڈال رکھا تھا۔ اسے
دیکھ کر قاتل نے گھبرا کر کہا:

"تم کیوں آ گئی ہو اس وقت؟ خیریت تو ہے؟ اندر
آ جاؤ۔"

کیپٹی کمرے میں چلی گئی۔

اختر نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور بولا:

"تم برقعہ کیوں نہیں اتار رہی ہو زرینہ؟"

کیپٹی نے کہا:

"برقعہ اتار دیا تو تم ڈر جاؤ گے۔"

اور کیپٹی نے نقاب الٹ دیا اور پھر برقعہ بھی اتار دیا۔

قاتل اختر کے سامنے وہ شخص زرینہ کا خاوند کھڑا تھا جس کو
وہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی قتل کر کے آ رہا تھا۔ اس کا رنگ
اڑ گیا۔ جسم خوف کے مارے کانپنے لگا:

"تم ــــ تت ــــ تم؟"

کیپٹی نے کہا:

"ہاں میں ــــ زرینہ کا خاوند۔ جس کو تم قتل کر آئے ہو!"

قاتل اختر دہشت کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔

"تم ــــ تم زندہ ہو ابھی؟"

کیپٹی نے کہا:

"نہیں۔ میں زندہ کہاں ہوں۔ میں تو مر چکا ہوں۔
میں دوسری دنیا سے تمہیں لینے آیا ہوں چلو میرے
ساتھ ــــ تیار ہو جاؤ۔"

قاتل اختر کے منہ سے لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ اسے
پسینہ آ گیا تھا۔ وہ تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا:

"نہیں نہیں ــــ تم مر چکے ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ
سے تمہیں قتل کیا ہے۔"

کیپٹی بولی:

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں قتل نہیں ہوا۔ میں
قتل ہو چکا ہوں۔ میں مر چکا ہوں۔ میں تو اگلی

دنیا سے تمہیں اپنے ساتھ لینے کے لیے آیا ہوں
چلو میرے ساتھ"
اور کیپٹن نے قاتل اختر کو پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے
بڑھایا تو وہ اچھل کر پلنگ پر کھڑا ہو گیا۔ پھر دوسرے
کمرے کی طرف بھاگا۔ کیٹی بھی مرد کے روپ میں بھاگ
کر اس کے پیچھے گئی۔ دوسرے کمرے میں ایک کھڑکی تھی
جو سات منزل نیچے بازار کی طرف کھلتی تھی۔ قاتل اختر
خوف سے سہما ہوا تھا۔ کیٹی نے آہستہ سے اس کی طرف
بڑھتے ہوئے کہا:

"چلو میرے ساتھ — میں تمہیں لینے آیا ہوں۔
دوزخ کے فرشتے آگ میں لال سرخ کیے ہوئے
گرز لے کر تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں کیونکہ
تم ایسے قاتلوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جہنم کے
شعلے تمہارا انتظار کر رہے ہیں — آؤ — میری
طرف آؤ"

اختر نے کھڑکی کھول دی اور بولا:
"مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں نہیں
جاؤں گا۔ میں نہیں جاؤں گا"
اس کے ساتھ ہی کیپٹن کے جن دوست کی آواز کمرے

میں گونج اٹھی:
"کیا نہیں جاؤں گا، نہیں جاؤں گا لگا رکھی ہے
تم نے — چلو اس کے ساتھ — چلو — لگاؤ
کھڑکی میں سے باہر چھلانگ چلو۔ چلو۔"
کیٹی جن دوست کی آواز پر چپ ہو گئی۔ اس غیبی
آواز کو سن کر قاتل اختر کے رہے سہے ہوش بھی غائب ہو گئے
اور اس نے چیخ مار کر کھڑکی میں سے باہر بازار کی طرف چھلانگ
لگا دی۔ وہ رات کی خاموشی میں ساتویں منزل کی کھڑکی میں سے
نیچے سڑک پر ایک زور دار آواز کے ساتھ گرا اور اس کی
ہڈی پسلی سرمہ بن گئی اور وہیں مر گیا۔ برائی کا انجام برائی پر ختم
ہوا۔ بزرگوں نے ٹھیک کہا ہے کہ برے کام کا نتیجہ ہمیشہ برا
ہوتا ہے۔
کیٹی نے کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔ سڑک پر
قاتل کی لاش پڑی تھی۔ اس نے برقعہ اٹھا لیا تا کہ زرینہ کا برقعہ
قاتل کے گھر پر نہ رہ جائے اور نیچے آ گئی۔ لاش
سڑک پر بری حالت میں پڑی تھی اور ایک کتا اس کے پاس
کھڑا بھونک رہا تھا۔
کیٹی ابھی تک زرینہ کے خاوند کی شکل میں تھی۔ اس نے
اپنی اصلی شکل ذہن میں لا کر چٹکی بجا دی۔ کم بخت اس بار

ابھی وہ اپنی اصلی شکل میں نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس نے
دیکھا کہ وہ ایک غیر ملکی ہوائی کمپنی پین ایم کی ائر ہوسٹس
کی نیلی اور سفید وردی میں ہے اور ایک ویگن میں بیٹھی
ہوئی ہے، ڈرائیور ویگن لیے جا رہا ہے۔ وہ حیران ہوئی کہ
کہاں سے کہاں آن پہنچی ہے۔ یہ جن اب اس کے ساتھ
کس قسم کی شرارتیں کرنے لگا ہے۔ پہلے شکل بدل دیتا تھا
اب جگہ اور عہدہ بھی بدل دیتا ہے۔

ڈرائیور نے پیچھے دیکھے بغیر کہا:

"مس مارتھا! آج کی فلائیٹ آدھ گھنٹہ لیٹ ہے۔"

کیٹی سمجھ گئی کہ اس کا نیا نام مارتھا ہے۔ وہ پین ایم
ائر لائنز کی ائر ہوسٹس ہے اور اس کا کرسچین نام مارتھا
ہے اور وہ کراچی کی رہنے والی ایک خوبصورت عیسائی لڑکی
ہے اور یہ ویگن اسے ائر پورٹ پر اس کے جہاز کی طرف
لیے جا رہی ہے اور اس کے جہاز کی فلائیٹ آدھ گھنٹہ لیٹ
ہو گئی ہے اس نے کہا:

"ہاں — مجھے فون پر اطلاع مل چکی ہے۔"

ویگن کے اندر اور کیٹی کی وردی پر PAN AM یعنی پین
امریکن ائر لائنز کا بلا لگا ہوا تھا۔ گویا وہ چٹکی بجاتے ہی ایک
دم سے پین امریکن ائر لائنز کی ایک خوش شکل ائر ہوسٹس

بن گئی تھی اور اب اپنے جہاز پر سوار ہو کر شاید لندن
یا امریکہ جا رہی تھی۔ وہ خوش ہوئی مگر اچانک اسے
عنبر ناگ ماریا کا خیال آ گیا کہ خدا جانے وہ اس وقت
کہاں ہوں گے اور خدا جانے اب ان سے کب اور
کہاں پر ملاقات ہو گی۔

ائر پورٹ آ گیا۔ ویگن سے اتر کر کیٹی انٹرنیشنل لاؤنج
میں سے گزرتی ہوئی کھلی جگہ پر رن وے کے قریب کھڑے
اپنے پین ایم طیارے کے پاس آ گئی۔ یہ ایک بہت
بڑا دو منزلہ جمبو جیٹ ہوائی جہاز تھا جس پر سامان لادا
جا چکا تھا۔ اب مسافروں کے سوار ہونے کی باری تھی اور
لاؤنج میں مسافر قطاریں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان مسافروں
میں زیادہ لوگ انگریز اور امریکی تھے۔ چند ایک جرمن
بھی تھے جن کو فرینکفرٹ جانا تھا جو جرمن ملک کا ایک
خوب صورت شہر تھا اور جہاں جہاز نے کراچی سے اڑنے
کے بعد پہلی بار رکنا تھا۔

کیٹی جہاز میں داخل ہو گئی۔ دوسری ائر ہوسٹس لڑکیوں
نے مسکرا مسکرا کر کیٹی کو خوش آمدید کہا۔ جیسے وہ سب اس
کو پہلے ہی سے جانتی تھیں۔ جہاز کے دونوں پائلٹ بھی
کیٹی کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزر کر

کاک پٹ میں داخل ہو گئے۔ کاک پٹ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دونوں پائلٹ اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر جہاز کو چلاتے ہیں۔

مسافر آنا شروع ہو گئے۔ کیٹی ان کو مسکرا مسکرا کر ویلکم کہہ رہی تھی۔ جب سب مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور جہاز کی سیڑھی پیچھے کھینچ لی گئی تو طیارے کے دونوں دروازے بند کر دیئے گئے۔ کیٹی دوسری ائر ہوسٹس لڑکیوں کے ساتھ مسافروں میں گھوم پھر ان کی خاطر داری کر رہی تھی۔ کسی کو کافی کا کپ دیتی۔ کسی کو چکر دور کرنے والی گولیاں دیتی۔ کسی بچے کا دودھ گرم کر کے لاتی۔ اتنے میں جہاز میں کپتان نے اعلان کیا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹل مین! ہم ٹیک آف کر رہے ہیں برائے مہربانی اپنی پیٹیاں کس لیجئے اور سگریٹ پینے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے سگریٹ بجھا دیں۔ شکریہ۔ کراچی سے پرواز کرنے کے بعد ہماری پہلی منزل فرینکفرٹ ہو گی جو جرمنی کا ایک مشہور شہر ہے۔ شکریہ!"

دو منزلہ جمبو جیٹ کو ٹیکسی کر کے، یعنی کھینچ کر رن وے پر لایا گیا۔ یہاں سے وہ اس رن وے پر پہنچا جہاں

سے اس نے ہوا میں بلند ہونا تھا۔ کیٹی جہاز کے اندر مسافروں کو چائے پانی پلا رہی تھی۔ کہ جمبو جیٹ کے انجن فل سپیڈ پر کھول دیئے گئے۔ جہاز نے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی رفتار ایک دم تیز کر دی۔ یہ رفتار اتنی تیز ہو گئی تھی کہ درخت زوں زوں کر کے گذر رہے تھے۔ پھر ایک دم سے جہاز کے پہیوں نے زمین چھوڑ دی اور وہ ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ اوپر جا کر کیٹی کو معلوم ہوا کہ ان کی منزل واشنگٹن ہے۔ یعنی یہ جہاز جو کراچی سے رات کے دو بجے چلا تھا۔ فرینکفرٹ، لندن اور نیویارک سے ہوتا ہوا واشنگٹن جا رہا تھا۔

کیٹی نے سوچا کہ وہ واشنگٹن جا کر کیا کرے گی۔ پھر اسے خیال آیا کہ ایک بار ناگ بھی واشنگٹن پہنچ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اب بھی وہیں ہو اور اس سے ملاقات ہو جائے۔ جہاز کافی بلندی پر آ گیا تھا اور اب اپنی منزل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ نو گھنٹے کے سفر کے بعد جہاز فرینکفرٹ پہنچ گیا جو مغربی جرمنی کا خوب صورت صاف ستھرا شہر ہے۔ یہاں ایک گھنٹہ رکنے کے بعد جہاز اڑا اور ایک پون گھنٹے کے بعد لندن کے ہیتھرو ائر پورٹ پر اتر گیا۔ یہاں بھی ایک گھنٹہ رکا اور پھر جو اڑا تو

پورے ساڑھے نو گھنٹے تک بحرالکاہل اور بحرِ اوقیانوس
کے سمندروں کے اوپر آسمانوں میں اڑتے رہنے کے
بعد نیویارک کی ائرپورٹ پر اتر گیا۔

یہاں جہاز دو گھنٹے رُکا رہا۔ یہاں سے اُڑا تو ایک
گھنٹے کے بعد امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن کے نیشنل
ائرپورٹ پر جا کر رُکا۔ یہی اس کی منزل تھی۔ کیٹی اپنی
دوسری امریکی سہیلیوں کے ساتھ نیشنل ائرپورٹ سے نکل
کر گاڑی میں بیٹھی اور ائر ہوسٹل میں آ گئی۔ یہ ائر ہوسٹل
لڑکیوں کے لیے بنایا گیا تھا اور وہ یہاں آ کر قیام
کرتی تھیں۔

کیٹی کو معلوم ہوا کہ اسے ایک ہفتہ واشنگٹن میں
رہنا ہو گا کیوں کہ جہاز دوبارا ایک ہفتے کے بعد
وہاں سے واپس پرواز کرے گا۔ اس کی سہیلیوں نے پروگرام
بنایا کہ ایک ہفتے کی چھٹیاں جنوبی امریکہ کے کسی ملک
کی سیر کر کے گذاری جائیں۔ کیٹی کو یہ خیال پسند آیا۔
اس نے کہا:

"ہم ضرور سیر کو جائیں گی۔ کیا خیال ہے، کہاں
جایا جائے؟"

شرلے بولی:

"میرا تو خیال ہے ڈزنی لینڈ کی سیر کی جائے۔"
مارگریٹ نے کہا:

"نہیں میٹی — ڈزنی لینڈ تو کئی بار دیکھ چکے
ہیں۔ ہمیں کسی انوکھی اور نئی جگہ جانا چاہیے۔"

شرلے نے کہا:

"تو پھر سارے جنوبی امریکہ میں صرف ایک ہی
جگہ سب سے انوکھی اور نئی ہے۔"

"وہ بھلا کون سی جگہ ہے؟ اور وہاں کیا عجیب
شے ہے؟"

کیٹی نے پوچھا۔

شرلے کہنے لگی:

"جنوبی امریکہ میں ایک ملک ہے جس کا نام پیرو
ہے۔ اس کے مغربی ساحل کے قریب صحرائے
نازکا میں ایک جگہ بجری اور بڑے بڑے پتھروں
کو صاف کر کے اتنے بڑے بڑے نقشے اور
جیومیٹری کی شکلیں بنائی گئی ہیں کہ کسی کو آج
تک یقین نہیں آتا کہ یہ شکلیں کسی انسان نے
بنائی ہیں۔"

کیٹی نے پوچھا:

"تو پھر کس نے بنائی ہیں؟ کیا وہاں جن بھوت رہا کرتے تھے جنہوں نے ایسی شکلیں بنا ڈالی تھیں؟"

مسٹرلے بولی:

"کہتے ہیں کہ ہزاروں سال پہلے یہاں آسمان سے کسی سیارے کی خلائی مخلوق اتری تھی۔ انہوں نے یہاں اپنی اڑن طشتریوں کے اترنے کے لیے ایک ائرپورٹ بنایا تھا۔"

کیٹی کا ماتھا ٹھنکا۔

مارگریٹ نے کہا:

"پھر وہ خلائی مخلوق کہاں چلی گئی؟"

مسٹرلے نے کہا:

"کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ پرانی کہانیوں میں اتنا لکھا ہے کہ وہ خلائی مخلوق کچھ عرصہ جنوبی امریکہ کے اس علاقے میں بسر کرنے کے بعد واپس اپنے سیارے میں چلی گئی اور ان کا خلائی ائرپورٹ ویران ہو گیا۔"

مارگریٹ بولی:

"ارے نہیں۔ میں نے وہاں لوگوں کو کہتے سنا ہے

کہ اس خلائی مخلوق کا ایک آدمی ابھی تک وہاں موجود ہے اور دو ہزار برس سے ایک غار میں زندہ ہے مگر وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس خلائی آدمی کو ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔"

کیٹی نے پوچھا:

"تو پھر اسے کون دیکھ سکتا ہے؟"

مارگریٹ نے کہا:

"کہتے ہیں اسے وہی شخص دیکھ سکتا ہے جو خود آسمانی مخلوق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی خلا کے کسی سیارے کا رہنے والا ہو۔"

مسٹرلے بولی:

"بھئی یہ جگہ تو ضرور دیکھنی چاہیے۔ اسی لیے میں نے تم دونوں کے سامنے یہ پروگرام رکھا ہے۔ دو دن میں واپس بھی آ جائیں گی۔"

مارگریٹ نے کیٹی سے پوچھا:

"مارتھا! تمہارا کیا خیال ہے؟"

کیٹی اپنے خلائی خیالوں میں گم ہو گئی تھی۔ وہ بھی خلائی مخلوق تھی اور ایک حادثے کے بعد دور دراز کے ایک خلائی سیارے سے زمین پر آ کر ان سے بھاگ گئی

تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے تھے اور
ماریا نے اہرام مصر میں اپنے تابوت میں بٹھا کر غائب
کر کے اس کی جان بچائی تھی۔ اس نے چونک کر کہا:
"کیا کہا؟"

مارگریٹ نے قہقہہ لگایا اور بولی:

"لو بھئی۔ یہ تو پہلے ہی خلائی دنیا میں پہنچ گئی
ہے۔ ارے ہم کہہ رہے ہیں کہ چلو گی ہمارے
ساتھ پیرو کی خلائی ائرپورٹ دیکھنے؟"

کیمیٹی نے کہا:

"ہاں ___ میں ضرور جاؤں گی۔"

دل میں اس کے یہ خیال تھا کہ وہ پیرو کے صحرا
میں جا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ کیا سچ
مچ کوئی خلائی انسان وہاں کسی غار میں ہزاروں سالوں
سے اب تک زندہ ہے؟ اگر زندہ ہوا تو اسے ضرور
آ جائے گا۔ کیوں کہ وہ خود ایک خلائی مخلوق ہے۔
چنانچہ پیرو جانے کا پروگرام طے ہو گیا اور ایک روز
یہ تینوں ائر ہوسٹس سہیلیاں، مارگریٹ، ماشرے اور کیمیٹی
TWA کے ایک جہاز میں سوار ہو کر جنوبی امریکہ کے
ملک پیرو کے دارالحکومت پہنچ گئیں۔

ایک رات وہاں ہوٹل میں آرام کرنے کے بعد
دوسرے روز انہوں نے ٹیکسی لی اور نازکا صحرا کی طرف
روانہ ہو گئیں۔ یہ صحرا شہر سے دو سو کلو میٹر کے
فاصلے پر تھا۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے راستے میں ہی
کھایا۔ گرمی کافی تھی اور علاقہ بالکل ویران اور بنجر تھا۔
جگہ جگہ ریت اور بجری کے ٹیلے کھڑے تھے۔ آخر وہ نازکا
صحرا میں اس جگہ پہنچ گئیں جہاں ایک جگہ ٹیلوں کے
درمیان کتنے ہی پرانے کھنڈر اور یادگاریں موجود تھیں
پتھروں سے لگتا تھا کہ یہ کئی ہزار سال پرانی عمارتیں
ہیں۔ ایک کھلے میدان میں پتھروں کو صاف کر کے
ایک طرف بہت بڑا ٹیلہ بنا دیا گیا تھا اور وہاں زمین
پر ائرپورٹ کے رن وے کی طرح کی بڑی بڑی سڑکیں
بنی تھیں جو ایک دوسری کو کاٹ رہی تھیں۔ یہاں جگہ
جگہ زمین پر نقشے بھی بنائے گئے تھے۔ یہ نقشے اور شکلیں
اتنی بڑی تھیں کہ زمین پر کھڑے ہو کر انہیں پوری طرح
سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جب سیاحوں کے ایک ہیلی کاپٹر
میں سوار ہو کر انہوں نے نیچے دیکھا تو یہ نقشے صاف
نظر آنے لگے۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ نقشے ان جہازوں
کے لیے بنائے گئے تھے جو آسمانوں سے وہاں اترنے والے
ہوں۔ مگر سوال یہ تھا کہ آج سے دو تین ہزار سال پہلے ہوائی

جہاز کہاں بچتے ؛ تو کیا واقعی کوئی خلائی مخلوق وہاں آئی تھی ؛ کیپٹن کو یقین تھا کہ خلائی مخلوق ضرور وہاں آئی ہوگی۔ کیوں کہ وہ خود آج سے تین ہزار سال پہلے اپنے خلائی ساتھیوں کے ہمراہ زمین پر اتری تھی۔ اور پھر ایک حادثے کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ واپس اپنے سیارے پر نہ جا سکی تھی اور یہیں زمین پر عنبر ناگ، اور ماریا کے ساتھ اس نے اپنا ہزاروں سالہ سفر شروع کر دیا تھا۔

سنڑلے نے کیپٹن کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا:

"کیوں مارتھا! تم کس دنیا میں گم ہو۔ کیا اب بھی یقین نہیں آیا کہ یہ خلائی مخلوق کا ائرپورٹ ہے۔"

کیپٹن نے کہا:

"ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ کیوں کہ میں خلائی مخلوق پر یقین نہیں رکھتی۔"

مارگریٹ نے پوچھا:

"کیوں؟"

کیپٹن نے کہا:

"اس لیے کہ مجھے آج تک کبھی کوئی خلائی عورت یا مرد نہیں ملا۔"

سنڑلے نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ کوئی خلائی مخلوق ہی نہیں ہے۔"

مارگریٹ بولی:

"ویسے سچ پوچھو تو میں بھی کسی خلائی مخلوق اور اڑن طشتریوں کے ڈھونگ کو نہیں مانتی۔ یہ سب فراڈ اور خیالی باتیں ہیں۔ دیکھو نا۔ اب ہمارے ملک امریکہ کی خلائی شٹل کولمبیا کئی بار خلا کی سیر کر چکی ہے۔ ہمارے خلا باز بھی کئی دن خلا میں گھومتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی خلائی مخلوق ہوتی تو انہیں نہ ملتی؟"

سنڑلے نے کہا:

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے خلا باز تو زمین سے زیادہ سے زیادہ اسی نوے یا سو میل کی بلندی پر خلا میں چہل قدمی کرتے ہیں اور یہ خلائی مخلوق تو یہاں سے کروڑوں بلکہ اربوں میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ ان سے ہماری خلا بازوں کی ملاقات بھلا کیسے ہو سکتی ہے۔ کیوں مارتھا تمہارا کیا خیال ہے؟"

کیپٹن نے مسکرا کر کہا:

"بھئی سچ پوچھو تو میں تمہارے ساتھ ہوں کیوں کہ

میں بھی اڑن طشتریوں اور خلائی مخلوق کی قائل
نہیں ہوں۔ یہ ساری باتیں بچوں کو بہلانے اور
کامک بنانے کی باتیں ہیں۔"
شرلے بولی:
"اس کا ایک ثبوت بھی موجود ہے مگر افسوس کہ
وہ کسی انسان کو نظر نہیں آ سکتا۔"
مارگریٹ نے کہا:
"تمہارا اشارہ اس خلائی انسان کی طرف ہے جو
لوگوں کی قصہ کہانیوں کے مطابق ڈیڑھ ہزار سال
سے آج بھی اس علاقے کے کسی غار میں زندہ ہے؟"
شرلے نے کہا:
"ہاں — وہ خلائی انسان ضرور یہاں کسی نہ کسی
صحرائی غار میں چھپا ہوا ہے۔"
مارگریٹ نے شرلے کی طرف منہ چڑا کر کہا:
"اری شرلے! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ تم
اتنی ماڈرن دنیا میں رہ کر بھی اس قسم کی دقیانوسی
کی باتیں کرتی ہو۔ بھلا کبھی کوئی انسان دو ہزار سال
تک زندہ رہ سکتا ہے؟"
کیٹی کے منہ سے نکل گیا:
"رہ سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" مارگریٹ نے جھٹ سوال کر دیا۔
اب کیٹی نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اسے احساس ہوا
کہ اس کے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی تھی جو اگرچہ
بالکل سچی بات تھی مگر جس کے بارے میں اسے کسی کو
بتانے اور کسی دوسرے انسان پر اس راز کے افشا کرنے
کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں تھی۔ اس نے کہا:
"نہیں نہیں۔ میں کہہ رہی تھی کہ یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ ایک انسان دو ہزار سال تک زندہ رہے؟
یہ تو بالکل ہی ناممکن بات ہے۔"
مارگریٹ نے کوکاکولا کا ڈبہ کھولتے ہوئے کہا:
"یہی تو میں کہہ رہی تھی۔ میرا خیال ہے اب ہمیں
واپس چلنا چاہیے کیوں کہ یہاں کی گرمی اور تپش
سے میرا خون کھولنے لگا ہے۔"
شرلے بولی:
"ہاں بھئی اس کا خون کھول گیا تو ہماری خیر نہیں۔ چلو
واپس چلتے ہیں۔"
ہوٹل میں واپس آ کر شرلے اور مارگریٹ نہانے کے
لیے باتھ روم میں گھس گئیں اور کیٹی ہوٹل کے برازیلی
مالک کے پاس جا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی پھر
اس نے باتوں ہی باتوں میں پیرو کے خلائی کھنڈرات اور

اس خلا باز کے قصے کی بات چھیڑ دی جو پرانی قصے
کہانیوں کے مطابق کئی ہزار سالوں سے زندہ تھا اور کسی
صحرائی غار میں چھپا ہوا تھا۔

برازیلی بوڑھے نے اپنے پوپلے منہ میں سے پائپ
نکال کر کہا:

"بیٹی یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ وہ خلائی انسان
زندہ ہے۔ میرے دادا نے اسے خود دیکھا تھا۔"

کیپٹی نے کہا:

"مگر وہ تو سنا ہے کہ کسی زمین کے رہنے والے
کو نظر نہیں آتا۔ اسے تو صرف کوئی خلائی انسان
ہی دیکھ سکتا ہے۔"

برازیلی بوڑھے نے کیپٹی کو آنکھ مار کر کہا:

"میرا دادا بھی خلائی انسان تھا۔"

"کیا؟" کیپٹی نے حیرانی سے پوچھا:

برازیلی کہنے لگا:

"میرا مطلب ہے کہ وہ خلا باز میرے دادا کا دوست
بن گیا تھا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر اکثر پرانے
قصے کہانیاں سنایا کرتا تھا۔"

کیپٹی کو معلوم تھا کہ یہ بوڑھا گپ مار رہا ہے مگر
وہ اس سے یہ پتہ کرنا چاہتی تھی کہ وہ غار کہاں ہے

جہاں لوگوں کے کہنے کے مطابق ایک خلاباز چھپا ہوا ہے۔

برازیلی بوڑھے نے کہا:

"وہ غار اسی صحرا کے دوسرے کنارے ایک سنگلاخ
چٹان کے اندر ہے۔ میرا دادا وہاں جایا کرتا تھا۔
میرا دادا بہت بڑا شکاری بھی تھا۔ ایک روز
اس نے خواب میں شیر دیکھا اور اسے گولی
چلا کر خواب ہی میں مار ڈالا۔ جب آنکھ کھلی
تو دیکھا کہ وہ چارپائی پر لیٹا ہوا ہے اور قریب
ہی زمین پر ایک خوفناک شیر مردہ پڑا ہے یعنی
میرے دادا جان نے بندوق تو خواب میں فائر کی
مگر شیر حقیقی دنیا میں ہلاک ہو گیا۔"

کیپٹی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نازکا صحرا کے اس پار وہ
غار ضرور دیکھے گی جہاں ایک خلائی انسان آج سے دو ہزار
برس پہلے سے چھپا ہوا زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس نے
اپنی سہیلیوں سے کہا کہ وہ اپنی ایک کزن سسٹر سے ملنے
میکسیکو جا رہی ہے اور ایک دن میں واپس آ جائے گی۔

کیپٹی شہر آ گئی۔ یہاں اس نے سفر کا ضروری سامان
خریدا اور ایک زبردست طاقت والی جیپ لے کر صحرا میں
اپنا تکلیف دہ اور مشکل سفر شروع کر دیا۔ دو دن اور ایک
رات سفر کرنے کے بعد وہ صحرا کے دوسرے کنارے پر

پہنچ گئی۔ یہ کنارہ پہلے صحرائی کنارے کی طرح ہی بنجر اور ویران
تھا اور دُور دُور کچھ ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ کیپٹن نے اپنی
جیپ کے اندر ہی دن گزار دیا۔ شام کو ذرا خنکی ہوئی تو اس
نے جیپ سٹارٹ کر دی۔ وہ ان ٹیلوں کے پاس جانا چاہتی
تھی جو اگرچہ دور سے اتنے فاصلے پر نہیں لگ رہے تھے۔
لیکن اصل میں وہاں سے ایک سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھے۔

کیپٹن ویران تپتے صحرا میں سارا دن اور ساری رات سفر
کرتی رہی۔ خلائی لڑکی ہونے کی وجہ سے نہ اسے گرمی
لگ رہی تھی۔ نہ رات کو ٹھنڈ لگتی تھی اور نہ اسے بھوک
پیاس تنگ کرتی تھی۔ اس نے پیرو سے چلتے ہوئے جو
تھوڑا بہت پانی پیا تھا۔ یہی اس کے لیے کافی تھا۔ ویسے
صحرائی سفر نے ایک طرح سے کیپٹن کو بھی نڈھال سا کر دیا تھا
اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ریت بھربھری شروع ہو گئی تھی
اور جیپ کے پہیے ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔

دوسری اس کے انجن میں اتنی ریت گھس چکی تھی کہ
اس نے چلنے سے انکار کر دیا تھا اور بار بار کھانس رہا
تھا۔ کیپٹن نے دیکھا کہ پُراسرار پہاڑ جن کے دامن میں کسی
جگہ وہ چٹان بھی ضرور موجود تھی جس کے اندر پُراسرار خلائی
انسان چھپا ہوا تھا اب زیادہ دور نہیں رہ گئے تھے۔

جیپ خراب ہو چکی تھی۔ کیپٹن اس میں سے باہر نکل

آئی اور اس نے پیدل ہی پہاڑی ٹیکریوں کی طرف چلنا
شروع کر دیا۔ کیپٹن کے پاؤں پنڈلیوں تک نرم ریت میں
گھسے جا رہے تھے۔ مگر وہ برابر آگے بڑھ رہی تھی اور
آخر وہ ان ٹیلوں کے درمیان پہنچ گئی۔

رات بڑی ٹھنڈی تھی اور ستارے خوب چمک رہے
تھے مگر ان کی روشنی سیاہ بنجر پہاڑیوں کی وجہ سے دب
گئی تھی۔ کیپٹن کو اب ایک چٹان کی تلاش تھی کیونکہ برازیلی
بڈھے نے کہا تھا کہ وہ خلائی آدمی ایک چٹان کے اندر
رہتا ہے۔ کیپٹن نے پہاڑیوں میں چلنا پھرنا شروع کر دیا۔ چاروں
طرف گہری خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا کسی قسم کی معمولی سی آواز بھی کسی
طرف سے نہیں آ رہی تھی۔ گھومتے پھرتے آخر کیپٹن نے
ایک جانب کونے میں دو پہاڑیوں کے درمیان درے کے
کنارے پر ایک بہت بلند چٹان کھڑی تھی۔ کیپٹن لپک
کر اس چٹان کے پاس آ گئی۔ برازیلی بڈھے کی بات
درست نکلی تھی۔ کیپٹن نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا
مگر نہ تو اسے کوئی ہیکل ملا اور نہ اسے کوئی خلائی
انسان ہی نظر آیا۔ اس کی جیپ وہاں سے زیادہ دور صحرا
میں نہیں کھڑی تھی۔ کافی دیر تک کیپٹن وہاں گھومتی پھرتی
رہی۔ مگر اسے خلائی انسان تو کیا وہاں کوئی ایک تنکا
سا ہلتا بھی نظر نہ آیا۔

وہ واپس صحرا میں ایک جگہ ریت میں دھنسی ہوئی جیپ میں آکر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اس نے خوامخواہ اتنا لمبا سفر کیا۔ وہ سیٹ پر لیٹ گئی اور سر جیپ کی کھڑکی کے ساتھ لگا دیا۔ اب وہ خلائی انسان کو بھول کر عنبر ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ واشنگٹن میں رہ کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کرتی تو ہو سکتا تھا کہ وہاں ناگ سے ملاقات ہو جاتی۔ یہی سوچتے سوچتے اسے پہلی بار اونگھ سی آگئی۔ اب اس کے اندر بھی اتنی دیر تک زمین پر رہنے کی وجہ سے زمین کے انسانوں والی کمزوریاں آنے لگی تھیں۔ پہلے اسے کبھی اونگھ نہیں آئی تھی۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ لگے کوئی چند ایک سیکنڈ ہی گذرے ہوں گے کہ اس کی آنکھ ایک دم کھل گئی۔ اسے ایک ایسی آواز سنائی دی تھی جو صرف ایک خلائی لڑکی ہی سن سکتی تھی۔ چونکہ وہ خود ایک خلائی لڑکی تھی اس لیے اس نے یہ آواز صاف سنی تھی۔ یہ ایک سگنل کی آواز تھی۔ کیٹی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور باہر دیکھنے لگی۔

ستاروں کی روشنی میں صحرا خاموش اور دور تک ویران تھا۔ کیٹی نے گھور گھور کر چاروں طرف دیکھا۔ اسے کسی جگہ پر بھی کوئی خلائی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

○

طلسمی تختی اور سانپوں کا غار

کیٹی جیپ میں سے باہر نکل آئی۔

وہ دیر تک صحرا میں پھرتی رہی۔ اس نے ایک خاص سگنل کی آواز ضرور سنی تھی۔ اس کو اتنا یقین ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی خلائی مخلوق ضرور ہے۔ مگر وہ اس کے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ صحرا کی رات خاموش تھی پھر آہستہ آہستہ ستاروں کی روشنی بھی پھیکی ہونے لگی۔ اور صبح کی نیلی نیلی روشنی آسمان پر چاروں طرف بکھرنی شروع ہو گئی۔ دن نکل آیا۔ صحرا سورج کی روشنی میں چمک اٹھا کیٹی کو وہاں کوئی خلائی مخلوق نہ مل سکی۔ جیپ کے انجن کو اس نے آدھا دن لگا کر ٹھیک کیا اور پھر واپس روانہ ہو گئی۔

○

کیٹی کو ہم اسی جگہ تھوڑی کے لیے چھوڑتے ہیں اور اب واپس عنبر ناگ اور ماریا کی طرف چلتے ہیں۔ وہ افریقہ

کے ساحل سے بادبانی جہاز پر سوار ہو کر ملک ہسپانیہ کی طرف
سفر کر رہے تھے، کیوں کہ انہیں امید تھی کہ کیپٹن سے ان
کی ملاقات ہسپانیہ کے کسی شہر میں ہی ہو گی۔ ان کے جہاز
کو سمندر میں سفر کرتے تین دن گزر گئے تھے۔ سمندر کی
لہریں پُر سکون تھیں۔ راستے میں کوئی طوفان نہیں آیا تھا۔ مسافر
جہاز پر آرام سے اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے تھے۔
جہاز پر افریقہ اور عرب ملک کے مسافر سوار تھے۔ عنبر، ناگ
اور ماریا جہاز کے عرشے پر ایک طرف بادبان کے نیچے ٹھکانا
بنا کر سفر کر رہے تھے۔

پانچ دن کے سفر کے بعد جہاز راستے میں ایک جزیرے
پر ٹھہرا۔ یہاں سے کچھ مسافر سوار ہوئے۔ کچھ مسافر اُتر گئے۔
کچھ مال بھی جہاز پر لادا جانے لگا۔ عنبر اور ناگ عرشے کے
جنگلے پر جہاز کے اوپر کھڑے نیچے مسافروں کو اُترتے اور
چڑھتے دیکھ رہے تھے۔ ماریا بھی ان کے پاس ہی کھڑی تھی
مگر وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ مسافروں میں انہیں ایک
اونچا لمبا آدمی نظر آیا جس کے سر کے لمبے بال تھے اور
داڑھی سینے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کندھے پر تھیلا لٹکا
رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک لکڑی کی تختی تھی۔ اس تختی کے
ساتھ ایک بانس کا قلم لٹک رہا تھا۔ اس قسم کے بانس
کے قلم اس زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ ان کے اندر سیاہ

رنگ بھرا ہوا ہوتا تھا اور اس سے منشی لوگ تختی اور
چمڑے پر لکھا کرتے تھے۔

عنبر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

"ناگ ماریا! یہ اونچا لمبا آدمی مجھے کوئی پُراسرار آدمی
لگتا ہے۔"

ماریا بولی:

"اس کے ہاتھ میں تختی ہے۔ مجھے تو کوئی منشی لگتا
ہے یا زمین کی پیمائش کرنے والا۔"

ناگ نے کہا:

"شاید تم نے اس کے گلے میں پڑا ہوا تانبے کا
نقش نہیں دیکھا۔ تمہیں یاد ہو گا۔ اس قسم کے
نقش ہمارے قدیم مصر میں کاہن جادوگر بنایا کرتے
تھے۔"

عنبر بولا:

"ہاں — تم نے ٹھیک کہا۔ ایسے طلسمی نقش ہمارے
شاہی محل کا ایک مسافر بنایا کرتا تھا۔"

ماریا نے کہا:

"تو کیا تمہارے خیال میں یہ کوئی جادوگر ہے؟"

عنبر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ اس نے ویسے ہی یہ تانبے

کا نقش گلے میں ڈال رکھا ہے۔ یہ کوئی جادوگر
نہیں ہے۔"

یہ اونچا لمبا ڈاڑھی والا آدمی جہاز کے اوپر عرشے پر آکر
جہاز کے سامنے والے حصے میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور سمندر
کی پرسکون نیلی لہروں کو غور سے دیکھنے لگا۔

ماریا بولی:

"اس کی حرکتیں بھی بڑی پُراسرار ہیں۔ میں اس کے قریب
جا کر دیکھتی ہوں۔"

ماریا وہاں سے ہٹ کر عرشے پر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی
اس پُراسرار آدمی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ پُراسرار
آدمی نے بانس کی قلم ہاتھ میں لے کر تختی پر کچھ لکھنا شروع
کر دیا۔ ماریا کو اس آدمی کے کپڑوں سے اس قسم کی بُو آئی
جیسی بُو اسے ان آدمیوں سے آیا کرتی تھی جو قدیم مصر کے
زمانے میں مُردہ لاشوں میں مصالحے بھر کر ان کی ممیاں بنایا
کرتے تھے۔ ماریا یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ شخص تختی پر کیا
لکھ رہا ہے۔ پہلی بات تو اس نے یہ دیکھی کہ تختی جو اس
آدمی نے اپنے بازوؤں میں تھام رکھی تھی وہ قبر کے کتبے کی
شکل کی تھی۔ اب جو اس نے آگے بڑھ کر تختی پر نظر
ڈالی تو چونک اٹھی۔ وہ آدمی تختی پر اس کا نام لکھ رہا تھا
"ماریا۔"

ماریا پریشان سی ہو کر پیچھے کو مڑنے لگی تا کہ عنبر اور
ناگ کو جا کر بتائے کہ یہ پُراسرار آدمی اپنی کتبے کی شکل
ایسی تختی پر اس کا نام لکھ رہا ہے کہ اس کے جیسے
پاؤں کسی نے پکڑ لیے۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ ہل
سکی۔ ماریا گھبرا گئی۔ اس نے پورا زور لگا کر پیچھے کو
چھلانگ لگانی چاہی مگر وہ تو اپنی جگہ سے ایک انچ
بھی نہ حرکت کر سکی۔ اس نے پریشان ہو کر عنبر اور ناگ
کو زور سے آواز دی۔ مگر یہ آواز اس کے حلق سے باہر
نہ نکل سکی۔

اتنے میں اس لمبی ڈاڑھی والے پُراسرار آدمی نے
آہستہ سے کہا:

"ماریا! تم واپس نہیں جا سکو گی۔ تم آواز بھی نہیں
نکال سکو گی۔ تم میرے ساتھ جاؤ گی۔"

ماریا نے حیرانی سے کہا:

"تم۔۔۔ تم کوئی جادوگر ہو کیا؟"

پُراسرار آدمی نے کہا:

"تم یہی سمجھ لو۔ مگر میرا نام شاکول ہے اور تم
اس وقت میری تختی کے طلسم میں قید ہو چکی
ہو۔ نہ تم یہاں سے ہل سکتی ہو اور نہ تمہاری
کوئی آواز سن کر تمہاری مدد کر سکتا ہے۔"

ماریا بولی :

"تم — تم کون ہو اور — اور تم نے مجھے اپنی تختی کے جادو میں کس لیے قید کیا ہے؟"

شاکول ساحر نے کہا :

"میں شاکول ہوں۔ مگر میں مسافر نہیں ہوں، جادوگر نہیں ہوں، لیکن مجھے ایک خاص مقصد پورا کرنے کے لیے ساحری نے ایک خاص جادو عطا کر رکھا ہے۔"

"مگر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" ماریا نے عاجز آ کر سوال کیا۔

شاکول ساحر بولا :

"یہ تمہیں اس جگہ پہنچ کر بتاؤں گا جہاں میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

ماریا نے محسوس کیا کہ اگرچہ وہ اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا مگر اس کی آواز ارد گرد بیٹھے ہوئے مسافر بالکل نہیں سن رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ عنبر اور ناگ دُور جہاز کے دوسرے کونے میں جنگلے کے ساتھ کھڑے اس پُراسرار آدمی کی طرف تک رہے تھے۔ اصل میں وہ ماریا کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے جو انہیں یہ کہہ کر گئی تھی کہ اس پُراسرار آدمی کو قریب سے دیکھ کر ابھی واپس آتی

ہے۔ ماریا نے دیکھا کہ پُراسرار ساحر شاکول نے تختی پر ماریا کے لکھے ہوئے نام پر لکیر مار دی اور لکیر کے ساتھ ہی ماریا کا نام اپنے آپ تختی پر سے مٹ گیا۔ پھر اس نے تختی پر عنبر کا نام لکھ دیا۔

ماریا نے چیخ کر کہا :

"عنبر! عنبر! یہ جادوگر اب تمہاری طرف آ رہا ہے ناگ ناگ! اس کو ہلاک کر دو۔"

شاکول ساحر بڑے مزے سے مسکرانے لگا اور بولا :

"ماریا! تمہارا کیا خیال ہے کہ عنبر اور ناگ تمہاری آواز سن لیں گے؟ نہیں۔ تمہاری اور میری آواز یہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں سن سکتا۔ اور میں تو ایک ماہ سے اس جزیرے کی بندرگاہ پر تم تینوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے کہ میں تم تینوں کو کو اپنے ساتھ لینے نکلا تھا۔ تم میری قید میں آ گئی ہو۔ اب عنبر کو بھی قید کرنے جا رہا ہوں مگر پہلے تمہیں میں اس تختی کے گول دائرے میں آرام سے بٹھا دینا چاہتا ہوں۔"

پُراسرار شاکول ساحر نے تختی کے کونے میں چھوٹا سا گول دائرہ کھینچا اور ماریا کی طرف بانس کے قلم کا اشارہ کیا۔ قلم میں سے ایک باریک نیلی شعاع نکل کر اپنی جگہ

پر پتھر بن کر گری۔ ماریا کے جسم پر پڑی اور اس کا
سارا جسم ایک چھوٹا سا نقطہ بن گیا۔ پراسرار شاگول نے
قلم کی نوک سے ماریا کے نقطے کو اٹھایا اور تختی کے
گول دائرے میں آرام سے رکھ دیا۔ اب ماریا اس چھوٹے
سے گول دائرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دیکھا
کہ پراسرار ساحر شاگول جہاز کے عرشے پر اس طرف بیٹھا
جہاں عنبر اور ناگ کھڑے تھے۔ جونہی یہ پراسرار آدمی ناگ
عنبر کے قریب آیا۔ ناگ کا جسم ایک دم سے لرزنے
لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ آدمی اسے سخت نقصان پہنچانے آ
رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا:

"عنبر! ہوشیار! سمندر میں کود جاؤ۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے اوپر کو لمبا سانس کھینچا
اور چاہا کہ کوئی پرندہ بن کر فضا میں اڑ جائے مگر وہ ایسا
نہ کر سکا۔ پراسرار ساحر کے جادو کا پہلا اثر اس پر ہو گیا
تھا۔ اس دوران عنبر سمندر میں چھلانگ لگانے ہی والا تھا
کہ اس کے پاؤں بھی ماریا کی طرح پراسرار شاگول کے طلسم
نے جکڑ لیے لیکن ناگ سمندر میں چھلانگ لگانے میں
کامیاب ہو گیا۔ وہ سیدھا پانی میں گرا اور نیچے ہی نیچے
اترتا چلا گیا۔ پھر اس نے پانی کے اندر ہی اندر تیرنا شروع
کر دیا۔ اور دور جزیرے کے کنارے پر جا کر نکل آیا۔ اس

نے واپس نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ جہاز کے عرشے پر عنبر کہیں
نہیں تھا۔ صرف وہی پراسرار تختی والا ساحر کھڑا سمندری
کنارے کی طرف ادھر ادھر ناگ کو تلاش کرنے کی کوشش
کر رہا تھا۔

ناگ جلدی سے گیلی ریت پر لیٹ گیا اور مگرمچھ کی
طرح آہستہ آہستہ رینگتا ہوا جزیرے میں دور درختوں کی
قطاروں میں پہنچ کر چھپ گیا۔ مگر اس کی نظریں برابر جہاز
جہاز کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ناگ کی چھٹی بلکہ ساتویں حس
نے اسے عین موقع پر بتا دیا تھا کہ یہ کوئی زبردست طلسمی
طاقت رکھنے والا انسان ہے اور انہیں قید کرنے آ رہا
ہے۔ یقیناً ماریا کو وہ پہلے ہی قید کر چکا ہو گا۔ ناگ نے
ایک بار پھر سانس کھینچ کر کوئی جانور بننا چاہا مگر وہ نہ
بن سکا۔ جادوگر شاگول کے جادو کی لہریں اس جزیرے
میں پھیل چکی تھیں مگر چونکہ ناگ سانپوں کا دیوتا بن چکا
تھا اس لیے جب تک یہ پراسرار جادوگر اس کے بالکل
سامنے نہ آ جاتا ناگ پر اس کے جادو کی لہریں اس سے
زیادہ اثر نہیں کر سکتی تھیں۔

ناگ سمجھ گیا تھا کہ اس پراسرار جادوگر نے ماریا کے
بعد عنبر کو بھی اپنی قید میں ڈال کر گم کر لیا ہے اور اب
وہ اس کی تلاش میں جزیرے پر آئے گا۔ اس لیے ناگ نے

وہاں سے دوڑنا شروع کر دیا۔

پراسرار جادوگر شاکول نے عنبر کو پہلے اپنی جگہ پر پتھر کر دیا اور پھر اسے بھی اپنے طلسمی قلم کے اشارے سے نقطہ بنا کر تختی کے دوسرے دائرے میں بند کر دیا۔ عنبر کو ساتھ والے دائرے میں ماریا کی موجودگی کا احساس اس کی ہلکی ہلکی خوشبو سے ہو رہا تھا مگر وہ اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ عنبر اتنا چھوٹا سا نقطہ بن چکا تھا کہ اس کے حلق سے اگر چیخ بھی نکلتی تو اسے کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی ضرور تھی کہ ناگ اس پُراسرار آدمی کی گرفت میں نہیں آسکا تھا۔ عنبر حیران تھا کہ یہ کون شخص ہے اور اس نے اسے اور ماریا کو کس لیے جادو میں قید کیا ہے اور وہ ناگ کو بھی اپنے طلسم کے قبضے میں کر کے ان سے کیا چاہتا ہے؟

پُراسرار شاکول نے ناگ کو جزیرے کے درختوں میں رینگ کر جاتے دیکھ لیا تھا۔ ناگ پر اتنی دُور سے اس کا بھی جادو نہیں چل رہا تھا۔ کیوں کہ ناگ بہرحال سانپوں کا دیوتا تھا اور اسے اپنے طلسم میں لانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لیکن پراسرار شاکول کو ہر حالت میں ناگ کو پکڑ کر اپنی تختی میں نقطہ بنا کر جمانا اور پھر اپنے ساتھ فلسطین میں دریائے اردن کے کنارے والے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے

پرانے قبرستان میں ضرور لے جانا تھا۔

پراسرار شاکول نے تختی کاندھے کے ساتھ لٹکائی اور جہاز کی سیڑھیاں اتر کر زمین پر آ گیا۔ دور سے ناگ نے بھی اسے جہاز سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اسے پکڑنے آ رہا تھا۔ ناگ ہوشیار ہو گیا اور پہلے سے زیادہ تیز تیز دوڑنے لگا۔ یہ جزیرہ کافی بڑا تھا اور جنگل زیادہ بڑا نہیں تھا۔ درختوں کے جھنڈ بہت جلد ختم ہو گئے اور اب کالی اور زرد چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ناگ کو خوب معلوم تھا کہ یہ کوئی زبردست طاقت والا ساحر ہے اور کسی خاص مقصد کو ذہن میں رکھ کر ان تینوں کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس لیے اس سے بچنا ہر حالت میں ضروری تھا۔ اس لیے بھی کہ ناگ باہر رہ کر ہی عنبر اور ماریا کی اس طاقتور طلسم سے رہائی کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔ ناگ چٹانوں میں کوئی ایسا غار تلاش کرنے لگا جس کے اندر داخل ہو کر وہ اس کا منہ پتھر سے بند کر سکے تاکہ پراسرار شاکول اس کے اندر داخل نہ ہو۔ کیوں کہ وہ صرف ناگ کے سامنے آکر ہی اس پر جادو کر سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ناگ عنبر اور ماریا کوئی معمولی انسان نہیں تھے۔ ان کے پاس بڑی زبردست طاقت تھی۔ اسی طاقت نے ان تینوں کو موت سے بچایا ہوا تھا۔ اس لیے پراسرار آدمی شاکول کا جادو ان پر اسی صورت

ہیں چل سکتا تھا کہ وہ اس کے بالکل قریب ہوں۔ ماریا نے تو خود اس کے قریب آکر اسے موقع دے دیا تھا کہ آ بیل مجھے مار۔

ناگ چٹانوں میں کوئی غار تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا مگر اسے کوئی غار تو کیا معمولی سا سانپ کا بل بھی نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک سانپ کی سبز کینچلی پتھروں میں پڑی ہوئی دکھائی دی۔ ناگ نے اس کینچلی پر منتر پڑھ کر پھونکا اور اس کے سانپ کو آواز دی:

"تم جہاں بھی ہو۔ فوراً یہاں پہنچو۔"

چند سیکنڈوں کے اندر اندر ایک سبز سانپ ناگ کے سامنے آکر جھک گیا۔ سانپ کی نئی نئی سبز کھال دن کی روشنی میں چمک رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"کیا تم مجھے کسی ایسے غار میں لے جا سکتے ہو جو زمین کی گہرائیوں میں ہو اور جس کے منہ کو بھاری پتھروں سے بند کیا جا سکے؟"

سانپ نے کہا:

"اے عظیم ناگ دیوتا! یہاں ایک زرد چٹان کے اندر گہری غار کو راستہ جاتا ہے میرے ساتھ آئیں۔"

سانپ ناگ کو ساتھ لے کر زرد چٹان کے ایک خفیہ

راستے میں سے اندر لے گیا۔ ناگ نے غار کے منہ کے آگے بھاری پتھر اس طرح سے رکھ دیا کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کوئی غار بھی ہے۔ اس غار کے اندر ایک اور غار تھا۔ ایک جگہ زمین میں دراڑ تھی۔ اس دراڑ میں سے نکل کر ناگ زمین کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ نیچے ایک ندی بہہ رہی تھی اور پتھروں اور چھتوں میں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ ناگ اس ندی کے کنارے ایک جگہ پتھروں کے کھوہ میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ جادوگر بڑا طاقتور ہے مگر وہ اس کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا اور اس کے جادو سے بچ کر عنبر اور ماریا کو اس کے قبضے سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔

ناگ نے سانپ کو رخصت کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر وہ لمبی ڈاڑھی اور سر کے لمبے لمبے الجھے الجھے بالوں والا کوئی اونچا لمبا آدمی دیکھے تو اس کے قریب آنے کی کوشش نہ کرے اور بھاگ جائے۔

دوسری طرف پراسرار شاکول تھیلی کاندھے پر لٹکائے۔ دوسرے کاندھے کے ساتھ جھولا لٹکائے، تھیلی کے دانوں میں عنبر اور ماریا کو نقطے بنا کر قید کیے اب ناگ کی تلاش میں چلا آ رہا تھا۔ اس نے جنگل کا ایک ایک کونا دیکھ لیا۔ وہاں ناگ کہیں نہیں تھا۔ اسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں

وہ سمندر میں دوبارہ نہ کود گیا ہو۔ کیوں کہ سمندر کے اندر
جانے کے بعد پُراسرار شاکول اسے اپنی طلسمی گرفت میں
نہیں لے سکتا تھا۔ افسوس کہ اس حقیقت کے بارے
میں ناگ کو کوئی علم نہیں تھا۔ ورنہ وہ سمندر میں ہی تیرتا
ہوا دور نکل جاتا۔ مگر اسے اس کی خبر نہیں تھی۔

زمین کی گہرائی میں کافی نیچے آنے کے بعد ناگ
نے سانس اوپر کو کھینچا تو وہ سانپ بن گیا۔ اتنی گہرائی میں
زمین کے اندر آ جانے کے بعد جادوگر شاکول کی طلسمی قوتوں
کے جادو کی لہریں اس پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔ وہ
ناگ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ناگ کو بڑی خوشی ہوئی کہ
اس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کی طاقت
اسے واپس مل گئی تھی۔ وہ رینگتا ہوا ندی کے پاس کئی
پتھروں کے نیچے چھپ گیا۔ کچھ دیر وہاں چھپے رہنے کے
بعد وہ وہاں سے نکل آیا اور رینگتا ہوا اوپر کی طرف جانے
لگا۔ ناگ ہر حالت میں عنبر اور ماریا کے بارے میں چوکس
رہنا چاہتا تھا۔ وہ ان دونوں کو الگ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔
وہ اس پُراسرار جادوگر شاکول کے پیچھے پیچھے رہنا چاہتا تھا
تا کہ یہ معلوم کر سکے کہ وہ عنبر اور ماریا کو لے کر کہاں
جاتا ہے۔

وہ زمین کی گہرائی سے نکل کر رینگتا ہوا کافی اوپر آ گیا

اب غار کی سطح اس سے ایک سو فٹ بلند تھی کہ اس
کا جسم کانپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں تک پُراسرار جادوگر شاکول
کی طلسمی لہریں آ رہی ہیں۔ ناگ جلدی سے رینگتا ہوا واپس
نیچے چلا گیا۔

اس کا خیال درست تھا۔ جادوگر شاکول اس وقت غار کے
اندر موجود تھا اور ناگ کو تلاش کر رہا تھا۔ کیوں کہ اس نے
ناگ کے قدموں کے نشان اس غار کے اندر جاتے دیکھ لیے
تھے۔ ایک جگہ یہ نشان غار میں آ کر غائب ہو گئے تھے۔
شاکول اسی جگہ کھڑا ناگ کے پاؤں کے نشانوں کو غور سے
دیکھ رہا تھا۔ اس جگہ زمین میں ایک دراڑ پڑی ہوئی تھی۔ جادوگر
شاکول اس دراڑ کے اندر جانے ہی والا تھا کہ اچانک زمین بھونچال
سے ہلنے لگی۔ چٹان بھی لرز رہی تھی۔ زمین دائیں بائیں ہل رہی
تھی۔ جادوگر شاکول ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس بھونچال
کی وجہ سے زبردست کڑاکے کی آواز کے بعد زمین کی یہ دراڑ
آپس میں مل گئی اور اب وہاں ایک چھوٹا سا سوراخ باقی
رہ گیا تھا۔

پُراسرار شاکول اس سوراخ میں سے نیچے نہیں جا سکتا تھا۔
وہ تھوڑی دیر غار میں رُکا رہا۔ جب بھونچال گزر گیا تو شاکول
غار سے باہر نکل آیا اور بادبانی جہاز کی بندرگاہ کی طرف چل
پڑا۔ تھوڑی دیر بعد زمین کے نیچے آئے ہوئے ناگ کو بھی

احساس ہو گیا کہ پُراسرار جادوگر کی طلسمی لہریں اس سے دُور
چلی گئی ہیں۔ وہ اوپر آ گیا۔ بھونچال کی وجہ سے زمین کی
سطح پھٹ کر ایک چھوٹا سا سوراخ بن کر رہ گئی تھی۔

ناگ اس سوراخ میں سے نکل کر باہر غار میں آ گیا۔ اس
کے جسم پر طلسمی لہروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ناگ
سانپ کے روپ میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا غار میں سے
باہر نکل آیا۔ وہ ایک ٹیلے پر رینگتا ہوا چڑھ گیا اور دُور
سے بادبانی جہاز کو دیکھنے لگا۔ ناگ جادوگر شاکوال کی طلسمی
لہروں کی حد سے دُور رہ کر اس کا پیچھا کرنا چاہتا تھا کیونکہ
اس نے اپنی طلسمی تختی پر عنبر اور ماریا کو چھوٹے سے نقطے
بنا کر جکڑ رکھا تھا۔

ناگ کو دُور سے جادوگر شاکوال جہاز کی سیڑھیاں چڑھتا
دکھائی دیا۔ ناگ وہیں بیٹھ کر بادبانی جہاز کے چلنے کا انتظار
کرنے لگا۔ دن ڈھلنے والا تھا۔ دھوپ کا رنگ سنہری ہو
رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جہاز کا لنگر اٹھا لیا گیا۔ بادبان کھول
دیئے گئے اور جہاز آہستہ آہستہ سمندر کی لہروں پر روانہ ہو
گیا۔ اس کے ساتھ ہی ناگ بھی ٹیلے سے اُتر آیا اور رینگتا
ہوا سمندر کی طرف چل پڑا۔ ناگ اپنے اور جادوگر شاکوال
کے درمیان ایک خاص فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس پر طلسمی
لہروں کا اثر نہ ہو۔ ناگ نے سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک

گہرا سانس لیا اور سانپ سے ایک وہیل مچھلی بن کر پانی
میں کود گیا۔ اب وہ بادبانی جہاز کا پیچھا کر رہا تھا۔ جہاز کچھ
فاصلے پر آگے آگے جا رہا تھا اور ناگ وہیل مچھلی کی شکل میں
اس کا پیچھے پیچھے تعاقب کر رہا تھا۔

جادوگر شاکوال جہاز کے عرشے پر لکڑی کے بھاری ستون
کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ناگ کو اپنے قبضے میں نہ کر سکنے
پر افسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں یہ اُمید ضرور تھی
کہ چونکہ اس نے عنبر اور ماریا کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے
اس لیے ناگ ان دونوں کو قید سے رہا کرانے کے لیے پیچھے
ضرور آئے گا خواہ وہ کسی بھی شکل میں کیوں نہ آئے۔

عنبر اور ماریا جادوگر کی طلسمی تختی کے گول دائروں میں نقطوں
کی شکل میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے بات
نہیں کر سکتے تھے۔ مگر سمندر کی لہروں کی آوازیں ضرور سن رہے
تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ جہاز
سمندری لہروں پر اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ سورج
غروب ہو چکا تھا اور رات کے سائے سمندر میں چاروں
طرف پھیلنے لگے تھے۔ سمندر کی لہروں کا رنگ سیاہ پڑ
رہا تھا۔

ناگ بھی وہیل مچھلی کی شکل میں اپنے اور بادبانی جہاز
کے درمیان کچھ فاصلہ ڈالے ہمراہ پانی کی لہروں میں جہاز کے

پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

اسی طرح تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن کا سورج نکلا تو مسافروں کو دُور زمین کا کنارہ نظر آیا۔ جہاز انطاکیہ کی پرانی بندرگاہ کے ساتھ لگ گیا۔ جادوگر شاکول طلسمی تختی تھامے لمبے لمبے قدم اٹھاتا جہاز سے نیچے اتر آیا۔ یہاں سے اس نے ایک کارواں سرائے کا پتہ پوچھا اور شہر کی گرد بھری سڑک پر چل پڑا۔

ناگ نے سمندر سے نکلنے کے بعد انسانی شکل اختیار کر لی تھی اور کچھ فاصلہ رکھ کر وہ برابر جادوگر شاکول کا تعاقب کر رہا تھا۔ جادوگر شاکول کارواں سرائے میں جا اُترا۔ اسی روز شام کو ایک قافلہ شہر فلسطین کو جا رہا تھا۔ جادوگر شاکول اس قافلے میں شامل ہو گیا اور ایک اُونٹ پر بیٹھ کر فلسطین کی جانب قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ ناگ قافلے کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ کیوں کہ جادوگر شاکول کی طلسمی لہروں کا اثر اس کے اِرد گرد پچاس پچاس قدموں کے فاصلے تک تھا۔ وہ قافلے کے پیچھے سو قدم کا فاصلہ رکھ کر ایک سفید باز کی شکل میں اڑتا چلا آ رہا تھا۔

ناگ قافلے کے اوپر پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر رہ کر بھی اڑ سکتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس طرح جادوگر شاکول کو شک پڑ جائے گا کہ یہ سفید باز برابر قافلے کے

ساتھ ساتھ کیوں اڑتا چلا آ رہا ہے اور وہ کوئی نہ کوئی طلسم پڑھ کر ناگ کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے ناگ نے یہی مناسب خیال کیا کہ قافلے کے پیچھے رہ کر آسمان پر اس کا تعاقب کیا جائے۔

راستے میں پڑاؤ کرتا یہ قافلہ ریت کے صحراؤں میں شہر فلسطین کی طرف سفر کرتا رہا۔ ناگ بھی سفید باز کی شکل میں ساتھ ساتھ اڑ رہا تھا۔ قافلہ جب فلسطین کے شہر پہنچا تو ایک سرائے میں جا کر اتر گیا۔ اس سرائے کے ارد گرد گول دیوار بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں جگہ جگہ مسافروں کے لیے کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ سرائے میں اونٹوں اور گھوڑوں اور گدھا گاڑیوں اور [illegible]۔ مسافروں کی وجہ سے مٹی اڑنے لگی تھی اور اتنی ساری خلقت میں جادوگر شاکول ناگ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ ناگ کو اس جادوگر سے دور رہنا پڑ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں جادوگر شاکول کہیں گم ہو گیا۔ ناگ باز کی شکل میں سرائے کے اندر کھجور کے ایک اونچے درخت پر بیٹھا اسے تلاش کرتا رہا اور وہ اسے نظر نہ آیا۔ لوگ سرائے سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سرائے خالی ہو گئی۔ صرف اونٹوں کے مالک اور مزدور لوگ ہی وہاں باقی رہ گئے۔ ناگ ناامید بھی ہوا

اور پریشان بھی ـــ کیوں کہ وہ جادوگر شاکول کو کھونا نہیں
چاہتا تھا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور انسانی شکل
میں واپس آکر جادوگر کی تلاش کے لیے شہر میں داخل ہو گیا
مگر جادوگر شاکول شہر میں نہیں تھا۔

وہ سرائے سے نکل کر ایک گھوڑے پر سوار فلسطین شہر
سے دور پرانے کھنڈروں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ کھنڈر شہر سے
ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر ایک قدیم دریا
کے دوسرے کنارے پر خشک اور بنجر ٹیلوں کے درمیان
تھے اور ان میں ایک بڑا پُراسرار غار تھا۔ اس غار کے بارے
میں لوگوں میں عجیب عجیب باتیں مشہور تھیں۔ کوئی کہتا کہ
غار میں کسی بادشاہ کی روح ہاتھ میں تلوار لیے پھرتی ہے۔
کوئی کہتا ہے کہ اس غار میں ایک بے گناہ آدمی کو قتل
کر دیا گیا تھا۔ اور اب اس کی سرکٹی روح آدھی رات کو
آکر چیخیں مارتی ہے۔ لوگوں نے ایسے قصے بنا رکھے تھے کہ
ایک مسافر غار کے اندر بارش سے بچنے کے لیے گیا اور
پھر صبح لوگوں کو اس کی لاش اس حالت میں ملی کہ اس کے
سارے جسم پر چھوٹے چھوٹے سانپ لپٹے ہوئے تھے۔

ان آسیبی اور ڈراؤنی کہانیوں کی وجہ سے کوئی شخص اس
غار کے قریب نہیں جاتا تھا۔ اگر کوئی شامت کا مارا اِکا دُکا
مسافر غار میں گھڑی پل کے لیے آرام کرنے چلا جاتا تو پھر

اس کی لاش ملتی جس کے ساتھ سینکڑوں سانپ لپٹے اسے
ڈس رہے ہوتے تھے۔ اس غار کا نام لوگوں نے سانپوں کا غار
رکھ دیا تھا۔

جادوگر شاکول اسی غار کی طرف آ رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر
بیٹھا صحرا میں سفر کرتے کرتے آخر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ یہ
دریا بہت پرانا تھا اور سینکڑوں سالوں سے وہاں بہہ رہا تھا
اس نے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور دوسرے کنارے پر
پہنچ کر بنجر ٹیلوں کی طرف آ گیا۔ سامنے وہی پُراسرار سانپوں
کا غار کانٹے دار جھاڑیوں اور اونچی سوکھی گھاس میں چھپا
ہوا تھا۔ جادوگر شاکول گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اس نے گھوڑا ایک
طرف لے جا کر گھاس وغیرہ چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود
غار کے اندر داخل ہو گیا۔

اس غار میں دن کے وقت بھی اندھیرا تھا۔ شاکول غار
میں کافی آگے نکل گیا تو غار میں تھوڑی سی کشادہ یعنی کھلی جگہ
آ گئی۔ یہاں ایک گول جگہ میں ساتھ ساتھ دو قبریں بنی ہوئی
تھیں اور دیوار کے ساتھ چمڑے کے بڑے بڑے چھ سات
کُپّے رکھے ہوئے تھے جن کے منہ بند تھے اور ان پر کپڑا
لپٹا ہوا تھا۔

جادوگر شاکول نے طلسمی تختی کو دونوں قبروں میں سے
ایک قبر کے اوپر رکھ دیا اور ہاتھ اوپر باندھ کر آنکھیں بند

کر کے منہ میں ہی منہ میں کوئی طلسم پڑھنا شروع کر دیا۔ طلسم
پڑھ کر اس نے دونوں قبروں پر باری باری پھونک ماری اور
درمیان میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ طلسمی تختی کو اس نے
اٹھا کر دوسری قبر کے ساتھ تین بار لگایا اور پھر اپنے سامنے
زمین پر رکھ دیا۔ یہاں غار میں روشنی بہت کم تھی اور اندھیرا
اندھیرا تھا۔

جادوگر شاکول اپنی چمکیلی آنکھیں کھولے دونوں قبروں کے
بیچ میں پڑی ہوئی طلسمی تختی کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک
قبر ہلنے لگی۔ پھر دوسری قبر بھی یوں ہلنے لگی جیسے قبر کے
اندر بھونچال آ گیا ہو۔ پھر دونوں قبروں کے اندر سے سفید
سفید دھوئیں کی لکیریں اوپر اٹھنا شروع ہو گئیں۔ شاکول اپنی
جگہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر دونوں قبریں کھل گئیں اور ان
کے اندر سے دو انسانی ڈھانچے باہر نکل آئے جن کی کھوپڑیوں
پر مٹی کے دیئے جل رہے تھے ان ڈھانچوں نے اپنی اپنی کھوپڑیوں
کے منہ کھول دیئے اور ان میں سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں
جیسے وہ لمبے لمبے سانس لے رہے ہوں۔ شاکول نے اپنا
سر جھکا دیا اور بولا:

"اے عظیم ڈھانچو! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا
اور دو ایسے انسانوں کو اپنے طلسم میں جکڑ کر
ساتھ لے آیا ہوں جو ہزاروں برس سے زندہ ہیں

مجھے افسوس ہے کہ میں ناگ کو نہ تلاش کر سکا۔
لیکن میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا
ہے۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔"

انسانی ڈھانچوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ ان کے ہڈیوں والے
کھڑکھڑاتے ہاتھ قبروں کے درمیان میں رکھی ہوئی تختی کی طرف
بڑھے۔ انہوں نے دونوں گول دائروں میں سے عنبر اور ماریا کے
نقطوں کو اپنی انگلیوں کی ہڈیوں سے تختی پر سے اٹھا لیا
اور اپنے اپنے منہ کے اندر رکھ کر منہ بند کر لیا۔ ان کے
سانسوں کی آواز رک گئی اور ڈھانچوں کی کھوپڑیوں پر رکھے
ہوئے چراغوں کی روشنی اتنی تیز ہو گئی کہ سارے غار میں روشنی
ہو گئی۔

ایک ڈھانچے نے اپنی قبر کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک طلسمی
مہر نکالی اور جادوگر شاکول کو دے کر کہا:

"لے جادو۔ یہ سلیمانی مہر اب تمہاری ہے جب
تک یہ مہر تمہارے بازو کے ساتھ بندھی رہے
گی تم کسی کو نظر نہیں آؤ گے اور تم مر نہیں سکو
گے۔ لیکن یہ مہر تم نے کھو دی تو تم اسی وقت ہڈیوں
کا ڈھانچہ بن کر فنا ہو جاؤ گے۔"

جادوگر شاکول نے جلدی سے مہر ڈھانچے کے ہاتھ سے لے
لی اور کہا:

"عظیم جادوگر سامری! میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

دونوں ڈھانچے سلیمانی مہر شاکول کو دے کر آہستہ آہستہ قبروں کے اندر چلے گئے اور ان کی قبریں دوبارہ بند ہو گئیں۔ جادوگر شاکول نے جلدی سے سلیمانی مہر کو اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا اور وہ غائب ہو گیا۔ وہ غار میں موجود تھا مگر اب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دونوں قبروں پر باری باری اپنا ہاتھ رکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا طلسمی تختی کو وہیں چھوڑ کر غار سے باہر نکل آیا۔ اب طلسمی تختی کا طلسم ختم ہو چکا تھا اور وہ ایک عام لکڑی کی تختی کے سوا کچھ نہیں تھی۔ باہر نکل کر وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تو گھوڑا دور سے ہنہنایا اور ڈر کر بھاگ گیا۔ اسے کوئی آسیبی روح اپنی طرف بڑھتی محسوس ہوئی تھی۔ شاکول پیدل ہی دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔

غیبی شاکول اور انسانی نقطے

غار کے اندر دونوں قبریں خاموش تھیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد قبروں میں ایک بار پھر حرکت پیدا ہوئی۔ اس کا منہ کھلا اور قبروں کے اندر سے انسانی ڈھانچے زندہ ہو کر باہر نکل آئے۔ ان میں ایک جادوگر سامری تھا اور دوسری اس کی بیوی سامرہ تھی۔ عنبر اور ماریا کے نقطے ان کے ماتھوں پر تل کی طرح لگے ہوئے تھے۔ ان نقطوں کی وجہ سے سامری اور اس کی بیوی سامرہ کو دوبارہ زندگی ملی تھی۔ شیطان نے یہ شرط لگا دی تھی کہ اگر وہ کسی ایسے دو انسانوں کو کالے نقطوں میں تبدیل کر کے اپنے ماتھوں پر لگائیں گے جو ہزاروں برس سے زندہ ہوں تو انہیں دوبارہ زندگی مل جائے گی۔ چنانچہ جادوگر سامری کی روح نے اپنے خاص شاگرد جادوگر شاکول سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ایسے دو انسانوں کو طلسمی تختی پر دو نقطے بنا کر پیش کرے گا تو وہ اسے سلیمانی مہر عطا کرے گا جس کو بازو سے باندھنے

کے بعد وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا اور
اسے اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ
سلیمانی مہر اس کے بازو سے بندھی ہوئی ہے۔

جادوگر سامری اور سامرہ اب انسانی شکل میں دوبارہ زندہ
ہو گئے تھے۔ ان کے لباس شاہی جادوگروں ایسے تھے۔ سامرہ
نے ملکہ کا لباس پہن رکھا تھا۔ سامری نے غار سے باہر نکل
کر تازہ ہوا میں سانس لے کر کہا:

"سامرہ! میرا جادو مجھے بتا رہا ہے کہ یہ نمرود بادشاہ
کا زمانہ ہے اور ہم اپنے وطن ملک مصر سے
زیادہ دور نہیں ہیں۔ کیوں کہ ہماری لاشوں کو فلسطین
کے ٹیلوں کے غار میں دفن کیا گیا تھا۔"

سامرہ کہنے لگی:

"عظیم سامری! ہمارا زمانہ گذر چکا ہے۔ اب نہ
معلوم کون سا فرعون تخت پر بیٹھا ہو گا۔"

سامری نے کہا:

"جو کوئی بھی ہو۔ ہمیں اس سے کیا۔ ہم اس کے
دربار میں جائیں گے اور میں اپنے جادو کے
کارنامے دکھا کر شاہی جادوگر بن کر دربار میں
بڑا عہدہ پائیں گے۔"

سامرہ نے کہا:

"تو پھر چلو۔ ہم ملک مصر کی طرف چلتے ہیں۔"

سامری نے کہا:

"لیکن میری جادوگر ملکہ سامرہ! ہمیں اپنے ماتھوں
پر لگے ہوئے عنبر اور مادیا کے کالے نقطوں کا
ہر وقت خیال رکھنا ہو گا۔ کیوں کہ اگر کسی نے یہ
نقطے ہمارے ماتھوں سے اتار لیے تو ہم ایک
بار پھر ہڈیوں کے ڈھانچے بن جائیں گے اور
طلسم ختم ہو جائے گا۔"

سامرہ کہنے لگی:

"یہ نقطے ہم نے اپنے ماتھوں پر طلسم کے زور
سے لگائے ہیں اور یہ ہمارے جسم کا حصہ بن گئے ہیں
اب یہ کبھی نہیں اتریں گے۔"

سامری بولا:

"لیکن تم بھول گئی ہو کہ جب ہم سو جائیں گے تو
یہ طلسم ختم ہو جائے گا۔ اور اس وقت کوئی بھی
ہمیں سوتا پا کر اگر یہ نقطے کسی طرح کھرچ ڈالے
گا۔ تو ہم ہڈیوں کا بھی ڈھانچہ بن جائیں گے۔"

اس کی بیوی سامرہ نے کہا:

"ہم اس طرح سوئیں گے عظیم سامری کہ ایک سوئے گا اور دوسرا پہرہ دے گا۔ پھر دوسری رات دوسرا سوئے گا۔ اور پہلے والا پہرہ دے گا۔"

سامری نے خوش ہو کر کہا:

"تم عظیم جادوگر سامری کی عظیم بیوی ہو۔ تم نے بہت عمدہ ترکیب بتائی ہے۔ چلو۔ اب اپنے وطن مصر کی طرف چلتے ہیں۔"

سامری نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں زمین سے اپنے آپ اوپر اٹھنے لگے۔ اور پھر اڑتے اڑتے بادلوں میں جا کر غائب ہو گئے۔ انہوں نے غار کے باہر کھڑے ہو کر جو باتیں کی تھیں انہیں عنبر اور ماریا نے سن لیا تھا وہ سامری اور سامرہ کے ہاتھوں پر نقطوں کی شکل میں جمے ہوئے تھے اور تقدیر ان کے ساتھ جو کچھ کر رہی تھی اس کو قبول کرنے پر مجبور تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنی اپنی جگہ پر عنبر بھی اور ماریا بھی ناگ اور کیپٹن کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے کہ کاش وہ کسی طرح ان کی مدد کو پہنچ جائیں۔

دوسری طرف شاکول جادوگر غیبی حالت میں شہر میں آ گیا۔ یہ شیطانی خصلت رکھتا تھا اور اب لوگوں کی نظروں

سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو تنگ کرے۔ ان کو لوٹے اور کروڑ پتی سوداگر بن کر ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرے۔ ایک عالی شان محل بنا کر رہے اور سینکڑوں نوکر چاکر اس کی خدمت کر رہے ہوں پھر اس کے دل میں ایک شیطانی خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اپنے غیبی بادشاہ ہونے کا اعلان کر دے اور فلسطین کے ملک پر قبضہ کرے۔ غیب ہو کر تو وہ جو چاہے کر سکتا تھا اور پھر وہ مر بھی نہیں سکتا تھا۔ شاکول کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ سیدھا شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل شہر کے درمیان ایک ٹیلے پر قلعے کے اندر تھا۔ شاکول کو قلعے میں داخل ہونے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بڑی شان سے سینہ تانے شاہی سنتریوں اور پہرے داروں کی آنکھوں کے سامنے قلعے کے دروازے میں سے گزر گیا اور اس کو کسی نے نہ روکا۔ کیوں کہ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ماریا اور شاکول کے غائب ہونے میں ایک بہت بڑا فرق یہ تھا کہ ماریا غیب ہو کر نظر نہ آنے والی شعاعوں میں تبدیل ہو جاتی تھی اور لوہے اور پتھر کی دیواروں میں

سے بھی ایکس ریز کی شعاعوں کی طرح گزر جاتی تھی مگر شاکول
ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ پتھر اور لوہے کی دیوار کے اندر
سے نہیں گزر سکتا تھا۔ قلعے کے اندر پہنچ کر شاکول
شاہی محل کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ شاہی
محل کا دروازہ بند ہے اور باہر چار سپاہی زرہ بکتر پہنے
پہرہ دے رہے ہیں۔

غیبی شاکول نے جاتے ہی ایک پہرے دار کا گرز اس
سے چھین کر دوسرے پہرے دار کے سر پر اتنی زور سے
مارا کہ تڑاخ کی آواز پیدا ہوئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔
باقی تین پہرے دار حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے
لگے کہ یہ اچانک کیا ہو گیا؟ لیکن غیبی شاکول نے انہیں
زیادہ حیران ہونے کی مہلت نہ دی اور دو گرز مار کر اور
پہرے داروں کو بھی ہلاک کر دیا۔ چوتھا پہرے دار جان
بچا کر بھاگ گیا۔ شاکول دروازہ کھول کر شاہی محل میں داخل
ہو گیا۔ سنگِ مرمر کے فرش پر سرخ ریشمی قالین بچھے ہوئے
تھے۔ جگہ جگہ سونے چاندی کے فوارے چل رہے تھے۔
شاہی غلام اور کنیزیں ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے۔
شاکول چونکہ غائب تھا اس لیے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا
تھا۔ وہ محل کے مختلف تختوں اور شاندار سنگِ سرخ کے

برآمدوں سے ہوتا ہوا شاہی دربار میں جا پہنچا۔ دربار لگا تھا
اور بادشاہ تخت پر بیٹھا کوئی شاہی فرمان لکھوا رہا تھا۔
دربار کے سارے امیر اور وزیر ادب سے قطاریں باندھے
سر جھکائے کھڑے تھے۔ غیبی شاکول دربار کے بیچ میں جا کر
کھڑا ہو گیا اور کڑک دار آواز میں بولا:

"اے فلسطین کے بادشاہ! سن! میری بات کو غور سے
سن! تیری بادشاہی کے دن آج سے ختم ہو گئے۔
اب میں اس ملک کا بادشاہ ہوں۔"

ایک کڑک دار غیبی آواز کو سن کر سارے درباری
دم بخود ہو کر رہ گئے اور فضا میں ادھر اُدھر تکنے لگے۔
بادشاہ بھی اپنی جگہ پر بیٹھا بیٹھا دہشت زدہ سا ہو گیا کہ یہ
آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ مگر آخر وہ بادشاہ تھا۔ فوراً گرجدار
آواز میں بولا:

"یہ کون شیطان ملعون ہے جو ہماری بادشاہت کو
للکار رہا ہے؟"

بادشاہ کا خیال تھا کہ شاید کوئی دشمن کسی جھروکے کے
پیچھے چھپا ہوا ہے اور یہ آواز اسی نے بلند کی ہے۔ غیبی
شاکول نے قہقہہ لگا کر کہا:

"بدبخت بادشاہ! تو نے مجھے شیطان ملعون کہہ کر اپنی

موت کو آواز دی ہے۔ پہلے میرا خیال صرف تمہارے
تخت پر قبضہ کرنے کا تھا مگر اب میں تجھے زندہ
نہیں چھوڑوں گا۔"
بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلّایا۔
"شاہی سپہ سالار! اس ملعون کو ڈھونڈ کر اس کی بھرے
دربار میں گردن اڑا دو۔"
شاہی سپہ سالار نے تلوار نکال لی اور شاکول کو ڈھونڈنے
لگا۔ مگر وہ کہیں نظر آتا تو اسے پکڑ کر اس کی گردن اڑاتا۔
غیبی شاکول نے کہا:
"بادشاہ! تیرا سپہ سالار تو کیا تیری ساری فوج بھی
مجھے تلاش نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ میں کسی کو نظر
نہیں آ سکتا۔ میں غیبی دیوتا ہوں۔ ہاہاہاہا اور
میں آج سے فلسطین کا، بلکہ ساری دنیا کا غیبی
بادشاہ بن کر حکومت کروں گا۔ میں تمہیں اپنے غائب
ہونے کی نشانی بتاتا ہوں۔"
اور غیبی شاکول نے آگے قدم بڑھائے اور بادشاہ کے
تخت کے پاس کھڑے ایک سیاہ حبشی غلام کو گردن سے
پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اس کے سر پر اتنی زور سے
تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ سارے درباری اور بادشاہ

اب خوف زدہ ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے ماتھے پر پسینہ
آ گیا۔ درباری اونچی آواز میں دیوتاؤں کے حضور دعائیں
مانگنے لگے:
شاکول نے کڑک کر کہا:
"سنو! تمہاری کوئی دعا قبول نہیں ہو گی۔ کیوں کہ
میں خود سب سے بڑا دیوتا ہوں اور آسمانوں سے
اتر کر زمین پر حکومت کرنے کے لیے آیا ہوں
اور میں نے فلسطین کے تخت کو اپنے لیے چُنا
ہے۔ اے بادشاہ! مرنے کے لیے تیار ہو جا:
فوج کا سپہ سالار اور شاہی سپاہی بادشاہ کے ارد گرد
تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔
شاکول نے ایک بار پھر قہقہہ لگا کر کہا:
"تمہاری تلواریں اور نیزے بھی تمہارے بادشاہ کو میرے
انتقام کی آگ سے نہ بچا سکیں گے۔"
اور شاکول تخت کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک سپاہی
کے ہاتھ سے تلوار چھین کر پوری طاقت سے بادشاہ کے سینے
میں گھونپ دی۔ بادشاہ کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی اور
وہ لڑھک کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ سارے درباری سہم
کر رہ گئے۔ کسی میں اتنی جرأت نہ پیدا ہوئی کہ وہ آگے بڑھ

کر بادشاہ کی مدد کرے۔ سپہ سالار اور اس کے سپاہی بھی
اپنی اپنی جگہوں پر پتھر کے بت بن کر کھڑے رہ
گئے۔ شاکول نے بادشاہ کے تاج کو اٹھا لیا۔ درباریوں نے
دیکھا کہ بادشاہ کا تاج اپنے آپ ہوا میں بلند ہو کر ایک جگہ
رک گیا۔ وہ شاکول کا چہرہ اور جسم تو نہیں دیکھ سکتے تھے
لیکن ایک تاج انہیں نظر آ رہا تھا جو ایک غیبی انسان کے
سر پر رکھا ہوا تھا۔

سپہ سالار کو بادشاہ کی موت کا سخت صدمہ تھا۔ اس نے
نشانہ باندھ کر شاکول کے غیبی جسم پر زہر بھرا تیر چلا دیا۔ سن
کی آواز کے ساتھ تیر شاکول کے جسم میں سے پار ہو کر دوسری
طرف جا گرا۔ شاکول کو موت نہیں آ سکتی تھی اس لیے
وہ اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ مگر سپہ سالار کی اس حرکت
سے اس کا خون کھول اُٹھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سپہ سالار
کی تلوار کھینچ لی اور اس سے پہلے کہ سپہ سالار اپنا بچاؤ
کرتا تلوار نے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے تھے۔

سارے دربار پر غیبی شاکول کی ہیبت چھا گئی۔ شاکول نے
گرج کر کہا:

"کون ہے جو مجھے بادشاہ نہیں تسلیم کرتا؟"

سب درباریوں اور وزیر نے ایک آواز ہو کر کہا:

"اے غیبی دیوتا ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں"

شاکول نے کہا:

"ہاں۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ آج سے اس ملک
پر میرا حکم چلے گا۔ میں اس سارے ملک کا بادشاہ
ہوں۔ اگر کسی نے میرے حکم کو ٹالا تو اس کا بھی
وہی حشر ہو گا جو بادشاہ اور سپہ سالار کا ہوا ہے
اب میں دربار برخاست کرتا ہوں"

درباریوں نے دیکھا کہ سونے کا شاہی تاج زمین سے
چھ فٹ کی بلندی پر اپنے آپ تخت پر سے اتر کر شاہی
آرام گاہ کی طرف جا رہا ہے اور وزیر ادب سے سر جھکائے
اس تاج کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ یہ تاج شاکول نے
اپنے سر پر پہن رکھا تھا جو خود نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس
کے غیبی سر پر رکھا ہوا تاج سب دیکھ سکتے تھے۔

شاکول اور ماریا کے غائب ہونے میں دوسرا فرق یہ
بھی تھا کہ ماریا جس شے کو اپنے ہاتھ میں پکڑتی تھی یا اپنے
سر پر رکھتی تھی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی لیکن شاکول کا
صرف جسم غائب تھا۔ وہ جس شے کو پکڑتا تھا یا اپنے جسم
پر رکھتا تھا وہ غائب نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا
جسم تو غائب تھا مگر سر پر رکھا ہوا تاج سب کو نظر آ

رہا تھا۔

دوسرے روز سارے فلسطین شہر میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ ان کا بادشاہ قتل ہو گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی ایسا دیوتا بادشاہ بن گیا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کوئی کہتا کہ یہ کوئی شیطان ہے۔ کوئی کہتا کہ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔ کوئی کہتا کہ یہ دیوتا ہے جس نے زمین پر اتر کر تخت و تاج سنبھال لیا ہے اور کسی کو نظر نہیں آتا۔

غیبی شاکول نے بادشاہ بنتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ ملک میں جس جس کے پاس سونے چاندی کے زیور، برتن ہیرے جواہرات اور موتیوں کے خزانے ہیں وہ سارے کے سارے ہیں اس کے شاہی خزانے میں لا کر جمع کر دیئے جائیں۔ امیر آدمیوں کے رنگ اڑ گئے۔ ان کی دولت ان سے چھینی جا رہی تھی۔ مگر بادشاہ کے حکم کے آگے مجبور تھے۔ سب نے اپنا اپنا قیمتی مال لا کر جمع کرا دیا۔ کچھ امیر سوداگروں نے ملک سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر ان کو گرفتار کر کے غیبی شاکول کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی لاشیں شہر کے دروازوں پر لٹکا دی جائیں۔ غیبی شاکول تاج پہن کر ہر روز تخت پر آ کر بیٹھ جاتا۔

درباریوں اور وزیروں کو صرف اس کا تاج ہی دکھائی دیتا وہ اس کی شکل و صورت نہیں دیکھ سکتے تھے۔ صرف اس کی گونج دار آواز ہی سن سکتے تھے۔ ہر کسی پر ڈر خوف سوار ہو گیا تھا۔ کیونکہ غیبی شاکول ذرا سی بات پر کھال کھنچوا دیتا تھا وہ ظالم بادشاہ کے طور پر مشہور ہو گیا۔

ناگ ابھی تک فلسطین شہر ہی میں تھا۔ اس نے جب ایک غیبی بادشاہ کے بارے میں سنا کہ اس نے بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتا تو سوچ میں پڑ گیا کہیں یہ ماریا تو نہیں ہے؟ مگر ناگ کو اس شہر میں سے ماریا کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ ویسے بھی ماریا اس قسم کا ظلم کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ظالم غیبی بادشاہ تو اس قدر تنگ دل اور گھٹیا انسان تھا کہ لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کے قیمتی برتن اٹھا کر لے جاتا اور دکانوں میں گھس کر جو چیز پسند آتی اٹھا کر لے جاتا اور جو کوئی ذرا سا شور مچاتا اس کو وہیں قتل کر ڈالتا۔

ناگ کو یقین ہو گیا کہ یہ ماریا نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی جادوگر قسم کا شیطان ہے جو تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے اور رعایا پر ظلم و ستم کر رہا ہے۔ ناگ نے اس غیبی بادشاہ کے ظلم و ستم سے رعایا کو نجات دلانے کا فیصلہ کر

لیا۔ ناگ کے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ وہی اونچا لمبا جادوگر شاکول ہو جس نے عنبر اور ماریا کو اپنی طلسمی تختی میں جکڑ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی طلسم کے زور سے ماریا کی غیبی طاقت پر خود قبضہ کر لیا ہو اور غائب ہو کر بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا ہو۔

ناگ کو معلوم تھا کہ اگر یہ وہی جادوگر شاکول ہے تو وہ ناگ کی شکل سے واقف ہے اور وہ اسے پہچان لے گا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر ناگ کو جادو کی لہروں کا اثر بھی محسوس ہو جائے گا۔ ناگ نے پہلا فیصلہ تو کیا کہ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے پرندے کی شکل میں دربار میں جائے گا اور یہ آزمائے گا کہ اس پر جادوگر شاکول کے طلسم کی لہروں کا اثر ہوتا ہے کہ نہیں۔ پس ناگ نے ایک سیاہ رنگ کی ننھی سی چڑیا کی شکل اختیار کی اور اڑتا ہوا سیدھا شاہی محل کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ دربار میں درباری سر جھکائے سہمے ہوئے کھڑے ہیں اور تخت پر ہوا میں ایک شاہی تاج اوپر لٹکا ہوا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ تاج غیبی بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے اور اس کا تاج نظر آتا ہے مگر باقی جسم نظر نہیں آتا۔ اس سے ایک بات ثابت ہو گئی تھی کہ یہ ماریا نہیں ہے۔ ویسے بھی

ناگ کو ماریا کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ ناگ اڑتا ہوا تخت کے قریب گیا تو اس پر طلسمی لہروں کا بھی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ جادوگر شاکول نہیں۔ لیکن اگر وہی ہے تو پھر غائب ہونے کے بعد اس کا طلسم ختم ہو گیا ہوا ہے۔

ناگ تخت کے قریب سونے کے ایک درخت پر بیٹھا تھا جس کی ٹہنیوں سے جواہرات لٹک رہے تھے۔ ناگ نے غیبی شاکول کی آواز سنی تو اسے یاد آگیا کہ شاکول کی آواز بالکل ایسی ہی تھی تو یہ جادوگر شاکول ہی تھا اور اس نے کسی خفیہ طلسم کے ذریعے ماریا کی غیبی طاقت حاصل کر لی تھی۔ ناگ اب اس کی غیبی طاقت کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا کیوں کہ اس کا راز معلوم کیے بغیر وہ غیبی شاکول کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ ناگ دربار سے باہر نکل آیا۔

کھلے میدان میں آ کر اس نے یمن کی ایک شہزادی کی شکل اختیار کر لی۔ وہ ایک سجے ہوئے شاہی گھوڑے پر بیٹھی تھی اور اس نے اتنے خوبصورت ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ ان پر جگہ جگہ ہیرے موتی ٹکے تھے۔ اس کے پیچھے پیچھے دو غلام لڑکیاں سروں پر قیمتی تحفوں کے تھال اٹھائے چلی آ رہی تھیں۔ ناگ کی اپنی شکل بڑی خوب صورت شہزادی کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔ شاہی محل کے دروازے پر آ کر

اس نے کہا کہ وہ یمن کے ملک کے بادشاہ کی بیٹی ہے
اور غیبی دیوتا بادشاہ سے ملاقات کرنے آئی ہے۔ اسی وقت
دربار میں غیبی شاکول کو خبر پہنچائی گئی۔ اس نے اجازت
دے دی۔ ناگ دربار میں آ گیا۔

غیبی شاکول یمن کی شہزادی کے حسن کو دیکھ کر بہت خوش
ہوا۔ اس کی آواز سنائی دی:

"اے شہزادی تمہارا نام کیا ہے؟"

ناگ نے کہا:

"عظیم دیوتا بادشاہ! میرا نام نیلوفر ہے اور میں تمہاری
تعریف سن کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ میری خواہش
ہے کہ تم مجھے اپنی خدمت میں رکھ لو۔ میں اب
واپس اپنے ملک نہیں جانا چاہتی۔"

غیبی شاکول اپنی تعریف سن کر بڑا خوش ہوا۔ بولا:

"شہزادی! تم بڑی خوشی سے میرے شاہی محل میں
رہ سکتی ہو۔"

ناگ نے جھک کر شکریہ ادا کیا اور غیبی شاکول کی
خدمت میں تحفے پیش کیے۔ غیبی شاکول نے شہزادی کو
اپنے تخت کے پاس ہی بیٹھنے کو کرسی دی۔ اس کا مطلب
تھا کہ غیبی بادشاہ یمن کی شہزادی سے خوش ہو گیا تھا۔

ناگ ہیرے موتیوں کا لباس پہنے بڑی شان سے اپنی
عورتوں ایسی نازک گردن اٹھائے بیٹھا تھا۔ کسی کو خیال
بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ عورت نہیں بلکہ مرد ہے۔ ناگ
کے جسم کو غیبی شاکول کی طلسمی لہروں کا ذرا سا بھی احساس
نہیں ہو رہا تھا۔ جب کہ اسے پورا یقین ہو چکا تھا کہ
یہی وہ جادوگر ہے جس نے عنبر اور ماریا کو اپنی طلسمی تختی
میں قید کیا ہوا ہے۔ اب ناگ نے دو کام کرنے تھے۔
پہلا کام یہ کہ عنبر اور ماریا کا سراغ لگانا تھا اور دوسرا
کام یہ کہ اس ظالم غیبی بادشاہ کے ظلم و ستم سے غریب
رعایا کو نجات دلانی تھی۔

ناگ ایک خوب صورت شہزادی کے روپ میں
شاہی محل میں رہنے لگا۔ اس نے جادوگر شاکول کے
ساتھ اتنی محبت جتائی کہ وہ ناگ کا گرویدہ ہو گیا۔ اگر
جادوگر شاکول سلیمانی مہر اپنے بازو پر باندھ کر غائب نہ
ہوتا تو وہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر ناگ کو پہچان لیتا
اور اسے اسی وقت ایک ننھے سے نقطے میں قید کر
سکتا تھا۔ مگر غائب ہونے کے بعد اس کا طلسم اس
سے رخصت ہو گیا تھا۔ اور اب وہ ناگ کو بھی نہیں
پہچان سکتا تھا اور اس پر کوئی طلسم بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ تو ناگ کے حسن پر لٹو ہو گیا تھا اور اسے دربار میں
اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا۔
ناگ یہی مقصد لے کر محل میں داخل ہوا تھا۔ اس
نے غیبی بادشاہ کی تعریفیں کر کر کے اسے احمق بنا لیا تھا۔
ایک روز ناگ شہزادی کے روپ میں غیبی شاکول کے
پاس قالین پر بیٹھا تھا۔ غیبی شاکول نے کاندھوں پر شال
اوڑھ رکھی تھی۔ ناگ کو اس کی صرف شال ہی دکھائی دے
رہی تھی۔ اس کا باقی سارا جسم غائب تھا۔ ناگ نے آنکھوں
میں جھوٹے آنسو لا کر رونا شروع کر دیا۔ جادوگر شاکول بیتاب
ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"ہماری ملکہ! تم کیوں رو رہی ہو؟ تمہیں کس شے کی
ضرورت ہے مجھے بتاؤ۔ میں ایک پل میں اسے
حاضر کر دیتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"عظیم دیوتا! مجھے سوائے تمہارے اور کسی چیز کی
ضرورت نہیں ہے۔"

غیبی شاکول ہنس کر بولا:

"لیکن میں تو تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔"

ناگ نے بڑی مکاری سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"وہ تو میں جانتی ہوں عظیم دیوتا۔ مگر مجھے اس
خیال سے رونا آ رہا ہے کہ اگر کسی نے آپ کا
جادو ختم کر دیا اور آپ مجھ سے جدا ہو گئے
تو میں کیا کروں گی۔"

غیبی شاکول نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا:

"ملکہ! ہم جادوگروں کے شہنشاہ سامری کے طلسم سے
غائب ہوئے ہیں۔ ہمیں کوئی شکست نہیں دے
سکتا۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن عظیم شہنشاہ! دشمن بھی تو وار کر سکتا ہے
اس لیے آپ کو ہمیشہ چوکس رہنا چاہیے۔ ہو سکتا
ہے دشمن جادوگروں کے بادشاہ سامری سے بھی
زیادہ طاقتور ہو۔"

غیبی شاکول بولا:

"سامری سے بڑا کوئی جادوگر نہیں ہے۔ جانتی ہو
اس نے مجھے اپنی خاص سلیمانی مہر کیوں دی تھی؟"

"نہیں عالم پناہ!" ناگ نے بھول پنے سے کہا:

شاکول بولا:

"میں نے جادوگر سامری اور اس کی بیوی سامرہ کو

دو ایسے انسانوں کے نقطے لا کر دیئے تھے جن کو اپنے ماتھوں پر لگا کر وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکل آئے اور اب ملک مصر میں شاہی جادوگر ہیں۔"

ناگ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ عنبر اور ماریا کے نقطے دوبارہ زندہ ہونے والے جادوگر سامری اور اس کی بیوی سامرہ کی پیشانیوں پر لگے ہیں اور وہ ملک مصر میں ہیں۔ اب ناگ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس ظالم شاکول کے غائب ہونے کا راز کیا ہے؟ اس نے ادھر ادھر کی باتوں سے غیبی شاکول سے بہت پوچھنے کی کوشش کی مگر اس نے کہا کہ یہ راز وہ اپنی ملکہ کو بھی نہیں بتا سکتا۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

"معاف کرنا ملکہ! مجھے سامری نے خبردار کیا ہوا ہے کہ اپنے غائب ہونے کا راز کسی کو نہ بتاؤں چلو شاہی باغ کی سیر کرتے ہیں۔"

ناگ اب اس کھوج میں رہنے لگا کہ کسی نہ کسی طرح غیبی شاکول کے غائب ہونے کا راز معلوم کیا جائے مگر وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ کیوں کہ وہ غیبی شاکول کو شک میں بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کے باوجود غیبی شاکول راز بتانا تو کیا اس پر بات بھی نہیں کرتا تھا۔ ایک روز تو

اس نے ناگ کو صاف صاف کہہ دیا:

"ملکہ! ہمیں تم سے بہت محبت ہے مگر ہم تمہیں بھی خبردار کرتے ہیں کہ آئندہ ہم سے ہماری غیبی طاقت کے راز کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔"

ناگ نے کہا:

"جو حکم بادشاہ سلامت۔"

لیکن ناگ نے اب دوسرے طریقوں سے اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ کبھی کبھی وہ ایک چھوٹا سا کالا سانپ بن کر غیبی شاکول کے شاہی کمرے میں رات کو چلا جاتا اور دیکھتا کہ وہ اکیلا کیا کرتا ہے۔ غیبی شاکول پلنگ پر سو رہا ہوتا۔ ناگ ساری ساری رات کمرے میں چھپا رہتا مگر غیبی شاکول کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے ناگ کو اس کی غیبی طاقت کا راز معلوم ہو سکتا۔

ایک رات ناگ کالا سانپ بن کر غیبی شاکول کے کمرے میں خفیہ طریقے سے گیا تو اس نے دیکھا کہ شاکول کا پلنگ خالی ہے۔ جب وہ پلنگ پر لیٹا ہوتا تھا تو پلنگ پر ایک چادر ابھری ہوتی تھی اور پلنگ اس کے دباؤ سے تھوڑا سا نیچے جھکا ہوتا تھا۔ آج ایسا نہیں تھا۔ کونے میں شاہی چراغ بجھا ہوا تھا اور کھڑکی میں سے چاندنی

اندر آ رہی تھی۔ ناگ حیران ہوا کہ غیبی شاکول آج کہاں
چلا گیا ہے۔ اچانک اسے قدموں کی آواز آئی۔ ناگ ہوشیار
ہو گیا۔ کسی نے شاہی چراغ کو روشن کر دیا۔ کمرے میں روشنی
پھیل گئی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ غیبی شاکول ہی ہے۔ ناگ چوکس
ہو کر کونے میں بیٹھ گیا۔

اسے غیبی شاکول کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"اے عظیم جادوگر سامری! تو سن رہا ہے۔ میں
اب ساری دنیا کا بادشاہ بننا چاہتا ہوں۔ مجھے
اس سے زیادہ طاقت عطا کر۔ مجھے جنوں کی
ایک فوج دے جو دوسرے ملکوں پر چڑھائی کر کے
مجھے فتح دلائے"

پھر خود ہی بولا:
"ہاں اے عظیم جادوگر! میں تمہاری ہدایت پر عمل
کر رہا ہوں۔ میں نے آج تک یہ راز کسی کو
نہیں بتایا کہ میرے بازو پر جو سلیمانی مہر بندھی
ہوئی ہے میں اس کی وجہ سے غائب ہوں۔ مگر
اب میں زیادہ بڑا اور عظیم بادشاہ بننا چاہتا
ہوں ۔۔۔"

وہ کچھ دیر سامری کی غیبی آواز سے باتیں کرتا رہا۔ سامری
کی غیبی آواز ناگ نہیں سن سکتا تھا۔ ناگ پر یہ

بھید بھی کھلا کہ جادوگر سامری کو بھی ناگ کی موجودگی کا
احساس نہیں تھا اور غیبی شاکول کے غائب ہونے کا راز
اس سلیمانی مہر میں چھپا ہوا تھا جو اس نے اپنے بازو
پر باندھ رکھی تھی۔ ناگ خاموشی سے کمرے سے نکل کر
اپنی شاہی خواب گاہ میں آ کر دوبارا یمن کی شہزادی بن
گیا۔ اب وہ یہ سوچنے لگا کہ اس کے بازو سے سلیمانی
مہر کس طریقے سے اتاری جائے؟ ناگ کو یاد آ گیا کہ عنبر
چونکہ جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا اس لیے وہ ایک چنن بوٹی
کا ذکر کیا کرتا تھا کہ اگر اسے کسی چیز میں گھول کر کسی کو
پلائی جائے تو وہ شخص بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ناگ ایک
رات سانپ کی شکل میں شاہی محل سے باہر نکل کر
ویران علاقے میں آ گیا۔ اس نے اس علاقے کے سب
سے بڑے سانپ کو بلا کر حکم دیا کہ اسے چنن بوٹی لا کر
دی جائے۔ بڑا سانپ اسی وقت گیا اور تھوڑی دیر کے
بعد ایک گھاٹی سے چنن بوٹی کا سوکھا ہوا پھل توڑ کر لے
آیا جو کالے بیر جتنا تھا۔ ناگ اس بوٹی کو لے کر واپس
محل میں آ گیا۔

دو روز بعد جب غیبی شاکول ناگ کی خواب گاہ میں
آیا تو ناگ اس وقت یمنی شہزادی کے روپ میں تھا۔
وہ غیبی شاکول سے بے حد محبت جتانے لگا اور اس

نے کہا:

"عظیم شہنشاہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے ہاں کھانا تناول فرمائیں"

غیبی شاکول نے خوش ہو کر کہا:

"مجھے خوشی ہو گی ملکہ سلامت!"

ناگ نے ہر شے پہلے سے ہی تیار کر رکھی تھی۔ کھانا لگا دیا گیا۔ اس کے ساتھ پھلوں کے رس کا جو گلاس بادشاہ کو دینا تھا اس میں ناگ نے چنن بوٹی گھول رکھی تھی۔ کھانے کے ساتھ غیبی شاکول مزے سے پھلوں کا رس پی گیا۔ ناگ نے سارے نوکروں کو رخصت کر دیا۔ اب خواب گاہ میں صرف ناگ اور غیبی شاکول رہ گئے۔ ناگ کو غیبی شاکول کی صرف شاہی شال ہی نظر آ رہی تھی۔

غیبی شاکول نے کہا:

"ملکہ! ہمیں نیند آ رہی ہے!"

چنن بوٹی نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

ناگ نے کہا:

"بادشاہ سلامت! آپ بستر پر لیٹ جائیں۔ میں آپ کا سر دباتی ہوں"

غیبی شاکول بستر پر لیٹ گیا اور ناگ ٹٹول کر اس کا سر دبانے لگا۔ وہ اس کے ساتھ باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔

غیبی شاکول ہوں ہاں کر رہا تھا۔ پھر اس کی آواز آنی بند ہو گئی۔ ناگ نے دو تین بار آوازیں دیں۔ مگر غیبی شاکول نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب ناگ کو یقین ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو چکا ہے تو اس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اس کے بازو کی طرف بڑھایا۔ اس کے بازو پر سلیمانی مہر بندھی ہوئی تھی۔

ناگ نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور جلدی سے سلیمانی مہر کھول دی۔ وہ ایک دم سے ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیوں کہ ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی اور ناگ نے دیکھا کہ بستر پر غیبی شاکول کا ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے۔ ناگ سمجھ گیا کہ غیبی شاکول کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو گیا ہے۔ اس نے سلیمانی مہر اپنی جیب میں ڈالی اور محل میں آ کر شور مچا دیا کہ غیبی بادشاہ مر گیا ہے۔ سارا محل جاگ اٹھا۔ ہر طرف شور مچ گیا۔ درباری اور شاہی خاندان کے لوگ بہت خوش تھے۔ ظالم غیبی شاکول کے ہڈیوں کے ڈھانچے کو توڑ کر اسے دریا میں بہا دیا گیا۔ ناگ اب انسانی شکل میں واپس آ گیا تھا۔ اس نے شاہی تخت اس کے جائز وارث شہزادے کے حوالے کیا اور خود عنبر اور ماریا کو جادوگر سامری اور اس کی بیوی سامرہ کی قید سے رہا کرانے کے لیے وہاں سے ملک مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جادوگر سامری اور اس کی بیوی ملکہ مصر کے شاہی دربار
میں شاہی جادوگر اور جادوگرنی کی حیثیت سے ایک بڑے
عہدے پر تھے اور جادوگر سامری نے اپنے جادو کے زور
سے فرعون کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا اور من مانی کر
رہا تھا۔ ناگ اپنی اصل شکل میں مصر میں داخل ہوا تھا۔
مصر کا دارالحکومت تھیبز تھا اور یہ آج سے ہزار سال پہلے
بھی ناگ نے دیکھا ہوا تھا۔ آدھی رات گزر جانے کے
بعد ناگ شہر سے باہر نکل آیا اور صحرا میں ایک شاہی
اہرام میں گیا جہاں قدیم فرعون ملکہ نفریتی کا مقبرہ تھا اور
جو ناگ کو جانتی تھی۔ ناگ نے ملکہ نفریتی کے مقبرے کے
آگے کھڑے ہو کر اسے بلایا اور کہا کہ وہ عنبر اور ماریا کی
تلاش میں آیا ہے اس کی مدد کی جائے۔ نفریتی کی دور زمین کی
گہرائی سے آتی آواز آئی جس نے ناگ سے کہا کہ وہ جادوگر
سامری سے ہوشیار رہے۔ کیونکہ اس کو جادو کے زور سے ناگ
کے آنے کی خبر ہو گئی ہے اور اس نے پیتل کا ایک سانپ
بنا کر اس پر طلسم پھونک کر چھوڑ دیا ہے جو ناگ کی تلاش
میں ہے اور وہ ناگ کو ہلاک کر سکتا ہے۔ ناگ نے کہا میں
اس سے کیسے بچ سکتا ہوں؟ نفریتی کی روح کی آواز آئی کہ
تم میری قبر کی تھوڑی سی مٹی اپنے ماتھے پر لگا لو۔ ناگ نے
مقبرے کی مٹی لے کر اپنے ماتھے پر لگا لی۔ نفریتی ملکہ

کی آواز آئی۔ جاؤ۔ پیتل کا طلسمی سانپ اب تمہارا کچھ نہیں
بگاڑ سکے گا۔ مگر اس کے بعد جادوگر سامری کا تمہیں خود
مقابلہ کرنا ہو گا۔ نفریتی کی آواز غائب ہو گئی اور ناگ اہرام
سے باہر نکل آیا۔ وہ سیدھا شاہی محل کی طرف چل پڑا۔
ایک جگہ سے اسے سانپ کی زبردست پھنکار کی آواز
سنائی دی۔ پیتل کا طلسمی سانپ آ گیا تھا۔

○

- ناگ اور طلسمی سانپ کے مقابلے کا کیا نتیجہ نکلا؟
- عنبر اور ماریا انسانی لفظوں سے بدل کر پھر کیسے انسانی شکل میں آئے؟
- کیپٹن پین امریکن ائر لائنز کی ائیر ہوسٹس کب تک بنی رہی؟ اور اس کی عنبر ناگ اور ماریا سے کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی؟

ان سوالوں کے سنسنی خیز اور حیرت انگیز جواب آپ کو عنبر ناگ ماریا کی اگلی قسط نمبر ۸۱ میں ملیں گے جس کا عنوان "قفل والا پُراسرار چہرہ" ہے۔

عنبر ناگ ماریا کمپنی
اور خلا میں

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ
۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور-۸